مطبوعات ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، پاکستان

تا کہ وہ دین میں فہم پیدا کریں

رسالۂ قشیریہ

تصنیف

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری

(۳۷۶ھ — ۴۶۵ھ)

ترجمہ، مقدمہ و تعلیقات

ڈاکٹر پیر محمد حسن، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی،

صدر شعبۂ ادب عربی، جامعۂ اسلامیہ، بہاول پور

ناشر : ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی - اسلام آباد - (پاکستان)
اشاعت اوّل: ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء -
تعداد : ایک ہزار -
قیمت : ~~پندرہ روپیہ~~ 18/-

نور آرٹ پریس لیاقت روڈ راولپنڈی - فون نمبر: ۶۵۳۶۵۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پیش لفظ

الرسالۃ القشیریہ مصنف امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری (المتولد ۳۷۶ھ والمتوفی ۴۶۵ھ) جس کا اردو ترجمہ پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے، تصوفِ اسلامی کی قدیم ترین چند کتابوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ امام قشیری مصنف رسالہ قشیریہ اور شیخ ہجویری (داتا گنج بخش لاہوری) مصنف کشف المحجوب کی وفات، مشہور روایت کی بنا پر ایک ہی سال یعنی ۴۶۵ھ میں ہوئی ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کی تصنیف کا زمانہ بھی قریب قریب ایک ہی ہے۔ رسالہ قشیریہ ۴۳۷ھ و ۴۳۸ھ میں تصنیف کیا گیا تھا، اور اسی سال یا ایک دو سال کے بعد کشف المحجوب کی تصنیف ہوئی۔

رسالہ قشیریہ کے مصنف ایک مفسر، مؤرخ، ادیب اور شاعر ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے مشہور صوفیاء میں سے تھے، یہ شیخ ابوعلی دقاق کے مرید تھے، اور انھوں نے اپنے شیخ کی وفات کے بعد شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے استفادہ کیا تھا۔ بحیثیت مصنف اور عالم کے بھی ان کا بڑا مرتبہ ہے۔ الرسالۃ القشیریہ کے علاوہ بارہ مشہور کتابوں کے مصنف ہیں، خصوصاً ان کی تفسیر الکبیر کی مشاہیر علماء مثلاً ابن خلکان اور امام سیوطی وغیرہ نے بڑی تعریف کی ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی طرف سے الرسالۃ القشیریۃ کا (جس کا عربی متن بارہا مصر سے شائع ہو چکا ہے) مکمل اردو ترجمہ اوّلین بار شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ ترجمہ بڑی محنت و مشقت اور بڑی مہارت کے ساتھ ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب نے کیا ہے۔ نہ صرف ترجمہ کیا ہے بلکہ وسیع مقدمہ اور تفصیلی حواشی، حوالہ جات اور فہارس کا اضافہ کر کے کتاب

کی افادیت کو بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔

اہلِ علم پر واضح ہے کہ تصوف اور صوفیائے کرام کی تاریخ اور تصوف کی اصطلاحات کی تشریح و وضاحت میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

امام قشیری کے دوسرے تین نادر رسالے ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب موصوف کی مساعی سے اُردو ترجمے کے ساتھ الرسائل القشیریہ کے عنوان سے چند سال قبل اسی ادارے سے شائع کئے جا چکے ہیں، اور قارئین میں مقبول ہو چکے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ اس عظیم الشان کتاب کی اشاعت کو علمی حلقوں میں پسند کیا جائے گا، اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی اس خدمت کو اہلِ علم حضرات بلند مقام عطا فرمائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقِ خیر بخشے۔

وما توفیقنا إلا باللہ العلیّ العظیم!

محمد صغیر حسن معصومی

پروفیسر انچارج

اسلام آباد، ۱۴ اپریل ۱۹۷۰ء

فہرست مضامین

مصادر

(۱) احیاء علوم الدین لابی حامد الغزالی م ۵۰۵ھ طبع مصر ۱۳۵۸ھ

(۲) اخبار اصفہان للامام الحافظ ابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ۔ طبع لائیڈن ۱۹۳۴ء

(۳) اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام طبع پنجاب یونیورسٹی جلد چہارم

(۴) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لعز الدین ابی الحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری المعروف بابن الاثیر م ۶۳۲ھ۔ طبع طہران۔

(۵) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ مطبع تیج کمار لکھنؤ

(۶) الاعلام للزرکلی

(۷) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (انگریزی) مقالہ قشیری

(۸) الانوار القدسیہ فی آداب العبودیہ لعبدالوہاب شعرانی۔ طبع مصر برحاشیہ لواقح الانوار

(۹) اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز از نکلسن

(۱۰) البدایہ والنہایہ للحافظ الامام المفسر عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ۔ طبع مصر۔

(۱۱) تاریخ اسلام وطبقات مشاہیر الاسلام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ طبع مصر ۱۳۴۹ء

(۱۲) تاریخ بغداد للحافظ ابی بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ طبع مصر ۱۹۴۹ء

(۱۳) تاریخ جرجان لابی القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی الجرجانی المتوفی ۴۲۷ھ طبع حیدر آباد دکن ۱۳۶۹ھ

(۱۴) تاریخ کبیر لابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ طبع حیدر آباد دکن ۱۳۶۳ھ

(۱۵) تاریخ یمینی لابی نصر محمد بن عبدالجبار العتبی المتوفی ۴۲۸ھ۔ طبع لاہور

(۱۶) تحفۃ الابرار از مرزا آفتاب بیگ عرف محمد نواز مرزا دہلوی مطبع رضوی دہلی ۱۳۳۳ھ

(۱۷) تذکرۃ الحفاظ للامام الحافظ شمس الدین ابی عبداللہ الذہبی م ۷۴۸ھ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ
(۱۸) تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) از فریدالدین عطار - طبع لاہور - دین محمدی پریس
(۱۹) التصوف والمتصوفہ لعبداللہ الحسین - طبع قاہرہ
(۲۰) تلبیس ابلیس از ابن الجوزی
(۲۱) تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس علی ہامش القرآن الکریم لابی طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی م ۸۱۷ھ طبع مصر ۱۳۵۶ھ
(۲۲) تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ - طبع حیدرآباد دکن۔
(۲۳) الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی - طبع مصر۔
(۲۴) الجرح والتعدیل لابی محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ - ۹۲۹ء طبع حیدرآباد دکن ۱۳۷۱ھ
(۲۵) حلیۃ الاولیاء للحافظ ابی نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد الاصبہانی م ۴۳۰ھ - طبع مصر
(۲۶) حیات جاوداں از ڈاکٹر پیر محمد حسن - طبع راولپنڈی
(۲۷) حیات القلوب لعماد الدین الاموی علی ہامش قوت القلوب - طبع مصر
(۲۸) خزینۃ الاصفیاء - از مفتی غلام سرور لاہوری
(۲۹) خزینۂ معارف اردو ترجمہ "الابریز" از ڈاکٹر پیر محمد حسن - طبع لاہور
(۳۰) خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر لمحمد المحبی الطبری - طبع مصر
(۳۱) دُوَلُ الاسلام للحافظ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان قائماز الترکی الذہبی م ۷۴۸ھ - طبع حیدرآباد
(۳۲) ذیل طبقات الحنابلہ لابن رجب زین الدین ابی الفرج عبداللہ بن شہاب الدین البغدادی م ۷۹۵ھ - طبع مصر
(۳۳) روح المعانی از آلوسی کبیر طبع مصر
(۳۴) سراج القلوب و علاج الذنوب لابی علی زین الدین علی ہامش قوت القلوب
(۳۵) Sufism از A. J. Arberry
(۳۶) شذرات الذہب فی اخبار من ذہب للمؤرخ الفقیہ الادیب ابی الفلاح عبدالحی بن العماد

الحنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ۔ طبع مصر

(۳۷) شرح التعرف لمذہب التصوف لابی ابراہیم اسمٰعیل بن محمد بن عبد اللہ المستملی البخاری م ۴۳۴ھ
طبع نول کشور

(۳۸) شرح رسالۂ قشیریہ از صدر الدین ابو الفتح سید محمد حسینی گیسو دراز م ۸۲۵ھ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۶۱ھ

(۳۹) شرح الرسالۃ القشیریہ لشیخ الاسلام زکریا الانصاری علی ہامش نتائج الافکار القدسیہ۔ طبع مصر ۱۲۹۰ھ

(۴۰) شرح منازل السائرین للشیخ الامام سدید الدین ابی محمد عبد المعطی بن ابی الثناء محمد بن عبد المعطی اللخمی الاسکندری تحقیق الاب س۔ د۔ ی لوجلیہ دی لوبرکی الدومنکی۔ طبع قاہرہ ۱۹۵۴ء

(۴۱) شرح منازل السائرین لمحمود بن شیخ شیوخ العارفین حسن بن محمد الشافعی الفرکاوی المتوفی بعد ۷۹۵ھ
تحقیق دی لبورکی۔

(۴۲) صفوۃ الصفوۃ لابی الفرج ابن الجوزی م ۵۹۷ھ

(۴۳) طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلی الحنبلی م ۵۲۶ھ۔ طبع مصر

(۴۴) طبقات الشافعیۃ الکبری لتاج الدین عبد الوہاب بن السبکی ۷۷۹ھ طبع مصر

(۴۵) طبقات الصوفیہ: لابی عبد الرحمٰن السلمی م ۴۱۲ھ طبع مصر

(۴۶) طبقات المفسرین۔ لجلال الدین السیوطی طبع لیڈن ۱۸۳۹ء

(۴۷) عوارف المعارف لابی حفص شہاب الدین عمر بن محمد بن عبد اللہ السہروردی م ۶۳۲ھ علی ہامش احیاء علوم الدین۔

(۴۸) فتح الباری لابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ طبع مصر

(۴۹) الفہرست لابی الفرج محمد بن اسحٰق الوراق المعروف بابن یعقوب الندیم البغدادی م ۳۸۵ھ
طبع مصر ۱۳۴۷ھ

(۵۰) فیض الباری شرح صحیح البخاری سید انور شاہ الکشمیری۔ طبع مصر

(۵۱) قوت القلوب لابی طالب محمد بن ابی الحسن علی بن عباس المکی م ۳۸۶ھ۔ طبع مصر

(۵۲) کتاب جامع کرامات الاولیاء لیوسف بن اسمٰعیل النبہانی م ۱۳۵۰ھ۔ طبع مصر

(۵۳) کتاب اللمع لابی نصر السراج م ۳۷۸ھ تحقیق نکلسن۔ طبع یورپ
(۵۴) کشف الظنون لحاجی خلیفہ م ۱۰۶۹ھ
(۵۵) کشف المحجوب سید علی ہجویری ۔ طبع ڈوکووسکی
(۵۶) اللباب فی تہذیب الانساب للمؤرخ الکبیر عز الدین ابی الحسن علی بن محمد بن الاثیر الجزری م ۶۳۲ھ طبع مصر ۱۳۵۷ھ
(۵۷) لطائف الاشارات للقشیری۔ پیش لفظ از استاد حسن عباس زکی۔ تحقیق وتقدیم وتعلیق از دکتور ابراہیم بسیونی طبع قاہرہ
(۵۸) لواقح الانوار لعبد الوہاب الشعرانی م ۹۷۳ھ ۔ طبع مصر
(۵۹) معجم البلدان للشیخ الامام شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی الرومی م ۶۲۶ھ طبع بیروت ۱۳۷۵ھ
(۶۰) معجم المؤلفین لعمر رضا کحالہ
(۶۱) المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الآثار لحافظ الاسلام زین الدین ابی الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی م ۸۰۶ھ علی ہامش احیاء علوم الدین
(۶۲) الملل والنحل (اردو ترجمہ) لابی محمد علی بن احمد بن حزم م ۴۵۶ھ ۔ طبع حیدر آباد دکن
(۶۳) الملل والنحل للشہرستانی م ۵۴۸ھ ۔ طبع مصر
(۶۴) المنتظم لابی الفرج عبد الرحمن بن علی بن الجوزی م ۵۹۷ھ ۔ طبع حیدر آباد دکن ۱۳۵۷ھ
(۶۵) نتائج الافکار القدسیہ فی بیان معانی شرح الرسالۃ القشیریہ۔ للسید مصطفیٰ بن محمد الصغیر العروسی الشافعی الازدی م ۱۲۹۳ھ ۔ طبع مصر ۱۲۹۰ھ
(۶۶) نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین للسیوطی م ۹۱۱ھ و ۱۵۰۵ء طبع حیدر آباد دکن ۱۳۸۱ھ
(۶۷) نفحات الانس لعبد الرحمن الجامی م ۸۹۸ھ طبع نولکشور ۱۹۱۵ء اور طبع مطبع اسلامی لاہور
(۶۸) نقد العلم والعلماء او تلبیس ابلیس لابن جوزی ۔ طبع مصر
(۶۹) نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب لابی العباس احمد القلقشندی م ۷۵۶ھ طبع قاہرہ ۱۹۵۹ء
(۷۰) وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان لابی العباس احمد بن محمد بن ابراہیم المعروف بابن خلکان م ۶۸۱ھ طبع مصر

مقدمہ

عرضِ حال

غالباً جولائی سنہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ مکرمی چودھری عبدالعزیز صاحب کنٹرولر کسٹمز (ای ویلیولیشن) سرکاری دورہ پر راولپنڈی تشریف لائے۔ اُن سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں میں اُن سے بہت متاثر ہوا۔ جب تک راولپنڈی میں اُن کا قیام رہا۔ ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ایک روز برسبیلِ تذکرہ فرمانے لگے کہ کوئی ایسا کام کرنا چاہیئے جس سے مخلوقِ خدا کو ہدایت اور فائدہ ہو اور متقدمین صوفیاء کے آثار کی نشرواشاعت پر زور دیا اور باصرار فرمانے لگے کہ آج تک رسالہ قشیریہ کا ترجمہ اُردو زبان میں نہیں ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ کر ڈالئے کہ یہ اجہات کتب تصوف میں سے ہے۔ اُن کے فرمانے کا مجھ پر بہت اثر ہوا اور دوسرے ہی دن ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ دیگر فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی کرتا رہا۔ اور تقریباً ایک سال میں ترجمہ مکمل ہوا تو احساس ہوا کہ حواشی بھی ساتھ ہونے چاہئیں۔ یہ ایک بہت ہی کٹھن کام تھا۔ کہیں کہیں رُواۃ کے نام غلط چھپے ہوئے تھے۔ اُن کا درست کرنا جُوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ چنانچہ رسالہ میں ایک نام عطیہ بن وشاح چھپا ہوا ہے۔ بہت کوشش کی مگر اس نام کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ پھر ماقبل و مابعد کے راویوں کی چھان بین سے معلوم ہوا کہ صحیح نام عقبہ بن وساج ہے۔ جو بگڑ کر عطیہ بن وشاح بن گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۵۵ - ۱۵۶ پر حسب ذیل سند دی ہے:

سمعت محمد بن الحسین یقول سمعت محمد بن احمد بن سعید یقول سمعت محمد بن احمد بن سھل یقول سمعت سعید بن عثمان الخ

مگر یہی سند صفحہ ۴۸ پر یوں ہے :-

وسمعتہ یقول سمعت سعید بن احمد بن محمد یقول سمعت محمد بن احمد بن سمعیل الخ

پہلی سند میں محمد بن احمد بن سعید اور دوسری سعید بن احمد بن محمد پریشان کن ہے۔

اسماء رجال کی کم یابی کے باعث بہت سے رُواۃ کے حالات کا پتہ نہ چل سکا جن اشخاص کے حالات کا پتہ نہیں چل سکا ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اقوال و احوال صوفیہ کے راوی ہیں۔

حال ہی میں رسالہ قشیریہ کا ایک نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے جس کی تحقیق و تصحیح ڈاکٹر عبد الحلیم محمود نے کی ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے تصحیح و تحشیہ کا حق ادا نہیں کیا۔ اسماء کی اغلاط اسی طرح موجود ہیں۔

مقدمہ لکھنے کا کام اور بھی اہم تھا۔ امام قشیری رحمہ اللہ کے حالات سے مفصل بحث کرنے کے لئے جو کچھ مواد مجھے دستیاب ہوا میں نے اس سے استفادہ کی پوری کوشش کی ہے۔

میں چودھری صاحب موصوف کا نہ صرف اس لئے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری توجہ اس کام کی طرف منعطف کی بلکہ اس لئے بھی کہ انھوں نے قشیری رحمہ اللہ کے رسالوں کے عکسی نسخے اور چند کتابیں مثلاً شرح رسالہ زکریا انصاری مع نتائج الافکار القدسیہ، کتاب اللمع اور شرح گیسو دراز بہم پہنچائیں۔

اِس وقت لیفٹننٹ کرنل عبد العزیز رحلت فرما چکے ہیں۔ خدا انھیں مغفرت کرے اور ان پر رحمت کی بارشیں برسائے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں جبقدر مجھ پر کرم فرمائی کی کسی پر نہیں کی۔ جسقدر کتابیں چاہتا تھا اُن سے لے آتا تھا۔ حق بات یہ ہے کہ حواشی کے لکھنے کا کام اُن کے قیمتی کتب خانہ کی مدد سے ہو سکا ہے۔

محمد حسن

۱۵ر جولائی ۱۹۶۹ء

امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری

نام ونسب الامام الاستاذ زین الاسلام عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد ابوالقاسم الاستوائی النیسا بوری[1] الشافعی المحدث الصوفی۔ قشیری نسبت دو وجہ سے آتی ہے۔ ایک قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ[2] کی طرف ہے۔ اور یہاں قشیری سے یہی نسبت مراد ہے[3]۔ اسی خاندان سے ابوامیہ انس بن مالک القشیری الصحابی اور کئی جلیل القدر علماء ہوئے ہیں۔ مثلاً بہز بن حکیم بن معاویہ بن حیدہ القشیری اور امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری (م ۲۶۱ھ) وغیرہ

دوسری نسبت قشیر بن خزیمہ بن مالک بن سلامان بن افصی بن حارثہ کی طرف ہے۔ مگر یہاں یہ نسبت مراد نہیں۔

ابوالقاسم قشیری ان عربوں کی اولاد میں سے تھے جو خراسان کے نواح میں آکر آباد ہو گئے[4] تھے والد کی طرف سے قشیری اور والدہ کی طرف سے سُلمی[5] تھے۔ ان کے ماموں ابوعقیل سُلمی کا شمار استوا[6] کے علاقہ کے سرکردہ زمینداروں میں ہوتا تھا[7]۔ قشیری کے خاندان کے لوگ بھی اسی استوا میں آباد تھے۔ اور خود قشیری بھی یہیں کے رہنے والے[8] تھے۔

پیدائش ابوالقاسم قشیری ماہ ربیع الاول ۳۷۶ھ میں بمقام استوا پیدا ہوئے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا[9]۔ پھر ابوالقاسم الالیمانی کے پاس گئے۔ اور ان سے ادب اور عربی زبان پڑھی[10]

---

(۱) تاریخ لبغداد: ۱۱: ۸۳ (۲) اسد الغابہ: ۱: ۱۲۷ ذ اللباب: ۲: ۴۶۴ ذ نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب - زیر بنو قشیر۔ (۳) اللباب: ۲: ۴۶۴ (۴) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۵) البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۰۷ ذ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۶) استوا نیشاپور کے نواح میں بہت بڑا قصبہ تھا، جو کئی گاؤں پر مشتمل تھا۔ (۷) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۸) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵ (۹) تاریخ لبغداد: ۱۱: ۸۳ ذ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۱۰) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴۔

جب ذرا ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ اُن کے گاؤں پر بہت بھاری لگان لگا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے زمیندار طبقہ کے اکثر لوگ شاکی تھے۔ قشیری حساس طبع واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے اس تکلیف کو محسوس کیا۔ اور خیال کیا کہ نیشاپور جا کر علم حساب سیکھوں اور پھر محکمۂ استیفاء میں ملازمت اختیار کر کے اپنے گاؤں کو بھاری لگان سے نجات دلاؤں۔ چنانچہ قشیری اس ارادہ سے نیشاپور چلے آئے[1]۔

نیشاپور خراسان کا پایۂ تخت تھا۔ اور قدیم زمانہ سے علماء کا مرکز[2] اور علوم و فنون کا گہوارہ چلا آرہا تھا۔ قشیری کے زمانہ میں بھی یہاں کے لوگوں کا علمی ذوق اور علوم و فنون کا چرچا برابر عروج پر تھا۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے اپنے استاد ابوبکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب الخوارزمی البرقانی المتوفی ۴۲۵ھ سے مشورہ کیا کہ میں طلب علم کے لئے کہاں جاؤں۔ اُن کے پیشِ نظر صرف دو مقام تھے۔ ایک مصر جہاں ابو محمد عبدالرحمن بن النحاس (م ۴۱۶ھ) تھے اور دوسرے نیشاپور۔ برقانی نے کہا، مصر جا کر تو تمھیں صرف ایک آدمی ملے گا اور اگر وہ بھی نہ مل سکا تو تمہاری تمام کوشش رائیگاں جائے گی۔ اور اگر تم نیشاپور چلے جاؤ تو وہاں تمھیں کئی عالم مل جائیں گے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے نیشاپور کا سفر اختیار کیا[3]۔

نیشاپور کے علماء کی کثرت کو دیکھتے ہوئے حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) مصنف مستدرک نے نیشاپور کی تاریخ لکھی[4] اور پھر ابوالحسن عبدالغافر فارسی (م ۵۲۹ھ) نے اس کتاب کا ذیل لکھا۔

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵ (۲) یہاں کے علماء کی اس جگہ فہرست دینا ناممکن ہے چند نام یہ ہیں:- بخاری کے استاد ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ نیشاپوری م ۲۵۸ھ جن کی امام احمد بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد (م ۳۲۴ھ) و امام الائمہ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) و محمد بن احمد بن بالویہ (م ۳۴۰ھ) ابو عبداللہ بن محمد بن ابی عمرو محمد بن یحییٰ (۳۴۲ھ میں بغداد آئے) و محمد بن محمد بن ابی الموفق (م ۳۴۷ھ) محمد بن ابی نصر محمد بن علی ابو عبید (م ۳۴۰ھ) و محمد بن یوسف بن احمد القطان الاعرج (م ۳۴۴ھ) اور محمد بن یحییٰ بن الحسن ابو عمر متوفی ۳۴۰ھ۔ (۳) تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۱۴ (۴) تذکرۃ الحفاظ ۳: ۲۳۱

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ قشیری کا نیشاپور آنے کا مقصد علم دین حاصل کرنے کا نہ تھا بلکہ حصول دنیا تھا۔ اور اس وقت تک اُن کی طبیعت کی افتاد بھی ایسی تھی کہ دنیا داروں سے میل جول رکھنا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ ابن الجوزی لکھتے ہیں[1]:۔

وَكَانَ يَهْوىٰ مُخَالَطَةَ أَهْلِ الدُّنْيَا

(یہ دنیا داروں سے میل جول رکھنے کے خواہاں تھے)

قشیری اس ارادے سے نیشاپور آئے۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک حدیث میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یَعْجَبُ مِنْ قَوْمٍ یُقَادُوْنَ اِلَی الْجَنَّۃِ بِالسَّلَاسِلِ

(اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جنہیں زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جاتا ہے)

قشیری کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ آئے تھے۔ استیفا کے محکمہ میں ملازمت کی نیت سے مگر یہاں اُن کے لئے درویشی رکھی تھی۔ ان دنوں نیشاپور میں ابو علی الحسن بن علی النیشاپوری الدقاق کا طوطی بول رہا تھا۔ یہ بڑے صاحب کشف و کرامات تھے قشیری کا اُن کی مجلس میں گذر ہوا۔ دقاق کا کلام سنتے ہی دل میں اتر گیا اور علم حساب وغیرہ پڑھنے اور سرکاری ملازمت اختیار کرنے کا خیال رفوچکر ہو گیا۔ اور راہِ طریقت اختیار کرلی۔

ادھر ابو علی دقاق نے بھی اپنی فراست سے ان میں نجابت کی علامتیں بھانپ لیں۔ انھیں گوہر نایاب پایا اور اپنی "ہمت" سے اپنی طرف کھینچا۔ قشیری کو بھی راہ طریقت کا ایسا چسکا لگا کہ اسی در کے ہو رہے۔ چونکہ طریقت کی بنیاد علم شریعت پر ہے۔ اس لئے ابو علی دقاق نے انھیں علوم شریعت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ قشیری ابو بکر محمد بن ابی بکر الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ کے درس میں شامل ہو گئے اور اُن سے علم فقہ پڑھا۔ علم فقہ میں قشیری نے اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ اس علم میں انھوں نے شروح و حواشی لکھے۔ پھر اُن کے مشورے سے امام ابو بکر بن فورک (م ۴۰۶ھ) کے پاس گئے۔ وہ اس زمانہ میں علم اصول کے امام مانے جاتے تھے۔

---

(۱) المنتظم: ۸: ۲۸۰

قشیری نے اُن سے علمِ اصول پڑھا اور اس میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ ان کے چوٹی کے تلامذہ میں شمار ہونے لگے۔ انہی سے اصولِ فقہ کا علم بھی پڑھا۔ ابن فورک کی وفات کے بعد قشیری استاد ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی (م ۴۱۸ھ) کے مدرسہ میں جانے لگے۔ اس زمانہ میں ابو اسحٰق کا مدرسہ ایک بے نظیر مدرسہ مانا جاتا تھا۔ اسی مدرسہ میں ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی الحافظ المتوفی ۴۵۸ھ اور قاضی ابو الطیب الطبری المتوفی ۴۵۰ھ نے تعلیم پائی[۱]۔

قشیری کئی دنوں تک اسفرائینی کا درس سنتے رہے۔ ایک دن انھوں نے فرمایا[۲]:

یہ علم محض سماع سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اُسے لکھ کر محفوظ کر لینا چاہیئے۔

ان کا خیال تھا کہ اتنے دنوں کا درس انھیں یاد نہ ہوگا۔ مگر قشیری نے ان تمام دنوں کے اندر جو کچھ ابو اسحٰق سے سنا تھا۔ من وعن دہرا دیا۔ ابو اسحٰق یہ دیکھ کر متعجب ہوئے انھیں قشیری کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔ اور ان کی عزت کرنے لگے۔ اور فرمایا[۳]:

مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اس مقام تک پہنچ چکے ہو۔ تمہیں میرا درس سننے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے لئے میری تصانیف کا مطالعہ کر لینا کافی ہے۔

قشیری نے استاد ابو اسحٰق اسفرائینی اور استاد ابو بکر بن فورک دونوں کے طریقوں کو اکٹھا کر کے ایک نیا طریقہ بنا لیا۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد انھوں نے قاضی ابو بکر محمد بن الطیب الباقلانی المالکی (م ۴۰۳ھ) کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔

سبکی نے قشیری کے استادوں میں ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی (م ۴۲۹ھ) کا بھی نام لیا ہے۔ ان تمام علوم کے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ابو علی دقاق کی مجلس میں بھی باقاعدہ حاضری دیا کرتے۔ اور راہِ سلوک کے مدارج طے کرتے تھے۔

سلسلۂ بیعت قشیری نے اپنے رسالہ میں اپنے شیخ ابو علی دقاق کی زبانی اپنا سلسلہ بیعت بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں[۴] کہ استاد ابو علی دقاق فرماتے تھے کہ انھوں نے

---

(۱) شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱؛ وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵

(۲) شذرات الذہب ۳: ۲۱۰- (۳) شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱؛ وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵، اور طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۴ (۴) رسالہ قشیریہ: ۱۴۷۔

راہ طریقت نصر آبادی سے حاصل کی، نصر آبادی نے شبلی سے، شبلی نے جنید سے، جنید نے سری سے، سری نے معروف کرخی سے اور معروف کرخی نے داؤد طائی سے اور داؤد طائی کی ملاقات تابعین سے تھی۔

شیخ کا ادب و احترام قشیری اپنے شیخ ابو علی دقاق کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جب کبھی وہ اپنے شیخ نصر آبادی کے پاس جاتے تو پہلے غسل کرتے۔ پھر اُن کی مجلس میں جاتے مگر قشیری اپنے شیخ سے بھی ایک قدم آگے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی میں اپنے شیخ کی مجلس میں جاتا تو اس روز روزہ رکھتا۔ پھر غسل کرتا۔ تب ابو علی دقاق کی مجلس میں جاتا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مدرسہ کے دروازہ تک پہنچ گیا۔ مگر شرم و حیا کے مارے دروازے سے ہی لوٹ آتا۔ اور اگر کبھی جرأت کرکے اندر داخل ہو جاتا اور مدرسہ کے وسط تک پہنچ چکا ہوتا کہ تمام بدن میں سنسنی ہوتی۔ ایسی حالت میں اگر مجھے سوئی بھی چبھو دی جاتی تو شاید میں اسے محسوس نہ کرتا۔[۱]

پھر جب مجلس میں بیٹھ جاتا تو مجھے خود کسی قسم کا سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ ابھی بیٹھتا ہی ہوتا کہ وہ از خود میرا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیتے۔ یہ معاملہ میرے ساتھ کئی بار ہوا۔ چنانچہ میں دل میں سوچا کرتا کہ اگر بالفرض اس وقت مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کوئی رسول بھیج دے تو کیا میں اس سے بڑھ کر تعظیم کر سکوں گا؟ میرے تصور میں یہ بات نہ آتی کہ ایسا ممکن بھی ہو سکتا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ اتنا طویل عرصہ اُن کی خدمت میں جاتا رہا۔ اور اُن سے میرا تقرب بھی رہا۔ مگر کیا مجال کہ کبھی اُن پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا خیال دل میں آیا ہو۔ تا آنکہ ابو علی دنیا سے رخصت ہو گئے۔[۱] ابو علی کی وفات کے بعد یہ ابو عبد الرحمٰن سلمی کی صحبت میں رہے۔ تا آنکہ استاد خراسان شمار ہونے لگے۔

شادی ابو علی دقاق قشیری کے ان حالات کو دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا انھوں نے باوجود اس کے کہ اُن کے اپنے رشتہ داروں میں صالح نوجوانوں کی کمی نہ تھی۔ اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد قشیری

---

(۱) رسالہ قشیریہ: ۱۱۶۔

سے کر دیا۔ تذکرہ نویسوں نے اُن کی شادی کی تاریخ نہیں دی ہے۔ مگر ہم قیاس سے شادی کی تاریخ کی تعیین کرتے ہیں۔

قشیری کی تمام اولاد فاطمہ کے بطن سے تھی۔ اُن کے سب سے بڑے لڑکے ابو سعد عبداللہ کی پیدائش ۴۱۳ھ میں ہوئی۔ فاطمہ کی وفات بعمر نوے سال ۴۸۰ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے وہ ۳۹۰ھ میں پیدا ہوئیں۔ اگر شادی کے وقت ان کی عمر کم از کم پندرہ سال مان لی جائے تو ان کی شادی ۴۰۵ھ اور ۴۱۲ھ کے درمیان ہوئی ہوگی۔

اِبتلا کا زمانہ سبکی نے قشیری کے ابتلا کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے[1]۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ سُلطان طغرلبک[2] کا عہد حکومت تھا۔ یہ سلطان عقیدۃً حنفی اور سُنی تھا۔ علماء سے محبت رکھتا اور نیک اور عادل تھا۔ طغرل کا وزیر ابو نصر منصور بن محمد الکندری دم ۴۵۰ھ معتزلی رافضی اور نہایت بدعقیدہ تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ قدریہ فرقہ کی تمام بُرائیاں اس میں پائی جاتی تھیں۔ صحابہ کو بالعموم اور شیخین (ابوبکر و عمر) کو بالخصوص گالیاں دیا کرتا۔ پھر کرامیہ اور مجسمہ کے بُرے عقائد بھی اس میں تھے۔ مثلاً اللہ کو مخلوق سے مشابہ ماننا۔ ساتھ ہی سخت مذہبی تعصب رکھتا تھا۔

اس زمانے میں ابوسہل سہل[3] بن الموفق رؤساء شہر میں شمار ہوتے تھے۔ یہ بڑے مالدار اور سخی تھے۔ ان کے صدقات و خیرات کے قصے عام تھے۔ بعض اوقات ایک ہی سائل کو ایک ہزار دینار دے دیتے۔ ان کے گھر میں حنفی اور شافعی علماء اور بڑے بڑے امام جمع ہوتے۔ مناظرے ہوتے۔ اور اُن کی دعوتیں ہوتیں۔ سلطان نے ان کی خوبیوں کی وجہ سے انھیں نگاہ میں رکھا تھا کہ ایک روز انھیں وزیر بنا دیا جائے۔ ابوسہل مذہب اشعری کے بہت بڑے طرف دار تھے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲: ۲۶۹ تا ۲۷۲ (۲) اصل کتاب میں ہر جگہ طغرلنک دیا ہے۔ طغربیگ کا عہدِ حکومت ۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ رہا۔ (۳) ابوسہل محمد بن ہبۃ اللہ بن محمد البسطامی ثم النیشاپوری سال پیدائش ۴۲۳ھ بہ سنہ ۴۴۰ھ میں ان کے والد کی وفات پر انھیں ان کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اور والد کی طرح انھیں بھی جمال الدین کا لقب ملا۔ یہ سب قشیری کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳: ۸۵-۸۶)

کندری کو ان سے کئی لحاظ سے عداوت تھی! ایک تو اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ اسے برطرف کرا کے خود وزیر نہ بن جائے۔ دوسرے مذہبی اور تیسرے ابن الموفق سے ذاتی بغض۔ کندری نے سلطان طغرل کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ معتزلہ اور دیگر باطل عقیدہ رکھنے والوں کو علی الاعلان منبروں پر لعنت کی جائے۔ سلطان اس کے دھوکہ میں آگیا اور اس نے ان پر لعنت کرنے کا حکم دے دیا۔ کندری نے اس بہانے سے ان میں اشعریوں کو بھی شامل کر لیا۔ اور اس طرح وہ ان کی تذلیل اور ایذا رسانی کرنے لگا۔ اس نے اشعریوں کو وعظ و تدریس سے روک دیا۔ اور جامع مسجد کی خطابت سے بھی معزول کر دیا۔ کندری کے ساتھ کچھ ایسے لوگ مل گئے جو مذہب حنفی کی آڑ لئے ہوئے تھے۔ مگر درحقیقت معتزلی اور قدری تھے۔ مذہب حنفی کی آڑ اس لئے لے رکھی تھی کہ سلطان خود حنفی العقیدہ تھا اور سلطان کے سامنے مذہب شافعی کی بالعموم اور مذہب اشعری کی بالخصوص برائیاں بیان کرنے لگے جس سے سلطان انھیں بنظر حقارت دیکھنے لگا۔

اس فتنہ کے شرارے تمام دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔ خراسان، شام، حجاز اور عراق الغرض ہر جگہ انھیں اذیتیں دی جانے لگیں، اور سخت ابتلا و مصیبت کا زمانہ آگیا۔ ہر کس و ناکس نے مجلسوں میں ممبروں پر اہل سنت کو برا کہنا اپنا وطیرہ بنا لیا۔ ابوالحسن اشعری کا وہی حال ہوا۔ جو بنی امیہ کے عہد میں حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ہوا تھا۔ جبکہ ناصبی عقیدہ کے لوگ اعلیٰ منصبوں پر فائز تھے۔

ابوسہل نے جب ان حالات کا مشاہدہ کیا۔ تو جماعت حق کی طرفداری کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور اس شر کو روکنے کی غرض سے وہ لشکر گاہوں میں پھرے۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ کیونکہ دشمن خود حاکم تھا۔ اور بادشاہ کے پاس پہنچنے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس اثنا میں سلطان کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ رئیس فراتی، ابوالقاسم قیشری، امام الحرمین اور ابوسہل بن الموفق کو گرفتار کر کے شہر بدر کر دیا جائے۔ اور ان کو محفلوں میں آنے سے روک دیا جائے۔ اس وقت ابوسہل شہر میں موجود نہ تھے۔ جب بادشاہ کا حکم نامہ پڑھا گیا تو شہر کے اوباش اور عوام بھڑک اٹھے اور انھوں نے استاد ابوالقاسم قیشری اور فراتی کو پکڑ کر گھسیٹا اور ان کی تذلیل کی۔ اور انھیں کہن[1] دژ میں قید کر دیا گیا۔ امام الحرمین کو پہلے سے ہی اس بات کی خبر ہو چکی تھی۔

---

(۱) اصل کتاب میں "قہندز" دیا ہے۔

اور وہ چپکے سے کرمان کے راستہ سے حجاز کو نکل گئے۔ اور وہ وہیں پناہ میں رہے جس کی وجہ سے وہ امام الحرمین کہلائے۔ قیشری اور فراتی ایک ماہ سے زائد عرصہ تک قید میں رہے۔ امام سہل بن الموفق نے فنون حرب کے ماہر لوگوں کو اپنے ساتھ لیا۔ اور باخرز کی جانب سے آکر مطالبہ کیا کہ فراتی اور قیشری کو رہا کر دیا جائے۔ نگران کی بات کو ماننے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔ الٹا انھیں سلطان کے فرمان کے مطابق گرفتار کر لینے کی دھمکی دی گئی۔ مگر ابو سہل نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ارادہ کر لیا کہ وہ رات کے وقت شہر میں داخل ہو کر انھیں نکال لے جائے گا۔ شہر کا حاکم بھی جنگ کے لئے آمادہ تھا۔ شہر کے دروازہ کے پاس ابو سہل کا اپنا گاؤں تھا۔ جہاں بہ رات کے وقت اچانک آیا۔ اور اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے نعرہ لگایا۔ خبر ہوئی تو قاصدوں اور خیر اندیشوں نے مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ اور حاکم شہر کو مشورہ دیا کہ وہ استاد قیشری اور فراتی کو رہا کر دے۔ مگر اس نے نہ مانا۔ اور اپنی فوج لے کر ابو سہل کے محلہ کا قصد کیا۔ حاکم کی فوج میں ایک ایسا شخص تھا جو ایک ہزار آدمی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ بازار میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ ابو سہل کی جماعت ڈٹ کر کھڑی رہی حتی کہ امیر کی فوج کے تیر ختم ہو گئے۔ اب ابن الموفق نے ایک بار ہلہ بول دیا اور امیر کی فوج کو شکست دے دی جس میں حاکم شہر زخمی ہو گیا۔ انھوں نے اسے قید کر لینا چاہا مگر لوگوں کے بیچ میں پڑنے سے اسے چھوڑ دیا گیا۔ ابو سہل استاد ابو القاسم قیشری اور رئیس فراتی کو قید سے نکال کر اپنے گھر لے آیا۔ لوگوں نے ابو سہل سے کہا کہ چونکہ آپ کا اصلی مقصد حاصل ہو چکا ہے لہٰذا اس فتنے کو رفع دفع کر دینا چاہیئے۔ ابو سہل نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ بادشاہ کی باز پرس کا کیا جواب ہو گا۔ ادھر دشمن بھی خاموش نہ رہیں گے۔ قرار پایا کہ شہر چھوڑ کر استوا کی طرف چلے چلیں۔ اور وہاں سے سلطان کے پاس چلیں۔ تمام ساتھی اطراف میں منتشر ہو گئے۔ ابو سہل رَے پہنچا جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا۔ دوسری جانب سے اس کا دشمن کندری آ پہنچا۔ اس نے سلطان کو سارے واقعات سے آگاہ کیا۔ اور شوافع کے خلاف عموماً اور ابو سہل کے خلاف خصوصاً شکایت کی۔ اس پر ابو سہل کو گرفتار کر کے ایک قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اس کی ساری دولت اور جائیداد ضبط کر لی گئی۔ کچھ عرصہ بعد ابو سہل رہا ہو

کرج کو چلا گیا۔

اِس فتنے کی ابتدا جیسا کہ خود قیشری نے شکایت اہل السنۃ میں بیان کیا ہے ۴۴۵ھ میں ہوئی اور یہ فتنہ دس سال تک جاری رہا۔ ان حالات نے قیشری کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا لہٰذا وہ بغداد چلے آئے۔ سبکی نے قیشری کے بغداد آنے کی تاریخ نہیں دی۔ اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ وہ کب تک یہاں رہے۔ ابو بکر خطیب[1] اور عبداللہ الحسین[2] نے ان کے بغداد آنے کی تاریخ ۴۴۸ھ بتائی ہے۔

بغداد پہنچ کر[3] انھوں نے القائم بامر اللہ (۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ) سے ملاقات کی۔ خلیفہ بڑے اعزاز و احترام سے پیش آیا۔ اور خاص محل کے اندر اُن کے لئے مجلس قائم کی جس میں وہ خود بھی موجود تھا۔ اس پر قیشری کے کلام کا اسقدر اثر ہوا کہ اس نے ان کے اعزاز و اکرام کے احکام صادر فرمائے۔ پھر یہ نیشا پور واپس چلے آئے۔ سبکی نے ان کے سفر حج کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں[4]:

اہل خراسان خصوصاً نیشا پور اور اس کے گرد و نواح کے لوگ نیز مرو اور اس کے اطراف کے لوگ اس فتنہ کی وجہ سے سخت پریشانی میں مبتلا ہوئے۔ اور مختلف ممالک میں منتشر ہونے پر مجبور ہو گئے۔ کچھ لوگ عراق چلے گئے۔ اور کچھ حجاز کی طرف نکل گئے۔ حج کو جانے والوں میں ابو بکر بیہقی، استاد ابو القاسم قیشری امام الحرمین ابو المعالی جوینی اور بہت سے دوسرے لوگ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سال صرف حنفی اور شافعی چار سو ایسے قاضی یہاں اکٹھے ہو گئے۔ جو اس فتنہ کے باعث اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔

قیشری کی کرامت

حج سے فارغ ہو کر ان لوگوں کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ کہ کہاں جائیں۔ کچھ لوگوں نے حرم میں پناہ لینے کا تہیہ کر لیا۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہوا۔ کہ استاد ابو القاسم قیشری ممبر پر چڑھ کر کچھ فرمائیں۔ اس پر قیشری ممبر پر چڑھے اور کچھ دیر تک

---

(۱) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵ (۲) التصوف والمتصوفہ: ۵۵ (۳) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵ - ۲۴۶ (۴) طبقات الشافعیہ: ۲: ۲۷۲۔

آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے رہے، پھر دیر تک سر نیچے جھکائے رہے۔ اس کے بعد اپنی داڑھی پکڑ کر فرمانے لگے:

خراسان کے رہنے والو! اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاؤ، تمہارے دشمن کندری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ یہ حالات میرے مشاہدہ میں ہیں۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

عَمِیدَ المُلکِ سَاعَدَکَ اللیاَلیِ علیٰ مَا شئتَ مِن دَرَکِ المعالی
فَلَمْ یَکُ مِنکَ شیئٌ غیرَ اَمْرٍ بِلَعنِ المُسلِمِینَ علی التَّوالی
فَقَابَلَکَ البَلَاءُ بِمَا تُلاقِی فَذُقْ مَا تستحِقُّ مِنَ الوَبَالِ

(اے عمید الملک بلند مراتب حاصل کرنے میں زمانہ نے تمہاری مساعدت کی۔ مگر تمہاری طرف سے یہی ظاہر ہوا کہ تم برابر مسلمانوں کو لعنت کرنے کا حکم دیتے رہے۔ انجام کار تم پر مصیبت آگئی۔ تم جس انجامِ بد کے مستحق ہوا سے چکھ لو۔)

لوگوں نے اس دن اور تاریخ کو ذہن میں رکھا۔ واپسی پر ظاہر ہوا کہ یہ وہی دن اور وہی گھڑی تھی جس میں سلطان نے کندری کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور مختلف شہروں میں اس کے اعضا منتشر کرنے کا حکم دیا تھا۔ ابن الاثیر نے کندری کے قتل کئے جانے کی تاریخ ۴۵۶ھ دی ہے۔

قشیری نیشاپور واپس آئے مگر ان کی قسمت میں چین ہی نہ لکھا تھا۔ چنانچہ اہل وعیال سمیت یہ طوس چلے گئے اور طغرل بیگ کی وفات تک وہیں رہے۔ طغرل بیگ کی وفات پر اس کا بیٹا الپ[1] ارسلان تخت پر بیٹھا۔ اس نے نظام الملک طوسی (م ۴۸۵ھ) کو اپنا وزیر بنایا۔ نظام الملک نے حکم دیا کہ اشاعرہ پر لعنت کرنا فوراً بند کر دیا جائے۔ اس نے دین کی حمایت کی، اور امن وامان قائم کیا۔ اس پر لوگ اپنے اپنے وطنوں کو واپس چلے آئے۔ اور قشیری بھی نیشاپور لوٹ آئے۔ اور اپنی زندگی کے باقی دس سال امن سے گذارے۔

حج میں قشیری کے رفقاء کا ذکر کرتے ہوئے ابن الجوزی[2] اور ابن کثیر نے ابو المعالی جوینی

---

(۱) ابو شجاع عضد الدولہ الپ ارسلان ۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ (۲) المنتظم: ۸: ۲۸۰ اور البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۲: ۱۰۷۔

کا نام دیا ہے۔ مگر ابن العماد[1] حنبلی (م ۱۰۸۹ھ) اور ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) نے ابو محمد جوینی کا نام دیا ہے۔ ابنِ خلکان نے زیادہ وضاحت سے لکھا:

فی رفقتہ فیھا الشیخ ابو محمد الجوینی والد امام الحرمین

ابو محمد جوینی کا انتقال ۴۳۰ھ میں ہوا۔ سبکی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ واضح ہے۔ کہ قشیری نے حج ۴۴۸ھ میں کیا۔ اس میں اُن کے رفیق ابو المعالی جوینی ہی ہیں۔ ابنِ خلکان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قشیری نے ایک حج ۴۳۰ھ سے پہلے کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سال میں ابو محمد جوینی کی وفات واقع ہوئی۔

اس کے علاوہ قشیری نے اپنے شیخ ابو علی دقاق (م ۴۱۲ھ) کی زندگی ہی میں نسا کا ایک سفر اختیار کیا تھا۔[2]

فنِ سپاہگری قشیری صرف گوشہ نشین زاہد و صوفی ہی نہ تھے۔ وہ زندگی کے تمام فنون و آلات سے آراستہ تھے۔ یہاں تک شہسواری اور فن سپاہگری میں ان کے کرتب معجز نما خیال کیے جاتے تھے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں:[3]

کان لہ فی الفروسیۃ واستعمال السلاح ید بیضاء

مجالس املأ حدیث قشیری نے ۴۳۷ھ میں املاء حدیث کی ابتدا کی۔ درمیان میں اس میں وقفہ پڑ گیا۔ ۴۵۵ھ نیشا پور واپس آنے پر انھوں نے ان مجالس کو پھر سے شروع کیا۔ اور اپنی وفات تک جاری رکھا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔[4]

مجالس وعظ قشیری وعظ میں اپنے زمانہ کے امام مانے جاتے تھے۔ اُن کے وعظ میں ایسی تاثیر ہوتی تھی۔ کہ سخت سے سخت دل آدمی بھی موم بن جاتا۔ چنانچہ ابوالحسن علی بن حسن الباخرزی (م ۴۶۷ھ) دمیۃ القصر میں لکھتے ہیں:[5]

---

(۱) شذرات الذہب: ۳: ۳۲۰ اور وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵ (۲) رسالہ قشیریہ: ۱۱۲ (۳) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶؛ شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱؛ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵ (۴) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵-۲۴۶؛ وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶ (۵) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵؛ شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱؛ وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶۔

فَلَوْ قَرَعَ الصَّخْرَ بسوط تحذیرہ لذاب ولو ربط ابلیس فی مجلس تذکیرہ لتاب

(اگر اُن کا وعظ پتھر سے بھی ٹکرائے تو موم بن جائے اور اگر شیطان ان کی مجلس میں باندھ دیا جائے تو تائب ہو جائے)

ابن خلکان نے اُن کے وعظ کے متعلق لکھا ہے[1]:

وَاَمّا مجالس الوعظ والتذکیر فھو امامھا

(یہ مجالس وعظ و نصیحت کے امام تھے)

سبکی لکھتے ہیں[2]:

اب رہیں مجالس وعظ اور مریدوں کے سوالات کا جواب دینا اور عجیب و غریب حالات کا پیش آنا یہ سارے ایسے امور ہیں جو اُن کے ساتھ مختص تھے۔ ان کے معاصرین کا اتفاق ہے کہ یہ ان امور میں عدیم النظیر تھے۔ کلام اللہ سے استنباط کرنے اور مشائخ کے کلام سے اشارات بیان کرنے میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔

سبکی بن سمعانی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں[3]:

ایک بار قشیری مرو کے قاضی کی مجلس میں گئے۔ جب اس نے استاد کو دیکھا تو وہ مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا اور جس تکیہ پر وہ سہارا کئے ہوئے تھا۔ اسے قشیری کو بیٹھنے کے لئے دیا پھر کہا: لوگو! ایک سال میں حج کے لئے گیا۔ اتفاق سے اس سال یہ امام کبیر بھی حج کے لئے گئے ہوئے تھے اس سال کو سنۃ القضاہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ تقریباً چار سو قاضی اور امام دور دراز کے علاقوں سے حج کو آئے تھے۔ وہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ حرم میں کون تقریر کرے۔ سب نے اس پر اتفاق کیا۔ کہ استاد ابوالقاسم ہی تقریر فرمائیں۔ چنانچہ سب کی اتفاق رائے سے انھوں نے وہاں تقریر کی۔

قشیری نے اپنے شیخ ابو علی دقاق کی زندگی ہی میں وعظ و نصیحت کی مجالس قائم کرنا شروع کر دی تھیں۔ یہ مجالس مسجد المطرز میں منعقد ہوا کرتیں[4]۔ قشیری خود بیان کرتے ہیں۔ کہ میں مسجد مطرز میں وعظ کیا کرتا تھا۔ ایک بار شیخ ابو علی دقاق سے نسا جانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶؛ شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱ (۲) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۵
(۳) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۶ (۴) رسالہ قشیریہ: ۱۱۶

دے دی۔ ابھی اس سفر کے لئے روانہ نہ ہوا تھا۔ کہ ایک روز جبکہ آپ کے ساتھ چل رہا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ میری غیر حاضری میں میری جگہ وعظ فرما دیا کریں۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ آپ نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا :۔

تمہاری غیر حاضری میں تمہاری جگہ وعظ بیان کیا کروں گا۔

پھر جب ذرا اور آگے بڑھا تو خیال آیا کہ آپ بیمار رہتے ہیں۔ اس لئے ہفتہ میں دو دن مجالس وعظ قائم کرنے میں آپ کو تکلیف ہو گی۔ بہتر ہو اگر آپ ایک دن پر اکتفا کریں۔ اس پر آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا :

اگر ہفتہ میں دو دن نہ ہو سکے گا تو ایک ہی دن وعظ کیا کروں گا۔

وفات قشیری کی وفات ۱۶ ربیع الآخر بروز یک شنبہ قبل از طلوع آفتاب ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر بانوے سال تھی۔ انھیں اپنے شیخ ابو علی دقاق کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ناقلین بیان کرتے ہیں۔ کہ جب یہ بیمار ہوئے تو باوجود سخت علالت کے تمام نمازیں کھڑے ہو کر پڑھتے رہے[1]۔

قشیری کا گھوڑا کسی نے قشیری کو ایک گھوڑا بطور ہدیہ دیا تھا۔ اسی پر سواری کیا کرتے تھے چنانچہ بیس سال تک اس گھوڑے کے سوا کبھی اور گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے۔ آپ کی وفات پر اس گھوڑے نے چارہ کھانا چھوڑ دیا اور ایک ہفتہ کے بعد مر گیا[2]۔

اخلاق صوفیاء کے اخلاق کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ یہ لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی گواہی خود قرآن نے دی ہے۔ قشیری بھی صوفی اور محدث تھے۔ اس لئے یہ بھی اپنے اخلاق و اطوار میں نہایت ظریف و ملیح تھے۔ ابن العماد سخاوی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں[3]:

---

(۱) طبقات الشافعیہ : ۳ : ۲۴۷ (۲) المنتظم : ۸ : ۲۸۰ ز البدایہ والنہایہ : ۱۲ : ۱۰۷

(۳) شذرات الذہب : ۳ : ۳۲۰

کان املح خلق اللہ واظرفہم شمائل

خوش نویسی انسانی کمالات میں خوش نویسی بھی صنعت کمال شمار کی جاتی ہے۔ قیشری نے اس فن میں بھی وافر حصہ حاصل کیا تھا۔ چنانچہ سبکی لکھتے ہیں[1]:

کان ملیح الخط جداً"

قشیری کی شخصیّت قیشری ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی ذات میں اس قدر علوم و فنون جمع ہو گئے تھے کہ اُن کا فرد واحد میں جمع ہونا بظاہر محال معلوم ہوتا ہے یہ بیک وقت فقیہہ بھی تھے محدث بھی کاتب بھی تھے۔ اور شاعر بھی۔ اصولی بھی تھے اور حافظ بھی۔ اسی طرح متفنن نحوی اور لغوی بھی۔ الغرض علوم و فنون کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جس میں قیشری نے مہارت حاصل نہیں کی تھی۔ بڑی بڑی شخصیتوں کو دیکھئے تو ان میں صرف ایک آدھ صفت پائی جاتی ہے۔ جس پر اُن کی شہرت کا دار و مدار ہے۔ قیشری کا صوفی ہونا۔ ان کے باقی تمام اوصاف پر غالب آ گیا۔ اس لئے دوسرے علوم میں ان کی شہرت نہ ہو سکی۔

بحیثیت ادیب ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ نیشاپور ایک مردم خیز خطہ تھا۔ جہاں جلیل القدر علمأ صدیوں سے پیدا ہوتے چلے آئے تھے۔ بڑے شہروں میں جہاں علوم و فنون کا چرچا ہو۔ ہر فن کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہی حال نیشاپور کا تھا۔ یہاں نہ محدثین کی کمی تھی، نہ فقہاء کی۔ نہ فلسفیوں کی کمی تھی۔ نہ فلکیوں کی۔ یہاں بڑے بڑے ادیب اور لغوی بھی پیدا ہوئے۔ قیشری کے دور میں ابو نصر اسمٰعیل بن حماد الترکی اللغوی مصنف "صحاح" ۳۹۳ھ میں نیشاپور میں مرا[2]۔ ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم النیشاپوری مصنف تفسیر جس کی عربی دانی مسلّم تھی۔ ۴۲۷ھ میں نیشاپور میں مرا[3]۔ ابو منصور عبد الملک بن محمد بن اسمٰعیل النیساپوری مصنف تیمیہ الدہر، فقہ اللغہ اور سحر البلاغہ بھی یہیں ۴۳۰ھ میں مرا[4] اور ابو الحسن علی بن الحسن بن ابی الطیب الباخرزی جس کا شمار اپنے عہد کے چوٹی کے ادیبوں میں ہوتا ہے اور جو دمیہ القصر کا مصنف ہے۔ یہیں ۴۶۷ھ میں مرا[5]۔ یہ تمام ادیب اور لغوی خاص نیشاپور میں تھے۔ نیز اسی دور

---

(۱) طبقات الشافعیۃ ۳: ۲۴۴ (۲) شذرات الذہب ۳: ۱۴۲ (۳) شذرات الذہب ۳: ۲۳۰

(۴) شذرات الذہب ۳: ۲۴۶ (۵) شذرات الذہب ۳: ۳۲۷-۳۲۸

میں ابو الحسن بن سیدہ علی بن اسمٰعیل المرسی المتوفی ۴۵۸ھ[1] بھی ہوئے ہیں جنھوں نے لغت میں المحکم اور المخصص لکھی۔

بیان کیا جا چکا ہے کہ قشیری نے سب سے علم ادب پڑھنا شروع کیا۔ انھوں نے رسالہ میں اپنی ادبی قابلیت اور ذوق کا جا بجا ثبوت دیا ہے۔ جس سے ان کی اس علم میں بالغ نظری ظاہر ہے۔

رسالہ قشیریہ کوئی لغت کی کتاب نہیں۔ مگر ایک لغوی اپنی لغت دانی کو چھپا نہیں سکتا۔ قشیری نے اس سلسلہ میں جہاں کہیں موقعہ ملا ہے اپنی لغت دانی کے نمونے پیش کئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے محبت کے باب میں لفظ "حب" کی تشریح کرتے ہوئے نہایت عمدہ لغوی بحث کی ہے۔ اسی طرح لفظ "ولی" اور "شکور" کی تشریح میں بھی انھوں نے ادبی رنگ پیدا کیا ہے۔

قشیری بحیثیت ایک شاعر کے

بیان کیا جا چکا کہ قشیری کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی۔ ان کے اوصاف میں شاعری بھی شمار کی گئی ہے۔ برجستہ شعر کہتے تھے۔ باخرزی نے دمیۃ القصر میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ اور قشیری کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ ان کے اشعار کے نمونے پیش کئے ہیں چند اشعار آپ بھی سنیں[2]:

يَا مَنْ تَقَاصَرَ شُكْرِي عَنْ أَيَادِيهِ   وَكَلَّ كُلُّ لِسَانٍ عَنْ مَعَالِيهِ

وُجُودُهُ لَمْ يَزَلْ فَرْداً بِلَا شَبَهٍ   عَلَا عَنِ الْوَقْتِ مَاضِيهِ وَآتِيهِ

لَا دَهْرَ يُخْلِقُهُ لَا قَهْرَ يَلْحَقُهُ   لَا كَشْفَ يُظْهِرُهُ لَا سِتْرَ يُخْفِيهِ

لَا عَدَّ يَجْمَعُهُ لَا ضِدَّ يَمْنَعُهُ   لَا حَدَّ يَقْطَعُهُ لَا قُطْرَ يَحْوِيهِ

لَا كَوْنَ يَحْصُرُهُ لَا عَوْنَ يَنْصُرُهُ   وَلَيْسَ فِي الْوَهْمِ مَعْلُومٌ يُضَاهِيهِ

جَلَالُهُ أَزَلِيٌّ لَا زَوَالَ لَهُ   وَمُلْكُهُ دَائِمٌ لَا شَيْءَ يُفْنِيهِ

(اے خدا میں تمہارے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ اور نہ کوئی زبان تمہاری بلندیوں کو بیان کرسکتی ہے۔ اس کا وجود ہمیشہ سے یکتا و بے مثل رہا ہے۔ اس کا ماضی اور مستقبل وقت کی بندشوں سے بالا ہے۔ نہ کوئی زمانہ اس کا جانشین ہوسکتا ہے۔ نہ کوئی اسے مغلوب کرسکتا ہے۔

(۱) شذرات الذہب: ۳: ۳۰۵ - ۳۰۶۔ (۲) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳: ۲۴۷۔

نہ کوئی کشف اسے ظاہر کر سکتا ہے، اور نہ کوئی پردہ اُسے چھپا سکتا ہے۔
کوئی گنتی اسے جمع نہیں کر سکتی۔ کوئی مخالف اسے روک نہیں سکتا۔ نہ کوئی حد اُسے ختم کر سکتی ہے۔ اور نہ کوئی علاقہ اسے اپنے اندر چھپا سکتا ہے۔
کوئی وجود اُسے محصور نہیں کر سکتا، اور نہ کوئی آنکھ اُسے دیکھ سکتی ہے۔ وہم کے اندر کوئی معلوم چیز اُس کے مشابہ نہیں۔

اس کا جلال ازلی اور لازوال ہے۔ اور اس کا ملک دائم اور غیر فانی ہے۔(۱)
نیز فرماتے ہیں:

جَنِّبَا فِی الْمُجُوْنِ یَا صَاحِبَیَّا	وَاتْلُوَا سُوْرَۃَ الصَّلَاۃِ عَلَیَّا
قَدْ اَجَبْنَا لِزَاجِرِ الْعَقْلِ طَوْعًا	وَتَرَکْنَا حَدِیْثَ سَلْمٰی وَمَیَّا
وَمَنَحْنَا لِمُوْجِبِ الشَّرْعِ نَشْرًا	وَشَرَعْنَا لِمُوْجِبِ اللَّھْوِ طَیَّا
وَوَجَدْنَا اِلَی الْقَنَاعَۃِ بَابًا	فَوَضَعْنَا عَلَی الْمَطَامِعِ کَیَّا
کُنْتُ فِیْ حَرِّ وَحْشَتِیْ لِاخْتِیَارِیْ	فَتَعَوَّضْتُ بِالرِّضٰی مِنْہُ فَیَّا
اِنَّ مَنْ یَّھْتَدِیْ لِقَطْعِ ھَوَاہُ	ھُوَ فِی الْعِزِّ حَازَ اَوْجَ الثُّرَیَّا
وَالَّذِیْنَ ارْتَوَوْا بِکَاْسِ مُنَاھُمْ	فَعَنِ الْحَقِّ سَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیَّا

دوستو! مجھے ہنسی مذاق سے دور رہنے دو۔ مجھے نماز کی سورت پڑھ کر سناؤ۔ ہم نے برضا و رغبت عقل کی بات مان لی ہے۔ اور سلمیٰ اور میّہ کا قصّہ چھوڑ دیا ہے۔ ہم پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ ہم شریعت کے احکام پھیلاتے ہیں، اور موجب لہو امور کو لپیٹ دیتے ہیں۔
ہم نے قناعت کا دروازہ پالیا ہے، اور حرص و ہوا کو داغ دیا ہے۔
میں اپنی پسند کی وجہ سے اپنی وحشت کی گرمی میں جھلس رہا تھا، مگر رضا بالقضا کی وجہ سے مجھے اس کے عوض میں سایہ مل گیا ہے۔
جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خواہشات کو قطع کر دینے کی ہدایت کی ہو وہ عزت میں اوج ثریا تک جا پہنچتے ہیں۔
وہ لوگ جو اپنی آرزوؤں کے پیالوں سے سیراب ہیں۔ ان کو اللہ سے اعراض کرنے پر دوزخ

(۱) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۸۔

سے ملا ہو گا۔

نیز فرماتے ہیں(۱):

لَو کُنتَ سَاعَۃَ بَینِنَا مَا بَینَنَا ... وَشَہِدتَ حِینَ نُکَرِّرُ التَّودِیعَا

اَیقَنتَ اَنَّ مِنَ الدُّمُوعِ مُحَدِّثًا ... وَعَلِمتَ اَنَّ مِنَ الحَدِیثِ دُمُوعًا

نیز فرماتے ہیں(۱):

وَاِذَا سُقِیتُ مِنَ المَحَبَّۃِ مَصَّۃً ... اَلقَیتُ مِن فَرطِ الخُمَارِ خِمَارِی

کَم زَلَّتْ فَصَدَّ ثُمَّ لَاحَ عِذَارُہٗ ... فَخَلَعتُ مِن ذَاکَ العِذَارِ عِذَارِی

نیز فرماتے ہیں(۲):

اَیُّھَا البَاحِثُ عَن دِینِ الھَوٰی ... طَالِبًا حُجَّۃَ مَا یَعتَقِدُہٗ(۳)

اِنَّ مَا تَطلُبُہٗ(۴) مُجتَہِدًا ... غَیرَ دِینِ الشَّافِعِی لَا تَجِدُہٗ

ان شعروں میں قشیری نے اپنے آپ کو شافعی مذہب کا طرفدار ظاہر کیا ہے. اور یہ ان کے شافعی مذہب کے ساتھ تعصب کی دلیل ہے. تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود صوفی ہونے کے انھوں نے دیگر مذاہب کے مقابلہ میں شافعی مذہب کو فضیلت دی ہے. حالانکہ صاحب فتح ولی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کا مقید نہیں ہوتا(۵)۔

نیز فرماتے ہیں(۲):

لَا تَدَعْ خِدمَۃَ الاَکَابِرِ وَاعلَم ... اَنَّ فِی عِشرَۃِ الصِّغَارِ صِغَارًا

وَابغِ مَن فِی یَمِینِہٖ لَکَ یُمنٌ ... وَتَرٰی فِی الیَسَارِ مِنہُ الیَسَارَا

نیز فرماتے ہیں(۶):

---

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبری: ۳: ۲۴۵ (۲) طبقات الشافعیۃ الکبری: ۳: ۲۴۸ (۳) اصل کتاب میں اسی طرح ہے۔ اسے تعتقدہ ہونا چاہیے۔ (۴) اصل کتاب میں نطلبہ ہے۔ (۵) ملاحظہ ہو خزینۂ معارف اردو ترجمہ ابریز: ۴۸۴ مع حاشیہ جہاں امام عبدالوہاب شعرانی کے بیان سے اس کی وضاحت کی گئی ہے

(۶) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۶ و شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱ والبدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۰۷

سَقَی اللّٰهُ وَقْتاً کُنْتُ اَخْلُوا بِوَجْهِکُمْ ۔ وَثَغْرُ الْهَوٰی فِی رَوْضَةِ الْاُنْسِ ضَاحِکٌ

اَقَمْنَا زَمَاناً وَالْعُیُوْنُ قَرِیْرَةٌ ۔ وَاَصْبَحْتُ یَوْماً وَالْجُفُوْنُ سَوَافِکٌ

نیز فرماتے ہیں[1]:

وَمَنْ کَانَ فِی طُوْلِ الْهَوٰی ذَاقَ سَلْوَةً ۔ فَاِنِّیْ مِنْ لَیْلٰی لَهَا غَیْرُ ذَائِقٍ

وَاَکْثَرُ شَیْءٍ نِلْتُهٗ مِنْ وِصَالِهَا ۔ اَمَانِیْ لَمْ تَصْدُقْ کَخَطْفَةِ بَارِقٍ

قشیری ایک مطبوع شاعر تھے۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں اوروں کے اشعار بھی اور اپنے اشعار بھی بکثرت پیش کئے ہیں۔ اُن کے بیشتر اشعار صوفیانہ رنگ میں کہے گئے ہیں۔

قشیری اور نظام الملک سلطان الپ ارسلان (۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ) اور سلطان ملکشاہ (۴۶۵ھ تا ۴۸۵ھ) کے وزیر خواجہ نظام الملک الحسن بن علی الطوسی (م ۴۸۵ھ) کی مجلس میں علماء، فقہاء، ائمہ مسلمین اور متدین لوگوں کا ہر وقت ہجوم رہتا اور ان لوگوں کو نظام الملک کے دربار میں آنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ ان کی کثرت آمد و رفت کی وجہ سے نظام الملک پورے طور پر امور سلطنت سرانجام نہ دے سکتا تھا۔ چنانچہ ایک بار ایک سیکرٹری نے نظام الملک سے شکایت کی کہ ان کے اس طرح آنے جانے سے امور سلطنت میں خلل پڑتا ہے۔ ان لوگوں کو اجازت لے کر آنا چاہیئے۔ اور پھر اندر آکر ایسی جگہ پر بیٹھنا چاہیئے۔ جہاں آپ کے کاموں میں حرج واقع نہ ہو۔ اس پر نظام الملک نے سیکرٹری کو جواب دیا: یہ لوگ تو اسلام کے رکن ہیں۔ اور دنیا اور آخرت کی زینت اگر میں ان میں سے ہر ایک کو اپنے سر پر بٹھلاؤں تو کوئی بڑی بات نہ ہوگی[2]۔

چنانچہ جب ابو المعالی جُوینی اور ابو القاسم قشیری اُن کے پاس آتے تو نظام الملک اپنے

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۷ ؛ شذرات الذہب: ۳: ۳۲۱ ؛ البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۰۷

(۲) المنتظم: ۹: ۶۵ اور البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۴۰ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ نظام الملک اپنے مسند پر بیٹھتا اور جوینی اور قشیری الگ مسند پر بیٹھتے۔ مگر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ نظام الملک بنفس نفیس ان کو اپنے مسند پر بٹھاتا۔

مسند سے اٹھ کر ان کی تعظیم کرتا اور انھیں مسند پر بٹھلاتا اور خود اپنے مسند پر بیٹھتا۔[۱] مگر جب ابو علی فارمدی (م ۴۷۷ھ) آتے تو نظام اپنی جگہ سے اٹھ جاتا۔ اور انھیں اپنی جگہ پر بٹھلاتا اور خود ان کے سامنے بیٹھتا۔ اس سے جوینی ناراض ہو گئے۔ اور دربان سے اس کی شکایت کی۔ دربان نے یہ بات نظام الملک کو کہہ دی۔ اس نے جواب میں کہا: جوینی اور قشیری اور دیگر علماء جب میرے پاس آتے ہیں تو وہ میری تعریف کرتے ہیں اور میری ان خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں جو درحقیقت مجھ میں پائی نہیں جاتیں۔ اس سے مجھ میں غرور پیدا ہوتا ہے مگر جب فارمدی آتے ہیں تو وہ مجھ سے میرے عیبوں کا ذکر کرتے ہیں اور میں بہت سی باتوں سے باز آ جاتا ہوں۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ابو علی فارمدی قشیری کے شاگرد تھے۔

سید علی ہجویری اور قشیری سید علی ہجویری (متوفی لبعد از ۴۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے قشیری سے دریافت کیا کہ طریقۂ فقر میں آپ کی ابتدا کیسے ہوئی۔ فرمانے لگے کہ مجھے ایک بار گھر کی کھڑکی کے لئے ایک پتھر کی ضرورت پڑی۔ میں پتھر کی تلاش میں نکلا۔ جس پتھر کو اٹھانے لگتا وہ گوہر بن جاتا۔ میں اسے پھینک دیتا۔ ہجویری فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک گوہر اور پتھر دونوں برابر تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک پتھر گوہر سے بہتر تھا۔ اس لئے کہ انھیں پتھر کی ضرورت تھی۔ گوہر کی ضرورت نہ تھی۔[۲]

ابوالحسن خرقانی اور قشیری ابوالحسن علی بن احمد الخرقانی المتوفی ۴۲۵ھ اپنے عہد کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہوئے ہیں ہجویری فرماتے ہیں کہ قشیری نے مجھ سے ذکر کیا کہ جب میں خرقان آیا تو ابوالحسن خرقانی کے رعب سے میری تمام فصاحت و بلاغت رفوچکر ہو گئی۔ اور مجھ میں کچھ کہنے کی طاقت نہ رہی یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید میں اپنی ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں۔[۳]

---

(۱) المنتظم: ۹: ۶۵ اور البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۴۰۔ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ نظام الملک اپنے مسند پر بیٹھتا اور جوینی اور قشیری الگ مسند پر بیٹھتے۔ مگر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ نظام الملک اپنے ساتھ اپنے مسند پر بٹھاتا۔ (۲) نفحات الانس: ۲۸۸ و ہجویری کشف المحجوب: ۲۸۰ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ احمد العلا برانی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ (۳) کشف المحجوب: ۲۰۵۔ اس عبارت میں مختلف نسخوں میں مختلف الفاظ ہیں۔ ایک نسخہ میں فصاحتم کو سیتے ہے اور یہ غلط ہے اسے فصاحتم برمید پڑھیں۔

قشیری اپنے رسالہ ترتیب السلوک میں لکھتے ہیں کہ ایک بار عید کی رات میرے ساتھ ابوالفوارس (م ۴۲۱ھ) اور ابوالحسن تھے۔ اس وقت الفوارس کی آنکھ لگ گئی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر گھی ہوتا تو آج ہم فلاں چیز پکا کر کھاتے۔ ابوالحسن نے سوتے ہوئے کہا: یہ کیا ہے گھی کو پھینک دو۔ یہ الفاظ تین بار دہرائے۔ میں نے ابوالحسن[1] کو بیدار کیا اور پوچھا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کوئی بات نہیں۔ میں خواب میں دیکھ رہا تھا کہ ہم سب ایک بلند چبوترے پر کھڑے ہیں۔ اور حق سبحانہٗ اپنی تجلی سے نوازنے والے ہیں لوگ ہیبت زدہ ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ ہو اور تمہارے ہاتھ میں گھی ہے۔ میں نے کہا کہ گھی کو پھینک دو۔

قشیری کے بیٹے کی علالت ایک بار استاد ابوالقاسم کا ایک بیٹا سخت بیمار ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ استاد اس سے انتہائی پریشان ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے حق سبحانہٗ کو خواب میں دیکھا اور بیٹے کی بیماری کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قرآن مجید کی تمام وہ آیات جن میں شفا کا ذکر ہے جمع کر کے انھیں پڑھو اور اس پر پھونکو، پھر ایک برتن پر لکھو اور دھو کر اس کا پانی اسے پلاؤ۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور بیٹا تندرست ہو گیا۔

قرآن مجید کی آیاتِ شفا یہ چھ آیتیں ہیں:

(۱) وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ
(۲) شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ
(۳) فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ
(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔
(۵) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ
(۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ

یہ واقعہ لکھنے کے بعد سبکی (طبقات الشافعیہ ۳: ۲۴۴) فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے۔ کہ وہ ان آیات کو لکھ کر ان کا پانی مریض کو پلاتے تھے۔

---

(۱) اصل مخطوطہ میں اسی طرح ہے میرے محترم دوست چودھری عبدالعزیز صاحب نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ کہ یہاں ابوالحسن کی بجائے ابوالفوارس ہونا چاہیے۔ کیونکہ ابوالفوارس سو رہے تھے۔ نہ کہ ابوالحسن۔

تصانیف

ابوالقاسم قشیری کی سب سے پہلی تصنیف تفسیر کبیر ہے۔ جسے انھوں نے ۴۱۰ھ سے پہلے مکمل کر لیا تھا۔ انھوں نے اس کا نام التیسیر فی علم التفسیر رکھا۔ ابن خلکان، سبکی اور سیوطی نے اسے اجود التفاسیر واوضحہا کہا ہے۔[1]

استاذ حسن عباس زکی[2] اور دکتور ابراہیم بسیونی کا یہ کہنا کہ قشیری نے یہ کتاب ابو علی دقاق سے تعلقات قائم ہونے سے پہلے لکھی تھی۔ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ ابو علی دقاق سے قشیری کی وابستگی نیشاپور کے آنے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ہو گئی تھی۔ اور انہی کے حکم سے قشیری نے علوم شرعیہ کی تکمیل کی تھی۔ پھر اُن کے تعلقات اسقدر بڑھے کہ دقاق نے اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی قشیری سے کر دی۔ اور ان کے بطن سے پہلا بچہ ۴۱۴ھ میں پیدا ہوا۔ مزید برآں دقاق کی وفات ایک قول کے مطابق ۴۰۵ھ میں ہوئی۔

دکتور ابراہیم لکھتے ہیں[3]۔ ہم نے اکادیمیۃ العلوم السوفیتیہ سے اس کتاب کی پانچویں جلد کی فوٹو نقل لے لی ہے۔ اس تفسیر میں قشیری نے عام تفاسیر کے طرز پر لغت، اشتقاق، نحو، اسباب نزول، اخبار اور قصص سے بحث کی ہے۔

سبکی نے ان کی تیرہ کتابوں کے نام گنائے ہیں[4]:

(۱) التفسیر الکبیر (۲) الرسالہ (۳) التحبیر فی التذکیر
(۴) آداب الصوفیہ (۵) لطائف الاشارات (۶) کتاب الجواہر
(۷) عیون الاجوبہ فی اصول الاسئلہ (۸) کتاب المناجاۃ (۹) کتاب نکت اولی النہی
(۱۰) کتاب نحو القلوب الکبیر (۱۱) کتاب نحو القلوب الصغیر (۱۲) کتاب احکام السماع
(۱۳) کتاب الاربعین فی الحدیث۔

---

(۱) وفیات الاعیان: ۲: ۳۷۵؛ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۶؛ طبقات المفسرین: ۲۱م ۲۲ (۲) لطائف الاشارات ۱: ۱۱ اور ۳۸ (۳) لطائف الاشارات: ۱: ۴۳ (۴) طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۶

سید عطا حسین شرح گیسو دراز کے مقدمہ میں لکھتے ہیں[1]:

لطائف الاشارات کا ایک مکمل قدیم نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے، یہ کتاب قرآن پاک کی چیدہ چیدہ آیتوں کی تفسیر ہے۔ جو حقائق و معارف کے طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ اور نہایت بے نظیر اور دلکش تفسیر ہے حضرت مخدوم کو بہت مرغوب تھی۔ اپنی تصانیف میں اس سے اقتباس بھی کیا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے۔ یہ کتاب آجکل شائع ہو رہی ہے۔ اور چھ جلدوں میں مکمل ہوگی۔ اب تک اس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ دکتور ابراہیم بسیونی نے اس کا مقدمہ اور حواشی لکھے ہیں اور تحقیق کی ہے اور استاذ حسن عباس زکی وزیر اقتصادیات و تجارتِ خارجیہ مصر نے اس کا پیش لفظ لکھا ہے۔ یہ کتاب دکتر ابراہیم بسیونی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے پیش کی تھی مگر مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر بسیونی نے محنت سے کام نہیں کیا۔ کتاب میں متن کے ضبط کرنے میں بے شمار اغلاط موجود ہیں۔ وہ اشعار جو تفاسیر و دادوین میں بآسانی تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ ان کی بھی تصحیح نہیں کی گئی۔ میں نمونہ کے طور پر صرف دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

جلد اول صفحہ ۶۸ پر یہ شعر ہے:

لَیْلِی مِنْ وَجْھِکَ شمس الضحیٰ ‏ ‏ ‏ ‏ وظلامہ فی الناس ساری

واضح ہے کہ پہلا مصرع خارج از وزن ہے۔ یہ شعر رسالہ میں موجود ہے۔ اور وہاں درست دیا ہے۔ (ص ۱۹۵)

لیلی بِوَجھِكَ مُشْرِق ‏ ‏ ‏ ‏ وظلامہ فی الناس ساری

جلد: ۱ صفحہ: ۲۰۰ پر یہ شعر ہے:

الی الحَوْلِ ثم اسم السلام علیکم ‏ ‏ ‏ ‏ ومن لباع حولاً کاملاً فقد اعتذر

یہ شعر لبید بن ربیعہ کا ہے اور اس کے دیوان، کتب تفاسیر اور نحو کی کتابوں میں موجود ہے، درست یوں ہے:۔

---

[1] مقدمہ شرح گیسو دراز: ۱۸۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکما ومن یبک حولاً کاملاً فقد اعتذر[1]

افسوس بر افسوس یہ ہے کہ ممتحن نے بھی طالب علم کی رہنمائی نہیں کی۔ اور پوری طرح تحقیق کر لینے کے بغیر ہی یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح ہے اس کتاب میں لطیف صوفیانہ اشارات ہیں۔ کوئی لمبی چوڑی تفسیر نہیں۔ قشیری نے اس کتاب میں تصوف کے عمیق مسائل پر بحث نہیں کی۔ اور نہ ہی ایسی بحثوں میں الجھا ہے جن سے علمائے ظاہر کو اختلاف ہو۔ اور شریعت کے حدود کی سختی سے پابندی کی گئی ہے۔ قشیری[2] نے اس کتاب کو ۴۳۴ھ میں لکھنا شروع کیا۔

سب سے پہلی تفسیر جو تصوف کے رنگ میں لکھی گئی۔ وہ ابو محمد سہل بن عبد اللہ تستری (م ۲۸۳ھ) کی تفسیر ہے۔ مگر یہ نہایت ہی مختصر سی کتاب ہے۔ جس کا حجم دو سو صفحوں سے زائد نہیں ہے۔ اسے ۱۹۰۸ء میں مطبعۂ سعادت نے شائع کیا۔ دوسری تفسیر ابو عبد الرحمن محمد بن الحسین السلمی (م ۴۱۲ھ) کی "حقائق التفسیر" ہے۔ جن پر بیشتر لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں[3]۔

ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی اور مکمل صوفیانہ تفسیر قشیری کی لطائف الاشارات ہی ہے۔ ان کے بعد الغزالی (۱۱۱۱ء ۔ ۵۰۵ھ) نے صرف سورۂ اخلاص کی تفسیر تصوف کے رنگ میں لکھی۔

سید عطا حسین نے قشیری کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں[4]:

کتبخانہ آصفیہ میں حضرت شیخ کی ایک چھوٹی سی بہت پرانی لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں انھوں نے وہ سب حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ جو انھوں نے اپنے شیخ ابو علی دقاق سے بسند متصل سنی تھیں۔ اس کتاب کا ذکر تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا ہے۔

---

(۱) لبید نے یہ اشعار موت سے تھوڑا عرصہ پہلے کہے تھے اور ان میں اپنی دو بیٹیوں کو مخاطب کیا تھا۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے: تمنّی ابنتای ان یعیش ابوھما وھل انا الّا من ربیعۃ او مضر

(۲) لطائف الاشارات: ۱: ۴۵ (۳) لطائف الاشارات: ۱: ۱۵ - ۱۶ (۴) مقدمہ شرح گیسو دراز: ۱۹ -

براکلمن نے مذکورہ بالا کتب کے علاوہ قشیری کے دو اور رسالوں کا نام دیا ہے۔ (۱۵) رسالہ ترتیب السلوک فی طریقۃ اللہ تعالیٰ اور (۱۶) شکایت اہل السنۃ بحکایۃ ما نالہم من المحنۃ۔ ہم ان دونوں رسالوں کو ترجمہ کے ساتھ الگ شائع کر چکے ہیں۔

ان کے علاوہ مکرمی چودھری عبدالعزیز صاحب نے قشیری کی تصانیف کے مزید نام لکھ بھیجے ہیں۔ جو یہ ہیں۔ (۱۷) کتاب سیرۃ المشائخ (۱۸) کتاب المعراج۔ یہ کتب شائع ہو چکی ہے اور ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر نے اسے قاہرہ سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قشیری نے ان تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے جو معراج کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور کہیں کہیں اپنی طرف سے مختصر سی بحث بھی کی ہے۔ اور بعض اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ (۱۹) استفادات المرادات (۲۰) بلغۃ المقاصد فی التصوف (۲۱) ناسخ الحدیث و منسوخہ (۲۲) حیاۃ الارواح والدلیل الی طریق الصلاح (۲۳) منثور الخطاب فی شہود الالباب (۲۴) الفصول فی الاصول۔

ڈکتور ابراہیم بسیونی نے مزید نام بتلائے ہیں[1] اور وہ یہ ہیں:

(۲۵) القصیدۃ الصوفیہ (۲۶) التوحید النبوی (۲۷) اللمع (۲۸) الفتوہ (۲۹) المقامات الثلاثہ اور (۳۰) فتویٰ۔

رسالہ قشیریہ

خوش قسمتی سے قشیری نے خود اس رسالہ میں بتا دیا ہے کہ انھوں نے اس رسالہ کو ۴۳۷ھ میں لکھنا شروع کیا۔ اور ۴۳۸ھ کے اوائل میں اسے مکمل کیا۔

سببِ تالیف سید عطا حسین نے رسالہ قشیریہ کی تالیف کے اسباب بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اور سبائیہ، باطنیہ اور مالویہ کو اس رسالہ کی تالیف کا سبب قرار دیا ہے۔ آربری نے اپنی کتاب Sufism (صفحہ ۷۴) میں ملامتیۃ[2] کو اس کی تالیف

---

(۱) مقدمہ برلطائف الاشارات: ۲۴: (۲) سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں ملامیتہ پر الگ باب باندھا ہے۔ مگر اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ اس زمانہ میں ملامتیہ کی حالت اسقدر بگڑ گئی ہو کہ وہ احکام شریعت کیخلاف عمل کریں۔ بلکہ برعکس اس کے ان کی تعریف ہی کی ہے۔

کا سبب بتایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"Which was composed with the express purpose of rescuing Sufism from the ill-fame to which it had been exposed by the extravagant antinomianism of the Malâmatiya"

(جسے واضح طور پر اس غرض سے لکھا گیا کہ تصوف کو اس بدنامی سے نجات دلائی جائے جس کا نشانہ یہ لوگ غالی اور لاابالی ملامتیہ کی وجہ سے بنے ہوئے تھے)

یہ درست ہے کہ نیشاپور میں ابوصالح حمدون بن احمد بن عمارہ القصار نیشاپوری متوفی سنہ ۲۷۱ھ کی وجہ سے ملامتیہ فرقہ پھیلا (رسالہ صفحہ: ۱۹) مگر ملامتیہ[1] کو ہمہ تن اس رسالہ کی تالیف کا سبب قرار دینا میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ ملامتیہ نے غلط طریقے اختیار کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اور ان میں سے بعض احکام شریعت کی پابندی نہ کرتے تھے۔

قشیری نے وضاحت کے ساتھ کسی فرقہ کا نام نہیں لیا۔ ابتداء رسالہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کا احترام نہیں کرتے۔ حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے۔ عبادات کو ادا کرنے اور صوم و صلوٰۃ کو بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں۔ باایں ہمہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حقائق و حال تک پہنچ چکے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب قشیری صوفیاء کے عقائد کا ذکر کرتے ہیں تو وہاں معتزلہ اور بالخصوص کرامیہ سے برائت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صَانُوا عَقَائِدَهُمْ عَنِ الْبِدَعِ

اور مشبہ اور معطلہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:-

مِنْ تَوْحِيدٍ لَيْسَ فِيهِ تَمْثِيلٌ وَلَا تَعْطِيلٌ وَعَرَفُوا مَا هُوَ حَقُّ الْقِدَمِ

ان دنوں کرامیہ نے نیشاپور کے اندر زور پکڑ لیا تھا اور ان کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ یہ لوگ دست اندازی سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابوعبدالرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں کہ میں ابوعبداللہ الحاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) کے پاس گیا وہ ان دنوں اپنے گھر میں محبوس تھے۔ اور گھر

سے نکل کر مسجد تک بھی نہ آسکتے تھے۔ کیونکہ انھیں کرامیہ سے خطرہ تھا۔ اور اس سے پہلے کرامیہ نے
اُن کا منبر توڑ ڈالا تھا۔[۱]

ابو بکر محمد بن اسحق بن ممشاد کرامیہ کے رئیسوں میں سے ایک رئیس تھا۔ اس نے اسی زمانے
میں اپنے ظاہری زہد و تقویٰ کی وجہ سے سلطان محمود پر اثر ڈال رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے سلطان
کرامیہ کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ اور خود بھی اُن کا ہم خیال ہو گیا تھا۔

کرامیہ کرامیہ فرقہ کی بنیاد ابو عبد اللہ محمد بن کرام نے ڈالی۔ اس کا باپ ایک انگور کے باغ
میں محافظ کا کام کرتا تھا۔ جس وجہ سے اسے کرام کہا گیا۔ یہ دراصل سجستان کا رہنے والا تھا۔ شہر بدر
ہوا تو غرجستان چلا آیا۔ شوبین اور افشین کے لوگوں کو اس کی ظاہری عبادت سے دھوکا ہوا۔
اور وہ اس کے معتقد ہو گئے۔ محمد بن طاہر بن عبد اللہ (م ۲۹۸ھ) کے عہد میں یہ نیشاپور چلا آیا۔ یہاں
بھی لوگ اس کے ظاہری زہد کو دیکھ کر اس کے معتقد ہو گئے۔ اور ایک خاص جماعت بن گئی۔
پھر یہ آٹھ سال تک نیشاپور میں قید میں رہا۔ پہلے طاہر بن عبد اللہ بن طاہر (م ۲۴۸ھ) نے اُسے
قید میں رکھا۔ پھر اس کے بیٹے محمد بن طاہر نے۔ جیل سے نکل کر یہ ۲۵۱ھ میں بیت المقدس چلا
گیا۔ اور وہاں حدیث کی روایت کرنے لگا۔ ایک روز ایک شخص نے آ کر ایمان کے متعلق
سوال کیا۔ مگر اس نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تین بار سوال کو دہرایا مگر یہ پھر بھی
خاموش رہا۔ بالآخر کہا۔ ایمان صرف زبانی قول کا نام ہے۔ بالفاظ دیگر خواہ کوئی دل سے اس
کی تصدیق نہ بھی کرے اور صرف زبانی اقرار کرے۔ تب بھی وہ شخص مومن کہلائے گا۔ یہ
سُن کر لوگوں نے حدیث کے تمام وہ اوراق جو اس سے سُن کر لکھے تھے۔ جلا دیئے۔ اور رملہ
کے حاکم نے اُسے شہر بدر کر کے زغر بھیج دیا جہاں یہ ۲۵۵ھ میں مرا۔[۲]

اس کے یہ عقائد تھے:

(۱) ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ بڑھتا ہے[۳]

(۲) اگر کوئی محض زبان سے ایمان لے آئے خواہ وہ دل میں کفریہ عقائد کیوں نہ رکھتا ہو۔ وہ

---

(۱) المنتظم: ۷: ۲۷۵ ، البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۵۵ (۲) لسان المیزان: ۵: ۳۵۳ - ۳۵۶ ، شہرستانی،
الملل والنحل: ۱: ۱۵۹ (۳) شہرستانی: ۱: ۱۵۹۔

(۳) دیگر اجسام کی طرح اللہ بھی ایک جسم ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اوپر کی جہت میں ہے۔ وہ عرش کی اوپر کی سطح کو چھو رہا ہے۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ نیچے اُترتا ہے اور اوپر بھی چڑھتا ہے۔

کرامیہ کے تقریباً بارہ فرقے ہیں۔ مگر کرام کے زیادہ قریب صرف ہَیْصَمیہ فرقہ ہے۔ یہ لوگ محمد بن الہیصم کے ماننے والے ہیں۔ اور یہی محمد بن الہیصم قشیری کے عہد میں نیشاپور میں کرامیہ کا رئیس تھا۔

صفاتیہ

معتزلہ اور کرامیہ وغیرہ کے مقابلہ میں سلف کی کثیر تعداد اس بات کی قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ازلی صفات ہیں۔ مثلاً علم، قدرت، حیات، ارادہ، سمع، بصر وغیرہ اور اُن کے نزدیک صفاتِ ذاتیہ اور فعلیہ میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ مزید برآں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں اور چہرہ وغیرہ ہے۔ اور اسے بلا کیف اور بلا تاویل مانتے ہیں۔

چونکہ سلف اللہ تعالیٰ کی صفات کے قائل ہیں۔ اس لئے انھیں صفاتیہ کہا گیا اور معتزلہ جو صفات کے منکر ہیں مُعَطِّلہ کہلائے۔ بعض لوگوں نے ان صفات کو ثابت کرنے پر اسقدر زور دیا کہ انھوں نے ان کو مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہت دے دی۔ اور یہ تشبیہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور مشبّہہ کہلائے۔

سلف میں جن لوگوں نے بغیر تشبیہ اور بغیر تاویل کے صفاتِ ازلیہ کو ثابت کیا ہے۔ ان میں مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)، داؤد اصفہانی ظاہری (م ۲۷۰ھ) اور اُن کے متبعین ہیں۔ تا آنکہ عبداللہ بن سعید کلابی، ابوالعباس قلانسی اور حارث بن اسد محاسبی کا زمانہ آیا۔ ان کا شمار بھی سلف میں ہوتا ہے۔ مگر انھوں نے علم کلام کو استعمال کیا۔ اور سلف کے عقائد کی تائید علم کلام کی بنا پر کی۔ بعض نے اس فن میں کتابیں لکھیں۔ اور بعض نے درس دیئے۔ تا آنکہ ابوالحسن اشعری اور ان کے استاد ابو علی جبائی کے درمیان ایک مسئلہ میں مناظرہ ہوا۔ جس میں ابوالحسن اشعری نے سلف کی طرفداری کی۔

اب رہے باطنیہ تو یہ فرقہ اگرچہ قشیری کے زمانہ سے پہلے ہی چلا آرہا تھا۔ مگر انھوں نے زیادہ زور حسن بن صباح (م ۵۱۸ھ) کی مدد سے ۴۹۳ھ اور ۴۹۴ھ میں پکڑا۔ سب سے پہلا شکار جو انھیں ہاتھ آیا۔ وہ نظام الملک طوسی رحمۃ اللہ ہی تھا۔ جسے انھوں نے ۴۸۵ھ میں دھوکے سے

نکلسن کا یہ کہنا[۱] کہ ابو نصر سراج نے یہ کتاب ایک دوست کی درخواست پر لکھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابو نصر نے کتاب کے مقدمہ میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ البتہ باب البیان عن علم التصوف و مذہب الصوفیہ کی ابتدا میں یوں لکھتے ہیں:

سألنی سائل عن البیان عن علم التصوف و مذهب الصوفیة وزعم ان الناس اختلفوا فی ذلك۔

(کسی شخص نے مجھ سے درخواست کی کہ میں علم تصوف اور صوفیہ کے مذہب کی وضاحت کر دوں۔ اس کا خیال یہ تھا کہ لوگوں کا اس بارے میں اختلاف ہے)

ان الفاظ سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سائل کا سوال صرف علم تصوف اور مذہب اہل تصوف کے متعلق تھا۔

اس کتاب میں صوفیہ کے بیشتر مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً علم تصوف، مذہب تصوف، صوفی نام کیسے پڑا۔ احوال و مقامات صوفیہ، آدابِ صوفیہ وغیرہ

ابو نصر سراج کے بعد ابو طالب محمد بن عطیہ الحارثی العجمی المکی المتوفی ۳۸۶ھ نے قوت القلوب لکھی۔ جس میں ابو طالب نے ثابت کیا کہ صوفیاء کے مسائل اور اعمال شریعت کے مطابق ہیں۔ اس کتاب کا شمار امہات کتب تصوف میں ہوتا ہے۔

اسی زمانہ میں ابو بکر محمد بن اسحق البخاری الکلاباذی المتوفی ۳۹۰ھ نے التعرف لمذہب اہل التصوف لکھی۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں تصوف کے مختلف موضوعوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور اسے خوب مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ کہا گیا:۔

لَوْ لَا التَّعَرُّفُ لَمَا عُرِفَ التَّصَوُّفُ

(اگر کتاب "تعرف" نہ ہوتی تو تصوف کو کوئی بھی نہ جانتا۔)

اسی مقبولیت کی وجہ سے اس پر کئی شرحیں لکھی گئیں۔ سب سے پہلے ابو ابراہیم بن اسمٰعیل بن محمد عبداللہ المستملی البخاری المتوفی ۴۳۴ھ نے فارسی میں اس کی شرح لکھی۔ بخاری نے کئی مقامات پر نہایت عمدہ بحثیں کی ہیں۔

---

(۱) مقدمہ کتاب اللمع: ۷

خواجہ عبداللہ انصاری (م ۴۸۱ھ) اور قونوی (م ۶۲۹ھ) نے بھی اس پر شرح لکھی ہے۔[1]

ابوالحسن علی بن عبداللہ بن الحسن بن جہضم الہمدانی المتوفی ۴۱۴ھ نے تصوف میں بہجۃ الاسرار لکھی۔ ابن جہضم حرم میں شیخ صوفیہ تھے۔ انھوں نے لمبی عمر پائی۔ اور حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ قشیری نے اس کتاب سے صرف ایک روایت نقل کی ہے۔

ابن جہضم کے بعد ابو منصور معمر بن احمد بن زیاد الاصفہانی (۳۵۰ھ تا ۴۱۸ھ) نے کتاب نہج الخاص لکھی۔ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے جس میں انھوں نے صرف ان مسائل کو لیا ہے جو سالکین کے مقامات اور ریاضت سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کو الاب۔ اس، دی نورکی الدومنکی نے فرانسیسی مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

یہ سب کتابیں لکھی جا چکی تھیں مگر ان میں کوئی بھی ایسی نہ تھی جس میں تصوف کے تمام مسائل پر ہر پہلو سے بحث کی گئی ہو۔ اس ضرورت کو ابوالقاسم قشیری نے رسالہ قشیریہ لکھ کر پورا کیا۔ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں مختصر طور پر تصوف کے تمام مسائل اور موضوعوں پر بحث کی گئی ہے۔ قشیری نے ان مسائل کو نہایت وضاحت کیساتھ اعلیٰ طریقہ پر پیش کیا ہے اسی بنا پر یہ کتاب آجتک عوام میں بالعموم اور صوفیاء میں بالخصوص بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مزید برآں جو ترتیب قشیری نے اس رسالہ کو دی ہے اس سے بھی مصنف کی بالغ نظری کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں صوفیاء کے عقائد بیان کئے ہیں۔ پھر مشہور صوفیاء کے مختصر حالات دیئے ہیں۔ اس کے بعد تصوف کی چند اصطلاحات کی تشریح کر دی گئی ہے۔ پھر تصوف کے مسائل کو لیا ہے۔ اور ہر مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث نبوی پیش کر دی ہیں تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے۔ کہ مسائل تصوف کی بنیاد انھی دو اصولوں یعنی کتاب وسنت پر ہے۔ قشیری کا شمار چونکہ حفاظ حدیث میں ہوتا ہے۔ اس لئے انھوں نے تمام احادیث اپنی سند سے پیش

---

(۱) صوفزم و آربری: ۹۶ (۲) ابو عبدالرحمٰن السلمی (م ۴۱۲ھ) اور ابو نعیم الاصفہانی (م ۴۳۰ھ) نے بھی صوفیہ کے متعلق کتابیں لکھیں مگر چونکہ ان میں مسائل تصوف سے کسی قسم کی بحث نہیں کی گئی۔ صرف صوفیہ کے حالات و اقوال دیئے تھے۔ اس لئے میں نے ان کا یہاں ذکر نہیں کیا۔

کی ہیں۔ اگرچہ کرامت نہ ولایت کی جز ہے نہ ولایت کی دلیل مگر چونکہ اس سے صاحب کرامت انسان کے مقرب الی اللہ ہونے کا پتہ چلتا ہے اس لئے قشیری نے بزرگوں کی ایک سو سے زائد کرامات کا ذکر کیا ہے۔ ایک باب سماع کے بیان میں ہے جسے اگرچہ جائز قرار دے دیا ہے۔ مگر قشیری نے اپنا مسلک یہی بتایا ہے۔ کہ اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ آخر میں ولایت، مرید اور شیخ کے آداب پر کتاب کو ختم کیا ہے۔

رسالہ قشیریہ کی قدر و منزلت اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صوفیار کے شدید ترین مخالف ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے بھی اس کتاب کی تعریف کی ہے۔ اور کہا ہے کہ اگر تصوف کا مطالعہ کرنا ہو تو رسالہ قشیریہ کا مطالعہ کیا جائے[1]۔

رسالہ کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں نے اس کتاب کے انوار و برکات کا مشاہدہ کیا۔ یہاں تک کہ مشہور ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہوگی وہاں کوئی آفت نازل نہ ہوگی[2]۔

قشیری کے رسالہ کا اسقدر چرچا ہوا کہ ان کے معاصرین صوفیار کو بھی تصوف پر کچھ لکھنے کا خیال آیا۔ چنانچہ ابوخلف طبری، ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الغزنوی اور خواجہ عبداللہ انصاری الہروی نے بھی تصوف پر کتابیں لکھیں۔

ابوخلف محمد[3] بن عبد الملک بن خلف الطبری السلمی شافعی اماموں میں سے تھے۔ انھوں نے قفال اور ابومنصور لبغدادی سے فقہ پڑھی۔ یہ کہا کرتے تھے کہ روزہ دار سے جو گناہ بھی سرزد ہو اس کا کفارہ واجب الادا ہے۔ مثلاً کھانا، پینا یا جماع، یہ فقیہ اور صوفی تھے۔ انھوں نے رئیس ابوعلی حسان بن سعید المنیعی کے لئے تصوف میں ایک کتاب لکھی جس کا نام سلوۃ العارفین و انس المشتاقین رکھا۔ یہ کتاب بہتر ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں تصوف کے معنی سے بحث کی گئی ہے۔ اور آخری باب میں طبقات للصوفیہ اور ان کے تراجم دیئے ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب ۴۵۹ھ میں لکھی۔ سبکی کہتے ہیں کہ

---

(۱) ابن تیمیہ کے اس قول کی اطلاع مجھے مولوی محمد اویس ندوی صاحب نے دی۔ وہ بھارت سے چند دنوں کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ مگر باوجود بار بار مطالبہ کے کتاب کا حوالہ نہ بتا سکے۔ (۲) شذرات الذہب: ۳: ۳۲۰؛ طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۴۳ (۳) طبقات الشافعیہ: ۳: ۷۶

ابوخلف نے اس کتاب میں صوفیہ کے احوال کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں نہ صرف راہِ طریقت سے بخوبی واقفیت حاصل تھی بلکہ ان پر صوفیہ کے احوال کی کیفیت بھی طاری تھی۔ ابوخلف نے اس کتاب میں رسالہ قشیریہ کے ابواب و مضامین کا طرز اختیار کیا ہے۔ اور سبکی کے خیال میں اس کی عدم مقبولیت اور گمنامی کی وجہ بھی غالباً یہی بات تھی۔ ورنہ یہ کتاب بہت ہی عمدہ ہے۔ رسالہ کی مقبولیت اور شہرت نے اس کتاب کو اتنا ماند کر دیا کہ سبکی کو اس کتاب کا اگر کوئی نسخہ ملا تو وہ وہی اصلی نسخہ تھا جسے نہایت عمدہ خط میں لکھ کر ابوخلف نے خود منیعی کو پیش کیا تھا۔ ابوخلف کی وفات ۴۷۰ھ میں ہوئی۔

سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الغزنوی الہجویری المعروف(م ۴۶۵ھ) نے فارسی زبان میں کشف المحجوب لکھی۔ فارسی زبان میں تصوف پر یہ پہلی کتاب ہے۔ زبان نہایت سادہ اور واضح ہے۔ اور اس عہد کی فارسی زبان کا بہترین نمونہ ہے۔ ہجویری نے اس کتاب میں قشیری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے۔ اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں۔ پاک و ہند میں صدیوں سے اس کتاب کا چرچا چلا آرہا ہے۔

قشیری کے تیسرے معاصر جنھوں نے تصوف پر کتاب لکھی شیخ الاسلام ابواسمٰعیل عبداللہ الانصاری الہروی ہیں۔ انصاری نے ۴۸۱ھ میں وفات پائی۔ تصوف پر جو مختصر کتاب انھوں نے لکھی اس کا نام منازل السائرین ہے۔ اس کتابچہ میں صوفیہ کے آداب، مقامات اور احوال کے سوا کسی اور موضوع کا ذکر نہیں۔
اس کتاب کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انصاری وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ چنانچہ باب الاتصال میں فرماتے ہیں[۱]:

الدَّرَجَۃُ الثَّالِثَۃُ اِتِّصَالُ الْوُجُوْدِ وَھٰذَا الْاِتِّصَالُ لَا یُدْرَکُ مِنْہُ نَعْتٌ وَّلَا مِقْدَارٌ اِلَّا اِسْمٌ مُّعَارٌ وَلَمْحٌ اِلَیْہِ یُشَارُ۔

(تیسرا درجہ اتصال الوجود کا ہے۔ اس اتصال کے محض نام اور اشارہ کے سوا ہم اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ نہ اتصال کی صفت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ مقدار کو)

---

(۱) شرح منازل السائرین لابی محمد عبدالمعطی: ۲۰۵۔

پھر آگے چل کر باب الفناء میں فرماتے ہیں:[1]

وَهُوَ عَلَىٰ ثَلَاثِ دَرَجَاتٍ اَلدَّرَجَةُ الْاُوْلَىٰ فَنَاءُ الْمَعْرِفَةِ فِي الْمَعْرُوْفِ وَهُوَ الْفَنَاءُ عِلْمًا وَفَنَاءُ الْعِيَانِ فِي الْمُعَايَنِ وَهُوَ الْفَنَاءُ جَحْدًا وَفَنَاءُ الطَّالِبِ فِي الْوُجُوْدِ وَهُوَ الْفَنَاءُ حَقًّا۔

(فنا کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ علمی اعتبار سے فنا کا ہے۔ وہ اس طرح کہ معروف یعنی ذات باری کی معرفت میں فنا ہو جائے۔ دوسرا درجہ فنا جحد کا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جو کچھ طالب دیکھے وہ معاین، یعنی خدا، میں فنا ہو جائے۔ اور تیسرا (یعنی آخری درجہ) حقیقی فنا کا ہے اور وہ اس طرح کہ طالب وجود میں فنا ہو جائے)

سبکی کہتے ہیں[2] کہ باوجود اس کے کہ شیخ تقی الدین ابو العباس ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کا میلان عبد اللہ انصاری کی طرف تھا، پھر بھی وہ اس کتاب کو وحدۃ الوجود کی وجہ سے برا کہتے۔ اور انصاری کو بہت متہم کیا کرتے تھے۔

مگر ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم (م ۷۵۱ھ) نے منازل السائرین کی شرح لکھی اور انصاری کے بیانات کی تاویلیں کر کے وحدۃ الوجود کو وحدۃ الشہود بنا دیا۔

ابن قیم کی شرح کے علاوہ منازل السائرین کی دو اور شرحیں لکھی گئیں۔ ایک سدید الدین ابو محمد عبد المعطی بن ابی الثناء محمود بن عبد المعطی اللخمی الاسکندرانی کی ہے۔ یہ شرح ساتویں صدی ہجری کی ابتداء میں لکھی گئی۔ اور دوسری محمود بن حسن بن محمود الشافعی الفرکاوی کی۔ فرکاوی کی پیدائش ۷۲۵ھ میں اور وفات ۷۵۰ھ کے بعد ہوئی۔ یہ دونوں شرحیں نہایت مختصر ہیں۔ اور انھیں س۔ دلجبیہ دی بورکی نے تحقیق کر کے شائع کیا ہے۔

تصوف کی یہ وہ مشہور کتابیں ہیں جو ابتدائی عہد سے لے کر قشیری کے زمانہ تک لکھی گئیں۔ اگر ہم ان کا موازنہ قشیری کے رسالہ سے کریں خواہ بلحاظ تنوع ابواب خواہ بلحاظ وسعت مضامین تو ہم ان میں سے کسی کو بھی رسالہ قشیریہ کا ہم پایہ نہیں پاتے۔ غرض رسالہ قشیریہ پہلی کتاب ہے جس میں

---

(۲) حوالۂ مذکور: ۲۱۳ (۳) طبقات الشافعیہ: ۳: ۱۱۷۔

اسقدر تفصیل کے ساتھ تصوف کے بیشتر اور اہم مسائل سے بحث کی گئی ہے ۔ خود قشیری کا اپنا مرتبہ کتاب
کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتا ہے ۔ کیونکہ ان تمام متقدمین میں کوئی بھی ایسا نہیں جس میں قشیری کی طرح
تمام اوصاف پائے جاتے ہوں ۔ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے قشیری محدث ، مفسر ، فقیہ ، شاعر ،
کاتب ، نحوی ، صوفی ، متکلم وغیرہ سب کچھ تھے ۔ اور اسقدر اوصاف ایک شخص کے اندر شاذ
و نادر ہی جمع ہوتے ہیں ۔

ان سب کے بعد امام محمد الغزالی (م ۵۰۵ھ) نے احیاء العلوم لکھی ۔ یہ اگرچہ ایک ضخیم کتاب ہے
اور غزالی کی شخصیت کی وجہ سے اسے خوب مقبولیت بھی حاصل ہوئی مگر اس میں زیادہ زور فقہی
مسائل پر دیا گیا ہے ۔ تصوف کے مسائل کا جو تنوع رسالہ قشیریہ میں پایا جاتا ہے وہ اس میں نہیں ہے ۔

اسی زمانہ میں ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی المعروف با بن القیسرانی (م ۵۰۷ھ) نے تصوف پر
ایک کتاب لکھی ، جس کا نام صفوۃ التصوف رکھا ۔ لیکن یہ کتاب شہرت حاصل نہ کر سکی ۔ اسی ابن القیسرانی
نے صحیحین کے رجال پر ایک کتاب لکھی ہے ۔ جس کا نام الجمع بین رجال الصحیحین ہے ۔

رسالہ کے مآخذ

رسالہ میں قشیری نے بہت سے واقعات اور اقوال براہِ راست ابو عبدالرحمٰن
سُلمی کی سند سے بیان کئے ہیں ۔ جن سے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے
سُلمی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے ۔ بالخصوص طبقات الصوفیہ سے چنانچہ قشیری نے کئی ایک مقام
پر بعینہٖ سُلمی کی سند سے واقعات اور اقوال کی روایت کی ہے ۔

دوسری کتاب جس سے قشیری نے استفادہ کیا ۔ وہ کتاب اللمع ہے ۔ قشیری نے ابونصر سراج
سے براہِ راست روایت نہیں کی ، کہیں ابوحاتم سجستانی کے واسطہ سے اور کہیں اور لوگوں کے واسطہ
سے کی ہے ۔ اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں ۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔

رسالہ قشیریہ صفحہ ۴ :-

سمعت ابا حاتم السجستانی یقول سمعت ابا نصر الطوسی السراج یحکی عن یوسف
بن الحسین قال : قام رجل بین یدی ذی النون المصری فقال : اخبرنی عن التوحید ماھو
فقال ھو ان تعلم ان قدرۃ اللہ تعالیٰ فی الاشیاء بلا مزاج وصنعہ الاشیاء بلا علاج
وعلۃ کل شئ صنعہ ولا علۃ لصنعہ ولیس فی السموات العلیٰ ولا فی الارضین السفلیٰ مُدبّر

غیر اللہ وکل ما تصوّر فی وھمک فاللہ بخلاف ذٰلک۔

یہی عبارت بعینہٖ کتاب اللمع طبع یورپ (نکلسن ایڈیشن) صفحہ ۶۰ پر موجود ہے۔ حرف معمولی فرق ہے۔ مثلاً اخبرنی کی جگہ کتاب اللمع میں خبرنی دیا ہے۔ اور کل ما تصوّر کی بجائے مہما تصور ہے۔

رسالہ قشیریہ صفحہ ۵۱،

سمعت اباحاتم السجستانی یقول سمعت ابا نصر السراج یقول سئل سھل بن عبداللہ عن التوبۃ فقال: ان لا تنسی ذنبک و سئل الجنید عن التوبۃ فقال: تنسی ذنبک قال ابونصر السراج اشار سھل الی احوال المریدین والمتعرضین تارۃ لھم وتارۃ علیھم الی قولہ۔ ان تتوب من کل شئ سوی اللہ عزّوجلّ۔

یہی عبارت کتاب اللمع طبع یورپ صفحہ ۴۳ میں یوں ہے:

وسئل سھل بن عبداللہ عن التوبۃ فقال: ان لا تنسی ذنبک وسئل الجنید رحمہ اللہ عن التوبۃ فقال: ھی نسیان ذنبک۔ قال الشیخ رحمہ اللہ: فالذی اجاب السوسی رحمہ اللہ عن التوبۃ اجاب عن توبۃ المریدین والمتعرضین والطالبین و القاصدین وھم الذین تارۃ لھم وتارۃ علیھم والذی قال سھل بن عبداللہ ایضاً نکذلک واما ما اجاب الجنید رحمہ اللہ عن التوبۃ ان ینسی ذنبہ اجاب عن توبۃ المتحققین لا یذکرون ذنوبھم لما غلب علی قلوبھم من عظمۃ اللہ تعالیٰ۔ الی قولہ۔ ان تتوب من کل شئ سوی اللہ تعالیٰ۔

اس سے یہ واضح ہے کہ قشیری نے کافی مواد کتاب اللمع سے اخذ کیا ہے۔ اگرچہ کتاب کا نام کہیں مذکور نہیں۔

قشیری نے ساری کتاب میں صرف ایک مقام پر کتاب بہجۃ الاسرار کا نام وضاحت کے ساتھ لیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قشیری نے رسالہ کے لکھنے میں اس کتاب سے بھی مدد لی ہے۔

کتاب میں بیان کردہ اصطلاحات کا ماخذ التعرف کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کرامات کے باب کا کافی حصہ ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) کی حلیۃ الاولیاء سے ماخوذ ہے۔

اس کے علاوہ جسقدر مضامین دینیات ہیں وہ قشیری کے طبع زاد ہیں۔ اور ان سے قشیری کی

وسعت نظر اور مسلک کا پتہ چلتا ہے۔

رسالہ کے تراجم و شروح

رسالہ قشیریہ کی شہرت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ متعدد لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں۔ چنانچہ سب سے پہلی شرح[۱] ہمارے علم میں صدر الدین ابو محمد عبد المعطی بن ابی الثناء محمود بن عبد المعطی اللخمی الاسکندری کی ہے۔ عبد المعطی تقریباً ۵۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ساتویں صدی ہجری کے تقریباً وسط میں وفات پائی۔ عبد المعطی نے عبد اللہ انصاری ہروی کی منازل السائرین کی بھی شرح لکھی ہے۔ اور المحاسبی کی الرعایہ لحقوق اللہ کی بھی۔ ان کی چوتھی کتاب ارشاد السالکین الی الجمع بین طریق المحققین من الفقہاء والمریدین ہے۔ عبد المعطی کی رسالہ کی شرح کو دکتور ابو العلاء العفیفی استاذ جامعہ اسکندریہ نے شائع کیا ہے۔

رسالہ کی شہرت تمام دنیائے اسلام میں پھیل چکی تھی۔ ہندوستان میں بھی اس کا خاصہ چرچا تھا۔ چنانچہ سید محمد حسینی المعروف بخواجہ گیسو دراز نے ۸۰۰ھ میں فارسی میں اس کی شرح لکھی۔ فرماتے ہیں[۲]:

"اکنوں عزیز من یکے اندیشہ کن کہ مرا با خود ہمیں اندیشہ است شیخ قدس اللہ روحہ خود تاریخ بیان کرد کہ از تاریخ ہجرت چہار صد و سی و ہفت گذشتہ میان آں قوم ایں فترت زاد کہ در ہر یک لفظ شیخ تامل کن کہ چہ حد بلا زادہ است مسکین محمد حسینی سلمہ اللہ تعالی کہ امروز تاریخ ہجرت ہشت صد و ہفت شد ماند نشانے ازیں قوم۔"

ان کا نام سید محمد گیسو دراز بن سید یوسف حسینی چشتی دہلوی ہے۔ ہندوستان کے اولیاء عظام میں سے تھے۔ اور نصیر الدین محمد چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے۔ مشائخ چشت میں ان کا خاص مقام ہے۔ پہلے دہلی میں رہا کرتے تھے۔ مگر اپنے شیخ نصیر الدین محمد چراغ کی وفات کے بعد دکن چلے گئے اور وہاں آپکا سلسلہ رائج ہو گیا۔ ان کا گیسو دراز لقب اس لئے پڑا کہ ایک بار دوسرے مریدوں کے ساتھ مل کر یہ شیخ نصیر الدین کی پالکی لئے جا رہے تھے۔ ان کے گیسو بہت لمبے تھے۔ اس لئے اٹھاتے وقت گیسو پالکی کے پایہ میں پھنس گئے۔ مگر انھوں نے انتہائی ادب ملحوظ رکھتے ہوئے گیسوؤں کو

---

(۱) مقدمہ عربی بر شرح منازل السائرین لعبد المعطی تحقیق س۔ دی بورکی الدومنکی۔ (۲) شرح گیسو دراز: ۱۹

چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ اور ایک طویل مسافت اسی حالت میں طے کی۔ جب شیخ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے سید محمد کی بہت تعریف کی اور فرمایا:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شُد   واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

سید محمد گیسو دراز ۷۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ایک سو پانچ سال کی عمر میں ۸۲۵ھ میں وفات پائی۔ اس وقت فیروز شاہ بن غیاث الدین بن محمود شاہ بن علاؤ الدین کا عہدِ حکومت تھا۔ دکن میں شہر کلبرگہ میں مدفون ہوئے۔ اُن کے مرید شیخ محمد نامی نے ان کے ملفوظات کو جمع کیا اور اس کا نام جوامع الکلم رکھا۔[1] یہ شرح حیدر آباد دکن میں نامکمل چھپی ہے۔ اور صرف باب التوکل کے آخر تک ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خواجہ صاحب نے خود رسالہ کی شرح یہاں تک لکھی تھی۔ یا یہ کہ شرح تو مکمل لکھی مگر باقی حصہ مفقود ہو گیا۔

خواجہ صاحب نے بعض مقامات پر رسالہ کی عبارت کو نہیں سمجھا ہے۔ میں نے اکثر جگہ نظر انداز کیا ہے۔ مگر بعض جگہ مفہوم کے غلط ہونے کی وجہ سے ترجمہ کے دوران اشارہ کرنا پڑا ہے۔

رسالہ قشیریہ کی تیسری شرح شیخ الاسلام قاضی القضاۃ زین الدین الحافظ زکریا محمد بن احمد الانصاری المتوفی ۹۲۵ھ نے لکھی جس کا نام انھوں نے احکام الدلالۃ علی تحریر الرسالۃ رکھا۔

زکریا انصاری ۸۲۶ھ میں بمقام سُنیکہ پیدا ہوئے۔ اور یہیں نشو ونما پائی۔ پہلے انھوں نے قرآن مجید، عمدۃ الاحکام اور مختصر تبریزی کا کچھ حصہ حفظ کیا۔ پھر ۸۴۱ھ میں قاہرہ چلے آئے۔ اور جامع ازہر میں رہ کر مختصر کے باقی حصے کو حفظ کیا۔ اس کے بعد المنہاج الفرعی، الالفیۃ النحویہ، شاطبیہ، رائیہ اور المنہاج الاصلی کا کچھ حصہ، الفیۃ الحدیث کا آدھا حصہ اور کافی کی بحث تک تسہیل کو حفظ کیا۔ قاہرہ میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد یہ اپنے وطن چلے آئے۔ ان علوم میں اُن کے اساتذہ کے نام یہ ہیں: قایاتی (م ۸۵۰ھ)، العَلَم البلقینی (م ۸۶۸ھ)، الشرف السبکی (م ۸۴۲ھ)، الحافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) وغیرہ۔ ان سے کافیجی، ابن الہمام اور دوسرے بہت سے لوگوں نے تعلیم حاصل کی۔ پہلے استادوں سے افتاء وتدریس کی اجازت لی۔ اور پھر تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دی۔ اور بہجۃ اور الروضۃ کی شرح لکھی۔ ساٹھ کے قریب اُن کی تصانیف ہیں۔

---

(۱) خزینۃ الاصفیاء: ۱: ۳۸۱، ۳۸۲۔

اگرچہ ہر فن میں یہ اپنی نظیر آپ تھے۔ مگر تصوف ان کا خاص فن تھا۔ صوفیا کی طرف داری میں کتابیں لکھیں۔ بالخصوص ابنِ عربی اور ابن الفارض کی طرفداری میں اور ان دونوں کو قطعی ولی قرار دیا۔ السیوطی کے بعد یہ قاضی القضاۃ بھی مقرر کر دیئے گئے۔ اور اس عہدہ کو نہایت پارسائی اور عمدگی سے سرانجام دیا۔ آخر عمر میں نابینا ہو جانے کے باوجود انھوں نے درس و افتا نہیں چھوڑا۔ انھوں نے تقریباً ایک سو سال عمر پائی[1]۔

انصاری نے رسالہ کی شرح کو ۸۹۳ھ میں مکمل کیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں[2]:

هذا آخر ایراده من شرح رسالة الامام العارف بالله تعالی القشیری بتاریخ رابع عشر جمادی الاولی سنة ثلاث وتسعین وثمانمائة

انصاری کی شرح پر استاد سید مصطفیٰ عروسی نے حاشیہ لکھا۔ جس کا نام نتائج الافکار القدسیة فی بیان معانی شرح الرسالة القشیریة رکھا۔ سید مصطفیٰ عروسی نے اس حاشیہ کو بروز جمعہ اکیس جمادی الآخر ۱۲۷۱ھ میں مکمل کیا۔ خود لکھتے ہیں[3]:

وکان الفراغ من جمع هذه الفوائد ونظم فرائد العوائد یوم الجمعة المبارک الموافق لاحدی وعشرین مضت من جمادی الآخرة من شهور عام احدی وسبعین بعد المائتین والالف من هجرة من له العز والشرف صلی الله علیه وسلم لاربع ساعات من الیوم المذکور۔

حاجی خلیفہ نے رسالہ کی ایک چوتھی شرح کا بھی ذکر کیا ہے جسے ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے لکھا۔ مگر یہ شرح مجھے نہیں مل سکی۔

ان کا نام علی بن محمد سلطان الہروی ہے۔ مگر قاری کے نام سے مشہور ہیں۔ حنفی المذہب تھے اپنے زمانہ میں یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ ہراۃ میں پیدا ہوئے۔ مگر یہاں سے کوچ کر کے مکہ چلے گئے۔ اور وہیں آباد ہو گئے۔ استاد ابوالحسن البکری، سید زکریا الحسینی، شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی (م ۹۷۳ھ) شیخ احمد مصری شاگرد قاضی زکریا، شیخ عبداللہ السندی اور علامہ قطب الدین المکی

---

(۱) شذرات الذہب: ۸: ۱۳۴-۱۳۶۔ (۲) شرح رسالہ از زکریا انصاری: ۴: ۲۲۸ (۳) حاشیہ مصطفیٰ عروسی: ۴: ۲۲۹۔

وغیرہم سے تعلیم حاصل کی۔ اُن کے علمی تبحر اور تالیفات کا عام چرچا ہوا۔ شرح مشکوٰۃ، شرح شفا، شرح شمائل، شرح نخبہ اور نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ الشیخ عبدالقادر ان کی تصانیف ہیں۔ انھوں نے امام شافعی اور دیگر ائمہ پر اعتراضات کئے ہیں۔ اس لئے بعض لوگوں نے انھیں پسند نہیں کیا۔ ان کی وفات مکہ میں ماہ شوال ۱۰۱۴ھ میں ہوئی۔ اور المعلاۃ میں مدفون ہوئے۔

جہاں تک مجھے علم ہے رسالہ قشیریہ کا آج تک اُردو میں ترجمہ نہیں ہوا۔ اُردو ترجمہ پیش کرنے کی یہ پہلی کوشش ہے۔ خدا اسے سعیِ مشکور بنائے۔ آمین۔

رسالہ قشیریہ کے دو "جزوی ترجمے" دو یورپین زبانوں میں شائع ہوئے ہیں ۱۹۱۴ء میں برلین میں Richard Hartmann نے اس کتاب کا ملخص ترجمہ جرمنی زبان میں بعنوان Al-Kuschairis Darstellung des Sufitums (Berlin)[1] شائع کیا۔ دوسرے امریکن مستشرق ولسن ہیوم (WILSON HUME) نے ۱۹۳۵ء میں اس رسالے کا جزوی ترجمہ انگریزی میں کیا۔ اس نے یہ ترجمہ دراصل پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے کیا تھا۔ اور اس وقت Hartford Seminary Foundation میں پڑا ہے۔ مارگرٹ سمتھ (Margaret Smith) نے رسالہ کی بعض عبارتوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ جو Sufi Path of Love & Readings from the mystics of Islam میں شائع ہوا۔

ایک ضروری بات یہ ہے کہ قشیری نے رسالہ میں ابوالحسن خرقانی (م ۴۲۵ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے:

لا الٰہ الا اللہ من داخل القلب محمد رسول اللہ من القرط

یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس قول کے ظاہری الفاظ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید ابوالحسن نے شریعت کی تحقیر کی ہے۔ مگر درحقیقت بات اس طرح نہیں۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کے مقابلہ میں اوروں کے متعلق خیالات نہایت حقیر ہوتے ہیں۔

---

(۱) ان تراجم کی اطلاع مجھے چودھری عبدالعزیز کنزرویٹر ڈاکٹر نے دی جس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔

یہ "عذرگناہ" والا معاملہ ہے۔ قشیری کے لئے بہتر تھا کہ اس قسم کا قول نہ دیتے۔ اس کے مقابلہ میں سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں سہل تستری کا یہ قول نقل کیا ہے:

لا الٰہ الا اللہ حقیقت است محمد رسول اللہ شریعت[1]

آپ خود دونوں قولوں میں موازنہ کرلیں۔ جب سے ابوالحسن خرقانی کا مذکور بالا قول پڑھا تھا۔ دل میں خلش تھی جس کا اظہار ضروری سمجھا گیا۔

رسالہ شکایۃ اہل السنۃ

وجہ تالیف قشیری نے اس رسالہ کی وجہ تالیف خود اس رسالہ میں بیان کردی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۴۴۵ھ میں نیشاپور میں ایک فتنہ بپا ہوا۔ جس سے اہل دین کے سینے چاک ہوتے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ بعض لوگوں نے امام ابوالحسن الاشعری کو بر ملا لعنت کرنا شروع کردیا۔ اس سلسلہ میں ایک ایسے شخص کا بھی ذکر کیا ہے جسے قشیری نے

مَن یُعد فی مذھبہ واحد عصرہ

لکھا ہے مگر صراحۃً اس شخص کا نام نہیں دیا۔ کہ یہ وحید العصر کون شخص تھا۔ اس کے بعد اسی شخص کے متعلق لکھتے ہیں: فانّ کلّنا علیٰ قمع المعتزلۃ و قھر المبتدعۃ یدٌ واحدۃ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ شخص حنبلی تھا۔

کندری کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے کہ اصل فساد کا بانی یہی شخص تھا۔ جو معتزلی، کرامی اور قدری وغیرہ سبھی کچھ تھا۔ اس فتنہ میں اس نے اور لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا لہٰذا اس کا تاریخی پس منظر بیان کرنا یہاں ضروری ہے۔

ابوالحسن اشعری ابوالحسن علی بن اسمٰعیل الاشعری (م ۳۲۴ھ) پہلے معتزلی خیال کے تھے[2]۔ ان کا استاد ابو علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی (از ۲۳۵ھ تا ۳۰۳ھ) اپنے زمانہ میں معتزلہ کا سردار مانا جاتا تھا۔ ایک روز اشعری اور جبائی کے مابین مناظرہ ہوا۔ جس میں اشعری نے اسے لاجواب کر دیا۔

---

(۱) کشف المحجوب: ۱۷۶۔ (۲) وفیات الاعیان: ۲: ۴۴۶ - ۴۴۷

اس پر اشعری نے معتزلہ خیالات سے توبہ کی، اور مسجد میں منبر پر چڑھ کر عوام کے سامنے اس کا اعلان
کیا۔ اور باقی عمر معتزلہ کے رد میں گذار دی۔ اور اس مقصد کے لئے وہ علم کلام کو کام میں لائے۔ اشعری
نے پچپن کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے آخری کتاب الابانۃ فی اصول الدیانۃ ہے اس کتاب میں
انھوں نے اپنے عقیدہ کی وضاحت کی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا وضاحت سے ذکر کرتے
ہوئے لکھا ہے کہ میں ان کے عقیدہ پر چلتا ہوں[1]۔ ان کی ایک اور کتاب کا نام اللمع فی الرد علی
اھل الزیغ والبدع ہے۔ یہ کتاب معتزلہ کے رد میں لکھی گئی۔ اور مصر اور یورپ میں چھپ چکی ہے۔

اشعری کے بعد معتزلہ کے رد میں علم کلام ایک مخصوص فن بن گیا۔ اور معتزلہ کے رد کے لئے
اس فن کا جاننا ضروری سمجھا جانے لگا۔ جس کی وجہ سے اشعریہ ایک الگ فرقہ بن گیا ہے۔ جسے
بہت سے محققین کی تائید حاصل ہوئی۔ چنانچہ ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی البصری المتوفی ۴۰۳ھ نے
علم کلام میں بہت سی تصانیف کیں۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی الملقب بہ رکن الدین (م ۴۱۸ھ)
نے اشعری مذہب کو اور بھی تقویت دی۔ اور اس سلسلہ میں تصانیف بھی کیں، جن میں سے الحلی
فی اصول الدین اور الرد علی الملحدین انکی دو مشہور کتابیں ہیں اسی زمانہ میں استاد ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک المتوفی ۴۰۶ھ نے علم کلام کی
رونق کو دوبالا کیا اور مختلف فنون میں کتابیں لکھیں، جنکی تعداد ایک سو کے قریب بتائی جاتی ہے۔ قشیری اسی سلسلہ میں منسلک تھے کیونکہ
یہ ابن فورک کے شاگرد تھے، یہ تمام بزرگ شافعی المذہب تھے۔ اور اشعری کہلاتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ طریق استدلال کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی بنا پر وہ الحارث بن الاسد
المحاسبی کو جو ان کے معاصر اور ہم شہری تھے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان کی
خدمت میں عرض کیا: حضرت آپ ایک بار المحاسبی کا کلام سن لیں پھر فیصلہ کریں۔ چنانچہ محاسبی
کے لئے ایک مجلس قائم کی گئی۔ اور ایسا انتظام کیا گیا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پردے کے پیچھے سے
کلام سنتے رہیں۔ جب آپ محاسبی کی تقریر سن کر واپس تشریف لائے۔ تو اس کے متعلق ان کی
رائے دریافت کی گئی۔ فرمایا: جو کچھ محاسبی نے کہا ہے سب درست ہے۔ مجھے صرف ان کا طرز پسند
نہیں۔ بالفاظ دیگر امام احمد رحمہ اللہ کا طریقہ طریقۂ تسلیم تھا۔ طریقۂ استدلال نہ تھا[2]۔

---

(۱) شذرات الذہب: ۳: ۳۰۴-۳۰۵۔ (۲) طبقات الحنابلہ: ۱: ۱۵۔

ان کی وفات کے بعد اُن کے متبعین نے تشدد اختیار کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب[1] کوئی شخص
خلیفہ المتوکل (م ۲۴۷ھ) کے پاس آکر یہ شکایت کرتا کہ امام احمدؒ کے متبعین اہلِ بدعت[2] کے پاس آکر جھگڑا
اور فساد کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ فتنہ بپا ہو جاتا ہے۔ تو متوکل جواب میں کہتا کہ میرے پاس آکر ان
کی شکایت مت کرو۔ بلکہ اُن کے ہاتھ مضبوط کرو۔

محمد بن جریر الطبری اور حنابلہ

بڑھتے بڑھتے یہ تشدد ہر اس شخص کے خلاف استعمال کیا جانے
لگا۔ جو ان کا ہم خیال نہ ہوتا۔ چنانچہ جب امام محمد بن جریر الطبری
(م ۳۱۰ھ) بغداد تشریف لائے تو حنابلہ نے انھیں تنگ کرنا شروع کیا۔ ان دنوں حنبلیوں کی تمام تر
توجہ مسئلہ استواء علی العرش پر تھی۔ ابن جریر خود صاحبِ مذہب تھے، کسی کے مقلد نہ تھے۔ حنابلہ کو
ان کا غیر حنبلی ہونا نہ بھایا، بپھر گیا تھا۔ جھگڑا کرنے کے لئے آموجود ہوئے۔ جب انھیں اُن کی پسند
کے مطابق جواب نہ ملا، تو ابن جریر پر اپنی دواتوں کا پتھراؤ کیا۔ ابن جریر نے مجبور ہو کر مکان کا
دروازہ بند کر لیا۔ اور بالآخر پولیس نے آکر ہجوم کو منتشر کیا۔ جب اس واقعہ کا علم امام الائمہ محمد بن
اسحٰق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) کو ہوا تو انھوں نے فرمایا:-

ولقد ظلمته الحنابلة (حنبلیوں نے ان پر ظلم کیا ہے)

اس واقعہ کے بعد بھی ابن جریر بغداد میں رہے۔ حنبلی کسی کو ابن جریر کے پاس جانے نہ دیتے
تھے، نہ کسی کو ملنے دیتے اور نہ حدیث سننے دیتے۔ حسین بن علی التمیمی المعروف بہ حسینک
(م ۳۷۵ھ) فرماتے ہیں[3]:

جب میں بغداد سے واپسی پر نیشاپور پہنچا تو امام الائمہ محمد بن خزیمہ نے مجھ سے دریافت کیا
کہ تو نے کس کس سے حدیث سنی۔ میں نے ان لوگوں کے نام گنا دیئے جن سے میں نے حدیث
سنی تھی۔ انھوں نے پھر سوال کیا: کیا تو نے محمد بن جریر سے حدیث سنی ہے۔ میں نے عرض کیا:
نہیں کیونکہ حنابلہ کا اس قدر زور تھا کہ وہ کسی کو ان کے پاس جانے نہ دیتے تھے۔ یہ سن کر
ابن خزیمہ نے کہا:
ان تمام لوگوں کے مقابلہ میں جن سے تو نے حدیث سنی اگر ابن جریر سے سن لیتا تو بہتر ہوتا۔

---

(۱) طبقات الحنابلة: ۱: ۱۵ (۲) یہاں اہلِ بدعت سے مراد معتزلہ ہیں۔ (۳) تاریخ بغداد: ۲: ۱۶۴

ساری چوتھی ہجری میں حنابلہ کا زور رہا۔ یہاں تک کہ سلطان محمود بن سبکتگین نے رَیّ میں ابوحاتم بن خاموس الحافظ کو مقرر کر رکھا تھا۔ کہ کوئی شخص رَیّ میں ان کی اجازت کے بغیر مجلس وعظ منعقد نہ کرنے پائے یہ ابوحاتم وہ تھے جو کہا کرتے:

کُلُّ مَنْ لَمْ یَکُنْ حنبلیا فلیس بمسلم

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی (۳۹۶ھ تا ۴۸۱ھ) قشیری کے معاصر تھے۔ اور وہ بھی حنبلی المذہب تھے۔ باوجود صوفی اور حافظ حدیث ہونے کے مذہبی تعصب ان میں حد سے زیادہ پایا جاتا تھا۔ وہ موقعہ وبے موقعہ حنبلیت کا پرچار کرتے رہتے۔ ہرات میں برسر منبر انھوں نے یہ شعر پڑھا۔[1]

أنا حنبلیٌ ما حَیِیتُ وإن أمُتْ فوصیتی للناس ان یتحنبلوا

(جب تک میری جان میں جان ہے میں حنبلی ہوں اور مرتے وقت لوگوں کو حنبلی بننے کی وصیت کر جاؤں گا)

انصاری جہاں جاتے غیر حنبلیوں یعنی حنفیوں اور شافعیوں دونوں کے خلاف تقریریں کرتے۔ اسی بنا پر انھیں کئی بار ہرات سے جلاوطن بھی کیا گیا۔ مگر پھر بھی باز نہ آئے۔ خود فرماتے ہیں[2]:

پانچ بار مجھے قتل کرنے کے لیے لایا گیا۔ مجھ سے یہ مطالبہ نہ کیا جاتا تھا کہ میں اپنا مذہب چھوڑ دوں۔ بلکہ صرف اتنا کہا جاتا کہ میں مخالفین کے خلاف تقریریں کرنا بند کر دوں۔ مگر میں نہ مانتا تھا۔

ابن طاہر کہتے ہیں[3] کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو ہرات میں بیان کرتے سنا کہ جب الپ ارسلان (۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ) اپنے وزیر خواجہ نظام الملک ابوعلی حسن بن علی بن اسحٰق الطوسی (م ۴۸۵ھ) کے ہمراہ ہرات آیا۔ تو حنفیہ اور شافعیہ کے ائمہ سلطان کے پاس انصاری کی شکایت کرنے

---

(۱) ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۵۳ و تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۵۶ (۲) ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۵۳-۵۶ و تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۴۵ (۳) تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۵۷ و ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۵۴

کے لیے حاضر ہوئے اور انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ جن امور میں وہ ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ ان میں ہم سے مناظرہ کریں۔

عبداللہ انصاری نے اشاعرہ کے خلاف ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام "ذم الکلام واھلہ" ہے[1] انصاری کا شمار فارسی زبان کے رباعی گو شعراء میں ہوتا ہے۔ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

خدائی ما مرئی ست برعرش مستولیست — کلام اوازلی ست و رسول او عربیست

ہر کو خلاف آں گفت اشعریست — حقا کہ مذہب ما مذہب حنبلیست

اس پر تسکین نہ ہوئی تو اشاعرہ کو شیطان تک کہہ ڈالا۔ فرماتے ہیں[2]:

کُن اذا ما حادَ عن حدِّ الهُدیٰ — أشعريُّ الرأیِ شيطانَ البَشر

شافعيُّ الشرع سُنّيُّ الحُلیٰ — حنبليُّ العقد صوفيُّ السِّیَر

(جب اشعری خیالات رکھنے والا شافعی المذہب، سنیوں کا لبادہ اوڑھنے والا شیطان راہ راست سے بھٹک جائے تو حنبلی عقیدہ والا اور صوفیوں کی سی سیرت والا بن)

انصاری ابوالحسن اشعری کو برسرعام ملعون کہا کرتے تھے۔ ان کا خادم احمد بن امیرچہ قلانسی[4] بیان کرتا ہے، کہ میں انصاری کے ساتھ وزیر خواجہ نظام الملک طوسی کو سلام کرنے کے لئے گیا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب انصاری کو ہرات سے جلاوطن کرکے بلخ بھیج دیا گیا تھا۔ اور اب وہ بلخ سے واپس ہرات پہنچ چکے تھے۔ اور انصاری مریدوں کے اصرار پر نظام الملک کو سلام کرنے چلے آئے تھے۔ نظام الملک نے اُن کی بڑی تعظیم کی وہاں شافعیہ اور حنفیہ کے ائمہ بھی موجود تھے۔ وزیر کی موجودگی میں انھوں نے انصاری سے سوال کرنا چاہا۔ اصل مقصد اُن کا یہ تھا کہ اگر انصاری وہی جواب دیں گے جو پہلے دیا کرتے ہیں تو وزیر کی نگاہ میں گر جائیں گے۔ اور اگر کچھ اور جواب دیں گے تو اپنے مریدوں کی نظروں میں گر جائیں گے۔ چنانچہ شافعیہ میں سے ایک شخص نے جو علوی دبوسی کے نام سے مشہور تھا۔ آگے بڑھ کر سوال کیا کہ آپ ابوالحسن اشعری پر

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۵۴ ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۵۱-۲، ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۶۶

(۳) ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۵۴-۵۵ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۵۷-۳۵۸

کیوں لعنت کرتے ہیں۔ انصاری خاموش رہے۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ چونکہ نظام الملک کو ان کا جواب معلوم تھا۔ اس لئے انھوں نے سر نیچا کر لیا۔ وزیر نے تھوڑی دیر کے بعد انصاری سے کہا آپ جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس پر انصاری نے کہا: میں اشعری و شعری کو تو جانتا نہیں ہوں میں تو اس شخص پر لعنت کرتا ہوں جس کا یہ عقیدہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔ قرآن مصحف کے اندر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی نبی ہیں یہ کہہ کر انصاری وہاں سے چلے گئے۔

انصاری[۱] دو بار نیشاپور آئے۔ پہلی بار ۴۱۷ھ میں مشائخ کی زیارت اور طلب حدیث کی غرض سے مگر اسی سال واپس چلے گئے۔ دوسری بار ۴۲۳ھ میں حج کو جاتے ہوئے ابو الفضل بن ابی سعد الزاہد الواعظ کی معیت میں۔ اور یہاں وعظ کی مجالس قائم کیں اور اشاعرہ کے خلاف بہت کچھ کہا۔ یہیں اُن کی ملاقات ابو عبد اللہ بن باکویہ شیرازی (م ۴۲۸ھ) سے ہوئی۔

راقم الحروف کے نزدیک قشیری نے اس رسالہ میں جس شخصیت کا نام نہیں دیا اور جس کی طرف "من یُعدّ فی مذہبہ واحد عصرہ" اور "فان کُلنا علیٰ قمع المعتزلة وقہر المبتدعة یدٌ واحدۃ" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے وہ یہی عبد اللہ انصاری ہیں۔ یہ آتش بیان تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد نیشاپور میں لوگوں کے دلوں میں اشاعرہ کے خلاف ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور اور مشہور ہو گیا کہ اشاعرہ کے عقائد عقائد باطلہ ہیں۔ عمید الملک کندری نے اس سے فائدہ اٹھا کر اشاعرہ پر لعنت کرنے کا حکم صادر کیا۔

اشاعرہ کے خلاف یہ پروپیگنڈا اسقدر کامیاب ثابت ہوا کہ اس کے اثرات ہسپانیہ تک جا پہنچے۔ ابو محمد علی بن حزم الظاہری (۳۸۴ھ تا ۴۵۶ھ) کو اس کا بہانہ ہاتھ آگیا۔ ابو العباس احمد بن محمد بن موسیٰ ابن العریف (م ۵۳۶ھ) کے قول کے مطابق ابن حزم کی زبان اور حجاج کی تلوار دو سگی بہنیں ہیں[۲]۔ پھر کیا تھا۔ ابن حزم نے اپنی کتاب الملل والنحل[۳] میں اشاعرہ کو خوب دل

---

(۱) ذیل طبقات الحنابلہ: ۱-۶۱-۶۲: (۲) وفیات الاعیان: ۱: ۱۵۱؛ ۳: ۱۵؛ شذرات الذہب: ۳: ۳۰۰۔ (۳) ملاحظہ ہو اردو ترجمہ الملل والنحل: ۳: ۲۳۲ تا ۲۷۳۔ ابن حزم نے امام شافعی تک کو نہیں چھوڑا۔ شہاب الدین ابو الثناء محمود بن عبد اللہ (م ۱۲۷۰ھ۔ ۱۸۵۴ء) آلوسی کبیر اور مصنف روح المعانی نے اسی بنا پر ابن حزم کو الضال کہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (روح المعانی: ۴: ۲۰۴ سورۃ النساء زیر آیت۔ وابتلوا الیتامیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح) وشاع عن الامام الشافعی انہ قد جعل الانبات دلیلا علی البلوغ فی المشرکین خاصۃ و

کھول کر کوسا۔ اور انھیں جاہل، گمراہ، کافر، ملعون اور کیا کچھ کہہ ڈالا۔

قشیری ایک مرنجان مرنج انسان تھے۔ اور کسی کو بُرا کہنا پسند نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے رافضیوں پر لعنت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اب خود ایسے پھنسے کہ نکلنا مشکل ہوگیا۔ اور مجبور ہو کر اپنی اور اشاعرہ کی بریّت کے متعلق یہ رسالہ لکھنا پڑا۔ جیسا کہ اس رسالہ میں قشیری نے خود ذکر کیا ہے کہ اس فتنہ کی ابتدا ۴۴۵ھ میں ہوئی۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ اس رسالہ کا سنۂ تالیف نہیں ہے۔ اس فتنہ و ابتلاء کے زمانہ میں قشیری کبھی جیل میں اور کبھی سفر کی صعوبتیں جھیل رہا تھا۔ بے چینی اور پریشانی کے وقت تالیف و تصنیف کی نہیں سوجھتی۔ تالیف کا کام امن کے زمانہ میں ہی ہوسکتا ہے۔ اگرچہ عمید الملک کندری کو ۴۵۰ھ قتل کر دیا گیا مگر مکمل امن ۴۵۵ھ میں قائم ہوا۔ لہٰذا میرے نزدیک قشیری نے یہ رسالہ ۴۵۵ھ میں یا اس کے بعد لکھا۔

قشیری نے اس رسالہ میں کسی کو بُرا کہے بغیر عوام اور علماء کے دلوں سے اس غلط پروپیگنڈا کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اشاعرہ کا صحیح عقیدہ پیش کر کے غلط فہمی کو دُور کرنا چاہا ہے۔ اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اشاعرہ کا عقیدہ بعینہٖ وہی ہے۔ جو دیگر اہل سنت کا ہے اس سے سرمُو انحراف نہیں۔

قشیری اور ابن الجوزی

ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی المعروف بہ ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام نقد العلم والعلماء یا تلبیس ابلیس رکھا ہے۔ اس کتاب میں ابن الجوزی نے ابن حزم ظاہری کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور متقدمین صوفیاء سے لے کر اپنے زمانہ تک کے تقریباً تمام بڑے صوفیاء کے خلاف کچھ نہ کچھ کہہ ڈالا ہے۔ ان میں قشیری کا بھی ذکر ہے۔

بیشتر اس کے کہ ہم ان اعتراضات کو لیں۔ جو ابن الجوزی نے قشیری پر کئے ہیں۔ یہ بتانا

۱؎ شذرات الذہب: ۳: ۳۰۲۔

ضروری ہے۔ کہ بزرگوں نے اس کتاب کے متعلق کیا رائے قائم کی ہے شیخ عبد الحق محدث (م ۱۰۵۲ھ) اشعۃ اللمعات کے مقدمہ میں(۱) ابن الجوزی کے ذکر میں اپنی اور دیگر بزرگوں کی رائے ذکر کیا ہے جسے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

وابن جوزی را کتابیست مشہور مسمّی بتلبیس ابلیس بیان کردہ است دروی طرقہائی کہ راہ یافتہ است شیطان بطوائف مردم وواقع شدہ اند در بدعت وخلاف سنت خصوصاً بر طائفہ صوفیہ ومبالغہ کردہ در رد وانکار بر ایشان ودر آنچہ منقولست ازیں قوم از حکایات بغلبۂ حال وطفح سکر ونسبت کردہ بزرگان این طائفہ علیہ را بجہل وجنون وحماقت باوجود آنکہ کتابہائی خود معطر ساختہ است بکلماتِ غریب وحکایات عجیبِ ایشاں و بہ حقیقت این نیز تلبیس ابلیس است کہ بروی ازیں راہ در آمدہ ومغرور ساخت وی اگرچہ سوگندی خورد کہ غرض من اظہار علم وفائدہ سنت است. تا اتباع آں کنند نہ تشنیع عباداللہ الصالحین ولیکن افراط وتجاوزی از حد اعتدال در رد وتشنیع دلالت بر خلاف آں دارد و ظاہر می شود کہ وی از منکراں این طائفہ علیہ است ونزاع حقیقی دارد با ایشاں

وسیدی احمد زروق (م ۸۹۹ھ) گفتہ کہ تحذیر کردہ اند ناصحاں ازیں کتاب وی کہ مورث سوء ظن است بہ کبار مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ وگفتہ کہ ولی را لغزشہا وزلتہای می باشد از جہت عدم عصمت وغلبۂ حال وسابقۂ تقدیر ولازم است ستر زلات ائمہ ومعفوات کبار واگر بنا گہاں در مقام نصیحت وتذکیر تنبیہ بر آں مصلحت افتد باید کہ تعرض بر قول کند بی تعیین بر قائل زیرا کہ ستر زلل ائمہ واجب است وانصاف در حق لازم ودیانتی کہ مصاحب ومشوب بہوائی نفس باشد معلول وایں طریق اسلم است۔ اسلم تسلم۔ وبتحقیق جواب دادہ اند آنچہ گفتہ است ابن جوزی افراط کردہ است در شان این طائفہ

---

(۱) اشعۃ اللمعات: ۱: ۲۲-۲۳۔

وانکار کرده است ایشان را بجواب شافی از جانب قوم بدانچه جمع می کند میان طریقین واصلاح می دهد بین الفریقین وتقریر وتحریر نموده است آنرا شیخ امام اجل عفیف الدین یافعی (م ۷۶۸ھ) در تالیف خود. وسیدی احمد زروق را کتابیست دقیق متین مسمی بقواعد الطریقة فی الجمع بین الشریعة والحقیقة که سلوک کرده است دروی طریق انصاف وبیان کرده است حق را بے تکلف واعتساف کاتب حروف را تعلیم کرد آں کتاب واجازت بروایت آں سیدی الشیخ القطب الامام عبدالوهاب متقی وترجمه کردم من بعضی مسائل آن را در رسائل خود خصوصاً در رساله مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین وبالله التوفیق۔

وبالجمله بود ابن الجوزی عالم فاضل ولکن مغرور شد بعلم وفضل وجوانی خود وبود متصف غلیظ فاحش - عافاه الله - بعید بود از طریقه قوم ومحبت واعتقاد ایشان وسخت تر از همه تا آنکه در بغداد بوده. در زمان کرامت نشان شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) ومحروم بود از برکات محبت وحسن عقیدت بایشان وسلوک می کرد باں حضرت طریقه اجتناب وانکار را. اعاذنا الله من ذلک.

تا آنکه بود تصنیف می کرد کتاب در ذکر زهاد وعباد زمان خود از بغداد و غیر آں از بلاد وتوشیح وتزیین نمی کرد در آں بجمیل ذکر حضرت شیخ وشمرده شده است این حال از وی جهل وغرور بظاهر علم وفضل۔

وشیخ عالم عارف کامل خواجه محمد پارسا قدس الله روحه وافاض المستفید فیوضه وفتوحه در فصول ستّه که از تصانیف ایشان است در ذکر ابن الجوزی فرموده اند که بود شیخ الحافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن علی البکری البغدادی المعروف بابن الجوزی. بود امام حافظ فصیح متبحر مصنف در اقسام علوم. دویست ۲۵۰ وپنجاه تصنیف کرده واو مرا ورا قبول تام نزد خاص وعام وبود ولادت او ببغداد در سنه ثمان ۵۰۸ھ وخمس مائة ووفات یافت در رمضان سنه سبع وتسعین وخمس مائة ۵۹۷ھ وبیرون آورده شد از زندان واسط وپنهان ماند پنج سال بسبب انکار وی

برشیخ عبدالقادر قطب الاولیاء و تاج المفاخر و بجہت انکار ابن الجوزی مذکور برشیخ و بر غیر وی از شیوخ اہل المعارف و بود ایں انکار وی حمیۂ خذلان و تلبیس شیطان و غرور و عجب از وی در انکار وی بر ایشاں و حال آنکہ بمجلس کلمات و ذکر مقالات و حالات ایشاں مطرز می گرداند کلام خود را۔ واگر سلامت می ماند ابن جوزی از طعن و انکار وی بر مشائخ و علمائی باطن پائندہ و سلامت می ماند متلبس و متحلّی بحلل محاسن و بود پسر وی محی الدین یوسف محتسب بغداد و متولی شد تدریس مدرسۂ مستنصریہ را مر طائفۂ از حنابلہ را تا اینجا کلام خواجہ محمد پارسا است بلفظہ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

و کاتب حروف می گوید اصلح اللہ شانہٗ وَصَانَہٗ عما شانَہٗ کہ دیدم من در حرم شریف مکہ زادہا اللہ تشریفاً و تعظیماً رسالہ را کہ بود در وی ذکر ابن جوزی و انکار او بر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی۔ مؤلف آں رسالہ می گوید:

بہ کشتند بردہ اند اورا بعضی مشائخ و علماء در حضرت شیخ عبدالقادر و طلب کردند از شیخ عفو و صفح و تجاوز از وی۔

پس رفتم بر سیدی الشیخ عبدالوہاب و ذکر کردم قصۂ ایں کتاب را و نقل کردم حکایت عفو حضرت شیخ را از ابن جوزی پس گفت شیخ عبدالوہاب: الحمد للہ علی ذلک و فرمود وی مردی عالم محدث کبیر است والحمد للہ نجات یافت ازیں ورطہ و گفت: یا فلاں شیخ عبدالقادر بزرگ است و شان او عظیم است و انکار ایشاں زہر قاتل است۔ خدائی تعالیٰ نگاہ دارد ازاں۔ و فرمود حق سبحانہٗ و تعالیٰ دادہ است او را از فضل و کرامت آنچہ ندادہ است غیر او را از مشائخ۔ نسأل اللہ العافیۃ والعاقبۃ بالخیر۔

دیگر مصنفین نے بھی ابن جوزی کے تکبر، خودستائی اور بلند بانگ دعاوی کا ذکر کیا ہے مثلاً[۱] ذہبی[۱] (م ۷۴۸ھ)، ابن رجب[۲] (م ۷۹۵ھ)، ابن العماد[۳] (م ۱۰۸۹ھ) اور سیوطی[۴] (م ۹۱۱ھ) وغیرہ۔

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۴: ۱۳۶۔ عجیب اتفاق ہے کہ ذہبی خود بھی صوفیاء کے مخالف تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ایک طرف تو ابن الجوزی نے اس کتاب میں دل کھول کر صوفیاء کو کوسا ہے جن میں ابونعیم اصفہانی جیسے حافظ حدیث بھی شامل ہیں اور دوسری طرف اسی ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء کا خلاصہ کیا ہے، جس کا نام صفوۃ الصفوہ رکھا۔ اور اس میں انہی بزرگوں کی کرامات بیان کی ہیں جن کو یہاں کوسا گیا ہے اور معروف کرخی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی قبر تریاق مجرب ہے۔

تلبیس ابلیس میں جتنے لوگوں پر حملے کئے گئے ہیں سب غیر حنبلی ہیں۔ وحدۃ الوجود کے قائل خواجہ عبداللہ کا کہیں ذکر نہیں۔ جس سے ابن جوزی کی نیک نیتی کا پتہ چلتا ہے۔

اولیاء اللہ کو کوئی بھی معصوم نہیں مانتا ان سے غلطی کے سرزد ہونے کا امکان ہوتا ہے سہروردی (م ۶۳۲ھ) فرماتے ہیں[1]:

فکل احد یوخذ من قولہ ویترک الا المعصوم صلی اللہ علیہ وسلم

مگر ان کی لغزشوں کو تلبیس ابلیس قرار دینا ان پر اور تمام امت پر ظلم کے مترادف ہے۔ اب ہم صرف ان اعتراضات کو لیتے ہیں۔ جو ابن الجوزی نے قشیری پر کئے ہیں۔

تلبیس ابلیس: ۱۵۹ - ۱۶۰:

وصنف لھم عبد الکریم بن ھوازن القشیری کتاب الرسالۃ فذکر فیھا عجائب من الکلام فی الفناء والبقاء والقبض والبسط والوقت والحال والوجد والوجود والجمع والتفرقۃ والصحو والسکر والذوق والشرب والمحو والتمکین والشریعۃ والحقیقۃ الی غیر ذلک من التخلیط الذی لیس بشیء۔ وتفسیرہ اعجب منہ۔

یہ تمام امور جن کی تضحیک ابن الجوزی نے کی ہے، صوفیہ کی اصطلاحات ہیں جن کی تشریح قشیری نے کی ہے۔ تاکہ صوفیہ کی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے ان الفاظ کے معانی واضح ہو جائیں اور یہ بات امت کے اندر ایک مسلّمہ امر ہے۔ کہ ہر ایک کو خاص اصطلاح گھڑ لینے کا حق ہے۔ چنانچہ مقولہ لَا مُشَاحَۃَ فِی الاِصْطِلَاح مشہور ہے۔ ابن جوزی کو تفصیل کے ساتھ بتانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ملاحظہ ہو طبقات الشافعیہ: ۴: ۳ (ترجمہ علی بن محمد ابوحیان التوحیدی) جہاں وہ لکھتے ہیں الحامل للذھبی علی الوقیعۃ فی التوحیدی مع ما یبطنہ من بغض الصوفیۃ ھذا ان الکلمات (۲) ذیل طبقات حنابلہ: ۱: ۴۱۴ (۳) شذرات الذہب ۴: ۲۳۱ (۴) نشر المحاسن الغالیۃ: ۱۶ - ۲۰ (حاشیہ صفحہ ہذا) (۱) شذرات الذہب ۳۱: ۳۲۰

چاہیے تھا کہ ان میں سے کونسی بات شریعت کے منافی ہے ۔ اگر ابن جوزی کو یہ باتیں سمجھ میں نہ آ
تو یہ ان کا اپنا قصور ہے نہ قشیری کا ۔ عربی میں ضرب المثل ہے :

ذُقْهُ تَغْتَبِطْ

جیسے ہم اردو میں یوں کہیں گے :۔ ؎ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں ۔
حقیقت یہی ہے کہ ابن جوزی صوفیاء کے احوال و مقامات سے بالکل نا آشنا تھے ۔ اس
ان امور کو سمجھنا ان کے بس کی بات نہ تھی ۔

ابن جوزی کے آخری الفاظ یہ ہیں :۔ تفسیرہٗ اعجبُ منہ

ابن جوزی کو قشیری کی تفسیر میں معلوم نہیں کیا بات عجیب معلوم ہوئی ۔ البتہ قشیری نے تفسیر میں
اشاعرہ کا طرز اختیار کیا ہے جس سے حنابلہ کو چڑ ہے ۔ ورنہ آج تک بڑے بڑے محدثین اور مفسرین
نے ان کی تفسیر سے اقتباسات لئے ہیں ۔ ہم اس تفسیر کے متعلق ابن خلکان اور ابن العماد کی را
لکھ چکے ہیں :۔ من اجود التفاسیر (یہ بہترین تفسیروں میں سے ہے ۔)
ابن جوزی نے قشیری کی تفسیر سے کوئی عبارت بھی نقل نہیں کی جس سے ان کے دعویٰ کا ثبو
ملتا ہے ۔ اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں :

وکان السبب فی تصنیف ھؤلاء مثل ھذہ الاشیاء قلۃ علمھم بالسنن و
الاسلام والآثار واقبالھم ما استحسنوہ من طریقۃ القوم ۔

(ان لوگوں میں اس قسم کی جو تصانیف لکھی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں سنت ، اسلا
اور آثار کا علم نہ تھا ۔ اور ان کی توجہ صوفیہ کے طریقہ کی طرف تھی جسے وہ اچھا سمجھتے تھے)
ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ابن جوزی محض مخالفت اور ضد کی بنا پر یہ سب کچھ کہ
رہے ہیں ۔ قشیری کے متعلق بیان ہو چکا کہ وہ حافظ حدیث ، مفسر ، نحوی اور ادیب تھے ۔ ان
کی بیوی بھی رواۃ حدیث میں سے تھی ۔ اور دونوں کی اولاد رُواۃ حدیث ہوئے ہیں ان کے
نواسے اور پوتے محدثین میں شمار ہوتے تھے ۔ مزید برآں قشیری نے ابتداء رسالہ میں یہ واضح
کر دیا ہے کہ طریقت کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے ۔
صفحہ ۲۱۱ پر فرماتے ہیں :

وقد انبأنا عبد المنعم بن عبد الكريم القشيرى قال حدثنا ابى قال : حجج الصوفية اظهر من حجج كل احد وقواعد مذهبهم اقوى من قواعد كل مذهب لان الناس اما اصحاب نقل واثر واما ارباب عقل وفكر وشيوخ هذه الطائفة ارتقوا عن هذه الجملة والذى للناس غيب فلهم ظهور فهم اهل الوصال والناس اهل الاستدلال فينبغى لمريدهم ان يقطع العلائق واولها الخروج من المال ثم الخروج من الجاه وان لاينام الا غلبة ويقلل غذاءه بالتدريج۔

قشیری کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

قال المصنف رحمه الله قلت : من له ادنى فهم يعرف ان هذا الكلام تخليط من خرج عن النقل والعقل فليس يبعد ودنى الناس وليس احد من الخلق الا هو مستدل وذكر الوصال حديث فارغ ۔ نسأل الله عزوجل العصمة من تخليط المريدين والاشياخ ۔ والله الموفق ۔

(جسے ادنیٰ فہم بھی حاصل ہو وہ سمجھ جائے گا۔ کہ یہ ان لوگوں کی بہکی ہوئی باتیں ہیں۔ جو نقل اور عقل دونوں سے گزر چکے ہیں۔ اور جنہیں انسانوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص اپنا استدلال پیش کرتا ہے اور وصال کا ذکر کرنا ایک مہمل بات ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں مریدوں اور پیروں کی بہکی ہوئی باتوں سے بچائے۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے)

خدا انصاف کریں۔ کیا ابن جوزی ایسی باتیں کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کیا وہ خود بہکی ہوئی باتیں نہیں کر رہے۔ پھر کیا ان کا "وصال" کو مہمل بات قرار دینا فاقد الفہم ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے وہ اس حدیث کو بھول گئے۔

وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ اَحَبَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ (الحدیث)

جس کی روایت امام بخاری نے ابن کرامہ سے کی ہے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے۔

فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَعْقِلُ

یہ وصال نہیں تو اور کیا ہے۔ واصل باللہ اولیاء کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

صفحہ ۲۴۰ پر فرماتے ہیں :-

فصل: وقد[1] اعتقد قوم من الصوفية ان هذا الغناء الذی ذکرناعن قوم تحریمه وعن آخرکراهته مستحب فی حق قوم وابنأنا عبدالمنعم بن عبدالکریم بن هوازن القشیری قال حدثنا ابی قال سمعت ابا علی الدقاق یقول: السماع حرام علی العوام لبقاء نفوسهم، مباح للزهاد لحصول مجاهدا تهم ومستحب لاصحابنا لحیاة قلوبهم۔

ابن جوزی نے قیشری کے پیر ابو علی دقاق کے اس قول پر یہ پانچ اعتراضات کئے ہیں،

(۱) ہم نے اس سے پہلے ابو حامد غزالی کا قول نقل کیا ہے کہ غنا کا سننا ہر شخص کے لئے جائز ہے اور قیشری کے مقابلہ میں ابو حامد بات کو بہتر سمجھتا ہے[2]۔

(۲) انسانی طبائع میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مجاہدہ سے صرف انسانی طبیعت کا عمل رک جاتا ہے لہٰذا جو شخص اس بات کا دعویٰ کرے کہ فطرت بدل جاتی ہے۔ اس نے محال بات کا دعویٰ کیا۔ کیونکہ جب تک طبیعت کو متحرک کرنے والی کوئی بات بھی موجود ہو اور اس کے عمل کو روکنے والی چیز موجود نہ ہو۔ تو طبیعت اپنی فطرت کی طرف عود کر آتی ہے۔

(۳) علماء میں سماع کے مباح یا حرام ہونے کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی عالم نے سامع کو مدنظر رکھتے ہوئے بات نہیں کہی۔ کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ تمام طبیعتیں یکساں ہوتی ہیں۔ لہٰذا جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طبیعت میں دوسرے انسانوں جیسی بات پائی نہیں جاتی۔ اس نے محال بات کا دعویٰ کیا۔

(۴) تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سماع مستحب نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے مباح

---

(۱) نیز ملاحظہ ہو رسالہ قیشریہ: ۱۶۸ (۲) قرطبی (الجامع لاحکام القرآن: ۳: ۷) نے بھی صوفیہ کے خلاف ابن جوزی کا بیان نقل کیا ہے جس میں الحارث بن اسد المحاسبی کو کوساگیب ہے۔ اور وہاں بھی ابو حامد الغزالی کے متعلق اپنے تاثر کا اظہار کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں فذکر المحاسبی فی هذا کلاماً کیتو آرشدہ ابو حامد الطوسی ونصرہ والحارث عندی اعذر من ابی حامد لأن اباحامد کان افقه۔

کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کے مستحب ہونے کا دعویٰ کرنا اجماع کی خلاف ورزی ہے۔

(۵) اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ساز کا سماع بھی اس شخص کے لئے مُباح یا مستحب ہو جس کی طبیعت پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ساز کا سننا اس شخص کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے جس کی طبیعت پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اور یہ اسے نفسانی خواہش کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا جب یہ اندیشہ نہ ہو تو ساز بھی مباح ہونا چاہیئے۔ حالانکہ ہم نے ابو الطیب طبری (م ۴۵۰ھ) کا قول نقل کیا ہے (کہ یہ مطلقاً حرام ہے)

یہ وہ پانچ اعتراضات ہیں جو ابن جوزی نے کئے ہیں۔ ان کا کھوکھلا پن واضح ہے۔ ہم یہاں سماع کے بارے میں ابو علی دقاق کا مسلک بیان کرتے ہیں۔ قُشیری فرماتے ہیں[1]:

میں نے کئی بار اشاروں کنایوں سے ابو علی دقاق سے سماع کی اجازت چاہی۔ آپ جواب میں ایسی بات فرماتے جس میں یہ پایا جاتا کہ سماع سے باز رہنا ہی بہتر ہے۔ پھر کافی عرصہ تک درخواست کرتے رہنے کے بعد فرمایا:

مشائخ صوفیہ فرماتے ہیں کہ جس سماع سے تمہارا دل اللہ کی طرف لگ جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابو علی کے اس فرمان سے واضح ہے کہ جب تک انھوں نے دیکھا کہ ابھی قشیری میں طبیعت کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ سماع کی اجازت نہیں دی۔ مگر جب دیکھا کہ اب طبیعت پر غلبہ پا لیا گیا ہے تو اس کی صرف اجازت دی۔ اسے مستحب قرار نہیں دیا۔

اسی قول کو لیجیئے جس پر ابن جوزی نے اعتراض کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قول میں عوام کے لئے سماع کو حرام قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ بھی ساتھ ہی بتا دی گئی ہے۔ کہ ان کی نفسانی خواہشات ان کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ انھیں حرام کی طرف لے جائیں گی۔ اسی لئے ان کے لئے سماع حرام قرار پایا۔

ابو علی دقاق نے سماع کو زاہدوں کے لئے مباح کہا ہے۔ کیونکہ اس سے انھیں مجاہدہ میں مدد ملتی ہے۔ اور سماع کو مباح کہنے میں ابن جوزی بھی اُن سے اتفاق کرتے ہیں۔

---

(۱) رسالہ قشیریہ: ۱۷۳، سطر ۶-۸۔

ابو علی نے اپنے اصحاب کے لئے اسے مستحب قرار دے کر اپنے آپ کو ابن جوزی کے اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ ابن جوزی اس مقام کو کیا سمجھیں کہ صوفیا کے ہاں ایک مقام ایسا ہوتا ہے کہ ان کے نفسانی صفات کلیتہً محو ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی زندگی حیات باللہ ہو تی ہے۔ مگر یہ بات صرف خاص الخاص لوگوں کے لئے ہے۔ جو درجۂ یقین تک پہنچ چکے ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو سماع بھی مستحب نہیں۔ کیا اس قول میں کوئی قابل گرفت بات نظر آتی ہے۔

ع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

قشیری نے رسالہ میں سماع کے باب کے آخر میں بیان کر دیا ہے کہ سماع سے اکثر غلطی میں پڑنے کا احتمال ہوتا ہے۔ اور اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ مگر ہر بات اپنے اپنے مدارج پہ ہوتی ہے۔ ابو علی دقاق خواص کی بات کر رہے ہیں عوام کی نہیں۔

ابن جوزی کا اس بحث میں ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) کو درمیان میں لانا بھی عجیب ہے۔ انھوں نے اسی کتاب تلبیس ابلیس میں الغزالی پر بھی کئی اعتراضات کئے ہیں اور اس جگہ انکو اعوث کہا ہے۔ مزید برآں الغزالی نے ہر کس و ناکس کیلئے سماع کو جائز قرار نہیں دیا۔ اس کے لئے شرائط مقرر کئے ہیں۔ جو ان شرائط کو پورا کر سکے۔ اس کے لئے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن جوزی کا یہ کہنا کہ انھوں نے غنا کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے غلط ہے۔

ابن جوزی نے صفحہ ۲۸۰ پر صوفیوں کے سفر کرنے پر نکتہ چینی کی ہے۔ اور اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ اور حدیث السفر قطعۃ من العذاب سے استدلال کیا ہے۔

اس حدیث سے ابن جوزی کے استدلال کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سفر کی صعوبتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ سفر میں یقینی طور پر تکلیف ہوتی ہے۔ خواہ لمبا سفر ہو خواہ کوتاہ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

السَفَرُ سَقَرٌ ولو کان میلاً

سفر سقر (دوزخ) ہے خواہ ایک ہی میل کا کیوں نہ ہو

ظاہر ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکالیف سفر کو بیان کیا ہے۔ سفر سے ممانعت نہیں فرمائی۔ آپ یہ فرما بھی کیسے سکتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید میں سیروا فی الارض کا حکم موجود ہے۔ جس کا اقل درجہ استحباب کا ہے۔ ابن جوزی ان تمام محدثین کے متعلق کیا کہیں گے

جنھوں نے طلب حدیث میں سفر کئے۔

ابن جوزی کا قشیری پر آخری اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے ابوالحسن کا وہ قول نقل کیا ہے۔ جس کے متعلق راقم الحروف لکھ چکا ہے کہ قشیری کے لئے یہ قول نقل کرنا مناسب نہ تھا حقیقت یہ ہے:-

مَنْ ذَا الَّذِیْ تُرْضَیٰ سَجَایَاہُ کُلُّھَا   کَفَی الْمَرْءَ نُبْلاً اَنْ تُعَدَّ مَعَایِبُہٗ

(کون ہے جس کے تمام اوصاف پسندیدہ ہوں۔ انسان کے لئے یہی فضیلت کافی ہے۔ کہ اس میں معدودے چند عیوب پائے جائیں۔)

یہ وہ تمام اعتراضات ہیں جو ابن جوزی نے قشیری پر کئے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک بھی قوی نہیں کسی سے اختلاف ہونا اور بات ہے۔ اور ضد کے طور پر خواہ مخواہ اعتراض کرنا اور بات۔ عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ = ۱۵۶۵ء) نے بھی قشیری سے کئی باتوں میں اختلاف کیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں[۱]

کرسالۃ القشیری ونحوھا من ان التلوین للنا قصین وھو لم یفھم مرادھم الخ

قشیری کے معاصر

قشیری کے معاصرین کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان تمام کا یہاں ذکر کرنا ناممکن ہے۔ یہاں پر ہم صرف ان کے صوفی معاصرین کا ذکر کریں گے۔ تاکہ قشیری اور ان میں موازنہ کیا جا سکے اور قارئین پر واضح ہو جائے کہ ان کے مقابلے میں قشیری کس قدر توازن کے مالک تھے۔ ابوالحسن خرقانی اور سید علی ہجویری کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا یہاں صرف ابوسعید بن ابوالخیر اور عبداللہ انصاری کا ذکر کریں گے۔

ابوسعید بن ابوالخیر ابوسعید الفضل[۲] بن احمد بن محمد المعروف بہ ابن ابی الخیر المیہنی میہنہ خاوران کے ضلع میں سرخس اور ابیورد کے درمیان ایک بستی کا نام ہے اور آج کل اسے معانہ کہا جاتا ہے۔ یہ

---

(۱) الانوار القدسیہ فی آداب العبودیہ برحاشیہ لواقح الانوار: ۲: ۲۹ (۲) اللباب: ۳: ۲۰۳۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (مقالہ ابوسعید بن ابی الخیر) میں ان کا نام فضل اللہ دیا ہے۔ (۳) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (مقالہ ابوسعید بن ابی الخیر)

یکم محرم ۳۵۷ھ ۵ دسمبر ۹۶۷ء میں میہنہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴ شعبان ۴۴۰ھ ۱۲ جنوری ۱۰۴۹ء میں وفات پائی۔ ان کی اولاد میں سے دو شخصوں نے ان کے سوانح حیات لکھے، ایک محمد بن ابی روح لطف اللہ بن ابی سعید بن ابی طاہر بن ابی سعید بن ابی طاہر نے اور کس کا نام،

حالات و سخنان شیخ ابی سعید بن ابی الخیر

رکھا ژوکوفسکی نے ۱۸۹۹ء میں سینٹ پیٹرزبرگ سے اسے شائع کیا۔ اور دوسرے محمد بن منور بن ابی سعید نے اور اس کا نام

اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید

رکھا۔ اسے بھی ژوکوفسکی نے ۱۸۹۹ء میں سینٹ پیٹرزبرگ سے شائع کیا۔ مؤخر الذکر کتاب مقدم الذکر کے مقابلہ میں زیادہ مفصل ہے۔

ابو سعید کے والد ابو الخیر عطاری کا کام کرتے تھے۔ اور لوگوں میں بابا باب الخیر کے نام سے مشہور تھے۔ وہ ابو سعید کو ان مجالس سماع میں جو صوفیا کے گھروں میں باری باری منعقد ہوا کرتی تھیں، اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ ابو سعید نے تصوف کی ابتدائی تعلیم ابو القاسم بشر یاسین (م ۳۸۰ھ ۹۹۰ء) سے لی۔ ابو القاسم کا شعر و سخن کی طرف زیادہ میلان تھا۔ اور ابو سعید اپنے مواعظ میں بیشتر ان ہی کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔

ابو سعید نے بچپن میں ابو عبد اللہ الحصری اور ابو بکر القفال الصغیر (م ۴۱۷ھ) سے فقہ شافعی پڑھی ابو محمد جوینی (م ۴۳۸ھ) امام الحرمین کے والد ان کے ہم درس تھے۔ اس کے بعد انھوں نے سرخس میں ابو علی ظاہر (م ۳۸۹ھ) سے جنھوں نے سرخس سے معتزلہ کا قلع قمع کیا تھا، تفسیر، اصول اور حدیث پڑھی۔ اسی سرخس میں لقمان السرخسی المجذوب نے ان کی ملاقات ابو الفضل محمد بن حسن السرخسی سے کرادی۔ ابو سعید نے ابو الفضل سرخسی کی بیعت کی اور ان کے کہنے پر انھوں نے علوم ظاہری کی تعلیم بند کردی۔ ابو الفضل(۱) کی وفات کے بعد جب کبھی ابو سعید پر "قبض" کی کیفیت طاری ہوتی تو یہ سرخس جا کر اپنے پیر کی قبر کی زیارت کرتے۔ السلمی نے ابو الفضل کے کہنے پر ہی ابو سعید کو خرقہ عطا کیا تھا۔ ابو الفضل

---

(۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اس مقام پر طباعت کی غلطی سے ابو الفضل کی بجائے ابو الحسن چھپا ہے۔

کی وفات کے بعد یہ نسا سے ہوتے ہوئے آمل آئے۔ اور کچھ عرصہ ابو العباس قصاب کے پاس گذارا۔
اکثر ایسا بھی ہوتا کہ آپ اپنا وقت قرب و جوار کی خانقاہوں میں گذارتے۔ جن میں رباطِ کہن کا
نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں وہ کئی کئی دنوں تک کچھ نہ کھاتے اور مہینوں بیابانوں
میں غائب رہتے۔ ریاضتِ نفس کا یہ دَور اسی طرح جاری رہا تا آنکہ اُن کی عمر چالیس سال ہوگئی۔
اب ان کا وہ دور شروع ہوا جسے خدمتِ درویشاں کا دَور کہا جائے گا۔

خدمتِ درویشاں سے اُن کا مقصد تذلیلِ نفس تھا۔ ایک بار یوں فرمایا: اللہ تک پہنچنے کا
آسان طریقہ "راحتے بدلِ مسلمانے رسانیدن" ہے۔ آپ نے ان اخلاق کا کامل اظہار خراسان کے
دار الحکومت نیشاپور میں ایک سال کے قیام کے دوران کیا۔ جہاں آپ کا قیام "عدنی کوبان" کے
محلہ میں ابُو علی الطرسوسی کی خانقاہ میں ہوا۔ نوجوانانِ نیشاپور کا اُن کے پاس انبوہ ہوتا۔ اور آپ
انھیں راہِ طریقت بتاتے۔ یہاں پر اُنھوں نے کئی کرامات از قسم فراست کا اظہار کیا جس سے
ان کے مخالفین اور حریف بھی اُن کے معتقد ہوگئے۔

ابُو سعید اپنے مریدوں کے لئے پُر تکلف دعوتوں کا انتظام کیا کرتے۔ جن کے اختتام پر
مجلسِ سماع قائم ہوتی۔ سماع کے دَوران نعرے لگائے جاتے۔ اور خرقے پھاڑے جاتے۔ ان
دعوتوں پر ہزاروں دینار خرچ آتا۔ اور کئی بار ابو سعید کو قرض بھی لینا پڑا۔ جس کی وجہ سے اُن کے
ناظم حسن مؤدب کو کئی بار پریشانی اٹھانی پڑی۔ بالعموم ایسا ہوتا کہ کوئی مالدار مرید اخراجات
برداشت کرکے پریشانی دُور کرنے کا باعث ہوتا۔ مگر کئی بار ایسا بھی ہُوا کہ حسن مؤدب کو روپیہ
اکٹھا کرنے کے لئے بڑی بے حیائی سے مخالفین کے پاس بھیجا گیا۔ جونہی کہ روپیہ آتا اُسے خرچ
کردیا جاتا تاکہ اُن کے پاس کوئی معلوم نہ رہے۔

اُن کے اس طرز کو دیکھ کر ابوبکر محمد بن اسحٰق محمشاد الکرامی نے حنفی قاضی سعید بن محمد الاستوائی
کے ساتھ گٹھ جوڑ کرکے سلطان محمُود کے پاس ان کی شکایت کی۔ جس پر سلطان نے ابوبکر کو تحقیقات
کرنے کا حکم دیا۔ اُن پر یہ الزام لگایا گیا کہ یہ منبر پر چڑھ کر قرآن و حدیث کی بجائے اشعار پڑھتے
ہیں۔ پُر تکلف دعوتیں قائم کرتے ہیں۔ اور نوجوانوں کا ناچ ہوتا ہے۔ مگر ابُو سعید نے اپنی فراست
سے ان دونوں کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

ابُوسعید کا خاص طریقہ رأفت و رحمت بر خلق کا طریقہ تھا۔ اُن کے پیش نظر یہ حدیث تھی:۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔

ایک بار وجد میں آکر یوں بھی کہہ ڈالا:

لَيْسَ فِي الْجُبَّةِ اِلَّا اللّٰه

اور انگشت شہادت سے خرقہ میں سوراخ کر دیا جسے محفوظ رکھا گیا۔

نیشاپور میں اُن کی ملاقات اَبُو علی سینا (م ۴۲۸ھ) سے بھی ہوئی۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور جو خط وکتابت اُن کے درمیان ہوئی۔ وہ بھی اب تک محفوظ ہے۔

نیشاپور میں قیام کے اختتام پر وہ اپنے بیٹے ابوطاہر کے ساتھ حج کے لئے جانا چاہتے تھے مگر جب خرقان پہنچے تو ابوالحسن خرقانی نے انھیں روک لیا۔ اور یہ واپس میہنہ چلے گئے۔

انھوں نے اپنی وفات پر ایک بڑا کنبہ چھوڑا۔ ان کا بڑا لڑکا ابو طاہر سعید اُن کا جانشین بنا اور اس نے اپنے باپ کی طرح "خدمتِ خلق" کا کام جاری رکھا۔ جس سے یہ بہت مقروض ہو گئے بالآخر نظام الملک نے یہ قرضہ ادا کیا۔[۱]

ابوسعید اور قشیری ابو سعید نے نیشاپور میں قیام کے زمانہ میں کثرت سے مجالس سماع قائم کیں جن میں بعض اوقات ان کے مُرید حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتے۔ یہ بات ابوالقاسم قشیری کو پسند نہ تھی۔ کیونکہ سماع اگرچہ اُن کے نزدیک جائز تھا۔ مگر وہ خود اسے پسند نہ کرتے تھے۔ اور اس کا اسقدر عام کر دینا تو کسی صورت میں انھیں پسند نہ تھا۔ مزید براں قشیری ابُوسعید کی دعوتوں کو اسراف قرار دیتے۔ ایک بار قشیری نے ایک درویش کو شہر بدر ہو جانے کا حکم دیا۔ ابوسعید نے اُسے پسند نہ کیا اور ایک دعوت میں قشیری سے کہا کہ یہی بات بطریق احسن سرانجام دی جا سکتی تھی۔ اور وہ اس طرح کہ درویش کو سیر وسیاحت کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اس طرح وہ خود بخود شہر سے چلا جاتا۔

آخر کار ابوالقاسم قشیری اور ابو سعید رحمہا اللہ تعالیٰ میں مصالحت ہو گئی۔ اور ان کے مابین کسی قسم کی رنجش نہ رہی

---

(۱) ابوسعید کے حالات کا بیشتر حصہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ ابوسعید بن ابی الخیر سے لیا گیا ہے۔

ابوسعید کا قول[۱] ہے :

التصوف طرح النفس فی العبودیۃ وتعلق القلب بالربوبیۃ والنظر الی اللہ بالکلیۃ

عبداللہ انصاری | شیخ الاسلام ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد بن علی الہروی الانصاری. یہ حافظ حدیث صوفی اور اپنے وقت کے چوٹی کے علماء دین سے تھے. ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے[۲]. عبدالجبار الجراحی (م ۴۱۲ھ)، ابومنصور محمد بن محمد الازدی (م ۴۱۱ھ) اور کثیر التعداد لوگوں سے حدیث سنی اور نیشاپور حاکم ابوسعید الصیرفی (م ۴۲۱ھ) اور احمد سلیطی (م ۴۲۱ھ) سے بھی حدیث سنی. نیشاپور میں ان کی ملاقات قاضی ابوبکر الحیری (م ۴۲۱ھ) سے بھی ہوئی. اور یہ ان کی مجلس میں حاضر بھی ہوئے مگر انھوں نے ان سے حدیث کی روایت نہیں کی جس کے متعلق انصاری فرماتے ہیں.

تَرَکْتُہٗ لِلّٰہِ (میں نے اللہ کی خاطر انھیں ترک کر دیا)

ابن رجب لکھتے ہیں کہ انصاری نے ان کی مجلس میں ایسی باتیں سنی تھیں جن میں حدیث کی مخالفت پائی جاتی تھی. مگر سبکی لکھتے ہیں[۳]:

وَترکَ الروایۃ عن شیخہ القاضی ابی بکر الحیری لکونہ اشعریا وکل ھذا تعصب زائد بَرَّأَنا اللہ من الاھواء

(انھوں نے اپنے شیخ ابوبکر حیری سے اس لئے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا کہ وہ اشعری تھے. اور یہ سہ تن تعصب ہے. خدا ہمیں ذاتی خواہشات سے بچائے)

واضح رہے کہ قاضی ابوبکر حیری کا شمار اپنے زمانے کے سرکردہ محدثین میں ہوتا ہے. اور حدیث میں ان کی اسناد بھی عالی تھی اور انصاری نے عالی سند کو محض تعصب کی بنا پر چھوڑا جسے وہ ترکتہ للہ کہہ رہے ہیں.

شیخ الاسلام کا لقب | سبکی لکھتے ہیں[۱] اہل خراسان نے ابوعثمان اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن احمد الصابونی

---

(۱) طبقات الشافعیۃ ۴: ۱۰ (۲) ذیل طبقات الحنابلہ ۱: ۵۰. ابن العماد نے ان کی تاریخ وفات ۴۸۱ھ دینے کے بعد لکھا ہے کہ انھوں نے اسی برس کی عمر میں وفات پائی اس لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۴۰۱ھ بنتی ہے.

(۳) طبقات الشافعیہ ۳: ۱۱۷ (ترجمہ ابی عثمان الصابونی)

کو شیخ الاسلام کا لقب دیا تھا۔ چنانچہ اہل خراسان جب محض شیخ الاسلام کہتے تو اُن کی مراد انہی سے ہوتی۔ ہراۃ کے لوگ اس لقب سے جل اُٹھے۔ تو انھوں نے عبداللہ انصاری کو اسی لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔

انصاری کا بلا کا حافظہ تھا۔ ہزارہا عربی اشعار اور ہزارہا احادیث مع اسناد کے ازبر تھیں چھوٹی عمر میں ہی عربی اور فارسی میں شعر کہا کرتے۔ اور فارسی اشعار کا عربی اشعار میں برجستہ ترجمہ پیش کر دیا کرتے۔ انھیں عربی لغت اور ادب میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ اور اپنی مجالسِ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر کیا کرتے۔ مجالس میں مخلوق کا ہجوم ہوتا۔ اور یہ شریعت کے احکام بیان کرتے کرتے آیت وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (۲ : ۱۶۵) پر پہنچے۔ تو حقیقت پر بحث کرنی شروع کر دی۔ اور مدت تک اسی آیت کی تشریح فرماتے رہے۔ اسی طرح اُنھوں نے آیت إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ (۲۱ : ۱۰۱) کی تفسیر تین سو ساٹھ (۳۶۰) مجالس میں بیان کی۔ جب يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ (۲۴ : ۴۳) پر پہنچے تو اُن کی بینائی جاتی رہی۔ یہ ۴۳۰ھ کی بات ہے۔ جب فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ (۳۲ : ۱۷) پر پہنچے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اسمائے میں ایک مخفی راز ہے۔ اور پھر ان مخفی رازوں کی تشریح شروع کر دی۔ اس کے بعد انھیں شہر بدر کر دیا گیا۔ ۴۸۰ھ میں واپس ہراۃ آئے۔ اور از سرِ نو اسمائے حسنیٰ کی تشریح شروع کر دی۔ مگر اسے مکمل نہ کر سکے۔ اور کوشش کی کہ قرآن مجید کی تفسیر مکمل کر لیں۔ ایک مجلس میں دس آیتوں کی تفسیر بیان کرتے۔ تاکہ اپنی زندگی میں تفسیر مکمل ہو جائے۔ مگر قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ (۳۸ : ۶۷-۶۸) تک پہنچے تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہنا پڑا۔

سبکی لکھتے ہیں[۱] :-

---

(۱) طبقات الشافعیہ : ۳ : ۱۱۷ ; انصاری کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو : ذیل طبقات الحنابلہ : ۱ : ۵۰ - ۶۸ ; شذرات الذہب : ۳ : ۳۶۵ - ۳۶۶ ; دول الاسلام : ۲ : ۷ ; المنتظم : ۹ : ۴۴ - ۵۴ ; طبقات الحنابلہ : ۲ : ۲۴۷ - ۲۴۸ ; تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۳۵۴ - ۳۶۰ ; البدایہ والنہایہ : ۱۲ : ۱۳۵ ; نفحات الانس : ۲۲۹ -

انصاری مذکور بڑے عبادت گذار تھے، اور محدث تھے۔ مگر تجسیم اور تشبیہ کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ اور اہل سُنّت کو بُرا کہتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب "ذم الکلام" میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ اشعریہ کے ذبیحہ کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ میں اپنے استاد (ذہبی) کو دیکھا کرتا تھا۔ کہ وہ اس کتاب کے بعض مقامات کا ذکر کیا کرتے اور اس کے مطالعہ سے رو کا کرتے تھے۔ . . . . اہل ہرات ان کے متعلق دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ اُن کا معتقد تھا۔ اور ان کی حد سے زیادہ تعظیم کرتا تھا، کیونکہ اُن میں تقشف اور عبادت پائی جاتی تھی اور دوسرا گروہ تشبیہ کے اظہار کی وجہ سے انھیں کافر کہتا تھا۔

انصاری کی بہت سی تصانیف ہیں، جن میں چند کے نام یہ ہیں:

ذم الکلام واہلہ، الفاروق (فی الصفات)، مناقب الامام احمدؒ، منازل السائرین، ہروی زبان میں طبقات الصوفیہ لکھی۔ فارسی میں قرآن مجید کی تفسیر، فارسی میں مجالس تذکیر، فارسی ادب میں بطور رباعی نویس مشہور ہیں۔ اور اُن کی فارسی زبان میں مناجات بہت مقبول ہوئی۔

قشیری کے اساتذہ

امام ابوالقاسم قشیری کثیر التعداد لوگوں سے فیض یاب ہوئے۔ عُلماء و فضلاء سے علوم حاصل کئے۔ محدثین سے حدیث کی روایت کی۔ صالحین سے صالحین کے اقوال و حکایات نقل کئے۔ ہم یہاں پہلے اُن لوگوں کا ذکر کریں گے جن سے اُنھوں نے علم حاصل کیا۔ یا حدیث کی روایت کی۔ اور آخر میں اُن لوگوں کا ذکر کریں گے۔ جن سے انھوں نے صالحین کی حکایات یا اقوال نقل کئے۔

(۱) ابو علی دقاق[۱]

قشیری کے اساتذہ کے سرِ فہرست اُن کے پیر و مرشد ابو علی دقاق کا نام آتا ہے۔ جن کی بدولت

---

(۱) خطیب بغدادی نے بہت سے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی کنیت ابو علی اور لقب دقاق تھا۔ چند نام یہ ہیں: ابو علی حسین بن محمود الدقاق (تاریخ بغداد ۸: ۴۰۹)؛ ابو علی کردی بن احمد الدقاق (۲: ۲۹۲)؛ ابو علی احمد بن محمد الدقاق (۴: ۴۴۴)؛ ابو علی احمد بن محمد بن بنان الدقاق (۴: ۴۰۰)؛ ابو علی محمد بن جعفر بن فلد المعروف باقرص الدقاق (۲: ۱۳۰)؛ ابو علی الحسن بن الحباب بن مخلد الدقاق (۷: ۳۰۱)؛ ابو علی زہیر بن مسلم الدقاق (۸: ۴۸۶)

قشیری کو دین و دنیا کی فلاح و دولت نصیب ہوئی۔

اُن کا نام ابوعلی الحسن بن علی الدقاق ہے۔ سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں ان کا نام الحسن بن محمد علی دیا ہے۔ دقاق دقیق یعنی آٹا فروش کو کہتے ہیں۔ اس پیشہ کی وجہ سے یہ نام پڑا۔

ابوعلی دقاق نے مذہب شافعی کی تعلیم ابوبکر قفال الکبیر الشاشی (م ۳۶۵ھ) اور الحصری وغیرہ سے حاصل کی۔ اصول فقہ اور عربی میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔ اور مرجع خلائق بنے۔ انھوں نے حدیث حدیث کی ابن حمدان (م ۳۷۶ھ) وغیرہ سے کی۔ ابتدا میں علوم ظاہر کا درس دیتے تھے۔ پھر سب کچھ چھوڑ کر طریق تصوف اختیار کر لیا۔ انھوں نے طریق تصوف و باطن نصرآبادی سے حاصل کیا۔ قاضی ابن شہبہ (م ۸۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ ابوعلی دقاق حال اور قال دونوں میں نصرآبادی سے بڑھ گئے تھے۔ ان کی کرامات اور مکاشفات مشہور ہیں۔

سید علی ہجویری فرماتے ہیں مجھ سے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ میں اُن کی خدمت میں اس نیت سے گیا کہ ان سے متوکلوں کے حال کی نسبت سوال کروں۔ جب ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے عمدہ طبری دستار پہن رکھی تھی جسے دیکھ کر میرے منہ میں پانی آگیا۔ میں نے سوال کیا: حضرت! توکل کیا ہے؟ فوراً جواب دیا: توکل یہ ہے کہ تو لوگوں کی دستار لینے کا لالچ کرنا چھوڑ دے۔ یہ کہا اور دستار اتار کر میری طرف پھینک دی۔

جامی فرماتے ہیں: ایک بار ابوعلی رَیْ آئے کسی نے انھیں پہچان لیا۔ اور لوگوں کو اس کی اطلاع دے دی۔ لوگوں نے اُن سے وعظ کرنے کی درخواست کی۔ مگر یہ نہ مانے۔ بالآخر لوگوں کے اصرار پر منبر پر چڑھے۔ پھر دائیں طرف منہ کر کے فرمایا:- اَللّٰهُ اَکْبَر اور قبلہ کی منہ کر کے فرمایا: رِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَکْبَر اور پھر بائیں جانب ہو کر کہا: وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰی یہ کہنا تھا کہ لوگوں سے چیخ و پکار کی آواز آنے لگی۔ اور کچھ لوگوں نے وہیں جان دے دی۔ یہ لوگوں کو اسی حال میں چھوڑ کر منبر سے اُتر آئے۔ اور وہاں سے غائب ہو گئے۔[1]

ابوعلی دقاق اور اُنکی لونڈی | استاد ابوعلی دقاق کی ایک لونڈی تھی جس کا نام فیروز تھا۔ اس نے

(۱) رسالہ قشیریہ: ۱۶۱۔

ابوعلی دقاق کی خدمت کی تھی جس کی وجہ سے ابوعلی اس سے محبت کرتے تھے۔ فیروز کو بھی اس محبت کا احساس تھا۔ ایک روز فیروز آپ کو بہت تنگ کر رہی تھی۔ اور زیادتی کر رہی تھی۔ ابوالحسن قاری وہاں موجود تھے۔ انھوں نے یہ حال دیکھ کر فیروز کو کہا۔ تم شیخ کو کیوں تنگ کر رہی ہو؟ فیروز نے جواب میں کہا: اس لئے کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں۔

حرقۃ البول اور ابوعلی قشیری بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابوعلی دقاق کو حرقۃ البول کی شکایت تھی۔ اور انھیں ایک گھڑی میں بار بار پیشاب کے لئے جانے کی ضرورت پڑتی یہاں تک کہ دو رکعت فرض ادا کرنے کے لئے بھی بعض اوقات انھیں کئی بار وضو کرنا پڑتا۔ مجلس کو جاتے ہوئے بوتل ساتھ رکھتے۔ ایسا بھی ہوا کہ راستہ ہی میں انھیں بوتل کی ضرورت پڑجاتی۔ مگر جب کرسی پر بیٹھ کر وعظ فرماتے تو پھر دوبارہ وضو کی ضرورت نہ پڑتی۔ خواہ مجلس کسقدر طویل کیوں نہ ہو جاتی۔

یہ بات لکھنے کے بعد قشیری فرماتے ہیں۔ کہ ہم سالہا سال یہ بات دیکھتے رہے۔ مگر ان کی زندگی میں کبھی اس عجیب بات کی طرف توجہ ہی نہ ہوئی۔ کہ یہ ایک خارق عادت بات ہے۔ ان کے مرنے کے بعد ہی یہ بات میرے خیال میں آئی۔

ان کا قول ہے: جس شخص نے دنیا کی خاطر کسی کے سامنے تواضع کی اس کا دو تہائی دین جاتا رہا۔ کیونکہ اس نے زبان اور ارکان سے اس کے سامنے اپنے آپ کو جھکایا ہے۔ اور اگر دل سے اس کی تعظیم کا اعتقاد رکھے یا دل سے اس کے سامنے جھکے تو اس کا سارا دین جاتا رہا۔

نیز فرماتے ہیں: وَرَأَيْتُكَ فَاشْتَقْتُكَ بِعْتُ نَفْسِي وَاشْتَرَيْتُكَ

(میں نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ اسی لئے تو میں تمہیں چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو بیچ کر تمہیں خریدا ہے)

ابن العماد اور ذہبی نے ان کی تاریخ وفات ۴۰۶ھ دی ہے۔ مگر ابن جوزی اور ابن کثیر

---

(۱) رسالہ قشیریہ: ۹۰، ۱۰۹ (۲) طبقات الصوفیہ: ۵۹۱۔ تحقیق عبدالحی حبیبی طبع کابل ۱۹۶۲ء یہ قول اور حوالہ چوہدری عبدالعزیز صاحب کنٹرولر کسٹمز نے مجھے بتایا ہے۔

نے ۴۱۲ھ لکھی ہے۔

ان کے متعلق ابو علی فارمدی فرماتے ہیں(۱):

مرا ہیچ حجت فردا نخواہد بود الا آنکہ گویم ہمنام ابو علی دقاقم۔

(قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہوتے وقت میرے پاس صرف یہ حجت ہوگی کہ میں ابو علی دقاق کا ہمنام ہوں۔)

ابو علی دقاق کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۳؛ شذرات المذہب: ۳: ۱۸۰؛ المنتظم: ۸: ۷؛ نفحات الانس: ۲۶۹؛ ۲۶۸-۲۶۹ (ترجمہ ابو الفضل سرخسی)؛ کشف المحجوب: ۲۰۴؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۵۱۔

ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن مہران الاسفرائنی

رکن الدین ان کا لقب ہے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ اسفرائن نیشاپور کے نواح میں جرجان کو جاتے ہوئے نصف راستہ پر خراسان میں ایک شہر کا نام ہے۔ جس کی طرف یہ اور بہت سے دیگر علماء منسوب ہوئے۔

ابو اسحٰق اسفرائنی متکلم، اصولی اور شافعی مذہب کے علماء میں سے تھے۔ انھوں نے دعلج (م ۳۵۱ھ) اور اسی طبقہ کے دیگر لوگوں سے روایت کی۔ اپنے زمانہ میں خراسان کے شیخ تھے۔ اور مرتبۂ اجتہاد تک پہنچ گئے تھے۔

ان کے لئے نیشاپور میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ جہاں سے بڑے بڑے علماء و فقہا نکلے۔ مثلاً قاضی ابو الطیب الطبری (م ۴۵۰ھ)، بیہقی (م ۴۵۸ھ) اور قشیری وغیرہ

حاکم نے باوجود اس کے کہ وہ ان سے پہلے وفات پا گئے تھے ان کی بزرگی اور جلالت مرتبت کی وجہ سے اُن کا اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ نیشاپور کے اکثر اساتذہ نے علم کلام اور علم اصول ان ہی سے حاصل کیا۔ اور اہل عراق اور خراسان نے ان کے علم کا لوہا مانا۔

---

(۱) زہد و تصوف در اسلام تالیف گولڈ تسیہر مستشرق جرمنی ترجمہ محمد علی خلیلی طبع طہران بہ حوالہ اور قول بھی چودھری صاحب موصوف نے مجھے بتایا ہے۔

ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ جن میں سے ایک الجامع فی اصول الدین والرد علی الملحدین پانچ جلدوں میں لکھی۔ انھوں نے اصول فقہ پر شرح بھی لکھی ہے۔

تقریباً اسی برس کی عمر میں سنہ ۴۱۸ھ نیشاپور میں وفات پائی اور انھیں اسفرائن لے جاکر دفن کیا گیا۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ ۳: ۲۶۸ ز معجم البلدان ۱: ۱۷۸ ز وفیات الاعیان ۱: ۸-۹ ز اللباب ۱: ۴۳ ز البدایۃ والنہایۃ ۱۲: ۲۴ ز شذرات الذہب ۳: ۲۰۹-۲۱۰ ز طبقات الشافعیۃ ۳: ۱۱۱ ز معجم المؤلفین ۱: ۸۳ اور وہ حوالہ جات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ الشیخ ابو حامد احمد بن محمد بن احمد الاسفرائنی

ابو حامد اسفرائنی اپنے زمانہ کے شافعیہ کے امام تھے۔ سنہ ۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۳۶۳ھ میں جبکہ ان کی عمر اٹھارہ انیس سال کی تھی۔ یہ بغداد آئے۔ پہلے ابو الحسن بن المرزبان (م سنہ ۳۶۶ھ) سے پھر ابو القاسم الدارکی (م سنہ ۳۷۵ھ) سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے بغداد میں اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔ تا آنکہ یکتائے روزگار ہو گئے۔ اور اپنے عہد میں شافعیہ کے سردار مانے گئے۔ عوام اور سلاطین دونوں کے ہاں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ انھوں نے دارقطنی (م سنہ ۳۸۵ھ) عبد اللہ بن عدی (م سنہ ۳۶۵ھ)، ابو بکر اسمٰعیلی (م سنہ ۳۷۱ھ) اور ابراہیم بن محمد بن عبدک الاسفرائنی (م سنہ ۴۱۶ھ) سے حدیث کی روایت کی ہے۔

ابتدا میں ایک درب (پھاٹک) پر پاسبانی کیا کرتے تھے اور پاسبانوں کے چراغ پر اپنے اسباق کا مطالعہ کیا کرتے۔ لوگ ان کے پاس سترہ برس کی عمر میں استفادہ کے لئے آنے لگ گئے تھے۔ ان کے حلقۂ درس میں سات سو طالب علم شامل ہوا کرتے تھے۔ اور لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر آج امام شافعی رحمۃ اللہ زندہ ہوتے تو انھیں دیکھ کر خوش ہوتے۔

ابو الحسین قدوری (سنہ ۳۶۲ھ تا سنہ ۴۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے شافعیوں میں امام ابو حامد اسفرائنی سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ قدوری نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اسفرائنی امام

شافعی سے بھی زیادہ بالغ نظر اور بہتر فقیہہ ہے۔
اسفرائینی نے ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔
اسفرائینی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۴: ۳۶۸۔۳۷۰ ز وفیات الاعیان: ۱: ۵۵۔۵۶ ز دول الاسلام: ۱: ۱۷۷ ز المنتظم: ۷: ۲۷۷۔۲۷۸ ز البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۳۰۲ ز شذرات الذہب: ۳: ۱۷۸ ز معجم المؤلفین: ۲: ۶۵ اور وہ حوالہ جات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد بن عمر الخفاف

انھیں زاہد نیشاپور اور مسند خراسان کہا جاتا ہے۔ یہ آخری شخص ہیں جنھوں نے ابوالعباس محمد بن اسحق بن ابراہیم بن مہرجان السراج (م ۳۱۳ھ) سے روایت کی، ابوالعباس سراج نے چھیانوے یا ستانوے سال عمر پائی۔ عجیب اتفاق کی بات یہ ہے کہ ابوالعباس سراج سے امام بخاری (م ۲۵۶ھ)، امام مسلم (م ۲۶۱ھ) اور ابوحاتم رازی (م ۲۷۷ھ) نے روایت کی ہے۔ اور یہ سب اُن سے عمر میں بڑے تھے۔ اور ان سے پہلے فوت ہوئے۔
ابوالعباس سراج کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ اُن کے ہاں ان کا بیٹا ابوعمر ۸۳ اسی سال کی عمر میں پیدا ہوا۔
ابوالحسن خفاف نے ترانوے سال کی عمر میں ۳۹۵ھ میں وفات پائی۔
ایک اور عجیب بات یہ ہے۔ ابوالعباس سراج سے امام بخاری اور خفاف دونوں نے روایت کی ہے اور دونوں کی وفات میں ایک سو انتالیس ۱۳۹ سال کا وقفہ ہے۔
ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: شذرات الذہب: ۳: ۱۴۵ ز مختصر دول الاسلام: ۱: ۱۸۵ اور معجم المؤلفین: ۲: ۹۹

۵۔ ابوعبداللہ الحسین بن شجاع بن الحسن بن موسیٰ البزار

بزار تیلی کو کہتے ہیں۔ (اللباب: ۱: ۱۱۸) یہ صوفی تھے۔ اور ابن موصلی کے نام سے مشہور تھے

انھوں نے ابوبکر شافعی (م ۳۵۴ھ)، ابوعلی بن الصواف (م ۳۵۹ھ)، محمد بن احمد بن المخرم (م ۳۵۶ھ)
ابوبکر بن مقسم المقری (م ۳۵۴ھ) اور ابوبکر بن مالک القطیعی (م ۳۶۸ھ) وغیرہم سے حدیث سنی۔
اور ان سے ابوبکر خطیب نے حدیث لکھی۔ صدوق تھے۔

انھوں نے ماہ ربیع الاول ۴۲۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۸ : ۵۳)

۶۔ حمزہ بن یُوسف السّہمی الجرجانی

ابوالقاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن ہشام بن العاص وائل القرشی السہمی الجرجانی الحافظ۔ جرجانی مشہور صحابی عمرو بن العاص کے بھائی ہشام بن العاص کی اولاد میں سے تھے۔ انھوں نے ۳۵۴ھ میں پہلی بار جرجان میں ابوبکر محمد بن احمد بن اسمٰعیل القرام (م ۳۵۵ھ) سے حدیث سنی اور ۳۶۸ھ میں پہلی بار طلب حدیث میں سفر کیا۔ چنانچہ یہ اصفہان، رَئی، بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، اہواز، شام، مصر اور حجاز وغیرہ گئے۔ اور ابوزرعہ محمد بن یوسف جرجانی (م ۳۹۰ھ) ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی (م ۳۸۵ھ)، ابوالحسن محمد بن المظفر البغدادی (م ۳۷۹ھ)، محمد بن احمد بن حمدان (م ۳۷۶ھ)، محمد بن ابراہیم بن المقری (م ۳۸۱ھ)، عبدالوہاب الکلابی (م ۳۹۶ھ) اور ابوبکر اسماعیلی (م ۳۷۱ھ) وغیرہم سے حدیث کی روایت کی اور ان سے ابوالقاسم قشیری، ابوبکر بیہقی (م ۴۵۸ھ) ابوصالح المؤذن (م ۴۷۰ھ) ابوالقاسم اسماعیل بن مسعدہ (م ۴۷۷ھ) اور ابوبکر احمد بن علی بن عبیداللہ بن عمر الشیرازی (م ۴۸۷ھ) وغیرہم نے روایت کی۔

حمزہ جرجانی نے جرجان میں تربیت پائی۔ اور وہیں منصب خطابت اور وعظ سرانجام دیتے رہے۔ ان کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا ہے اور سخاوی نے فتح المغیث (صفحہ : ۴۸۰) میں انھیں ائمہ جرح و تعدیل میں شمار کیا ہے۔

حمزہ جرجانی نے کئی تصانیف کیں جن میں تاریخ جرجان[1] زیادہ مشہور ہے۔ اپنے اساتذہ کے حالات میں معجم الشیوخ لکھی۔ عباس بن عبدالمطلب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر کتاب الاربعین لکھی، اور جو سوالات انھوں نے اپنے اساتذہ سے بالعموم اور دار قطنی سے بالخصوص

---

(۱) اسے کتاب معرفۃ علماء جرجان بھی کہا جاتا ہے۔

کیے تھے، انھیں مدوّن کیا۔ انھوں نے ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔

ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ بر تاریخ جرجان از عبدالرحمٰن بن یحییٰ یمانی جنھوں نے تاریخ جرجان کی تحقیق و تصحیح کی ہے۔ نیز وہ مصادر جن کا انھوں نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

۷۔ عبداللہ بن یوسف الاصبہانی

عبداللہ بن یوسف بن احمد بن بابویہ۔ بعض مامویہ بتاتے ہیں۔ دراصل اصفہان کے رہنے والے تھے، مگر نیشاپور آکر آباد ہو گئے تھے۔ ۳۹۰ھ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ اور وہاں ابوالعباس الاصم نیشاپوری (م ۳۴۶ھ)، محمد بن الحسن بن الخلیل النیشاپوری، ابوسعید بن الاعرابی (م ۳۴۰ھ) ساکن مکہ، احمد بن سعید بن فرضخ الاخمیمی، ہارون بن احمد الاستر آبادی، عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن ہارون الزہری اور دیگر لوگوں سے حدیث کی روایت کی۔ ثقہ تھے۔ انھوں نے ۴۰۹ھ میں وفات پائی۔

ابونعیم اصفہانی نے انھیں الرّصّاص المؤدب کہا ہے۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ اصفہان: ۲: ۴۸؛ تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۹۸؛ اللباب: ۱: ۳۲؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۳۷ اور شذرات الذہب: ۳: ۱۸۸

۸۔ ابوالحسین عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی

ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ان کے والد ابواسحٰق ابراہیم بن یحییٰ المزکی اپنے زمانے میں نیشاپور کے شیخ تھے۔ اور ان کا شمار عُبّاد و مجتہدین میں ہوتا تھا۔ کئی بار حج کیا اور طلب حدیث میں سفر کئے۔ ابراہیم مزکی سے حاکم ابوعبداللہ اور ابونعیم نے روایت کی ہے۔ ان کی وفات ستر سال کی عمر میں ۳۶۲ھ میں ہوئی۔

(اللباب: ۳: ۱۳۲؛ شذرات الذہب: ۳: ۴۰-۴۱؛ معجم المؤلفین: ۱: ۱۱۰)

عبدالرحمٰن بن ابراہیم کے بھائی ابوزکریا یحییٰ بن ابراہیم المزکی بھی اپنے باپ کی طرح صالح، زاہد، ورع اور صاحبِ حدیث تھے۔ انھوں نے ۴۱۴ھ میں وفات پائی۔

(شذرات الذہب: ۳: ۲۰۲؛ معجم المؤلفین: ۱۳: ۱۸۱)

۹۔ ابو نعیم عبد الملک بن الحسن بن محمد بن اسحٰق الاسفرائنی

ابو نعیم عبد الملک بن الحسن مسند حدیث کے راوی تھے۔ انھوں نے مسند صحیح کی روایت اپنے ماموں ابو عوانہ الحافظ الاسفرائنی (م ۳۱۶ھ) سے کی ہے۔ ثقہ اور صالح تھے۔ ۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ ابو عوانہ نے ان کی تربیت کی اور اپنی کتابیں انھیں سنائیں۔ ان کے ہاں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ اسی لئے انھیں نیشاپور بلا لیا گیا تھا۔ نوّے سال کی عمر میں ۴۰۰ھ میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲؛ شذرات الذہب: ۳: ۱۵۹)

۱۰۔ ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان الاہوازی

ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان بن محمد بن الفرج بن سعید الاہوازی۔ دراصل شیراز کے رہنے والے تھے مگر شیراز کو چھوڑ کر نیشاپور چلے آئے تھے۔ اور وہیں آباد ہو گئے تھے۔

انھوں نے محمد بن احمد بن محمویہ العسکری، احمد بن عبید البصری (م ۳۱۴ھ)، ابو القاسم طبرانی، اسماعیل بن نجید النیشاپوری، ابوبکر الجعابی (م ۳۵۵ھ) اور اپنے والد احمد بن عبدان الشیرازی سے حدیث سنی۔ ۳۹۶ھ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے اور وہاں حدیث کی روایت کی۔ ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۴۱۵ھ میں نیشاپور میں واقع ہوئی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۲۹ اور تاریخ جرجان: ۵۰۳

یاد رہے کہ ایک ابو الحسن الاہوازی اور بھی ہیں۔ ان کا نام ابو الحسن محمد بن الحسن بن احمد بن علی الاہوازی ہے، اور ابن ابی علی الاصبہانی کے نام سے مشہور رہیں۔ ۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے جب حدیث کی روایت کی تو ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ چنانچہ بعض لوگ انھیں "جراب الکذب" کہا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۴۱) میں نے ان کا یہاں ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ قشیری کے استاد اور اس ابو الحسن میں امتیاز ہو سکے۔

۱۱۔ ابوالحسین علی بن محمدؒ بن عبداللہ بن بشران بن محمد الاموی البغدادی المعدل

یہ عبدالملک بن محمدؒ کے بھائی ہیں۔ انھوں نے علی بن محمد المصری، اسمٰعیل بن محمد الصفار، محمد
عمرو الرزاز، ابوالحسین بن الاشنانی، ابوعمرو بن السماک، الحسین بن صفوان البرذعی، احمد بن
بن جعفر الجوری، محمد بن جعفر الآدمی القاری، حمزہ بن محمد الدہقان اور دیگر لوگوں سے حدیث
اور ان سے خطیب بغدادی نے حدیث لکھی۔

خطیب لکھتے ہیں: یہ صدوق، ثقہ، ثبت، اچھے اخلاق والے، صاحب مروت
اور ظاہر الدیانت تھے۔ بغداد میں ان کی رہائش درب الکیرانی کے محلہ میں تھی۔ ۳۲۹ھ
پیدا ہوئے۔ اور ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ بغداد: ۱۲: ۹۸-۹۹ ز المنتظم: ۸: ۱۸-۱۹ اور شذرات الذہب: ۳:

۱۲۔ ابوبکر محمدؒ بن احمدؒ بن عبدوس الحیری

حیرۃ نیشاپور کے قریب ایک چھوٹی سی بستی کا نام تھا۔ اسی کی طرف یہ نسبت ہے۔

حمزہ جرجانی نے تاریخ جرجان (صفحہ ۴۱۹) میں محمد بن احمد بن عبدوس الجرجانی المعر
یا بی نصر بن ابی العباس الاسفرائنی کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے نیشاپور میں رہائش اختیار ک
جرجان میں ابوبکر اسماعیلی سے روایت کی اور ۴۲۳ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

۱۳۔ استاد ابوبکر محمدؒ بن الحسن بن فورک

استاد ابوبکر محمدؒ بن الحسن بن فورک الانصاری الاصبہانی۔ متکلم، اصولی، ادیب
واعظ اور اشعری تھے۔ دراصل اصبہان کے رہنے والے تھے۔ پہلے مدت تک عرا
درس دیتے رہے پھر رے چلے گئے۔ عراق میں ابوالحسن الباہلی سے مذہب اشعری کی
رَے پہنچے تو مبتدعہ یعنی معتزلہ نے سلطان کے پاس ان کی شکایت کر دی۔(۱)

---

(۱) یاد رہے کہ شذرات الذہب (۳: ۱۸۱) میں قسمت بہ المبتدعۃ چھپا ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ درست
المبتدعۃ ہے۔ جیسا کہ وفیات الاعیان (۳: ۴۰۲) میں ہے۔

عبداللہ الحاکم کہتے ہیں۔ کہ اس پر ہم نے امیر ناصر الدولہ ابوالحسن محمد بن ابراہیم کے پاس آکر درخواست
کہ وہ ابن فورک کو نیشاپور آنے کی دعوت دیں۔ ابن فورک نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور
پور چلے آئے۔ اور وہاں اپنا گھر بھی بنا لیا۔ اُن کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ اور اُن کے ذریعہ
مختلف علوم کا احیاء ہوا۔ انھوں نے عبداللہ بن جعفر الاصبہانی سے حدیث سُنی۔ بصرہ اور
ادمیں بھی کثرت سے حدیث سنی۔ ابومحمد بن فارس سے مسند طیالسی کی روایت کی۔ حاکم
ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

عبدالغافر بن اسمٰعیل فرماتے ہیں، میں نے ابو صالح المؤذن کو فرماتے سنا کہ استاد ابوعلی
اق مجلس قائم کرتے تو شہر کے حاضرین اور غائبین اور ائمہ کے لئے دعا کیا کرتے۔ ایک روز
ی نے کہا: آپ ابن فورک کو بُھول گئے ہیں کیونکہ آپ نے اُن کے لئے دعا نہیں کی۔
ایا: کیا میں ان کے لئے دعا کر سکتا ہوں۔ جبکہ کل ہی میں نے اُن کے ایمان کی قسم دے کر
ہ سے درخواست کی تھی کہ مجھے پیٹ درد کی بیماری سے شفا دے۔

۴۷۳ھ میں جب ابوعثمان مغربی کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ
بکر بن فورک ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ابوالحجاج یوسف بن دوناس العبدلاوی المالکی جو دمشق میں باب الصغیر کے باہر مدفون
ں اور وہاں اُن کی قبر مقبولیت دعا کے لئے مشہور ہے۔ فرماتے ہیں، ابوبکر بن فورک قرآن مجید
ی اسقدر تعظیم کیا کرتے تھے کہ جس کمرے میں قرآن مجید ہوتا وہاں نہ سویا کرتے تھے۔

علم کلام پڑھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ اصفہان میں ایک فقیہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ انھوں
جب یہ سنا کہ حجر اسود دنیا میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے، تو انھوں نے اس فقیہ سے اس کا
طلب دریافت کیا، مگر فقیہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ انھیں ایک متکلم کا پتہ بتایا گیا
ے انھوں نے یہ مسئلہ حل کرایا۔ اس پر انھوں نے علم کلام سیکھا۔

ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں: کہ میں نے ابن فورک کو فرماتے سنا کہ مجھے دین میں آزمائش
ے لئے قید کرکے شیراز لایا گیا۔ جب شہر کے دروازے پر پہنچا تو صبح ہو چکی تھی اور میں مغموم
ا۔ دن چڑھا تو میری نگاہ ایک مسجد کے محراب پر پڑی۔ جہاں اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

لکھا ہوا تھا۔ اس میں ہوش آیا اور سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرے گا۔ ابن فورک ابو عبداللہ بن کرام کا خوب رد کیا کرتے تھے اور جو مصائب انھیں جھیلنا پڑیں ان کا سبب وہ شور تھا جو ابن کرام کے پیرو کاروں اور ان کی مجسمہ جماعت نے بپا کر رکھا تھا۔

ابن فورک زاہد اور عبادت گذار تھے۔ انھیں غزنہ بُلایا گیا۔ اور وہاں انھوں نے کئی مناظرے کئے۔ اور واپسی پر بُست کے راستہ میں انھیں زہر دی گئی۔ جس سے ۴۰۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ اور نیشاپور لے جاکر قریب کی ایک حیرہ نامی بستی میں دفن کیا گیا۔

ابن خلکان، سبکی اور عبد الغافر نے لکھا ہے[۱]:

ومشهده بها ظاهر يزار ويستسقى به ويستجاب الدعوة عنده

ابن حزم اور ابن فورک ابن حزم ظاہری نے اپنی عادت کے مطابق انھیں بھی خوب کوسا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں[۲]:

باقلانی، ابن فورک اور ان کے گمراہ و جاہل گروہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نہیں ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں[۳]:

ان سب نے کہا کہ محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب آج رسول اللہ نہیں، لیکن وہ رسول اللہ تھے۔ اسی مسئلہ پر امیر محمود بن سبکتگین مولائے امیر المومنین وصاحب خراسان رحمہ اللہ نے ابن فورک شیخ اشعریہ کو قتل کیا۔

ابن حزم کا یہ اشاعرہ پر اتہام اور ان کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈا ہے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حنابلہ نے اشاعرہ پر غلط قسم کے اتہامات لگا رکھے تھے۔ اور ان کی خوب تشہیر کی تھی۔ اور اس میں کرامیہ بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ ان اتہامات میں سے ایک اتہام یہ تھا کہ اشاعرہ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج نبی نہیں ہیں۔ اور یہی الزام اشاعرہ کے سردار ابو الحسن اشعری[۴] پر بھی لگایا گیا تھا۔

---

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳: ۵۳، وفیات الاعیان: ۳: ۴۰۲ (۲) اردو ترجمہ الملل والنحل: ۳: ۱۳۶ و ۹

(۳) اردو ترجمہ الملل والنحل: ۳: ۲۵۰ - (۴) انہی لوگوں کے جواب میں ابن عساکر کو تبیین کذب المفتری المشہور بطبقات الاشاعرہ لکھنی پڑی۔

حقیقۃ الامر | دراصل بات یہ تھی، کہ ابن فورک کرّامیہ کے سخت مخالف تھے اور وہ ان کے خلاف تقریریں کرتے رہتے تھے۔ ابنِ خلکان لکھتے ہیں[۱] :

کان شدید الرّدّ علیٰ اصحاب ابی عبد اللہ بن کرّام۔

اور سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) عقیدۃً کرّامی تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں[۲] :

وکان علی مذھب الکرامیۃ فی الاعتقاد

سلطان کو دیکھ کر شعراء نے بھی اسی عقیدہ کو اپنانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ابو الفتح علی بن محمد البستی الشاعر (م ۴۰۰ھ) نے جب کرّامیہ کی گرم بازاری دیکھی تو اس نے بھی کرامیہ کی تعریف کی چنانچہ کہتا ہے :

وَالفِقهُ فِقهُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَحْدَہٗ[۳] ۔۔۔ وَالدِّیْنُ دِیْنُ مُحَمَّدِ بْنِ کَرَّامِ
اِنَّ الَّذِیْنَ اُرَاھُمْ لَمْ یُؤمِنُوْا ۔۔۔ بِمُحَمَّدِ بْنِ کَرَّامٍ غَیْرُ کِرَامٍ

(اگر فقہ ہے تو صرف ابو حنیفہ کی فقہ ہے۔ اور اگر کوئی دین ہے تو محمد بن کرام کا ہے۔ جو لوگ محمد بن کرام پر ایمان نہیں رکھتے وہ شرفا نہیں ہیں)

یاد رہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے۔ جبکہ سلطان محمود فقہ حنفی کے مطابق چلتا تھا مگر بعد میں القفال الصغیر (م ۴۱۷ھ)[۴] کی کوشش سے سلطان نے فقہ شافعی کو اختیار کر لیا تھا۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کرّامیہ کا بانی ابو عبد اللہ محمد بن کرام (م ۲۵۵ھ) تھا۔ اس کے بعد ابو یعقوب اسحٰق بن محمشاد نے شہرت حاصل کی اور ان کا سردار بنا۔ اس نے ۳۸۳ھ میں وفات پائی[۵]۔ یہ بھی نیشاپور ہی کا رہنے والا تھا۔ اور اس کی سرگرمی کا مرکز نیشاپور اور نواح

---

(۱) وفیات الاعیان ۳ : ۴۰۲ اور طبقات الشافعیہ ۳ : ۵۳ (۲) البدایہ والنہایہ ۱۲ : ۳۰، شہرستانی (الملل والنحل ۱ : ۴۲) لکھتے ہیں : وما زاد ذلک مذھباً قد نصرہ محمود بن سبکتگین السلطان وصبّ البلاء علی اصحاب الحدیث والشیعۃ من جھتھم (۳) تاریخ یمینی ۴ : ۳۲۴ (۴) قفال (دفتر ساز) کے نام سے دو شخص مشہور ہیں۔ ایک صغیر اور دوسرا کبیر۔ ابوبکر محمد بن اسمٰعیل الشاشی (م ۳۶۵ھ) کو القفال الکبیر کہا جاتا ہے۔ اور ابوبکر عبد اللہ بن احمد المروزی کو القفال الصغیر۔ سلطان کے شافعی بننے کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو وفیات الاعیان ۴ : ۲۲۷ (۵) اللباب ۳ : ۳۳ و شذرات الذہب ۳ : ۱۰۴۔

کے علاقے تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو بکر محمد بن اسحٰق بن ممشاد نیشاپور میں اس کا جانشین بنا۔ یہ زہد و عبادت میں اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتا تھا۔[1] امیر ناصرالدین ابو منصور سبکتگین اسکے ظاہری زہد و عبادت کو دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا۔ اور کرامیہ کو بڑی عزت و احترام سے دیکھنے لگا۔

ابن فورک کے عہد میں کرامیہ کا سردار محمد بن الہیصم تھا۔ جس کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ذات ہے جو تمام موجودات سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ وہ اوپر کی جہت میں ہے۔ اس کے اور عرش کے درمیان لامتناہی بعد پایا جاتا ہے۔[2]

یہ ابن الہیصم کرامیہ کا بہت بڑا متکلم اور مناظر تھا۔ سلطان کے درباری علماء میں نہ اس کا مقابلہ کرنے کی تاب تھی۔ اور نہ اسقدر جرأت اور قوتِ ایمان کہ کرامیہ کی طرف سلطان کے میلان کو جانتے ہوئے وہ اس کے مقابلے کے لئے آئیں۔ اس کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے ابن فورک کو بلایا گیا اور سلطان کی موجودگی میں ان دونوں کے درمیان "مسئلہ العرش"[3] پر مناظرے ہوئے۔ ابن الہیصم نے خود اپنی کسی تصنیف میں ان مناظروں کا ذکر کیا ہے۔ ان مناظروں میں ابن فورک نے ابن الہیصم کو ایسے مسکت جوابات دیئے جن سے وہ چکرا گیا۔ بالآخر کرامیہ نے ایک چال چلی اور سلطان سے کہا کہ یہ شخص تو بڑا بدعتی اور کافر ہے۔ کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی نہیں۔ اور یہ کہ ان کی وفات کے ساتھ ہی اُن کی رسالت بھی منقطع ہو گئی تھی۔ سلطان پہلے سے ہی ابن فورک کے خلاف تھا۔ جب بلا کر انھیں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: یہ لوگ جو باتیں اشاعرہ اور میری طرف منسوب کر رہے ہیں، سب افترا اور جھوٹ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ:-

محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں۔ اور مجازاً نہیں بلکہ حقیقی طور پر ابدالآباد تک رسول

---

(۱) محمد بن اسحٰق بن محمشاد کی منافقت اور مکاری کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ یمینی ۳۴۴، ۳۲۹ (۲) شہرستانی: الملل والنحل: ۱: ۱۶

(۳) یاد رہے کہ ایک طرف تو معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان اس مسئلہ پر بحث ہوا کرتی اور دوسری طرف حنابلہ اور اشاعرہ کے درمیان بھی یہی مسئلہ زیر بحث رہتا۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے اس پر ایک رسالہ لکھا۔ پھر ان کے شاگرد ابن قیم نے اجتماع الجیوش الاسلامیہ علیٰ غزو المعطلۃ والجہمیۃ لکھی۔

اور یہ کہ وہ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کی حالت میں تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آج تک چلی آئی ہے۔ اور چلی جائے گی۔[1] جب سلطان پر حقیقت واضح ہوگئی تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ ابن فورک کو واپس وطن روانہ کیا۔[2] مگر کرامیہ نے سازش کر کے ان کو راستہ ہی میں زہر دے دی۔

ان کی سو کے قریب تصانیف ہیں۔ ان کے علمی انہماک کا پتہ ان کے اس قول سے چلتا ہے
شغل[3] العیال نتیجة متابعة الشهوة بالحلال فما ظنك بقضیة شهوة الحرام
حلال اور جائز طور پر خواہشات کی تابعداری کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ انسان اہل و عیال میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اب خود خیال کر لیں کہ حرام طور پر خواہشات کی تابعداری کا کیا نتیجہ ہو گا)

ابن فورک کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ ابن خلکان: ۳ : ۴۰۲ ز شذرات الذہب ۳ : ۱۸۱ ز اردو ترجمہ الملل والنحل لابن حزم : ۳ : ۲۵۰ ز طبقات الشافعیہ: ۳ : ۵۲۔ ۵۶ ز البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۵۰ ۴ ز المنتظم : ۸ : ۱۲ ز الاعلام : ۶ : ۳۱۳ اور وہ حوالہ جات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ز معجم المولفین : ۹ : ۲۰۸ مع حوالہ جات۔

۱۰۴۔ ابوبکر محمد بن ابی بکر الطوسی

ابوبکر محمد بن احمد بن حمدویہ الطوسی ۴۰۵ھ میں حج کے لئے جاتے ہوئے بغداد آئے۔ اور وہاں ابو العباس الاصم (م ۳۴۶ھ) سے حدیث کی روایت کی۔ ان سے ہبۃ اللہ بن الحسن بن منصور طبری نے روایت کی ہے۔ صدوق تھے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ان کی وفات ۴۰۵ھ سے تھوڑا ہی عرصہ بعد ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۱ : ۳۵۱)

---

(۱) طبقات الشافعیہ: ۳ : ۵۴ (۲) یہ سبکی (طبقات الشافعیہ: ۳ : ۵۴ ۱۳) کا بیان ہے۔ مگر ابن کثیر لکھتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ : ۱۲ : ۱۰) سلطان نے انھیں غزنہ سے نکال دینے کا حکم دیا تھا۔ (۳) وفیات الاعیان : ۳ : ۴۰۲۔

۱۵۔ ابوالحسین محمد بن الحسین القطان

ابوالحسین محمد بن الحسین بن محمد بن الفضل بن یعقوب بن یوسف بن سالم بن الازرق القطان
یہ دراصل متوث کے رہنے والے تھے۔ متوث قرقوب اور کورا ہواز کے درمیان ایک شہر
کا نام ہے[1]۔

۳۳۵ھ میں پیدا ہوئے اسمٰعیل بن صفار، محمد بن یحییٰ بن عمر بن علی بن حرب، ابوعمرو
السماک، احمد بن سلمان النجاد، عبداللہ بن جعفر درستویہ، ابوالحسین بن مانی الکوفی اور جعفر
خلدی وغیرہم سے حدیث کی روایت کی۔ کثیر الحدیث اور ثقہ تھے۔ انھوں نے بغداد کے
ایک بہت بڑے محلہ دار قطن میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

۳ ماہ رمضان پیر دار کی رات نصف شب کے وقت ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔ اور
باب الدیر کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

(تاریخ بغداد: ۲: ۲۴۹ - ۲۵۰؛ المنتظم: ۸: ۲۰؛ شذرات الذہب: ۳: ۲۰۳)

۱۶۔ ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی

نورالدین شربیہ نے طبقات الصوفیہ پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں انھوں نے ان کے
مفصل حالات دیئے۔ یہاں صرف ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

ان کا نام ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین بن محمد بن موسیٰ السُّلمی ہے سُلمی نسبت عربوں کے مشہور
قبیلہ بنی سُلیم کی طرف ہے۔ دراصل یہ خود تو بنی سُلیم میں سے نہ تھے۔ مگر انھوں نے ۳۲۵ھ میں
اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے نانا ابوعمرو اسمٰعیل بن نجید کے پاس پرورش پائی تھی اور
وہ بنی سُلیم میں سے تھے۔ مزید برآں وہ صاحبِ ثروت اور ذی اثر لوگوں میں سے تھے۔ اس
لئے یہ بھی سُلمی مشہور ہو گئے۔

---

(۱) اللباب: ۳: ۹۶۔

ابو عبدالرحمٰن ۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اکثر تنگدست رہتے تھے۔ مگر اس کے باوجود بیٹے کی ولادت پر کچھ سامان بیچ کر جو رقم ملی اُسے فقراء میں تقسیم کیا۔

ابو عبدالرحمٰن کے والد اپنے زمانے کے جلیل القدر صوفی، صاحب مجاہدہ اور زاہد گزرے ہیں۔ اُن کی والدہ بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق صوفیہ تھیں۔ چنانچہ جب ابو عبدالرحمٰن کے پیر ابوالقاسم نصر آبادی حج کو جانے لگے تو انھوں نے اپنی والدہ سے ان کے ہمراہ جانے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت والدہ نے کہا۔

بیٹا! تم اللہ کے گھر کی طرف جا رہے ہو۔ لہٰذا خبردار رہنا کہ تمہارے دونوں محافظ فرشتے کوئی ایسی بات لکھنے نہ پائیں جس کی وجہ سے تمہیں روز قیامت شرمندہ ہونا پڑے۔

ابو عبدالرحمٰن نے چھوٹی عمر میں ہی حدیث لکھنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ۳۳۳ھ میں ابو بکر الضبعی (م ۳۴۲ھ) سے جو اپنے وقت میں نیشاپور کے مشہور عالم اور محدث تھے۔ حدیث لکھی۔ نیشاپور کے علماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ طلب علم کی غرض سے وطن سے نکلے۔ اور عراق، رَے، ہمدان، مرو اور حجاز وغیرہ کا سفر کیا۔ تاکہ وہاں کے علماء سے حدیث لکھیں۔ اور شیوخ کی ملاقات کریں۔

نورالدین شریبہ نے اُن کے ۲۸ اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف چار کا ذکر کیا جاتا ہے

۱۔ ابوالحسن دارقطنی (م ۳۸۵ھ) یہ اپنے عہد کے بہت بڑے محدث تھے۔

۲۔ ابو نصر سراج (م ۳۷۸ھ)۔ مصنف کتاب اللمع۔ مشہور صوفی ہوئے ہیں۔

۳۔ ابوالقاسم النصر آبادی (م ۳۶۷ھ)۔ اپنے وقت کے مشہور صوفی ہیں۔

۴۔ ابو عمرو بن نجید (م ۳۶۶ھ) ابو عبدالرحمٰن کے نانا اور صوفی ہوئے ہیں۔

سُلمی کے شاگرد نورالدین شریبہ نے ان کے ۲۳ شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف چند نام پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری۔

۲۔ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی۔ مشہور محدث ہیں۔ پیدائش ۳۸۴ھ میں اور وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی۔

۳۔ ابو بکر احمد بن علی الشیرازی المتوفی ۴۸۷ھ

۴۔ ابو محمد عبداللہ بن یوسف الجوینی۔ یہ ابو المعالی امام الحرمین والد ہیں ۴۳۸ھ میں وفات پائی۔

۵۔ ابو سعید فضل اللہ بن ابی الخیر المتوفی ۴۴۰ھ

۶۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم المتوفی ۴۰۵ھ

تصانیف سُلمی کی والدہ اپنے والد ابو عمرو بن نُجید کی واحد وارث تھیں۔ انھیں جائیداد کے علاوہ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی ورثہ میں ملا تھا۔ سُلمی نے اس کتب خانہ سے فائدہ اٹھایا اور چھوٹی عمر میں ہی تصنیف کا کام شروع کر دیا۔ اُن کی پہلی تصنیف تقریباً ۳۵۰ھ میں منصۂ شہود پر آئی۔ نورالدین شُریبہ نے اُن کی ۶۹ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

نورالدین شُریبہ نے قابل داد محنت کے ساتھ مقدمہ لکھا ہے۔ اس کے باوجود سُلمی کے تین اہم اساتذہ کے نام رہ گئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) ابو عمرو جعفر بن محمد بن مطر

(۲) ابو طاہر الاسفرائنی

(۳) محمد بن احمد بن طاہر الصوفی

سُلمی نے ۳ر شعبان ۴۱۲ھ میں وفات پائی۔

۱۷۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ الطہمانی النیشاپوری المعروف بابن البیع۔ بیع (سودا کرانے والا) اس شخص کو کہتے ہیں جو خریدار اور بیچنے والے کے درمیان واسطہ بن کر سامان وغیرہ کی خرید و فروخت کرا دیتا ہے۔ اور جسے ہمارے ہاں دلال کہا جاتا ہے چونکہ اُن کے والد کاروان سراؤں میں دلالی کا کام کیا کرتے تھے۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہو گئے اور کچھ عرصہ تک قاضی کے عہدہ پر فائز رہنے کی وجہ سے حاکم کے نام سے مشہور ہوئے۔

ابو عبداللہ الحاکم ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد نے انھیں حدیث سنائی۔ جب نو سال کی عمر ہوئی تو انھوں نے خود حدیث کی سماعت شروع کر دی۔ طلب حدیث میں بہت سے سفر اختیار کئے۔ اور تقریباً دو ہزار شیوخ سے حدیث سنی۔ ان کے

والد نے امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) کو دیکھا ہے۔ ان کے اساتذہ میں ابوعلی الحسین بن علی بن یزید بن داود النیشاپوری الحافظ (م ۳۴۹ھ) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ اُن کی صحبت سے حاکم کو بہت فائدہ پہنچا۔ ان سے دارقطنی (م ۳۸۵ھ)، ابو الفتح بن ابی الفوارس (م ۴۱۲ھ)، ابو ذر الہروی (م ۴۳۴ھ)، ابو یعلی الخلیلی (م ۴۴۶ھ)، ابوبکر البیہقی (م ۴۵۸ھ) ابو القاسم قشیری اور دیگر لوگوں نے روایت کی۔

ابوبکر خطیب لکھتے ہیں کہ حاکم ثقہ تھے۔ مگر ان میں تشیع کی طرف میلان پایا جاتا تھا۔ یہ صالح اور عالم تھے۔ حاکم کے زمانہ کے سرکردہ علماء مثلاً ابو سہل صعلوکی، امام ابن فورک اور دیگر ائمہ سب انھیں اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ اور ان کا احترام کرتے تھے۔ سبکی نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان پر تشیع کا الزام درست نہیں ہے۔

حاکم نے پانچ سو کے قریب تصانیف کیں۔ جن میں زیادہ مشہور مستدرک اور تاریخ نیشاپور ہے۔ مستدرک میں حاکم نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ انھوں نے اس میں وہ احادیث جمع کی ہیں جو بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہیں۔ مگر لوگوں نے اس کتاب کی بہت سی ایسی احادیث نکالی ہیں۔ جو بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔ بعض احادیث کو علماء نے موضوع قرار دیا ہے۔ ذہبی نے مستدرک کی شرح لکھی ہے۔ ان میں تشیع کی صرف اتنی بات پائی جاتی تھی۔ کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالفین کے مخالف تھے مگر شیخین کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ ان کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ یہ حمام میں غسل کرنے کے لئے گئے۔ غسل کر کے باہر آئے اور ابھی تہمد ہی باندھا تھا۔ اور قمیص نہ پہنی تھی۔ کہ آہ کہا اور جان دے دی۔ ان کی وفات ۴۰۵ھ میں ہوئی۔ اور ابوبکر حیری (م ۴۲۱ھ) نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۵: ۴۷۳-۴۷۴؛ المنتظم: ۷: ۲۷۴-۲۷۵؛ اللباب: ۱: ۲۶۲؛ دول الاسلام: ۱: ۱۷۷؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۲۷-۲۳۳؛ طبقات الشافعیہ: ۳: ۶۴؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۵۵؛ شذرات الذہب: ۳: ۱۷۶-۱۷۷؛ الاعلام: ۷: ۱۰۱ اور وہ مراجع جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے؛ معجم المؤلفین: ۱۰: ۲۳۸ اور مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۸۔ ابن باکویہ محمدؒ بن عبداللہ بن عبیداللہ الشیرازی

ابو عبد اللہ محمد بن عبید اللہ الشیرازی المعروف بہ ابن باکویہ۔ باکوُ شروان کے قریب ایک شہر کا نام ہے جس کی طرف ان کا دادا منسوب ہوتا تھا۔ ابن باکویہ اپنے زمانے کے کبار صوفیہ میں سے تھے۔ یہ محمدؒ بن خفیف (م ۳۷۱ھ) کی صحبت میں رہے۔ حدیث کی تلاش میں سفر اختیار کئے۔ اور فارس، البصرہ، جرجان، خراسان، بخارا، دمشق، کوفہ اور اصفہان میں کثرت سے حدیث سنی اور ابو احمد بن عدی، قطیعی اور اس طبقہ کے دیگر لوگوں سے حدیث کی روایت کی۔ ابو صالح مؤذن کہتے ہیں۔ کہ میں نے ان کے اجزاء کو دیکھا ہے۔ مگر مجھے ان میں سماع کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔ ان میں زیادہ تر حکایات ہی پائی جاتی ہیں۔ انھوں نے ۴۲۸ھ میں وفات پائی

(ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: اللباب ۱: ۹۱ ؛ لسان المیزان ۵: ۲۳۰ ۔ ۲۳۱ ؛ شذرات الذہب ۳: ۲۴۲)

۱۹۔ محمدؒ بن یوسف السہمی

ابو سعید محمد بن یوُسف بن ابراہیم بن موسیٰ السہمی القزاز۔ انھوں نے ابو بکر اسمٰعیلی، ابو احمد بن عدی، ابو بکر القرامی اور جرجان کے دیگر لوگوں سے روایت کی اور نیشاپور کے لوگوں میں سے اسمٰعیل بن محمد، ابن مطر، ابو الحسن سراج اور اس طبقہ کے دیگر لوگوں سے۔ یہ حمزہ بن یوسف سہمی کے بھائی تھے۔ ان کا بیٹا ابو الحکیم رضی بن محمد بن یوسف کے نام مشہور رہیں۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ جرجان: ۴۰۵

یاد رہے کہ ابن العماد نے محمدؒ بن یوُسف الجرجانی ابو زرعۃ الکشی (م ۳۹۰ھ) نامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے۔ مگر وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

۲۰۔ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد بن عبداللہ البغدادی التمیمی

ابو منصور تمیمی امام کبیر تھے۔ فقہ، اصولِ فقہ، فرائض، حساب اور علم کلام میں لاثانی تھے

خراسان کے بیشتر لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ انھوں نے ابو عمرو بن نجید، ابو عمرو محمد بن جعفر بن مطر، ابو بکر اسماعیلی اور ابو بکر بن مادی وغیرہم سے حدیث سنی۔ یہ سترہ قسم کے علوم کا درس دیا کرتے تھے۔ اپنے باپ ابو عبد اللہ طاہر (م ۳۴۳ھ) کے ہمراہ نیشا پور آئے۔ مگر ترکمانوں کے فتنہ کی وجہ سے یہ نیشا پور چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ جب نیشا پور آئے تھے تو بہت مالدار تھے۔ اہل علم اور اہل حدیث پر اسقدر روپیہ خرچ کیا کہ خود مفلس ہو گئے۔ استاد ابو اسحٰق سے علم حاصل کیا۔ پھر بعد میں انھیں انہی کی جگہ املاء حدیث کے لئے بٹھایا گیا۔ اور کئی سال تک حدیث لکھاتے رہے۔ بڑے بڑے اماموں نے ان کی شاگردی کی۔ ترکمانوں کے فتنہ میں اسفرائن چلے گئے تھے۔ اور وہیں ۴۲۵ھ میں وفات پائی۔ اور اپنے استاد ابو اسحٰق کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۳۸-۲۴۲ ؛ الاعلام: ۴: ۱۷۳ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ معجم المولفین: ۵: ۳۰۹

قشیری کے اساتذۂ حدیث میں سے مندرجہ ذیل کے حالات معلوم نہ ہو سکے

۱۔ ابو نعیم احمد بن محمد بن ابراہیم المہرجانی

۲۔ عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد الوہاب العدل۔

۳۔ ابو سعید محمد بن ابراہیم الاسماعیلی۔ اس خاندان کے دوسرے افراد یہ ہیں: ابو بکر احمد بن محمد بن اسمٰعیل بن اسحٰق الاسماعیلی البخاری (م ۳۸۴ھ) ؛ ابو نصر محمد بن احمد بن احمد ابراہیم (م ۴۰۵ھ) (اللباب: ۱: ۴۹) اور ان کے بھائی ابو بکر احمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل الاسماعیلی (م ۳۷۰ھ یا ۳۷۱ھ)۔ یہ جرجان کے حفاظ حدیث میں سے تھے۔

ان کے علاوہ وہ اساتذہ ہیں جن سے قشیری نے اقوال صوفیہ اور حکایات و کرامات کی حکایت کی ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۲۱۔ ابو حاتم سجستانی

اس نام سے بہت دھوکا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک ابو حاتم سجستانی (م ۲۵۰ھ) قشیری کے

زمانے سے بہت پہلے گذرے ہیں۔ قشیری نے انھیں کہیں ابو حاتم صوفی کہیں محمد بن احمد الصوفی ا
کہیں محمد بن احمد بن یحییٰ لکھا ہے۔ جس سے گمان گذرتا ہے کہ شاید یہ متعدد اشخاص کے نام ہیں
بالآخر تاریخ بغداد (۵ : ۱۳۵) اور تلبیس ابلیس (صفحہ : ۳۹۰) سے معلوم ہوا کہ یہ ایک ہی شخص ہیں
یہ حافظِ حدیث اور امام فقہ تھے۔ ابو نصر سراج کے مرید تھے۔

۲۲۔ ابو الحسن محمد بن الحسین العلوی

ابو الحسن محمد بن الحسین بن داؤد العلوی الحسینی النیشاپوری۔ یہ سادات کے شیوخ میں سے
تھے۔ انھوں نے ابو حامد الشرقی، محمد بن اسمٰعیل المروزی اور اس طبقہ کے دیگر لوگوں سے روایت
کی۔ یہ بزرگ اور صالح انسان تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ میں نے ان کی خاطر مجلس املاء منعقد کی
اور ان کے لئے ایک ہزار حدیث کا انتخاب کیا۔ ان کی مجلس میں ایک ہزار دواتوں کا استعمال
ہوتا تھا۔ ان کی وفات اچانک ۴۰۱ھ میں ہوئی۔

(شذرات الذہب : ۳ : ۱۶۲)

قشیری کے دیگر اساتذہ جن کے حالات معلوم نہ ہو سکے یہ ہیں :

۱۔ عبد الرحمٰن بن یوسف الاصفہانی۔ یہ عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی کے بھائی تھے۔

۲۔ ابو الفرج شیرازی ۳۔ احمد بن محمد ۴۔ احمد بن یحییٰ ابیوردی۔

۵۔ رستم شیرازی ۶۔ محمد بن علیہ الصوفی ۷۔ منصور مغربی

قشیری کے تلامذہ

علمی دنیا میں انسانی خوش بختی کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر ایک طرف اس
کے اساتذہ بلند پایہ شخصیتیں ہوں تو دوسری طرف اس کے تلامذہ بھی ایسے ہی نکلیں۔ قشیری کو قدرت
کی طرف سے یہ عطیہ بھی ملا تھا۔ چنانچہ ان کے تلامذہ بھی عظیم المرتبہ ہستیاں ہوئے ہیں۔

۱۔ ابوبکر خطیب بغدادی

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت ابن احمد بن مہدی الخطیب البغدادی جمعرات ۲۴ جمادی الآخرہ سنہ ۳۹۱ھ میں پیدا ہوئے گیارہ سال کی عمر میں انھوں نے حدیث سننی شروع کردی تھی۔ بغداد ہی میں نشو و نما پایا۔ پہلے قرآن مجید اور قراءتوں کا علم پڑھا۔ قاضی ابوطیب طبری (م سنہ ۴۵۰ھ) اور ابوالحسن المحاملی (م سنہ ۴۱۵ھ) سے علم فقہ پڑھا اور بغدادیوں سے کثرت سے حدیث سنی۔ پھر بصرہ گئے۔ اس کے بعد نیشاپور، اصفہان، ہمدان اور جبال گئے۔ اور پھر واپس بغداد آ گئے۔

مکہ میں انھوں نے قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ القضاعی (م سنہ ۴۵۴ھ) سے حدیث سنی۔ اور کریمہ بنت احمد (م سنہ ۴۶۳ھ) سے پانچ دن میں صحیح بخاری پڑھی۔ درب ریحان میں خطبہ دینے کی وجہ سے خطیب کے لقب سے مشہور ہوئے۔

خطیب بغدادی کی ذہانت

ابوبکر خطیب ابوالقاسم بن مسلمہ الوزیر کے منظورِ نظر تھے۔ جب خیبر کے یہودیوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی تحریر ہے جس میں آپؐ نے انھیں جزیہ معاف کر دیا تھا، تو وزیر نے وہ تحریر ابوبکر خطیب کو دکھائی۔ خطیب نے اس تحریر پر سرسری سی نظر ڈال کر کہا: یہ تحریر جعلی ہے۔ وزیر نے اس کا ثبوت مانگا تو جواب دیا: اس تحریر میں معاویہ بن ابی سفیان کی گواہی ثبت ہے۔ حالانکہ وہ جنگ خیبر کے زمانہ تک ایمان نہ لائے تھے۔ خیبر کی جنگ سنہ ۷ھ میں ہوئی۔ اور معاویہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ اس دستاویز میں دوسرے گواہ حضرت سعد بن معاذ ہیں۔ حالانکہ وہ خیبر کی فتح سے پہلے غزوۂ خندق کے سال (سنہ ۵ھ) فوت ہو چکے تھے۔ یہ سُن کر لوگوں کو اُن کی ذہانت پر تعجب ہوا۔

سنہ ۴۵۰ھ میں جب بغداد میں ابوالحارث ارسلان الترکی المعروف بہ بساسیری (م سنہ ۴۵۱ھ) کا فتنہ بپا ہوا تو یہ بغداد سے نکل کر دمشق چلے آئے۔ اور وہاں جامع دمشق کے مشرقی منارہ کے قریب مقیم رہے۔ اور ایک روز انھوں نے وہاں حضرت عباسؓ کے فضائل بیان کئے تو فاطمیوں کے پیرو برانگیختہ ہو گئے۔ اور قریب تھا کہ انھیں مار ڈالیں مگر شریف زینبی نے انھیں پناہ دی

دمشق میں اُن کا مکان دار العقیقی میں تھا۔

دمشق سے نکل کر یہ صُور چلے گئے۔ اور وہاں ابوعبداللہ محمد بن علی الصوری (م ۴۴۱ھ) کی تصانیف سے جو اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ بہت سی احادیث لکھیں۔ یہ کتابیں انھوں نے صوری کی بیوی سے مستعار لی تھیں۔ ۴۶۲ھ میں یہ شام میں رہے۔ پھر بغداد چلے آئے۔ اور جو احادیث اس سفر میں سنی تھیں۔ یہاں آکر بیان کیں۔

ان کی ایک سو کے قریب تصانیف ہیں۔ جن میں تاریخ بغداد زیادہ مشہور ہے۔

انھوں نے ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔ اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اس وقت کے جلیل القدر علماء نے اُن کی نعش کو اٹھانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور ابو اسحٰق شیرازی (م ۴۷۶ھ) نے بھی اس میں حصّہ لیا۔

شیخ ابوبکر بن زہراد نے بشر حافیؒ کے پڑوس میں اپنے لئے ایک قبر تیار کر رکھی تھی اور اس میں کئی ہزار بار قرآن مجید ختم کیا جا چکا تھا۔ ان سے درخواست کی گئی اور وہ رضامند ہو گئے کہ اس میں خطیب کو دفن کر دیا جائے۔

ابوبکر خطیب کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: وفیات الاعیان: ۱: ۷۶ - ۷۷؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۱۲ - ۳۲۱؛ دُوَل الاسلام: ۱: ۱۹۹؛ المنتظم: ۸: ۲۶۵ - ۲۷۰؛ البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۰۱ - ۱۰۳؛ شذرات الذہب: ۳: ۳۱۱ - ۳۱۲؛ الاعلام: ۱: ۱۶۶؛ معجم المؤلفین: ۲: ۳-۴ اور وہ حوالہ جات جو وہاں دیئے گئے ہیں۔

۲۔ ابو ابراہیم اسمٰعیل بن حسن العلوی

انھوں نے قشیری سے حدیث سنی اور ۵۳۱ھ میں وفات پائی۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق معلوم نہ ہو سکا۔ (معجم البلدان: ۲: ۱۲۳)

۳۔ ابو محمد اسمٰعیل بن ابی القاسم الغازی النیشاپوری

یہ ابو القاسم قشیری کے شاگرد اور خادم تھے۔ صوفی اور صالح آدمی تھے۔ انھوں نے

نے ابوالحسین عبدالغافر اور ابوحفص بن مسرور سے روایت کی۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ انھوں نے تمام صحیح مسلم کی روایت کی ہے۔ بانوے سال کی عمر میں ۵۳۱ھ میں وفات پائی
(شذرات الذہب : ۴ : ۹۷)

۴۔ سلمان بن ناصر ابوالقاسم الانصاری

ابوالقاسم سلمان بن ناصر بن عمران الانصاری النیشاپوری العلامہ۔ یہ شافعی المذہب اور متکلم تھے۔ امام الحرمین کے بھی شاگرد رہے ہیں۔ صوفی اور زاہد تھے۔ قشیری کے مُرید اور شاگرد تھے۔ انھوں نے حدیث کی روایت ابوالحسین عبدالغافر فارسی سے کی۔ کئی تصانیف کے مالک ہیں۔

ابن شہبہ کہتے ہیں کہ یہ فقہ، علم کلام اور تفسیر کے امام تھے۔ زاہد و پرہیزگار تھے۔ کتابیں نقل کر کے روزی کماتے اور لوگوں سے میل جول رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ امام الحرمین کی کتاب الارشاد کی شرح لکھی۔ اور کتاب الغنیہ تصنیف کی۔ آخر عمر میں ان کی بینائی کمزور ہو گئی تھی۔ اور قدرے شنوائی بھی کم ہو گئی تھی۔

انھوں نے ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب : ۴ : ۳۴)

۵۔ ابوبکر شاہ بن احمد الشادیاخی الصوفی

شادیاخ نیشاپور کے قریب ایک بستی کا نام ہے جو شہر سے ملی ہوئی تھی۔ اور وہاں سُلطان کا محل ہوا کرتا تھا۔ ابوبکر یہیں کے تھے۔ یہ صوفی اور دیندار تھے۔ عرصہ تک ابوالقاسم قشیری کی خدمت کرتے رہے اور اسی وجہ سے مشہور ہوئے۔ ان سے قشیری کے نواسے عبدالغافر فارسی نے روایت کی ہے ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔ (اللباب : ۲ : ۳)

۶۔ ابومحمد عبدالجبار بن محمد بن احمد الخُواری

خواری نسبت ہے خوار کی طرف اور خوار رَےّ میں ایک شہر کا نام ہے۔ یہ شافعی

مذہب کے مفتی اور نیشاپور کی جامع مسجد کے امام تھے۔ انھوں نے امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور بیہقی اور قشیری اور دیگر لوگوں سے حدیث سُنی۔ اکانوے سال کی عمر میں ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۴: ۱۱۳)

۷۔ ابوبکر عبدالرحمٰن بن عبداللہ البحیری

بحیری نسبت ہے۔ بحیر کی طرف اور بحیر ابوبکر کا ایک دادا تھا۔ انھوں نے قشیری اور احمد بن منصور المغربی (م ۴۵۹ھ) سے روایت کی۔ ستاسی سال کی عمر میں ۵۴۰ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۴: ۱۲۵-۱۲۶ اللباب: ۱: ۱۰۰-۱۰۱)

۸۔ ابو محمد عبداللہ بن عطاء الابراہیمی

ابو محمد عبداللہ بن عطاء بن عبداللہ بن ابی منصور بن الحسن بن ابراہیم الابراہیمی الہروی الخبّاز الواعظ۔ انھوں نے ہراۃ میں عبداللہ بن محمد الانصاری (م ۴۸۱ھ) اور عبداللہ الملیحی (م ۴۷۱ھ) بعمر چھہتر سال) سے روایت کی۔ بوشنج میں ابوالحسن داوٗدی (م ۴۶۷ھ) سے، نیشاپور میں ابوالقاسم قشیری اور متعدد دیگر لوگوں سے کی۔ بغداد میں ابن النقور (م ۴۷۰ھ) اور ان کے طبقہ کے دیگر لوگوں سے اور اصفہان میں عبدالوہاب بن مندہ (م ۴۷۵ھ) اور عبدالرحمٰن بن مندہ (م ۴۷۰ھ) سے انھوں نے اپنے ہاتھ سے بہت سی احادیث لکھیں اور شیوخ کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ ان سے ابو محمد سبط الخیاط (م ۵۴۱ھ)، ابن الزعفرانی (م ۵۲۶ھ) اور ابوالمعالی بن النحاس (م ۵۶۳ھ بعمر ترانوے سال) نے روایت کی۔

ایک جماعت نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان میں سے مؤتمن ساجی (م ۵۰۷ھ) زشہردار الدیلمی (م ۵۵۸ھ) کہتے ہیں کہ یہ صدوق حافظ اور متقن تھے۔ اور وعظ میں خوب ملکہ حاصل تھا۔ ہبۃ اللہ السقطی (م ۵۰۹ھ) نے ان پر جرح کی ہے مگر چونکہ سقطی خود مجروح ہیں۔ اس لئے ان کی جرح مقبول نہیں۔ ابن السمعانی (م ۵۶۲ھ) اور ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) اور دیگر لوگوں نے سقطی کے قول کو مردود قرار دیا ہے۔

ان کی وفات مکہ سے واپسی پر بصرہ سے دو دن کی مسافت پر ٤٧٦ھ میں ہوئی۔
(شذرات الذہب: ٣: ٣٥٢-٣٥٣؛ اللباب: ١: ٨١)

١٠٩- ابو عبداللہ الفُراوی

ابوعبداللہ محمد بن الفضل بن احمد الصاعدی الفُراوی النیشاپوری۔ فراوہ[٢] خوارزم کے قریب ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جو رباط فراوہ کے نام سے مشہور تھا۔ اسے عبداللہ بن طاہر نے مامون (م ٢١٨ھ) کے عہد میں بسایا تھا۔

انھوں نے فارسی (م ٤٤٨ھ) سے صحیح مسلم کی روایت کی ہے۔ انھیں مسند خراسان اور فقیہ حرم کہا جاتا تھا۔ شافعی المذہب، مفتی اور مناظر تھے۔ مدت تک امام الحرمین کی صحبت میں رہے۔

قاضی ابن شہبہ فرماتے ہیں: انھیں فقیہ الحرم اس لئے کہا گیا کہ یہ مدت دراز تک حرمین میں رہے۔ اور لوگوں کو حدیث سناتے، علم پھیلاتے اور وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ انھوں نے علم اصول اور علم تفسیر قشیری سے حاصل کیا، اور امام الحرمین سے فقہ کی تعلیم لی۔

انھوں نے کثیر التعداد لوگوں سے حدیث سنی۔ مگر صحیح مسلم کی خصوصیت سے روایت کی ہے۔

ابن سمعانی فرماتے ہیں: یہ امام، مفتی، مناظر، واعظ اچھے اخلاق و معاشرت والے تھے۔ سخی تھے۔ اور اجنبیوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک ہزار سے زائد مجالس میں حدیث لکھائی ہے۔ چنانچہ بعض نے "الفراوی" کی یوں توجیہ بیان کی ہے کہ یہ "اَلفُ راوِیْ" ہے۔ یعنی ایک ہزار راوی۔ تقریباً بیس سال تک لوگوں کو صحیح مسلم سناتے رہے۔

نوّے سال کی عمر میں ٥٣٠ھ میں وفات پائی۔ اور محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کی قبر کے پاس دفن کئے گئے۔

عجیب اتفاق کی بات یہ ہے کہ جس سال ان کی وفات ہوئی اس سال رمضان کے مہینہ میں

---

(١) شذرات الذہب میں عبداللہ الفزاوی چھپا ہے۔ درست ابوعبداللہ ہے (٢) اللباب: ٢، ٢٠٠

انھیں نصر آباد میں امام مسلم بن حجاج کی قبر پر لے جایا گیا۔ اور وہاں اُن کی قبر پر صحیح مسلم کی قرأت مکمل ہوئی قرأت سے فارغ ہو کر خود بھی روئے۔ اور لوگوں کو بھی رلایا اور کہا کہ شاید اس کے بعد یہ کتاب نہ پڑھا سکوں۔ چنانچہ اسی سال شوال میں ان کی وفات ہوئی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: المنتظم : ۹ : ۶۵-۶۶ و البدایہ والنہایہ : ۱۲ : ۲۱۱ ز شذرات الذہب : ۴ : ۹۶ ; معجم المؤلفین : ۱۱ : ۱۳۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے

۱۰۔ عبدالوہاب بن شاہ ابی الفتوح الشاذیاخی النیشاپوری

یہ تاجر تھے۔ انھوں نے قشیری سے رسالہ سنا۔ ابوسہل حفصی سے صحیح بخاری اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ انھوں نے ماہ شوال ۵۳۵ھ میں وفات فرمائی۔

(شذرات الذہب : ۴ : ۱۰۷)

۱۱۔ ابو علی فضل بن محمد الفارمدی

ابو علی الفضل بن محمد بن علی الشیخ الزاہد الفارمدی۔ فارمد طوس کے علاقے میں ایک بستی کا نام ہے۔ اسی کی طرف یہ نسبت ہے۔ ابن الاثیر اور ابن سمعانی نے انھیں لسان خراسان اور شیخ خراسان کہا ہے۔ جامی اور ابن عبدالغافر نے انھیں شیخ الشیوخ کہا ہے۔ ۴۰۷ھ میں پیدا ہوئے یہ شافعی مذہب کے عالم، سلف کے مذاہب سے واقف اور بعد کے آنے والوں کے طریقہ سے باخبر تھے۔ تصوف ان کا خاص فن تھا۔ اسی میں پرورش پائی اور اسی کے ساتھ مالوف ہوئے۔

انھوں نے الغزالی الکبیر، ابوعثمان الصابونی (م ۴۴۹ھ) وغیرہما سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ تا آنکہ خود درجہ اجتہاد کو پہنچے۔ ابومنصور التمیمی، ابوحامد الغزالی الکبیر، ابوعبدالرحمٰن النیلی اور ابوعثمان صابونی وغیرہم سے حدیث سنی۔ ان سے عبدالغافر فارسی، عبداللہ بن الخرگوشی، عبداللہ بن محمد الکوفی العلوی اور ابوالخیر جامع الشفاء وغیرہم نے حدیث سنی۔

یہ اپنے زمانہ کے شیخ تھے۔ وعظ میں ان کا منفرد طرز تھا۔ اور ان کا کلام دلوں پر اثر کرتا تھا۔ نیشاپور آئے۔ اور ابوالقاسم قشیری کی صحبت میں رہے۔ اور انتہا درجہ کی ریاضت کی۔

قشیری بھی ان سے بہت مہربانی سے پیش آتے تھے۔ اور اُن کی رہبری کرنے میں کبھی بخل نہ کرتے تھے۔ ان کی تعظیم کیا کرتے۔ انھوں نے مدرسہ میں کئی طرح خدمت کی۔ اور سالہا سال ذکر میں گذار دیئے۔ مجاہدہ کرتے کرتے ان پر لوامع الانوار منکشف ہو گئے۔ اور اپنے زمانے کے مشہور و معروف لوگوں میں سے ہوئے۔

اس کے بعد یہ طوس واپس چلے گئے۔ اور ابو القاسم گورگانی کی صحبت میں رہے۔ اور اُن کی دامادی کا شرف حاصل کیا۔ انھوں نے ابو الحسن خرقانی سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔

ابو علی فارمدی دوبارہ نیشاپور آئے۔ اور وہاں مجالس قائم کیں۔ نظام الملک اُن کی حد سے زیادہ تعظیم کیا کرتا تھا۔ اسی طرح الصاحب اسمٰعیل بن عباد بھی اس طرح اُن کی خدمت کرتا کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ اُن کے پاس مختلف ممالک سے صوفیاء آیا کرتے تھے۔ اور انھیں لسان الوقت کہا جاتا تھا۔

حجۃ الاسلام ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) اور دیگر ائمہ ان کی صحبت میں رہے۔ ان کی اولاد کے تمام افراد عالم، زاہد اور فاضل تھے۔ ان کے یہ نام ہیں:

ابو المحاسن علی، ابو الفضل محمدؒ اور ابو بکر عبد الواحد

ابو علی کی وفات طوس میں ماہ ربیع الآخر ۴۷۷ھ میں ہوئی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: اللباب ۲: ۱۹۱ ؛ طبقات الشافعیۃ ۴: ۹-۱۰ ؛ نفحات الانس طبع لاہور ۴۱۹ ؛ کشف المحجوب : ۲۱۱ ؛ شذرات الذہب ۳: ۳۵۵۔

۱۲۔ محمدؒ بن محمدؒ الخزیمی

ابو الفتح محمد بن محمد بن علی بن الفضل الخزیمی۔ خزیمی نسبت ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) کی طرف ہے۔ جن کی اولاد میں بہت سے فضلا اور محدث ہوئے۔ (اللباب ۱: ۳۷۰-۳۷۱)

خزیمی ۵۰۰ھ میں بغداد آئے۔ اور وہاں انھوں نے ابو القاسم قشیری اور ان کے طبقہ

کے دیگر لوگوں سے حدیث بیان کی۔ اور وہاں وعظ بھی کیا۔ شیریں گفتار اور ملیح البیان تھے۔
ابن الجوزی لکھتے ہیں۔ کہ میں انکی مجالس میں حاضر ہوا ہوں۔ اور مجھے ان کی کچھ باتیں یاد بھی ہیں بلکہ یہ اکثر و بیشتر بیکار و من گھڑت باتیں کیا کرتی تھیں[1]
ان کی وفات رَے میں ۵۱۲ھ میں ہوئی اور انھیں ابراہیم خواص کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت انھیں سخت بے چینی لاحق ہوئی۔ جب اس کا سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا: اللہ کے پاس جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

(المنتظم: ۹: ۲۲۱- ۲۲۲)

قشیری کی اولاد

انسان کی تیسری خوش بختی یہ ہوتی ہے کہ اس کی بیوی اور اولاد سب صالح اور فاضل و عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قشیری کو اس سے بھی وافر حصہ عطا کر رکھا تھا۔

فاطمہ بنت ابی علی دقاق

یہ قشیری کی بیوی تھیں۔ ابو علی دقاق نے ان کی اچھی طرح تربیت کی تھی۔ اور زیورِ علم سے آراستہ تھیں۔ انھوں نے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے ان کے بیٹوں، ان کی بیٹی امۃ الکریم اور نواسے عبدالغافر نے کی۔
اس زمانے میں مردوں کے دوش بدوش بعض عورتیں بھی روایت حدیث میں سرگرمی سے حصہ لیتی تھیں چنانچہ امۃ الواحد بنت القاضی ابی عبد اللہ الحسین المحاملی (م ۳۷۷ھ) اور امۃ السلام بنت القاضی احمد بن کامل بن شجرۃ البغدادیۃ (م ۳۹۰ھ) زکریتہ بنت ا...

---

(۱) ابن الجوزی نے خزیمی کی مجلس میں حاضر ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ خزیمی کی اکثر و بیشتر باتیں بیکار اور من گھڑت ہوتی تھیں۔ حالانکہ ابن الجوزی ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور خزیمی ۵۱۲ھ میں بغداد آگئے پھر ملاقات کیسی۔ مزید برآں خزیمی کی وفات ابن الجوزی کے اپنے قول کے مطابق ۵۱۲ھ میں ہوئی بھلا تین یا چار سال کا بچہ بڑوں کی باتوں کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ یہ بھی اس صورت میں جب یہ فرض کر لیا جائے کہ خزیمی آخر عمر تک بغداد میں رہے ورنہ ابن الجوزی کی ان سے ملاقات خود ایک من گھڑت بات ہے۔

دم ۴۶۳ھ بعمر ایک سو سال) یہ صحیح بخاری کی راویہ تھیں۔ انہی سے خطیب بغدادی نے پانچ دن میں صحیح بخاری پڑھی تھی: فاطمہ بنت علی بن المظفر بن دعبل البغدادیۃ الاصل النیشاپوریہ، دم ۵۳۲ھ بعمر ننانوے سال) اور فاطمہ بنت الحسن بن علی الاقرع دم ۴۸۰ھ) چوٹی کی رواۃ حدیث میں سے ہوئی ہیں۔

قشیری کی بیوی فاطمہ بڑی قدر منزلت والی، عالی اسناد والی اور اپنے زمانے کی عابدہ عورتوں میں سے تھیں۔ انھوں نے ابو نعیم اسفرائنی، علوی، حاکم اور کئی اور لوگوں سے حدیث کی روایت کی ہے نوے سال کی عمر میں ۴۸۰ھ میں وفات پائی۔

قشیری کی ساری اولاد انہی کے بطن سے تھی۔ ان کے بطن سے چھ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

ابو سعد عبد اللہ بن عبد الکریم القشیری

ابو سعد عبد اللہ قشیری کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ۴۱۳ھ یا ۴۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے قاضی ابو بکر حیری دم ۴۲۱ھ) اور دیگر لوگوں سے روایت کی۔ ابن الاہدل دم ۸۵۵ھ) نے انھیں الامام الکبیر البارع لکھا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ان میں وہ اوصاف پائے جاتے تھے جو شاذ و نادر ہی کسی انسان میں پائے جاتے ہیں زبان میں طاقت کہاں کہ ان کے اوصاف بیان کر سکے۔ ان سے ان کے بھانجے عبد الغافر بن اسمٰعیل الفارسی نے روایت کی ہے۔

ان کے والد ان کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور ان سے اسی طرح پیش آتے جس طرح وہ اپنے معاصرین سے پیش آیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ ان کے وہ اوصاف تھے جو ان میں پائے جاتے تھے۔

یہ اپنے والد کے ہمراہ بغداد آئے۔ اور وہاں قاضی ابو الطیب اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ اُن کے متعلق سبکی لکھتے ہیں:

کان اماماً کبیراً جید القریحۃ لہ النصیب الوافر والحظ الجلیل من

التصوف اصولیا نحویا وکان رضیع ابیہ فی العلم ثقۃ

چونسٹھ سال کی عمر میں ۴۶۵ھ میں وفات پائی، اور ان کی والدہ ان کے بعد تین سال تک زندہ رہیں۔ (طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۰۶ اور شذرات الذہب: ۳: ۳۵۴)

۲۔ ابوسعید عبدالواحد

ابوسعید رکن الاسلام کے لقب سے مشہور تھے۔ ۴۱۸ھ میں امام الحرمین کی پیدائش سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے۔ انھوں نے علم و عبادت کے ماحول میں پرورش پائی۔ ہر وقت قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

انھوں نے نیشاپور، رَی، بغداد اور ہمدان میں اپنے والد، ابوالحسن علی بن محمد الطرازی (م ۴۲۲ھ) ز ابوسعد عبدالرحمن بن حمدان البصروی، ابو حسان محمد بن احمد بن جعفر المزکی، قاضی ابوالحسن الماوردی اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ اور ان سے ان کے بیٹے ہبۃ الرحمن اور ابوطاہر السنجی وغیرہ نے۔ جو احادیث انھوں نے طرازی سے سنیں۔ وہ سماع باحضور ہے۔ کیونکہ اس وقت اُن کی عمر تقریباً چار سال تھی۔

ابن العماد نے انھیں "صالح عالم اور کثیر الفضل" لکھا ہے۔ ناصر السنۃ فرماتے ہیں: یہ اپنی فضیلت، ذات اور حال کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے۔ اور حقیقت و شریعت میں مشائخ کی یادگار تھے۔ ۴۸۰ھ میں دوبارہ حج کے لئے گئے۔ پھر نیشاپور پہنچ کر علیحدگی اختیار کر لی۔ اور عبادت میں لگ گئے۔ ۴۹۴ھ میں وفات پائی۔ اور اپنے مدرسہ میں اپنے باپ اور نانا کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

عبدالغافر لکھتے ہیں: یہ ہر جمعہ کی رات مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں مجلس املاء قائم کرتے۔ پہلے ایک حدیث بیان کرتے پھر اس کے متن پر بحث کرتے۔ مشکل عبارات کی تشریح کرتے۔ معانی کا استنباط کرتے۔ اور تقریر کو حکایات اور اشعار کے ساتھ دلچسپ بناتے تھے۔

(طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۸۴-۲۸۵ شذرات الذہب: ۳: ۴۰۱)

۲۔ عبدالرحمٰن بن عبدالکریم القشیری

ابو منصور عبدالرحمٰن بن عبدالکریم القشیری۔ یہ عمدہ سیرت والے، پرہیزگار اور فاضل تھے انھوں نے اپنی تمام عمر عبادت میں صرف کر دی اور سارا وقت خلوت میں گذارا۔ اپنے والد سے کثرت سے حدیث سنی۔ نیز ابو حفص عمر بن احمد بن مسرور، ابو سعید زاہر بن محمد بن عبداللہ الشحامی وغیرہما سے حدیث سنی۔ اپنے والد کے ہمراہ بغداد آئے۔ اور وہاں قاضی ابو الطیب، الماوردی اور ابو بکر محمد بن عبدالملک بن بشران وغیرہم سے حدیث سنی۔ پھر سنہ ۴۷۳ھ میں بغداد آئے۔ اور وہاں حدیث کی روایت کی۔ ان سے ابو القاسم سمرقندی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ پھر نیشاپور چلے آئے۔ اور سنہ ۴۸۰ھ میں والدہ کی وفات تک وہیں رہے۔ پھر دوبارہ حج کے لئے گئے۔ اور مکہ میں مقیم ہو گئے۔ اور وہیں سنہ ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔ یہ سنہ ۴۲۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

(طبقات الشافعیہ: ۳: ۲۲۳)

۴۔ ابو نصر عبدالرحیم بن عبدالکریم القشیری

یہ قشیری کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ ان کی پیدائش تقریباً سنہ ۴۳۹ھ میں ہوئی۔ پہلے اپنے والد سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد ابو المعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی، المشہور بامام الحرمین (م سنہ ۴۷۸ھ) اور دیگر علماء سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے باپ، ابو عثمان الصابونی، ابو بکر بیہقی اور ابو القاسم زنجانی وغیرہم سے خراسان، عراق اور حجاز میں حدیث سنی۔ اور پھر حدیث کی کثرت سے روایت کی۔ ان سے ان کے نواسے ابو سعد عبداللہ بن عمر الصفار، محمد بن محمد بن علی الہمدانی، ابو الفتوح الطائی۔ (م سنہ ۵۵۵ھ) وغیرہم نے حدیث کی روایت کی۔ آخری شخص جس نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وہ ان کے نواسے ابو سعد الصفار[1] ہیں۔

---

[1] ابو سعد عبداللہ بن عمر الصفار سنہ ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اٹھانوے سال کی عمر میں سنہ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے اپنے نانا سے چار برس کی عمر میں ہی حدیث سننا شروع کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو طبقات الشافعیہ: ۵: ۵۰۔ ۵۹۔

عبدالغافر فارسی نے انھیں، امام الائمۃ وحبرالامۃ وبحر العلوم لکھا ہے۔ ان کی شکل اپنے والد سے بہت ملتی جلتی تھی۔ ان کے والد نے ان کی تربیت میں بڑی دلچسپی لی اور انھیں بچپن ہی میں عربی زبان سے لگاؤ ہو گیا تھا، تا آنکہ انھوں نے اس میں کمال حاصل کیا اور نظم ونثر میں مہارت حاصل کر لی۔ نیز اپنے والد سے علم اصول اور تفسیر کا وافر حصہ حاصل کیا۔ ان کے اوصاف میں ایک خاص بات یہ تھی کہ یہ بہت سرعت کے ساتھ لکھا کرتے تھے۔ اور ایک دن میں کئی اوراق لکھ ڈالتے۔ اور انھیں کوئی دقت نہ پیش آتی تھی۔

اپنے والد کی وفات کے بعد امام الحرمین کی مجلس میں چلے گئے۔ اور صبح وشام ان کے درس اور صحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ مذہب میں ان کا طرز اختیار کر لیا۔ امام الحرمین بھی ان کی اسقدر تعظیم کرتے کہ بیشتر اوقات ان کے پاس گذارتے اور علم الفرائض وغیرہ میں حساب کے مسئلوں میں ان سے مدد لیتے۔

حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ یہاں ان کے لئے مجلس قائم کی گئی۔ اور بغداد کے لوگ ان کا فضل وکمال دیکھ کر ان کے گرویدہ ہو گئے۔ یہاں انھیں اسقدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ان سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوئی ہو گی۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا۔ خواص بھی جن میں فقیہ عراق ابو اسحٰق شیرازی بھی شامل ہیں۔ ان کی تعظیم کے لئے ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ حج سے واپسی پر پھر بغداد آئے تو ان کی مقبولیت پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اور لوگوں نے ان کا ساتھ دینے میں اسقدر تعصب برتا کہ فتنہ بپا ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ یہ دوبارہ حج کو چلے گئے۔ مگر جب واپس آئے۔ تو ان کی مقبولیت کا وہی عالم تھا اور فتنہ کا خطرہ اسی طرح قائم تھا۔ اس پر نظام الملک نے انھیں اصفہان بلالیا۔[1]

---

(۱) بغداد میں حنابلہ کے ساتھ ابو نصر قشیری کے جھگڑوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المنتظم: ۸: ۳۰۶۔ ۳۰۸ و ۳۱۲ و ۹: ۲۰ - ۲۲۱ ؛ البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۸۷ ؛ وفیات الاعیان: ۲: ۷۷؛ طبقات الحنابلہ: ۲: ۲۳۹ ؛ ذیل طبقات الحنابلہ: ۱: ۱۹-۲۲ اور شذرات الذہب: ۴: ۷۵ اور ۳: ۳۱۳

آخری ایام میں ان کا میلان حدیث کی روایت کی طرف زیادہ ہو گیا تھا۔ اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ یہ حدیث کی ایک یا دو مجلسیں قائم نہ کریں۔ سبکی لکھتے ہیں کہ ابونصر قشیری کے لئے عظمت کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام الحرمین نے خود اپنی کتاب "نہایہ" کی کتاب الوصیۃ میں ان سے مسائل نقل کئے ہیں۔

آخر عمر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور زبان بند ہو گئی۔ صرف قرآن مجید کی آیات یا ذکر کے الفاظ ادا کر سکتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں پچاس ہزار شعر یاد تھے۔ گوشہ نشینی کو پسند کرتے تھے۔ جوینی خاندان کے خاتمہ پر جب انھیں رئیس بنا دیا گیا تو انھیں محفلوں میں جانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

انھوں نے ۲۸ جمادی الآخرہ ۵۱۴ھ میں وفات پائی اور شیخ الشیوخ کے رباط میں اُن کا تعزیتی جلسہ ہوا[1]۔

عبدالرحمٰن بن محمد البوشنجی (م ۵۴۶ھ) اور محمد بن عبدالکریم الشہرستانی (م ۵۴۸ھ) مصنف الملل و النحل ان کے شاگردوں میں سے تھے۔

ابونصر اپنے زمانے کے بہت بڑے امام، مناظر، مفسر، ادیب، علامہ اور متکلم تھے۔ انھیں شعر گوئی میں لطیف ملکہ حاصل تھا۔ اور علوم و فنون میں مہارت رکھنے میں اپنے والد سے مشابہت رکھتے تھے۔

انھوں نے بعض مسائل میں اپنے والد سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اُن کے والد اس بات کے قائل تھے کہ اولیاء اللہ سے ہر قسم کی کرامات واقع ہو سکتی ہیں۔ مگر انھوں نے اپنے والد سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی کتاب "المرشد" میں لکھا ہے کہ بہت سی کرامات اولیاء اللہ سے واقع نہیں ہو سکتیں[2]۔

---

(۱) المنتظم ۹: ۲۲۱؛ شذرات الذہب ۴: ۴۵ (۲) شرح رسالہ از زکریا انصاری
۱: ۱۵۳؛ راقم کے نزدیک ابو نصر اپنے باپ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔

۵۔ عبید اللہ بن عبد الکریم القشیری

عبید اللہ القشیری صوفی، فاضل اور عابد تھے۔ طریقت میں اُن کی تصانیف ہیں۔ وفات تک اسفرائن میں مقیم رہے۔

انھوں نے اپنے والد، عبد الغافر فارسی اور ابو عثمان سعید بن محمد البحیری[1]، ابو حفص بن مسرور وغیرہم سے حدیث سُنی۔

سنہ ۵۲۱ھ میں وفات پائی۔

(طبقات الشافعیہ ۴/۱: ۲۶۹ - ۲۷۰)

۶۔ ابو المظفر عبد المنعم[ُ] بن عبد الکریم القشیری

ابو المظفر قشیری سنہ ۴۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ستاسی برس کی عمر میں سنہ ۵۳۲ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے اپنے باپ، ابو عثمان سعید بن محمد البحیری (م سنہ ۴۵۱ھ)، احمد بن الحسین بن علی الخسرو جردی البیہقی (م سنہ ۴۵۸ھ) ابو القاسم یوسف بن محمد بن احمد المہروانی (م سنہ ۴۶۸ھ)، ابو سعید محمد عبد الرحمن الکنجرودی نیشاپوری (م سنہ ۴۵۳ھ) ابو صالح احمد بن عبد الملک المؤذن النیشاپوری الحافظ (م سنہ ۴۷۰ھ) اور النہ نجانی سعد بن علی بن محمد شیخ الحرم الشریف (م سنہ ۴۷۱ھ) سے حدیث کی روایت کی۔

اپنے والد کے بعد اپنے بھائی ابو نصر کی معیت میں حج کا سفر کیا۔ تو بغداد میں ابو الحسین بن النقور (م سنہ ۴۷۰ھ) اور ابو نصر الزینبی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ پھر مکہ پہنچ کر حدیث سنی۔ پھر کئی بار بغداد آئے۔ اور وہاں کے لوگوں میں سے عبد الوہاب انماطی (م سنہ ۵۳۸ھ) اور مبارک بن کامل الخفاف وغیرہ نے ان سے حدیث کی روایت کی۔ پھر نیشاپور لوٹ آئے۔ اور بیس سال تک حدیث کی روایت کرتے رہے۔

---

(۱) طبقات الشافعیہ میں ہر جگہ البحتری چھپا ہے۔ درست البحیری ہے۔

ابن الجوزی (۵۱۰ھ تا ۵۹۷ھ) نے ان سے بالاجازہ روایت کی ہے

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ ۴: ۱۳۴۵ تا ۱۳۴۸؛ ۳: ۱۳۴۵ تا ۱۳۴۹؛ المنتظم ۱۰: ۶۵؛ البدایہ والنہایہ ۱۲: ۲۱۳؛ شذرات الذہب ۴: ۹۹ اور طبقات الشافعیہ ۴: ۲۶۴

۷۔ امۃ الکریم بنت عبد الکریم القشیری

امۃ الکریم نے اپنے والد اور والدہ فاطمہ بنت ابی علی دقاق سے روایت کی ہے اور اُن سے اُن کے بیٹے عبد الغافر بن اسمٰعیل فارسی نے۔

امۃ الکریم کے خاوند ابو عبد اللہ اسمٰعیل بن ابی الحسین عبد الغافر بن محمد الفارسی ثم النیشاپوری بھی محدث تھے۔ انھوں نے ابو حیان المزکی عبد الرحمٰن بن حمدان النصروی اور اُن کے طبقہ کے دیگر لوگوں سے حدیث کی روایت کی۔ اکاسی برس کی عمر میں ۵۳۰ھ وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۴: ۸۰)

قشیری کی اولاد کا بیان نامکمل رہ جائے گا۔ اگر ہم یہاں ان کے پوتے، پڑپوتے اور ایک نواسے کا ذکر نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ وہ بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

۸۔ ابو سعد ہبۃ الرحمٰن بن عبد الواحد بن ابی القاسم القشیری

یہ نیشاپور کے خطیب تھے۔ اور مسند مانے جاتے تھے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ اپنے دادا کے درس میں بیٹھا کرتے تھے۔ اور انہی ایام میں سماعت حدیث بھی شروع کر دی تھی۔ اپنی دادی فاطمہ، یعقوب بن احمد الصیرفی اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ انھوں نے بڑی کتابوں کی روایت کی ہے مثلاً صحیح بخاری اور مسند ابو عوانہ۔

انھوں نے ستاسی سال کی عمر میں ۵۴۶ھ میں وفات پائی۔

(شذرات الذہب ۴: ۱۴۰-۱۴۱)

۹۔ ابو خلف عبد الرحمٰن بن ہبۃ الرحمٰن بن عبد الواحد بن عبد الکریم القشیری النیشاپوری

ابو خلف عبد الرحمٰن ۴۹۳ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد کی وفات پر نیشاپور

کے خطیب مقرر ہوئے۔ یہ نابینا تھے۔ پارسا اور عالم تھے۔ اور وعظ کرنے میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے عبد الغفار الشیروی اور اسمٰعیل بن عبد الغافر اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی۔ اور ان سے عبد الرحیم بن السمعانی نے روایت کی۔

عاشورہ کے دن ۵۵۹ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

(طبقات الشافعیہ: ۴: ۲۴۹)

۱۰۔ عبد الغافر بن اسمٰعیل بن عبد الغافر الفارسی الحافظ

ابو الحسن عبد الغافر الفارسی ۴۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حدیث اور عربی کے امام تھے۔ پہلے قرآن مجید پڑھا اور ابھی ان کی عمر پانچ سال کی تھی۔ کہ انھیں فارسی زبان میں اعتقادات کی تلقین کی گئی۔ امام الحرمین ابو المعالی جوینی (م ۴۷۸ھ) مصنف نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب سے علم فقہ پڑھا اور چار سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ انھوں نے اپنے نانا ابو القاسم القشیری، اپنی نانی فاطمہ، اپنے ماموں ابو سعید اور دوسرے ماموں ابو سعد، اپنے والد ابو عبد اللہ اسمٰعیل اور اپنی والدہ امۃ الکریم سے کثیر تعداد میں احادیث سنیں۔ نیز دیگر لوگوں سے کثرت سے حدیث روایت کی۔

ان سے ابو سعد عبد اللہ بن عمر (۵۰۸ھ تا ۶۰۰ھ) نے روایت کی۔ اور ابو القاسم علی بن الحسن الدمشقی المعروف با بن العساکر (۴۹۹ھ تا ۵۷۱ھ) نے ان سے بالاجازہ روایت کی ہے۔

علم کی تحصیل کے بعد یہ سفر و سیاحت کے لئے نکلے۔ اور خوارزم آئے جہاں ان کی ملاقات وہاں کے فضلاء سے ہوئی۔ اور ان کے لئے مجالس وعظ قائم کی گئیں۔ خوارزم سے غزنہ گئے اور وہاں سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ ان تمام ممالک میں انھوں نے حدیث کی روایت کی اور لوگ ان کے علم سے فیضیاب ہوئے۔ اس طویل سفر کے بعد نیشاپور لوٹ آئے۔ اور وہاں خطیب مقرر کئے گئے۔ ہر دوشنبہ کے دن نماز عصر کے وقت مسجد عقیل میں کئی سال تک احادیث لکھاتے رہے۔ اور متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ المفہم لشرح غریب مسلم۔

۲- السیاق لتاریخ نیشاپور- انہیں اس کتاب کی تالیف سے ۵۱۸ھ میں فراغت ہوئی

۳- غریب الحدیث میں مجمع الغرائب لکھی

انھوں نے اٹھتر سال کی عمر میں ۵۲۹ھ میں وفات پائی۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، وفیات الاعیان: ۲: ۳۹۱-۳۹۲ ز شذرات الذہب: ۴: ۹۳ اور تذکرۃ الحفاظ: ۴: ۶۸-۶۹۔

یاد رہے کہ تذکرۃ الحفاظ میں عاش ثمانیا وتسعین سنۃ چھپا ہے۔ اسے عاش ثمانیا وسبعین سنۃ پڑھیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

منگل ۲۷ رجمادی الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۶۹ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعریف کا حق صرف اس خدا کو حاصل ہے جو اپنے جلال ملکوت، کے ساتھ منفرد ہے۔ اور اپنے جمالِ جبروت کے ساتھ یکتا ہے۔ جو اپنی احدیت کی بلندی کے ساتھ سربلند ہے۔ اپنی صمدیت کی بلندی کے ساتھ پاک اور اپنی ذات میں اس امر سے بلند و بالا ہے کہ کوئی نظیر بھی اس کے مشابہ ہو سکے۔ اور اپنی صفات میں ہر طرح کی انتہا اور کمی سے منزّہ ہے۔ اس کی صفات ایسی ہیں۔ جو اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور آیتیں ناطق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو عزیز ہے۔ جسے نہ کوئی حد محدود کر سکتی ہے، نہ عدد نہ کوئی غایت اسے محصور کر سکتی ہے اور نہ کوئی اس کا ممد و معاون ہے۔ اس کی نہ کوئی اولاد ہے جو اسے جوڑا بنا سکے، نہ عدد جو جمع بنا سکے۔ نہ اس کا کوئی مکان ہے جو اس پہ حاوی ہو اور نہ زمان۔ کوئی فہم، اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا اور نہ کوئی وہم اس کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔ وہ اس بات سے بھی بلند ہے کہ یہ کہیں کہ وہ کیسا ہے؟ یا یہ کہیں کہ وہ کہاں ہے؟ نہ یہ کہنا روا ہے کہ اس نے اپنی صنعت گری سے زینت حاصل کر لی۔ اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ اس نے اپنے فعل سے اپنی ذات سے نقص اور عیب کو دُور کر دیا ہے، کیونکہ اس کی تو کوئی مثال ہی نہیں ہو سکتی۔ وہ سمیع اور بصیر ہے اس پر کوئی انسان غالب نہیں آ سکتا! اور وہ خبیر اور قدیر ہے۔

میں ان امور پر، جو اللہ تعالیٰ صادر کرتا ہے اور ان عطیوں پر جن کو وہ دیتا ہے، اس کی تعریف کرتا ہوں اور ان تکالیف پر جنھیں وہ دُور کرتا ہے۔ بس اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس پر میرا بھروسہ ہے۔ اور اسی میں قانع ہوں۔ میں اس پر بھی راضی ہوں کہ جو کچھ وہ چاہے دے اور جو چاہے نہ دے۔ میں اس شخص کی طرح جو اللہ کی وحدانیت پہ

یقین رکھتا ہے۔ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس کی حسن تائید کی پناہ چاہتا ہوں۔ نیز یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اور منتخب امین ہیں۔ اور اللہ کے ایسے رسول ہیں جنھیں اللہ نے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا ہے۔ اللہ اپنی رحمت ان پر اور ان کی آل پر بھیجے جو تاریکی کے چراغ ہیں۔ نیز آپ کے اصحاب پر جو ہدایت کی کنجیاں ہیں۔ اللہ ان پر بکثرت رحمت وسلام بھیجے۔

یہ ایک رسالہ ہے، جسے اللہ کے محتاج بندے عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے ۴۳۷ھ میں اسلامی ممالک کے صوفیاء کی جماعت کی طرف لکھ کر روانہ کیا۔

اما بعد۔ اللہ تم سے راضی ہو۔ اللہ نے اس جماعت کو اپنے برگزیدہ اولیاء میں سے گردانا ہے۔ اور انھیں رسولوں اور انبیاء کے بعد اپنے تمام بندوں پر فضیلت دی ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلام ان پر ہوں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو اپنے اسرار کا معدن بنایا ہے۔ اور انھیں امت میں بلند ہونے والے انوار کے ساتھ مختص کیا ہے یہی لوگ مخلوقِ خدا کے فریاد رس ہیں۔ اور عام احوال میں اللہ کی مدد سے حق پر قائم ہیں۔ اللہ نے انھیں بشری کدورتوں سے پاک کر رکھا ہے۔ اور چونکہ اللہ نے اپنی احدیت کے حقائق کی تجلّی ان پر ڈال رکھی ہے اور انھیں بندگی کے آداب پر کاربند رہنے کی توفیق دی ہے۔ اور انھیں دکھا دیا ہے کہ احکامِ ربوبیّت کس طرح جاری ہوتے ہیں۔ اس لئے انھیں اللہ نے ایسے بلند مقامات تک پہنچا دیا ہے۔ جہاں سے وہ مشاہدات کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا وہ ان فرائض کو جو اُن پر عائد ہوتے ہیں۔ پابندی سے ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور انھیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کیا کیا ردوبدل کرتا رہتا ہے۔ باوجود اس کے وہ اپنی حاجات کے لئے خلوصِ دل اور انکساری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں لیکن جو اعمال ان سے ظاہر ہوتے ہیں وہ جو کچھ احوال کی صفائی ان کے اندر پیدا ہو چکی ہوتی ہے اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اس لئے کہ انھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے

کوئی مخلوق اس کے خلاف حکم نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہی اس پر کسی کا حق ہے۔ اگر ثواب دے تو یہ اس کی عنایت کی ابتدا ہے اور اگر سزا دے تو یہ اس کا منصفانہ حکم ہے۔ اور اللہ کا حکم قطعی حکم ہے۔

تمہیں معلوم ہو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ کہ صوفیاء کی جماعت کے محققین تو بیشتر ختم ہو چکے ہیں۔ اور اب صرف ان کا نشان ہی نشان باقی رہ گیا ہے۔ ان کی مثال اس شعر کی مصداق ہے۔

أَمَّا الْخِيَامُ فَإِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ ۔۔۔ وَأَرَىٰ نِسَاءَ الْحَيِّ غَيْرَ نِسَائِهَا

ان کے خیمے تو بعینہٖ ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں، جیسے کہ محبوب کے لوگوں کے خیمے دکھائی دیتے تھے۔ مگر قبیلہ کی عورتیں ان خیموں کی عورتوں جیسی نہیں دکھائی دیتیں۔

طریقت میں خلا پیدا ہو گیا ہے! نہیں بلکہ درحقیقت طریقت مٹ چکی ہے جن شیوخ سے لوگ ہدایت پاتے تھے، گذر چکے ہیں۔ اور اب وہ نوجوان بھی کم پائے جاتے ہیں جو ان شیوخ کے اخلاق و سیرت کی پیروی کرتے تھے۔ پرہیزگاری جاتی رہی اور اس کی چادر لپیٹ لی گئی اور لالچ بڑھ گیا۔ اور اس کی طنابیں مضبوط ہو گئیں۔ لوگوں کے دلوں سے شریعت کا احترام اُٹھ گیا۔ چنانچہ انھوں نے دین سے لاپرواہی برتنے کو نہایت مضبوط ذریعہ بنا لیا۔ حلال و حرام میں تمیز کرنا چھوڑ دیا۔ اور شریعت کی بے حرمتی کرتے اور بے حیائی کو اپنا شعار بنا لیا۔ لوگ عبادات کے ادا کرنے کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کی نعوذ باللہ اہانت کرتے ہیں۔ غفلت کے میدان میں گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اور اپنی خواہشات کی تابعداری میں لگے ہوئے ہیں۔ منع کئے ہوئے امور کے کرنے میں ان لوگوں کو کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ بازاری لوگوں، عورتوں اور شاہی ملازمین سے مال لے کر استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ لوگ اس قسم کی بداعمالیوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر حقائق اور احوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم تو طوقِ غلامی کو اُتار کر آزاد ہو چکے ہیں۔ اور ان حقائق کو پا چکے ہیں جو واصل باللہ لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ حق پر قائم ہیں۔ اور حق کے احکام ان پر جاری ہوتے ہیں۔ وہ تو محو ہو چکے ہیں

جو چاہیں وہ کریں یا نہ کریں۔ اللہ انھیں عتاب و ملامت نہیں کرتا۔ نیز یہ کہ ان کے لئے احدیت کے تمام اسرار کھول دیئے گئے ہیں۔ اور وہ اپنی ذات سے کلیتہً الگ ہو چکے ہیں۔ بشریت کے احکام ان سے زائل ہو چکے ہیں اور وہ اپنی ذات سے فنا ہو جانے کے بعد انوارِ صمدیت میں باقی ہیں۔ لہٰذا جب وہ کلام کرتے ہیں تو درحقیقت کوئی اور ان کی طرف سے کلام کرتا ہے، اور جن امور میں وہ تصرف کرتے ہیں۔ تو کوئی اور ان کی نیابت کرتا ہے۔

جب میں نے دیکھا کہ آج کل اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش طول پکڑ چکی ہے جس کا تھوڑا سا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ اور میں ان کی باتوں کے انکار میں اس حد تک زبان کو کھولنے والا نہ تھا۔ مگر مجھے اس بات پر غیرت آئی۔ کہ اہلِ طریقت کو برائی سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور مخالفین ان پر نکتہ چینی کئے جانے سے لطف اٹھاتے ہیں۔ اس طریقہ کے مخالفین اور انکار کرنے والوں کی وجہ سے ان ممالک میں سخت مصیبت کا سامنا ہے۔ میں امید کرتا تھا کہ اس خلاء کے اسباب معدوم ہو جائیں گے۔ نیز ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر ان لوگوں کو تنبیہہ کر دیں جو اس طریقہ کے آداب کو ضائع کر کے افضل و اعلیٰ راہ سے بھٹک رہے ہیں لیکن جب دن بدن معاملہ مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا۔ اور ہمارے معاصرین نے اپنی عادت کے مطابق اس ملک میں سرکشی اور زیادہ کر دی وہ جس بات کے پیچھے لگے ہیں اس نے انھیں اور زیادہ دھوکے میں ڈال دیا تو مجھے خطرہ لاحق ہوا۔ کہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ طریقت کے قواعد کی بنیاد ہی انہی امور پر ہے۔ اور ان کے اسلاف بھی اسی قسم کی روش اختیار کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا میں نے یہ رسالہ لکھ کر آپ لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ میں نے اس میں طریقت کے چند شیوخ کے حالات درج کئے ہیں۔ ان کے آداب اخلاق اور معاملات کا ذکر کیا ہے اور ان عقائد کا ذکر کیا ہے جو اہلِ طریقت کے دلوں کے متعلق یہ لوگ رکھتے ہیں۔ وجد کی ان کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ جن کی طرف ان بزرگوں نے اشارہ کیا ہے۔ نیز یہ کہ ان بزرگوں کی ابتدا سے انتہا تک ترقی کرنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے میرا مقصد یہ ہے کہ یہ رسالہ طالبانِ طریقت کے لئے قوت کا باعث بنے اور آپ لوگ

میرے حق میں گواہی دیں کہ میں نے اس طریقہ کی تصحیح کر دی ہے مجھے اس شکایت کے بیان کر دینے سے تسکین حاصل ہے۔ اور اللہ کی طرف سے میرے لئے عنایات وثواب ہیں۔ اس کتاب میں میں جو کچھ ذکر کروں گا اس کے لکھنے میں اللہ کی مدد چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے غلطی سے بچائے۔ میں اس سے مغفرت اور مدد کا طالب ہوں۔ وہی مہربانی کرنے کے لائق ہے اور جس بات کو چاہتا ہے، کرنے پر قادر ہے۔

فصل: مسائل اُصول کے بارے میں صوفیائے کے عقائد کا بیان

تمہیں معلوم ہو! اللہ تم پر رحم کرے!

کہ اس جماعت کے جس قدر شیوخ گذرے ہیں، انھوں نے تصوف کے قواعد کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے۔ اور انھوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے محفوظ رکھا ہے۔ ان قواعد کی پیروی کی ہے جن پر انھوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے یعنی ایسی توحید جس پر نہ (فرقۂ ممثلہ)[۱] کی تمثیل اور نہ (فرقۂ معطلہ) کی تعطیل پائی جاتی ہے۔ اور انھوں نے قدم کے حق کو پہچانا ہے۔ اور انھیں یہ بات تحقیقی طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ موجود کی کیا صفتیں ہیں۔ اور معدوم کی کیا؟ اس لئے اس طریقت کے سردار جنید[۲] فرماتے ہیں کہ:

قِدم کو حدوث سے علیحدہ رکھنے کا نام توحید ہے۔ صوفیاء نے اپنے عقائد کے اصولوں کو واضح دلائل اور روشن شواہد کے ساتھ مستحکم کر رکھا ہے۔ چنانچہ ابو محمد[۴] الجریری فرماتے ہیں: "جس شخص کو شواہد توحید میں سے کسی شاہد کے بغیر علم توحید حاصل ہوا۔ وہ پھسل کر ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑا" (الجریری)، کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص تقلید کی طرف مائل ہوا اگر وہ توحید کے دلائل پر غور نہیں کرتا تو وہ راہِ نجات سے پھسل کر ہلاکت کی قید میں جا پڑے گا۔

چنانچہ جس شخص نے ان کے الفاظ پر غور کیا۔ اور ان کے کلام کی چھان بین کی۔ وہ ان کے سارے اقوال و متفرقات میں ایسی باتیں پائیگا جن پر غور کرنے سے اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ لوگ تحقیق کرنے میں ایک قدم بھی پیچھے نہیں رہے۔ اور نہ ہی اس کی تلاش کرنے میں انھوں نے کوتاہی کی۔

ہم اس فصل میں اختصار کے ساتھ ان کے ان متفرق اقوال کا ذکر کریں گے جن کا تعلق اصولی مسائل کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہم ترتیب وار مختصر طور پر ان امور کا ذکر کریں گے جن میں ایسی باتیں شامل ہوں گی جن کی اعتقادیں ضرورت پڑتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن[۸] سلمی رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا، انھوں نے عبداللہ[۷] بن موسیٰ سلامی کو کہتے سنا، انھوں نے ابو بکر[۸] شبلی کو کہتے سنا۔

"خدائے وحدہٗ لاشریک ہر قسم کی حدود یعنی جہالت اور حروف یعنی اصوات سے پہلے واحد معروف ہے"۔

شبلیؒ کا صریح بیان ہے کہ خدائے قدیم کی ذات کی نہ کوئی حد ہے نہ اس کے کلام کے حروف ہیں۔

میں نے حاتم[۸] صوفی کو کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو نصر[۹] طوسی کو کہتے ہوئے سنا کہ کسی شخص نے رویمؒ[۱۰] سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر سب سے پہلے کس امر کو فرض قرار دیا؟ فرمایا:۔ معرفت کو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ "میں نے جن اور انس کو صرف عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے"۔

ابن[۱۱] عباس فرماتے ہیں کہ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ سے مراد اِلَّا لِيَعْرِفُوْنِ ہے۔ (تاکہ وہ میری معرفت حاصل کریں) کیونکہ عبادت پر معرفت بداہتہً مقدم ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں:۔ حکمت کے عقدوں میں سے پہلی چیز جس کی بندے کو ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مصنوع اپنے صانع کو پہچانے اور یہ کہ محدث یہ معلوم کرے کہ اُسے کس طرح پیدا کیا گیا۔ اس طرح اسے خالق کی صفات اور مخلوق کی صفات میں فرق معلوم ہو جائے گا اور خالق و مخلوق کی صفات، نیز قدیم و حادث کی صفات کی معرفت اسے حاصل ہو جائے گی اور وہ اس کے بلانے پر اس کے سامنے عاجزی کرے گا۔ اور اس کی اطاعت کے واجب ہونے کا اعتراف کرے گا۔ اس لئے کہ جو اپنے مالک کو نہیں پہچانتا، اسے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔

محمدؒ[۱۲] بن حسین نے مجھ سے کہا کہ میں نے محمد بن عبداللہ[۱۳] الرازی سے سنا وہ فرماتے ہیں

کہ میں نے ابو الطیب المراغی سے سنا وہ فرماتے تھے۔
رہنمائی کرنا عقل کا کام ہے اشارہ کرنا حکمت کا اور گواہی دینا معرفت کا۔ چنانچہ عقل رہنمائی کرتی ہے، حکمت اشارہ کرتی ہے۔ اور معرفت اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ عبادات کی صفائی توحید کی صفائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی

جنیدؒ کے نزدیک توحید کی تعریف

جنیدؒ سے کسی نے توحید کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

کمال احدیت کے ساتھ اس کی وحدانیت کو حق جان کر اللہ کو ایک فرد یکتا جاننا۔ وہ ایسا ایک ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ خود کسی سے پیدا ہوا۔ اس کا نہ کوئی مد مقابل ہے، نہ کوئی مثل اور نہ کوئی ہم شبہ۔ بغیر اس کے کہ اس کی کوئی تشبیہہ یا کیفیت یا صورت یا مثال بیان کی جائے، اس جیسا کوئی نہیں، وہ سمیع و بصیر ہے۔

محمد بن احمد بن محمد یحییٰ صوفی نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن علی تمیمی صوفی حسین بن علی بن دامعانی کے متعلق بیان کرتے تھے کہ ابوبکر زاہر آبادی سے کسی نے "معرفت" کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔

معرفت ایک اسم ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ دل کے اندر ایسی تعظیم پائی جائے جو تجھے (خدا کو) صفات سے معطل سمجھنے یا کسی کو اس کے مشابہ سمجھنے سے روکے۔

بوشنجیؒ کی تعریف

ابوالحسن[1] بوشنجیؒ فرماتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ تو اللہ کو کسی ذات کے مشابہ نہ جانے۔ اور نہ ہی تو اسے صفات سے معطل خیال کرے

حسین بن منصور کی تعریف

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے ہم سے بیان کیا، کہا:۔ میں نے محمد[2] بن محمد بن غالب کو کہتے سنا۔ فرماتے کہ میں نے ابو نصر احمد[3] بن سعید الاسفنجانی کو کہتے سنا۔ فرماتے تھے کہ حسین[4] بن منصور فرماتے تھے "اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام اشیاء کا حادث ہونا لازم قرار دیا ہے۔ کیونکہ قدیم ہونے کی صفت تو صرف اللہ کے لئے ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس چیز کا ظہور بذریعہ جسم ہوتا ہے اس کے لئے عرض کا ہونا ضروری ہے۔ جس کا اجتماع ساز و سامان کے ساتھ ہو گا اس کے

تو ملی اسے پکڑے ہوئے ہوں گے۔ جسے وقت نے جمع کیا ہے۔ اسے وقت ہی جدا کریگا۔
جس کے وجود کا قیام ہی کسی اور پر موقوف ہو اسے ضرورت لاحق ہوگی (اور دوسرے کا
محتاج رہے گا)۔ جس پر وہم فتح پائے اس کی تصویر ممکن ہے۔ جو کسی محل میں پناہ گزین ہو وہ
"این" کے ادراک میں ہے۔ جس چیز کی جنس ہوگی اس کا طالب کیفیت کا مالک ہوگا۔ البتہ
اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نہ تو "فوق" کے زیر سایہ ہے اور نہ تحت کے ماتحت ہے، نہ
کوئی حد اس کا مقابل ہے، نہ کسی میں اس کی مزاحمت کی طاقت نہ آگے پیچھے کا اس پر
اطلاق ہو سکتا ہے۔ نہ اس سے پہلے کوئی تھا جس نے اسے ظاہر کیا ہو۔ اور نہ ہی بعد میں
پیدا ہونے والی اشیاء اس کی نفی کر سکتی ہیں۔ "کل" کا لفظ اس کو جمع نہیں بنا سکتا اور نہ ہی کان
کا لفظ اس کو وجود میں لایا۔ اور نہ "لیس" کی مناسبت سے فقدان سے دوچار ہوا۔ اس
کے اوصاف کی کوئی صفت نہیں اور نہ ہی اس کے افعال کی کوئی علت ہے۔ اس کے وجود
کی کوئی انتہا نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ مخلوق کے تمام احوال سے منزہ اور پاک ہے۔ نہ تو اس کا
مزاج مخلوق کا سا ہے اور نہ اسے اپنے افعال میں تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ اللہ
تعالیٰ قدیم ہونے میں مخلوق سے اسی طرح جدا ہے جس طرح مخلوق حادث ہونے میں اس
سے جدا ہے۔ اگر اس کے متعلق لفظ "متی" (کب) سے سوال کیا جائے (تو یہ سوال
غلط ہوگا اس لئے کہ وجود باری تعالیٰ وقت کے وجود سے پہلے موجود ہے۔ اور اگر
"ہو" کا لفظ استعمال کریں (تو یہ بھی غلط ہوگا) کیونکہ دونوں حرف "ھ" اور "و" اس کی پید
کی ہوئی ہیں۔ اور اگر "این" کہہ کر سوال کریں (تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوگا) کیونکہ اللہ کا وجود
خود اس کا ثبوت ہے۔ اس کی معرفت یہ ہے کہ اس کو واحد جانیں۔ اور اسے واحد
جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اسے اس کی مخلوق سے ممتاز و الگ رکھیں جو تصور اور وہم میں
آئے اللہ تعالیٰ اس سے مختلف ہے۔ جن اشیاء کو اللہ نے شروع کیا وہ اللہ پر کیسے وارد ہو
سکتی ہیں۔ یا جن کو اللہ نے پیدا کیا وہ اللہ پر کیسے لوٹ کر آ سکتی ہیں۔ نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی
ہیں اور نہ ظن اس کے بالمقابل ٹھہر سکتا ہے۔ اس کے قریب ہونا باعث عزت ہے۔
اور اس سے دوری ذلت۔ اس کی بلندی اس طرح نہیں کہ وہ اوپر کو چڑھا ہو اور نہ اس کا

آنا ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہونے کے ذریعہ ہوتا ہے۔ وہی سب سے پہلے ہے وہی سب کے بعد، وہی ظاہر بھی ہے باطن بھی، قریب بھی ہے بعید بھی، اس کی کوئی مثال نہیں، وہ سمیع و بصیر ہے۔

توحید ذوالنون مصری کے نزدیک

میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو نصر طوسی سراج سے سنا وہ یوسف بن حسین[19] سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ذوالنون[20] مصری کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ توحید کیا ہے؟ فرمایا:-

توحید یہ ہے کہ تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام اشیاء میں جاری ہے مگر یہ قدرت ان اشیاء کے ساتھ نہیں ملتی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو بغیر تنگ و دو کے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو پیدا کرنا ہر شے کی علت ہے مگر اللہ کی صنعت کی کوئی علت نہیں ہے، خواہ بلند آسمان ہوں خواہ زیریں زمین۔ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کا مدبر نہیں اور یہ کہ ہر وہ چیز جس کی صورت تمہارے وہم میں آ رہی ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالکل مختلف ہے۔

جنیدؒ کا قول

جنیدؒ فرماتے ہیں:- توحید یہ ہے کہ تو یہ بات مان لے اور اقرار کر لے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے یکتا ہے، نہ تو کوئی اس کا ثانی ہے اور نہ کوئی چیز اس کے جیسے افعال کر سکتی ہے۔

ابو عبداللہ[21] بن خفیف فرماتے ہیں:- قلوب کا ان سارے غیبوں کی تصدیق کرنا ایمان ہے جن کا علم حق کر حاصل ہے۔

ابو العباس[22] سیاری فرماتے ہیں اللہ کی عنایات دو طرح کی ہیں کرامت اور استدراج اللہ تعالیٰ نے جس عنایت کو تمہارے لئے برقرار رکھا وہ کرامت ہے اور جس کو زائل کر دیا وہ استدراج۔ لہٰذا یوں کہا کر کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ مومن ہوں اور یہ ابو العباس سیاری اپنے وقت کے شیخ تھے

میں نے استاذ ابو علی دقاق[23] کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص نے ابو العباس سیاری

کا پاؤں دبا دیا تو فرمانے لگے۔ تو گیا اس پاؤں کو پامال کرتا ہے جسے میں نے کبھی بھی اللہ کی نافرمانی میں نہیں اٹھایا۔

ابوبکر[۲۴] واسطی فرماتے ہیں:- "جو شخص یہ کہے کہ میں درحقیقت اللہ پر ایمان رکھنے والا ہوں۔ اسے ہم کہیں گے کہ "حقیقت" کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے کامل اطلاع اور کلی احاطہ وعلم حاصل ہو۔ لہٰذا جسے یہ بات حاصل نہ ہوگی اس کا ایسا دعویٰ کرنا باطل ہوگا۔ اس کا مقصد وہی ہے جس کو اہل سنت نے ظاہر کیا ہے کہ "حقیقی مومن وہی ہو سکتا ہے جس کے جنتی ہونے کا حکم لگ چکا ہو۔ لہٰذا جسے اللہ تعالیٰ کے اس راز کا علم نہ ہو اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حقیقی معنوں میں مومن ہے صحیح نہ ہوگا۔"

سہل تستری کا قول

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے منصور[۲۵] بن عبداللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوالحسن[۲۶] عنبری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے سہل بن عبداللہ تستری کو یہ کہتے سنا۔

"ایمان والے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، مگر نہ احاطہ کر سکیں گے اور نہ اس کی انتہا کو پا سکیں گے۔"

ابوالحسن نوری کا قول

ابوالحسن[۲۸] نوری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کا مشاہدہ کیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے بڑھ کر کسی دل کو اپنا مشتاق نہ پایا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فوراً دیدار اور مکالمہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج سے مشرف کیا۔

اللہ تعالیٰ لامکان ہے۔ ابوعثمان مغربی کے خادم محمد بن محبوب کا قول

میں نے امام ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک[۲۹] رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۰۶ھ) سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں نے ابوعثمان مغربی[۳۰] کے خادم محمد بن محبوب سے سنا، انھوں نے کہا کہ مجھ سے ایک دن ابوعثمان مغربی نے سوال کیا۔ اے محمد! اگر تجھ سے کوئی پوچھے کہ تیرا معبود کہاں ہے؟ تو کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ میں کہوں گا کہ میرا معبود وہاں ہے جہاں وہ ازل سے تھا۔ انھوں نے پھر کہا اگر وہ یہ سوال

کرے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے کہاں تھا؟ تو پھر کیا کہو گے؟ انھوں نے پھر کہا۔ کہ میں کہوں گا کہ جہاں اب ہے"۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ پہلے لامکان تھا اسی طرح اب بھی وہ لامکان ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی خاص جہت میں نہیں

اس پر ابوعثمان مغربیؒ مجھ سے بہت خوش ہوئے اور اپنی قمیص آتار کر مجھے دی۔ میں نے امام ابوبکر بن فورک سے سنا۔ وہ فرماتے تھے میں نے ابوعثمان مغربی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میرا عقیدہ کسی قدر خدا کی جہت کے متعلق تھا۔ لیکن میں بغداد پہنچا تو یہ عقیدہ جاتا رہا۔ اس پر میں نے اپنے ان ساتھیوں کو جو مکہ میں تھے لکھ بھیجا کہ میں از سرِ نو مسلمان ہوا ہوں"۔

محمد بن الحسینؒ سلمی نے مجھے بتایا کہ کسی نے ابوعثمان مغربیؒ سے مخلوق کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: "مخلوق تو محض ڈھانچے اور اشکال ہیں۔ جن پر قدرت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق افعال ہیں

واسطیؒ[۳۱] فرماتے ہیں۔ جس طرح روحوں اور جسموں کا قیام اور ظہور اللہ سے ہوا ہے نہ ان کی اپنی ذات سے اسی طرح خیالات اور حرکات کا قیام بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اپنی ذات سے نہیں، اس لئے کہ حرکات و خیالات تو اجسام اور ارواح کے فروع ہیں۔ انھوں نے یہ بات صراحۃً بیان کی کہ بندوں کے اعمال کا خالق خدا ہے۔ چنانچہ جس طرح ہر قسم کے جوہر کا خالق خدا کے سوا کوئی نہیں اسی طرح ہر عرض کا خالق بھی خدا ہی ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰنؒ سلمی سے انھوں نے محمد بن عبداللہ[۳۲] سے انھوں نے ابوجعفر صیدلانیؒ[۳۳] سے انھوں نے ابوسعید خراز سے سنا، فرماتے تھے[۳۴]:

جس کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنی کوششوں سے اپنے مطلوب تک پہنچ جائے گا تو اسے جان لینا چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو یونہی تھکا رہا ہے اور جو یہ سمجھے کہ وہ بغیر کوشش کے پہنچ جائے گا تو یہ شخص خام تمنا کر رہا ہے۔

واسطیؒ[۳۵] فرماتے ہیں کہ مقامات تو اللہ کی تقسیم کردہ قسمتیں اور جاری کردہ صفات ہیں۔ انھیں کوئی حرکات کے ذریعہ کیسے پا سکتا ہے۔ یا کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

کسی نے واسطیؒ سے اللہ کے ساتھ یا اللہ کے لئے کفر کرنے کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کفر۔ ایمان۔ دنیا اور آخرت سب کی سب اللہ کی طرف سے ہیں، اسی کی طرف ان کی انتہا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کی بقا ہے۔ اور یہ سب اسی کے ملک ہیں من اللہ اس لئے کہ ان کی ابتداء اسی سے ہوئی۔ الی اللہ اس لئے کہ ان کا مرجع اور انتہا اسی کی طرف ہے۔ اور باللہ اس لئے کہ ان کی بقاء اور فنا اسی کے ساتھ ہے۔ اور للہ اس لئے کہ یہ سب اللہ کی ملکیت اور مخلوق ہیں۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے کسی عالم سے توحید کے متعلق سوال کیا تو عالم نے جواب دیا کہ توحید نام ہے یقین کا۔

سائل نے پھر کہا:۔ میرے لئے اس کی حقیقت کی وضاحت کیجئے۔

تو فرمایا کہ تمہارا یقین کے ساتھ جان لینا کہ تمام مخلوق کی حرکات و سکنات خدائے وحدہٗ لاشریک کے افعال ہیں۔ جب تجھ کو ایسا یقین حاصل ہوگیا تو، تو موحد بن گیا۔

میں نے محمد بن الحسین رحمۃ اللہ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے عبدالواحد بن علیؒ[۳۶] سے سنا، فرماتے تھے۔ میں نے القاسم بن القاسمؒ[۳۷] سے سنا، فرماتے تھے، میں نے محمد بن موسیٰ الواسطی سے سنا، فرماتے تھے کہ میں نے محمد بن الحسین الجوہریؒ[۳۸] سے سنا، فرماتے تھے کہ ایک شخص نے ذوالنون مصری کے پاس آکر درخواست کی کہ میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔ فرمایا۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی تائید توحید کی صداقت کے یقین کے ساتھ کی ہے تو تمہارے لئے بہت سی دعاؤں کی قبولیت مقدر ہو چکی ہے۔ ورنہ محض پکارنے سے ڈوبتا ہوا نہیں بچایا جا سکتا۔

واسطیؒ فرماتے ہیں کہ فرعون نے کھلم کھلا ربوبیت کا اعلان کیا اور معتزلہ نے درپردہ اور چھپ کر کیا۔ کیونکہ وہ[۳۹] کہتے ہیں، میں نے جو چاہا کیا۔

ابوالحسین نوریؒ فرماتے ہیں ہر وہ خیال جس سے تشبیہ کے عوامل داوہام مزاحم نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہو، توحید ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمن السلمی رحمۃ اللہ نے ہم سے بیان کیا، فرمایا میں نے عبدالواحد بن[۴۰]

بکر[۴۰] سے انھوں نے ہلال بن احمد[۴۱] سے سُنا۔ فرماتے تھے کسی نے ابو علی رودباری[۴۲] سے توحید کے متعلق سوال کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔

توحید یہ ہے کہ دل مضبوطی کے ساتھ اس عقیدہ پر جما رہے کہ اللہ تعالیٰ افعال سے معطل نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز سے مشابہت رکھتا ہے۔ نیز توحید صرف ایک جملہ میں آ جاتی ہے یعنی ہر وہ چیز جو ہمارے وہموں اور فکروں میں متصور ہے اللہ تعالیٰ اس سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (اس کے مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے)

ابو قاسم نصر آبادی[۴۳] فرماتے ہیں۔ جنت اس لئے قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قائم رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا اس کی رحمت اور تمہاری محبت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک وہ خود قائم ہے اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک تو وہ چیز ہے جس کی بقار کا انحصار اس کی ذات پر ہے۔ اور دوسری وہ جس کی بقا اس ذاتِ الٰہی کے باقی رکھنے سے قائم ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ باقی و دائم ہیں

ابو القاسم نصر آبادی کا یہ قول انتہائی تحقیق پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ اہلِ حق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس وقت تک باقی ہیں جب تک وہ باقی ہے، چنانچہ انھوں نے اس مسئلہ پر تنبیہ کر دی اور وضاحت سے بیان کر دیا کہ جو کچھ باقی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بقا سے باقی ہے۔ اہلِ حق کے مخالفین بالکل اس کے برخلاف کہتے ہیں۔ انھوں نے ناحق، حق کی مخالفت کی۔

محمد بن الحسین[۴۴] کہتے ہیں کہ میں نے نصر آبادی سے سنا، فرماتے تھے:۔ تو اللہ کے افعال کی صفات اور ذات کی صفات میں متردد ہے۔ حالانکہ دونوں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ چنانچہ جب وہ تجھے "مقام تفرقہ"[۴۵] میں سرگرداں کر دے تو وہ تجھے اپنے نفس کی صفات کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ اور جب تجھے "مقام جمع" تک پہنچا دے تو تجھے اپنی ذات کی صفات سے ملا دیتا ہے۔

یہ ابوالقاسم نصرآبادی (متوفی ۳۶۹ھ) اپنے وقت کے شیخ تھے۔

میں نے استاد امام ابو اسحٰق اسفرائینی[۴۶] سے سنا۔ وہ فرماتے تھے جب میں بغداد سے آیا تو ایک دن میں نیشاپور کی جامع مسجد میں روح کے مسئلہ پر درس دے رہا تھا۔ اور اس بات کی وضاحت کر رہا تھا کہ روح مخلوق ہے۔ ابوالقاسم نصرآبادی ہم سے دُور بیٹھے غور سے میری تقریر سن رہے تھے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد جب ایک دن ہمارے یہاں سے گزرے تو محمد فراء کو فرمانے لگے تم گواہ رہنا کہ میں اس شخص (میری طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے ہاتھ پہ از سرِ نَو مسلمان ہوا ہوں۔

میں نے محمد بن الحسین السلامی سے انھوں نے ابو حسین الفارسی[۴۸] سے، انھوں نے ابراہیم بن فاتک[۴۹] سے انھوں نے جنید سے سنا۔ فرماتے تھے۔

بھلا اس خدا کا اتصال جس کی نہ کوئی نظیر ہے، نہ کوئی ہم شبیہ، ان چیزوں یا اشخاص کے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے جن کا مشابہ بھی موجود ہے۔ اور نظیر بھی۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا یہ ایک عجیب گمان ہے۔ ہاں اگر اللہ کا لطف و کرم ہو جائے۔ تو یہ ممکن ہے، کیونکہ ورک، وہم اور احاطہ بے کار و بے معنی ہیں۔ جب تک کہ اللہ کی طرف سے یقین کا اشارہ اور ایمان کی تحقیق ممد و معاون نہ ہو

محمد بن الحسین رحمۃ اللہ نے ہمیں خبر دی، کہا میں نے عبدالواحد بن بکر سے سنا، فرماتے تھے کہ مجھ سے احمد بن محمد بن علی البردعی[۵۰] نے اور ان سے طاہر بن اسمٰعیل الرازی نے بیان کیا۔ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ[۵۱] (م ۲۵۸ھ) سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا: ایک ہی خدا ہے

پھر سوال کیا گیا: وہ کیسا ہے؟

فرمایا:۔ قدرت والا بادشاہ ہے۔

پھر سوال کیا گیا:۔ کہاں ہے؟

فرمایا:۔ کمین گاہ میں

اس پر سائل نے کہا۔ میرا یہ سوال نہیں ہے۔

آپ نے جواب دیا۔ اس کے علاوہ جو صفات ہیں وہ مخلوق کی صفات ہیں۔ اللہ کی صفات تو وہی ہیں جن کو میں نے بیان کر دیا۔

ہم سے محمد بن الحسین نے بیان کیا کہ میں نے ابو بکر الرازی[۱۵۷] سے اور انہوں نے ابو علی الرود باری[۱۵۶] سے سنا۔ وہ فرماتے تھے :۔

ہر وہم و خیال کرنے والے نے اپنی جہالت سے جو کچھ بھی وہم و خیال کیا کہ اللہ ایسا ہے۔ عقل بتاتی ہے کہ وہ ویسا نہیں ہے۔

مع کے معنی

ابن شاہین[۱۵۸] نے جنید سے "مع" کے معنی دریافت کئے تو فرمایا :۔ "مع" کے دو معنی ہیں۔ اگر انبیاء کا ذکر ہو تو اس سے مراد مدد اور حفاظت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّنِی مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی (بیشک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں تمہاری باتیں سنتا ہوں اور تمہیں دیکھتا ہوں) اور اگر عوام کا ذکر ہو تو اس سے مراد علم اور احاطہ ہے، جیسے مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ۔ (یعنی جو پوشیدہ باتیں تین آدمیوں میں ہوتی ہیں تو اللہ اس کے ساتھ چوتھا یعنی ان کی باتوں کو جانتا ہے)

اس پر ابن شاہین نے کہا۔ آپ ہی جیسی ہستیاں امت کی اللہ کی طرف رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں

ذوالنون مصری سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (مہربان اللہ عرش پر متمکن ہے) کے متعلق سوال کیا تو فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا ثبوت دیا ہے۔ اور اپنے مکان کی نفی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ اور اشیاء اس کے حکم سے جیسا اس نے چاہا موجود ہیں۔

استوی علی العرش کے متعلق شبلی کا قول

شبلی سے کسی نے الرحمن علی العرش استوی کے متعلق سوال کیا تو فرمایا :۔ رحمن تو ازل سے موجود ہے اور عرش حادث ہے۔ لہٰذا یہاں مراد یہ ہے "العرش بالرحمن استوی" عرش کا قیام اللہ سے ہے۔

جعفر بن نصیر کا قول

جعفر بن نصیر[۱۵۹] سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا :۔ اللہ کا علم تو ہر چیز کے متعلق یکساں ہے۔ اللہ کے ہاں کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ قریب نہیں۔

اندر صرف وہی امور حاصل ہو سکتے ہیں جو تقدیر میں لکھے جا چکے ہیں جن حادثات کے ہونے کا اسے علم ہے اُن کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور ان چیزوں میں سے جو ہو سکتی ہیں جن کے متعلق اس کو علم ہے کہ نہ ہوں گی۔ ان کے نہ ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ بندوں کے تمام کسب کئے ہوئے اعمال کا خواہ نیک ہوں یا بد وہی خالق ہے۔ اور دُنیا کے تمام اعیان و آثار کا خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ وہی موجد اول ہے۔ وہ قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجتا رہا۔ باوجودیکہ ان کو بھیجنا اس پر لازم نہیں تھا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس نے بندوں کو اس طریقہ سے اپنا غلام بنا رکھا ہے کہ کوئی نہ اسے ملامت کر سکتا ہے اور نہ اس پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے۔ وہ واضح معجزات اور روشن آیات کے ساتھ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اس طرح کرتا رہا۔ کہ کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اور یقین اور انکار واضح ہو گیا۔ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرکزِ اسلام کی حفاظت خلفاء راشدین کے ذریعہ کی۔ اپنے اولیاء کی زبانوں پر جو دلائل اس نے ظاہر کیے ان کے ذریعہ اس نے حق کی پاسبانی اور حفاظت کی۔ اللہ نے اُمت حنیفیہ کو گمراہی پر متفق ہونے سے بچائے رکھا۔ اور اپنی رہنمائی کی بدولت اس نے باطل کے مادہ کو برباد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی مدد کرنے کا جو وعدہ اپنی آیت پاک لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ اُسے پُورا کر دکھایا۔

یہ چند فصول مختصر طور پر اصولِ مشائخ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

باب

مشائخ طریقت اور اُنکے ان اخلاق و اقوال کا بیان جو شریعت کی تعظیم پر دلالت کرتے ہیں

تمہیں معلوم ہو، خدا تم پر رحم کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

مسلمانوں کے بزرگوں نے اپنے زمانے میں رسول اللہ کی صحبت کے سوا علم یا اور کسی نام کو اپنے لئے پسند نہیں کیا. اس لئے کہ ان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی اور فضیلت نہ ہوسکتی تھی۔ چنانچہ انھیں صحابہ کہا گیا۔

تصوف کب سے شروع ہوا

جب دوسرے زمانہ کے لوگ آئے تو صحابہ کی صحبت میں رہنے والوں کو تابعین کہا گیا، انھوں نے اس نام کو نہایت ہی شرف والا نام سمجھا۔ پھر ان کے بعد کے لوگوں کو اتباع التابعین کہا گیا۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ اور جدا جدا مراتب پیدا ہوگئے۔ چنانچہ ان خاص قسم کے لوگوں کو جنھیں دینی امور کے ساتھ خاص لگاؤ تھا۔ "زاہد اور عابد" کہنے لگے۔ پھر بدعتیں رونما ہونے لگیں۔ ہر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ ان میں "زاہد" پائے جاتے ہیں چنانچہ اہل سنت میں سے ان خاص لوگوں نے جنھوں نے اپنے انفاس کو اللہ کے لئے وقف کر دیا۔ اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا۔ اپنے لئے ایک الگ نام "تصوف" رکھ لیا۔ ان بزرگوں کے لئے یہ نام دوسری ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔

تصوّف کا نام دوسری ہجری سے پہلے مشہور ہوگیا تھا

ہم اس باب میں اس طریقہ کے شیوخ میں سے طبقہ اولیٰ سے لیکر متاخرین کے وقت تک کے چند شیوخ کا ذکر کریں گے اس کے ساتھ ان کے ان اخلاق اور اقوال کا مختصر ذکر بھی ہوگا۔ جن سے ان کے اصول اور آداب کی وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ ہوجائے گی۔

ابراہیم بن ادھم۔ متوفی ۱۶۳ھ

ان میں سے ایک ابو اسحٰق ابراہیم بن ادھم (۶۵) بن منصور ہیں۔ جو بلخ کے رہنے والے تھے۔ یہ ایک شہزادہ تھے۔ ایک روز شکار کے لئے نکلے۔ لومڑی یا خرگوش کا پیچھا کیا۔ وہ ابھی اس کی تلاش میں تھے۔ کہ ہاتف نے آواز دی:۔ اے ابراہیم! کیا تو اسی لئے پیدا کیا گیا ہے؟ یا کیا تجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے؟ اس کے بعد زین کے ہرنے پر

سے ایک آواز نے کہا:- اللہ کی قسم نہ تو اس لئے پیدا ہوا ہے اور نہ تجھے یہ حکم دیا گیا ہے۔ یہ سُن کر وہ گھوڑے سے اُتر آئے۔ راستہ میں انھیں اپنے باپ کا ایک چرواہا ملا جس سے انھوں نے اس کا صوف کا چوغہ لے کر پہن لیا۔ اور اسے اپنا گھوڑا معہ ساز و سامان کے دے دیا۔ اور جنگل میں نکل گئے۔ پھر مکہ آئے اور وہاں سفیان ثوری[66] اور فضیل بن عیاض[67] کی صحبت میں رہے۔ پھر شام آگئے۔ اور وہیں وفات پائی۔

ابراہیم اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی حاصل کرتے تھے۔ مثلاً فصل کی کٹائی اور باغوں کی نگہبانی وغیرہ سے جنگل میں انھیں ایک شخص ملا جس نے انھیں اسم اعظم سکھایا۔ انھوں نے اسم اعظم پڑھ کر دعا کی تو خضر علیہ السلام کی دید نصیب ہوئی۔ خضر نے انھیں بتایا کہ وہ داؤد علیہ السلام تھے۔ جنھوں نے ان کو اسم اعظم سکھایا

اس کی خبر ہمیں الشیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ نے دی۔ انھوں نے کہا ہم سے محمد بن الحسین بن الخشاب نے بیان کیا، کہا ہم سے ابو الحسین[68] علی بن المصری نے بیان کیا کہا ہم سے ابو سعید الخراز نے بیان کیا۔ کہا ہم سے ابراہیم بن بشار[69] نے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا میں ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ترک دنیا کی ابتدا کیسے ہوئی۔ تو انھوں نے مذکورہ بالا قصہ سنایا۔

پرہیزگاری میں ابراہیم بن ادھم کی بہت بڑی منزلت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا:- روزی پاک رکھو۔ تم اگر دن کو روزہ رکھو اور رات کو قیام نہ کرو تو کوئی نقصان نہیں کہتے ہیں وہ بالعموم یہ دعا مانگا کرتے تھے:- خدایا مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے نکال کر اپنی تابعداری کی عزت کی طرف منتقل کر دے۔

کسی نے ابراہیم بن ادھم سے کہا کہ گوشت مہنگا ہو گیا ہے تو فرمایا:- اسے سستا کر دو۔ یعنی خریدو ہی نہیں۔ اور اپنی دلیل میں یہ شعر پڑھا:-

وَاِذَا غَلَا شَیْءٌ عَلَیَّ تَرَکْتُهٗ   فَیَکُوْنُ اَرْخَصَ مَا یَکُوْنُ اِذَا غَلَا

جب کوئی چیز مہنگی ہو جاتی ہے۔ تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ لہٰذا وہ چیز مہنگی ہونے کے باوجود میرے لئے بہت سستی ہوتی ہے۔

محمد بن الحسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا، فرمایا میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا انھوں نے کہا میں نے محمد بن حامد سے سنا کہا میں نے احمد بن خضرویہ سے سنا کہ فرماتے ہیں ابراہیم بن ادھم نے طواف کرتے ہوئے ایک شخص کو کہا۔ تجھے معلوم ہو جب تک تو یہ چھ گھاٹیاں طے نہ کرلے. صالحین کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۔ ناز و نعمت کا دروازہ بند کردو اور سختی کا دروازہ کھول دو۔

۲۔ عزت کا دروازہ بند کردو اور سختی کا دروازہ بندکردو۔

۳۔ آرام و راحت کا دروازہ بندکردو۔ اور کوشش کا دروازہ کھول دو۔

۴۔ نیند کا دروازہ بند کردو۔ اور بیداری کا دروازہ کھول دو۔

۵۔ مالداری کا دروازہ بندکردو اور فقر کا دروازہ کھول دو۔

۶۔ امید کا دروازہ بندکردو اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول دو۔

ایک واقعہ

ابراہیم بن ادھم انگوروں کے باغ میں مالی کا کام کرتے تھے۔ ایک بار ایک فوجی(۲) کا گزر وہاں سے ہوا۔ اس نے انگور مانگے تو فرمایا مجھے مالک نے اجازت نہیں دی ہے۔ سپاہی نے کوڑے سے مارنا شروع کردیا۔ انھوں نے اپنا سر جھکا دیا اور کہا:۔ اس سر کو خوب مارو۔ اس نے کافی مدت تک اللہ کی نافرمانی کی ہے۔ فوجی تھک کر چلا گیا۔

دوسرا واقعہ

سہل بن ابراہیم کہتے ہیں:۔ میں ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں رہا۔ ایک بار بیمار پڑ گیا۔ انھوں نے تمام سرمایہ میری تیمارداری میں خرچ کر ڈالا۔ مجھے کچھ کھانے کی خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنا گدھا بیچ کر اس کی قیمت مجھ پر خرچ کردی۔ جب میں روبصحت ہوا تو پوچھا! ابراہیم! گدھا کہاں ہے؟ فرمایا بیچ دیا۔ میں نے کہا اب میں کس پر سوار ہوں گا۔ جواب دیا۔ میرے بھائی میری گردن پر۔ اور آپ مجھے اٹھا کر تین منزل تک لے گئے۔

ذوالنون مصری م ۲۴۵ھ

ان میں سے ابوالفیض ذوالنون مصری ہیں۔ بعض ان کا نام ثوبان بن ابراہیم بتاتے ہیں۔ اور بعض الفیض

بن ابراہیم، ان کا باپ نوبہ کا رہنے والا تھا۔ انھوں نے ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ یہ تصوف میں فوقیت رکھنے والے اور علم و ورع، حال اور ادب کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھے۔

المتوکل[۳] کے پاس کسی نے ان کی چغلی کھائی۔ اس نے مصر سے بلا بھیجا۔ جب اس کے پاس گئے تو اسے نصیحت کی۔ متوکل رو پڑا اور انھیں بڑی تعظیم کے ساتھ مصر واپس بھیجا۔ متوکل کا یہ حال تھا کہ جب کبھی اس کے سامنے اہل ورع کا ذکر کیا جاتا تھا۔ تو وہ رو پڑتا تھا۔ متوکل کہا کرتا تھا کہ جب اہل ورع کا ذکر ہو تو ذی النون کا ضرور ذکر کیا کرو۔

ذی النون دبلے پتلے سرخی مائل رنگ والے آدمی تھے۔ ان کی داڑھی سفید نہ تھی۔ میں نے احمد بن محمد سے سنا۔ انھوں نے کہا میں نے سعید[۵] بن عثمان سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے ذوالنون کو کہتے سنا۔

کلام کا دار[۶]ومدار چار چیزوں پر ہے:۔ اللہ برتر کی محبت (جلیل) دنیا قلیل سے بغض قرآن (تنزیل) کی تابعداری اور تبدیلی (تحویل) کا ڈر۔ (یعنی اس بات سے ڈرتے رہنا کہ کہیں اللہ تعالیٰ موجودہ حالت ایمان سے بدل کر اسے کفر کی حالت میں کر دیں۔)

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے سعید بن عثمان سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے ذوالنون کو یہ کہتے سنا:۔ اللہ کو دوست رکھنے والے کی علامتیں یہ ہیں کہ اخلاق، افعال، اوامر اور سنن میں اللہ کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرے۔

ذوالنون سے پوچھا گیا کہ کمینہ کون ہے۔ فرمایا۔ جسے اللہ تک پہنچنے کا طریقہ نہ آتا ہو۔ اور نہ کسی سے دریافت کرتا ہو۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے ابوبکر محمد[۷] بن عبداللہ بن شاذان سے سنا، فرماتے تھے میں نے یوسف بن الحسین سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں ایک دن ذوالنون کی مجلس میں گیا۔ اس وقت ان کے پاس سالم مغربی آئے

ہوتے تھے۔ انھوں نے ذوالنون سے سوال کیا، اے ابوالفیض تمہاری توبہ کا کیا سبب تھا؟ فرمایا یہ ایک عجیب واقعہ ہے، جس کے سمجھنے کی تجھ میں طاقت نہیں۔ سالم مغربی نے کہا :۔ تجھے تمہارے خدا کی قسم مجھے ضرور بتاؤ۔ ذوالنون نے کہا :۔ میں نے مصر (قاہرہ) سے نکل کر کسی بستی کا ارادہ کیا، راستہ میں ایک جنگل میں سوگیا، جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھی چنڈول اپنے گھونسلہ سے زمین پر گر پڑی۔ پھر زمین پھٹ گئی اور اس میں سے دو کوزے نکلے، ایک سونے کا تھا اور دوسرا چاندی کا۔ اور ایک میں تل تھے۔ اور دوسرے میں پانی، چنڈول نے تل کھائے۔ اور پانی پیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر میں نے کہا میرے لئے اسی قدر کافی ہے۔ میں نے توبہ کر لی اور اللہ کے دروازہ سے چمٹا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے قبول فرمایا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، فرماتے ہیں میں نے علی بن عمر[80] سے سنا۔ کہا میں نے ابن رشیق[81] سے سنا، کہا میں نے ابا دجانہ سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ذوالنون کو سنا کہ فرماتے تھے :۔ جس معدہ میں کھانا بھرا ہوا ہو اس میں حکمت جاگزیں نہیں ہوسکتی۔

ذوالنون سے کسی نے توبہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا :۔ عوام کی توبہ گناہوں سے توبہ ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے۔

۴۔ فضیل بن عیاض ۱۸۷ھ

ان میں سے ایک ابو علی فضیل بن عیاض[82] خراسانی ہیں۔ مرو کے اطراف میں رہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی پیدائش سمرقند میں ہوئی۔ اور ابیورد میں نشوونما پائی۔ انھوں نے مکہ میں محرم ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔

توبہ کا واقعہ

میں نے محمد بن الحسین[84] سے سنا۔ فرماتے تھے۔ ہم سے ابوبکر محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ کہا ہم سے الحسن بن عبداللہ[85] العسکری نے بیان کیا کہا ہم سے ابی زرعہ[86] نے بیان کیا کہ ہم سے محمد بن[87] اسحاق بن راہویہ نے بیان کیا ہم سے ابو عمار[88] نے کہا ہم سے الفضیل[89] بن موسیٰ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ فضیل[90] ڈاکو تھے اور ابیورد[91] اور سرخس[92] کے درمیانی علاقہ میں ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے۔ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا

کہ ایک لڑکی سے ان کو عشق ہو گیا۔ ایک مرتبہ جب وہ دیوار پر چڑھ کر اس کے پاس جا رہے تھے تو ان کے کانوں میں قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آئی، پڑھنے والا یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ۔

کیا مومنین کے لئے وقت نہیں آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے ان کے دل عاجزی کریں۔ اس پر انھوں نے کہا:۔ اے میرے رب! ہاں وقت آ گیا ہے۔

پھر یہ واپس چلے آئے۔ انھوں نے رات ایک ویرانہ میں گذاری، وہاں کچھ مسافر لوگ تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا یہاں سے چلے چلو۔ اوروں نے کہا: صبح تک یہیں رہو کیونکہ راستہ میں فضیل ہے۔ وہ ہمیں لوٹ لے گا۔ اس پر فضیل نے توبہ کر لی اور انھیں امان دی۔ اور تا دم مرگ مکہ میں رہا۔

اقوالِ فضیل فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو اس کے غم کو زیادہ کر دیتا ہے۔ اور جب کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو اس پر اپنی دنیا کو کشادہ کر دیتا ہے۔ ابن المبارک فرماتے ہیں جب فضیل مر گئے تو حزن وغم اٹھ گیا۔ فضیل فرماتے ہیں اگر ساری دنیا مجھے اس شرط پر دی جائے کہ مجھ سے اس کا حساب نہ لیا جائے گا۔ تب بھی میں اس سے اس طرح بچوں گا جس طرح تم مردار سے بچتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے۔

فضیل فرماتے ہیں:۔ اگر میں اس بات کی قسم کھاؤں کہ میں ریاکار ہوں، تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس سے کہ قسم کھاؤں کہ میں ایسا نہیں ہوں۔

فضیل فرماتے ہیں:۔ لوگوں کی خاطر کسی کام کو ترک کرنا ریا ہے اور لوگوں کی خاطر کوئی کام کرنا شرک ہے۔

ابو علی رازی فرماتے ہیں:۔ میں تیس سال تک فضیل کی صحبت میں رہا۔ اس مدت میں میں نے انھیں کبھی ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔ البتہ جس دن ان کا بیٹا علی[۹۳] فوت ہوا تو مسکرائے، میں نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک بات کو پسند کیا تو میں نے بھی اسے پسند کیا۔

فضیل فرماتے ہیں:۔ جب میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے۔ کیونکہ اس کا اثر میرے گدھے اور خادم کے برتاؤ میں ہوجاتا ہے۔

۴۔ معروف کرخی ۲۰۰ھ ان میں سے ایک ابو محفوظ معروف بن فیروز کرخی ہیں[94] یہ مشائخ کبار میں سے تھے۔ مستجاب الدعوۃ تھے۔ لوگ ان کی قبر کے توسل سے شفا پاتے ہیں۔ بغدادیوں کا قول ہے کہ معروف کی قبر تریاق مجرب ہے[95]۔ یہ علی بن موسیٰ رضا[96] کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کی وفات ۲۰۰ھ میں ہوئی۔ بعض ۲۰۱ھ بتاتے ہیں۔ یہ سری السقطی کے استاد تھے۔ انھوں نے ایک روز سری السقطی سے کہا:۔ جب تجھے اللہ سے کوئی حاجت مطلوب ہو تو اللہ سے میری قسم دے کر مانگو۔

ابتداء حال میں نے استاد ابو علی دقاق رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ معروف کرخی کے والدین عیسائی تھے۔ انھوں نے معروف کو استاذ کے پاس بھیجا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھے جب استاد نے کہا:۔ اللہ تین میں سے ایک ہے تو معروف کہتے:۔ نہیں خدا تو ایک ہی ہے۔ ایک دن معلم نے اسے خوب زدوکوب کیا۔ معروف بھاگ گئے۔ اس پر ان کے والدین کہا کرتے۔ کاش معروف واپس چلا آئے جس دین پر چاہے وہ رہے، ہم بھی اس کا ساتھ دیں گے۔ پھر معروف علی بن موسیٰ رضا کے ہاتھوں مسلمان ہوئے اور اپنے گھر لوٹ آئے۔ جب دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی کون ہے؟ اس نے کہا:۔ معروف۔ انھوں نے کہا کس دین پر آئے ہو؟ جواب دیا دین حنیف پر۔ اس کے بعد اس کے والدین بھی مسلمان ہو گئے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا انھوں نے کہا: میں نے ابوبکر الرازی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے سری السقطی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے معروف کرخی کو خواب میں دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عرش کے نیچے ہیں اور اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرما رہے ہیں کہ یہ کون ہے وہ عرض کرتے ہیں یا اللہ! یہ تو بہتر جانتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

علی بن موسیٰ کے آزاد کردہ غلام

توسل

یہ معروف کرخی ہے۔ یہ میری محبت کے نشہ میں چور ہے۔ اب میری ملاقات کے بغیر ہوش میں نہ آئے گا۔

معروف فرماتے ہیں: مجھے داؤد طائی کے کسی مرید نے کہا خبردار! عمل نہ چھوڑنا، کیونکہ یہی تجھے اللہ کی رضا کے قریب تر کر دے گا۔ میں نے پوچھا یہ کون سا عمل ہے؟ فرمایا ہر دم اللہ کی اطاعت میں رہنا۔ مسلمانوں کی خدمت کرنا۔ اور ان کے لئے خالص دل سے بھلائی چاہنا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ فرماتے ہیں میں نے محمد بن عبداللہ الرازی سے سنا، فرماتے ہیں میں نے علی بن محمد الدلال(۹۸) سے سنا، فرماتے ہیں میں نے محمد بن الحسین(۹۹) سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ میں نے معروف کرخی کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا۔ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا:۔ کہ مجھے اللہ نے معاف کر دیا۔ میں نے کہا کیا تمہارے زہد و پرہیز گاری کی وجہ سے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ اس لئے کہ میں نے ابنِ سماک(۱۰۰) کی نصیحت کو قبول کیا۔ فقر کو اختیار کیا۔ اور فقیروں سے محبت کی۔

ابن سماک کی نصیحت

ابن سماک کی نصیحت کا قصہ یوں ہے۔ معروف کہتے ہیں کہ میں کوفہ سے گزر رہا تھا۔ ابن سماک لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے۔ کہ میں ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے وعظ کے دوران فرمایا:۔

جس نے اللہ سے پوری طرح منہ موڑا، اللہ اس سے تھوڑا سا منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور جو دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور تمام دنیا کی توجہ اس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور جو کبھی ادھر ہو کبھی اُدھر یعنی کبھی اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور کبھی دنیا کی طرف تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت اس پر رحم فرما دیں؛

ان کے اس کلام کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا۔ لہٰذا میں اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے آقا علی بن موسیٰ الرضا کی خدمت کے سوا سب کچھ ترک کر دیا۔ میں نے اس وعظ کا ذکر

اپنے آقا سے کیا تو انھوں نے فرمایا اگر تو اس نصیحت پر عمل کرے تو یہی تیرے لئے کافی ہے۔
اس حکایت کو مجھ سے محمد بن الحسین نے بیان کیا۔ کہا میں نے بغداد کے حافظ عبدالرحیم[۱۰۱] بن علی سے سُنا۔ فرماتے تھے میں نے محمد بن عمر[۱۰۲] ابن الفضل سے سنا، فرماتے تھے میں نے علی بن عیسیٰ[۱۰۳] سے سنا، فرماتے تھے میں نے سری السقطی سے سنا فرماتے تھے میں نے معروف سے اس قصہ کو سُنا۔

مرض موت میں وصیت جب معروف مرض الموت میں تھے تو کہا گیا کچھ وصیت کرو۔ تو فرمایا:۔ جب میں مر جاؤں تو میری قمیص کو خیرات کر دینا۔ کیونکہ جس طرح دنیا میں ننگا آیا تھا اسی طرح ننگا جانا چاہتا ہوں[۱۰۴]۔

ایک واقعہ معروف کا گزر ایک سقا پر ہوا جو یہ کہہ رہا تھا جو میرا پانی پیئے اس پر اللہ کی رحمت ہو۔ معروف اس دن روزہ سے تھے مگر پھر بھی انھوں نے آگے بڑھ کر پانی پی لیا کسی نے کہا آپ کا تو روزہ تھا، جواب دیا ہاں روزہ تھا مگر اس کی دعا کی امید میں میں نے ایسا کیا ہے[۱۰۵]۔

۵۔ سری سقطی م ۲۵۷ھ ان میں سے ابوالحسن سری[۱۰۶] بن المغلس السقطی ہیں۔ یہ جنید کے خالو اور استاد تھے اور معروف کرخی کے شاگرد۔ ورع احوال سنت اور علوم توحید میں یکتائے روزگار تھے۔

میں نے محمد بن الحسین سے، انھوں نے کہا میں نے عبداللہ بن علی الطوسی سے، وہ فرماتے ہیں میں نے ابوعمرو بن علوان[۱۰۷] سے سُنا، فرماتے تھے میں نے ابوالعباس بن مسروق سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ سری سقطی (کباڑی) جو معروف کرخی کے شاگرد تھے بازار میں تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک دن معروف اُن کے پاس آئے۔ اُن کے ساتھ ایک یتیم بچہ تھا۔ فرمایا اس یتیم کو کپڑا پہننے کو دو سری کہتے ہیں کہ میں نے اسے کپڑا پہننے کو دے دیا۔ اس سے معروف بہت خوش ہوئے اور کہا خدا تجھے دنیا سے متنفر کر دے۔ اور جس مصیبت میں تو مبتلا ہے اس سے تجھے راحت دے جب میں دکان سے اٹھا تو دنیا سے بڑھ کر کسی چیز کا بغض میرے دل میں نہ تھا۔ میری تمام کیفیت اور حالت معروف کی برکت کا نتیجہ ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ سے سنا، فرماتے تھے میں نے ابوبکر الرازی سے سنا، فرماتے تھے میں نے ابوعمر[۱۰۸] الانماطی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے جنید سے سنا وہ فرماتے ہیں: میں نے سری سے زیادہ عبادت گذار کسی کو نہیں دیکھا۔ اٹھانوے سال اُن پر بیت گئے مگر سوائے مرض موت کے انھیں کبھی لیٹا ہوا نہیں دیکھا گیا۔ ——— سری سے حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا، تصوف تین باتوں

میں پایا جاتا ہے (۱) صوفی کا نورِ معرفت اس کی پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھا دے۔ (۲) اپنے باطن سے کوئی ایسی بات نہ کہے جو نص قرآنی یا نص سنت کے خلاف ہو (۳) کرامات دکھانے کی خاطر کوئی حرام بات نہ کر جائے ۔۔۔۔ اُن کی وفات ۲۵۷ھ میں ہوئی۔

میں نے اپنے استاد ابو علی دقاقؒ کو جنیدؒ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ انھوں نے فرمایا ایک روز سریؒ نے مجھ سے پوچھا محبت کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا۔ بعض کہتے ہیں محبت موافقت کا نام ہے۔ بعض ایثار بتاتے ہیں۔ اور بعض ایسا ایسا کہتے ہیں اس پر سریؒ نے اپنے بازو کی کھال کو پکڑ کر کھینچا مگر وہ نہ کھنچی (ہڈی سے لگی رہی) پھر فرمایا:۔ اللہ کی عزت و جلال کی قسم اگر میں یوں کہوں کہ اللہ کی محبت کی وجہ سے یہ کھال اس ہڈی پر خشک ہو گئی ہے تو یہ سچ ہو گا ۔۔۔۔ اس کے بعد وہ بیہوش ہو گئے اور ان کا گول چہرہ چاند کی طرح چمکنے لگا۔ حالانکہ سریؒ سانولے رنگ کے تھے۔

سریؒ کے متعلق حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ تیس سال سے استغفار میں صرف اس بات سے اللہ کی معافی چاہ رہا ہوں کہ ایک بار میں نے "الحمد للہ" کہا تھا جب پوچھا گیا کہ یہ کیوں؟ تو فرمایا۔ بغداد میں آگ لگ گئی۔ مجھے ایک آدمی ملا۔ اس نے کہا تمہاری دکان بچ گئی۔ اس پر میں نے "الحمد للہ" کہا لہٰذا اب میں اسی لفظ کے کہنے پر تیس سال سے نادم ہوں۔ اس لئے کہ میں نے اس مصیبت میں جس میں مسلمان مبتلا تھے اپنے نفس کے لئے بھلائی چاہی۔

اس حکایت کی سند یوں ہے۔ عبد اللہ بن یوسف[(۱۰۹)] نے بیان کیا، کہا میں نے ابا بکر الرازی سے سُنا۔ فرمایا ابو بکر الحربی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے سریؒ سے اس قصے کو سنا۔ انھوں نے فرمایا۔ میں دن میں کئی بار اپنی ناک کو دیکھتا ہوں۔ کہ کہیں سیاہ تو نہیں ہو گئی۔ اس لئے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ میرے اعمال کی وجہ سے میرا چہرہ سیاہ نہ کر دیں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ میں نے سریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا "مجھے جنت میں جانے کا مختصر راستہ معلوم ہے۔"

میں نے عرض کیا وہ کون سا راستہ ہے؟

فرمایا۔ کسی سے کسی قسم کا سوال نہ کہہ۔ نہ کسی سے کوئی چیز لے اور نہ تمہارے پاس کوئی چیز ہو کہ تو اس میں سے کسی کو دے سکے۔

میں نے عبد اللہ[۱۰] بن یوسف الاصبہانی سے سنا، فرماتے تھے، میں نے ابو نصر السراج الطوسی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے میں نے جعفر بن نصیر سے سنا۔ وہ فرماتے تھے میں نے جنید بن محمد سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سری کو یوں کہتے ہوئے سنا۔ میں بغداد کے سوا کسی اور شہر میں مرنا چاہتا ہوں۔

کسی نے پوچھا یہ کیوں؟

فرمایا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری قبر مجھے قبول نہ کرے تو رسوا نہ ہو جاؤں۔

میں نے عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے ابو الحسن بن عبد اللہ الفرغانی الطرسوسی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے جنید سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سری کو فرماتے ہوئے سنا۔

خدایا! تو مجھے جو عذاب چاہے دے۔ مگر اپنے سے محجوب رہنے کی ذلت کا عذاب نہ دے۔

میں نے عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے ابو بکر الرازی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے الجریری[۱۱] سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے جنید سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں ایک روز میں سری سقطی کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا۔ فرمایا کل رات بچی آئی۔ اور کہا ابا جان! آج رات بہت گرمی ہے۔ میں یہ کوزہ یہاں لٹکائے دیتی ہوں۔ اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی تو ایک نہایت خوبصورت لڑکی دیکھی جو آسمان سے اتری۔ میں نے پوچھا تو کس کی لڑکی ہے؟ جواب دیا اس کی ہوں۔ جو کوزوں میں ٹھنڈا پانی نہ پیتا ہو۔ اس پر میں نے کوزہ لیا اور زمین پر دے مارا اور اس کو توڑ ڈالا۔

جنید فرماتے ہیں میں نے ان ٹھیکروں کو دیکھا ہے۔ سری نے نہ انھیں اٹھایا اور نہ چھوا۔ یہاں تک کہ مٹی میں انھیں مٹا دیا۔

۹۔ بشر حافی ۲۲۷ھ انھیں میں سے ابو نصر بشر بن الحارث الحافی ہیں۔ یہ دراصل مرو کے تھے۔ بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور وہیں مرے۔ یہ علی بن خشرم[113] کے بھانجے ہوتے ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی۔ بہت بڑی شان والے تھے۔

توبہ کا واقعہ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ انھیں راستہ میں کاغذ کا ایک پرزہ ملا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس پر لوگوں کے پاؤں پڑتے تھے۔ اس نے کاغذ اٹھا لیا۔ اور ایک درہم کی کستوری خریدی۔ اور کاغذ کو لگائی۔ اور دیوار کے شگاف میں رکھ دیا۔ اس کے بعد نیم خوابی کی حالت میں اس نے دیکھا۔ کہ کوئی اسے کہہ رہا ہے :۔

اے بشر تو نے میرے نام کو خوشبو لگائی ہے۔ میں تیرے نام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار بنا دوں گا۔

میں نے استا ابوعلی دقاق رحمہ اللہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے۔ کہ بشر کا گذر کچھ لوگوں پر ہوا تو انھوں نے کہا۔ یہ شخص رات بھر نہیں سوتا۔ اور ہر تیسرے دن کے بعد ایک بار روزہ افطار کرتا ہے۔ یہ سن کر بشر رو پڑے۔ جب اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔ مجھے یاد نہیں۔ کہ میں ایک رات کے سوا کبھی رات بھر بیدار رہا ہوں۔ اور نہ ہی یہ یاد ہے کبھی دن کو روزہ رکھا ہو۔ تو رات کو نہ کھولا ہو۔ مگر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے لوگوں کے دلوں میں اپنے بندے کے فعل سے کہیں زیادہ (نیکیاں) ڈال دیتا ہے اس کے بعد انھوں نے اپنی توبہ کا واقعہ بیان کیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔

خواب میں دیدار مصطفوی میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا، فرماتے تھے میں نے محمد بن عبد اللہ الرازی سے سنا فرماتے تھے میں نے عبد الرحمٰن[114] بن ابی حاتم سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ مجھے بتایا گیا کہ بشر حافی فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مجھے فرمارہے ہیں :۔

اے بشر کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے ساتھیوں میں اسقدر بلند مرتبہ کیونکر عطا کیا

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے تو معلوم نہیں۔

فرمایا۔ تجھے اسقدر بلند مرتبہ اس لئے دیا گیا کہ تو میری سنت کی پیروی کرتا ہے۔ صالحین کی خدمت کرتا ہے۔ اپنے بھائیوں سے خیر خواہی کرتا ہے۔ اور میرے صحابہ اور اہل بیت سے محبت رکھتا ہے۔ یہی وہ امور ہیں جنھوں نے تجھے ابرار کے درجہ تک پہنچا دیا ہے

میں نے محمد بن الحسن رحمہ اللہ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے محمد بن عبد اللہ الرازی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے: میں نے بلال الخواص سے سُنا کہ فرماتے ہیں۔

میں بنی اسرائیل کے جنگل زنیہ بنی اسرائیل ہسے گذر رہا تھا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اس سے مجھے حیرت ہوئی۔ پھر دل میں خیال آیا کہ خضر ہوں گے۔ لہٰذا میں نے اسے اللہ کی قسم دے کر پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا۔ میں تمہارا بھائی خضر ہوں۔ میں نے کہا میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے پوچھو۔ میں نے کہا آپ شافعی[۱۱] رحمہ اللہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا وہ اوتاد میں سے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ احمد بن حنبل[۱۶] کے متعلق کیا خیال ہے؟

فرمایا۔ وہ تو صدیق ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ بشر بن الحارث الحافی کے متعلق کیا خیال ہے؟

فرمایا اس کے بعد اس جیسا آدمی پیدا نہیں ہوا۔

میں نے عرض کیا آپ کی زیارت مجھے کس وسیلہ سے ہوئی؟

فرمایا۔ اپنی والدہ کی تابعداری کی وجہ سے۔

میں نے ابو علی دقاق رحمہ اللہ کو کہتے سنا کہ بشر حافی[۵۰] معافی[۱۷] بن عمران کے گھر آئے اور دستک دی۔ اندر سے پوچھا گیا کہ کون ہے۔ جواب دیا بشر حافی۔ اس پر ایک

چھوٹی بچی نے کہا اگر تو اپنے لئے دو دانق کا جوتا خرید لے تو لوگ تجھے حافی نہ کہیں

(اس واقعہ کی سند یوں ہے) اخبرنی بھذہ الحکایة محمد بن عبد اللہ الشیرازی قال حدثنا عبد العزیز بن الفضل قال حدثنی محمد بن سعید قال حدثنی محمد بن عبد اللہ قال سمعت عبد اللہ المغازلی یقول سمعت بشر الحافی یذکر ھذہ الحکایة

(دوسری سند) سمعت محمد بن الحسین یقول سمعت ابا الحسین الحجاجی یقول سمعت الحامدی[118] یقول سمعت الحسن المسوحی[119] یقول سمعت بشر بن الحارث یحکی ھذہ الحکایة۔

میں نے محمد بن[120] الحسین سے سنا فرماتے تھے میں نے ابو الفضل[121] العطار سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے احمد بن[122] علی الدمشقی سے سنا کہ فرماتے ہیں مجھے ابو عبد اللہ بن جلا نے بتلایا کہ میں نے ذو النون کو دیکھا۔ ان کا کلام واضح تھا۔ میں نے سہل کو دیکھا ان کے کلام میں اشارات تھے۔ بشر کو دیکھا تو ان میں پرہیز گاری تھی۔ اس پر کسی نے ان سے پوچھا آپ کا میلان کس کی طرف تھا۔ تو جواب دیا اپنے استاد بشر بن حارث کی طرف۔

کہا جاتا ہے کہ کئی سال تک باقلا در مچلیاں، کھانے کو ان کا جی چاہتا رہا۔ مگر انھوں نے نہیں کھائیں۔ پھر وفات کے بعد کسی نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ اللہ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا۔ جواب دیا۔ مجھے اللہ نے بخش دیا۔ اور کہا ارے وہ انسان جس نے دنیا میں نہ کھایا نہ پیا۔ اب خوب کھاؤ اور پیؤ۔

ابو عبد الرحمن السلمی رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے عبد اللہ بن[123] عثمان بن یحییٰ نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے ابو عمرو بن[124] السماک نے بیان کیا۔ فرمایا۔ ہم سے محمد بن[125] العباس نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے ابو بکر بن[126] بنت معاویہ نے بیان کیا۔ فرمایا۔ میں نے ابو بکر بن[127] عفان سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے بشر بن الحارث سے سنا وہ فرماتے ہیں

چالیس سال سے مجھے بھنا ہوا گوشت کھانے کی خواہش ہے۔ مگر ابھی اس کی قیمت صاف نہیں ہوئی۔

کسی نے بشر سے پوچھا:- تو روٹی کس چیز سے کھاتا ہے؟

جواب دیا:- عافیت یاد کر کے اسی کو سالن بنا لیتا ہوں۔

اس بات کی خبر ہمیں محمد بن الحسین رحمہ اللہ نے دی۔ وہ فرماتے ہیں ہمیں عبید اللہ بن عثمان نے بتلایا وہ کہتے ہیں ہمیں ابو عمرو بن السماک نے بتلایا وہ کہتے ہیں ہمیں عمر بن سعید[۱۲۸] نے بتلایا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے ابن ابی الدنیا[۱۲۹] نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے بشر سے مذکورہ بالا قصہ بیان کیا۔

بشر فرماتے ہیں:- حلال کی روزی اسراف کی متحمل نہیں ہوتی۔ کسی نے بشر کو خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ اللہ نے تجھ سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا اللہ نے مجھے معاف کر دیا۔ اور نصف جنت کی مجھے اجازت دے دی۔ اور فرمایا اے بشر! جو قدر و منزلت تمہاری میں نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال رکھی ہے۔ اس کا شکر تو انگاروں پر سجدہ کر کے بھی ادا نہیں کر سکتا۔

بشر فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ لوگ اسے جانیں وہ آخرت کا مزہ حاصل نہیں کر سکتا۔

۷۔ حارث محاسبی م ۲۴۳ھ

ان ہی میں سے ابو عبد اللہ الحارث بن اسد محاسبی ہیں۔ یہ علم و ورع۔ معاملات اور حال کے اعتبار سے اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ یہ اصل میں بصرہ کے تھے۔ ان کی وفات بغداد میں ۲۴۳ھ میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے انھیں اپنے باپ سے وراثت میں ستر ہزار درہم ملے۔ مگر انھوں نے قبول نہ کیئے۔ بعض اسی کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کا باپ "قدری" تھا۔ لہٰذا پرہیز گاری کے اصول کے مطابق انھوں نے یہی پسند کیا کہ اپنے باپ کی میراث میں سے کچھ نہ لیں۔ اور فرمایا:-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت پایۂ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔
لا یتوارث اهل ملتین شیئاً۔ دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا فرماتے تھے میں نے حسین بن یحییٰ[۱۳۰] سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے جعفر بن محمد بن نصیر سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے محمد بن مسروق سے سنا وہ فرماتے ہیں حارث بن اسد محاسبی جب فوت ہوئے تو ایک درہم تک کے محتاج تھے۔ حالانکہ ان کے باپ نے بہت سی جاگیر اور زمینیں چھوڑی تھیں۔ مگر انھوں نے اس میں سے کچھ بھی قبول نہیں کیا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا۔ کہ جب کبھی حارث محاسبی کسی ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے جس میں شبہ ہوتا تو ان کی انگلی کی ایک رگ پھڑک اٹھتی۔ (جس سے وہ سمجھ جاتے) اور کھانا نہ کھاتے۔

ابو عبد اللہ بن خفیف فرماتے ہیں ہمارے شیوخ میں سے صرف پانچ کی اقتدا کرو اور باقیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ الحارث بن اسد محاسبی۔ جنید بن محمد۔ ابو محمد رویم۔ ابو العباس بن عطا۔ اور عمرو بن عثمان مکی۔ کیونکہ یہ لوگ علم اور حقائق دونوں کے جامع ہیں۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے عبد اللہ بن علی الطوسی سے سنا، فرماتے تھے میں نے جعفر الخلدی سے سنا فرماتے تھے: میں نے ابو عثمان البلدی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ حارث محاسبی کہا کرتے تھے:۔

جس نے مراقبہ اور اخلاص کے ذریعہ سے اپنا باطن درست کر لیا اللہ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے زینت بخشتا ہے۔

جنید سے حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔ ایک دن حارث محاسبی میرے پاس سے گذرے تو میں نے ان میں بھوک کے آثار پائے۔ میں نے عرض کیا چچا! تشریف لائیے اور کچھ تناول فرمالیں۔ فرمایا بہتر۔ میں گھر میں آیا۔ اور تلاش کیا کہ کھانے کے لئے ہے کیا پیش کروں۔ گھر میں کہیں[۱۳۱] سے شادی کا کھانا آیا تھا۔ میں نے وہی ان کے سامنے لا رکھا۔ انھوں نے اس میں سے ایک لقمہ لیا۔ اور کئی بار منہ میں گھمایا۔ پھر اٹھے اور دہلیز میں جاکر اسے پھینک دیا اور چلے گئے۔ اس کے کئی دن بعد جب میں نے دوبارہ انھیں دیکھا تو میں نے

اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ اور میں نے چاہا کہ تمہارا کھانا کھا کر تمہیں خوش کروں اور تمہارا دل رکھوں۔ لیکن میرے اور میرے اللہ کے درمیان عہد ہے کہ جس کھانے میں شبہ ہو وہ میرے حلق کے نیچے نہیں اُترے گا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اسے نگل نہیں سکا۔ یہ کھانا کہاں سے آیا تھا؟ میں نے عرض کیا۔ ہمارے پڑوس میں شادی تھی وہاں سے یہ کھانا آیا تھا۔ میں نے پھر عرض کیا۔ اچھا آج تشریف لائیں۔ فرمایا اچھا۔ میں نے روٹی کا ایک سوکھا ہوا ٹکڑا پیش کیا۔ اور آپ نے وہ کھا لیا۔ اور فرمایا، جب کسی درویش کو کھانا پیش کرو تو ایسا کھانا پیش کیا کرو۔

۸۔ داؤد طائیؒ م ۱۶۵ھ ان ہی میں سے ابوسلیمان داؤد بن نصیر طائیؒ[۱۳۲] ہیں یہ بڑی شان والے بزرگ ہیں۔

ہم سے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے ابوعمر بن مطر نے بیان فرمایا۔ ہم سے محمد بن[۱۳۳] المسیب نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یوسف کا کہنا ہے کہ داؤد طائیؒ کو وراثت میں بیس دینار ملے جنہیں انھوں نے بیس سال میں خرچ کیا۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو کہتے سُنا کہ داؤد طائیؒ کے زہد کا سبب یہ تھا کہ وہ بغداد میں سے گذرا کرتے تھے۔ ایک دن گذرے تو راستہ چلنے والے اسے دھکیل کر حمید طوسی کے سامنے لے آئے۔ داؤد نے جب غور سے دیکھا تو حمید پر نظر پڑی فرمایا، تُف ہے دنیا پر۔ اس دنیا میں حمید تجھ سے آگے نکل گیا۔ پھر گھر ہی کے ہو لئے۔ اور مجاہدہ و عبادت میں مشغول ہو گئے۔

میں نے بغداد میں ایک فقیر کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ داؤد طائیؒ کے زہد کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے ایک نوحہ کرنے والی عورت کو ماتم کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا۔

باَیّ خدیک تبدی البلیٰ　　　واَیّ عینیک اذن سالا

(اے پیارے عزیز، تمہارا کون سا رخسار بوسیدہ ہوا۔ اور کون سی آنکھ بہہ گئی)

بعض کہتے ہیں کہ اس کے زہد کا سبب یہ تھا کہ یہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس

بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن ابو حنیفہؒ نے انھیں کہا۔

اے ابو سلیمان ہم نے سازو سامان تو مضبوط تیار کر لیا ہے۔

داؤد نے پوچھا اب کون سی چیز باقی رہ گئی ہے۔

ابو حنیفہ نے فرمایا، اس پر عمل کرنا۔

داؤد کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے نفس نے مجھے گوشہ نشینی کی طرف کھینچا۔ مگر میں نے دل میں کہا اس وقت تک گوشہ میں نہ جانا جب تک کہ اس کی مجلس میں نہ بیٹھ لے بشرطیکہ کسی مسئلہ میں گفتگو نہ کرے۔

داؤد کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایک سال تک ان کی مجلس میں بیٹھا مگر کسی مسئلہ میں گفتگو نہیں کی۔ کئی ایک مسائل ذہن پر گذرتے۔ اور میں بات کرنے کا اس سے بھی زیادہ مشتاق ہوتا جتنا کہ ایک پیاسا ٹھنڈے پانی کا مشتاق ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود میں نہیں بولتا تھا۔ اس کے بعد داؤد جس مرتبہ کو پہنچے، ظاہر ہے۔

کہتے ہیں جنید نامی حجام نے انھیں سینگی لگائی۔ انھوں نے اسے ایک دینار دیا۔ کسی نے کہا یہ تو اسراف ہے۔ تو فرمایا۔ جس شخص میں مروت نہیں پائی جاتی، اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں ہو سکتی۔

داؤد رات کے وقت یوں کہا کرتے۔ خدایا! تیرے غم نے تمام دنیاوی غموں کو معطل کر دیا ہے۔ اور یہ غم میرے اور میری نیند کے درمیان حائل ہے۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا۔ فرماتے تھے ہم سے محمد بن یوسف[۱۳۶] نے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے سعید بن عمرو نے بیان کیا۔ کہتے تھے۔ ہم سے علی بن حرب[۱۳۷] الموصلی نے بیان کیا کہتے تھے ہم سے اسمٰعیل بن زیاد[۱۳۸] الطائی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ داؤد طائی کی دایہ نے ان سے کہا، کیا تجھے روٹی کی خواہش نہیں ہوتی؟ تو جواب دیا۔ روٹی چبانے اور نان کے ٹکڑوں کو نگلنے میں پچاس آیتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

جب داؤد کی وفات ہوئی تو ایک نیک صالح، شخص نے انھیں خواب میں دیکھا۔ کہ دوڑ رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟

جواب دیا:- ابھی ابھی قید خانہ سے چھٹکارا پاکر آیا ہوں۔ اس کے بعد اس آدمی کی آنکھ کھل گئی اور رونے اور چیخنے کی آواز بلند ہوئی۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ داؤد مر گئے۔

ایک آدمی نے ان سے کہا۔ مجھے وصیّت کہو تو فرمایا۔ موت کا لشکر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص اُن کے پاس آیا۔ دیکھا کہ پانی کے مٹکے پر دھوپ پڑ رہی ہے اس نے کہا آپ اسے سایہ میں کیوں نہیں کر دیتے۔ فرمایا:- جب میں نے اسے یہاں رکھا تھا اُس وقت دھوپ نہ تھی۔ اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں ایسے کام کے لئے قدم اٹھاؤں جس میں حظ نفس پایا جائے۔

ایک بار ایک شخص اُن کے پاس آیا۔ اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ انھوں نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ صوفیا فضول نظروں کو بھی اسی طرح بُرا جانتے ہیں۔ جس طرح فضول کلام کو۔

عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی نے ہم سے بیان کیا۔ فرمایا ہم سے ابو اسحٰق[۱۳۹] ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی نے بیان کیا فرمایا ہم سے قاسم بن[۱۴۰] احمد نے بیان کیا فرمایا میں نے میمون الغزال سے سُنا۔ فرماتے تھے۔ کہ ابو الربیع واسطی فرماتے ہیں کہ انھوں نے داؤد طائی سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ انھوں نے فرمایا:-

دنیا سے روزہ رکھو اور موت سے روزہ کھولو اور لوگوں سے اسی طرح بھاگو جس طرح درندہ سے بھاگتے ہو۔

۹۔ شقیق بلخی م ۱۹۴ھ

ان ہی میں سے ابو علی شقیق بن[۱۴۱] ابراہیم بلخی ہیں۔ یہ خراسان کے مشائخ میں سے تھے۔ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے (لہ لسان فی التوکل) حاتم اصم کے استاد تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ یہ ایک مالدار خاندان میں سے تھے۔ تجارت کے لئے ترکستان گئے۔ اور ابھی نوخیز تھے، وہاں بت خانہ میں گئے۔ ایک پجاری کو دیکھا۔ جس نے سر اور داڑھی منڈا رکھی

تھی۔ اور ارغوانی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے

شقیق نے پجاری سے کہا۔ تمہارا بنانے والا زندہ، عالم اور قدرت والا ہے
اس کی عبادت کرو۔ اور ان بتوں کی جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ ضرر۔ پوجا نہ کرو۔ پجاری
نے جواب دیا: اگر واقعی ایسی ہی بات ہے جیسی تو کہہ رہا ہے تو وہ اس بات پر بھی
قادر ہے۔ کہ وہ تجھے تمہارے شہر ہی میں روزی دے دے۔ تو تجارت کی تکلیف اٹھا
کر یہاں کیوں آیا ہے۔ ان الفاظ کو سن شقیق چونکے۔ اور انھوں نے طریق زہد اختیار کر لیا

زہد کی ایک اور وجہ بعض کہتے ہیں کہ اُن کے زہد کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے ایک
غلام کو قحط کے زمانہ میں کھیلتے اور اُچھلتے دیکھا۔ حالانکہ قحط کی
وجہ سے لوگ بہت پریشان تھے۔ شقیق نے اس غلام سے پوچھا کیا بات ہے کہ تو اسقدر
خوش ہے، کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ لوگ اس قحط و گرانی کی وجہ سے کیسے پریشان ہیں

غلام نے جواب دیا: مجھے اس قحط کا کیا غم ہے جبکہ میرے آقا کے پاس ایک ایسا
گاؤں ہے جس سے اسے اسقدر آمدنی ہو جاتی ہے۔ جو ہماری ضروریات کے لئے کافی ہے

یہ سن کر شقیق چونکے اور کہا کہ اس کے آقا کے پاس صرف ایک گاؤں ہے۔ اور وہ
بھی مخلوق و محتاج ہے۔ اس کے باوجود اسے روزی کی فکر نہیں۔ لہذا یہ کیونکر مناسب ہو سکتا
ہے کہ ایک مسلمان اپنی روزی کی فکر کرے۔ حالانکہ اس کا مولا مالدار ہے۔

میں نے ابو عبدالرحمن السلمی رحمۃ اللہ سے سنا فرماتے تھے۔ میں نے ابوالحسین بن احمد
العطار البلخی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے احمد بن محمد البخاری سے سُنا، فرماتے ہیں کہ حاتم
اصم کہتے ہیں کہ شقیق بن ابراہیم مالدار تھے۔ نوجوان بنتے اور نوجوانوں کی صحبت میں رہتے
تھے۔ اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسیٰ بن ماہان تھا۔ جسے شکاری کتوں سے بڑی محبت تھی
ایک بار اس کا ایک کتا گم ہو گیا۔ کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص کے پاس ہے۔ یہ شخص
شقیق کے پڑوس میں رہتا تھا۔ جب اس شخص کی تلاش ہوئی تو اس نے جا گ کر شقیق
کے گھر میں پناہ لی۔ شقیق حاکم کے پاس گئے، اور کہا کتا تو میرے پاس ہے۔ لہٰذا اس کا
پیچھا چھوڑ دو۔ میں تین دن کے اندر کتا تمہیں دے دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے اس شخص

کو چھوڑ دیا۔ شفیق واپس آیا تو بہت فکرمند تھا۔ یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آگیا۔ شفیق کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا۔ اور اب بلخ کو واپس آرہا تھا۔ راستہ میں اسے ایک کتا ملا۔ جس کے گلے میں پٹہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے پکڑ لیا۔ اس خیال سے کہ وہ شفیق کو بطور تحفہ دے گا۔ کیونکہ وہ کتوں کا دلدادہ تھا۔ چنانچہ وہ کتا لے آیا۔ جب شفیق نے دیکھا تو وہی امیر کا کتا تھا۔ یہ دیکھ کر شفیق بہت خوش ہوا۔ کتے کو جاکر امیر کو دے دیا۔ اور ضمانت سے پیچھا چھڑایا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شفیق اس واقعہ سے غفلت سے بیدار ہوا۔ اپنے اعمال سے توبہ کی۔ اور طریق زہد اختیار کرلیا۔

حاتم اصم بتاتے ہیں ایک جنگ میں میں اور شفیق اکٹھے ترکوں سے لڑ رہے تھے۔ سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اور نیزے اور تلواریں ٹوٹ رہی تھیں۔ اس حالت میں شفیق نے مجھ سے پوچھا:۔ حاتم آج اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔ کیا وہی خوشی محسوس کر رہے ہو جو تمہیں شب زفاف میں ہوئی تھی۔ یا نہیں؟ میں نے کہا اللہ کی قسم ہرگز نہیں۔ انھوں نے فرمایا مگر اللہ کی قسم میں تو ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں جیسا کہ اس رات محسوس کیا تھا۔ یہ کہہ کر اپنی ڈھال سر کے نیچے رکھ کر دونوں صفوں کے درمیان سوگئے۔ یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔

شفیق فرماتے ہیں:۔ جب تو کسی آدمی کی حقیقت کو معلوم کرنا چاہے تو دیکھ کہ اللہ نے اس سے کیا وعدہ کیا ہے۔ اور لوگوں نے کیا؟ بس اس کے دل کا اعتماد ان دونوں میں سے جس پر زیادہ ہوگا وہی اس کی حقیقت ہوگی۔

نیز شفیق فرماتے تھے۔ انسان کا تقویٰ تین باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ۱۔ وہ کیا لیتا ہے۔ ۲۔ کن چیزوں سے اپنے آپ کو روکتا ہے۔ اور ۳۔ کیا باتیں کرتا ہے؟

۱۰۔ ابو یزید بسطامی م ۲۶۱ھ انھیں میں سے ابو یزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی ہیں۔ ان کے دادا پہلے مجوسی تھے۔ پھر اسلام لے آئے۔ یہ تین بھائی تھے آدم۔ طیفور اور علی۔ اور تینوں عابد و زاہد تھے۔ ان میں ابو یزید سب سے زیادہ جلیل القدر تھے بعض کہتے ہیں کہ ابو یزید کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ اور

بعض ۳۴ ۲ ھ بتاتے ہیں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے ابوالحسین[۱۴۲] الفارسی سے سنا کہتے تھے میں نے الحسن بن علی سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ابو یزید سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی۔ تو فرمایا:۔

پیٹ کو بھوکا اور بدن کو ننگا رکھ کر۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے عمی[۱۴۳] البسطامی سے سنا۔ کہتے تھے میں نے ابو یزید سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر علم اور اس پر عمل کرنے سے بڑھ کر کسی چیز کو مشکل نہیں پایا۔ اگر علماء میں اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک ہی اجتہاد پر رہ جاتا۔ اور مسئلہ تجرید توحید کے علاوہ دوسرے مسائل میں علماء کا اختلاف رحمت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا سے نکلنے سے پہلے بایزید نے تمام قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

ابو حاتم السجستانی نے ہم سے بیان کیا کہ ابو نصر السراج نے بیان کیا۔ کہا میں نے طیفور البسطامی سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے المعروف بعمی البسطامی سے سنا کہتے تھے میں نے اپنے والد سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ مجھے بایزید نے کہا: آ چل کر اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے۔ اور یہ شخص لوگوں میں اپنے زہد کی وجہ سے مشہور تھا اور دور دراز سے لوگ اس کے پاس آتے تھے۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو وہ گھر سے نکلا۔ اور مسجد میں داخل ہوا اور قبلہ کی جانب تھوک پھینکا۔ (یہ دیکھ کر) ابو یزید واپس چلے آئے اور اسے سلام بھی نہ کیا۔ اور فرمایا:۔ یہ شخص تو آداب نبوی میں سے ایک ادب کا بھی امین نہیں۔ ولایت کا جس کا یہ مدعی ہے۔ کیسے امین ہو سکتا ہے۔

اسی اسناد سے ایک روایت یہ ہے کہ ابو یزید نے کہا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ مجھے کھانے اور عورتوں کی مصیبت سے نجات دے۔ پھر خیال آ گیا کہ میرے لئے یہ درخواست کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ رسول اللہ نے بھی اللہ سے اس قسم کی درخواست نہیں کی۔ لہٰذا میں نے یہ درخواست نہیں کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے عورتوں کی مصیبت سے بچا لیا۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہی نہیں ہوتا کہ عورت سامنے آئی ہے یا دیوار۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے الحسن بن علی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے عمّی البسطامی سے سنا۔ کہتے تھے میں نے اپنے والد سے سنا کہ وہ کہتے تھے۔ میں نے ابو یزید سے ان کی ابتدا اور زہد کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: زہد کی کوئی منزل نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کیوں؟ فرمایا۔ اس لئے کہ میں صرف تین دن تک زہد میں رہا۔ جب چوتھا دن ہوا تو میں اس سے نکل آیا۔ پہلے دن تو میں نے دنیا وما فیہا سے زہد کیا۔ دوسرے دن میں نے آخرت وما فیہا سے زہد کیا۔ اور تیسرے دن اللہ کے ماسوا سے زہد کیا۔ جب چوتھا دن ہوا تو اللہ کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ میں دیوانہ وار پھرنے لگا۔ اچانک ہاتف کی آواز سنائی دی۔ اے بایزید تو ہمارے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ میں نے کہا میں تو یہی چاہتا ہوں۔ پھر ایک کہنے والے کو سنا کہ کہہ رہا ہے تو نے اپنا مقصد پا لیا۔

کسی نے ابو یزید سے پوچھا:۔ تجھے اللہ کی راہ میں کونسی مشکل ترین چیز برداشت کرنی پڑی۔ جواب دیا:۔ اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ پھر پوچھا:۔ اچھا تمہارے نفس نے تم سے سب سے آسان بات کون سی دیکھی۔ جواب دیا:۔ یہ بتلائے دیتا ہوں۔ میں نے نفس کو ایک عبادت کی طرف دعوت دی مگر نفس نے قبول نہ کیا۔ اس پر میں نے ایک سال تک اسے پانی نہیں دیا۔

ابو یزید فرماتے ہیں:۔ تیس سال سے میری یہ حالت ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر نماز کے وقت اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ میں گویا ابھی مجوسی ہوں اور اپنا زنار کاٹنا چاہتا ہوں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے عبداللہ بن علی سے سنا۔ کہتے تھے میں نے موسیٰ بن عیسیٰ سے سنا کہتے تھے۔ میرے والد نے فرمایا۔ کہ ابو یزید فرماتے ہیں

اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات دی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہو پھر بھی تم اس سے دھوکا نہ کھانا۔ یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر و نواہی

حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی ادائیگی میں کیسا ہے؟

عمی البسطامی نے اپنے والد سے حکایت کی، فرماتے تھے کہ ایک رات ابو یزید ایک سرائے کی دیوار پر اللہ کی یاد کے لیے گئے مگر صبح تک کوئی ذکر نہ کر سکے۔ میں نے سبب دریافت کیا، تو فرمایا:۔ بچپن میں ایک لفظ زبان پر جاری ہو گیا تھا۔ وہ یاد آ گیا تھا۔ اس لئے شرم آئی کہ اسی زبان سے اللہ کی یاد کروں۔

۱۱۔ سہل تستری م ۲۸۳ھ

انہی میں سے ابو محمد سہل[۱۵۰] بن عبداللہ تستری ہیں۔ یہ صوفیا کے اماموں میں سے تھے۔ معاملات اور پرہیزگاری میں اپنے زمانہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ صاحب کرامات تھے۔ جس سال ذوالنون مصری حج کے لئے آئے۔ اُن کی اُن سے ملاقات مکہ میں ہوئی۔ ان کی وفات ۲۸۳ھ میں ہوئی۔ بعض ۲۷۳ھ بتاتے ہیں۔

سہل فرماتے ہیں میں ابھی تین سال کا تھا کہ رات کو اُٹھ کر اپنے ماموں محمد بن سوار[۱۵۱] کی نماز کو دیکھا کرتا تھا۔ میرے ماموں رات کو نماز کے لئے اٹھا کرتے تھے۔ بعض اوقات مجھے کہتے: اے سہل جا سو جا، کیونکہ میرا دل تمہاری طرف لگ گیا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو الفتح یوسف[۱۵۲] بن عمر الزاہد سے سنا کہتے تھے۔ میں نے عبداللہ بن عبدالحمید سے سنا کہتے تھے میں نے عبداللہ[۱۵۳] بن لولو سے سنا، کہتے تھے میں نے عمر بن واصل[۱۵۴] البصری سے سنا، وہ سہل بن عبداللہ سے حکایت کرتے ہیں کہ انھیں اُن کے ماموں نے ایک دن کہا کیا تو اپنے اس خدا کی یاد نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ سہل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:۔ میں اُسے کیسے یاد کروں، فرمایا جب تو اپنے کپڑوں میں پلٹے تو زبان کو حرکت دیئے بغیر تین بار دل سے کہو۔

اللہ معی، اللہ ناظر الیّ، اللہ شاہدی

میں نے تین راتوں تک ایسا کیا۔ پھر اُن کو بتایا۔ انھوں نے فرمایا:۔ اب ہر رات سات بار کہا کرو۔ میں نے ایسا کیا اور پھر اُن کو اطلاع دی۔ انھوں نے فرمایا:۔ اب

ہر رات گیارہ بار کہا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس سے میرے دل میں لذت و حلاوت پیدا ہو گئی۔ جب اس طرح سال گذر گیا تو مجھے میرے ماموں نے کہا۔ جو بات میں نے تجھے سکھائی ہے اسے محفوظ رکھو۔ اور اس پر تادم مرگ قائم رہو۔ یہ تجھے دنیا و آخرت میں فائدہ دے گی۔ میں کئی سال تک ایسا کرتا رہا۔ تو میرے باطن کے اندر لذت و حلاوت محسوس ہوئی۔ پھر ایک دن میرے ماموں نے کہا۔ اے سہل جس شخص کے ساتھ اللہ ہو اور وہ اسے دیکھ بھی رہا ہو اور گواہ ہو، کیا وہ شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا؟ نافرمانی سے بچتے رہو۔ اب میں خلوت میں رہنے لگا۔ اس کے بعد گھر والوں نے مجھے مدرسہ میں بھیج دیا۔ میں نے کہا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے ہموم منتشر نہ ہو جائیں۔ لہٰذا میں معلم کے پاس اس شرط پر جانے لگا۔ کہ صرف ایک گھنٹہ کے لئے جاؤں۔ اور سبق پڑھ کر واپس چلا آؤں۔ میں مدرسہ گیا۔ اور چھ سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ میں سال بھر روزہ رکھتا تھا۔ اور جَو کی روٹی کھایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میری عمر بارہ سال کی ہو گئی۔ تیرہ برس کی عمر میں ایک مسئلہ درپیش ہوا۔ میں نے گھر والوں سے درخواست کی، کہ مجھے بصرہ بھیج دیں تاکہ میں اس مسئلہ کے متعلق دریافت کر سکوں۔ چنانچہ میں بصرہ پہنچا۔ وہاں کے علماء سے پوچھا مگر کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ میں عبادان کو نکل گیا۔ اور وہاں ابو حبیب حمزہ بن عبداللہ العبادانی سے ملا۔ اس نے اس مسئلہ کا جواب دیا۔ ایک مدت تک میں اس کے پاس رہا۔ اس کے کلام سے میں بہت مستفید ہوا۔ اور اس کے آداب کو میں نے اپنا لیا۔ اس کے بعد میں تستر لوٹ آیا۔ میں نے اپنی خوراک کو بہت کم کر دیا۔ اس طرح کہ ایک درہم کا ایک "فَرَق" بھر جَو خرید لیتا اسے پیس لیا جاتا۔ اور روٹی پکائی جاتی۔ اور میں ہر رات صرف اوقیہ بھر روکھی روٹی جس کے ساتھ نہ نمک ہوتا اور نہ سالن، افطار کرتا۔ چنانچہ میرے لئے ایک درہم سال بھر کے لئے کافی ہوتا۔ اس کے بعد میں نے تین راتوں کے بعد افطار کرنے کا عزم کر لیا۔ پھر بڑھاتے بڑھاتے پانچ کیا۔ پھر سات، پھر پچیس۔ اس طرح میں نے بیس سال گذارے۔ پھر میں کئی سال سیاحت کرتا رہا۔ اور پھر تستر لوٹ آیا۔ اب میں رات بھر قیام میں رہتا ہوں۔

میں نے محمد بن الحسین[155] سے سنا کہتے تھے: میں نے ابو العباس البغدادی سے سنا، کہتے تھے. میں نے ابراہیم بن فراس سے سنا کہتے تھے میں نے نصر بن احمد[156] سے سنا کہ فرماتے تھے سہل بن عبد اللہ کا قول ہے:۔

ہر وہ فعل جسے انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کے بغیر کرے. خواہ وہ عبادت ہو یا معصیت، وہ نفس کی زندگی ہے. اور ہر وہ فعل جسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں کرے وہ نفس کے لئے عذاب ہے.

۱۷۔ ابو سلیمان عبد الرحمٰن دارانی م ۲۱۵ھ

ان ہی میں سے ابو سلیمان عبد الرحمن بن عطیہ دارانی ہیں. داران دمشق کی ایک بستی ہے. ۲۱۵ھ میں انھوں نے وفات پائی.

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے میں نے عبد اللہ بن محمد[157] الرازی سے سنا کہتے تھے ہم سے اسحٰق بن[158] ابراہیم بن ابی حسان نے بیان کیا، کہتے تھے میں نے احمد بن ابی[159] الحواری سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان کو یوں کہتے سُنا.

جس نے دن کے وقت کوئی نیک کام کیا. اسے اسی رات جزا دی جاتی ہے. اور جس نے رات کو کوئی نیک عمل کیا اسے دن میں جزا دی جاتی ہے. اور جس نے صدق دل سے خواہشات کو چھوڑا اللہ تعالیٰ ان خواہشات کو اس کے دل سے نکال دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ مہربان ہیں کہ وہ کسی دل کو اسکی اس خواہش کی وجہ سے عذاب دیں جو اللہ کی خاطر ترک کی گئی ہو.

انھی اسناد سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا.

جس دل میں دنیا سکونت پذیر ہو جاتی ہے. آخرت وہاں سے کوچ کر جاتی ہے.

میں نے ابو عبد الرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا، فرماتے تھے میں نے الحسین[160] بن یحییٰ سے سنا، فرماتے تھے. میں نے جعفر بن محمد بن نصیر سے سنا، فرماتے تھے، میں نے جنید سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں.

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکات معرفت وارد ہوتے

میں اور کئی دنوں تک رہتے ہیں۔ مگر جب تک کتاب و سنت کے دونوں عادل گواہ ان کی تائید نہ کریں انھیں قبول نہیں کرتا۔

نیز فرماتے ہیں:۔ بہترین عمل خواہشات نفسانی کی مخالفت ہے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ ہر چیز کی علامت ہے اور خذلان د ذلت کی علامت یہ ہے کہ ہم رونا ترک کردیں۔

فرمایا:۔ ہر چیز کو زنگ لگتا ہے اور قلب کے نور کا زنگ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔

فرمایا:۔ ہر وہ چیز جو تجھے اللہ سے غافل کردے۔ خواہ وہ گھر بار ہو، مال ہو یا اولاد وہ تمہارے لئے منحوس ہے۔

فرماتے ہیں:۔ ایک رات سخت سردی تھی، اور میں محراب میں عبادت کر رہا تھا۔ سردی نے مجھے بے چین کردیا۔ لہٰذا میں نے ایک ہاتھ سردی کی وجہ سے چھپا لیا۔ اور دوسرا ہاتھ پھیلائے رکھا۔ اس درمیان میں میری آنکھیں لگ گئیں جس پر ایک ہاتف کی آواز آئی۔ اے ابوسلیمان! ہم نے اس ہاتھ میں کچھ رکھ دیا ہے۔ جو اسے مل گیا ہے، اگر دوسرا ہاتھ بھی ہوتا تو اس میں بھی کچھ رکھ دیتے۔ لہٰذا میں نے قسم کھالی کہ اب میں ہمیشہ ہاتھ پھیلا کر دُعا مانگا کروں گا۔ خواہ گرمی کا زمانہ ہو یا سردی کا۔

ابوسلیمان فرماتے ہیں، میں ایک بار سو گیا۔ اور اپنا ورد نہ پڑھ سکا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حور مجھے کہہ رہی ہے کیا تو سو رہا ہے۔ حالانکہ مجھے تمہارے لئے پانچ سو سال سے ان خیموں میں پرورش کیا جا رہا ہے۔

عبداللہ بن یوسف الاصبہانی نے ہم سے بیان کیا۔ کہا ہم سے ابوعمر(۱۶۱) الحوالستی نے بیان کیا۔ کہا ہم سے محمد بن اسمٰعیل(۱۶۲) نے بیان کیا۔ کہا ہم سے احمد بن ابی الحواری نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ابوسلیمان کے پاس گیا۔ تو وہ رو رہے تھے، میں نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ فرمانے لگے احمد! میں کیوں نہ روؤں۔ جب رات تاریک ہو جاتی ہے اور لوگ سو جاتے ہیں اور ہر حبیب اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں چلا جاتا ہے۔ اور اہل محبت اپنے پاؤں پھیلا لیتے ہیں اور اُن کے رخساروں پر آنسو بہتے ہیں

اور صحراؤں میں قطرے گرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں۔ اور جبرئیل کو پکار کر کہتے ہیں اے جبرئیل! جو لوگ میرے کلام سے لذت حاصل کرتے ہیں اور میرے ذکر سے راحت پاتے ہیں۔ وہ میری نگاہ میں ہیں۔ ان کی خلوت گاہوں میں میں ان کو دیکھتا ہوں۔ ان کی آہ وزاری کو سنتا ہوں اور رونے کو دیکھتا ہوں۔ اے جبرئیل تو پکار کر کیوں نہیں پوچھتا۔ کہ یہ رونا کیسا ہے کیا کبھی کوئی حبیب اپنے محبوب کو عذاب دیتا ہے۔ میرے لئے کیا یہ مناسب ہے کہ میں ان لوگوں کی گرفت کروں۔ جو رات ہوتے ہی میرے آگے چاپلوسی کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم جب یہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے تو ان کے لئے اپنے چہرے سے پردہ اٹھا دوں گا۔ تاکہ وہ مجھے دیکھ لیں۔ اور میں انھیں دیکھ لوں۔

۱۳۔ حاتم اصم

انہی میں سے ابو عبد الرحمن[۱۹۳] حاتم بن علوان ہیں۔ بعض حاتم بن یوسف الاصم بتاتے ہیں۔ خراسان کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ شقیق بلخی کے شاگرد اور احمد بن خضرویہ کے استاد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دراصل بہرے نہ تھے۔ لیکن ایک بار تکلفاً بہرے بنے پھر ان کا یہی نام پڑ گیا۔

اصم نام کی وجہ

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک عورت حاتم سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آئی۔ اتفاقاً اس وقت اس سے آواز نکل گئی جس سے وہ شرمندہ ہو گئی۔ حاتم نے کہا۔ اور بلند آواز سے کہو اور ایسا ظاہر کیا جیسے وہ بہرے ہیں۔ اس سے عورت بہت خوش ہوئی۔ اور سمجھی کہ اس نے گوز کی آواز نہیں سنی۔ اسی وجہ سے انھیں اصم (بہرہ) کہا جانے لگا۔

شیخ ابو عبد الرحمن السلمی رحمۃ اللہ نے ہم سے بیان کیا۔ کہا میں نے ابو علی سعید بن احمد سے سنا کہتے تھے: میں نے اپنے والد سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن عبد اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے اپنے ماموں محمد بن اللیث[۱۹۴] سے سنا کہتے تھے۔ میں نے حامد اللفاف سے سنا وہ کہتے تھے۔ کہ میں نے حاتم اصم کو یوں فرماتے سنا۔

ہر صبح مجھے شیطان کہتا ہے:۔ تو کیا کھائے گا؟ کیا پہنے گا اور کہاں رہے گا؟

میں جواب دیتا ہوں:۔ موت کھاؤں گا۔ کفن پہنوں گا اور قبر میں رہوں گا۔

اسی سند سے مروی ہے کہ اُن سے پوچھا گیا:- آپ کیا چاہتے ہیں ؟ تو جواب دیا:- دن چڑھنے سے لے کر رات ہونے تک عافیت چاہتا ہوں۔ پھر سوال کیا گیا:- کیا تمام دن عافیت کے دن نہیں ہوتے ؟ تو فرمایا:-
میرا عافیت کا دن وہ ہوتا ہے جس میں میں اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کروں

ایک کرامت

حاتم اصم سے حکایت(۱۶۶) کی گئی ہے۔ انھوں نے فرمایا:- میں ایک جنگ میں تھا تو مجھے ایک ترکی نے پکڑ کر قتل کرنے کے لئے لٹا دیا۔ مجھے کسی قسم کی فکر نہ ہوئی۔ بلکہ میں منتظر تھا کہ دیکھوں اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ ابھی وہ اپنے موزے میں سے چھری لے ہی رہا تھا کہ اچانک ایک تیر لگا اور وہ وہیں چت ہوگیا پھر میں اٹھ کھڑا ہوا۔

میں نے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا کہتے تھے میں نے ابُو نصر منصور بن الفقیہ سے سنا، کہتے تھے میں نے ابوجعفر بن محمد بن نصیر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ حاتم سے یہ قول مروی ہے:-
جو شخص ہمارے مذہب میں داخل ہوا اس میں موت کی چاروں خصلتیں پائی جانی چاہئیں۔ سفید موت یعنی بھوک۔ سیاہ موت یعنی مخلوق کی طرف سے اذیت برداشت کرنا۔ سرخ موت۔ یعنی خواہشات کی مخالفت میں ایسا عمل جو ہر قسم کے کھوٹ سے پاک ہو۔ سبز موت یعنی چیتھڑے پہ چیتھڑا لگانا۔

۱۴۔ یحییٰ بن معاذ رازی م ۲۵۸ھ

ان ہی میں سے ابُو زکریا یحییٰ(۱۶۷) بن معاذ رازی واعظ ہیں۔ اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ ان کے اقوال رجاء کے لئے مخصوص ہیں۔ اور معرفت میں بھی ان کا کلام پایا جاتا ہے۔ رے سے نکل کر بلخ چلے گئے۔ اور مدت تک وہیں ٹھہرے۔ پھر نیشاپور چلے آئے اور وہیں ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے عبداللہ(۱۶۸) بن محمد بن احمد بن حمدان العکبری سے سنا۔ کہتے تھے میں نے احمد بن محمد بن السری سے سنا۔ کہتے تھے۔

میں نے احمد بن عیسٰی سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے یحییٰ بن معاذ کو یوں کہتے سنا:۔ جس شخص میں ورع نہیں وہ زاہد کیسے ہو سکتا؟ جو چیز تمہاری نہیں ہے۔ اس سے پرہیز کرو۔ پھر جو چیز تمہاری ہے۔ اس سے زہد اختیار کرو۔ اسی اسناد سے انھوں نے فرمایا:۔

تو ابین کی بھوک تجربہ کے طور پر ہوتی ہے۔ زاہدین کی بھوک سیاست نفس کے طور پر اور صدیقین کی بھوک کرامت کی موجب بنتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ وقت کا فوت ہو جانا موت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ فوت ہو جانے سے اللہ سے تعلق ٹوٹتا ہے اور موت سے مخلوق سے قطع تعلق ہوتا ہے۔

یحییٰ فرماتے ہیں:۔ زہد تین چیزوں کا نام ہے۔ قلت[1]۔ خلوت[2] اور بھوک[3]۔

یحییٰ فرماتے ہیں:۔ اگر تو ہر وقت اپنے نفس کو ایسے امور میں لگائے رکھے جو اس کے لئے بہتر ہیں تو تمہارے نفس کے لئے اس سے بڑھ کر کسی اور چیز میں فائدہ نہیں ہو سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بار یحییٰ بن معاذ نے بلخ میں تقریر کرتے ہوئے الداری کو فقر پر ترجیح دی۔ پھر انھیں تیس ہزار درہم دیئے گئے۔ یہ دیکھ کر ایک بزرگ نے کہا:۔ خدا اس مال میں برکت نہ دے یہ نیشاپور کو گئے۔ اور ایک چور آ پڑا۔ اور مال لے اڑا۔

ہم سے عبداللہ ابن یوسف الاصبہانی نے بیان کیا کہا ہم سے ابو القاسم عبداللہ بن الحسین بن بالویہ الصوفی نے بیان کیا کہا میں نے محمد بن عبداللہ الرازی سے سنا کہتے تھے میں نے الحسین بن علویہ[1] سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے یحییٰ بن معاذ رازی کو کہتے ہوئے سنا۔

جس نے در پردہ اللہ سے خیانت کی اللہ تعالیٰ علانیہ طور پر اس کی پردہ دری کریں گے۔

میں نے عبداللہ بن یوسف سے سنا کہتے تھے میں نے ابو الحسین محمد بن عبد العزیز المؤذن سے سنا کہتے تھے میں نے محمد بن[2] محمد الجرجانی سے سنا کہتے تھے میں نے علی بن محمد[3] سے سنا۔ کہتے تھے کہ میں یحییٰ بن معاذ رازی کو سنا کہ وہ فرما رہے تھے۔

بڑے لوگوں کا یہ کہنا کہ تو پاک و صاف ہے۔ تمہارے لئے معیوب ہے اور ان کا تم

سے محبت کرنا تمہارے لئے عیب کا سبب ہے۔ اور جو تمہارا محتاج ہو وہ تمہارے نزدیک حقیر ہے۔

۱۵۔ احمد بن خضرویہ بلخی م ۲۴۰ھ ان میں سے ایک ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی ہیں خراسان کے بڑے مشائخ میں سے تھے یہ ابوتراب نخشبی کی صحبت میں رہے۔ نیشاپور پہنچ کر انھوں نے ابوحفص کی زیارت کی، اور پھر ابویزید کی زیارت کی غرض سے بسطام کو نکل گئے۔ فتوت میں ان کی بڑی شان تھی۔ ابوحفص فرماتے ہیں:۔ میں نے احمد بن خضرویہ سے بڑھ کر نہ کسی کو باہمت دیکھا اور نہ ہی سچے حال والا پایا۔

بایزید کہا کرتے تھے کہ احمد ہمارے اُستاد ہیں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، کہتے تھے، میں نے منصور بن عبد اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن حامد سے سُنا۔ وہ فرماتے ہیں جب احمد بن خضرویہ نزع کی حالت میں تھے تو میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اور اس وقت ان کی عمر پچانوے سال ہو چکی تھی۔ اس حالت میں ان کے ایک مرید نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور فرمایا:۔

بیٹا! پچانوے سال سے میں ایک دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا، اور اب وہ کھلنے کو ہے، مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کھلنا میرے لئے سعادتمندی کا سبب ہوگا۔ یا بدبختی کا۔ میرے پاس اب جواب دینے کا وقت کہاں؛

راوی کہتا ہے کہ ان کے ذمے سات سو دینار قرض تھا۔ قرض خواہ بھی اس وقت موجود تھے، احمدؒ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے اللہ تو نے مال کے مالکوں کے لئے مال رہن کو دستاویز قرار دے رکھا ہے اور تو قیامت کے دن یہ دستاویز ان سے لے گا۔ لہٰذا میرا قرضہ ادا کر دے۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت کسی نے دستک دی اور کہا احمدؒ کے قرض خواہ کہاں ہیں؛ اور احمد کا تمام قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد اُن کی روح نکل گئی۔ اُن کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی۔

احمدؒ بن خضرویہ فرماتے ہیں کہ کوئی نیند غفلت سے بڑھ کر بھاری نہیں اور نہ خواہشِ نفس سے بڑھ کر کوئی اور غلامی انسان پر قابو رکھتی ہے۔ اگر غفلت کا بوجھ تم پر نہ ہو تو تمہاری خواہش تم پر کبھی غالب نہ آسکے

۱۶۔ احمد بن ابی الحواری م ۲۳۰ھ

ان میں سے ایک ابوالحسین احمد بن ابی الحواری ہیں، یہ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ابوسلیمان دارانی وغیرہ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۲۳۰ھ میں ہوئی۔

جنید فرمایا کرتے تھے: احمد بن ابی الحواری شام کا گلدستہ ہیں۔ میں نے عبدالرحمن السلمی سے سنا، کہتے تھے، میں نے احمد الحافظ[۱۴۴] سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے سعید بن عبدالعزیز[۱۴۵] الحلبی سے سُنا۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن ابی الحواری کو یوں کہتے سُنا۔ جو کوئی دنیا کی طرف ارادتمندی اور محبت سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نور یقین اور زہد نکال دیتے ہیں۔

اسی سند سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: جس شخص نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر کوئی کام کیا۔ اس کا وہ عمل باطل ہے۔

اسی سند سے روایت ہے کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے سب سے بہتر رونا یہ ہے کہ بندہ ان اوقات پر روئے جن میں اس نے (شریعت) سے موافقت نہیں کی۔ (یعنی شریعت کے مطابق عمل نہیں کیا)

نیز فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی بندہ کو غفلت اور سنگدلی سے بڑھ کر سخت چیز میں مبتلا نہیں کیا۔

۱۷۔ ابوحفص عمر الحداد م ۲۶۰ھ تقریباً

ان میں سے ایک ابوحفص[۱۴۶] عمر بن مسلمۃ الحداد ہیں۔ بخارا کو جاتے ہوئے شہر نیشاپور کے دروازہ کے قریب ایک بستی ہے۔ جسے رود بار کہا جاتا ہے۔ یہ وہاں کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے کے ائمہ اور سادات میں سے تھے۔ ۲۶۰ھ سے چند سال بعد وفات پائی۔

ابوحفص فرماتے ہیں کہ گناہ کفر کا پیش خیمہ ہے۔ جس طرح بخار موت کا پیش خیمہ ہوتا ہے
فرماتے ہیں جب تو کسی مرید کو سماع سے محبت رکھتے ہوئے دیکھے تو سمجھ لو کہ اس
میں ابھی بے ہودگی پائی جاتی ہے۔

نیز فرمایا:۔ ظاہری آداب کا اچھا ہونا باطنی آداب کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔

نیز فرمایا:۔ جوانمردی یہی ہے کہ لوگوں سے انصاف کرو۔ مگر ان سے انصاف کا
مطالبہ نہ کرو۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوالحسن[177] محمد بن موسیٰ سے سنا کہتے
تھے: میں نے ابو علی[178] الثقفی سے سنا۔

وہ کہتے تھے کہ ابوحفص فرمایا کرتے تھے:۔ جو شخص ہر وقت اپنے افعال کو کتاب و
سنت کے میزان میں نہ تولتا ہو۔ اور نہ اپنے خیالات کو متہم کرتا ہو، اسے ہم مردوں کے
رجسٹر دیوان رجال میں شمار نہیں کرتے۔

ابوتراب نخشبی م ۲۴۵ھ

ان میں سے ایک ابوتراب[179] عسکر بن حصین نخشبی ہیں۔ یہ حاتم
اصم اور ابو حاتم[180] عطار مصری کی صحبت میں رہے اور ۲۴۵ھ
میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں جنگل میں درندوں نے کاٹ کھایا تھا۔

ابن جلاء فرماتے ہیں:۔ میں چھ سو شیوخ کی صحبت میں رہا۔ مگر چار شیوخ جیسا کسی
کو نہ پایا۔ ان میں پہلے ابوتراب نخشبی ہیں۔

ابوتراب فرماتے ہیں:۔ فقیر کی خوراک وہ ہے جو اسے مل جائے۔ لباس وہ ہے
جو اس کا ستر چھپا سکے۔ اور مسکن وہی ہو جہاں وہ اُترے۔

نیز ابوتراب فرماتے ہیں:۔ جب بندہ صدق دل سے کوئی کام کرتا ہے۔ تو
اسے کرنے سے پہلے ہی اس کی حلاوت محسوس ہو جاتی ہے۔ اور جب خلوص سے وہ کام
شروع کرتا ہے تو کام کرتے ہوئے اسے اس کی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے۔ میں نے اپنے دادا اسمٰعیل بن
نجید سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ جب ابوتراب نخشبی اپنے مریدوں میں کوئی ناپسندیدہ بات

دیکھتے تو از میر نو ان کرتو بہ کراتے۔ اور ان کو اور زیادہ مجاہدہ کا حکم دیتے اور فرماتے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ اُن سے اس قسم کی بات سرزد ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ جب تک لوگ خود اپنی حالت نہ بدلیں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو ان سے نہیں بدلتا۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سُنا کہ اپنے مریدوں سے کہہ رہے تھے

جس نے مرقع (گدڑی) پہنا وہ سائل بنا۔ جو خانقاہ یا مسجد میں بیٹھا وہ بھی سائل بنا۔ اور جس نے قرآن مجید سے کچھ پڑھا یا اس لیے پڑھا کہ لوگ سُنیں تو وہ بھی سائل بنا۔

انہیں کو میں نے یہ کہتے سُنا کہ ابو تراب کہا کرتے تھے:

میرے اور اللہ کے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ اگر میں اپنا ہاتھ حرام کی طرف پھیلاؤں تو میرا ہاتھ حرام تک نہ پہنچ سکے۔

ایک بار آپ نے اپنے ایک صوفی مرید کو تربوز کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا اور اس وقت وہ تین دن کا بھوکا تھا۔ اس پر انھوں نے فرمایا:

"تو اپنا ہاتھ تربوز کے چھلکے کی طرف بڑھا رہا ہے۔ تو تصوف کا اہل نہیں۔ جا بازار میں جا کر بیٹھ۔"

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے میں نے ابو العباس البغدادی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو عبد اللہ[۸۱] الفارسی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو الحسین[۸۲] الرازی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے یوسف[۸۳] بن الحسین سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو تراب نخشبی کو فرماتے سنا:

میرے نفس نے صرف ایک بار تمنا کی اور وہ یہ تھی کہ میرے نفس نے ایک بار جبکہ میں سفر میں تھا روٹی اور انڈے کی خواہش کی۔ لہٰذا میں راستہ سے ہٹ کر ایک بستی میں چلا آیا۔ ایک آدمی ایک کر مجھ سے چمٹ گیا۔ اور کہا یہ چوروں کے ساتھ تھا۔ انھوں نے مجھے اوندھا لٹا دیا۔ اور ستر ڈنڈے مارے۔ اسی وقت ایک صوفی ادھر آ نکلا اور وہ چیخ اُٹھا۔ اور کہا ارے یہ تو ابو تراب نخشبی ہیں۔ لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور معذرت چاہی۔ ایک آدمی مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اور اس نے میرے سامنے روٹی اور انڈے

لاکر رکھے۔ میں نے نفس سے کہا ستر کوڑوں کے بعد اب کھالو۔

ابن جلاء نے حکایت کی ہے کہ ابو تراب مکہ میں آئے۔ تو بہت خوش تھے۔ دریافت کیا۔ اے استاد آپ نے کھانا کہاں کھایا۔ فرمایا:۔ ایک لقمہ بصرہ میں، ایک لقمہ نباج میں اور ایک یہاں۔

۱۹۔ عبد اللہ بن خبیق

ان میں سے ایک ابو محمد عبد اللہ[۱۸۴] بن خبیق ہیں۔ زاہد صوفیوں میں سے تھے۔ یوسف بن اسباط[۱۸۵] کی صحبت میں رہے۔ دراصل کوفہ کے تھے۔ مگر انطاکیہ میں رہائش اختیار کر رکھی تھی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو الفرج[۱۸۶] الورثانی سے سنا۔ کہتے تھے میں نے ابو الازہر المیا فارقینی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے فتح بن[۱۸۷] شخرف سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ پہلی مرتبہ جب میں عبد اللہ بن خبیق سے ملا تو انھوں نے فرمایا:۔

اے خراسانی! صرف چار ہیں ان کے سوا کچھ نہیں۔ تمہاری آنکھ۔ زبان۔ دل اور خواہشِ نفس اپنی آنکھوں کی طرف دیکھو کسی ایسی طرف نگاہ نہ اٹھاؤ جو جائز نہ ہو۔ زبان کو دیکھو اس سے کوئی ایسی بات نہ کہو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہو کہ تو کہہ کچھ رہا ہے۔ اور تمہارے دل میں کچھ اور ہے۔ دل کو دیکھو۔ اس میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ و بغض نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنی خواہش کو دیکھو اور کسی قسم کی برائی کی خواہش مت کرو۔ اگر تم میں یہ چار خصلتیں نہیں پائی جاتیں تو سمجھ لو کہ تم بدبخت ہو۔ لہٰذا اپنے سر پر خاک ڈالو۔

ابن خبیق فرماتے ہیں:۔ غم نہ کھا، صرف اس چیز کا غم کھا جو تجھے کل (قیامت کے دن) ضرر پہنچائے۔ اور صرف اس چیز سے خوش ہو جو تجھے کل خوش کرے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ چونکہ بندہ اللہ سے مانوس نہیں اس لئے لوگوں کے دل ان سے مانوس نہیں۔ اگر لوگ اپنے رب کے ساتھ مانوس ہو جائیں تو سب لوگ ان سے مانوس ہو جائیں۔ نیز فرمایا:۔ سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا خوف وہ خوف ہے جو تجھے گناہوں سے روکے اور جس کی وجہ سے تو ان چیزوں پر دیر تک غم کھاتا رہے۔ جو تجھ سے چھوٹ گئی ہیں اور بقیہ عمر میں وہ تجھے فکر میں ڈالے رکھے۔

سب سے فائدہ مند امید وہ امید ہے جو تیرے لئے عمل کو آسان کر دے۔

نیز فرمایا:۔ ویہ ملک بیہودہ باتوں کو سنتے رہنا دل سے عبادت کو زائل کر دیتا ہے۔

۲۰۔ احمد بن عاصم[۱۸۸] انطاکی

بشر بن حارث۔ سری سقطی اور حارث محاسبی کے معاصرین میں سے تھے۔ ابو سلیمان دارانی انھیں ان کی فراست کی تیزی کی وجہ سے "جاسوس القلوب" کہا کرتے تھے۔

احمد بن عاصم فرماتے ہیں:۔ جب تو دل کی اصلاح کرنا چاہے تو پہلے زبان کی حفاظت کر۔

نیز فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ اِنَّمَا اموالکم واولادکم فتنۃ" تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش و فتنہ ہیں اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اسی فتنہ میں زیادتی چاہتے ہیں۔

۲۱۔ منصور بن عمار

ان میں سے ایک ابو السری[۱۹۹] منصور بن عمار ہیں، رند انقان کے جو مرد کی ایک بستی ہے، باشندے تھے۔ بعض انھیں کوشیخ کا بتلاتے ہیں۔ بصرہ میں مقیم تھے۔ ان کا شمار اکابر واعظین میں ہوتا تھا۔

منصور فرماتے ہیں:۔ جو شخص دنیاوی مصائب سے گھبراتا ہے۔ اس کی مصیبت دین میں منتقل ہو جاتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ بندے کا بہترین لباس تواضع اور انکساری ہے۔ اور عارفین کے لئے بہترین لباس تقوٰی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولباس التقوٰی ذالک خیر:۔ تقوٰی کا لباس ہی بہتر ہے۔

توبہ کا سبب

بعض کہتے ہیں کہ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ انھیں راستہ میں ایک کاغذ کا پرزہ ملا۔ جس پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا ہوا تھا، انھوں نے اسے اٹھا لیا اور جب انھیں کوئی اور جگہ رکھنے کو نہ ملی تو انھوں نے اسے کھا لیا۔ اس کے بعد انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص انھیں کہہ رہا ہے۔ اس پرزے کی تعظیم کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حکمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے ابو بکر الرازی

سے سُنا کہتے تھے میں نے ابوالعباس القاص سے سنا. کہتے تھے میں نے ابوالحسن الشعرانی سے سُنا وہ فرماتے تھے. کہ میں نے ابو منصور بن عمار کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا. فرمایا:۔ اللہ نے کہا:۔ کیا منصور بن عمار تو ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں، میرے رب! پھر اللہ نے فرمایا تو وہی ہے ناں جو لوگوں کو دنیا سے زہد کی ترغیب دیا کرتا. اور خود دنیا کی رغبت رکھتا تھا. میں نے عرض کیا. اے میرے رب! ہاں ایسا ہی ہے. مگر جس مجلس میں میں بیٹھا ہوں میں نے پہلے تمہاری ثنا کہی ہے. پھر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا ہے. اور اس کے بعد تمہارے بندوں کو نصیحت کی ہے. اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے. اس کے لئے ایک کرسی رکھ دو تاکہ جس طرح دنیا میں لوگوں کے درمیان یہ میری بزرگی بیان کیا کرتا تھا اسی طرح میرے فرشتوں کے درمیان یہ میری بزرگی بیان کرے.

۲۲. حمدون بن احمد بن قصار م ۲۷۱ھ

ان میں سے ایک ابو صالح حمدون بن احمد قصار ہیں. یہ نیشا پور کے رہنے والے تھے. نیشا پور میں ملامتیہ کا مذہب ان ہی کے ذریعہ سے پھیلا سلمانی[19] بارودسی اور ابو تراب نخشبی کی صحبت میں رہے. اور ۲۷۱ھ میں وفات پائی.

حمدون سے دریافت کیا گیا کہ انسان کو کب وعظ کرنا چاہیئے. تو فرمایا:۔ جب انسان کے دل میں یہ بات متعین ہو جائے کہ اسے اللہ کے فرائض میں سے کوئی فرض ادا کرنا ہے. یا اس وقت جب اسے ڈر ہو کہ ایک انسان بدعت میں پڑ کر تباہ ہونے والا ہے. اور اسے امید ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے اس بدعت سے نجات دیں گے.

نیز فرمایا جس نے یہ خیال کیا کہ اس کا نفس فرعون کے نفس سے بہتر ہے. اس نے تکبر کا اظہار کیا. نیز فرمایا:۔ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطان کو اشرار لوگوں کے معلوم کرنے میں فراست حاصل ہے. اسی وقت سے سلطان کا خوف میرے دل سے نہیں نکلا.

نیز فرمایا:۔ جب تُم کسی کو شراب کے نشہ میں سرشار دیکھے تو بھی بناوٹی طور پر ادھر اُدھر جھکنے لگ جاتا کہ کہیں تو اس پر زیادتی نہ کر بیٹھے۔ اور کہیں تو بھی اسی میں مبتلا نہ ہو جائے

عبید اللہ بن منازل[۹۳] فرماتے ہیں۔ میں نے ابو صالح سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ تو فرمایا۔

جہاں تک ہو سکے کسی دنیاوی چیز کی خاطر غصہ میں نہ آؤ۔

ایک بار اُن کے ایک دوست کے مرنے کا وقت آ گیا۔ اس وقت حمدون اس کے سر کے پاس کھڑے تھے۔ جب وہ مر گیا تو انھوں نے چراغ بجھا دیا۔ لوگوں نے کہا۔ ایسے وقت میں تو چراغ میں اور تیل ڈالا جاتا ہے۔ (اور آپ نے بجھا دیا) انھوں نے جواب میں کہا:۔ اب تک تو تیل اُن کا تھا۔ اور اب سے تیل وارثوں کا ہو گیا۔

حمدون فرماتے ہیں:۔ جو شخص سلف کی سیرت پر نظر دوڑائے اسے اپنی کوتاہی کا پتہ چل جائے گا۔ نیز یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ مردانِ خدا کے مراتب کو پہنچنے سے قاصر ہے۔

نیز فرمایا:۔ جس قسم کی باتیں تو چاہتا ہے کہ لوگوں پر ظاہر نہ ہوں اس قسم کی اوروں کی باتیں لوگوں پر ظاہر نہ کر۔

۲۳۔ جنید بن محمد م ۲۹۷ھ

اُن میں سے ایک ابو القاسم جنید بن محمد[۹۲] ہیں۔ یہ صوفیا کے سردار اور امام تھے۔ دراصل نہاوند کے رہنے والے تھے مگر اُن کی پیدائش اور نشو و نما عراق میں ہوئی۔ چونکہ اُن کے والد کانچ بیچا کرتے تھے اس لئے انھیں قواریری کہا جانے لگا۔ فقہ میں ابو ثور[۹۳] کے مذہب کے فقیہہ شمار ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ان ہی کے حلقہ میں ان کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حالانکہ اُن کی عمر بیس سال تھی۔ یہ اپنے خالو سری، حارث محاسبی اور محمد بن علی قصاب[۹۴] کی صحبت میں رہے اور ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، فرماتے تھے میں نے محمد بن الحسین البغدادی سے سنا کہتے تھے۔ کہ میں نے فرغانی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جنید سے پوچھا گیا۔ کہ عارف کون ہے۔ تو فرمایا عارف وہ ہے کہ تو خاموش رہے اور وہ تمہارے دل کی بات کہہ دے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے محمد بن عبداللہ الرازی سے سنا کہتے تھے میں نے ابو محمد الجریری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید کو کہتے سنا ہم نے تصوف قیل و قال سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ بھوکے رہتے۔ دنیا کو ترک کرنے اور پسندیدہ اور مستحسن چیزوں سے قطع تعلق کرنے سے حاصل کیا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے میں ابوبکر الرازی سے سنا کہتے تھے میں نے ابو محمد الجریری سے سنا کہتے تھے کہ میں ابو نصر الاصبہانی سے سنا کہتے تھے میں نے ابو علی الروزباری سے سنا وہ کہتے تھے۔ کہ میں نے جنید کو ایک شخص کے جواب میں جو معرفت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ اہل معرفت ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ کہ نیکی اور تقرب الی اللہ کے لئے حرکت کرنا بند کر دیتے ہیں۔ یوں فرماتے سنا:۔

یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اعمال کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ ایک بڑا بھاری گناہ ہے۔ اور اس بات کے قائل سے تو وہ شخص بہتر ہے جو چوری بھی کرتا ہو اور زنا بھی۔ کیونکہ عارفین باللہ نے اعمال کا حکم اللہ سے لیا ہے اور اعمال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اگر میں ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں۔ تب بھی ذرہ بھر کبھی نیک اعمال کو کم نہ کروں گا۔ ہاں البتہ اگر درمیان میں کوئی بات حائل ہو جائے تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔

جنید فرماتے ہیں اگر تم سے ممکن ہو سکے کہ تمہارے گھر میں سوائے ٹھیکری کے برتن کے اور کوئی برتن نہ ہو تو ایسا ہی کرنا۔

نیز فرماتے تھے، تمام مخلوق کے لئے اللہ تک پہنچنے کے راستے بند ہیں۔ ماسوائے ان لوگوں کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا وہ کہتے تھے۔ میں نے ابو عمر الانماطی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے جنید کو فرماتے ہوئے سنا:۔ اگر کوئی سچی طلب والا دس لاکھ سال تک بھی اللہ کی طرف متوجہ رہے اور پھر صرف ایک لحظہ کے لئے منہ موڑ لے تو اس لحظہ کے اندر جو کچھ وہ کھو بیٹھا ہے، وہ

بمقابلہ اس کے جو اس نے حاصل کیا ہے کہیں زیادہ ہے۔

جنید فرماتے ہیں :۔ چونکہ ہمارا علم معرفت کتاب وسنت کا پابند ہے۔ اس لئے جس شخص نے نہ قرآن حفظ کیا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو۔ راہ طریقت میں ان کی پیروی نہ کی جائے گی

میں نے محمد بن الحسین سے سنا وہ کہتے تھے۔ ابونصر الاصبہانی کہتے تھے۔ میں نے ابوعلی روذباری سے سنا ہے :۔ وہ جنید سے روایت کرتے تھے کہ انھوں نے فرمایا :۔ ہمارا مذہب کتاب وسنت کے اصولوں کا پابند ہے۔ نیز فرمایا ہمارا یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے مضبوط ہوتا ہے۔

ہم سے محمد بن الحسین رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ کہا میں نے ابوالحسن بن فارسی سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے ابوالحسین علی ابن ابراہیم الحداد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں ابوالعباس[۹۰] بن شریح کی مجلس میں گیا تو انھوں نے اصول وفروع کے متعلق بہت عمدہ تقریر کی۔ اور مجھے اس سے بہت تعجب ہوا۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہ مجھے تعجب ہوا ہے۔ تو کہا۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ علم میں نے کہاں سے حاصل کیا۔

میں نے عرض کیا :۔ آپ ہی فرماویں تو انھوں نے کہا :۔ یہ ابوالقاسم جنید کی مجلس میں بیٹھنے کی برکت ہے۔

جنید سے کسی نے پوچھا :۔ آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟ تو آپ نے اپنے گھر کی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس سیڑھی کے نیچے اللہ کے سامنے تیس سال بیٹھے رہنے سے (حاصل کیا)۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو بھی یہی روایت بیان کرتے سنا ہے۔

انہی سے میں نے یہ بھی سنا کہ جنید کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی گئی۔ تو کسی نے عرض کیا :۔ باوجود اسقدر شرف کے کیا آپ بھی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں؟

جواب دیا :۔ میں اس راستہ کو جس پر چلنے سے اللہ تک پہنچا ہوں۔ کیسے چھوڑ دوں؟

میں نے استاد ابوعلی کو فرماتے ہوئے سنا :۔ جنید ہر روز اپنی دکان پر آکر پردہ لٹکا دیتے اور چار سو رکعت نماز ادا کر کے گھر کو لوٹتے تھے۔

ابوبکر عطوی فرماتے ہیں[۳۹۹] جب جنید کی وفات ہوئی اس وقت میں ان کے پاس موجود تھا۔ انھوں نے قرآن مجید ختم کر کے پھر سے سورہ بقرہ شروع کی۔ اور ستر آیتیں پڑھ کر دم دے دیا۔

۲۴۔ ابو عثمان حیری م ۲۹۸ھ ان میں سے ایک ابو عثمان[۴۰۰] سعید بن اسمٰعیل حیری ہیں۔ دراصل ری کے تھے۔ مگر نیشاپور میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ شاہ کرمانی اور یحییٰ بن معاذ رازی کی صحبت میں رہے۔ اور شاہ کرمانی کی معیت میں ابوحفص حداد کے پاس نیشاپور آئے وہیں اقامت اختیار کی۔ اور علم حاصل کیا۔ ابوحفص نے اُن کی شادی اپنی لڑکی سے کردی۔ ان کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی۔ ابوحفص کی وفات کے بعد تیس سال سے کچھ اوپر زندہ رہے۔ میں نے محمد ابن الحسین رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابو عمرو[۴۰۱] بن حمدان سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابو عثمان سے سنا وہ فرماتے تھے۔

جب تک آدمی کے دل میں چار باتیں ایک جیسی دکھائی نہ دیں اس وقت تک اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ منع[۱]۔ اعطاء[۲]۔ عزت[۳]۔ ذلت[۴]۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے عبدالرحمٰن[۴۰۲] بن عبداللہ سے سنا۔ کہتے تھے میں نے ابو عثمان کے بعض اصحاب سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو عثمان کو یوں فرماتے ہوئے سُنا۔

میں جوانی کے زمانہ میں مدت تک ابوحفص کی خدمت میں رہا۔ ایک دن انھوں نے مجھے دھکیل کر نکال دیا۔ اور فرمایا:۔ میرے پاس مت بیٹھا کرو۔ میں اٹھا اور بغیر اس کے کہ اپنی پیٹھ ان کی طرف کروں، پیچھے ہٹ گیا۔ میرا چہرہ ان کے چہرے کی طرف رہا تاآنکہ میں ان کی آنکھوں سے غائب ہوگیا۔ دل میں یہ ارادہ کیا کہ ان کے دروازہ پر ایک گڑھا کھود کر اس میں بیٹھ جاؤں گا۔ اور ان کے حکم کے بغیر اس میں سے نہ نکلوں گا۔ مگر جب آپ نے میری یہ کیفیت دیکھی تو مجھے بُلا کر اپنے خاص اصحاب میں سے بنا لیا

وہی بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ دنیا میں صرف تین اشخاص ہیں۔ (ان کا) چوتھا نہیں ہو سکتا۔ ابو عثمان نیشاپور میں جنید بغداد میں اور ابو عبداللہ بن جلاء شام میں۔

ابوعثمان فرماتے ہیں کہ چالیس سال مجھے اسی حال میں گذر گئے کہ اللہ نے مجھے جس حال میں رکھا میں نے اسے برا نہیں جانا یا اگر کسی اور حالت کی طرف منتقل کر دیا۔ تب بھی ناراض نہیں ہوا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سُنا، کہتے تھے میں نے عبداللہ بن محمد الشعرانی سے سنا فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابوعثمان کو ایسا ہی فرماتے سنا ہے۔

حالتِ نزاع میں بیٹے کو نصیحت جب وفات کے وقت اُن کی حالت بدل گئی تو ان کے بیٹے ابوبکر نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس پر ابوعثمان نے آنکھیں کھولیں۔ اور فرمایا۔ اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کے خلاف کرنا باطن میں ریاکاری کی علامت ہے۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے میں نے محمد بن احمد (۲۰۳) الملامتی سے سنا کہتے تھے میں نے ابوالحسین (۲۰۴) الوراق سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ میں نے ابوعثمان کو فرماتے ہوئے سنا

اللہ کی صحبت میں حسنِ ادب دوام ہیبت اور مراقبہ کو مدِنظر رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اتباعِ سنت اور ظاہری علم کی پابندی کا خیال رکھو۔ اولیاء اللہ کی صحبت میں احترام اور خدمت کا خیال رکھو۔ گھر والوں کی صحبت میں حسنِ خلق کو مدِنظر رکھو۔ برادری کی صحبت میں ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ رہو۔ بشرطیکہ کوئی گناہ کی بات نہ ہو۔ اور جاہلوں کی صحبت میں ان کے لئے دعا کرتے رہو۔ اور ان پر رحم کیا کرو۔

میں نے عبیداللہ بن یوسف الاصبہانی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے ابوعمرو بن مجید سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابوعثمان کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ جس نے اپنے قول و فعل میں اپنے اوپر سنت کو حاکم قرار دیا۔ وہ حکمت کی بات کرے گا۔ اور جس نے اپنے قول و فعل میں خواہشاتِ نفسانی کو حاکم بنایا وہ بدعت کی بات کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "وان تطیعوہ تھتدوا"۔ اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔

۲۵۔ احمد نوری م ۲۹۵ھ ان ہی بزرگوں میں ایک بزرگ ابوالحسین احمد بن محمد نوری ہیں۔

اپنی اصل کے اعتبار سے بغوی اور پیدائش اور نشو ونما کے اعتبار سے بغدادی ہیں۔ یہ سری سقطی اور ابن ابی الحواری کی صحبت میں رہے۔ اور جنید کے معاصرین میں سے تھے اُن کی وفات ۲۹۵ھ میں ہوئی۔ بہت بڑی شان والے، اچھے معاملہ اور اچھی زبان والے تھے۔

نوری فرماتے تھے:۔ تمام نفسانی حظوظ کو ترک کر دینے کا نام تصوف ہے۔

نیز فرماتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں دو چیزیں بہت نایاب ہیں۔ ایک عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو۔ اور دوسری عارف جو حقائق بیان کرتا ہو۔

شریعت کی پابندی

میں نے ابو عبد اللہ الصوفی[۲۰۶] سے سنا کہتے تھے۔ میں نے احمد بن محمد البرزعی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے المرتعش سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے نوری کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

جس شخص کو تو اللہ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتے ہوئے دیکھے جو اسے شریعت کی حد سے نکال دے تو تجھے اس شخص کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے میں نے ابوالعباس البغدادی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے الفرغانی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید کو فرماتے سنا۔ جب سے نوری کی وفات ہوئی ہے کسی نے حقیقت صدق کی خبر نہیں دی۔

ابو احمد مغازلی[۲۰۷] فرماتے ہیں:۔ میں نے نوری سے زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا۔ کسی نے عرض کیا۔ کیا جنید کو بھی نہیں؟ فرمایا جنید کو بھی نہیں۔

نوری فرماتے ہیں:۔ گدڑیاں موتیوں پر پردے کا کام دیا کرتی تھیں۔ مگر اب تو وہ مردار پر گندگی کا کام دیتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ وہ ہر روز گھر سے اپنا کھانا ساتھ لے کر نکلتے اور رستہ میں اسے خیرات کے طور پر دے دیتے۔ اور مسجد میں جا کر ظہر تک نماز پڑھتے رہتے۔ پھر نکل کر دکان کا دروازہ کھولتے۔ اور روزہ رکھے رہتے۔ گھر والوں کو یہی خیال ہوتا کہ آپ بازار جا کر کھانا کھا لیتے ہیں۔ اور بازار والوں کو خیال ہوتا کہ گھر سے کھا کر آتے ہیں۔

ابتدا میں بیس سال اُن کی یہی حالت رہی۔

۲۶۔ احمد بن یحییٰ الجلاء

ان میں سے ایک ابو عبداللہ[۲۰۸] احمد بن یحییٰ الجلاء ہیں جو بہ اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے۔ مگر رملہ اور دمشق میں مقیم رہے شام کے بڑے شیوخ میں سے تھے۔ ابو تراب، ذوالنون، ابو عبید البسری[۲۰۹] اور اپنے باپ یحییٰ الجلاء[۲۱۰] کی صحبت میں رہے۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا یہ کہتے تھے۔ میں نے محمد بن العزیز الطبری سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو عمرو[۲۱۱] الدمشقی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابن الجلاء کو یوں کہتے سنا۔ میں نے اپنے والدین سے درخواست کی کہ مجھے اللہ کے لئے ہبہ کر دیں۔ دونوں نے کہا: ہم نے تمہیں اللہ کے لئے ہبہ کر دیا۔ اس پر میں ایک مدت تک ان سے غائب رہا جب واپس آیا تو اس رات بارش ہو رہی تھی میں نے دستک دی۔ میرے ابا جان نے پوچھا: کون ہے، میں نے جواب دیا آپ کا بیٹا احمد۔ فرمایا: ہمارا ایک بیٹا تھا۔ جسے ہم نے ہبہ کے طور پر اللہ کو دے دیا۔ اور ہم عربوں میں سے ہیں۔ ایک بار ہبہ کر کے واپس نہیں لیا کرتے۔ لہٰذا انھوں نے دروازہ نہ کھولا۔

ابن الجلاء فرماتے تھے جس کے نزدیک مدح و ذم یکساں ہوں وہ زاہد ہے جو فرائض کی ان کی اولیں وقت میں محافظت کرے وہ عابد ہے اور جو تمام افعال کو اللہ کی جانب سے خیال کرے۔ وہ موحد ہے۔ اسے صرف ایک ہی دکھائی دیتا ہے۔

جب ان کی وفات ہوئی تو لوگوں نے انھیں دیکھا کہ مسکرا رہے ہیں۔ طبیب نے کہا کہ یہ زندہ ہیں، پھر نبض دیکھ کر کہا کہ مر چکے ہیں۔ پھر ان کا چہرہ کھولا تو کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ زندہ ہیں یا مردہ۔

ان کی کھال کے اندر ایک رگ تھی جس کی شکل "اللہ" کی سی بنی ہوئی تھی۔

ابن جلاء کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں اپنے استاد کے ساتھ چل رہا تھا۔ ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا تو اُستاد سے کہا: کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شکل کو عذاب دیں گے؟ استاد نے فرمایا: کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ اس کا انجام عنقریب تجھے

معلوم ہوجائے گا۔ اس واقعہ کے بیس سال بعد میں قرآن مجید بھول گیا۔

۲۷۔ ابو محمد رویم م ۳۰۳ھ ان ہی میں سے ایک ابو محمد رویم بن احمد ہیں۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ اور فقہ داؤدی کے عالم تھے۔ ان کا انتقال قرائت کرتے ہوئے ۳۰۳ہجری میں ہوا۔

رویم فرماتے تھے:۔ دانشمند کے فیصلے ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ اوروں کو وسعت دے اور اپنے لئے تنگی۔ اس لئے کہ اوروں کو وسعت دینا علم کی پیروی ہے۔ اور اپنے اوپر تنگی کا حکم لگانا پرہیزگارانہ فیصلہ۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے میں نے عبدالواحد بن بکر سے سنا کہتے تھے میں نے ابو عبداللہ بن خفیف سے سنا وہ کہتے تھے۔ میں نے رویم سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کریں تو فرمایا:۔

طریقت کا علم روح خرچ کر کے حاصل ہوتا ہے اگر یہ جاننے کے باوجود تو اس میں داخل ہوسکتا ہے تو ہوجا اور نہ صوفیاء کی بیکار باتوں میں مشغول نہ ہو۔

نیز فرمایا:۔ ہر قسم کے طبقہ کے لوگوں کے پاس تمہارا بیٹھنا تمہارے لئے صوفیاء کے پاس بیٹھنے سے زیادہ سلامتی کا سبب ہے۔ کیونکہ تمام مخلوق رسموں کا اعتبار کرتی ہے۔ اور یہ لوگ حقائق کا اعتبار کرتے ہیں۔ سارے لوگ اپنے نفوس کو ظاہری شریعت کے موافق بناتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا نفس حقیقت، ورع اور مداومت صدق میں مشغول ہے۔ لہٰذا جو شخص ان کے پاس بیٹھے اور ان امور میں جن کو وہ حق جانتے ہیں۔ ان کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا نور ایمان سلب کر دیتے ہیں۔

رویم فرماتے ہیں:۔ میں بغداد میں دوپہر کے وقت ایک سڑک پر سے گذرا، اس وقت مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے ایک گھر سے پانی مانگا۔ ایک بچی نے دروازہ کھولا اور اس کے پاس ایک کوزہ تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی کہ صوفی اور دن کے وقت پانی پیئے۔؟ اس کے بعد میں کبھی بھی بے روزہ نہیں رہا۔

رویم فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ تجھے کلام کرنا اور عمل کرنا، دونوں عطا کرے

پھر کلام لے لے مگر عمل کو تمہارے پاس رہنے دے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی نعمت ہے اور جب عمل لے لے اور کلام کو رہنے دے تو یہ مصیبت ہوگی۔ اور اگر دونوں لے لے تو یہ عذاب الٰہی ہوگا۔

۲۸۔ ابو عبد اللہ البلخی م ۳۲۹ھ ان ہی میں سے ایک ابو عبد اللہ محمد بن الفضل بلخی ہیں۔ دراصل بلخ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے نکال دیئے گئے۔ پھر سمرقند آئے اور وہیں وفات پائی۔ بلخی احمد بن خضرویہ اور دوسرے بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ ابو عثمان حیری کا اُن کی طرف بہت ہی میلان تھا۔ انھوں نے ۳۱۹ھ میں وفات پائی۔ [۲۱۳]

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے میں نے احمد بن محمد [۲۱۴] سے سنا کہتے تھے: میں نے ابوبکر بن عثمان [۲۱۵] سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ابُو عثمان حیری نے محمد بن الفضل کو خط لکھا جس میں اُنھوں نے دریافت کیا تھا کہ بدبختی کی کیا علامت ہے؟ انھوں نے جواب میں لکھا:۔ بدبختی کی تین علامتیں ہیں:۔ ۱۔ کسی انسان کو علم عطا کیا گیا ہو مگر عمل سے محروم رکھا گیا ہو، اور اگر عمل عطا کیا گیا ہو تو اخلاص سے محروم ہو۔ اور کسی کو صالحین کی صحبت نصیب ہو مگر وہ اُن کا احترام نہیں کرتا۔

ابو عثمان حیری کہا کرتے تھے کہ محمد بن الفضل آدمیوں کے احوال کو جانتے ہیں۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، کہتے تھے میں نے عبد اللہ الرازی [۲۱۶] سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے محمد بن الفضل کو کہتے سنا:۔ قیدخانہ (دنیا) میں رہتے ہوئے آرام کی اُمید رکھنا آرزوئے خام ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا وہ کہتے تھے میں نے ابوبکر الرازی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے محمد بن الفضل کو سنا فرما رہے تھے۔ چار قسم کے لوگوں سے اسلام چلا جاتا ہے۔ (۱) جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ (۲) جو ایسی چیزیں کرتے ہیں جن کا انھیں علم نہیں۔ (۳) نہ ان باتوں کو سیکھتے ہیں جن کا ان کو علم نہیں۔ اور (۴) لوگوں کو سیکھنے سے روکتے ہیں۔

انھیں اسناد سے مروی ہے انھوں نے فرمایا:۔

تعجب ہے اس شخص پر جو جنگل کو اس خیال سے طے کرتا ہے تاکہ وہ گھر پہنچ جائے اور نبوت کے آثار دیکھتا ہے۔ تو پھر وہ اپنے نفس اور خواہشات کو طے کر کے کیوں نہیں چلا آتا، تاکہ اپنے دل تک پہنچ کر اپنے رب عزوجل کے آثار دیکھے۔

نیز فرمایا: جب تو کسی مرید کو دیکھے کہ وہ دنیا کی زیادتی طلب کر رہا ہے تو یہ اس کے ادبار کی علامت ہے۔

کسی نے اُن سے زہد کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: زہد یہ ہے کہ تو دُنیا کی طرف دیکھے اور اسے ناقص خیال کرے اور اپنے آپ کو بلند ظریف اور شریف سمجھتے ہوئے اس سے اعراض کرے۔

۲۹۔ احمد بن نصر زقاق الکبیر

انہی میں سے ابوبکر احمد بن نصر زقاق کبیر ہیں۔ یہ جنید کے معاصرین میں سے تھے۔ اور اُن کا شمار اکابرینِ مصر میں ہوتا تھا۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے الحسین بن احمد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے الکتانی کو فرماتے ہوئے سنا۔ زقاق کی وفات کے بعد فقراء کے لئے مصر میں داخل ہونے کی کوئی حجت نہ رہی۔

زقاق فرماتے ہیں۔ جس شخص کے فقر کی حالت میں تقویٰ نہ پایا جاوے وہ حرام محض کھاتا رہا۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے، میں نے محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے زقاق کو فرماتے سنا: میں بنی اسرائیل کے بیابان میں پندرہ دن تک بھٹکتا رہا۔ پھر جب راستہ پہ پڑ گیا تو ایک فوجی ملا جس نے پانی پینے کو دیا۔ جس کی قساوت تیس سال تک مجھ پہ رہی۔

۳۰۔ عمرو بن عثمان مکی م ۲۹۱ھ

ان ہی میں سے ابو عبداللہ عمرو بن عثمان مکی ہیں۔ اُن کی ملاقات ابو عبداللہ نباجی سے ہوئی اور ابو سعید خراز اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ اصول اور طریقت میں یہ قوم کے شیخ اور امام الطائفہ ہیں

انھوں نے بغداد میں ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان سے سنا کہتے تھے میں نے ابوبکر محمد بن احمد[۲۲۱] سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے عمرو بن عثمان مکی کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

ہر وہ چیز جو تمہارے دل کے وہم میں آجائے۔ یا تمہارے فکر کے قانون میں راسخ ہو سکے۔ یا تمہارے دل کے معارضات میں کھٹکے۔ مثلاً حسن۔ بہاء۔ انس۔ جمال۔ روشنی۔ شبح۔ نور۔ وجود یا خیال کہ ان کو اللہ سے نسبت ہے تو یہ یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے بعید و پاک ہے۔ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا۔ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے، اور نہ ہی کوئی اس کا ہم پلہ ہے۔

نیز انھیں اسناد سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: علم آگے سے کھینچتا ہے۔ اور خوف پیچھے سے ہانکتا ہے۔ اور نفس ان دونوں کے درمیان اکڑ جاتا ہے۔ سرکش ہے دھوکہ باز ہے اور فریب کار ہے۔ لہٰذا اس سے بچ اور علم کی سیاست کے ذریعہ سے اس کا خیال رکھ اور خوف کی دھمکی کے ذریعہ ہانک۔ تب جا کر تمہاری مراد پوری ہوگی۔

نیز فرماتے ہیں صاحب وجد کی حالت کو کوئی عبارت ادا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وجد تو مومنین کے پاس اللہ کا راز ہے۔

۳۱۔ سمنون بن حمزہ

ان ہی میں سے سمنون[۲۲۲] بن حمزہ ہیں ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ اور بعض ابوالقاسم بتاتے ہیں۔ سری سقطی ابواحمد[۲۲۳] قلانسی اور محمد بن علی قصاب اور دیگر شیوخ کی خدمت میں رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

وَلَيْسَ لِيْ فِيْ سِوَاكَ حَظٌّ ... فَكَيْفَمَا شِئْتَ فَاخْتَبِرْنِيْ

تمہارے سوا مجھے کسی سے غرض نہیں ہے۔ اب جیسے چاہو آزمالو۔ اسی وقت انھیں احتباس بول کی شکایت ہوگئی۔ اس کے بعد یہ مدرسوں میں گھوما کرتے۔ اور کہتے اپنے

چھوٹے چچا کے لئے دعا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ بلکہ بات یوں ہوئی کہ اُنھوں نے یہ شعر پڑھا۔ اس کے بعد اُن کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد نے دوسرے سے کہا۔ کل رات جب میں بستی میں تھا کہ تو میں نے اپنے استاد سمنون کی آواز سنی کہ وہ اللہ کو پکار رہے تھے۔

اور گڑگڑا رہے تھے۔ اور شفا کی درخواست کر رہے تھے۔ دوسرے نے کہا میں نے بھی کل رات جبکہ میں فلاں جگہ تھا ایسا ہی سنا تھا۔ تیسرے نے اور پھر چوتھے نے بھی اسی طرح بیان کیا۔ اس کی اطلاع سمنون کو ہوگئی۔ اس وقت وہ پیشاب بند ہونے (احتباس بول) کی بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے۔ مگر اب تک صبر کرتے اور پھر گھبراہٹ کا اظہار نہ کرتے تھے۔ جب انھوں نے اپنے شاگردوں کو اس طرح کہتے ہوئے سنا۔ حالانکہ انھوں نے نہ تو اس وقت تک دعا کی تھی اور نہ کوئی لفظ منہ سے نکالا تھا۔ تو انھیں معلوم ہوگیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ میں گھبراہٹ کا اظہار کردوں تاکہ میں عبودیت کے آداب پر عمل کردوں۔ اور اپنی حالت کو بھی لوگوں پر مخفی رکھ سکوں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے مدرسوں میں گھومنا شروع کیا۔ اور یہ الفاظ کہنے شروع کئے۔ "اپنے کذاب چچا کے لئے دعا کرو"۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے ابو العباس محمد بن الحسین بن البغدادی سے سنا کہتے تھے میں نے جعفر الخلدی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھے ابو احمد مغازلی نے بتلایا کہ بغداد میں ایک شخص تھا جس نے فقراء میں چالیس ہزار درہم تقسیم کئے۔ تو سمنون نے کہا اے ابو احمد کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس شخص نے کس قدر مال راہ اللہ کی راہ میں (خرچ) کیا۔ اور کس قدر بڑا عمل کیا ہے۔ اور ہمارے پاس تو (خرچ کرنے کو) کچھ بھی نہیں ہے۔ آؤ چلو ایسی جگہ چلیں جہاں ہم ہر درہم کے مقابلہ میں ایک رکعت نماز ادا کریں۔ چنانچہ ہم نے مدائن جاکر چالیس ہزار رکعت نماز ادا کی۔

سمنون ظریف اخلاق والے تھے۔ اُن کی گفتگو اکثر محبت الٰہی کے بارے میں ہوتی تھی۔ بہت بڑی شان والے تھے کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات جنید (م ۲۹۷ھ) سے پہلے ہوئی (۲۲۴)

۴۲. ابو عبید بسری

ان میں سے ابو عبید بسری(۲۲۵) ہیں قدماء مشائخ میں سے تھے۔ یہ ابو تراب نخشبی (م ۲۴۵ھ) کی صحبت میں رہے۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے، میں نے عبداللہ بن علی سے سنا کہتے تھے میں نے الدقی(۲۲۶) سے سنا، فرماتے تھے کہ میں نے ابن الجلاء کو کہتے ہوئے سنا، کہ میری ملاقات چھ سو شیوخ سے ہوئی۔ مگر میں نے چار جیسا کسی کو نہ پایا۔ اور وہ ذوالنون مصری میرے باپ یحییٰ الجلاء، ابو تراب نخشبی اور ابو عبید بسری ہیں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے احمد بن محمد البغوی(۲۲۷) سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن معمر(۲۲۸) سے سنا کہتے تھے، میں نے ابو ذرعۃ الجنبی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک بار ابو عبید بسری ایک جرجرہ (گندم کاٹنے والی مشین) پر بیٹھے گیہوں گاہ رہے تھے۔ اور حج کو صرف تین دن باقی رہ گئے تھے، کہ دو آدمی اُن کے پاس آئے اور کہا کیا آپ(۲۳۰) حج کے لئے تیار ہوتے ہیں؛ انھوں نے جواب دیا:۔ نہیں۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تمہارا پیر ان دونوں سے زیادہ قدرت رکھتا ہے (کیونکہ اگر یہ لوگ تین دن میں حج کے لئے حاضر ہونے پر قدرت رکھتے ہیں تو میں آنکھ جھپکتے میں وہاں پہنچ سکتا ہوں)

۴۳. شاہ شجاع کرمانی م قبل از ۳۰۰ھ

ان ہی میں سے ابوالفوارس(۲۳۱) شاہ شجاع کرمانی ہیں۔ یہ شہزادے تھے۔ ابو تراب نخشبی ابو عبید بسری اور اسی طبقہ کے دیگر مشائخ کی صحبت میں رہے۔ بڑے جوان مرد تھے۔ بڑی شان والے تھے۔ ان کی وفات ۳۰۰ھ سے پہلے ہوئی۔

شاہ شجاع فرماتے ہیں:۔ تقویٰ کی علامت پرہیزگاری ہے اور پرہیزگاری کی علامت یہ ہے کہ کسی بات میں شک وشبہ ہو تو انسان ٹھہر جائے۔

اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے۔ جھوٹ۔ خیانت اور غیبت سے پرہیز کرو۔ اس کے علاوہ جو چاہو کرو۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے اپنے دادا ابن نجید سے

سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ شاہ کرمانی کا فرمان ہے:۔ جس شخص نے محرمات سے اپنی نگاہ کو پست کر رکھا۔ اپنے نفس کو شہوات سے روکے رکھا۔ اپنے باطن کو ہر دم کے مراقبہ سے اور ظاہر کو سنت سے معمور کر رکھا۔ اور اپنے آپ کو رزقِ حلال کا عادی بنا رکھا ہو۔ اس کی فراست نے غلطی نہیں کی۔

۳۴۔ یوسف بن حسین م ۳۰۴ھ ان ہی میں سے شیخ یوسف بن حسین ہیں۔ یہ اپنے وقت میں جبال اور ری کے شیخ تھے۔ تصنع نہ کرتے ہیں یکتائے روزگار تھے۔ عالم اور ادیب تھے۔ ذوالنون مصری اور ابو تراب نخشبی کی صحبت میں رہے اور ابو سعید خراز کے رفیق رہے۔ انھوں نے ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں:۔ میں اس بات کو کہ میں اللہ تعالیٰ سے تمام گناہوں کے ساتھ ملوں زیادہ پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ میں ذرہ بھر بھی تصنع کے ساتھ ملوں۔

نیز فرماتے ہیں:۔ جب تو کسی مرید کو ایسے امور میں مشغول دیکھے جو شریعت میں رخصت کہلاتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ کچھ مرتبہ حاصل نہ کر سکے گا۔

انھوں نے جنید کو لکھ کر بھیجا:۔ خدا تجھے تمہارے نفس کا مزہ نہ چکھائے۔ کیونکہ اگر تو نے چکھ لیا تو اس کے بعد کبھی نیکی کا مزہ نہ چکھ سکوگے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ میں نے دیکھا ہے کہ صوفیاء کی آفت تین چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ نوخیز نوجوانوں کی صحبت۔ مخالف طبیعت والے لوگوں سے میل جول اور عورتوں کے ساتھ نرمی۔

۳۵۔ ابو عبد اللہ محمد بن علی ترمذی (۲۳۳) کا شمار کبار شیوخ میں ہوتا ہے۔ صوفیاء کے علوم میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ یہ ابو تراب نخشبی احمد بن خضرویہ ابن جلاء اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔

ان سے کسی نے مخلوق کی تعریف پوچھی تو فرمایا:۔ اس کی کمزوری تو واضح ہے۔ اسکے دعوے بڑے لمبے چوڑے ہیں نیز فرماتے تھے میں نے اپنی تدبیر کوئی تصنیف نہیں کی۔ اور نہ اس لئے کی

ہیں کہ لوگ کہیں اس نے فلاں فلاں کتاب تصنیف کی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب مجھ کو وقت
کا غلبہ ہوتا تو تصنیف میں مشغول ہو کر غلبۂ وقت سے ہوش میں آنا چاہتا تھا۔

۳۶۔ محمد بن عمر الوراق ترمذی — ان ہی میں سے ابوبکر محمد بن عمر وراق ترمذی ہیں۔ یہ بلخ میں مقیم رہے
ریاضات میں اُن کی بہت سی تصانیف ہیں

میں نے ابوعبدالرحمٰن سے سنا کہتے تھے میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا
کہتے تھے۔ محمد بن محمد بلخی سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوبکر وراق کو فرماتے سنا
جس نے اپنے جسمانی اعضا کو خواہشات نفسانی ذکے پورا کرنے) سے خوش کیا۔ اس نے
اپنے دل میں ندامتوں کا درخت لگا دیا۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہتے تھے میں نے ابوبکر البلخی سے سنا وہ
فرماتے تھے میں نے ابوبکر وراق کو یوں کہتے سنا۔ اگر طمع سے پُوچھا جائے کہ تمہارا باپ
کون ہے تو جواب ملے گا۔ تقدیری امور میں شک۔ اور اگر اس سے پُوچھا جائے کہ
تمہاری غایت کیا ہے تو جواب ملے گا۔ محرومیت۔

ابوبکر وراق اپنے مریدوں کو سفر و سیاحت سے منع کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے
تھے۔ جہاں تمہاری ارادتمندی ہو۔ اس مقام پر صبر کر کے پڑے رہنے میں برکت ہے
یہاں تک کہ تمہاری ارادتمندی درست ہو جائے۔ اور جب ارادتمندی درست ہو گئی تو
برکت کے آثار ظاہر ہونے لگ گئے۔

۳۷۔ ابوسعید احمد خراز م ۲۷۷ھ — ان ہی میں سے ابوسعید احمد بن عیسٰی خراز ہیں
یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ ذوالنون مصری
نباجی۔ ابوعبید بسری۔ سری۔ بشری اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات
۲۷۷ھ میں ہوئی۔

ابوسعید فرماتے ہیں:۔ ہر وہ باطن جو ظاہر کے خلاف ہو باطل ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابوعبداللہ الرازی سے سنا کہتے تھے
میں نے ابوالعباس العباد سے سنا وہ فرماتے ہے میں نے ابوسعید خراز کو کہتے سنا:۔

میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے دُور ایک کنارے سے گذر رہا ہے۔ میں نے اُسے کہا: اے، ادھر آؤ۔ کیا بات ہے دُور ہو کر گذر رہا ہے؟

شیطان نے جواب دیا: میں تم لوگوں کا کیا کروں گا۔ جس چیز کے ساتھ میں لوگوں کو دھوکہ دیتا ہوں اسے تم لوگوں نے اپنے سے دُور پھینک رکھا ہے۔ میں نے پُوچھا وہ کون سی چیز ہے؟ جواب دیا۔ دنیا۔ پھر کہا ہاں البتہ ایک لطیف بات تم لوگوں کے اندر میرے حق میں پائی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون سی ہے؟ کہا۔ نوعمروں کی صحبت۔

ابوسعید خراز کہتے ہیں، میں کافی مدت تک صوفیاء کی صحبت میں رہا۔ مگر اس عرصہ میں میرے اور ان کے درمیان کبھی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ پوچھا:- وہ کیسے؟ جواب دیا: اس لئے کہ میں ان کے ساتھ رہتا مگر اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہتا۔

۳۸- ابوعبداللہ مغربی۔ م ۲۹۹ھ ان ہی میں سے ابوعبداللہ[۲۲۸] محمد بن اسمٰعیل مغربی ہیں۔ یہ ابراہیم[۲۳۹] بن شیبان کے استاد اور علی بن رزین[۲۴۰] کے شاگرد تھے یہ ایک سو بیس سال زندہ رہے۔ اور ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ ان کی عجیب حالت تھی۔ سالہا سال تک انھوں نے کوئی ایسی چیز نہیں کھائی۔ جسے انسانی ہاتھ لگا ہو۔ یہ گھاس وغیرہ کی جڑیں کھانے کے عادی بن گئے تھے۔

ابوعبداللہ مغربی فرماتے ہیں: بہترین عمل یہ ہے کہ ہم اپنے اوقات کو (شریعت کے) موافق امور سے معمور رکھیں۔

نیز فرماتے ہیں:- سب لوگوں سے زیادہ ذلیل وہ فقیر ہے جس نے مالدار سے مداہنت کی یا اس کے سامنے عاجزی کی۔ اور سب لوگوں سے زیادہ عزت والا وہ مالدار انسان ہے جس نے فقراء کے سامنے عاجزی کی۔ اور ان کے احترام کا لحاظ رکھا۔

۳۹- ابوالعباس احمد بن محمد مسروق م ۲۹۹ھ ان ہی میں سے ابوالعباس[۲۴۱] احمد بن محمد بن مسروق ہیں۔ یہ دراصل طوسی کے رہنے والے تھے۔ مگر بغداد میں آباد ہو گئے تھے۔

حارث محاسبی اور سری سقطی کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات بغداد میں ۲۹۹ھ میں ہوئی۔ بعض نے ان کا سنِ وفات ۲۹۵ھ بتایا ہے۔

ابن مسروق فرماتے ہیں: جس نے اپنے دلی وساوس میں اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھا۔ اللہ اسے اس کے اعضاء کی حرکات میں بچائے رہیں گے۔

نیز فرمایا:۔ مسلمانوں کی عزت کا احترام کرنا ہی اللہ تعالیٰ کے حرمات کی تعظیم کرنا ہے۔ اسی کے ذریعہ بندہ تقویٰ کی حقیقت کو پہنچتا ہے۔

نیز فرمایا:۔ معرفت کا درخت فکر کے پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ اور غفلت کا درخت جہالت کے پانی سے سینچا جاتا ہے۔ اور توبہ کا درخت ندامت کے پانی سے سینچا جاتا ہے۔ اور محبت کا درخت اتفاق اور موافقت کا پاس رکھنے سے سیراب ہوتا ہے۔

نیز فرمایا:۔ اگر مدارج ارادتمندی مضبوط کر لینے سے پہلے ہی معرفت حاصل کرنے کی خواہش کرے تو جہالت میں پڑا ہے۔ اور اگر مقام توبہ کو درست کر لینے سے پہلے ہی تو مرید بننا چاہے تو تجھے معلوم ہی نہیں ہے۔ کہ تو کسی چیز کی تلاش میں ہے۔

۴۰۔ ابوالحسن علی بن سہل اصبہانی م ۳۰۷ھ (۴۲۲) یہ جنید کے معاصرین میں سے تھے۔ عمرو بن عثمان مکی پر تیس ہزار درہم کا قرض ہو گیا تھا۔ انھوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی اور انھوں نے وہ تمام کا تمام قرضہ ادا کر دیا۔ ان کی ملاقات ابوتراب نخشبی اور اسی طبقہ کے دیگر بزرگوں سے ہوئی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے، میں نے ابوبکر محمد بن عبداللہ الطبری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے علی بن سہل کو فرماتے ہوئے سنا۔

عبادت گزاری کی طرف تیزی سے آنا اس بات کی علامت ہے کہ توفیق ایزدی اس انسان کے شاملِ حال ہے اور احکام خداوندی کی مخالفت کرنے میں سستی کرنا حسن رعایت کی علامت ہے۔ اسرار کو محفوظ رکھنا بیدار مغزی کی علامت ہے اور بڑے

بڑے دعووں کا اظہار کرنا انسانی رعونت کی علامت ہے۔ جس نے ارادتمندی کی ابتداء صحیح طور پر نہیں کی۔ وہ انتہائی انجاموں میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۴۱۔ ابو محمدؒ جریری م ۳۱۱ھ ان ہی میں سے ابو محمد[۲۴۳] احمد بن حسین جریری ہیں۔ یہ جنید کے چوٹی کے مریدوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور سہل بن عبداللہ کی صحبت میں بھی رہے۔ جنید کی وفات کے بعد انھیں ان کا جانشین مقرر کیا گیا تھا۔ صوفیاء کے علوم سے انھیں بخوبی واقفیت حاصل تھی، بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ان کی وفات ۳۱۱ھ میں ہوئی۔

میں نے ابو عبداللہ[۲۴۴] الشیرازی سے سنا کہتے تھے میں نے احمد بن عطاء الروذباری سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ جریری کی وفات سنۃ الہبیر[۲۴۵] میں ہوئی۔ اس سے ایک سال بعد میرا وہاں سے گذر ہوا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سہارا لگا کر بیٹھے ہیں ان کے گھٹنے چھاتی سے لگے ہوئے اور اپنی انگلی سے اللہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں

میں نے محمدؒ بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے، میں نے ابو الحسین الفارسی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو محمد جریری کو یوں کہتے سنا:۔

جس شخص پر اس کا نفس غالب آگیا وہ اپنی خواہشات کا قیدی بن جائے گا۔ وہ اپنی خواہش کے قیدخانہ میں گھرا ہوا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے دل پر تمام فوائد حرام قرار دے دیں گے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے نہ لذت حاصل کر سکے گا۔ اور نہ شیرینی خواہ وہ اسے کس قدر بار بار کیوں نہ پڑھتا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

"میں اپنی آیات کو ان لوگوں سے پھیر دوں گا۔ جو دنیا میں ناحق غرور کرتے ہیں"

نیز فرماتے ہیں:۔ اصول کو فروع پر عمل کرنے سے دیکھا جا سکتا ہے اور فروع کی تصحیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہم ان کو اصل پر پیش کریں۔ اصول کے مشاہدہ کے مقام پر انسان اس وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ ان وسائط اور فروع کی تعظیم کرے، جن کی اللہ تعالیٰ نے تعظیم کی ہے۔

۴۲۔ احمد بن عطاء الآدمی م ۳۰۹ھ

ان ہی میں سے ابو العباس[۲۴۶] محمد بن سہل ابن عطاء الآدمی ہیں۔ یہ صوفیا کے کبار مشائخ اور علماء میں سے ہوئے ہیں۔ خراز ان کی بہت بزرگی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ جنید کے معاصرین میں سے ہیں۔ ابراہیم[۲۴۷] مارستانی کی صحبت میں رہے ۳۰۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے ابو سعید[۲۴۸] القرشی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابن عطاء کو کہتے سنا۔ جو آداب شریعت کا پابند رہا۔ اللہ نے اس کے دل کو نورِ معرفت سے منور کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان، افعال اور اخلاق میں ان کی تابعداری کرنے سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔

ابنِ عطاء فرماتے ہیں: انسان کے لئے بدترین غفلت یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے غافل ہو۔ اس کے اوامر و نواہی سے غافل ہو۔ اور اللہ کے ساتھ معاملہ کے آداب سے غافل ہو۔

میں نے ابو عبد اللہ الشیرازی[۲۴۹] رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے عبد الرحمٰن بن احمد الصوفی سے وہ کہتے ہیں میں نے احمد بن عطاء سے سنا وہ فرماتے تھے۔

ہر وہ بات جس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے اسے علم کے جنگل میں تلاش کرو۔ اگر وہاں نہ ملے تو حکمت کے میدان میں ڈھونڈو۔ اگر وہاں بھی نہ ملے تو توحید کے میزان میں تولو۔ اور اگر ان تینوں مقامات پر نہ ملے۔ تو اسے شیطان کے منہ پر دے مارو۔

۴۳۔ ابراہیم الخواص م ۲۹۱ھ

ان ہی میں سے ابو اسحٰق[۲۵۰] ابراہیم بن احمد خواص ہیں۔ یہ جنید اور نوریؒ کے معاصرین میں سے تھے۔ توکل اور ریاضت میں ان کا بہت سا حصہ تھا۔ ان کی وفات رَی میں ۲۹۱ھ میں ہوئی۔ انھیں اسہال کی شکایت تھی۔ ہر بار جب اٹھتے تو وضو کرتے۔ اور مسجد کو لوٹ جاتے۔ اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ ایک بار پانی میں گھسے اور وہیں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو بکر الرازی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے خواص کو کہتے سنا: کثرت روایت کا نام علم نہیں۔ علم تو اس شخص کا ہے،

جو علم کے مطابق عمل کرے اور اسے استعمال میں لائے۔ اور سنت کی اقتدا کرے۔ خواہ وہ کم علم والا ہی کیوں نہ ہو۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے احمد بن علی بن جعفر[۲۵۱] سے سنا وہ کہتے تھے میں نے الازدی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے خواص کو کہتے ہوئے سنا۔ پانچ چیزیں دل کے لئے دوا کا کام کرتی ہیں۔ تدبر کے ساتھ قرآن پڑھنا پیٹ کا خالی ہونا۔ رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا۔ سحر کے وقت اللہ کے سامنے گڑگڑانا اور صالحین کی صحبت میں بیٹھنا۔

۴۴۔ عبداللہ بن محمد خراز م قبل از ۳۱۰ھ

ان ہی میں سے ابو محمد عبداللہ بن محمد خراز[۲۵۲] ہیں۔ اصل میں رے کے رہنے والے تھے۔ مگر مکہ میں عمر گذاری۔ ابو حفص اور ابو عمران الکبیر کی صحبت میں رہے۔ یہ بہت ہی پرہیزگار لوگوں میں سے تھے۔ ان کی وفات ۳۱۰ھ سے پہلے ہوئی۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے میں نے ابو نصر الطوسی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے الدقی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں عبداللہ خراز کے پاس گیا۔ اس وقت مجھے چار دن ہو چکے تھے۔ کہ میں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ فرمانے لگے: تم لوگ صرف چار دن بھوکے رہنے کے بعد بھوک بھوک پکارنا شروع کر دیتے ہو۔ پھر فرمانے لگے فرض کرو کہ تمام لوگ اس ثواب کی خاطر جو انہیں اللہ کے ہاں ملنے والا ہے، ہلاک ہو جائیں پھر بھی کیا ہوگا کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ بڑی بات ہوگی۔

نیز فرماتے ہیں: بھوک زاہدوں کی خوراک ہے۔ اور ذکر عارفین کی۔

۴۵۔ بنان الحمال م ۳۱۶ھ

ان ہی میں سے ابوالحسن بنان بن الحمال[۲۵۳] ہیں۔ یہ دراصل واسط کے رہنے والے تھے۔ مگر مصر میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان کی وفات مصر میں ۳۱۶ھ میں ہوئی۔ بہت بڑی شان والے اور صاحب کرامات تھے۔ بنان سے صوفیاء کی بلند ترین حالت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا:۔ وہ رزق جس کا اللہ ضامن ہے۔ اس پر بھروسہ کرنا اور امر الٰہی پر کاربند رہنا۔ دل کی

حفاظت کرنا اور کونین سے بے نیاز ہونا۔

میں نے محمد الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے حسین بن احمد الرازی سے سنا کہتے تھے میں نے ابو علی الروذباری سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ بنان کو شیر کے سامنے ڈال دیا گیا۔ تو وہ کھانے کی بجائے، انھیں سونگھنے لگ گیا۔ تو پوچھا گیا کہ جب آپ کو شیر سونگھ رہا تھا۔ اس وقت آپ کے دل میں کیا خیال آ رہا تھا؟ فرمایا۔ میں ان اختلافات میں غور کر رہا تھا جو درندوں کے جوٹھے کے متعلق علماء میں پائے جاتے ہیں۔

۴۶۔ ابو حمزہ بغدادی (م ۲۸۹ھ) ان ہی میں سے ابو حمزہ بغدادی[۲۵۵] بزاز ہیں۔ ان کی وفات جنید سے پہلے ہوئی۔ یہ ان کے ہم پلہ لوگوں میں سے تھے۔ سری سقطی اور حسن مسوحی کی صحبت میں رہے۔ یہ فقیہ اور قراءت کے عالم تھے۔ اور عیسیٰ بن آبان[۲۵۶] کی اولاد میں سے تھے۔ جب احمد بن حنبل کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ان کی خدمت میں آ کر کہتے: "صوفی صاحب آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟" کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں تقریر کرتے کرتے ان کی حالت بدل گئی۔ اور کرسی پر سے گر پڑے۔ اور دوسرے دن اگلے جمعہ کے دن انکی وفات ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۲۸۹ھ میں ہوئی۔

ابو حمزہ فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ کی راہ کا علم ہو جائے تو اس پر چلنا بھی اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال افعال اور اقوال میں تابعداری کرنے کے سوا اللہ کی راہ کی طرف کوئی اور چیز راہنمائی نہیں کر سکتی۔

نیز فرماتے ہیں: "جسے تین چیزیں حاصل ہو جائیں وہ تمام آفات سے نجات پا جاتا ہے۔ قانع دل کے ساتھ خالی ہمت۔ فقر دائم کے ساتھ زہد حاضر، صبر کامل کے ساتھ ذکر دائم۔

۴۷۔ ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی (م بعد ۳۲۰ھ) ان ہی میں سے ابوبکر محمد بن موسیٰ[۲۵۷] واسطی ہیں۔ در اصل خراسان میں فرغانہ کے رہنے والے تھے۔ یہ جنید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ بہت بڑے عالم تھے۔

مرو میں مقیم رہے۔ اور وہیں ۳۲۰ھ کے بعد وفات پائی۔

واسطی فرماتے ہیں:۔ امید اور بیم دو ایسی باگیں ہیں جو بے ادبی سے روکتی ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:۔ عبادات کرنے کے بعد اس کے عوض کا منتظر رہنا اللہ کے فضل کو بھول جانے کی علامت ہے۔

نیز فرمایا:۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اسے مرداروں اور بدبوؤں میں پھینک دیتے ہیں۔ اس سے اُن کی مراد نوعمروں کی صحبت ہے۔

میں نے محمد حسین رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے میں نے ابو بکر محمد بن عبد العزیز المروزی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے واسطی کو یہ فرماتے سنا:۔

ان لوگوں نے سوء ادب کا نام اخلاص رکھا ہے۔ نفس کی طمع کو انبساط قرار دیتے ہیں اور کم ہمتی کو استقلال، لہٰذا یہ لوگ راستہ سے اندھے ہیں۔ اور تنگ راستوں پر چلتے ہیں۔ اسی لئے تو اُن کی موجودگی کی وجہ سے نہ کوئی زندگی نشو ونما پاسکتی ہے۔ ورنہ ان سے گفتگو کرنے میں کوئی عبادت پاک ہوسکتی ہے۔ یہ جب بولیں گے تو غصے میں، اور ایک دوسرے کو خطاب کریں گے تو تکبر کے ساتھ۔ ان کے نفوس کا پھیلنا ان کے باطن کو ظاہر کر رہا ہے۔ اور کھانے کی طمع یہ ظاہر کر رہی ہے کہ ان کے دل کیا ہے۔ خدا انھیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔

میں نے استاد ابو علی الدقاق رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مرو کے رہنے والے ایک شخص کو جو دوا فروش تھا، میں نے کہتے سنا کہ جمعہ کے دن واسطی جامع مسجد کو جانے کی نیت سے میری دکان کے پاس سے گذرے تو ان کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ میں نے عرض کیا:۔ جناب اجازت ہو تو میں جوتا مرمت کردوں۔ انھوں نے فرمایا کردو، میں نے تسمہ مرمت کردیا۔ انھوں نے فرمایا:۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ تسمہ کیوں ٹوٹا۔ میں نے عرض کیا:۔ جناب خود ہی فرمادیں۔ فرمایا آج میں نے جمعہ کے لئے غسل نہیں کیا تھا۔ میں نے عرض کیا، یہ پاس حمام ہے چلئے۔ آپ نے فرمایا:۔ اچھا۔ پھر میں انھیں حمام لے گیا۔ اور انھوں نے غسل کیا۔

۴۸۔ ابوالحسن بن الصائغ م ۳۳۰ھ (۲۵۸)

ان ہی میں سے ابوالحسن بن الصائغ ہیں۔ ان کا اصلی نام علی بن محمد بن سہل دینوری ہے۔ یہ مصر میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ کبار مشائخ میں سے تھے۔ ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں: میں نے مشائخ میں سے کسی شیخ کو ابو یعقوب نہر جوری سے بڑھ نورانی اور ابوالحسن بن الصائغ سے بڑھ کر ہیبت والا نہیں دیکھا۔ ان کی وفات ۳۳۰ھ میں ہوئی۔

ابن الصائغ سے کسی نے موجود سے غائب پر استدلال کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا: جس کی مثال اور نظیر ہو گیا اس کے صفات سے اس خدا کی طرف رہنمائی ہو سکتی ہے جس کی نہ مثال ہے نہ نظیر؟ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ مرید کی کیا تعریف ہے۔ تو فرمایا۔ مرید کی وہی صفت ہے جو اللہ نے فرما دی۔

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ - وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ - (الآیہ)

باوجود فراخ ہونے کے ان کے لئے زمین تنگ ہو گئی۔ اور خود ان کی جانیں اُن کے لئے تنگ ہو گئیں۔

نیز فرمایا:۔ احوال بجلیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اور جب دائم و ثابت ہو جائیں تو حدیث نفس اور موافقتِ طبیعت ہے۔

۴۹۔ ابراہیم بن داؤد رقی م ۳۲۶ھ

یہ شام کے کبار مشائخ میں سے تھے اور جنید اور ابن الجلاد کے ہم پلہ لوگوں میں سے تھے۔ ان کی بہت لمبی عمر ہوئی۔ اور ۳۲۶ھ تک زندہ رہے۔

ابراہیم رقی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اپنی اصل حقیقت میں ہر اس چیز سے جو وہم میں آسکے خارج ثابت کرنے کا نام معرفت ہے۔

نیز فرمایا:۔ قدرت ظاہر ہے۔ اور ہماری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ لیکن انوار بصیرت کمزور ہو چکے ہیں۔

نیز فرمایا:۔ کمزور ترین انسان وہ ہے جو اپنی خواہشات کے روکنے پر قدرت

نہ رکھتا ہو۔ اور جو اس پہ قادر ہو وہ قوی ترین انسان ہے۔

نیز فرمایا:۔ اللہ کی محبت کی علامت اس کی اطاعت کو اختیار کرنا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنا ہے۔

۵۰۔ ممشاد دینوری م ۲۹۹ھ ان ہی میں سے ممشاد دینوری ہیں۔ یہ صوفیاؒ کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ ان کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی۔

ممشاد فرماتے تھے: مرید کے آداب میں سے ہے کہ وہ اپنے شیخ کا احترام کرے۔ بھائیوں کی خدمت کرے۔ اسباب دنیا سے نکل آئے۔ اور اپنی ذات میں آداب شریعت کو محفوظ رکھے۔

نیز فرماتے تھے: میں جب بھی اپنے کسی شیخ کے پاس گیا۔ اپنے مال سے خالی ہو گیا میں اسی بات کا منتظر رہتا کہ پیر کے دیدار اور اس کے کلام کی کیا کیا برکتیں مجھ پر نازل ہوتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص اپنے شیخ کے پاس اس حالت میں جائے کہ اس کی نظر اپنی ذات پر ہو۔ تو پھر پیر کا دیدار، اُن کی صحبت اور کلام کی برکتیں اسے حاصل نہیں ہوتیں۔

۵۱۔ خیر النساج م ۳۲۲ھ ان ہی میں سے خیر النساج ہیں۔ یہ ابو حمزہ بغدادی کی صحبت میں رہے۔ اور سری سقطی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ ابوالحسن نوری کے ہمسر تھے۔ مگر اُن کی بہت لمبی عمر ہوئی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سو بیس سال زندہ رہے شبلی اور خواص نے ان کی مجلس میں توبہ کی۔ اور یہ ان لوگوں کے استاد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصلی نام محمد بن اسمٰعیل ہے۔ اور سامرہ کے رہنے والے ہیں۔ خیر النساج انھیں اس لئے کہا جانے لگا کہ یہ حج کے لئے نکلے تو ایک شخص نے باب الکوفہ پر انھیں پکڑ لیا۔ اور کہا تو تو میرا غلام ہے اور تیرا نام خیر ہے۔ ان کا رنگ سانولا تھا۔ انھوں نے اس سے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس شخص نے انھیں ریشمی کپڑا بننے پہ لگا دیا۔ وہ اسے خیر کہہ کر پکارتا۔ اور یہ اس پہ لبیک کہتے۔ کئی سال کے بعد اس شخص نے ان سے کہا۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ نہ تو تو میرا غلام ہے۔

اور نہ تیرا نام خیر ہے۔ اس پر آپ اسے چھوڑ کر چلے آئے اور فرمایا: میں اس نام کو جس کو ایک مسلمان آدمی نے رکھ دیا ہے۔ تبدیل نہیں کرنے کا۔

فرماتے تھے خوف اللہ کا کوڑا ہے۔ جس سے وہ ہمارے ان نفسوں کو سیدھا کرتا ہے۔ جو سوء ادب کے عادی ہو چکے ہوں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے ابو الحسن[۲۶۲] القزوینی سے سُنا۔ کہتے تھے۔ میں نے ابو الحسین[۲۶۳] المالکی سے سنا وہ فرماتے تھے: جو لوگ خیر لنساج کی وفات کے وقت موجود تھے۔ ان سے میں نے خیر لنساج کی بابت پوچھا تو بتلایا، جب مغرب کی نماز کا وقت آیا تو اُن پر غشی طاری ہوئی، پھر انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ اور گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کر کے کہا: خدا تجھے عافیت دے۔ ٹھہر جاؤ، تو بھی خدا کا مامور بندہ ہے اور میں بھی مامور بندہ ہوں۔ جس کام کا تجھے حکم دیا گیا ہے وہ تجھ سے نہیں چھوٹنے کا۔ اور جس کام کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ مجھ سے چھوٹ جائے گا۔ پھر پانی منگوایا۔ اور وضو کر کے نماز ادا کی۔ اس کے بعد لیٹ گئے۔ اور آنکھیں بند کر کے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور جان دے دی۔ اس کے بعد انھیں خواب میں دیکھا گیا۔ ان سے پُوچھا گیا۔ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ انھوں نے سائل کو جواب دیا۔ یہ مت پوچھ البتہ میں نے تمہاری میلی کچیلی دنیا سے نجات پالی۔

۵۲۔ ابو حمزہ خراسانی م ۲۹۰ھ

ان ہی میں سے ابو حمزہ خراسانی ہیں۔ یہ نیشاپور میں رہا کرتے۔ مگر در اصل محلہ ملقاباذ کے تھے۔ یہ جنید۔ خراز اور ابو تراب نخشبی کے ہمسروں میں سے تھے۔ پرہیزگار اور دیندار آدمی تھے۔

ابو حمزہ فرماتے تھے۔ جس نے موت کے ذکر کو اپنا شعار بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ ہر باقی رہنے والی چیز کو اس کا محبوب اور ہر فانی چیز سے اس کو بددل بنا دیتا ہے۔

نیز فرماتے تھے عارف اپنی زندگی کو ایک ایک دن کر کے بچاتا ہے۔ اور ایک ایک دن کر کے لیتا ہے۔

ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ نصیحت کیجیے، تو کہا اپنے آگے آنے والے سفر

کے لئے زادِ راہ تیار کر لو۔

میں نے محمد الحسین سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے ابو الطیب[۲۶۵] العکی سے سنا، کہتے تھے میں نے ابو الحسن[۲۶۶] المصری سے سنا وہ کہتے تھے۔ کہ میں نے ابو حمزہ خراسانی کو یوں فرماتے سنا میں ایک چادر میں احرام باندھے رہا۔ ہر سال ایک ہزار فرسنگ سفر طے کرتا۔ مجھ پر سورج طلوع ہوتا۔ اور غروب ہوتا۔ جب بھی احرام کھولتا پھر باندھ لیتا۔

ان کی وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی۔

۵۳۔ ابوبکر شبلی ۳۳۴ھ ان ہی میں سے ابوبکر دلف[۲۶۷] بن جحدر شبلی ہیں۔ در اصل اسروشنہ[۲۶۸] کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی پیدائش اور نشوونما بغداد میں ہوئی۔ جنید اور ان کے ہمعصر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ حال، علم اور ظرافت کے اعتبار سے یہ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ مذہب امام مالک کے پیرو تھے۔ ۸۷ سال زندہ رہ کر ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی قبر بغداد میں ہے۔

جب شبلی نے خیر نساج کی مجلس میں توبہ کی تو دنماوند[۲۶۹] آئے اور کہا میں تمہارے شہر کا حاکم رہا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔

ابتدا میں ان کے مجاہدات حد سے زیادہ تھے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ شبلی بار بار کچھ نمک آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے تاکہ بیدار رہنے کے عادی ہو جائیں۔ اور انھیں نیند نہ آئے۔ اگر فرض کر لیا جاتے۔ کہ یہ شرع کی حرمت اتنی ہی تعظیم کرتے تھے جتنی کہ عمر کے آخر میں[۲۷۰]۔ جس کو بکران دینوری نے بیان کیا ہے، تب بھی بہت ہے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے میں نے ابو العباس البغدادی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ شبلی اپنے آخری ایام میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

وَكَمْ مِنْ مَوْضِعٍ لَوْ مُتُّ فِيهِ لَكُنْتُ بِهِ نَكَالًا فِي الْعَشِيرَةِ

اگر میں کسی مقام پر مر جاؤں تو وہاں کے تمام قبیلہ کے لئے عذاب کا سبب بن جاؤں۔ جب رمضان کا مہینہ آتا۔ تو شبلی اپنے تمام معاصرین میں سے بڑھ کر عبادت کی

کوشش کرتے اور فرماتے :۔
میرے رب نے اس ماہ کی تعظیم کی ہے . لہٰذا مجھے سب سے پہلے اس کی تعظیم کرنی چاہیئے - استاذ ابو علی کو میں نے یہ روایت بیان کرتے سنا ہے :۔

۵۴ - عبداللہ مرتعش (م ۳۲۸ھ)

ان ہی میں سے ابو محمد عبداللہ[۲۷۱] بن محمد مرتعش ہیں نیشاپور میں حیرہ نامی محلہ میں رہا کرتے تھے . بعض نفا باذ کا بتاتے ہیں . یہ ابو حفص اور ابو عثمان کی صحبت میں رہے اور ان کی ملاقات جنید سے ہوئی - بہت بڑی شان والے تھے - اور شونیزیہ[۲۷۳] کی مسجد میں مقیم رہے - انھوں نے ۳۲۸ھ میں بغداد میں وفات پائی .

مرتعش فرماتے ہیں : نفس کو اپنی تمام مرادوں سے روکنے ، اللہ کے اوامر میں لگ جانے اور راضی بقضائے الٰہی رہنے کا نام ارادت ہے .

انھیں کسی نے بتلایا کہ فلاں شخص ہوا پر چلتا ہے تو فرمایا : میرے نزدیک جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خواہشات کی مخالفت کی قدرت دی ہے . وہ ہوا پر چڑھنے سے بھی بڑھ کر ہے .

۵۵ - ابو علی احمد رودباری (م ۳۲۲ھ)

ان ہی میں سے ابو علی احمد[۲۷۴] بن محمد رودباری ہیں دراصل بغداد کے تھے اور مصر میں مقیم ہو گئے تھے . اور وہیں ۳۲۲ھ میں وفات پائی . جنید نوری ، ابن جلاء اور اسی طبقہ کے دیگر مشائخ کی صحبت میں رہے . تمام مشائخ میں زیادہ ظریف اور طریقت سے زیادہ واقف تھے -

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا کہتے تھے . میں نے ابو القاسم دمشقی سے سنا فرماتے تھے - کہ کسی نے ابو علی رودباری سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا . جو گانا سنتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے جائز ہے . کیونکہ میں ایسے مقام پر پہنچ چکا ہوں کہ اب مجھ پر حالات کا اختلاف اثر نہیں کر سکتا . اس پر انھوں نے فرمایا .

ہاں پہنچ تو چکا ہے مگر جہنم[۲۷۶] میں .

ان سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:۔ یہ مذہب ہمہ تن سنجیدگی ہے۔ لہٰذا اس میں ہنسی اور مذاق کو نہ ملاؤ۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے: میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا وہ فرماتے تھے: میں نے ابو علی رودباری کو یوں فرماتے سنا: دھوکا کھانے کی علامت یہ ہے کہ تو تو برا کام کرے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر مہربانی فرماتے جائیں۔ اور تم یہ خیال کرتے ہوئے کہ تمہاری طرف سے تساہل کی وجہ سے غلطی ہو گئی ہے۔ نہ تو یہ کرتے ہو اور نہ اللہ کی طرف رجوع۔ اور سمجھتے ہو کہ اللہ نے تمہیں فراخی دے رکھی ہے۔

نیز فرمایا:۔ تصوف میں میرے استاد جنید ہیں۔ فقہ میں ابو العباس ابن سریج ادب میں ثعلب [۲۷۸] اور حدیث میں ابراہیم حربی [۲۷۹]۔

۵۶۔ عبداللہ بن منازل (م ۳۲۹ھ)

ان ہی میں سے ابو محمد عبداللہ بن منازل ہیں [۲۸۰]۔ یہ فرقہ ملامتیہ [۲۸۱] کے شیخ اور یگانہ روزگار تھے۔ حمدون قصار کی صحبت میں رہے۔ عالم تھے اور انھوں نے بہت سی احادیث لکھیں انھوں نے نیشاپور میں ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، کہتے تھے میں نے عبداللہ المعلم [۲۸۲] سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن منازل کو یوں فرماتے ہوئے سنا:۔

جس شخص نے ایک فریضہ بھی ضائع کر دیا اسے اللہ تعالیٰ سنتوں کے ضائع کرنے میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جو سنتوں کے ضائع کرنے میں مبتلا ہوا وہ عنقریب بدعتوں میں مبتلا ہوگا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہتے تھے: میں ابو احمد بن عیسیٰ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے عبداللہ بن منازل کو فرماتے سنا:۔

تمہارا سب سے افضل وقت وہ ہے جب تم اپنے نفس کے وساوس سے محفوظ رہو، نیز یہ وہ وقت ہے جب لوگ تمہاری بدظنی سے محفوظ رہیں۔

۵۷۔ محمد بن عبدالوہاب ثقفی (م ۳۲۸ھ)

ان ہی میں سے ابو علی محمد بن عبدالوہاب [۲۸۳]

ثقفی ہیں۔ یہ اپنے وقت کے امام تھے۔ ابوحفص اور حمدون قصار کی صحبت میں رہے
نیشاپور میں تصوف ان ہی کی بدولت پھیلا۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا فرما
تھے کہ میں نے ابوعلی کو یوں فرماتے سنا:۔

اگر کسی شخص نے سارے علوم کو اپنے اندر جمع کر لیا اور متعدد لوگوں کی صحبت میں
رہ چکا۔ تب بھی وہ اس وقت تک اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ کسی شیخ یا
امام سے تربیت حاصل نہ کرے۔ یا کسی ناصح مؤدب سے استفادہ نہ کرے۔ اور جس نے
کسی ایسے استاد سے ادب حاصل نہیں کیا۔ جو اسے اس کے اعمال کے عیوب دکھائے اور
اسے نفس کی رعونت کا پتہ دے۔ تو معاملات کی اصلاح کے لئے ایسے شخص کی اقتدا
جائز نہیں۔

ابوعلی فرماتے ہیں:۔ اس امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مومن کے لئے منافق
کا سہارا لئے بغیر زندگی میں آرام نہ مل سکے گا۔

نیز فرمایا:۔ اُف ہے دنیا کے کاموں پر جب وہ اُمنڈ کر آجائیں۔ اور اف ہے
دنیا کی حسرتوں پر جب وہ جاتی رہیں عقلمند ایسی چیز کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتا۔ کہ آئے
تو مشغولیت کا سبب ہو اور اگر چلی جائے تو حسرت کا۔

۵۸۔ ابوالخیر اقطع (م بعد از ۳۴۰ھ)

ان ہی میں سے ابوالخیر (۲۸۲) الاقطع ہیں۔ یہ دراصل مغرب
کے تھے۔ مگر تنیات میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی
بہت سی کرامات ہیں۔ اور بہت تیز فراست رکھتے تھے۔ بڑی شان والے تھے ۳۴۰ھ
سے چند سال بعد وفات پائی۔

ابوالخیر فرماتے ہیں۔ علم وعمل میں موافقت ادب پر کاربند رہنے۔ فرائض کو ادا
کرنے اور صالحین کی صحبت کے بغیر کوئی شخص شرف والی حالت پر نہیں پہنچ سکا۔

۵۹۔ محمد بن علی کتانی (م ۳۲۲ھ)

ان ہی میں سے ابوبکر محمد (۲۸۶) بن علی کتانی ہیں۔ اصل
میں بغداد کے تھے۔ جنید۔ خراز اور نوری کی

صحبت میں رہے اور مکہ میں مقیم رہے۔ تا آنکہ انھوں نے ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔
میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو بکر الرازی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ کتانی کی نظر ایک سفید سر اور سفید ریش پر پڑی جو بھیک مانگ رہا تھا۔ تو فرمایا:۔
اس شخص نے بچپن میں اللہ کے حقوق ضائع کر دیئے تو اللہ نے بڑھاپے میں بھی اسے ضائع کر دیا۔
کتانی فرماتے ہیں:۔ خواہش نفسانی شیطان کی باگ ہے۔ جس نے اس کی باگ کو پکڑ لیا۔ وہ اس کا غلام بن گیا۔

۶۰۔ ابو یعقوب نہرجوری (م ۳۳۰ھ)

ان ہی میں سے ابو یعقوب اسحٰق بن محمد نہرجوری ہیں۔ یہ ابو عمرو مکی(۲۸۸)۔ ابو یعقوب (۲۸۹) سوسی۔ جنید اور دیگر شیخ کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے مکہ کے قیام کے دوران ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔
میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو الحسین احمد بن علی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے نہرجوری کو یوں فرماتے سنا:۔
دنیا سمندر ہے۔ جس کا ساحل آخرت ہے۔ اس میں کشتی تقویٰ ہے اور مخلوق مسافر۔
میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو بکر الرازی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے نہرجوری کو یوں کہتے سنا:
میں نے طواف میں ایک شخص کو دیکھا جس کی ایک آنکھ تھی۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔
"اَعُوذُ بِکَ مِنکَ" میں تم سے تمہارے پاس پناہ لیتا ہوں۔ میں نے اسے کہا:۔ یہ کیسی دعا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ایک دن میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اور وہ مجھے بہت پسند آیا۔ یکایک ایک تھپڑ آنکھ کو لگا۔ اور میری آنکھ بہہ گئی۔ پھر میں نے ایک ہاتف کو کہتے ہوئے سنا: ایک نگاہ پر ایک تھپڑ اور نگاہ ڈالو تو اور تھپڑ لگیں گے۔

میں نے محمد الحسین سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے احمد بن علی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے نہر جوری سے سنا، فرما رہے تھے۔ بہترین حال وہ ہے جس میں علم بھی ساتھ دے۔

۶۱۔ ابوالحسن مزین (م ۳۲۸ھ)

ان ہی میں سے ابوالحسن علی بن محمد مزین ہیں۔[291] یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ سہل بن عبداللہ جنید اور اسی طبقہ کے دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ مکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور وہیں ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ یہ بہت بڑے پارسا تھے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابوبکر الرازی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے مزین کو یوں فرماتے سنا۔ گناہ کے بعد گناہ کرنا، پہلے گناہ کی سزا ہے۔ اور نیکی کے بعد نیکی پہلی نیکی کا ثواب۔

مزین سے توحید کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا: توحید یہ ہے کہ تو یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف مخلوق کے اوصاف سے بالکل مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی صفات میں مخلوق سے مختلف ہے۔ جیسے لوگ اپنی صفات میں وجود میں آنے پر اللہ سے مختلف ہوئے۔

نیز فرمایا: جو اللہ کے ساتھ ہو کر مخلوق سے مستغنی نہیں۔ ہوتا خدا اسے مخلوق کا محتاج بنا دیتا ہے۔ اور جو اللہ کے ساتھ مستغنی ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کو اس کا محتاج بنا دیتا ہے۔

۶۲۔ ابوعلی بن کاتب (م بعد از ۳۴۰ھ)

ان ہی میں سے ابوعلی بن کاتب ہیں۔[292] ان کا نام حسن بن احمد ہے۔ یہ ابوعلی رودباری، ابوبکر مصری[293] اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ بڑی بلند حالت والے تھے۔ ۳۴۰ھ سے چند سال بعد وفات پائی۔

ابن الکاتب فرماتے ہیں: جب دل میں خوف جاگزیں ہو جائے تو پھر زبان سے وہی بات نکلتی ہے جو ضروری ہوتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں: معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی عقل کے ذریعہ سے منزہ جانا لہٰذا

غلطی کھائی اور صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کے ذریعہ سے منزہ جانا لہٰذا درست بات کہی۔

۶۳۔ مظفر قرمیسینی

ان میں سے مظفر قرمیسینی ہیں۔ یہ الجبل کے شیوخ میں سے تھے۔ عبداللہ خراز اور دیگر شیوخ کی صحبت میں رہے۔ (۲۹۴)

قرمیسینی فرماتے ہیں: روزہ تین طرح کا ہوتا ہے روح کا روزہ۔ اور یہ امیدوں کو کوتاہ کرنے سے ہوتا ہے۔ عقل کا روزہ، خواہشات کی مخالفت کرنے سے۔ نفس کا روزہ کھانے اور حرام امور سے باز رہنے سے۔

نیز فرمایا: خسیس ترین رفق وہ نرمی ہے جو عورتوں کے ساتھ کی جائے۔ خواہ کسی طرح کی ہو۔

نیز فرمایا: جب قناعت بھوک کا ساتھ دے۔ تو یہ غور و فکر کی کھیتی حکمت کا سرچشمہ، عقل و فطانت کے لئے حیات اور دل کے لئے چراغ کا کام دیتی ہے۔

نیز فرمایا: بندوں کا بہترین عمل یہ ہے کہ وہ اپنے موجودہ اوقات کی محافظت کریں۔ اس طرح کہ وہ نہ کسی بات میں کوتاہی کریں۔ اور نہ حد سے تجاوز۔

نیز فرمایا: . . . . جس نے کسی دانا سے ادب حاصل نہیں کیا۔ اس سے کوئی مرید بھی ادب حاصل نہیں کر سکتا۔

۶۴۔ ابوبکر ابہری (م تقریباً ۳۳۰ھ)

انہی میں سے ابوبکر عبداللہ بن طاہر ابہری ہیں۔ (۲۹۶) (۲۹۷) شبلی کے ہمنشینوں اور الجبل کے مشائخ میں سے تھے۔ عالم اور پرہیزگار تھے۔ یوسف بن حسین وغیرہ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات تقریباً ۳۳۰ھ میں ہوئی۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا، وہ کہتے تھے میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میں نے ابوبکر بن طاہر کو فرماتے سنا۔

فقیر کے لئے حکم یہ ہے کہ اسے کوئی رغبت نہ ہو۔ اگر رغبت سے چارہ نہ ہو

تو صرف اسقدر رغبت ہو جو اس کی ضرورت کو کفایت کرے۔

اسی سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔ جب تو کسی بھائی سے اللہ کی خاطر محبت کرے تو دنیا کے لئے اس سے میل جول کم رکھو۔

۶۵۔ ابوالحسین بن بنان

ان میں سے ابوالحسین[۲۹۷] بن بنان ہیں۔ ان کی نسبت ابوسعید خراز سے ہے۔ یہ مصر کے کبار مشائخ میں سے تھے۔

ابن بنان فرماتے ہیں:۔ ہر وہ صوفی جس کے دل میں روزی کا غم موجود ہو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ کسی کام یا پیشہ میں لگ جائے۔ اللہ کے ساتھ تسکین قلب کی علامت یہ ہے کہ اسے ان چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ زیادہ اعتماد ہو۔ بہ نسبت ان چیزوں کے جو خود اس کے اپنے قبضے میں ہیں۔

نیز فرمایا:۔ تم جس طرح حرام سے بچتے ہو اسی طرح اخلاق کی دنارت سے بچو۔

۶۶۔ ابواسحٰق قرمیسینی

ان ہی میں سے ابواسحٰق[۲۹۸] ابراہیم بن شیبان قرمیسینی ہیں۔ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ ابوعبداللہ مغربی خواص اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ وہ فرماتے تھے: میں ابویزید[۳۰۰] المروزی الفقیہ سے سنا، فرماتے تھے: میں نے ابراہیم بن شیبان سے سنا فرماتے تھے: جو معطل باطل پرست بننا چاہے اس کو چاہیئے کہ رخصتوں کے پیچھے لگ جائے۔

اسی اسناد سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔ علم فنا و بقا کا دارومدار خالص وحدانیت اور عبودیت کی صحت پر ہے۔ اس کے علاوہ سب دھوکہ اور زندقہ ہے۔

نیز فرمایا:۔ کمینے وہ ہیں جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

۶۷۔ ابوبکر حسین بن علی بن یزدانیار

ان ہی میں سے ابوبکر حسین[۳۰۱] بن علی بن یزدانیار ہیں۔ یہ آرمینیہ[۳۰۲] کے رہنے والے تھے۔ ان کا تصوف میں مخصوص طریقہ ہے۔ عالم اور پرہیزگار تھے۔ بعض عارفین کے آزادانہ کلمات والفاظ کو ناپسند فرماتے تھے۔

ابن یزدان یار فرماتے تھے: جب تک تمہارے دل میں لوگوں سے اُنس و محبت ہے اس وقت تک اللہ سے انس و محبت کا لالچ نہ کرو۔ اور نہ اس وقت تک اللہ کی محبت کا لالچ کرو۔ جب تک تم فضول باتوں کو پسند کرتے ہو اور جب تک تمہارے دل میں یہ لالچ ہے۔ کہ تم لوگوں کے ہاں قدر و منزلت حاصل کرو۔ اس وقت تک اللہ کے یہاں منزلت کی خواہش نہ کرو۔

۶۸۔ ابوسعید بن الاعرابی (م ۳۴۱ھ) ان ہی میں سے ابوسعید[۳۰۳] بن الاعرابی ہیں ان کا اصل نام احمد بن محمد بن زیاد البصری ہے حرم میں مقیم رہے۔ اور وہیں ۳۴۱ھ میں وفات پائی یہ جنید عمرو بن عثمان مکی نوری اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔

ابن الاعرابی فرماتے ہیں:۔ سب سے زیادہ گھاٹے میں وہ شخص ہے جو لوگوں میں تو اپنے اچھے اعمال کو ظاہر کرے اور اس خدا کے سامنے جو رگِ گردن سے بھی قریب تر ہے اپنے بُرے اعمال ظاہر کرے۔

۶۹۔ ابوعمرو نیشاپوری (م ۳۴۸ھ) ان ہی میں سے ابوعمرو محمد[۳۰۴] بن ابراہیم الزجاجی نیشاپوری ہیں۔ مدت دراز تک مکہ میں مقیم رہے، اور وہیں وفات پائی۔ جنید، ابوعثمان، نوری، خواص اور رویم کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۳۴۸ھ میں ہوئی۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے اپنے دادا ابوعمرو بن نجید سے سنا، وہ فرماتے تھے: کہ کسی نے ابوعمرو زجاجی سے سوال کیا:۔ کیا بات ہے کہ فرائض میں تکبیر اُولیٰ کے وقت آپ کی حالت بدل جاتی ہے۔

فرمایا:۔ مجھے ڈر[۳۰۵] لگتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ صدق دل کے بغیر اپنے فریضہ کی ابتدا کروں۔ چنانچہ جو شخص اللہ اکبر کہتا ہے اور اسکے دل میں یہ کہ کوئی اور چیز اللہ سے بھی بڑی ہے۔ یا یہ کہ وقت گذرنے پر اس نے کسی اور چیز کو بڑا جانا۔ تو اس نے

اپنے دل کو اپنی زبان سے جھٹلا دیا۔

نیز فرمایا: جس شخص نے ایسے حال پر گفتگو کی، جہاں وہ خود نہیں پہنچا۔ اس کا کلام سننے والوں کے لئے بڑی بھاری آزمائش ہے۔ اور یہی دعویٰ اس کے دل میں بھی پیدا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے اس حالت تک پہنچنے سے محروم رکھے گا۔

یہ مدت تک مکہ میں رہے۔ مگر حرم کے اندر کبھی طہارت حاصل نہیں کی حرم سے باہر نکل جاتے۔ اور وہاں پاکی حاصل کرتے۔ (پھر حرم میں داخل ہوتے) ان کا یہ عمل حرم کے احترام کی وجہ سے تھا۔

(۳۰۷)

۷۰۔ ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر دم ۳۴۸ھ

ان ہی میں سے ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر ہیں۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشو و نما پائی۔ جنید، نوری، رویم، سمنون اور اس طبقہ کے دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ مگر انھوں نے اپنے آپ کو جنید کی طرف منسوب کیا۔

ان کی وفات بغداد میں ۳۴۸ھ میں ہوئی۔

جعفر فرماتے ہیں: کوئی بندہ لذت نفس کے ہوتے ہوئے اللہ کے ساتھ معاملہ کی لذت حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اہلِ حقائق ان تمام تعلقات کو کاٹ ڈالتے ہیں۔ جو انھیں اللہ سے منقطع رکھیں۔ پیشتر اس کے کہ یہ تعلقات انھیں اللہ سے منقطع کر دیں۔ (وہ ان تعلقات کو ختم کر دیتے ہیں۔)

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے محمد بن عبد اللہ شاد ان سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے جعفر کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

بندے اور وجدان کے درمیان صرف اتنی سی بات ہے کہ تقویٰ اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے۔ اور جب تقویٰ دل میں جاگزیں ہو گیا۔ تو اس پر علم کی برکات نازل ہوتی ہیں۔ اور دنیا کی رغبت زائل ہو جاتی ہے۔

(۳۰۸)

۷۱۔ ابو العباس سیاری دم ۳۴۲ھ

ان ہی میں سے ابو العباس سیاری ہیں۔ ان کا نام قاسم بن قاسم ہے۔ مرو کے رہنے

والے تھے۔ واسطی کی صحبت میں رہے۔ اور صوفیہ کے علوم میں یہ انہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہ عالم تھے اور ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔

کسی نے ابو العباس سیاری سے پوچھا مرید اپنے نفس کو کس چیز کے ساتھ سدھائے تو فرمایا اوامر پر صبر اور استقلال کے ساتھ عمل کرنے، نواہی سے پرہیز کرنے، صالحین کی صحبت میں رہنے اور فقراء کی خدمت کرنے سے۔

نیز فرمایا:- کوئی عقلمند مشاہدۂ حق سے لذت حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ مشاہدۂ حق فنا ہے۔ جس میں کوئی لذت نہیں۔

۷۲۔ ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری رم بعد از ۳۵۰ھ

(۳۰۹) ان ہی میں سے ابوبکر محمد بن داؤد دینوری ہیں۔ جو دقی کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ایک سو سے زائد عمر پائی اور دمشق میں ۳۵۰ھ کے بعد وفات پائی۔ ابن جلاد اور زقاق کی صحبت میں رہے۔

ابوبکر دقی فرماتے ہیں:- معدہ مختلف قسم کے کھانوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ جب تو اس میں حلال پھینکے گا۔ تو تمہارے اعضاء سے نیک اعمال صادر ہونگے اور اگر مشتبہ کھانا ڈالے گا۔ تو اللہ کا راستہ تمہارے لئے مشتبہ ہو جائے گا۔ اور اگر قابل گرفت چیزیں اس میں ڈالے گا۔ تو یہ تمہارے اور اللہ کے امر کے درمیان حجاب کا کام دیں گے۔

۷۳۔ ابو محمد عبد اللہ بن محمد رازی د ۳۵۳ھ

(۳۱۰) ان ہی میں سے ابو محمد عبد اللہ بن محمد رازی ہیں۔ ان کی پیدائش اور نشو و نما نیشاپور میں ہوئی۔ یہ ابو عثمان حیری، جنید، یوسف بن حسین، رویم، سمنون اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۳۵۳ھ میں ہوئی

میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ کسی نے عبد اللہ رازی سے سوال کیا: کیا بات ہے، کہ لوگ اپنے عیوب جاننے کے باوجود صحیح راہ کی طرف

نہیں لوٹتے ، تو فرمایا :-

اس لئے کہ یہ لوگ علم پر عمل کرنے کی بجائے علم پر فخر کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ظاہر کی طرف مشغول ہوتے ہیں۔ اور . . . .

باطنی آداب کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اندھا کر دیتے ہیں۔ اور اُن کے اعضاء کو عبادت کرنے سے جکڑے رکھتے ہیں۔

۷۴۔ اسمٰعیل بن نجید دم ۳۶۶ھ

ان ہی میں سے ابو عمرو[۳۱۱] اسمٰعیل بن نجید ہیں۔ یہ ابو عثمان[۳۱۲] کی صحبت میں رہے۔ اور جنید سے ان کی ملاقات ہوئی۔ بہت بڑی شان والے تھے۔ ابو عثمان کے مریدوں میں سے تھے۔ سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات مکہ میں ۳۶۶ھ میں ہوئی۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السّلمی رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے اپنے نانا ابو عمرو بن نجید کو فرماتے سُنا۔ ہر وہ حالت جو علم کی وجہ سے پیدا نہ ہوئی ہو۔ صاحب حالت کے لئے اس کا نقصان بہ نسبت فائدہ کے زیادہ ہوتا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن نجید کو فرماتے سنا۔ جس کسی نے کسی[۳۱۳] وقت بھی کوئی خداوندی فریضہ ضائع کر دیا۔ وہ اس فریضہ کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے خواہ کچھ عرصہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

پھر فرماتے ہیں کہ ابن نجید سے تصوف کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا:-
اوامر خداوندی اور نواہی پر صبر کے ساتھ کاربند رہنے کا نام تصوف ہے۔

نیز فرمایا :- انسان کی آفت اس میں ہے کہ وہ جن امور میں لگا ہو ان کی وجہ سے اپنی ذات سے خوش ہو جائے۔

۷۵۔ علی ابن احمد بوشنجی دم ۳۴۸ھ

ان ہی میں سے ابو الحسن[۳۱۴] علی بن احمد سہل بوشنجی ہیں۔ یہ خراسان کے جوانمردوں میں سے تھے۔ ان کی ملاقات ابو عثمان، ابن عطاء، حریری اور ابو عمرو دمشقی سے ہوئی۔ اور ۳۴۸ھ میں وفات پائی۔

بوشنجی سے مروت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا:۔ مروت ان چیزوں کے استعمال کو ترک کر دینے کا نام ہے۔ جو شریعت[۳۱۵] کی رُو سے کراماً کاتبین کے دیوان میں حرام لکھی ہوئی ہیں۔

ایک شخص نے ان سے دُعا کرنے کی درخواست کی تو فرمایا:۔ خدا تجھے بُری آزمائش سے بچائے۔

نیز فرمایا:۔ ایمان کی ابتدا اور انتہا ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

۷۶۔ محمد بن خفیف شیرازی (م ۳۹۱ھ)

ان ہی میں سے ابو عبد اللہ[۳۱۶] محمد بن خفیف شیرازی ہیں۔ یہ رویم، ماجریری ابن عطا اور دوسرے شیوخ کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے ۳۹۱ھ میں وفات پائی۔ یہ شیخ الشیوخ اور یکتائے روزگار تھے۔

ابن خفیف فرماتے ہیں:۔ مرید کی ارادت مندی یہی ہے کہ رنج و تکلیف اٹھانے پر مداومت کرے اور آرام کو چھوڑ دے۔

نیز فرماتے ہیں:۔ مرید کے لئے رخصتوں پر عمل کرنے اور تاویلات قبول کرنے میں تساہل برتنے سے بڑھ کر کوئی اور چیز نقصان دہ نہیں ہو سکتی۔

ان سے کسی نے قربت الٰہی کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔

خدا سے تمہارا قرب یہ ہے کہ شریعت کے موافق امور پر ڈٹا رہے اور خدا کا تم سے قریب ہونا یہ ہے کہ اس کی توفیق ہمیشہ تمہارے شامل حال رہے۔

میں نے ابو عبد اللہ الصوفی سے سنا، کہتے تھے۔ میں نے ابو عبد اللہ بن خفیف سے سنا۔ وہ فرماتے تھے:۔ شروع میں میں بسا اوقات ایک رکعت کے اندر دس ہزار بار "قل ہو اللہ احد" پڑھا کرتا تھا۔ اور پھر کئی بار ایسا ہوا کہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا۔ اور کئی بار ایسا ہوتا کہ صبح سے عصر تک ایک ہزار رکعت پڑھا کرتا۔

میں نے ابو عبد اللہ بن[۳۱۷] باکویہ الشیرازی رحمہ اللہ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے ہیں

نے ابو احمد صغیر کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن ایک فقیر آیا اور اس نے شیخ ابو عبداللہ
بن خفیف سے عرض کی کہ مجھے وسوسہ رہتا ہے۔ تو فرمایا :-

مجھے وہ زمانہ یاد ہے جبکہ صوفیاء شیطان سے مذاق کیا کرتے تھے۔ اب شیطان
ان سے مذاق کرتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ میں نے ابو العباس[319] کرخی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے ابو عبداللہ
بن خفیف کو یوں کہتے سنا :- ایک بار میں نوافل میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا تو میں نے اپنے
معمول کی ہر رکعت کے بدلے دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کیں۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ
صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم "بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر
پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھی نماز شمار ہوتی ہے۔

٧٧۔ بندار بن حسین شیرازی (م ٣٥٣ھ)

ان ہی میں سے ابو الحسن[320] بندار بن حسین شیرازی ہیں۔ یہ اصول صوفیہ کے عالم اور اپنی حالت
میں بڑی شان والے تھے۔ شبلی کی صحبت میں رہے۔ یہ ارجان میں ٣٥٣ھ میں فوت ہوئے

بندار بن حسین فرماتے ہیں :- اپنے نفس کے لئے مت جھگڑو کیونکہ یہ تمہارا نہیں
ہے۔ اسے اپنے مالک کے لئے چھوڑ دو۔ وہ جو چاہے اس سے برتاؤ کرے۔

بندار فرماتے ہیں :- اہل بدعت کی صحبت سے حق تعالیٰ سے اعراض پیدا ہوتا ہے
نیز فرمایا :- اپنی خواہشات کو اس ثواب کی خاطر چھوڑ دو جس کی تجھے امید ہے

٧٨۔ ابو بکر طمستانی (م بعد از ٣٤٠ھ)

ان ہی میں سے ابو بکر طمستانی ہیں۔ یہ ابراہیم دباغ اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں
رہے۔ علم اور حال کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھے۔ انھوں نے ٣٤٠ھ کے بعد
نیشاپور میں وفات پائی۔

ابو بکر طمستانی فرماتے ہیں :- نفس سے نکلنا بہت بڑی نعمت ہے۔ اور نفس تمہارے
اور اللہ کے درمیان بہت بڑا حجاب ہے۔

میں نے ابو عبداللہ[321] الشیرازی رحمہ اللہ سے سنا۔ کہتے تھے: میں نے منصور بن

عبداللہ الاصبہانی سے سنا. فرماتے تھے. کہ میں نے ابوبکر طمستانی کو یوں کہتے سنا:-

جب دل کسی ایسی بات کے کرنے کا خیال کرے جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے تو اسے اسی وقت سزا مل جاتی ہے۔

نیز فرمایا:- راستہ واضح ہے اور کتاب اور سنت ہمارے درمیان قائم ہے، اور صحابہ کی فضیلت بھی معلوم ہے. اس لئے کہ انھوں نے ہجرت کرنے میں سبقت کی، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے. لہٰذا ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دور رہے. اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے وہی سچا اور راہِ راست پر ہے۔

۷۹. ابوالعباس احمدؒ بن محمدؒ دینوری دم بعد از ۳۴۰ھ

ان ہی میں سے ابی العباس احمدؒ بن محمدؒ دینوری ہیں. یہ یوسف بن حسین، ابنِ عطا اور حریری کی صحبت میں رہے. عالم اور فاضل تھے. نیسا پور آئے. اور وہاں مدت تک مقیم رہے، اور لوگوں میں وعظ کرتے رہے. معرفت کی باتیں کیا کرتے تھے. پھر سمرقند گئے. اور وہاں ۳۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

ابوالعباس دینوری فرماتے ہیں:- ادنیٰ ذکر یہ ہے کہ تو ماسوا کو بھول جائے اور ذکر کی انتہا یہ ہے کہ ذاکر ذکر میں ذکر سے غافل ہو جائے۔

نیز فرمایا:- ظاہر کی زبان باطن کے حکم کو نہیں بدلتی۔

نیز فرمایا:- ان لوگوں نے تصوف کے ارکان کو تباہ کر دیا۔ اُن کی راہ کو برباد کر دیا۔ ان کے معانی کو اپنے نئے ناموں سے بدل دیا. چنانچہ طمع کا نام زیادتی، سوءِ ادب کا نام اخلاص، خروج عن الحق کا نام "شطح"، مذموم چیزوں سے لذت حاصل کرنے کا نام طیبت خواہشات کی پیروی کا نام ابتلاء، دنیا کی طرف رجوع کرنے کا نام وصل. بدخلقی کا نام صولت، بخل کا نام جلادت، سوال کا نام عمل، بدزبانی کا نام ملامت رکھ دیا. حالانکہ صوفیاء کا یہ طریقہ نہ تھا۔

۸۰۔ ابو عثمان سعید بن سلام المغربی م ۳۷۳ھ

ان ہی میں سے ابو عثمان سعید بن سلام مغربی ہیں۔ یہ اپنے زمانہ کے بے نظیر انسان تھے۔ ان سے پہلے اس قسم کا شخص سننے میں نہیں آیا۔ ابن الکاتب، حبیب مغربی، ابو عمرو زجاجی کی صحبت میں رہے اور نہرجوری۔ ابن الصائغ اور دوسرے مشائخ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ان کی وفات نیشاپور میں ۳۷۳ھ میں ہوئی۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ امام ابو بکر بن فورک رحمہ اللہ (۴۰۶ھ) ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

میں نے استاد ابو بکر بن فورک کو فرماتے ہوئے سنا:۔

جب ابو عثمان مغربی کی وفات کا وقت قریب آگیا۔ اس وقت میں ان کے پاس تھا۔ اور علی قوال صغیر کچھ بول رہا تھا جب آپ کی حالت بدل گئی۔ تو ہم نے علی کو خاموش ہونے کو کہا۔ اس پر شیخ ابو عثمان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا علی، بولا کیوں نہیں بولتا۔ میں نے حاضرین میں سے ایک سے کہا۔ ان سے پوچھئے (علام یستمع) سننے والا کس بنا پر سنتا ہے کیونکہ اس حالت میں ان سے مجھے سوال کرنے میں ان سے شرم آتی ہے۔

انھوں نے آپ سے پوچھا تو فرمایا۔ سننے والا جہاں سے اللہ چاہے وہاں سے سنتا ہے۔

ریاضت میں ان کی بڑی شان تھی۔

ابو عثمان فرماتے ہیں:۔ تقویٰ یہی ہے کہ بندہ حدود کے اندر رہے۔ نہ کوتاہی کرے اور نہ ان سے تجاوز کرے۔

نیز فرمایا، جس نے فقراء کی صحبت پر مالداروں کی صحبت کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دل کی موت کی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔

۸۱۔ ابو القاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی م ۳۶۷ھ

ان ہی میں سے ابو القاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی ہیں، یہ اپنے زمانہ میں خراسان کے شیخ تھے شبلی، ابو علی رودباری اور مرتعش کی صحبت میں رہے ۳۶۶ھ میں مکہ میں آکر رہائش اختیار کرلی اور وہیں ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ یہ حدیث کے

عالم تھے۔ انھوں نے کثرت سے احادیث کی روایت کی ہے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میں نے نصر آبادی کو یوں فرماتے سنا:۔

جب تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے مظاہر میں کوئی باب ظاہر ہو، اس کے ہوتے ہوئے جنت و دوزخ کی طرف متوجہ مت ہو۔ اور جب تم اس حالت سے لوٹ آؤ۔ تو پھر جن امور کی اللہ نے تعظیم کی ہے تم بھی اُن کی تعظیم کرو۔

میں نے محمد بن حسین کو فرماتے سنا کہ کسی نے نصر آبادی سے ذکر کیا کہ بعض لوگ عورتوں کی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ان کو دیکھنے میں ہم معصوم ہوں۔ تو فرمایا:۔

جب تک اجسام قائم ہیں۔ اس وقت تک امر و نہی بھی قائم و باقی ہے اور ہم تحلیل و تحریم (حلال قرار دینے اور حرام قرار دینے کے مخاطب ہیں۔ شبہات میں پڑنے کی صرف وہی شخص جرأت کرے گا جو محرمات کے درپے ہو

میں نے محمد بن حسین کو سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ نصر آبادی نے فرمایا۔ تصوف کی اصل کتاب و سنت پر کاربند رہنا، خواہشات اور بدعتوں کو ترک کرنا مشائخ کی حرمتوں کی تعظیم کرنا مخلوق کے عذروں کو دیکھنا اور اُن پہ مداومت کرنا اور رخصتوں اور تاویلات کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

۸۲۔ ابو الحسن علی ابن ابراہیم الحصری البصری (م ۳۷۱ھ)

ان ہی میں سے ابو الحسن علی بن ابراہیم الحصری البصری ہیں۔ انھوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ عجیب حالت اور زبان والے تھے۔ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ یہ شبلی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ انھوں نے بغداد میں ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔

حصری فرماتے ہیں:۔ لوگ کہتے ہیں کہ حصری نوافل کو نہیں مانتے۔ حالانکہ جوانی کے زمانہ سے اب تک اپنے ذمہ میں نے جو اوراد لگا رکھے ہیں اگر ان میں سے ایک رکعت بھی چھوڑ دوں تو عتاب کیا جاؤں۔

نیز فرمایا جس نے حقیقت میں سے کسی چیز کا دعویٰ کیا۔ اسے وہ براہین جھٹلا دیں گے۔ جو اس کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۳۲۹)
ان میں سے ابو عبداللہ احمد عطا رود باری

۸۳ - ابو عبداللہ احمد بن عطا رود باری (م ۳۶۹ھ)

ہیں۔ یہ شیخ ابو علی رود باری کے بھانجے تھے[۱۰۹]۔ اپنے زمانہ میں شام کے شیخ تھے۔ ان کی وفات صوُر میں ۳۶۹ھ میں ہوئی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہتے تھے۔ میں نے علی بن سعید المصیصی سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے احمد بن عطا رود باری کو یوں فرماتے سنا۔

ایک بار میں اونٹ پر سوار تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں ریت میں دھنس گئیں اس پر میں نے کہا جل اللہ اونٹ نے بھی یہی الفاظ دہرائے۔

جب کبھی ابو عبداللہ رود باری اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ کسی عام آدمی یا ایسے آدمی کے گھر جو صوفی نہ ہوتا تھا، دعوت کے لئے بلاتے تو فقراء کو اس کی خبر نہ کرتے تھے۔ بلکہ انھیں پہلے خود کچھ کھلا دیتے اور جب وہ کھا چکتے، تب بتاتے اور پھر ان کو لے کر روانہ ہوتے۔ اس طرح یہ لوگ وقت پر کھا چکے ہوتے۔ اور جب دعوت والے گھر پہنچتے تو دعوت کے کھانے کی طرف ان کا ہاتھ کم ہی بڑھتا۔ یہ اس لئے کرتے۔ تاکہ لوگ صوفیاء کے متعلق بدگمان نہ ہو جائیں۔ اور گنہگار نہ بن جائیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن ابو عبداللہ رود باری فقراء کے پیچھے پیچھے جارہے تھے۔ (یعنی آگے نہیں چلتے تھے) اس وقت یہ لوگ کسی دعوت کو جارہے تھے۔ کہ ایک سبزی فروش نے کہا: یہ فقراء لوگوں کا مال حلال سمجھتے ہیں۔ پھر ان کو بُرا بھلا کہا۔ اور شکایت کی کہ ان میں سے ایک درویش نے مجھ سے ایک سو درہم قرض کے طور پر لئے تھے۔ اور آج تک واپس نہیں کئے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اور اسے کیسے تلاش کروں؟ جب یہ سب دعوت والے گھر پہنچے تو

ابو عبداللہ رودباری نے گھر کے مالک سے جو فقراء و صوفیاء کا محب تھا، کہا۔ اگر آپ میرا سکون قلب چاہتے ہیں تو ابھی ایک سو درہم نکالیں۔ وہ اسی وقت لے آیا۔ آپ نے اپنے ایک مرید کو کہا:۔ یہ سو درہم ابھی فلاں سبزی فروش کے پاس لے جاؤ۔ اور اُسے کہو کہ یہ وہ سو درہم ہیں جو تم سے ہمارے کسی ساتھی نے بطور قرض لئے تھے۔ اور وہ کسی مجبوری سے ادا نہیں کر سکا۔ اب اس نے یہ درہم بھیج دیئے ہیں۔ اس کا عذر قبول فرمائیے۔ چنانچہ وہ آدمی گیا۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔ جب یہ لوگ دعوت سے واپس لوٹے اور سبزی فروش کی دکان کے پاس سے گزرے تو وہ ان کی تعریف کرنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ یہ لوگ قابلِ اعتماد، ایماندار، صالح وغیرہ وغیرہ ہیں۔

ابو عبداللہ رودباری فرماتے ہیں:۔ بدترین انسان وہ صوفی ہے جو بخیل ہو۔

استاذ امام جمال الاسلام ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں اس جماعت کے شیوخ میں سے چند لوگوں کا ہم نے یہاں ذکر کیا۔ اُن کا اس جگہ ذکر کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ میں لوگوں کو متنبہ کر دوں کہ یہ سب لوگ شریعت کی تعظیم کرنے پر متفق ہیں اور طریق ریاضت میں سنت کی تابعداری پر پابندی کرتے ہیں۔ دینداری کے آداب میں سے کسی ادب میں یہ لوگ خلل پیدا نہیں ہونے دیتے۔ اور اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص معاملات اور مجاہدات سے خالی ہے۔ اور اس نے اپنے طریقے کی بنیاد پرہیزگاری اور تقویٰ پر نہ رکھی ہے۔ تو وہ اپنے دعویٰ میں اللہ پر افترا باندھنے والا ہے۔ وہ فتنہ میں مبتلا ہے۔ خود بھی تباہ ہوا۔ اور ان لوگوں کو بھی تباہ کر دیا۔ جو کچھ دھوکے سے اس کی باطل باتوں کی طرف مائل ہو گئے۔ اگر ہم اُن کے ان الفاظ کو اور سارے ملفوظات کو بیان کرتے اور پوری تلاش کے بعد ان کی ان حکایات اور حالات کو جن سے ان کی سیرتوں کا پتہ چلتا ہے۔ لکھتے تو کتاب لمبی ہو جاتی۔ اور لوگ اُکتا جاتے۔

جس قدر ہم نے بیان کر دیا ہے۔ ہمارے مقصد کے لئے کافی ہے۔ وباللہِ التَّوفیق
بہرحال وہ شیوخ جن کو ہم نے پایا اور ہمارے معاصر ہیں۔ اگرچہ ان سے
ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔ جیسے استاذ، شہید، لسان وقت، یگانۂ روزگار
ابو علی حسن[۳۴۱] بن علی دقاق۔ (م ۴۰۶ھ) اور یکتائے زمانہ شیخ ابو عبدالرحمٰن[۳۴۲] سلمی مجاور
حرم ابو الحسین جہضم[۳۴۳] اور شیخ ابو العباس[۳۴۴] قصار ساکن طبرستان اور دینور میں احمد الاسود اور
نیشاپور میں ابو القاسم[۳۴۵] صیرفی۔ اور ابو سہل الخشاب الکبیر۔ منظور بن خلف مغربی۔
ابو سعید[۳۴۶] مالینی۔ ابو طاہر خوزندی اور دیگر مشائخ۔ خدا ان کی ارواح کو پاک
رکھے۔ اگر ہم ان کا ذکر بھی کرتے اور ان کے تفصیلی حالات بیان کرتے، تو ہم
حد اختصار سے جو ہمارا اصل مقصد ہے نکل جاتے۔ معاملات میں ان کی
سیرتوں کی خوبی ان کے احوال کے پڑھنے سے ہم پر مشتبہ نہیں ہے۔ ہم اس
رسالہ میں مختلف مقامات پر ان کی حکایتیں بیان کریں گے۔

باب (۱)

صوفیاء کے اصطلاحات کی تفسیر اور ان میں سے بعض مشکل الفاظ کی تشریح۔

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ علماء کا ہر گروہ ایک خاص قسم کے چند الفاظ استعمال کرتا ہے جنہیں دوسرا گروہ استعمال نہیں کرتا۔ وہ آپس میں خاص اغراض کی بنا پہ ان الفاظ کے معانی پر اتفاق کر لیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مخاطب کو سمجھانے میں آسانی ہو یا اس لئے کہ جب یہ الفاظ بولے جائیں تو صوفیا اُن کے معانی کو آسانی سے سمجھ لیں۔ یہ لوگ آپس میں خاص قسم کے الفاظ اس لئے بھی استعمال کرتے ہیں تاکہ اُن کے معانی صرف وہ خود واجباً سمجھ سکیں۔ اور دوسرے لوگوں سے جو اُن کے طریقے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے معانی اور مطالب پوشیدہ[(۱۰۴ب)] رہیں۔ کیونکہ اُن کی غیرت گوارہ نہیں کرتی۔ کہ ان کے اسرار نا اہل لوگوں میں شائع ہو جائیں۔ اس لئے ان الفاظ کے حقائق نہ تو کسی قسم کے تکلف سے جمع کئے گئے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کے تصرف سے پیدا کئے گئے ہیں بلکہ یہ وہ معانی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے دلوں کے اندر القا کر دیا ہے اور اُن کے حقائق کے لئے کچھ لوگوں کے اسرار کو منتخب کر لیا ہے۔ اور ہم ایسے الفاظ کی تشریح اس لئے لکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ لوگ جو اُن کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں اور ان کے طرق کے تابع ہیں۔ اُن کے لئے ان کے معانی سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

۱۔ وقت صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے ایک لفظ وقت[(۱۰۴۸)] ہے۔ محققین کے نزدیک وقت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ موہوم الوقوع

واقعہ ہے۔ جس کے حاصل کرنے کا دار و مدار موجود ہ متحقق واقعہ پر ہے۔ لہٰذا
یہ متحقق واقعہ موہوم واقعہ کے لئے وقت کہلائے گا۔ جیسے یہ قول کہ "میں مہینہ
کے شروع میں تمہارے پاس آؤں گا۔" یہاں آنا موہوم واقعہ ہے۔ اور مہینے کا
شروع "متحقق واقعہ ہے۔ لہٰذا یہاں مہینہ کا شروع" آنے کے لئے وقت ہو گا

میں نے استاد ابو علی دقاق کو یوں فرماتے سنا۔ جس آن میں تم ہو۔ وہی تمہارا وقت
ہے۔ اگر تم دنیا میں ہو تو تمہارا وقت دنیا ہے۔ اگر عقبیٰ میں ہو تو تمہارا وقت عقبیٰ ہے
اگر غم میں ہو تو تمہارا وقت غم ہے اور اگر خوشی میں ہو تو تمہارا وقت خوشی ہے
ان کی مراد یہ ہے کہ جو حالت انسان پر غالب ہے وہی اس کا وقت ہے
اور بعض اوقات وقت سے مراد وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں انسان ہے۔ کیونکہ کچھ
لوگوں نے وقت کی تعریف یہ کی ہے کہ وقت وہ ہے جو دو زمانوں ماضی اور مستقبل
کے درمیان ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ صوفی اپنے وقت کا بیٹا ہے۔ اور اس کا مطلب
یہ لیتے ہیں کہ وہ اس وقت اس حالت میں مشغول ہے۔ جو اس کے لئے بہتر ہے
اور اس چیز پر قائم ہے۔ جس کا مطالبہ اس سے کیا جاتا ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ صوفی کو نہ اپنے ماضی کی فکر ہوتی ہے۔ نہ اپنے مستقبل
کی بلکہ اسے اپنے حال کی فکر ہوتی ہے۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ گذشتہ وقت کے چھوٹ جانے پر فکرمند ہونا
دوسرے وقت کو ضائع کرنا ہے۔

کبھی وقت سے مراد وہ تصرفات لئے جاتے ہیں۔ جو صوفیاء کو اللہ تعالیٰ
کی طرف سے پیش آتے ہیں اور ان میں ان کے اپنے اختیار کا دخل نہیں ہوتا
چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص وقت کے زیر حکم ہے۔ یعنی وہ ان امور کے سامنے
سر تسلیم خم کر چکا ہے۔ جو پردۂ غیب سے اس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں
اور اس کے اختیار کا ان میں دخل نہیں ہوتا۔ مگر یہ صرف ان امور میں ہوتا
ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کوئی حکم ہوتا ہے۔ اور نہ کسی شرعی حق

کا تقاضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دینا، اور اس معاملہ میں تقدیر کے سپرد کر دینا اور احکام شرعیہ میں اپنی کوتاہی کی پرواہ نہ کرنا دین کی حد سے باہر نکلنا ہے۔

صوفیاء کے یہاں یوں بھی کہا جاتا ہے۔ "الوقت سیف" (وقت تلوار ہے) یعنی جس طرح تلوار کاٹتی ہے اسی طرح وقت ان امور کی وجہ سے جنہیں اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے۔ غالب ہوتا ہے۔ بعض اس کی تشریح یوں کرتے ہیں۔ کہ تلوار چھونے میں نرم محسوس ہوتی ہے۔ مگر اس کی دھار کاٹنے والی ہے۔ لہٰذا جس نے اس سے نرمی کی وہ بچ نکلا۔ اور جس نے سختی کی وہ کٹ گیا۔ یہی حال وقت کا ہے۔ جس نے وقت کے سامنے سر جھکا دیا وہ نجات پا گیا اور جس نے مقابلہ کیا وہ سرنگوں اور تباہ ہوا۔ چنانچہ اس کی تائید میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے :۔

وَكَالسَّيْفِ اِنْ لَايَنْتَهُ لَانَ مَسُّهُ   وَحَدَّاهُ اِنْ خَاشَنْتَهُ خَشِنَانِ

وقت کی مثال تلوار کی سی ہے۔ اگر اس سے نرمی سے پیش آؤ گے تو یہ بھی نرم محسوس ہوگی۔ اور اگر سختی کرو گے تو اس کی دونوں دھاریں سخت ہوں گی۔

لہٰذا جس شخص سے وقت نے مساعدت کی تو پھر وقت اس کا ہے اور جس شخص کے ساتھ وقت نے تنگی کی وقت اس کے لئے دشمنی کا سبب ہوگا۔

میں استاد ابوعلی دقاق کو یوں فرماتے سنا ۔ وقت ریتی کی طرح ہے۔ جو تجھے گھستا ہے۔ مگر فنا نہیں کرتا۔ یعنی اگر تجھے فنا کر دے تو نجات پا جائے۔ مگر وقت تمہیں گھٹاتا جاتا ہے۔ اور کلیتہً مٹاتا نہیں۔ ابوعلی دقاق اس کی تائید میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے :۔

كلّ يوم يمرّ يأخذ بعضي   يورث القلب حسرة ثم يمضي

ہر دن جو گذرتا ہے مجھ سے میرا کچھ حصہ لیتا ہے۔ اور میرے دل میں حسرت پیدا کر کے چلا جاتا ہے۔

ابو علی دقاق یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے :۔

کاٗھل النار ان نضجت جلود　　اُعیدت للشقاء لھم جلود

دوزخیوں کی طرح کہ جب ان کی کھالیں پک جائیں گی تو اُن کی بدبختی کے لئے انھیں نئی کھالیں دے دی جائیں گی۔

اسی معنی میں یہ شعر ہے :۔

لیس من مات فاستراح بمیت　　انما المیت میت الاحیاء

جو مر کر آرام پا گیا وہ مُردہ نہیں۔ مردہ تو درحقیقت وہ ہے۔ جو زندہ ہی مردہ ہو۔

دانا وہ ہے جو اپنے وقت کے حکم کے ماتحت ہو۔ اگر اس کا وقت ہوش کا وقت ہے۔ تو اسے شریعت پر کاربند رہنا چاہیئے۔ اور اگر اس کا وقت محویت کا وقت ہے تو اس پر حقیقت کے احکام غالب ہوں گے۔

(۳۴۹)

۲۔ مقام صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے دوسرا لفظ "مقام" ہے۔ اور "مقام" آداب صوفیہ کی اس منزل کو کہتے ہیں۔ جسے بندہ خدا کی طرف سے حاصل کرتا ہے۔ جہاں تک بندہ کسی قسم کے تصرف سے پہنچتا ہے یا تلاش اور تکلیف کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کا مقام وہ ہے۔ جہاں اس وقت اس کا قیام ہے۔ اور جس ریاضت کی مشق وہ اس وقت کر رہا ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ جب تک اس مقام کے احکام وہ پورے طور پہ حاصل نہ کر لے۔ اس مقام سے آگے نہ جائے۔ اس لئے کہ جب کسی کے پاس قناعت نہیں ہے تو اس کا توکل درست نہیں۔ اور جس کے پاس توکل نہیں اس کے لئے تسلیم درست نہیں۔ اسی طرح جس نے توبہ نہیں کی وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ جس کے پاس ورع نہیں اس کا زہد درست نہیں۔

مقام مصدر ہے۔ بمعنی اقامت جس طرح مدخل بمعنی ادخال اور مخرج بمعنی اخراج۔

کسی شخص کا ایک مقام پر اتنا صرف اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ اس کو یقینی مشاہدہ ہو جائے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ تاکہ اس کے مقام و حالت کی بنا صحیح قاعدہ پر ہو۔

میں نے استاد ابو علی دقاق رحؒ کو فرماتے سنا۔ کہ جب واسطی نیشا پور آئے تو ابو عثمان کے مریدوں سے دریافت کیا کہ تمہارا پیر تمہیں کون باتوں کا حکم دیتا ہے؟

انھوں نے بتلایا کہ ہمارا پیر ہمیں عبادت پر قائم رہنے کو کہتا ہے۔ نیز اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم دل میں یہ سمجھتے رہیں۔ کہ عبادت میں ہم کوتاہی کرتے ہیں۔ اس پر واسطی نے کہا، وہ تمہیں خالص مجوسیت[۳۵] کی تعلیم دیتے ہیں۔ کیا وہ تمہیں یہ حکم نہیں دیتے کہ تم اپنے نفس کو نہ دیکھو اور نفس کے پیدا کرنے والے کو دیکھو؟ واسطی کا مقصد یہ تھا کہ کہیں وہ غرور میں نہ آ جائیں۔ لہٰذا وہ انہیں اس سے بچانا چاہتے تھے۔ اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کوتاہی کی منزل میں ہی مقیم رہیں اور نہ ہی ان کا مقصد کسی ادب میں خلل انداز ہونا تھا۔

۳۔ حال

صوفیا ر لفظ "حال" بھی استعمال کرتے ہیں۔ "حال" ایک کیفیت ہے۔ جو بلا ارادہ اور بغیر کوشش کے اُن کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ مثلاً طرب، غم، بسط، قبض، شوق، بے قراری، ہیبت اور احتیاج احوال وہبی ہوتے ہیں۔ اور مقامات کسبی ہوتے ہیں۔ احوال سعی اور کوشش کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔ اور مقامات کے حصول کے لئے محنت اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صاحب مقام اپنے مکان پر متمکن ہوتا ہے اور صاحب حال اپنے مقام سے ترقی کرتا رہتا ہے۔

ذوالنون مصری سے عارف کے متعلق پوچھا گیا، تو فرمایا:۔ یہاں تھا، مگر ابھی چلا گیا۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ احوال بجلیوں کے مانند ہیں۔ اور اگر باقی رہ جائیں تو نفس کی باتیں ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ احوال اپنے نام کی طرح ہیں یعنی یہ دل پر وارد ہوتے ہی فوراً زائل ہو جاتے ہیں۔ اس کی تائید میں یہ اشعار بھی پیش کئے جاتے ہیں

لو لم تحل ماسمیت حالاً   وکل ماحال فقد زالا

اُنظر الی الفئ اذا ما انتھیٰ   یاخذ فی النقص اذا طالا

اگر نہ بدلتا تو حال نام بھی نہ پاتا۔ اور جو متغیر ہو وہ زائل ہو گا۔ سایہ کو دیکھیں جب یہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو لمبا ہونے کے بعد کم ہونا شروع ہوتا ہے۔

بعض نے احوال کے بقا اور دوام کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اُن کے خیال میں جب یہ دائم نہیں ہوتے تو انہیں "لوائح" اور "بوادہ" کہا جاتا ہے۔ اس حالت کا حامل ابھی تک احوال کو پہنچا ہی نہیں۔ اور جب یہ صفت دائم ہو جاتی ہے۔ تو حال کہلاتی ہے۔ چنانچہ ابو عثمان حیری فرماتے ہیں۔ مجھے چالیس سال گذر گئے ہیں۔ جس حال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے۔ میں خوش ہوں۔ میں نے اسے برا محسوس نہیں کیا۔ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ حالت رضا میں رہے ہیں۔ اور رضا بھی احوال میں سے ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جنھوں نے احوال کے باقی رہنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے درست کہا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک صفت کسی کے لئے مشرب بن جاتی ہے۔ اور وہ اسی میں تربیت اور پرورش پاتا ہے مگر ایسے شخص کے احوال اور بھی ہوتے ہیں۔ جو وقتی طور پر اس کو پیش آتے ہیں لیکن ان احوال کے لئے حاجب و مانع نہیں بنتے۔ جو اس کی عادت ثانیہ بن چکے ہیں۔ اور جب یہ بھی پہلے احوال کی طرح دائم بن جاتے ہیں تو وہ ترقی کرکے پہلے حال سے بھی زیادہ اعلیٰ وارفع حال میں ہوتا ہے۔ اور زیادہ لطیف حال کو پہنچ جاتا ہے۔

ربانِ قلبی کی تشریح | میں نے اپنے استاد ابو علی دقاق کو آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ حَتّٰی اَسْتَغْفِرَ اللہَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً"[۳۵۱]
کی تشریح فرماتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احوال میں ہر وقت بلند تر
ہوتے جاتے تھے۔ لہٰذا جب آپ ایک حال سے بلند ہو کر دوسرے حال میں جاتے
تو بسا اوقات آپ کی نگاہ پہلی حالت پر پڑجاتی تو آپ کو ایسا معلوم ہوتا کہ بعد کی
حالت پہلی حالت کے لئے بادل کا کام کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال
متواتر ترقی پر تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لطف و قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ چونکہ حق
سبحانہٗ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ اور اس تک
پہنچنا محال ہے۔ لہٰذا بندہ ہمیشہ اپنے احوال میں ترقی پذیر رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
اس بات پر قادر ہے کہ جس کیفیت و حالت میں بندہ پہنچے۔ اس سے بلند تر
کیفیت میں بھی اسے پہنچاتا رہے۔ صوفیاء کے قول "حسنات الابرار سیآت
المقربین" کا مفہوم بھی یہی ہے۔

جنیدؒ سے بھی اسی قول کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

طَوَالِعُ اَنْوَارٍ تَلُوْحُ اِذَا بَدَتْ فَتُظْهِرُ كِتْمَانًا وَتُخْبِرُ عَنْ جَمْعٍ

یہ طاری ہونے والے انوار جب ظاہر ہوتے ہیں تو چمکتے ہیں۔ پھر ترقی
کرکے ایسی کیفیت ظاہر کرتے ہیں جس میں کتمان سر ہو اور جمع کا پتہ
دیتے ہیں۔

۴۔ قبض و بسط

صوفیاء کے الفاظ میں سے قبض و بسط بھی ہیں[۳۵۲]۔ یہ دونوں
حالتیں بندے پر اس وقت طاری ہوتی ہیں۔ جب وہ خوف
و رجا کی حالت سے ترقی کر لیتا ہے۔ لہٰذا عارف کے لئے "قبض" کی
وہی حیثیت ہے جو مبتدی کے لئے "خوف" کی "بسط" عارف کے لئے ایسا
ہے۔ جیسے مبتدی کے لئے رجا۔

قبض و خوف اور بسط و رجا میں فرق

"قبض" اور "خوف" اور "بسط" اور "رجا"
میں فرق یہ ہے کہ خوف کسی مستقبل

میں ہونے والے امر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خواہ کسی محبوب چیز کے لئے ہو یا
کسی بڑے امر کے واقع ہونے کی وجہ سے ہو۔ اس طرح رجا بھی مستقبل
میں کسی محبوب امر کی اُمید کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ یا یہ امید ہوتی
ہے کہ کوئی بری چیز زائل ہو جائے گی۔ اور ناپسندیدہ چیز سے اُسے بچایا
جائے گا۔ مگر قبض وہ حالت ہے جو اس وقت موجود ہے۔ یہی حال بسط
کا ہے۔ لہٰذا خوف و رجا والے دل کا تعلق دونوں حالتوں میں مستقبل کے
ساتھ ہوتا ہے۔ اور قبض و بسط والا اپنے وقت کو اس حالت میں
پاتا ہے جو اس پر موجودہ وقت میں غالب ہے۔ پھر قبض و بسط
والوں کی حالت اپنے احوال کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتی ہے
چنانچہ بعض واردات میں قبض کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ حال وارد کے
علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ کلیتہً اپنے حال وارد
میں گرفتار ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے: "اَنَا رَدِمٌ" (میں سمٹا ہوا ہوں)
یعنی مجھ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی حال بسط والے کا ہے۔ کیونکہ
بعض اوقات تو ایسا بسط ہوتا ہے کہ مخلوق اس میں سما سکتی ہے۔ لہٰذا
صاحب بسط اکثر اشیاء سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ اور بعض صاحب
بسط ایسے ہوتے ہیں۔ کہ کسی حالت میں کوئی چیز بھی اُن پر اثر انداز نہیں ہوتی

ابوبکر قحطبی کی حالت

میں نے استاد ابو علی الدقاق رحمۃ اللہ کو فرماتے
سُنا۔ کہ ایک صوفی ابوبکر قحطبیؒ کے پاس آیا
ابوبکرؒ کا ایک بیٹا تھا۔ جو اسی قسم کی بے ہودگیاں کرتا تھا۔ جو اکثر نوجوان
کرتے ہیں۔ جب اس صوفی کا گذر ابوبکر قحطبی کے لڑکے پر ہوا۔
وہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ اپنی بیہودگی میں مشغول تھا۔ صوفی کا
دل پسیجا۔ اور اس حالت کو دیکھ کر انھیں دکھ ہوا۔ اور کہا
شیخ بے چارہ کس قدر مسکین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے

کی بے ہودگیوں کو برداشت کرنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر جب قحطی کے پاس آئے اور دیکھا کہ انھیں اپنے بیٹے کی بیہودگی کا کوئی علم نہیں۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور کہا کہ قربان جاؤں اس شخص پر کہ جس پر پہاڑ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس پر قحطی رحمہ اللہ نے کہا۔ ہم ازل سے اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔ قبض کا ادنیٰ ترین سبب یہ ہوتا ہے کہ صوفی کے دل پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے عتاب کا اشارہ یا اس بات کا رمز ہوتا ہے۔ کہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ لہٰذا دل پر لا محالہ قبض کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات حالتِ واردہ کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ لطفِ ربانی کے قریب ہوتا ہے یا کسی بات پر مبارک باد کی آمد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے دل میں بسط پیدا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر شخص کا قبض اسی نسبت سے ہوگا۔ جس قدر کہ اس کو بسط حاصل ہے۔ اور اسی طرح بسط اس کے قبض کی مناسبت سے ہوگا۔

بعض اوقات صاحبِ قبض کو قبض کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل میں قبض تو محسوس کرتا ہے۔ مگر یہ سمجھ نہیں سکتا۔ کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ وہ تسلیم کا طریقہ اختیار کرے۔ یہاں تک کہ قبض کا وقت گذر جائے۔ کیونکہ اگر وہ بتکلف اسے دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ یا اپنے اختیار سے وقت سے پہلے قبض کے حملہ کا استقبال کرے گا۔ تو اس سے اس کا قبض بڑھ جائے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ خدا تعالیٰ قبض بھی پیدا کرتا ہے۔ اور بسط بھی۔

کبھی بسط کا وارد یکایک اور اچانک ہوتا ہے جس سے صاحب بسط جھومنے لگتا ہے مگر اسے اس کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس شخص کو چاہیئے کہ وہ پُرسکون رہے اور ادب کا لحاظ رکھے۔ اس لئے کہ یہ وقت سخت پُرخطر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے بچتے رہنا چاہیئے۔ کہ کہیں اس میں کوئی پوشیدہ چال نہ ہو۔ ایک صوفی نے بیان کیا ہے کہ جب میرے لئے بسط کا دروازہ کھل گیا تو میں پھسل گیا۔ اور اپنے مقام سے محجوب ہوگیا۔ اس لئے صوفیا کہتے ہیں

قف علی البساط وایاک والانبساط (اپنی بساط پر کھڑے رہو۔ اور انبساط سے بچتے رہو۔)

اہل تحقیق نے قبض کو ان امور میں سے شمار کیا ہے۔ جن سے وہ پناہ مانگتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں حالتیں اوپر کی حالت کے مقابلہ میں بندے کی تباہی کا سبب ہوتی ہیں۔ اور صوفی کا اس میں پڑنا درحقیقت محتاجی اور موجب ضرر ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہتے تھے کہ میں نے حسین بن یحییٰ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمدؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ سے ڈرنا میرے قبض کا سبب بنتا ہے۔ اور رجا بسط کا، حقیقت مجھے جمع کرتی ہے اور حق مجھ میں تفرقہ ڈالتا ہے۔ جب خوف کی وجہ سے مجھ میں قبض پیدا کرتا ہے تو مجھے اپنی ذات سے فنا کر دیتا ہے۔ اور جب اُمید کی وجہ سے مجھ میں بسط پیدا کرتا ہے۔ تو مجھے اپنی ذات کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ جب حقیقت کے ذریعہ جمع کرتا ہے تو مجھے حاضر کر لیتا ہے۔ اور جب حق کی وجہ سے مجھے جدا کرتا ہے تو کسی اور کو میرے پاس موجود کر دیتا ہے۔ اور مجھے اس سے چھپا دیتا ہے ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ میرا محرک ہوتا ہے۔ مجھے روکے نہیں رکھتا۔ خوفزدہ کرنے والا ہوتا ہے۔ بومونس نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں اس حاضری کی وجہ سے اپنے وجود کا مزہ چکھتا ہوں کاش کہ خدا مجھے اپنی ذات سے فنا کر کے مجھے سادہ سامان عطا کرتا۔ مجھے اپنی ذات سے غائب کر کے مجھے راحت عطا کرتا۔

۵۔ ہیبت اور اُنس صوفیا کے الفاظ میں سے "ہیبت"[۳۵۳] اور "اُنس" بھی ہیں "ہیبت" اور اُنس دونوں کا درجہ قبض اور بسط کے اُوپر ہے۔ چنانچہ جس طرح قبض کا درجہ خوف کے اوپر اور بسط کا رجاء کے اوپر، اس طرح ہیبت قبض سے بلند تر ہے۔ اور اُنس بسط کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوتا ہے۔ ہیبت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس کا صاحب ماسوا سے غائب ہو۔ لہذا ہر ہیبت والا زیادہ غائب ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ ہیبت زدہ غیبت میں بناوٹ کے اعتبار سے ہیبت میں بھی متفاوت ہیں[۳۵۴]۔

چنانچہ بعض کی غیبت دیر پا ہوتی ہے۔ اور بعض کی غیبت کم مدت والی ہوتی ہے۔ اور "اُنس" کا تقاضا یہ ہے۔ کہ صاحب "اُنس" حقیقی صحو کی کیفیت میں ہو۔ لہذا ہر صاحب اُنس ہوش میں ہوگا۔ پھر ان لوگوں کی حالت اُنس کی اس مقدار کے مطابق جس کو انہوں نے پیا ہے۔ متفاوت ہوتی ہے۔ اس لئے صوفیا کہتے ہیں

اُنس کا کمترین مقام یہ ہے کہ صاحب اُنس کو اگر بھڑکتی آگ میں بھی ڈال دیا جائے تو اس وقت بھی اس کی اُنس والی کیفیت مکدر نہ ہوگی۔

حضرت جنید فرماتے ہیں۔ میں نے سری کو فرماتے سنا۔ بندے کی حالت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار بھی ماردی جائے۔ تو اسے احساس نہیں ہوتا۔ میرے دل میں بھی یہ بات کھٹکی تھی۔ اب تو مجھ پر یہ بات واضح ہوگئی ہے۔ کہ حقیقت وہی ہے۔ جس کو سری نے بیان کیا ہے۔

ابو مقاتل العکی[۳۵۵] سے حکایت کی گئی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ شبلی کے پاس ایک روز گئے۔ وہ اس وقت اپنی بھنوؤں کے بال موچنے سے نوچ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ آپ تو اپنی ذات کے ساتھ یہ فعل کر رہے ہیں مگر اس کا درد میرے دل کو پہنچ رہا ہے اس پر انہوں نے فرمایا۔ ارے! حقیقت میرے لئے ظاہر ہوتی ہے اور میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ بات یہی ہے۔ لہذا میں اپنے آپ کو دکھ دیتا ہوں تاکہ میں اسے محسوس کروں۔ اور حقیقت مجھ سے چھپ جائے مگر نہ مجھے درد محسوس ہوتا ہے اور نہ حقیقت مستور ہوتی ہے۔ اور مجھ میں اس کی قوت بھی نہیں ہے۔

صوفیا کے نزدیک ہیبت اور اُنس کی حالت میں نقص پایا جاتا ہے۔

چونکہ "ہیبت" اور "اُنس" میں بندے کی حالت بدل جاتی ہے۔ اس لئے اہلِ حقیقت ان دونوں حالتوں کو نقص شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ اہلِ تمکین لوگ تبدیلی اور تغیر سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ وجود میں یعنی حق تعالےٰ میں محو ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے لئے نہ "ہیبت" ہوتی ہے نہ "اُنس" نہ "علم" اور نہ "حس"

ابو سعید خراز کی حکایت مشہور ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں جنگل میں راستہ بھول گیا۔ میں یہ شعر پڑھتا رہا

أَتِيهُ فَلَا أَدْرِي مِنَ التِّيهِ مَنْ أَنَا — سِوَى مَا يَقُولُ النَّاسُ فِيَّ وَفِي جِنْسِي

أَتِيهُ عَلَى جِنِّ الْبِلَادِ وَإِنْسِهَا — فَإِنْ لَمْ أَجِدْ شَخْصًا أَتِيهُ عَلَى نَفْسِي

میں حیران اور پریشان پھر رہا ہوں۔ اور اپنی حیرانی کی وجہ سے مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ میں کون ہوں صرف اتنا جانتا ہوں کہ لوگ میرے اور میری جنس کے متعلق کچھ کہتے ہیں۔ میں دنیا کے جنوں اور انسانوں پر فخر کرتا ہوں۔ اور اگر کوئی اور شخص نہیں ملتا۔ تو خود اپنی ذات پر ہی فخر کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے ایک ہاتف کو سنا کہ وہ مجھے پکار رہا ہے۔ اور یوں کہہ رہا ہے۔

أَيَا مَنْ يَرَى الْأَسْبَابَ أَعْلَى وُجُودِهِ — وَيَفْرَحُ بِالتِّيهِ الدَّنِيِّ وَبِالْأُنْسِ

فَلَوْ كُنْتَ مِنْ أَهْلِ الْوُجُودِ حَقِيقَةً — لَغِبْتَ عَنِ الْأَكْوَانِ وَالْعَرْشِ وَالْكُرْسِي

وَكُنْتَ بِلَا حَالٍ مَعَ اللّٰهِ وَاقِفًا — تُصَانُ عَنِ التَّذْكَارِ لِلْجِنِّ وَالْإِنْسِ

اے! تو اسباب کو اپنے وجود کا بلند ترین درجہ خیال کرتا ہے۔ اور تو ادنیٰ ہیبت اور ادنیٰ اُنس پر فخر کرتا ہے۔ اگر تو درحقیقت اہلِ وجود میں سے ہوتا تو تمام کائنات عرش اور کرسی سے غائب ہو جاتا۔ اور تو بغیر کسی حالت کے اللہ کے ساتھ کھڑا رہتا اور جن و انس کی یاد سے بچتا۔

بندہ اس حالت سے عین وجود کے ذریعہ ترقی کرتا ہے۔ (۴۵۶)

تواجد۔ وجد اور وجود

صوفیا کے ہاں مروّج الفاظ میں "تواجد"، "وجد" اور

"وجود" بھی ہیں۔ اپنے اختیار سے وجد لانے کو "تواجد" کہتے ہیں لیکن اس قسم کے شخص کا وجد کامل نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ کامل ہوتا۔ تو وہ "واجد" کہلاتا۔ اور باب تفاعل عموماً کسی صفت کو تکلف سے اظہار کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

إِذَا تَخَازَرْتُ وَمَا بِيْ مِنْ خَزَرٍ ثُمَّ كَسَرْتُ الْعَيْنَ مِنْ غَيْرِ مَاعَوَرٍ

میں آنکھوں کو بناوٹ کے طور پر تنگ کر کے دیکھتا ہوں۔ حالانکہ میری آنکھیں چھوٹی نہیں ہیں۔ پھر آنکھ کو بند بھی کر لیتا ہوں حالانکہ کانا بھی نہیں ہوں۔ اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں، کہ "تواجد" میں چونکہ تکلف پایا جاتا ہے اور تحقیق سے بعید ہے۔ اس لئے یہ غیر مسلم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تواجد ان فقراء کے لئے مسلّم ہے جو مجرّد ہیں اور جو ان کیفیات کو پا لینے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کی دلیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔ "اِبْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكُوْا" روؤ۔ اگر رونا نہیں آتا۔ تو رونے والی شکل بناؤ۔

ابو محمدؒ جریریؒ کی حکایت

ابو محمدؒ جریریؒ کا قصہ مشہور ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ ایک بار میں جنیدؒ کے پاس تھا اور اس وقت ابن مسروقؒ اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے ایک قوال گا رہا تھا۔ ابن مسروق اور دوسرے لوگ تو اٹھ کھڑے ہوئے، مگر جنیدؒ میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ میں نے عرض کیا: جناب کیا آپ کو سماع سے لطف حاصل نہیں ہوتا؟ تو فرمایا۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (تو پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ یہ ساکن ہیں حالانکہ بادلوں کی طرح یہ بھی چل رہے ہیں۔)۔ پھر فرمایا۔ اے ابو محمدؒ! کیا تجھے بھی سماع سے لطف نہیں آتا۔ میں نے عرض کیا! جب میں کسی ایسی جگہ جاؤں، جہاں مجلس سماع قائم ہو۔ اور کوئی قابل تعظیم ہستی ہو۔ تو میں اپنے آپ کو وجد سے روک لیتا ہوں۔ اور جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو وجد کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور تکلفاً وجد کی حالت پیدا کر لیتا ہوں۔ اس حکایت میں انہوں نے "تواجد" کا لفظ استعمال کیا۔ مگر جنیدؒ نے اس کا رد نہیں کیا۔ میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا، کہ جب اس نے اکابر کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے

اس ادب کی برکت سے اس کے وقت کو محفوظ رکھا. اور یوں بھی فرمایا. میں اپنے نفس کے وجد پر قابو پاتا ہوں. اور جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو اُسے چھوڑ دیتا ہوں اور بناوٹی وجد پیدا کر لیتا ہوں. اس لئے کہ وقت اور غلبۂ وقت کے گذر جانے کے بعد اپنی مرضی سے وجد کو چھوڑ دینا ممکن نہیں. لیکن چونکہ وہ شیوخ کے احترام کا لحاظ رکھنے میں صادق تھے تو اللہ نے بھی اس کے وقت کو محفوظ رکھا. تاکہ خلوت کے وقت وہ اپنے وجد کو کھلا چھوڑ سکے. لہذا جیسا کہ ذکر ہو چکا. تواجد " وجد " کی ابتدائی حالت ہوتی ہے. اس کے بعد " وجد " کی کیفیت پیدا ہوتی ہے. اور " وجد " یہ ہے کہ کیفیت تہارے دل پر طاری ہو اور بغیر ارادہ اور تکلف کے وارد ہو. اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں. " وجد " وہ کیفیت ہے جو اتفاقاً طاری ہو. اور یہ کیفیت اوراد کا پھل ہے لہذا جس کے وظائف زیادہ ہونگے اللہ کی عنایات بھی اس پر زیادہ ہوں گی.

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا. کہ صوفیا پر جو واردات ہوتے ہیں. وہ ان کے اوراد کے مطابق ہوتے ہیں. لہذا جس کا ظاہر میں کوئی ورد نہیں اس کا باطن میں کوئی اثر نہیں. ہر وہ وجد جس میں کسی کی ذات کا دخل ہو. وجد نہیں کہلاتا چنانچہ جس طرح کسی انسان کو اپنے ظاہری معاملات میں کد و کاوش کرنے سے عبادت کی لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح انسان اپنے ان احوالِ باطن سے جو اس پر نازل ہوتے ہیں. وجد محسوس کرتا ہے مختصر یہ کہ حلاوت، معاملات کا ثمرہ ہے. اور " وجد " عنایت ربانی کا نتیجہ۔

وجود اب رہا " وجود " سو یہ وجد سے ترقی کر جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے. اور جب تک بشریت فنا نہیں ہوتی. " وجود حق " بھی حاصل نہیں ہوتا. اس لئے کہ " سلطان حقیقت " کے ظہور کے وقت بشریت باقی نہیں رہ سکتی. ابو الحسین نوری رحمہ اللہ کے فرمان اَنَا مُنْذُ عِشْرِیْنَ سَنَةً بَیْنَ الْوَجْدِ وَالْفَقْدِ میں بیس سال کے عرصے " پانے " اور گم کرنے کی الجھن میں پڑا ہوں. کا یہی مطلب ہے کہ جب رب کو پاتا ہوں تو دل کو گم پاتا ہوں اور دل کو پاتا ہوں تو رب کو کھو دیتا ہوں

نیز جنید رح کے فرمان عِلْمُ التَّوَاجُدِ مُبَایِنٌ لِلْوُجُوْدِ وَوُجُوْدُهٗ مُبَایِنٌ لِعِلْمِهٖ

، علم توحید، وجود رب سے، مختلف ہے۔ اور اس کا وجود علم سے مختلف ہے کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر بالعموم پڑھا جاتا ہے۔

وُجُودِی اَنْ اَغِیْبَ عَنِ الْوُجُوْدِ بِمَا یَبْدُوْ عَلَیَّ مِنَ الشُّہُوْدِ

ان مشاہدات کی وجہ سے جو مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں، میرا وجود اس وقت ہوگا جب میں وجود حق سے غائب ہو جاؤں۔

مختصر یہ کہ "تواجد" ابتداء ہے اور وجود انتہا اور وجد ان دونوں کے درمیان کی کیفیت کا نام ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو یوں فرماتے سنا کہ، کہ "تواجد" میں بندے کے لئے ضروری ہے کہ عبدیت کاملہ اس میں پائی جائے۔ وجد میں بندے کو استغراق حاصل ہوتا ہے اور وجود میں بندے کی ہلاکت ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی سمندر کے پاس آیا، پھر سمندر پر سوار ہوا اور پھر اس میں غرق ہوگیا۔ اس کی ترتیب یوں ہے "قصود پھر "ورود" پھر "شہود" پھر "وجود" اور پھر "خمود" اور خمود اسی قدر ہوگا۔ جس قدر کہ وجود ہوگا۔

وجود والے انسان کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں۔ "صحو" اور "محو" صحو اس حالت کو کہتے ہیں۔ جب کہ اس کی بقاء حق کے ساتھ ہو۔ اور محو وہ حالت ہوتی ہے۔ کہ اسے حق کے ساتھ فنا حاصل ہو۔ صاحب وجود پر یہ حالتیں باری باری آتی رہتی ہیں۔ جب اس پر صحو کی حالت غالب ہوتی ہے تو وہ حق کے ذریعہ حملہ بھی کرتا ہے اور بولتا بھی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرماتے ہیں۔

بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْصُرُ (میرے ذریعہ سے وہ سنتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے وہ دیکھتا ہے۔)

میں نے ابو عبد الرحمٰن سلمیؒ کو فرماتے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے منصورؒ بن عبداللہ کو فرماتے سنا کہ ایک شخص نے شیخ شبلیؒ کے حلقہ میں کھڑے ہو کر سوال کیا، کیا وجد والوں پر صحت وجود کے آثار ظاہر ہوتے ہیں؟ شیخ شبلیؒ نے جواب میں فرمایا،

ہاں یہ ایک نور ہے۔ جو اشتیاق کی آگ کے ساتھ مل کر چمکتا ہے اور اس کے آثار جسموں پر چمک اٹھتے ہیں۔ جیسا کہ ابن المعتز[۳۵۸] نے کہا ہے۔

وَامْطُوا الْكَأْسَ مَاءً مِنْ أَبَارِيقِهَا ۔۔۔ فَأَنْبَتَتْ الدُّرَّ فِي أَرْضٍ مِنَ الذَّهَبِ

وَسَبَّحَ الْقَوْمُ لَمَّا أَنْ رَأَوْا عَجَبًا ۔۔۔ نُورًا مِنَ الْمَاءِ فِي نَارٍ مِنَ الْعِنَبِ

سُلَافَةٌ وَرِثَتْهَا عَادُ عَنْ إِرَمٍ ۔۔۔ كَانَتْ ذَخِيرَةَ كِسْرَى عَنْ أَبٍ فَأَبِ

پیالے نے اپنی صراحیوں کا پانی برسا دیا۔ سونے کی زمین میں موتی نکل آئے۔ جب لوگوں نے انگور کی آگ میں پانی کا نور دیکھا تو اللہ کی تسبیح پڑھنے لگے یہ ایسی شراب ہے۔ جو قوم عاد کو قوم ارم سے ورثہ میں ملی۔ اور آباؤ اجداد سے یہ کسرای کا ذخیرہ چلی آتی تھی؟

کسی نے ابوبکر دقی ؒ کو کہا کہ جہم دقی[۳۵۹] ؒ نے سماع کی حالت میں جوش میں آکر ایک درخت کو ہاتھ سے پکڑ کر جڑوں سے اکھیڑ دیا۔ پھر اتفاق سے ایک دعوت میں دونوں اکٹھے ہوئے اس وقت ابوبکر دقی ؒ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ جہم جوش میں آکر چکر لگانے لگے ابوبکر دقی ؒ نے کہا۔ جب یہ میرے قریب آئے تو مجھے بتانا۔ دقی کمزور تھے۔ جہم گذرے جب ان کے قریب آئے تو لوگوں نے ابوبکر دقیؒ سے کہا۔ یہ جہم ہے۔ ابوبکر نے جہم کو پنڈلی سے پکڑ کر ٹھہرا دیا۔ جہم میں اتنی طاقت نہ رہی۔ کہ حرکت کر سکتے بے ساختہ پکار اٹھے، اے شیخ! میری توبہ۔ تب ابوبکر نے اس کو چھوڑ دیا۔

استاد امام ؒ فرماتے ہیں۔ جہم کا جوش بھی حق تھا اور دقی کا پنڈلی پکڑنا بھی حق تھا جب جہم کو معلوم ہو گیا کہ دقی ؒ کا مرتبہ ان سے بلند ہے تو انہوں نے انصاف کے تقاضے سے ہار مان لی۔ اس طرح جو شخص حق پر ہوگا۔ کوئی چیز اس کے لئے مشکل نہیں۔ مگر جب صوفی پر محویت کی کیفیت غالب ہو تو پھر اسے علم، عقل، فہم اور حس کچھ نہیں ہوتا۔

میں نے استاذ ابو عبدالرحمٰن سلمی ؒ کو اپنے استاد سے روایت کرتے ہوئے سنا۔ کہ ابو عقال ؒ مغربی چار سال مکہ میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ یہانتک کہ ان کی وفات ہوئی۔ ایک فقیر ان کے پاس آیا اور کہا۔ السلام علیکم ا۔ ابو عقال وعلیکم السلام کہا۔ اس شخص نے کہا۔ میں فلاں ہوں۔ ابو عقال نے جواب میں کہا۔ اچھا تو فلا

ہے۔ تمہارا کیا حال ہے۔ اصد یہ کہہ کر اپنی حالت سے بے خبر ہو گئے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے السلام علیکم کہا۔ اور انہوں نے وعلیکم السلام کہا گویا انہوں نے مجھے مطلق دیکھا ہی نہیں۔ میں نے کئی بار اس طرح کیا تو میں سمجھ گیا کہ ان پر مغلوبت کی کیفیت طاری ہے لہذا میں ان کو چھوڑ کر چلا آیا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے عمر بن محمد بن احمد سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ تروغندی کی بیوی کو کہتے ہوئے سنا کہ، جب قحط سالی کا زمانہ تھا۔ اور لوگ بھوکے مر رہے تھے تو ایک دن ابو عبداللہ تروغندی گھر آئے اور اپنے گھر میں تقریباً دو من گندم پایا۔ یہ دیکھ کر فرمایا۔ لوگ بھوکے مریں۔ اور میرے گھر میں گندم ہو۔ اس بات سے وہ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ صرف نماز کے وقت انہیں کچھ افاقہ ہوتا تھا۔ فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد ان کی پھر وہی حالت ہو جاتی تھی۔ اور مرتے دم تک ان کی یہی حالت رہی۔

اس حکایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ احکام حقیقت کے غلبہ کے باوجود یہ شخص آداب شریعت پابندی سے ادا کر رہا تھا۔ اہل حقیقت کا یہی حال ہے۔ پھر اپنی عقل کو کھونے کا سبب ان کی وہ شفقت تھی جو انہیں مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ یہ بہت قوی علامت ہے۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ وہ عقل کھو بیٹھے تھے پھر بھی اپنی حالت پر آ جاتے تھے۔

۷۔ جمع اور فرق

صوفیا کے کلام میں "جمع" اور "فرق" [۳۹۷] کا لفظ اکثر آتا ہے۔ استاد ابو علی دقاق فرمایا کرتے تھے۔ جس چیز کی نسبت تمہاری طرف ہے وہ "فرق" ہے۔ اور جو چیز تم سے چھین لی جائے وہ جمع ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر بات جس کا تعلق انسان کے کسب و کوشش سے ہو۔ وہ "فرق" ہے مثلاً بندگی اور ان اعمال کو قائم رکھنا جو بشریت کے حالات کے مناسب ہیں اور جو امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں مثلاً معانی کا اظہار اور دیگر لطف و احسان، وہ "جمع" کہلاتے ہیں "جمع" اور "فرق" کے اعتبار سے یہ حالت صوفیا کی ادنیٰ حالت خیال کی جاتی ہے۔ اس لیے اس میں افعال کا مشاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا مشاہدہ کرا دے۔ مثلاً اطاعت اور نافرمانی، تو یہ تفرقہ کی

صفت کا حامل بندہ ہو گا اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو ان ذاتی افعال مشاہدہ کرائے۔ جو اللہ کی عنایت سے ہوتے ہیں تو یہ بندہ "جمع" کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ حاصل یہ کہ مخلوق کا اثبات "تفرقہ" کہلاتا ہے اور اثباتِ حق "جمع" ہر بندے کے لئے "جمع" اور "فرق" کا حامل ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ جس میں تفرقہ نہیں اس میں عبودیت نہیں جسے جمع حاصل نہیں اسے معرفت حاصل نہیں۔ چنانچہ جب بندہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتا ہے تو یہ فرق کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور جب اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو یہ "جمع" کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور جب کوئی بندہ اللہ سے باتیں کرتا ہے یا کچھ مانگنے کے لئے دعا کرتا ہے یا ثنا کرتا ہے شکر گذاری کرتا ہے یا آہ و زاری کرتا ہے تو اس کا مقام تفرقہ کا ہے اور جب اپنی مناجات میں اپنے دل کے کان اپنے مولا کی طرف لگا دیتا ہے۔ اور جو خطاب اللہ تعالیٰ اُسے کرتا ہے یا مناجات کرتا ہے، یا وہ اس کا مفہوم سمجھ کر غور سے سُنتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر روشنی ڈال کرائے کوئی امر دکھاتا ہے تو اس وقت بندہ "جمع" کی کیفیت کے مشاہدہ میں ہوتا ہے۔

ابو سہل صعلوکیؒ اور نصر آبادیؒ میں بحث

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سُنا۔ کہ ایک قوال نے ابو سہل صعلوکیؒ کے سامنے یہ شعر پڑھا۔

جَعَلْتُ تَنَزُّهِی نَظْرِی اِلَیْکَا (تیری طرف دیکھنے کو میں نے اپنی تفریح بنالی ہے)

اس وقت ابو القاسم نصر آبادیؒ بھی موجود تھے۔ استاد ابو سہلؒ نے فرمایا کہ "جعلت" کی تاء پر زبر ہے۔ استاد نصر آبادی نے فرمایا نہیں بلکہ جعلتُ ہے۔ یعنی "تاء" پر پیش ہے۔ اس پر استاد ابو سہل نے جواب دیا۔ کیا "جمع" کی آنکھ زیادہ کامل نہیں ہے یہ سن کر نصر آبادی خاموش ہو گئے۔

میں نے یہ حکایت شیخ ابو عبدالرحمٰن سے اسی طرح سنی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے جَعَلْتُ کی تاء پر پیش پڑھی تو اس وقت اپنی ذات کی خبر دینا مقصود ہے گویا کہ بندہ متکلم ہے اور جب جعلتَ کہے، یعنی تاء کی فتح کے ساتھ پڑھے تو اس وقت بندہ اس بات سے اپنی برارت ظاہر کرتا ہے کہ اس میں اس کے تکلف کا کوئی دخل ہے۔ بلکہ وہ اپنے مولا کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ تونے مجھے یہ خصوصیت بخشی ہے۔ میں نے خود یہ بات

حاصل نہیں کی۔ پس پہلی بات کی بناء دعویٰ ہے اور دوسری میں اپنی قوت کی بیزاری کا اظہار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی کا اقرار ہے ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک مفہوم ہے اے مولا میں اپنی کوشش سے تمہاری پرستش کرتا ہوں دوسرے کا مفہوم ہے کہ تمہارے لطف و کرم پر تمہیں گواہ بناتا ہوں۔

۸۔ جمع الجمع

"جمع الجمع" کا درجہ اس سے بھی بلند ہے۔ جس طرح صوفیا کے احوال مختلف ہیں اور ان کے درجات میں تفاوت ہے۔ اس طرح ان امور میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے چنانچہ جو اپنے نفس کو ثابت کرے۔ ساتھ ہی یہ مشاہدہ کرے۔ کہ ان کا قیام حق کے ساتھ ہے تو یہ "جمع" ہے۔ اور جب مخلوق کے مشاہدہ سے ہٹ چکا اپنی ذات سے کٹ چکا۔ اور اس سلطان حقیقت کی وجہ سے جو اس پر ظاہر اور غالب آچکی۔ اپنے احساس سے کلیتہً غافل ہو تو یہ "جمع الجمع" ہے۔

"تفرقہ" غیر اللہ کے مشاہدہ کا نام ہے۔ "جمع" کا مفہوم غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ مشاہدہ کرنا ہے۔ اور فناء کلی اور غلبۂ حقیقت کے وقت ماسوی اللہ کے احساس کے فنا کا نام "جمع الجمع" ہے۔(۳۶۳)

فرق ثانی

اس کے بعد ایک ایسی حالت کا مقام ہے جو بہت ہی کمیاب اور نادر ہے جسے صوفیا فرق ثانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرق ثانی یہ ہے کہ صوفی فرائض ادا کرنے کے اوقات میں صحو کی حالت میں آجائے تاکہ اپنے وقت پر فرائض کے احکام اس پر جاری ہو سکیں۔ اس طرح صوفیا کا اپنی حالت کی طرف لوٹنا اللہ کی مدد سے، اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے نہ بندے کی مدد سے۔ بندے کے لئے۔ اس حالت میں بندہ اپنی ذات کو اللہ کے تصرف میں پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کی ذات اور عین کا مبدأ اللہ کی قدرت کے تحت ہے اور اس قسم کے تمام افعال اور احوال اللہ کے علم اور مشیئت سے اس پر جاری ہوتے ہیں۔

بعض لوگ "جمع" اور فرق کے الفاظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہ "جمع"

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کی تمام مخلوق کو بدلتا اور پھیرتا ہے اس قول کے قائل مے اس لحاظ سے
کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ذاتوں کو پیدا کرنے والا اور ان کی صفات کو جاری کرنے والا ہے۔ تمام
مخلوق کو پلٹنے اور بدلنے میں جمع کر دیا۔ مگر پھر مختلف قسموں کے لحاظ سے ان کو الگ الگ کر
دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کو سعادت مند بنایا۔ اور دوسرے کو اپنے سے دور کر کے
بدبخت بنایا۔ کسی کو ہدایت دی اور کسی کو گمراہ اور اندھا کر دیا۔ کچھ لوگوں کو اپنے سے محجوب
رکھا۔ اور کچھ لوگوں کو اپنی طرف کھینچا۔ کچھ لوگوں کو اپنے وصال سے مایوس اور کچھ کو اپنی رحمت
سے مایوس کر دیا۔ بعض کو اپنی توفیق سے نوازا۔ اور بعض نے جب اسے پانے کا قصد کیا۔ تو
انہیں جڑ سے کاٹ دیا۔ بعض کو ہوش میں رکھا۔ اور بعض کو محویت کا عالم بخشا۔ بعض کو تریب
کیا۔ اور بعض کو غائب، بعض کو قریب کر کے اپنے پاس حاضر کیا۔ پھر اپنے عشق کی شراب پلا
کر مست کر دیا۔ اور بعض کو بدبخت بنا کر پیچھے رکھا۔ پھر اپنے سے جدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے
مختلف افعال کے انواع کا کوئی شمار نہیں۔ اور نہ ہی اس کی تفصیل کی تشریح و ذکر ممکن ہے۔
"جمع اور تفرقہ کے بارے میں جنید رح کے یہ اشعار بیان کئے جاتے ہیں۔

وتحققتك فی السر فناجاك لسانی
واجتمعنا لمعانی و افترقنا لمعانی
ان یکن غیبك التعظیم عن لحظ عیانی
فلقد صیرك الوجد من الاحشاء دانی

اے خدا! میں نے باطن میں تجھے پایا میری زبان تجھ سے باتیں کیں بعض اوصاف میں ہم جمع ہو گئے اور بعض میں الگ ہو گئے
اگر تمہاری تعظیم نے تجھے میری نگاہوں سے غائب کر دیا ہے تو تمہارے وجد نے تجھے میری آنتوں کے قریب کر دیا

یہ اشعار بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

اِذَا مَا بَدَا لِيَ تَعَاظَمَتِهٖ	فَاَصْدُرُ فِي حَالٍ مَنْ لَمْ یَرِدِ
جَمَعْتَ وَ فَرَّقْتَ عَنِّي بِهٖ	تَفَرُّدُ التَّوَاصُلِ مَثْنَى الْعَدَدِ

(جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اسے بہت ہی عظیم سمجھتا ہوں۔ پھر میں ایسی حالت میں اس
کی طرف رجوع کرتا ہوں گویا کہ میں اصل گھاٹ پہ وارد ہی نہیں ہوا تھا۔ میں اکٹھا ہوا اور پھر اس کی وجہ

ے خود اپنے سے جدا ہو گیا، تو ہم دونوں کے وصال کا فرد عدو کی دوئی ہے)

فناء و بقاء (۴۶)

صوفیاء کے یہاں "فناء" سے مراد مذموم اوصاف کا ساقط ہونا ہے۔ اور بقاء سے اوصافِ محمودہ کا بندہ کے ساتھ قائم ہونا ہے انسان میں ان دونوں قسموں میں سے ایک نہ ایک صفت ضرور باقی رہتی ہے۔ ایک کی نفی ہو جانے سے لامحالہ دوسری کا اثبات ہو جاتا ہے۔ اور جو اپنے اوصافِ مذمومہ سے فنا ہو چکا ہو اس پر صفات محمودہ ظاہر ہونے لگ جاتے ہیں۔ اور جس پر مذموم خصلتیں غالب آتی ہیں۔ تو اس سے صفاتِ محمودہ پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جن اوصاف کے ساتھ انسان موصوف ہوتا ہے وہ یا تو افعال ہیں یا اخلاق یا احوال۔ افعال وہ ہیں جن میں انسان اپنے اختیار سے تصرف کرتا ہے۔ اخلاق وہ صفات ہیں۔ جو انسان میں فطری طور پر پائے جائیں۔ البتہ کسی صفت کی مسلسل عادت رکھنے سے صفت کو بدل بھی سکتے ہیں۔ احوال وہ ہیں جو شروع میں انسان پر وارد ہوتے ہیں۔ مگر ان کی صفائی کا دار و مدار اعمال کی صفائی پر ہے۔ اس اعتبار سے احوال بھی اخلاق کی طرح شمار ہوں گے۔ کیونکہ جب انسان دل سے اخلاق کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اور اپنی کوشش سے اپنے خراب اخلاق کو دور کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی مہربانی فرما کر اس کے اخلاق کو اچھا اچھا کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب انسان اپنی پوری کوشش صرف کر کے اپنے اعمال کا پیہم تزکیہ کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کے احوال کو پاک بنا دیتا ہے۔ بلکہ کمال کے ساتھ احوال کو اس پر وارد کرتا ہے۔ لہٰذا جس شخص نے ان افعال کو جو شریعت کے اندر مذموم قرار دئیے گئے ہیں، ترک کر دیا۔ اس کے متعلق یوں کہا جائے گا کہ وہ اپنے خواہشات سے فنا ہو چکا ہے اور جب اپنی شہوات سے فنا ہو گیا تو اپنی نیت اور اخلاص کے ساتھ وہ اپنی بندگی میں رہے گا اور جو دل سے دُنیا سے روگردانی کرتا ہے اس کے متعلق کہا جائیگا۔ اس کی ہر طرح کی رغبت فنا ہو گئی اور جب رغبت فنا ہو گئی تو وہ صدق دل سے اللہ کی طرف رجوع کرنے پر قائم رہے گا۔

اور جس نے کوشش کر کے اپنے اخلاق کو ٹھیک کر لیا۔ اور اپنے دل سے حسد، کینہ، بخل

غصہ تکبر اور اسی قسم کی دیگر رعونتوں کو دُور کر دیا۔ تو اس کے متعلق یُوں کہا جائے گا۔ کہ فلاں اپنے اخلاق بد سے فنا ہو گیا۔ اور جب وہ اخلاق بد سے فنا ہو گیا۔ تو وہ فتوت اور صدق کے ساتھ باقی رہے گا اور جس نے احکام کے رد و بدل ہونے میں اللہ کی قدرت کے جاری ہونے کا مشاہدہ کیا۔ اس کے متعلق یوں کہا جائے گا کہ وہ حوادثات کو مخلوق کی طرف سے خیال کرنے سے فنا ہو گیا۔ اور جب وہ ان آثار کو غیر اللہ کی طرف سے سمجھنے سے فنا ہو گیا تو وہ اللہ کی صفات کے ساتھ باقی رہا۔ اور جس پر سلطانِ حقیقت کا غلبہ ہو یہاں تک کہ وہ غیر اللہ کی طرف سے کسی چیز کو نہ دیکھے۔ نہ اصل کو اور نہ اس کے نشان کو، اس کے متعلق کہیں گے کہ وہ مخلوق سے فنا ہو گیا اور حق کے ساتھ باقی رہا۔ لہذا بندے کا اپنے مذموم افعال اور حقیر احوال سے فنا ہونا یہی ہے۔ کہ یہ افعال اس سے معدوم ہو جائیں۔ اور اپنی ذات اور مخلوق سے اس کا فنا ہونا یہ ہے کہ اپنے نفس اور مخلوق کے متعلق اس کا احساس جاتا رہے۔ اور جب انسان اپنے افعال، اخلاق اور احوال سے فنا ہو چکا۔ تو پھر یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ان میں سے جو کچھ بھی فنا ہو چکا۔ وہ ابھی موجود ہو جائے۔

. . . .

اور جب یُوں کہا جائے کہ بندہ اپنی ذات اور مخلوق سے فنا ہو گیا۔ تو اس کا نفس تو موجود ہے اور مخلوق بھی موجود، مگر اسے نہ ان کا علم ہے نہ اپنا کوئی احساس ہے نہ خبر، لہذا اس کی ذات بھی موجود ہو گی۔ اور مخلوق بھی مگر وہ اپنی ذات اور تمام مخلوق سے غافل ہے اسے نہ اپنی ذات کا احساس ہے نہ مخلوق کا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کسی صاحب سطوت انسان کے پاس جاتا ہے تو اس کی ہیبت سے وہ اپنی ذات اور اہل مجلس سے غافل ہو جاتا ہے اور کبھی یُوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اس صاحبِ سطوت انسان سے بھی غافل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہاں سے واپس آنے کے بعد اسے اگر وہاں کے اہلِ مجلس، صاحب سطوت کی ہیئت اور اپنی ہیئت کے متعلق دریافت کیا جائے تو وہ کچھ بھی نہ بتا سکے گا۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ (سورۃ یوسف، جب ان عورتوں نے حضرت یُوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کو بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے) ان عورتوں کو اس وقت جب کہ انہوں نے یوسف علیہ السّلام کو دیکھا۔ اپنے ہاتھ کاٹنے کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ حالانکہ وہ بہت کمزور ہوتی ہیں اور بول اٹھیں۔

وَقُلْنَ مَا هٰذَا بَشَرًا (سورۃ یوسف) یہ تو بشر نہیں ہے۔

حالانکہ یوسف علیہ السلام بشر تھے۔ نیز کہا۔ اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔

(یہ تو صاحب کرامت فرشتہ ہے۔) حالانکہ وہ فرشتہ نہ تھے۔

یہ تغافل تو وہ ہے جو ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق کے ساتھ ملاقات کرنے سے پیدا ہوا۔ اور جب ایک شخص کو مشاہدۂ حق سُبحانہٗ کا مکاشفہ ہو۔ اور اس وقت وہ اپنی ذات اور اپنے ہم جنسوں کو محسوس کرنے سے غافل ہو جائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

لہٰذا جو اپنے جہل سے فنا ہو گیا وہ اپنے علم کے ساتھ باقی رہا۔ جو اپنی خواہشات سے فنا ہو گیا۔ وہ رجوع الی اللہ کے ساتھ باقی رہا۔ جو اپنی رغبت سے فنا ہوا وہ اپنے ظاہر میں باقی نہ رہا۔ جو اپنی آرزو سے فنا ہوا وہ اپنے ارادہ سے باقی رہا۔ اور اسی طرح باقی صفات کو قیاس کرو۔ اور جب بندہ اس طریقے پر جس کا ذکر ہو چکا ہے فنا ہو جاتا ہے تو وہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے (جہاں اپنی فنا کی وجہ سے) اپنی فنا کو نہیں دیکھ سکتا اس بات کی طرف شاعر اشارہ کرتا ہے۔

فَقَوْمٌ تَاهَ فِي اَرْضٍ بِقَفْرٍ ... وَقَوْمٌ تَاهَ فِي مَيْدَانِ حُبِّهٖ

فَاَفْنَوْا ثُمَّ اَفْنَوْا ثُمَّ اَفْنَوْا ... وَاَبْقَوْا بِالْبَقَا مِنْ قُرْبِ رَبِّهٖ

(کچھ لوگ تو چٹیل میدان میں حیران پھرے اور کچھ اس کے عشق کے میدان میں۔ پھر انہوں نے فنا در فنا کا درجہ پا کر اللہ کے قرب میں رہنے سے بقا حاصل کر لی۔)

پہلی فنا ذات اور صفات کی فنا ہے۔ جن کی بقا صفات حق کے ساتھ ہے دوسرا مرتبہ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کی وجہ سے صفات حق سے فنا کا ہے۔ اس کے بعد تیسرا مرتبہ آتا ہے اور وہ یہ کہ وہ وجود حق میں کامل فنا ہونے کی وجہ سے اپنی فنا کے مشاہدہ سے بھی فنا حاصل کرتا ہے۔

۱۰۔ غیبت اور حضور ۔ صوفیا کے مخصوص الفاظ میں سے "غیبت"[۳۰۶] اور "حضور" ہیں۔ "غیبت" یہ ہے کہ دل مخلوق کے حالات سے بے خبر ہو۔ کیونکہ

اس کا حاسہ اس کیفیت کے ساتھ مشغول ہے۔ جو اس پر وارد ہوتی ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات اور دیگر امور کے احساس سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا سبب بھی وہ کیفیت ہے۔ جو اس پر وارد ہوتی ہے۔ مثلاً ثواب کو یاد کرنا یا عتاب کے متعلق سوچنا۔

ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ

روایت ہے۔ ربیع ابن خثیم (۳۶۷) حضرت عبد اللہ بن مسعود (۳۶۸) کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک بار ان کا گزر کسی لوہار کی دکان پر ہوا۔ انہوں نے تپتا ہوا لوہا بھٹی کے اندر دیکھا تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔ اور دوسرے دن صبح تک ہوش نہ آیا۔ ہوش آنے پر اس سے دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ مجھے وہ حالت یاد آ گئی جو دوزخیوں کی دوزخ میں ہوگی۔ یہ بھی غیبت کی ایک قسم ہے کہ صوفی اپنی حد سے گزر کر غشی کی حد کو پہنچ جائے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ

روایت ہے کہ علی بن حسین (۳۶۹) سجدہ میں پڑے تھے کہ ان کے گھر کو آگ لگ گئی مگر انہوں نے اپنی نماز جاری رکھی۔ جب ان سے اس کی نسبت دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ مجھے دوزخ کی آگ یاد آ گئی۔ جس نے مجھے اس آگ سے غافل کر دیا۔

بسا اوقات صوفی اپنے احساسات سے اس لیے غائب ہوتا ہے کہ اس پر حقائق الٰہیہ منکشف ہو رہے ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ البتہ ہر صوفی اپنے حال کے مطابق احساسات سے غائب ہوتا ہے۔ سب کی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نیشا پوری نے لوہاری کا پیشہ اس لیے ترک کیا۔ کہ ایک بار جب وہ اپنی دکان پر تھے۔ کسی قاری

ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نیشا پوری نے لوہار کا پیشہ کیوں ترک کیا۔

نے قرآن کی ایک آیت پڑھی۔ جس سے ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کے قلب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی۔ کہ آپ اپنے احساسات سے غافل ہو گئے۔ آگ میں ہاتھ ڈال دیا۔ اور تپتا ہوا لوہا اپنے ہاتھ سے نکال لیا۔ ان کے ایک شاگرد نے انہیں دیکھ لیا۔ عرض کی۔ اے استاد یہ کیا معاملہ ہے؟ جب ابو حفص نے دیکھا۔ کہ اس پر راز کھل گیا۔ تو اپنا پیشہ ترک کر کے دکان سے اٹھ گئے۔

جنیدؒ اور شبلیؒ

ایک بار جنیدؒ بیٹھے تھے۔ اور ان کے پاس ان کی بیوی تھی کہ شبلیؒ آ گئے۔ جنیدؒ کی بیوی نے پردہ کرنا چاہا۔ فرمایا۔ اس وقت شبلیؒ کو تمہاری موجودگی کا علم نہیں۔ لہٰذا بیٹھی رہو۔ جنیدؒ شبلیؒ سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ شبلیؒ رو پڑے۔ اب جب شبلیؒ رو پڑے تو جنیدؒ نے بیوی سے کہا اب پردہ کر لو۔ کیونکہ شبلیؒ کو غیبت سے افاقہ ہو گیا ہے

ابو نصرؒ مؤذن اور ابو علیؒ دقاق

میں نے ابو نصرؒ مؤذن کو جو ایک صالح مرد تھے۔ نیشاپور میں فرماتے سُنا۔ فرماتے تھے اس زمانہ میں جب استاد ابو علی دقاق نیشاپور میں تھے۔ میں ان کی مجلس میں قرآن پڑھا کرتا تھا۔ ابو علیؒ اکثر حج کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ میرے دل پر ان کے کلام کا اثر ہوا۔ لہٰذا میں اسی سال حج کرنے کے لئے نکل پڑا اور اپنی دکان اور پیشہ سب کچھ چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ استاد ابو علیؒ بھی اس سال حج کے لئے جا رہے تھے۔ نیشاپور کے قیام کے دوران میں میں ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اور ان کی مجلس میں ہمیشہ قرآن پڑھتا رہتا تھا۔ ایک بار میں نے انہیں جنگل میں دیکھا۔ کہ انہوں نے وضو کیا۔ اور لوٹا وہیں بھول گئے میں نے اُسے اٹھا لیا۔ جب آپ اپنی قیام گاہ کو آئے۔ تو میں نے وہ لوٹا آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ خدا تجھے اس لوٹے کو اٹھانے کی جزائے خیر دے۔ پھر دیر تک میری طرف دیکھتے رہے گویا کہ انہوں نے مجھے کبھی بھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ پھر فرمایا۔ میں نے تجھے ایک بار دیکھا ہے تو کون ہے؟ میں نے عرض کیا پناہ بخدا! میں ایک مدت سے آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کی خاطر میں نے اپنا گھر بار چھوڑا۔ جنگل میں آپ کے ہمراہ ہو لیا۔ اور اب آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے ایک بار دیکھا ہے

حضور

کبھی صوفی حق کے حضور میں ہوتا ہے کیونکہ جب مخلوق سے غائب رہتا ہے تو حق کے حضور میں ہوتا ہے۔ اس طرح گویا کہ وہ حاضر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ذکر اس کے دل پر غالب ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے دل کے ذریعہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس قدر وہ مخلوق سے غائب ہوتا ہے۔ اسی قدر وہ حق کے

آگے حاضر رہتا ہے۔ اگر مخلوق سے یکسر غائب ہوا۔ تو اس کو اسی مناسبت سے حضوری حاصل رہی۔ اگر کوئی کہے کہ فلاں حاضر ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اپنے دل کے ذریعہ اپنے رب کے آگے حاضر ہے۔ اس سے غافل نہیں ہے۔ اسے ہر دم یاد کرتا رہتا ہے۔ پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ کہ اللہ کے حضور میں رہتے ہوئے اس کو اپنے مرتبہ کے مطابق ان معانی کا مکاشفہ ہوتا ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اسے مخصوص کرتا ہے۔

کبھی لفظ حضور صوفی کے اپنے حواس میں لوٹ آنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جب بندہ اپنے ذاتی احوال کے ساتھ اپنے احساس اور مخلوق کے حالات کے احساس کی طرف لوٹتا ہے تو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حاضر ہوا۔ یعنی اپنی غیبت سے لوٹ آیا۔ اس صورت میں مخلوق کے ساتھ حاضری ہو گئی۔ اور پہلی صورت میں حق کے ساتھ۔ غیبت میں بھی احوال مختلف ہوتے ہیں۔ بعض کی غیبت طویل مدت کے لئے نہیں ہوتی۔ اور بعض کی غیبت ہر وقت رہتی ہے۔

ذوالنونؒ اور بایزیدؒ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ذوالنون مصری نے اپنے ایک مرید کو بایزیدؒ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ شخص بسطام پہنچا تو ابو یزیدؒ کا گھر پوچھا۔ اور جب ان کے پاس گیا۔ تو ابو یزیدؒ نے کہا۔ کیا چاہتے ہو اس نے کہا۔ ابو یزیدؒ کو ملنا چاہتا ہوں۔ ابو یزیدؒ نے کہا۔ کون ابو یزیدؒ؟ ابو یزید کہاں ہے، میں تو ابو یزید کی تلاش میں ہوں۔ اس پر وہ آدمی باہر نکل آیا۔ اور کہنے لگا یہ تو دیوانہ ہے اس شخص نے آکر جو کچھ دیکھا تھا۔ ذوالنون کو بتا دیا۔ یہ سن کر ذوالنون روئے۔ اور کہا۔ میرا بھائی ابو یزیدؒ اللہ کی طرف جانے والوں کے ساتھ چلا گیا۔

۱۱۔ صحو اور سکر ان مروج الفاظ میں "صحو" اور "سکر" بھی ہیں۔ احساس سے غیبت کے بعد احساس کی طرف لوٹ آنے کا نام صحو ہے اور کسی قوی کیفیت کے وارد ہونے کی وجہ سے احساس سے غائب ہونے کو "سکر" کہتے ہیں۔ غیبت کے مقابلہ میں "سکر" کو ایک لحاظ سے برتری حاصل ہے۔ کیونکہ "سکر" والا جب کامل "سکر" کی حالت میں نہیں ہوتا۔ تو کبھی "بسط" کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور کبھی "سکر" کی حالت میں، اس کے دل سے اشیاء کے خطرات ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اس معنوی "سکر" والے

ہے. جس پر کیفیت کا ورود کامل طور پر نہیں ہوتا. لہٰذا اس میں احساس کا دخل باقی رہتا ہے. بعض اوقات "سکر" قوی ہوتا ہے یہاں تک کہ غیبت سے بڑھ جاتا ہے. چنانچہ بسا اوقات جب "سکر" قوی ہوتا ہے "سکر" والے کی غیبت، غیبت والے سے بڑھ کر ہوتی ہے اور جب "سکر" بناوٹی اور غیر کامل ہو. تو غیبت والے کی غیبت "سکر" والے سے اتم ہوتی ہے. غیبت کبھی عبادت کے لئے نافع ہوتی ہے کیونکہ عابدوں کے دلوں پر رغبت خوف اور امید کے مقتضیات کا غلبہ ہوتا ہے اور سکر صرف اصحاب وجد پر طاری ہوتا ہے چنانچہ جمال الٰہی کی صفت کے کشف پر صوفی کو "سکر" حاصل ہوتا ہے روح طرب میں آتی ہے. اور دل حیران رہتا ہے. اسی مفہوم کے اشعار ہیں.

فَصَحْوُكَ مِنْ لَفْظِیْ هُوَالْوَصْلُ كُلُّهُ ۔۔۔ وَسُكْرُكَ مِنْ لَحْظِیْ يُبِيْحُ لَكَ الشُّرْبَا

فَمَا مَلَّ سَاقِيْهَا وَمَامَلَّ شَارِبُ ۔۔۔ عِقَارُ لِحَاظٍ كَأْسُهُ يُسْكِرُ اللُّبَّا

میرے کلام سے تمہارا ہوش میں آنا ہمہ تن وصل ہے اور میری نگاہوں سے مست ہونا تمہارے لئے شراب پینے کو جائز کر دیتا ہے.

نہ اس شراب کا پلانے والا اکتاتا ہے نہ پینے والا، کیونکہ یہ تو نگاہوں کی شراب ہے جو عقل کو مست کر دیتی ہے

یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے.

فَاَسْكَرَ الْقَوْمَ دَوْرُ كَأْسٍ ۔۔۔ وَكَانَ سُكْرِیْ مِنَ الْمُدِيْرِ

لوگ تو پیالے کے دور سے مست ہوئے مگر میری مستی ساقی سے تھی.

لِیْ سَكْرَتَانِ وَلِلنَّدْمَانِ وَاحِدَةٌ ۔۔۔ شَیْئٌ خُصِصْتُ بِهٖ مِنْ بَيْنِهِمْ وَحْدِیْ

میرے لئے دو مستیاں ہیں اور دوستوں کے لئے صرف ایک ہے یہ ایسی بات ہے جو صرف مجھ سے مخصوص ہے. نیز یہ شعر پیش کرتے ہیں.

سُكْرَانِ سُكْرُ هَوًی وَسُكْرُ مُدَامَةٍ ۔۔۔ فَمَتٰی يُفِيْقُ فَتًی بِهٖ سُكْرَانِ

یہاں تو دو طرح کی مستی ہے. عشق کی اور شراب کی. جسے دو طرح کی مستی ہو وہ کب ہوش میں آتا ہے.

جاننا چاہیے. کہ "صحو" کو "سکر" کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے. جس کا "سکر" حق کے ساتھ ہے

اس کا صحو بھی حق کے ساتھ ہے۔ جس کا سکر نفسانی لذت ملا ہوا ہو، اس کے صحو کے ساتھ بھی حظِ نفسانی کی صحبت ہوگی۔ اور جو اپنی حالت میں حق پر ہوگا وہ اپنی مستی میں بھی محفوظ ہوگا۔ سکر اور صحو دونوں میں ایک طرح کے "فرق" کی اشارہ پایا جاتا ہے۔ جب سلطان حقیقت کی کوئی علامت ظاہر ہو جائے تو بندہ کی صفت یہی ہے۔ کہ وہ فنا ہو جائے اسی کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ لِنَجْمِ رَاحٍ　　　تَسَاوَی فِیْهِ سَکْرَانٌ وَصَاحٍ

جب شراب کے ستارے کی وجہ سے صبح طلوع ہو۔ تو مست اور ہوش والے دونوں برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔

(جب اللہ تعالیٰ کی تجلی پہاڑ پر ہوئی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔) موسیٰ علیہ السلام باوجود رسول ہونے کے بیہوش ہو کر گرے اور پہاڑ ٹھوس اور مضبوط ہونے کے باوجود ریزہ ریزہ ہو گیا۔

بندہ سکر کی حالت میں حال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور صحو کی حالت میں علم کا فرق یہ ہے کہ وہ سکر کی حالت میں محفوظ ہوتا ہے۔ مگر اس میں اس کی اپنی کوشش کا دخل نہیں ہوتا۔ اور صحو کی حالت میں اپنی کوشش سے بچتا ہے اور صحو اور سکر کا مرتبہ "ذوق اور شرب" کے بعد آتا ہے۔

۱۲۔ ذوق اور شرب[۳۷] جو الفاظ صوفیا کے کلام میں آتے ہیں، ان میں سے "ذوق اور شرب" (پینا) بھی ہیں۔ اس سے ان کی مراد تجلی کے وہ ثمرات، کشف کے نتائج اور فوری واردات ہیں، جنہیں یہ لوگ پاتے ہیں چنانچہ پہلا درجہ ذوق کا ہے۔ پھر شرب اور پھر "ری" (سیرابی)، کا ان کے معاملات کی صفائی سے یہ واجب آتا ہے کہ انہیں کیفیات کا ذوق حاصل ہو۔ اور اپنی منزلوں کو پورا کرنے کے لئے شرب ضروری ہو جاتا ہے۔ اور دائمی وصل سے "ری" (سیرابی)، چنانچہ صاحب ذوق مست ہونے کی کوشش میں رہتا ہے۔ جس کو شرب حاصل ہو وہ درحقیقت مست ہے اور جب یہ

صفت دائمی ہو جائے تو شرب سے سکر پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ شخص حق تبارک و تعالیٰ کے ساتھ باہوش ہوتا ہے۔ اور سارے حظوظ نفس سے خالی ہوتا ہے۔ کسی قسم کے وارد نہ وہ متاثر ہوتا ہے۔ نہ اپنی حالت سے متغیر ہوتا ہے۔ اور جس کا باطن صاف ہوتا ہے اس کا شرب مکدر نہیں۔ اور جس کی غذا ہی شراب بن جائے۔ وہ پھر اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور نہ اس کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے

اِنَّمَا الْکَاسُ رِضَاعٌ بَیْنَنَا   فَاِذَا مَالَمْ نَذُقْهَا لَمْ نَعِشْ

(پیالہ تو ہمارے لئے گھٹی ہے۔ لہذا اسے پیئے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔)

عَجِبْتُ لِمَنْ یَقُوْلُ ذَکَرْتُ رَبِّیْ   فَهَلْ اَنْسٰی فَاَذْکُرَ مَا نَسِیْتُ

شَرِبْتُ الْحُبَّ کَاْسًا بَعْدَ کَاْسٍ   فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَلَا رَوِیْتُ

مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو یاد کیا۔ کیا میں اُسے بھول جاتا ہوں۔ کہ اس بھولے ہوئے کو پھر یاد کروں؟

میں نے محبت کا پیالہ بار بار پیا مگر نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہُوا۔)

کہا جاتا ہے کہ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو یزید بسطامی کو خط میں لکھا۔ یہاں ایک شخص ہے جس نے ایک بار محبت کا پیالہ پیا۔ پھر اُسے پیاس نہیں لگی۔)

ابو یزیدؒ نے . . . . جواب میں لکھا۔ مجھے تمہارے ضعیف حال پر تعجب ہوتا ہے۔ یہاں تو وہ شخص ہے جو دنیا کے سمندر پر جانے کے بعد بھی منہ کھولے ہوئے ہے۔ اور زیادہ مانگ رہا ہے۔)

یاد رکھیں کہ قربتِ خداوندی کے پیالے غیب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کا دُور صرف آزاد منشوں اور ان ارواح کے مابین چلتا ہے جو اشیاء کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔

۱۳۔ محو اور اثبات

ان الفاظ میں سے "محو" اور اثبات بھی ہیں۔ عاداتِ بشریہ کے اوصاف کو مٹا دینے کا نام "محو" ہے اور احکامِ عبادت کے قائم کرنے کا نام "اثبات" ہے۔ جس نے اپنے احوال سے مذموم صفات کی نفی کی۔ اور ان کی جگہ پسندیدہ افعال اور احوال پر کاربند ہُوا۔ تو یہ شخص محو و

اثبات کا مالک ہوا۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو کہتے ہوئے سنا۔ کہ کسی شیخ نے ایک شخص سے کہا۔ کس چیز کو محو کرتا ہے۔ اور کس چیز کو ثابت کرتا ہے؟ وہ شخص کوئی جواب نہ دے سکا۔ تو فرمایا۔ کیا تجھے معلوم نہیں۔ کہ وقت ہی محو و اثبات ہے؟ کیونکہ جس میں محو و اثبات نہ ہو، وہ معطل و مہمل شخص ہے۔

محو کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ظاہر بدن سے لغزش کو محو کرنا (۲) غفلت کو دل سے محو کرنا۔ اور بیماری کو باطن سے محو کرنا۔ لغزش کے محو ہو جانے سے معاملات کا اثبات ہوتا ہے۔ غفلت کو محو کرنے سے منزلوں اور مقامات کا اثبات ہوتا ہے اور علّت کو محو کرنے سے اللہ سے وصال کا اثبات ہوتا ہے۔ یہی محو اور عبودیت کی شرط کا اثبات ہے۔

درحقیقت محو و اثبات کا ظہور قدرت الٰہیہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کا چھپانا اور نفی کرنا محو ہے۔ اور کسی کو حق تعالیٰ کا ظاہر کرنا اثبات ہے۔ محو اور اثبات کا انحصار مشیئتِ ایزدی پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عارفین کے دل سے غیر اللہ کے ذکر کو محو کر دیتا ہے۔ اور مریدین کی زبانوں پر ذکر اللہ ثابت کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا محو اور اثبات سے نوازنا ہر انسان کی حالت کے مطابق ہوتا ہے۔ جسے حق سبحانہٗ اپنے نفس اور اپنے افعال کے مشاہدہ سے محو کرتا ہے۔ اسے اپنے حقائق اور انوار الٰہیہ کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ اور جسے حق تعالیٰ اپنے ساتھ قائم رہنے سے محو کرتا ہے۔ اسے اغیار کے مشاہدہ کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اور اُسے "تفرقہ" کی وادیوں میں سرگردان کر دیتا ہے۔

ایک شخص نے شبلی رحمہ اللہ سے کہا کیا بات ہے کہ میں تجھے بے قرار دیکھتا ہوں؟ کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ اور کیا تو اس کے ساتھ نہیں ہے؟

شبلیؒ نے جواب دیا۔ اگر میں اس کے ساتھ ہوں تو بھی میں "میں ٹھہرا ہیں تو اس کی ذات میں محو ہو چکا ہوں۔

محیٔ محق کا محو سے بھی بلند درجہ ہے۔ اس لئے کہ محو میں بالعموم کچھ نشان باقی رہ جاتا ہے اور محق میں کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ صوفیا کی انتہائی تمنا اور آرزو یہ ہوتی ہے کہ حق تعالےٰ انہیں مشاہدہ نفس سے بالکل محو کر دے۔ اور پھر انہیں اپنی حالت پر نہ لوٹائے۔

۱۴۔ ستر و تجلی

صوفیا کے الفاظ میں سے "ستر و تجلی" بھی ہیں۔ عوام تو ستر کے پردے میں ہیں۔ اور خواص دوام تجلی میں۔ حدیث میں آتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ اِذَا تَجَلّٰی لِشَیْءٍ خَشَعَ لَهٗ۔

(جب اللہ تعالیٰ اپنی تجلی کسی چیز پر ڈالتا ہے۔ تو وہ شے اللہ کے آگے عاجزی اور خشوع کرتی ہے۔) لہٰذا صاحب ستر اپنے مشاہدہ کے وصف میں ہوتا ہے اور صاحب تجلی ہمیشہ اپنے خشوع کی صفت میں، ستر عوام کے لئے سزا ہے مگر خواص کے لئے رحمت، کیونکہ جن امور کو اللہ تعالیٰ ان کے آگے کھول دیتا ہے۔ اگر ان پر اللہ تعالیٰ پردہ نہ ڈال دے تو یہ لوگ سلطان حقیقت کے سامنے فنا ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح ان کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ان پر پردہ بھی ڈالتا ہے۔

لطیفہ

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سنا۔ کہ ایک درویش کسی عرب قبیلہ میں آیا۔ تو ایک نوجوان نے اس کی ضیافت کی، وہ درویش کی خدمت کر رہا تھا۔ کہ یکایک بیہوش ہو گیا۔ درویش نے اس کا حال دریافت کیا۔ تو لوگوں نے کہا وہ اپنی چچا زاد بہن پر عاشق ہے اس وقت وہ اپنے خیمہ کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے اس کے دامن کا غبار دیکھ لیا۔ جس سے وہ بیہوش ہو گیا۔ درویش اس خیمہ کے دروازہ پر گیا۔ اور کہا" میں ایک مسافر ہوں۔ میرا تم پر کچھ حق ہے۔ میں اس نوجوان کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ آپ لوگ اس کے حال پر رحم کریں۔ لڑکی بولی سبحان اللہ! کیا تو سلیم العقل ہے؟ یہ تو میرے دامن کے غبار کے مشاہدہ کی تاب نہیں لا سکتا۔ تو میری صحبت کی تاب کیسے لائیگا؟

عام صوفیا کی زندگی تجلی میں اور مصیبت ستر میں ہوتی ہے۔ مگر خواص طیش و عیش کے بین بین ہیں۔ کیونکہ جب تجلی حق ہوتی ہے۔ تو وہ طیش میں ہوتے ہیں۔ اور جب پردہ میں ہوتے ہیں۔ تو حظ کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اور مزے میں ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَا مُوسیٰ؛ کے الفاظ سے اس لئے خطاب کیا۔ کہ ناگہانی طور پر کلام الٰہی سننے سے ان پر جو اثر مرتب ہوتا۔ اس پر بعض ایسی چیزوں کے ذکر سے جن سے وہ اپنا دل بہلایا کرتے تھے، پردہ پڑ جائے۔

آنحضرت ؐ کا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّہٗ یُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ حَتّٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً [۳۷۴]

میرے دل پر البتہ بادل چھا جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ استغفار کے معنی ہیں پردہ پوشی چاہنا، کیونکہ غفر کے معنی ستر کے ہیں۔ اسی سے غفر الثواب اور مغفر جیسے الفاظ مشتق ہیں۔ گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ آپ حق تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ حقیقت کے غلبہ کے وقت وہ آپ کے دل پر پردہ ڈال دے۔ کیونکہ وجود حق کے ساتھ مخلوق کا باقی رہنا ناممکن ہے احادیث میں ہے۔ لَوْ کَشَفَ عَنْ وَجْہِہٖ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْہِہٖ [اور] اگر اپنے چہرے کا انکشاف کرے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس چیز کو جس پر اس کی نگاہ پڑیگی جلا دیں گے۔

محاضرہ۔ مکاشفہ۔ مشاہدہ ان ہی الفاظ میں سے "محاضرۃ" [۳۷۵]، "مکاشفہ" اور "مشاہدۃ" ہیں، محاضرہ ابتدا ہے۔ پھر مکاشفہ اور پھر مشاہدہ، محاضرہ دل کا حاضر ہونا ہے۔ یہ حضوری کبھی متواتر برھان کے ذریعہ سے ہوتی ہے جب کہ ابھی بندہ پردے کے پیچھے ہوتا ہے۔ خواہ وہ سلطان ذکر کے غلبہ کی وجہ سے حاضر کیوں نہ ہو

اس کے بعد مکاشفہ آتا ہے۔ "مکاشفہ" یہ ہے کہ صوفی بیان و وضاحت کی صفت کے ساتھ حاضر ہو۔ اس حالت میں اسے نہ تو کسی دلیل میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ راستہ تلاش کرنے کی، اور نہ ہی شک و شبہات کے اسباب سے اسے پناہ طلب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی وہ مغیبات کے بیان کرنے میں حجاب محسوس کرتا ہے

اس کے بعد مشاہدہ ہے۔ مشاہدہ حق تعالیٰ کے آگے اس طرح حاضر ہونا ہے۔ کہ صحیح حالات کو بندہ مشاہدہ کرے۔ ان میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ جب اسرار کا آسمان پر

کے بادلوں سے صاف ہوتا ہے، شہود و مشاہدہ کا سورج برجِ شرف سے جگمگا اٹھتا ہے
اصل مشاہدہ وہ ہے۔ جس کا ذکر جنیدؒ نے کیا ہے۔"وجودِ حق ہو اور تم خود مفقود ہو۔

پس صاحب محاضرہ کا تعلق و ربط علامات سے ہوتا ہے۔ صاحب مکاشفہ اپنی صفات کی وجہ سے بسطِ میں اور صاحب مشاہدہ خود گرا پڑا ہوتا ہے۔ صاحب محاضرہ کی رہنمائی اس کی عقل کرتی ہے مکاشفہ والے کو اس کا علم قریب کرتا ہے۔ اور مشاہدہ والے کو اس کی معرفت محو کر دیتا ہے۔

مشاہدہ کی تحقیق کے بارے میں جو کچھ عمروؒ بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اس پر کسی نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ان کے بیان کا مفہوم یہ ہے کہ مشاہدہ میں بغیر اس کے کہ درمیان میں پردہ پڑے یا انقطاع ہو۔ صوفی کے دل پر لگاتار انوار تجلی کا ورود ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس لگاتار بجلیاں چمکتی ہوں چنانچہ جس طرح بجلیوں کے متواتر اور لگاتار روشن ہونے سے تاریک رات دن کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صوفی کے دل پر جب متواتر تجلی ہوتی ہے تو اس کے لئے دن چڑھ آتا ہے۔ اور پھر رات باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

لیلی بوجھک مشرق   وظلامہ فی الناس ساری

والناس فی سدف الظلا   م ونحن فی ضوء النھار

(تمہارے چہرے کی بدولت میری رات روشن ہے۔ حالانکہ اس کی تاریکی لوگوں میں چھائی ہوئی ہے۔ چنانچہ لوگ تو تاریکیوں میں ہیں۔ اور ہم دن کی روشنی میں ہیں)

نوریؒ فرماتے ہیں جب تک بندہ کی ایک رگ بھی قائم ہے۔ اس وقت تک اسے صحیح طور پر مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز فرماتے ہیں جب دن طلوع ہوتا ہے تو چراغ کی ضرورت نہیں رہتی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مشاہدہ میں "تفرقہ" کی طرف کسی قدر اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ عربی زبان میں بابِ مفاعلہ کا استعمال وہاں ہوتا ہے۔ جہاں کوئی بات دونوں طرف سے پائی جاتی ہو۔ مگر ایسا خیال کرنے والوں کو وہم ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہاں حق سبحانہٗ کے ظہور سے مخلوق کی ہلاکت ہوتی ہے۔ مزید براں بابِ مفاعلہ ہر جگہ دونوں کی شرکت کا

متقاضی نہیں ہوتا۔ مثلاً "سافر" اور طارق النّعل وغیرہ۔ وانشدوا۔

فَلَمَّا اسْتَبَانَ الصُّبْحُ أَدْرَكَ ضَوْءُهُ ۔ بِأَنْوَارِهِ أَنْوَارَ ضَوْءِ الْكَوَاكِبِ

يُجَرِّعُهُمْ كَأْسًا لَوِ ابْتُلِيَ[۱۲۶] اللَّظَى ۔ بِتَجْرِيعِهِ طَارَ الْكَأْسُ ذَاهِبِ

ترجمہ:۔ جب صبح ہوئی۔ اس کی ضَو نے اپنے انوار سے ستاروں کی روشنی کو پا لیا یہ روشنی ان کو (عشق کا) پیالہ پلاتی ہے اگر یہی آگ کو پلایا جاتا تو فوراً بجھ جاتی۔)

یہ پیالہ بھی کیسا پیارا ہے۔ جو انہیں جڑ سے کاٹ دے انہیں اچک لے۔ اور انہیں فنا کر دے یہ ایسا پیالہ ہے۔ جو ان کا کچھ حصہ نہیں چھوڑتا۔ انہیں کلیتاً مٹا دیتا ہے اور بشریت کے آثار میں سے شمہ بھر بھی نہیں چھوڑتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ع " ساروا فلم یبق لا رسم ولا اثر " وہ چلے گئے اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

۱۶۔ لوائح۔ طوالع۔ لوامع

صوفیا کے الفاظ میں سے "لوائح[۱۲۷]" "طوالع" اور "لوامع" بھی ہیں۔ استاد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ تینوں الفاظ قریب المعنی ہیں۔ ان کے معنی میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ یہ مبتدیوں کی صفات ہیں۔ جو دل کے ساتھ ترقی پاتے ہیں۔ اور جب ان پر معرفت کے سورج چمکتے ہیں۔ تو یہ حالت ان پر قائم نہیں رہتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر لحظہ انہیں ان کے دل کی خوراک پہنچاتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا۔

(اور ان کے لئے وہاں صبح و شام ان کا رزق ہے۔) لہٰذا جب کبھی ان کے دل کے آسمان پر لذات نفسانی کے بادلوں کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس حالت میں کشف کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور قربت کے نشانات چمک اٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پردوں کے پڑنے کی حالت میں وہ (اللہ کی طرف سے) یکایک آثار کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

يَا أَيُّهَا الْبَرْقُ الَّذِي يَلْمَعُ ۔ مِنْ أَيِّ أَكْنَافِ السَّمَاءِ تَسْطَعُ

(اری چمکنے والی بجلی تو آسمان کے کس کنارے سے اٹھتی ہے۔)

غرض پہلے یہ آثار ہوتے ہیں۔ پھر "لوامع" پھر "طوالع" پھر "لوائح"۔ ان کی مثال بجلیوں کی سی ہے کہ یہ چھپ جانے کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

انتہ قاحولاً فلما التقینا — کانَ تَسلیمُہٗ علیَّ وِداعاً

ایک سال تک جُدا رہنے کے بعد جب ملاقات ہوئی تو اس نے سلام کیا، اور یہ سلام کرنا ہی الوداع کہنا تھا۔

نیز یہ اشعار ہیں۔

یَاذَالَّذِی زَارَ وَمَا زَارَا — کَاَنَّہٗ مُقتَبِسٌ نَارا

مَرَّ بِبَابِ الدَّارِ مُستَعجِلاً — مَاضَرَّہٗ لَوْ دَخَلَ الدَّارَا

"اے زیارت کرنے والے! یہ زیارت کیا ہوئی۔ اس طرح آئے گویا آگ لینے کو آئے۔ تو جلدی سے گھر کے دروازے پہ گذر گیا۔ اگر تو گھر کے اندر بھی آجاتا تو کیا ہرج تھا؟"

وامع ۔ لوائح کی نسبت زیادہ واضح ہوتے ہیں اور وہ لوائح کی طرح جلدی زائل بھی نہیں ہوتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دو یا تین وقتوں تک باقی رہتے ہیں۔ مگر حالت ایسی ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ وَالعَینُ بَاکِیَۃٌ لَمْ تَشبعِ النَّظَرا "آنکھ رو رہی ہے کہ جی بھر کر دیکھا بھی نہیں۔) یا جیسا کہ کہتے ہیں۔

لَمْ تَرِدْ مَاءَ وَجْھِہٖ العَیْنُ اِلَّا — شَرِقَتْ قَبْلَ رِیِّھَا بِرَقِیبٖ

"ابھی نگاہ اس کے چہرے کی آب پر پڑی بھی نہ تھی۔ کہ سیر ہونے سے قبل ہی رقیب کی وجہ سے سارا مزہ جاتا رہا۔

جب چمک پیدا ہوتی ہے تو یہ تجھے اپنی ذات سے منقطع کرکے اس کی ذات کیساتھ جمع کر دیتی ہے۔ لیکن اس کے دن کی روشنی اس وقت تک روشن نہیں ہوتی۔ جب تک کہ رات کے لشکر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ ان لوگوں کی کیفیت آرام و راحت، نوحہ گری کے بین بین ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ کشف اور ستر کے درمیان کی حالت ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔

فَاللَّیلُ یَشمُلُنَا بِفَاضِلِ بُردِہٖ — وَالصُّبحُ یَلحَفُنَا رِدَاءً مُذَھَّبَا

("رات، تو ہمیں اپنی چادر کے فاضل دامن میں لپیٹ لیتی ہے۔ اور صبح اپنی سنہری چادر اوڑھا دیتی ہے۔) طوالع زیادہ دیر تک قائم رہتے ہیں۔ اور ان کا تسلط بھی زیادہ قوی ہوتا ہے یہ تاریکی کو زیادہ دور کرتے ہیں اور تہمت زیادہ نفی کرتے ہیں۔ مگر ان میں غروب ہونے کا خطرہ ہر وقت لاحق

رہتا ہے۔ ان کی نہ بلندی زیادہ ہوتی ہے۔ اور نہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہیں۔ مزید براں ان کے حاصل کرنے کے اوقات جلد منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے غروب ہونے کے احوال لمبے لمبے دامن پھیلائے ہوتے ہیں یہ تمام معانی یعنی لوائح اور طوالع اپنی کیفیت کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض ایسے ہیں۔ کہ گذر جانے کے بعد ان کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ مثلاً شوارق کہ ان کے گذر جانے پر یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ کبھی روشنی تھی ہی نہیں اور رات ہمیشہ سے چلی آتی ہے بعض کا نشان باقی رہ جاتا ہے اگر ان کا نقشہ زائل ہو جائے تو کم از کم درد باقی رہتا ہے۔ اور اگر انوار غروب ہو جائیں۔ تو ان کے علامات باقی رہتے ہیں۔ لہٰذا اس حالت کا مالک اس حالت کے غلبہ کے مدہم ہو جانے کے بعد بھی اس کی برکات کی روشنی میں زندہ رہتا ہے اور اس کے دوبارہ آنے تک اس کے وقت کی امید لگی رہتی ہے اور اس کے لوٹنے کا انتظار رہتا ہے اور وہ اس کیفیت کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ جو اسے اس کیفیت کے موجود ہونے پر حاصل ہوئی تھی۔

۱۷۔ بوادہ اور ہجوم

"بوادہ" اور "ہجوم" بھی انہی الفاظ میں سے ہیں۔ "بوادہ" تو وہ کیفیت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکایک بطور گھبراہٹ کے دل پہ وارد ہوتی ہے۔ خواہ خوشی کا سبب بنے یا غم کا۔

اور ہجوم وہ کیفیت ہے۔ جو تمہاری طرف سے تصنع کے بغیر وقت کی قوت کی وجہ سے دل پر وارد ہو۔ اس کے تمام انواع وارد کے قوت وضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن میں "بوادہ" تغیر پیدا کر دیتے ہیں اور ہواجم انہیں پھیر دیتے ہیں۔ اور بعض اپنی حالت اور قوت کے اعتبار سے ایسے ہوتے ہیں۔ کہ وہ یکایک آنے والی حالت سے بالا ہوتے ہیں۔ اور یہی لوگ سادات وقت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے

لا تھتدی نوب الزمان الیھم   ولھم علی الخطب الجلیل لجام

"زمانے کے مصائب ان کی راہ نہیں پا سکتے۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے اہم امور کی باگ ڈور ہے۔

۱۸۔ تلوین اور تمکین

ان میں سے "تلوین" اور "تمکین" بھی ہیں۔ (۳۷۸) "تلوین" ارباب "احوال" کی صفت ہے۔ اور تمکین اہل حقائق کی۔ جب تک صوفی راستہ میں رہتا ہے

صاحب تلوین کہلاتا ہے اس کے لئے وہ ایک حالت سے دوسری حالت کیطرف بلند ہو جاتا ہے۔ اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور اپنے کوچ کرنے کی جگہ سے نکل کر اپنے مقام پر آتا ہے۔ اور جب اپنے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کو تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

مَا زِلْتُ اَنْزِلُ فِیْ وِدَادِکَ مَنْزِلاً　　تَتَحَیَّرُ الْاَلْبَابُ دُوْنَ نُزُوْلِہٖ

"میں تمہاری محبت کی منزل پر اترتا رہا۔ جب کہ اوروں کی عقلیں وہاں اُترنے سے پہلے ہی حیران ہو جاتی ہیں۔" "صاحب تلوین" ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور "صاحب تمکین" کا اپنے مقام تک پہنچنے کے بعد اتصال ہو جاتا ہے۔ اس کے اتصال کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے ہمہ تن غافل رہتا ہے۔

ایک شخص کا قول ہے۔ کہ طالبِ طریقت کا سفر اس وقت ختم ہوتا ہے جب وہ اپنی ذات کو پالے۔ اور جب اس نے اپنی ذات کو پا لیا۔ تو وہ اپنے مقام پر پہنچ گیا۔

استادؒ فرماتے ہیں۔ اس شیخ کا مقصد یہ ہے کہ طالب طریقت سے احکام بشریت دُور ہو جاتے ہیں۔ اور حقیقت کا تسلط اس پر غالب آ جاتا ہے۔ جس بندہ کے لئے یہ حالت دائم رہتی ہے وہ صاحب تمکین کہلاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب تمکین تھے۔

شیخ ابو علی دقاق فرماتے ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام "صاحب تلوین" تھے۔ اس لئے انہوں نے کلام سُننے سے رجوع کیا۔ اور انہیں اپنے چہرہ کو چھپانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کیونکہ ان پر اس حالت کا اثر ہُوا۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم "صاحب تمکین" تھے۔ جیسے تشریف لے گئے۔ ویسے ہی واپس آ گئے۔ اس لئے کہ جو مشاہدات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کئے۔ ان کا آپ پر کچھ اثر نہ ہُوا۔ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بطور شہادت پیش کرتے تھے۔ جن عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ اچانک کیا تھا اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی آزمائش ان عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔ اس کے باوجود اس دن زلیخا

میں بال بھر تغیر نہ پیدا ہُوا۔ اس لئے کہ یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں وہ صاحب تمکین تھی۔

استاذؒ فرماتے ہیں۔ یاد رکھیں جو امور بندے پر وارد ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے تغیر کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ وارد کا قوی ہونا یا صاحب حال کا کمزور ہونا۔ اسی طرح سکون کی بھی دو صورتیں ہیں یا خود قوی ہو گا۔ یا وارد کمزور ہو گا۔

میں نے استاد ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے سُنا کہ تمکین کے دائم رہنے کے جواز میں قوم کے اصول کی دو ہی توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ(۳۷۹) کے جواب میں فرمایا۔ لَوْ بَقِيتُمْ عَلَى مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ عِنْدِي لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ "جس حالت میں تم میرے پاس ہوتے ہو۔ اگر تم اسی حالت پر رہتے۔ تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لِي وَقْتٌ لَا يَسَعُنِي فِيهِ غَيْرُ رَبِّي "مجھ پر ایک خاص وقت ایسا آتا ہے۔ جس میں میرے رب کے سوا کوئی دوسرا اس میں سما نہیں سکتا۔ یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مخصوص وقت کا پتہ بتایا ہے۔

استاذؒ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یہ ہے کہ ان احوال کا دائم رہنا جائز ہے۔ کیونکہ اہل حقائق ان واردات (طوارق) کے اثر قبول کرنے سے بالا ہیں۔ اور حدیث میں جو آیا ہے "لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ"۔ یہاں آپ نے اسے کسی ناممکن بات پر موقوف قرار نہیں دیا۔ فرشتوں کا معافحہ کرنا تو اس سے بھی کم درجہ کا ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبتدیوں کے لئے قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَصْنَعُ "فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کے کام سے خوش ہوتے ہیں۔" اب رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لِي وَقْتٌ"، اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سامع کی سمجھ کے مطابق فرمائے ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام احوال میں حقیقت کے ساتھ قائم تھے۔ یوں کہنا بہتر ہو گا۔ کہ جب تک بندہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ وہ "صاحب تلوین" ہے۔ اس کے حق میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس کے احوال میں کمی بیشی ہے۔ مگر جب احکام بشریت کے پیچھے ہٹ جانے سے

بندہ کا وصل حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے اس بات کی قدرت عطا فرما دیتا ہے۔ کہ وہ ان اشیا کی طرف نہ لوٹے جن پر نفس کا اعتماد ہے۔ لہٰذا وہ اپنے مقام اور استحقاق کے مطابق اپنے حال پر متمکن ہوتا ہے۔ ہر لمحہ جو تحفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے حاصل ہوتے ہیں۔ اُن کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا بندہ زیادتی کے وقت متلون ہوتا ہے۔ یعنی ایک رنگ پر قائم نہیں رہتا۔ بلکہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ مگر اپنی اصلی حالت پر متمکن لہٰذا ہمیشہ کے لئے اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی پہلی حالت کے مقابلہ میں ایک بلند تر حالت پر متمکن ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس سے اوپر والی حالت میں ترقی کر جاتا ہے۔ کیونکہ ہر جنس میں حق سبحانہٗ کی قدرت غیر محدود ہے۔

اب رہا وہ شخص جو اپنے شاہد سے بالکل منقطع ہو چکا ہو۔ اور اس میں تمام احساسات مفقود ہو چکے ہوں۔ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ یقیناً بشریت کی ایک حد ہے۔ لہٰذا جب بشر اپنے تمام امور یعنی اپنی ذات اور حس سے الگ ہو چکا ہو۔ تمام موجودات سے غافل ہو چکا ہو۔ پھر یہ حالت ہمیشہ رہے۔ تو اس قسم کا شخص حالت محو میں ہے۔ نہ اس کے لئے تمکین ہے۔ نہ تلوین، نہ مقام اور نہ حال، اور جب تک وہ اس حالت میں ہوگا نہ اُسے کوئی شرف حاصل ہوگا۔ نہ اس پر کسی قسم کے احکام نافذ ہوں گے۔ ہاں البتہ اگر اُسے اپنے نفس اور احساس کی طرف لوٹا دیا جائے، اور اُن امور کی طرف پھیر دیا جائے۔ جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر جاری ہوتے ہیں۔ اور جن میں اس کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ اس قسم کا شخص مخلوق کے خیال میں تصرف کرنے والا ہوتا ہے حالانکہ درحقیقت اُسے اپنے احوال کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (سورۃ کہف)

(تم انہیں بیدار سمجھتے ہو۔ حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں دائیں بائیں پلٹتے ہیں)

وباللہ التوفیق

۱۹- قرب و بُعد

ان الفاظ میں سے "قُرب" اور بعد بھی ہیں۔ قرب کا سب سے پہلا مرتبہ اللہ کی اطاعت کے قریب ہونے اور ہر وقت اس کی عبادت کرنے کی صفت سے موصوف ہونے کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے علیٰحدہ رہنے کی گندگی سے آلودہ ہونے کا نام "بعد" ہے بعد کا پہلا مرحلہ اللہ کی توفیق سے دور ہونے کا ہے۔ پھر وہ تحقیق سے بعد کا مرتبہ آتا ہے۔ بلکہ دراصل توفیق ایزدی سے دوری کا نام ہی بعد عن التحقیق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ الْمُتَقَرِّبُوْنَ بِمِثْلِ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِمْ وَلَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی یُحِبَّنِیْ وَاُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا فَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَسْمَعُ۔ الخبر

"میرا قرب حاصل کرنے کی خواہش کرنے والے کسی بات سے بھی اس قدر قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ جس طرح وہ فرضوں کے ادا کرنے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ بندہ نوافل کے ساتھ میرے قریب ہو جاتا ہے۔ تا آنکہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ اور میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں۔ لہٰذا میرے ہی ذریعہ وہ دیکھتا ہے۔ اور سنتا ہے۔ (الحدیث)

لہٰذا سب سے پہلے بندہ کا قرب بندے کے ایمان اور تصدیق سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد "احسان" اور تحقیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بندہ سے قریب ہونا اس طرح ہے کہ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ اسے عرفان کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ اور آخرت میں اسے شہود وعیاں کی عزت عطا فرماتا ہے۔ اور درمیانی عرصہ میں طرح طرح کے لطف واحسان سے مالا مال کرتا ہے۔

بندہ کے اللہ سے قریب ہونے کا صرف ایک طریقہ ہے۔ کہ وہ مخلوق سے دور رہے مخلوق سے دور رہنا ظاہری طور پر دوری مطلوب نہیں۔

چنانچہ حق سبحانہٗ کا قرب علم اور قدرت کے ساتھ تمام مخلوق کے لئے عام ہے۔ اور لطف ونصرت کے ساتھ قریب ہونا مومنین کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں سا

نیز فرمایا۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ (ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں)

نیز فرمایا۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے)

نیز فرمایا۔ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ ۔ جہاں کہیں تین آدمی سرگوشی کرتے ہوں وہاں چوتھا اللہ ہے۔

جس کو تحقیقی طور پر معلوم ہو جائے۔ کہ اللہ اس کے قریب ہے، تو یہ کمترین درجہ ہے وہ ہر دم اور ہر وقت اللہ کی طرف نظر رکھے۔ کیونکہ اللہ ہی اس کے تقویٰ کا نگہبان ہے پھر حفاظت اور وفا کا پھر حیاء کا اسی ضمن میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

۱ كَاَنَّ رَقِیْبًا مِنْكَ یَرْعٰی خَوَاطِرِیْ ۔۔۔ وَآخَرُ یَرْعٰی نَاظِرِیْ وَلِسَانِیْ

۲ فَمَا رَمَقَتْ عَیْنَایَ بَعْدَكَ مَنْظَرًا ۔۔۔ یَسُوْءُكَ اِلَّا قُلْتُ قَدْ رَمَقَانِیْ

۳ وَلَا بَدَرَتْ مِنْ فِیْ دُوْنَكَ لَفْظَۃٌ ۔۔۔ بِغَیْرِكَ اِلَّا قُلْتُ قَدْ سَمِعَانِیْ

۴ وَلَا خَطَرَتْ فِی السِّرِّ بَعْدَكَ خَطْرَۃٌ ۔۔۔ لِغَیْرِكَ اِلَّا عَرَّجَا بِعِنَانِیْ

۵ وَاِخْوَانِ صِدْقٍ قَدْ سَئِمْتُ حَدِیْثَھُمْ ۔۔۔ وَاَمْسَكْتُ عَنْھُمْ نَاظِرِیْ وَعِنَانِیْ

۶ وَمَا الزُّھْدُ اَسْلٰی عَنْھُمْ غَیْرَ اَنَّنِیْ ۔۔۔ وَجَدْتُكَ مَشْھُوْدِیْ بِكُلِّ زَمَانِ

۱ "اے محبوب ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہاری طرف سے مقرر کردہ پاسبان میرے خیالات تک کو تاکتا رہتا ہے۔ اور دوسرا پاسبان میری نگاہ اور زبان کو تاڑتا ہے۔

۲ تمہارے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے بعد جب میری آنکھیں کسی ایسے منظر پر پڑتی ہیں جو تجھے بُرا معلوم ہو تو میں کہہ اٹھتا ہوں کہ دونوں نے مجھے تاڑ لیا ہے۔

۳ اور جب غیر کے لئے تمہارے نزدیک کوئی کلمہ میرے منہ سے اچانک نکلتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ ان دونوں نے میری زبان کے اس لفظ کو سن لیا۔

۴ اور تمہارے بعد جب کسی اور کا خیال آتا ہے۔ تو وہ دونوں میری باگ ڈور موڑ لیتے ہیں۔

۵ بہت سے مخلص دوست ہیں، جن کی باتوں سے اکتا گیا ہوں۔ اور میں نے اپنی نگاہ اور زبان ان سے روک رکھی ہے۔

۲۵۔ "میری توجہ ان سے زہد کی وجہ سے نہیں ہٹی۔ دراصل بات یہ ہے کہ تجھے ہر جگہ اپنے پاس موجود پاتا ہوں"

ایک شیخ کی اپنے ایک مرید پر عنایت تھی۔ دوسرے مریدوں نے اس کے متعلق عرض کی تو شیخ نے ہر ایک کو ایک پرندہ دیا۔ اور فرمایا۔ اسے ایسی جگہ پر ذبح کرو۔ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ ہر ایک اپنا پرندہ لے گیا۔ اور اپنے اپنے پرندے کو تنہائی میں ذبح کر ڈالا۔ مگر اس کا خاص مرید جب آیا۔ تو اس کے پاس پرندہ زندہ تھا۔ شیخ نے ذبح نہ کرنے کا سبب دریافت کیا۔ تو عرض کی۔ جناب آپ نے مجھے اسے ایسی جگہ ذبح کرنے کو کہا تھا جہاں کوئی نہ دیکھے۔ مگر مجھے کوئی جگہ ایسی نہ ملی۔ جہاں حق سبحانہٗ اسے نہ دیکھ سکے۔ اس پر شیخ نے دوسرے مریدوں سے کہا۔

اسی لئے میں اس کو تم سب پر فوقیت دیتا ہوں۔ کیونکہ تم پر مخلوق کی باتوں کا غلبہ ہے۔ مگر یہ شخص حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے غافل نہیں ہے۔

قرب پر نگاہ رکھنا قرب سے حجاب کا سبب ہوتا ہے۔ چنانچہ جس شخص نے اپنے مقام یا اپنے نفس کا مشاہدہ کیا۔ اُسے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اس کے ساتھ مکر ہو رہا ہے۔ اسی لئے صوفیا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب سے وحشتناک کرے۔ یعنی اس قرب کو دیکھنے سے اس پر وحشت طاری ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ کے قرب سے اُنس محسوس کرنا اس بات کی علامت ہے کہ بندہ اس قرب سے دھوکا کھائے ہوئے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے انس سے ماوراء ہے۔ اور حقیقت کے مقامات میں وحشت اور محویت طاری ہوتی ہے یہ شعر اس مفہوم کے قریب ہے

محنتی فیک انّنی ۔ ما ابالی بمحنتی
قربکم مثل بُعدکم ۔ فمتیٰ وقت راحتی

تمہارے لئے میری محنت رنج وتکلیف اٹھانا یہ ہے۔ کہ میں اپنی محنت کی پرواہ نہ کرتا۔"

تمہارا "قرب" اور "بعد" میرے لئے یکساں ہے لہٰذا میری راحت کا وقت کب آئے گا؟

استاد ابوعلی دقاق اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ودادکم ھجرٌ وحبکم قِلیً ۔ وقربکم بُعدٌ وسلمکم حربٌ

و تمہاری دوستی میرے لئے جدائی ہے اور تمہاری محبت دشمنی۔ تمہارا قرب بعد ہے

در صلح جنگ۔

ابو الحسنؒ نوری نے ابو حمزہ کے ایک مرید کو دیکھ کر کہا۔ کیا تو ابو حمزہ کے مریدوں میں سے ہے۔ جو قرب کی طرف اشارہ کرتا ہے؟ جب تیری ان سے ملاقات ہو تو کہنا ابو الحسنؒ نوری آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ جس مقام میں ہمارا کلام ہو رہا ہے۔ اس میں قرب القرب قرب سے قریب تر ہونا) بعد البعد (بعید سے بعید تر ہونا) اب رہا ذات کا قُرب تو اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ کیونکہ وہ تو حدود و اطراف نہایت و مقدار سے پاک ہے کسی مخلوق کا کبھی اس سے اتصال ہُوا۔ اور نہ کوئی حادث اس سے الگ رہ سکا۔ اس لیے خدا کی ذات وصل و فصل قبول کرنے سے بلند و بالا ہے۔ قرب کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک قرب تو وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں محال ہے۔ اور یہ قرب قرب ذات ہے۔ اور دوسرا قرب وُہ ہے۔ جو صفات باری تعالیٰ میں ضروری ہے اور یہ قربِ قرب بالعلم والرؤیتہ ہے۔ تیسرا قربؒ وہ ہے۔ جو اس کی صفت میں جائز ہے۔ اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس قرب سے نوازے۔ یہ قرب اللہ تعالیٰ کے فضل و لطف کا قرب ہے۔

۲۰۔ شریعت و حقیقت ان الفاظ میں سے شریعت و حقیقت[۳۰۱] بھی ہیں۔ عبودیت پہ قائم رہنے کا حکم دینا شریعت ہے۔ اور حقیقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہے۔ لہذا ہر وہ شریعت جس کی تائید حقیقت سے نہیں ہوتی۔ وہ غیر مقبول ہے اور ہر وہ حقیقت جو احکام شریعت سے مقید نہ ہو۔ بے سُود ہے لہذا شریعت مخلوق کو مکلف بنانے کیلئے ہے۔ اور حقیقت میں اس بات کی اطلاع دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں کس طرح تصرّف کرتا ہے۔ لہذا شریعت اللہ کی بندگی کرنے کا نام ہے۔ اور حقیقت اس کے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں۔ شریعت میں احکام کی پابندی ضروری ہے۔ اور حقیقت میں ان امور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جن کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جو تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں۔ اور جو مخفی ہیں یا جو ظاہر ہیں۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اِیَّاکَ نَعْبُدُ شریعت کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں حقیقت کا اقرار ہے۔

یاد رکھیں کہ شریعت اس اعتبار سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے واجب ہوئی ہے حقیقت ہے اور حقیقت شریعت ہے۔ اس اعتبار سے کہ نفس کی معرفت بھی حکم الٰہی کے موافق واجب ہے

۲۱ - نفس ان الفاظ میں سے ایک لفظ "نفس"[۳۸۲] ہے۔ غیبی لطائف کے ذریعہ سے دلوں کو راحت دینے کا نام "نفس" ہے۔ اور صاحب انفاس، صاحب احوال کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور زیادہ صاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحب وقت مبتدی ہے اور صاحب انفاس منتہی اور صاحب احوال کا درجہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ احوال تو واسطہ ہیں۔ اور انفاس ترقی کی انتہا۔ لہٰذا اوقات اصحاب قلوب کے لئے ہیں۔ احوال ارباب الارواح کے لئے اور انفاس اہل سرائر کے لئے۔

صوفیا کہتے ہیں۔ کہ بہترین عبادت یہ ہے کہ اپنے انفاس کو اللہ سبحانہٗ کے ساتھ شمار کرے۔ نیز صوفیا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کو پیدا کیا۔ اور ان کو معرفت کی کان بنایا۔ اس سے آگے چل کر اسرار کو پیدا کیا۔ اور ان کو مکان و محل توحید قرار دیا۔ لہٰذا جو نفس اس اضطراری عالم کے اندر معرفت پر دلالت کرنے کے بغیر اور توحید کی طرف اشارہ کرنے کے بغیر حاصل ہو۔ وہ مردہ ہے اور ایسے صاحب نفس سے باز پرس ہوگی۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ عارف کا نفس باسلامت نہیں رہتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی آسانی نہیں برتی جاتی اور محب کے لئے نفس کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اس کا نفس نہ ہو تو وہ طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے تباہ ہو جائے۔

۲۲ - خواطر انہی الفاظ میں سے "خواطر"[۳۸۳] کا لفظ ہے۔ خواطر اس خطاب کو کہتے ہیں جو ضمیر پر وارد ہوتا ہے۔ ان خواطر کا القاء کبھی فرشتہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی شیطان کے ذریعے سے۔ تیسری قسم حدیث النفس ہے۔ یہ بھی حق سبحانہٗ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب القاء فرشتے کی طرف سے ہو تو وہ الہام کہلاتا ہے۔ اور جب شیطان کی طرف سے ہو تو وسواس کہلاتا ہے۔ اور جب حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے القاء سے ہو تو یہ خاطر سچا ہوگا۔ اور یہ سب کچھ ایک قسم کا کلام ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر یہ خاطر فرشتہ کی طرف سے ہو تو اس کی سچائی معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے

کہ دیکھیں۔ آیا یہ علم کے موافق ہے یا نہیں۔ اس لئے صوفیا کہتے ہیں۔ کہ ہر وہ خاطر جس کی گواہی ظاہر سے نہیں ملتی۔ باطل ہے۔ اور اگر یہ شیطان کی طرف سے ہو تو بالعموم یہ خاطر معصیت کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر نفس کی طرف سے ہو۔ تو بالعموم یہ خواہشات نفسانی کی تابعداری کی طرف دعوت دیتا ہے یا تکبر کا احساس دلاتا ہے۔ یا اس قسم کے نفسانی اوصاف کو بڑھاتا ہے۔ تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص حرام کا مال کھاتا ہے وہ الہام اور وسواس میں فرق نہیں کر سکتا۔

میں نے شیخ ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ جس شخص کی خوراک معلوم ہو کہ حرام ہے۔ وہ الہام اور وسواس میں فرق نہیں کر سکتا۔ اور جس شخص کے ہواجس نفس سچے مجاہدہ کی وجہ سے ساکن ہو گئے ہوں وہ اپنے مجاہدہ کے باعث اپنے دل کی باتیں کہے گا۔

تمام شیوخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفس کبھی سچ نہیں کہتا۔ اور دل کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں: "تمہارا نفس سچ نہیں بولتا۔ اور تمہارا دل جھوٹ نہیں بولتا۔ تم ہزار کوشش کرو تمہاری روح تم سے مخاطب نہیں ہوگی۔

حضرت جنیدؒ نے ہواجس نفس اور وساوس شیطانی میں یوں فرق کیا ہے۔ کہ نفس کسی بات کا مطالبہ کرتا ہے تو باصرار کرتا ہے لہٰذا یہ اپنا مطالبہ دہراتا رہتا ہے۔ خواہ کچھ وقفہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو یہاں تک کہ اپنی مراد پا لیتا ہے۔ اور اپنا مقصود حاصل کر لیتا ہے ہاں البتہ سچے دل سے مجاہدہ جاری ہے تو اصرار نہیں ہوتا۔ پھر بھی نفس بار بار مطالبہ دہراتا رہتا ہے اور جب شیطان کسی لغزش کی طرف دعوت دے۔ اور تو اس کی مخالفت کرتا ہُوا اس کام کو چھوڑ دے۔ تو شیطان کسی اور لغزش کا وسوسہ ڈال دے گا۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک مخالفت خواہ کوئی ہو۔ ایک جیسی ہے۔ اور اس کا مقصد تو صرف اس قدر ہے۔ کہ وہ کسی نہ کسی لغزش کی طرف دعوت دیے کسی خاص لغزش کو مخصوص کر دینے میں اس کی کوئی غرض نہیں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ ہر وہ خاطر جو فرشتہ کی طرف سے ہو۔ تو کبھی انسان اس کی مخالفت کرتا ہے اور کبھی موافقت! مگر جو خاطر حق سبحانہٗ کی طرف سے ہو اس میں بندے سے مخالفت نہیں ہو سکتی شیوخ نے خاطر ثانی پر بحث کی ہے کہ جب دونوں خاطر حق سبحانہٗ کی طرف سے ہوں تو

آیا خاطر ثانی پہلے کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوگا یا نہیں۔ جنید فرماتے ہیں۔ کہ پہلا خاطر ہی زیادہ قوی ہو
کیونکہ اگر پہلا خاطر باقی رہے گا۔ تو بندہ تامل و غور کرنے کی طرف رجوع کریگا۔ یہ بھی اس صورت میں
کہ انسان کو علم ہو۔ کہ وہ خاطر اللہ کی طرف سے ہے، کیونکہ پہلے کو چھوڑ دینا دوسرے کو کمزور
کر دیتا ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں، کہ دوسرا زیادہ قوی ہوگا۔ اس لئے کہ پہلے کی وجہ سے اس کی
قوت میں زیادتی ہوتی ہے۔

متاخرین میں سے ابو عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں کہ دونوں خاطر یکساں ہیں اس لئے
دونوں حق سبحانہٗ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہوگی۔ نیز یہ کہ دوسرے
کی موجودگی میں پہلا خاطر باقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ آثار کے لئے بقا نہیں ہے۔

۲۳۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ اور حق الیقین

صوفیا کے الفاظ میں سے "علم الیقین"
"عین الیقین" اور حق الیقین بھی ہیں ان الفاظ
سے مراد روشن و واضح علوم ہیں۔ عام عرف کے مطابق یقین وہ علم ہے۔ جس میں کسی قسم کے
شک کا دخل نہ ہو مگر یہ لفظ حق سبحانہٗ کی صفت میں نہیں بولا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا اطلاق اللہ
تعالیٰ پر کبھی نہیں ہوا۔ لہٰذا علم الیقین وہی یقین ہے۔ اسی طرح عین الیقین وہی نفس الیقین ہے
اور حق الیقین نفس الیقین ہے۔

صوفیا کی اصطلاح کے مطابق علم الیقین وہ علم ہے۔ جس میں برہان و دلائل کی شرط پائی جائے
اور عین الیقین وہ جس میں وضاحت پائی جائے اور حق الیقین وہ علم ہے۔ جس میں معائنہ یا ایسا علم پایا جائے جسے
انسان اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہو۔ لہٰذا علم الیقین ارباب عقل کا علم ہوتا ہے اور صاحب علم کا علم عین الیقین ہوتا
اور اصحاب معرفت کا علم حق الیقین ہوتا ہے۔ ان تمام کی وضاحت تحقیقی بحث کا مرجع وہی ہے جو ہم نے ذکر کی
مگر تنبیہ کے طور پر اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۲۴۔ وارد

ان الفاظ میں سے لفظ وارد[۳۸۵] ہے۔ صوفیاء کے کلام میں وارد کا
کا ذکر آتا ہے۔ "وارد" وہ اچھے خواطر ہیں۔ جو انسان کے قصد و ارادہ
کے بغیر دل میں محسوس ہوں۔ اسی طرح وہ امور بھی "وارد" ہی کہلائیں گے۔ جو خواطر کی قسم

نہ ہوں۔ مزید براں بعض اوقات "وارد" حق کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی علم کی طرف سے۔ لہذا واردات خواطر سے زیادہ عام ہیں۔ کیونکہ خواطر ایک قسم کے خطاب کے ساتھ مختص ہیں یا ایسی بات سے مختص ہیں۔ جس میں خطاب پایا جائے وار دات کئی قسم کے ہیں وارد خوشی، وارد غم، وارد قبض اور وارد بسط وغیرہ۔

۲۵۔ شاہد

ان الفاظ میں سے لفظ "شاہد" ہے۔ صوفیا کے کلام میں "شاہد" کا لفظ اکثر آتا ہے۔ مثلاً یوں کہتے ہیں۔ فُلَانٌ یُشَاهِدُ الْعِلْمَ وَفُلَانٌ یُشَاهِدُ الْوَجْدَ۔ وَ فُلَانٌ یُشَاهِدُ الْحَالَ۔ شاہد سے ان کی مراد وہ کیفیت ہے جو اس وقت انسان کے دل پر طاری ہو۔ بالفاظ دیگر وہ چیز جس کا وہ اکثر ذکر کرتا رہے۔ خواہ وہ چیز غائب ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے اس طرح ہو گویا وہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ جس چیز کا ذکر انسان کے دل پر غالب ہے۔ وہ اس طرح پر ہے گویا وہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ لہذا اگر غالب علم ہے تو علم کا مشاہدہ کرے گا۔ اور اگر وجد غالب ہے تو وجد کا۔

شاہد کے اصلی معنی حاضر کے ہیں۔ لہذا جو چیز تمہارے دل میں حاضر ہے۔ وہ تمہارے لئے شاہد ہے۔

شبلی رحمۃ اللہ سے مشاہدہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا۔ ہم کہاں حق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ حق ہمارا شاہد ہے۔ ان کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ ان کے دل پر حق کا غلبہ ہے۔ اور اس کا ذکر غالب ہے اور ذکر پیوستہ ان کے دل میں حاضر ہے جس کا کسی مخلوق کے ساتھ قلبی تعلق ہو جائے تو اس کے متعلق یہی کہا جائے گا۔ کہ وہ اس کا شاہد ہے یعنی وہ اس کے دل میں حاضر ہے۔ اس لئے کہ محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کا ذکر ہمیشہ جاری جاری رہے۔ اور اس کا عاشق پر غلبہ ہو۔

بعض لوگ اس کے اشتقاق میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔ چنانچہ وہ "شاہد" لفظ شہادۃ سے مشتق بتاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس نے کسی شخص کا مطالعہ صفت جمال کے ساتھ کیا۔ اور اس وقت اس کی بشریت اس سے ساقط ہو چکی ہے۔ اور اس شخص کی موجودگی اسے اپنی حالت سے غافل نہیں کر دیتی۔ اور نہ اس کی صحبت میں اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تو وہ شخص

اس بات پر گواہ ہے۔ کہ اس کا نفس حال فنا میں ہے۔ جس شخص میں اس شخص کی موجودگی اثر انداز ہو
تو وہ شخص اس بات کا گواہ ہے کہ اس کا نفس "حال بقاء" میں ہے۔ اور احکام بشریت پر قائم ہے
غرض یہ شہادت اس کے حق میں ہوگی۔ یا اس کے خلاف اسی مفہوم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا فرمان محمول ہے۔ رَاَیْتُ رَبِّیْ لَیْلَةَ الْمِعْرَاجِ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ میں نے معراج کی رات اپنے
رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔ یعنی جو اچھی صورت اس رات میں نے دیکھی۔ اس نے مجھے دیدار الٰہی
سے غافل کر کے اپنی طرف نہیں کھینچا۔ بلکہ میں نے مصوّر کا ہی اس صورت میں مشاہدہ کیا۔ اور پیدا
کرنے والے کو دیکھا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد علمی طور پر رویت ہے نہ آنکھوں سے
دیکھنا۔

۲۹۔ نفس

ان الفاظ میں سے لفظ نفس بھی ہے۔ لغت میں "نفس الشیٔ" سے مراد شئی کا
ہوتا ہے اور صوفیاء کے ہاں مطلق نفس کہنے سے وجود مراد نہیں لیا جاتا۔ اور
ہی وہ ڈھانچہ مراد لیا جاتا ہے۔ جو نفس کا موضوع ہے۔ نفس سے ان کی مراد بندے کے اوصاف
ہیں۔ جن میں خامی پائی جاتی ہے۔ اور وہ اخلاق و افعال مراد لئے جاتے ہیں۔ جو مذموم ہیں۔ بندے
کے وہ اوصاف جن میں کوئی علت (خامی) پائی جائے، دو قسم کے ہیں
وہ اوصاف جن کو اپنے اختیار سے حاصل کیا جائے۔ جیسے معصیت اور احکام شرع کی
مخالفت، دوسرے اخلاق مذمومہ یہ قسم اپنی ذات میں مذموم ہوتی ہے۔ اگر بندہ کوشش کرے
اور ان سے جنگ کرے تو متواتر عادت بنا لینے اور مجاہدہ کے ذریعہ اخلاق مذمومہ سے نجات
پا لیتا ہے نفس کے احکام میں سے پہلی قسم وہ ہے۔ جس کو قطعی طور پر حرام قرار دے کر منع کیا گیا ہے
یا تنزیہی بعض سے احتراز کرنے کو کہا گیا ہے ۔۔۔۔۔۔ دوسری قسم میں ردی اور مذموم
اخلاق ہیں۔ مختصر طور پر یہی اس کی تعریف ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل آتی ہے۔ چنانچہ کبر
غضب، کینہ، حسد، سوء خلق اور عدم تحمل وغیرہ اخلاق مذمومہ ہیں۔ احکام نفس میں سے
سخت و مشکل ترین یہ ہے۔ کہ ان میں سے کسی خُلق کو انسان اچھا سمجھے۔ یا قابل قدر خیال کرے۔ اس
قسم کے خیال کو شرک خفی کے تحت شمار کیا گیا ہے۔
نفس کو ترک کرنے اور اس کے خلاف کرنے کے ذریعہ نفس کا علاج کرنا زیادہ کامل ہے

بمقابلہ اس کے کہ بھوک۔ پیاس۔ بیداری اور دیگر مجاہدات کا جن سے قوت گر جاتی ہے
نفس کو خوگر بنایا جائے۔ حالانکہ ان امور یعنی بھوک وغیرہ کا شمار بھی ترک نفس میں کیا گیا ہے
ممکن ہے۔ کہ نفس ایک لطیف چیز ہو۔ جیسے اس جسم کے ڈھانچے کے اندر رکھ دیا گیا ہے
یہی مذموم اخلاق کا محل ہے۔ جس طرح رُوح اس قالب کے اندر ایک لطیف شے ہے جو اخلاق
محمودکا محل ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے پر غالب آتے رہتے ہیں۔ اور سب کو ملا کر
انسان نام رکھ دیا گیا ہے۔

بظاہر روح اور نفس کا اجسام لطیفہ میں ہونا۔ بعینہٖ اس طرح ہے۔ جس طرح ملائکہ اور
شیاطین میں لطافت کی صفت پائی جاتی ہے۔ اور یہ کہنا درست ہے کہ آنکھ رویت کا محل
ہے کان سمع کا، ناک سونگھنے کا، اور منہ ذائقہ کا، حالانکہ سمیع، بصیر، شام اور ذائق،
سب انسان میں۔ شامل اور متحد ہیں۔ اسی طرح اوصاف حمیدہ کا مقام قلب و رُوح ہے اور
اوصاف مذمومہ کا مقام نفس ہے۔ نفس اس تمام کا ایک جزو ہے اور اسی طرح دل بھی ایک جزو ہے
البتہ حکم اور نام کا اطلاق کل پر ہوتا ہے۔

۲۷۔ رُوح ان الفاظ میں سے ایک لفظ رُوح بھی ہے۔ محققین اہلسنت
میں ارواح کے متعلق بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رُوح
حیات ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ اعیان (جسم) ہیں جنہیں ان جسم کے ڈھانچوں میں رکھ
دیا گیا ہے۔

لطیفہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے۔ کہ جب تک ارواح بدن میں ہوں۔ اس
ڈھانچے میں حیات کو باقی رکھتا ہے۔ لہذا انسان اس حیات کی وجہ سے زندہ رہتا ہے
مگر ارواح تو اس ڈھانچے میں رکھی گئی ہیں۔ اور وہ نیند کی حالت میں اوپر چڑھتی ہیں، بدن سے
جدا ہوتی ہیں۔ اور پھر آتی ہیں۔ انسان رُوح اور جسم دونوں سے مل کر بنتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے ان دونوں کو ایک دوسرے پر مسلط کر رکھا ہے۔ اور حشر دونوں کا ہوگا اور دونوں کو ثواب یا
عتاب ہوگا۔ ارواح مخلوق ہیں جو لوگ ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ وہ سخت غلطی
پر ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ارواح اعیان (اجسام لطیفہ) ہیں۔

۲۸۔ سر ان الفاظ میں ایک لفظ "سر" ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ارواح کی طرح یہ بھی ایک لطیف شے ہو۔ جسے دل میں رکھا گیا ہو۔ صوفیاء کے اصول سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سر مشاہدہ کا محل ہے۔ جس طرح ارواح محبت کا مقام ہیں اور دل معارف کا محل ہیں۔

صوفیاء کا قول ہے۔ کہ سر وہ ہے جس پر تو جھانک کر نظر ڈال سکے مگر سر السر کی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ ان کے ہاں ان کے مقام اور مقتضائے اصول کے مطابق سر روح سے زیادہ لطیف ہے۔ اور روح قلب سے اشرف ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ اسرار اغیار کی غلامی سے آزاد ہوتے ہیں۔ خواہ وہ اسرار ہوں یا اطلال۔

لفظ سر کا اطلاق اس راز پر بھی ہوتا ہے۔ جو بندے اور حق سبحانہٗ کے درمیان ہر حالت میں محفوظ اور چھپا ہوا ہے۔ اس کے معنی پر یہ قول محمول کیا جاتا ہے۔ "ہمارے راز انوکھے ہیں۔ کسی کے وہم و گمان میں نہیں آتے"۔

اسی طرح کا قول ہے "احرار کے سینے اسرار کی قبریں ہیں"۔ نیز کہتے ہیں: "اگر میرا تکمہ میرے راز کو جان لے تو البتہ اسے اتار پھینکوں۔ صوفیا کے مستعمل الفاظ کی یہ چند تشریحات ہیں۔ اور ان کے بعض الفاظ کی تعبیریں ہیں جنہیں یہ لوگ انفرادی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ہم نے مختصراً ان کا ذکر کر دیا۔

اب ہم ان مقامات کی تشریح کرتے ہیں۔ جو ارباب سلوک کے لئے مدارج ہیں۔ اس کے بعد ہم انشاء اللہ کچھ احوال کی تشریح میں چند ابواب تحریر کریں گے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آسان کرے۔

باب (۱)

توبہ (۳۸۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَتُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیعاً۔ اَیُّھَا المُؤمِنُونَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ۔ "اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ کی طرف رجوع کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ"

مجھے ابو بکر محمد بن الحسین بن فورک نے بتایا۔ کہ ان سے احمد بن محمود بن خرزاذ (۳۸۸) نے کہا۔ کہ ان سے محمد بن فضل بن جابر (۳۸۹) نے ان سے سعید بن عبداللہ نے بیان کیا ان سے محمد بن زکریا نے بتایا۔ کہ ان کے باپ نے کہا۔ کہ انہوں نے انس بن مالک (۳۹۰) سے سُنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے رسول اللہ کو یوں فرماتے سنا۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ وَاِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْداً لَمْ یَضُرَّهٗ ذَنْبٌ۔ (گناہ سے توبہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے۔ تو کوئی گناہ اسے ضرر نہیں پہنچاتا)

اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔) کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! توبہ کی کیا علامت ہے تو فرمایا۔ "ندامت"۔

علی بن احمد بن عبداللہ الاہوازی (۳۹۱) نے ابو الحسن بن عبید (۳۹۲) الصفار سے نقل کیا۔ کہ ان سے محمد بن فضل بن جابر نے بیان کیا۔ کہ ان سے حکم (۳۹۳) بن موسیٰ نے کہا۔ کہ غسان بن عبید (۳۹۴) نے ابو عاتکہ طریف بن سلیمان سے نقل کیا۔ کہ انس بن مالک نے کہا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ شَابٍ تَائِبٍ "اللہ تعالیٰ کو نوجوان توبہ کرنے والے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں"۔ سالکین کے لئے توبہ سب سے پہلی منزل ہے۔ اور طالبین کا پہلا مقام ہے۔

لفظ توبہ کی تشریح عربی زبان میں "توبہ" کے حقیقی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی بات سے رجوع کرتا ہے۔ تو کہتے ہیں "تاب" لہذا توبہ کے معنی یہ ہوئے۔ کہ شریعت میں جو کچھ مذموم ہے۔ اس سے لوٹ کر قابل تعریف شے کی طرف آجائے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلنَّدَمُ التَّوْبَۃُ - ندامت توبہ ہے۔

توبہ کی شرائط اہل سنت کے ارباب اصول کہتے ہیں۔ کہ توبہ کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) جن امور میں شریعت کی مخالفت کی ہے۔ ان پر ندامت کا اظہار کرنا۔

(۲) اپنی لغزش و غلطی کو فوراً ترک کر دینا۔

(۳) یہ ارادہ کرنا کہ جو گناہ اس نے کئے ہیں۔ انہیں دوبارہ نہ کرے گا۔ لہذا توبہ کے درست ہونے کے لئے ان امور کا ہونا ضروری ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب ارباب اصول فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ اَلنَّدَمُ التَّوْبَۃُ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑی بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح فرمایا۔ اَلْحَجُّ عَرَفَۃُ عرفہ ہی حج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ عرفہ میں قیام کرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرفہ میں ٹھہرنا ہی حج ہے اور بس۔ البتہ یہاں ٹھہرنا سب سے بڑا رکن ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا۔ "ندامت ہی توبہ ہے" یعنی ندامت توبہ کا سب سے بڑا رکن ہے۔

بعض اہل تحقیق کہتے ہیں۔ کہ توبہ کے ثبوت کے لئے ندامت کافی ہے۔ کیونکہ دوسرے دو رکن ندامت کے تابع ہیں۔ اس لئے یہ بات ناممکن ہے کہ کسی کو ہم ایسی بات سے نادم فرض کرلیں۔ جس پر وہ مصر ہے یا جس کے کرنے کا وہ عزم کر چکا ہے۔

یہ توبہ کی اجمالی تعریف ہے۔ لیکن وضاحت اور تشریح کے اعتبار سے توبہ کے خاص اسباب خاص ترتیب اور اور کئی قسمیں ہیں۔

توبہ کا پہلا درجہ یہ ہے۔ کہ بندہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔ اور وہ اپنی بُری حالت کو محسوس کرے اس مقام تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا بندہ کو دل کے کانوں سے زجر و توبیخ سننے کی توفیق دے۔ جو کچھ اس کے دل میں کھٹکتا ہو۔ اسے محسوس کرے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے

وَاعِظُ اللّٰہِ فِیْ قَلْبِ کُلِّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ (ہر مسلم کے دل میں اللہ کا واعظ ہوتا ہے۔)

نیز حدیث میں آیا ہے۔ اِنَّ فِی الْبَدَنِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ جَمِیْعُ الْجَسَدِ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ جَمِیْعُ الْبَدَنِ اَلَا وَ ھِیَ الْقَلْبُ (بدن میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جس کے درست ہونے سے تمام جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور اس کے خراب ہونے سے تمام بدن خراب ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو یہ ٹکڑا دل ہے۔

لہذا جب انسان اپنے دل میں اپنے بُرے اعمال پر غور کرتا ہے۔ اور ان بُرے افعال کو جن کو وہ کرتا ہے۔ دیکھتا ہے تو اس کے دل میں توبہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کو اپنے بُرے اعمال سے باز آنے کا خیال آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ارادہ کو پا کر اس کی مدد فرماتا ہے۔ اور وہ اچھے طریقے سے بُرے اعمال سے باز آنے کی ابتدا کرتا ہے۔ تو توبہ کے اسباب کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ توبہ کے اسباب پر عمل کی ابتدا، بُرے دوستوں کی مجلس سے الگ رہنے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ وہی اُسے اس ارادہ کو ترک کرنے پر اُکساتے ہیں اور اس ارادہ کے صحیح ہونے میں شکوک پیدا کرتے ہیں۔ اس کی تکمیل اس وقت ہو سکتی ہے۔ جب وہ اس مشاہدہ پر مداومت کرے یہ کہ توبہ کرنے کی رغبت میں اضافہ کرتا ہے اور جس بات کا اس نے عزم کیا ہے، اس کے پورا کرنے کے لئے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ جن سے انسان کے خوف اور رجاء کو قوت حاصل ہوتی ہے تب کہیں اس کے دل سے بُرے اعمال پر اصرار کرنے کی گرہ کھلتی ہے۔ اور ممنوع امور کو کرنے سے رُک جاتا ہے۔ اور شہوات کی تابعداری کرنے سے اپنے نفس کی لگام کو کھینچ لیتا ہے۔ وہ فوراً اپنی غلطی کو ترک کر لیتا ہے۔ اگر وہ اپنے ارادہ کے مطابق چلا اور اپنے عزم کے مطابق کام کیا، تو گویا صحیح معنوں میں توفیق ایزدی کے قابل ہوا۔ اگر اس نے کئی بار توبہ توڑی اور اپنے ارادہ کو از سرِ نو توبہ کرنے پر مجبور کیا۔ تو بسا اوقات ایسا بھی ہوا کرتا ہے۔ ہمیں اس قسم کے لوگوں کے توبہ کرنے

سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہر بات کے لئے ایک مقررہ وقت ہے۔

ابو سلیمان دارانیؒ کی توبہ کا واقعہ

ابو سلیمان دارانی سے حکایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک قصہ خواں کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ اس کے کلام کا میرے دل پر اثر ہوا۔ مگر مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ تو میرے دل پر کوئی اثر نہ رہا۔ میں دوبارہ اس کی مجلس میں گیا۔ اور اس کا کلام سُنا تو میرے دل پر اس کا اثر راستہ بھر رہا۔ مگر پھر زائل ہوگیا۔ تیسری بار پھر گیا۔ تو اس کا اثر میرے دل پر گھر پہنچنے تک رہا، چنانچہ میں نے مخالفت کے سارے آلات توڑ ڈالے اور طریقت کی راہ پر لگ گیا

اس کے بعد اُنہوں نے یحییٰ بن معاذ کو یہ حکایت سنائی۔ تو فرمایا۔ ایک چڑیا نے کرکی (کونج) کا شکار کر لیا۔ چڑیا سے ان کی مراد قصہ خواں تھا۔ اور کرکی سے ابو سلیمانؒ دارانی۔

ابو حفصؒ حداد سے حکایت کی جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے کئی بار اپنا پیشہ چھوڑا مگر پھر وہی پیشہ کرنے لگ جاتا۔ آخر اس پیشہ نے مجھے چھوڑ دیا۔ جس کے بعد پھر میں نے وہ کام نہیں کیا۔

ابو عمروؒ بن بجید اور ابو عثمان

کہا جاتا ہے کہ ابو عمرو بن بجید ابتدا میں ابو عثمان کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ ان کے کلام کا ان کے دل پر اثر ہوا۔ اور ابو عمرو نے توبہ کرلی۔ پھر ان سے سستی ہوگئی۔ اب جب ابو عثمانؒ کو دیکھتے تو دُور بھاگتے۔ اور ان کی مجلس میں بھی نہ جاتے۔ ایک بار ابو عثمانؒ سامنے سے آنکلے۔ ابو عمروؒ راستہ سے ہٹ کر دوسرے راستہ پر ہولئے۔ ابو عثمانؒ نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ ان کے پیچھے چلتے رہے۔ یہانتک ان کو پا لیا۔ کہا بیٹا۔ جو شخص تجھ سے صرف اس صورت میں محبت کرتا ہے۔ جب تو معصوم ہو۔ تو اس کی صحبت میں نہ رہ۔ ابو عثمانؒ مجھے اسی حالت میں نفع پہنچا سکتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ابو عمروؒ بن بجید نے توبہ کی اور ان کے مرید ہوگئے اور اس پر قائم رہے۔

ایک اور مرید کا واقعہ

میں نے اپنے شیخ ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک

رید نے توبہ کی۔ مگر اس سے سستی ہو گئی۔ ایک دن وہ سوچ رہا تھا۔ کہ اگر دوبارہ توبہ کریگا
اس کا کیا حکم ہو گا۔ اس پر غیب سے ندا آئی۔ تم نے ہماری اطاعت کی۔ تو ہم نے شکریہ ادا
۔ تو نے ہیں چھوڑ دیا۔ تو ہم نے تمہیں مہلت دی۔ پھر لوٹ آؤ گے۔ تو ہم تجھے قبول کر
ں گے۔ مرید پھر ارادتمندی کی طرف لوٹ آیا۔ اور اس بات پر ثابت قدم رہا۔

لہٰذا جب انسان معصیت کو ترک کر کے اپنے دل سے اصرار کی گرہ کو کھول دیتا
ہے۔ اور پھر یہ ارادہ کر لیتا ہے۔ کہ وہ پھر ایسا کام نہ کرے گا۔ تب کہیں اس کے
دل پر خالص ندامت طاری ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے کئے پر افسوس کرتا ہے۔ اور اپنے
عمال اور بُرے افعال کے مرتکب ہونے پر نادم ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی توبہ مکمل
ہوتی ہے۔ اور اس کا مجاہدہ صحیح ہوتا ہے۔ اور لوگوں سے میل جول رکھنے کی بجائے
ان سے علیحدگی اختیار کرنے لگ جاتا ہے۔ اور بُرے دوستوں کی صحبت میں بیٹھنے کی بجائے
وہ ان سے متنفر ہو کر خلوت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ وہ دن رات افسوس کرتا رہتا ہے
اور اکثر اوقات سچے دل سے نادم شرمسار رہتا ہے۔ وہ اپنے آنسوؤں کی بارش
سے اپنی لغزش کے نشانات مٹاتا ہے۔ اور اچھا توبہ کے ذریعہ وہ اپنے گناہوں کے زخموں
کا علاج کرتا ہے۔ اپنے ہم جنسوں کے درمیان اپنے گناہوں کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے۔ اور
اس کی لاغری کے ذریعہ اس کی حالت کی درستی کا پتہ چلتا ہے۔

توبہ کی تکمیل

انسان کی توبہ کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی۔ جب تک وہ اپنے
مخالفوں کو راضی نہیں کرتا۔ کیونکہ توبہ کی پہلی منزل یہی ہے۔ کہ اپنے مظلوموں
کو جس طرح بھی ہو۔ راضی کرے۔ اگر اس کے پاس اس قدر دولت ہو۔ کہ وہ ان کے حقوق کو
ادا کر سکے۔ تو بہتر ہے ادا کر دے یا وہ لوگ خود اپنی رضا سے اس کو معاف یا بری کر دیں
تو خوب ہے۔ ورنہ اسے چاہیئے۔ کہ وہ دل سے عزم کر لے کہ جب بھی ممکن ہو سکے گا وہ
ان کے حقوق کو ادا کرے گا۔ اور وہ سچے دل سے عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کی
طرف رجوع کرے۔ اور ان کے لئے دعا کرے۔

تائبین کے صفات و حالات

توبہ کرنے والوں کے چند صفات و حالات

ہیں، جو ان کے خصائل میں شمار ہوتے ہیں ان کا شمار توبہ میں اس لئے کیا جاتا ہے۔ کہ یہ ان کے صفات شدہ میں سے ہیں۔ اس لئے نہیں۔ کہ یہ امور توبہ کے سچے ہونے کے لئے شرائط ہیں۔ توبہ کے اسی مفہوم کی طرف شیوخ کے اقوال اشارہ کرتے ہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سُنا۔ کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل توبہ، دوم انابہ اور سوم اَوبہ۔ اس تقسیم میں توبہ کو ابتدائی مقام حاصل ہے۔ اور اوبہ کو آخری اور انابہ کو درمیانی۔ جس شخص نے سزا کے خوف سے رجوع کیا۔ تو اس کو توبہ کہتے ہیں۔ جس نے ثواب کی لالچ کی وجہ سے توبہ کی اس کو "انابہ" اور جس نے حکم کی پابندی کے خیال سے توبہ کی نہ تو ثواب کی خواہش کی ہے نہ سزا سے خائف ہوا۔ تو اس کو اوبہ کہتے ہیں۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ توبہ مومنین کی صفت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ۔ اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔ انابت اولیا اور مقربین کی صفت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ۔ اور اَوبہ نبیوں اور رسولوں کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ

میں نے شیخ ابو عبد الرحمن السلمی سے سُنا کہتے تھے۔ کہ انہوں نے منصور بن عبد اللہ سے سُنا۔ وہ کہتے تھے۔ جعفر بن نصیر نے کہا۔ میں نے جنیدؒ کو فرماتے ہوئے سُنا۔ توبہ کے تین معنی ہیں۔ ایک ندامت۔ دوسرے پکا ارادہ کہ وہ دوبارہ ان باتوں کی طرف نہ لوٹے گا۔ جن سے اللہ تعالےٰ نے منع فرمایا ہے۔ تیسرے لوگوں سے زبردستی لی ہوئی چیزوں کو واپس کرنا۔"

سہیل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ سیئ فعل کو ترک کرنے کا نام توبہ ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا۔ اُنہوں نے کہا کہ میں نے ابو عبد اللہ القرشی سے سنا اُنہوں نے کہا۔ کہ حضرت جنیدؒ فرماتے تھے۔ کہ ایک دن میں جبری کے پاس گیا۔ تو اُن کی حالت بدلی ہوئی دیکھی۔ میں نے عرض کیا۔ کیا بات ہے؟ فرمایا۔ ایک نوجوان نے آکر مجھ سے توبہ کے

متعلق سوال کیا۔ تو میں نے اُسے کہا۔ توبہ یہ ہے۔ تو اپنے گناہ کو نہ بھولے اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ بلکہ توبہ تو یہ ہے۔ تو گناہ کو بھول جائے۔ میں نے عرض کیا۔ میرے نزدیک درحقیقت وہی بات ہے۔ جو نوجوان نے کہی۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کیوں؟ میں نے کہا۔ اس لئے کہ جب میں جفا کی حالت میں ہوں۔ اور وہ مجھے منتقل کر کے وفا کی حالت میں لے آئے۔ تو صفائی کی حالت میں جفا کا ذکر کرنا جفا ہوگی۔ اس پر سریؒ خاموش ہو گئے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سُنا۔ انہوں نے کہا۔ ابو نصر السراج فرماتے ہیں۔ کہ کسی نے سہل بن عبداللہ سے توبہ کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو نہ بھولے۔ اور جنید سے توبہ کی نسبت پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو بھول جائے۔

ابو نصر سراج فرماتے ہیں۔ کہ سہل کا اشارہ مریدین اور معترضین کے احوال کی طرف ہے کیونکہ کبھی یہ (حالات) ان کے حق میں ہوتے ہیں اور کبھی ان کے خلاف۔ مگر جنیدؒ کا اشارہ محققین کی توبہ کی طرف ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دائمی ذکر کے غلبہ کی وجہ سے اپنے گناہوں کو یاد نہیں کرتے۔ پھر فرمایا۔ کہ یہ جواب اسی قسم کا ہے جس قسم کا رُویمؒ نے دیا تھا۔ جب ان سے توبہ کی نسبت پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ توبہ سے تائب ہونے کا نام توبہ ہے۔

ذوالنون مصریؒ سے توبہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا۔ عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے۔

نوریؒ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا ہر چیز سے توبہ کر لے۔

میں نے محمد بن احمد بن محمد صوفی سے سُنا۔ انہوں نے کہا۔ میں نے عبداللہ بن علی تمیمی کو یوں فرماتے سُنا۔ ان تین شخصوں کی توبہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک وہ جو اپنی لغزشوں سے توبہ کرتا ہے۔ دوسرے وہ جو غفلتوں سے توبہ کرتا ہے۔ اور تیسرے وہ جو اپنی نیکیوں کو دیکھنے سے توبہ کرتا ہے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں۔ کہ خلوص والی توبہ، توبہ کرنے والے پر معصیت کا کوئی نشان

باقی نہیں چھوڑتی۔ نہ باطن میں نہ ظاہر میں۔ اور جن کی توبہ خالص ہو۔ اسے اس بات کی پروا

نہیں ہوتی۔ کہ صبح کیسے گذاری اور شام کیسے۔

میں نے ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے محمد بن ابراہیم بن فضل ہاشمی سے

کہ انہوں نے کہا کہ محمد بن رومی فرماتے تھے۔ میں نے یحییٰ بن معاذ کو یوں فرماتے سنا۔

خدایا میں یہ نہیں کہتا۔ کہ میں نے توبہ کی ہے۔ اور میں پھر ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ

اپنے اخلاق کو جانتا ہوں۔ میں گناہوں کو ترک کرنے کی ضمانت نہیں دیتا۔ اس لیے کہ مجھے ا

کمزوری معلوم ہے۔ میں پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ آئندہ ایسا گناہ نہ کروں گا۔ ہو سکتا ہے

میں دوبارہ ایسے گناہ سے پہلے مر جاؤں۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ گناہ سے باز آنے کے بغیر استغفار کرنا کذاب لوگوں کی تو

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، فرماتے تھے کہ نصر آبادی کو کہتے ہوئے سنا کہ ابن ع

سے ایک شخص نے سوال کیا۔ کہ کوئی انسان اللہ کی طرف نکل آئے۔ تو کن اصولوں پر کار

فرمایا۔ اس اصول پر کہ جس گناہ سے وہ ایک بار نکل کر گیا ہے۔ دوبارہ اس کی طر

نہ لوٹے گا۔ اور جس کی طرف نکل کر گیا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی پرواہ بھی نہیں کر

اور جس چیز سے وہ بیزار ہوا۔ اس کی طرف اشارہ کرنے سے اپنے باطن کو محفوظ

اس پر کسی نے عرض کیا۔ حضور یہ تو اس شخص کا حکم ہے۔ جو کسی وجودی چیز

نکل کر جائے لیکن اگر کوئی عدم سے نکل کر آئے۔ تو فرمایا۔ ماضی میں گناہ کی کڑوا ہٹ

پانے کے بدلے نئی چیز یعنی توبہ میں حلاوت پانا۔

بوشنجی سے کسی نے توبہ کی نسبت سوال کیا۔ تو فرمایا۔ جب تو گناہ کا ذکر کرے۔

اس کے ذکر سے اس کی مٹھاس محسوس نہ ہو۔ تو یہی توبہ ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے تمہار

لئے اس قدر تنگ معلوم ہو۔ کہ تجھے قرار حاصل نہ ہو۔ بلکہ تمہارا نفس بھی تمہارے لیے

ہو جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا

"ان کے نفس بھی ان کے لیے تنگ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا۔ کہ اللہ سے بھاگ کر اللہ کے سوا کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ تاکہ وہ لوٹ آئیں"۔

ابن عطا فرماتے ہیں۔ توبہ دو طرح کی ہے۔ ایک توبہ الانابہ' اور دوسری توبہ الاستجابہ' توبہ الانابہ یہ ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی سزا کے خوف سے توبہ کرے۔ اور توبہ الاستجابہ یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کی بخشش سے حیاء کے مارے توبہ کرے۔

کسی نے ابو حفصؒ سے کہا۔ کہ توبہ کرنے والا دنیا سے کیوں بغض رکھتا ہے؟

جواب دیا۔ اس لیے کہ دنیا وہ گھر ہے۔ جس میں اس نے گناہ کیا ہے۔ سائل نے پھر پوچھا دنیا تو وہ گھر ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ سے نوازا ہے۔

تو فرمایا اُسے اپنے کرنے کا تو حتمی طور پر علم ہے۔ مگر قبول توبہ کے متعلق اسے کھٹکا ہے واسطی کہتے ہیں۔ داؤد علیہ السلام کے طرب یعنی سرور اور اطاعت گذاری کی حلاوت نے انہیں ایسا کر دیا۔ کہ وہ لمبے لمبے سانس بھرتے تھے۔ اور وہ دوسری حالت یعنی غم کی حالت میں جبکہ انہوں نے اپنی حالت کو چھپا کر رکھا تھا۔ زیادہ مکمل تھے۔

کسی صوفی کا قول ہے۔ کہ کذابین کی توبہ ان کی زبان کی نوک پر ہوتی ہے۔ ان کی مراد استغفر اللہ کہنے سے ہے (یعنی وہ زبان سے توبہ یا استغفار کہتے رہتے ہیں۔ مگر دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا)

کسی نے ابو حفصؒ سے توبہ کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ توبہ میں بندہ کا کچھ دخل نہیں کیونکہ توبہ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ نہ کہ بندہ کی طرف۔

کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ "اے آدم! تیری اولاد تھکنے اور چُور ہونے کی وارث ہوئی۔ اور تو نے انہیں توبہ کا وارث بنا دیا۔ لہٰذا جو شخص مجھے اس طرح پکارے گا جس طرح تو نے پکارا ہے میں اس کی پکار کا اسی طرح جواب دوں گا۔ جس طرح میں نے تجھے دیا ہے۔ اے آدم! جب میں قبروں میں سے توبہ کرنے والوں کو اٹھاؤں گا۔ تو وہ مجھ سے خوش ہوں گے۔ اور ہنس رہے ہوں گے۔ ان کی دُعا قبول کی گئی ہے۔

ایک شخص نے رابعہ سے کہا۔ میں نے بہت سے گناہ اور معاصی کئے ہیں۔ اب اگر توبہ کروں۔ تو کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا۔؟

فرمایا۔ یہ معاملہ یوں نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تجھے معاف کرے گا تب ہی تو توبہ کرے گا۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ۔

" بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور پاکی حاصل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے"

جس سے کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے۔ اسے اپنی غلطی کا یقین ہوتا ہے۔ اور جب توبہ کرتا ہے تو توبہ کی مقبولیت کا شک رہتا ہے۔ بالخصوص جب کہ توبہ کے مقبول ہونے کی شرط اور حق یہ ہے کہ تائب اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق ہو۔ اور یہ بات بہت ہی مستبعد ہے کہ عاصی ایسے مقام پر پہنچ جائے۔ کہ وہ اپنے اوصاف میں ایسے علامات پائے۔ جن سے معلوم ہو کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔ لہٰذا بندہ جب کسی ایسی بات کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ تو اس کے لئے یہی واجب ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے سامنے انکساری کرے۔ اور اپنے گناہ سے بیزاری کا اظہار اور استغفار کرتا رہے۔ چنانچہ صوفیاء کا قول ہے۔ استشعار الوجل الی الاجل۔ "خوف کا احساس موت تک رہنا چاہیے"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔

اے نبیؐ! انہیں فرما دیجئے۔ کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے۔ تو میری تابعداری کرو اللہ تم سے محبت کریگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ہمیشہ استغفار کرتے رہتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً۔

(میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے۔ تو میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ میں نے ابو عبد اللہ صوفی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ الحسین بن علی[۲۴۴] نے ان سے کہا۔ کہ محمد بن احمد[۲۴۵] نے ان سے کہا۔ کہ عبد اللہ بن سہل[۲۴۶] نے بتایا۔ کہ یحییٰ بن معاذ فرما رہے تھے۔ کہ توبہ کے بعد کی ایک لغزش توبہ سے پہلے کی ستر لغزشوں سے بدتر ہے۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں نے ابو عبد اللہ الرازی سے سنا کہ میں نے ابو عثمان سے سنا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کہ۔ اِنَّ اِلَیْنَا اِیَابَہُمْ کی یوں تشریح فرمائی۔

خواہ یہ لوگ اللہ کی مخالفت میں کس قدر دُور کیوں نہ چلے جائیں۔ انہیں بالآخر ہماری طرف لوٹنا ہے۔"

علی بن عیسیٰ کا وزارت سے استعفیٰ | میں نے شیخ ابو عبداللہ بن سلمی سے سنا انہوں نے کہا۔ کہ میں نے ابو بکر الرازی سے سنا

انہوں نے کہا۔ ابو عمر الانماطی فرماتے تھے۔ ایک بار علی بن عیسیٰ وزیر کی سواری بڑی دھوم دھام سے نکلی۔ غیر ملکی لوگ پوچھنے لگے۔ کہ یہ کون ہے؟ ایک عورت راستہ میں کھڑی تھی۔ کہنے لگی تم کبتک پوچھتے جاؤگے۔ یہ کون ہے! اور پھر خود ہی کہا۔ ایک ایسا بندہ ہے۔ جو اللہ کی نگاہ میں گر چکا ہے اسی لئے تو اللہ نے اسے اس معصیت میں گرفتار کر رکھا ہے۔ جیسے تم دیکھ رہے ہو۔ یہ بات علی بن عیسیٰ نے سُن لی۔ گھر لوٹ کر وزارت سے استعفا دے دیا۔ اور مکہ چلا گیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔

باب ۲

مجاھدہ[۲۰۷]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ (جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی۔ ہم انہیں اپنی راہ ضرور دکھائیں گے اللہ ضرور نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔) ابو الحسین علی بن احمد الاہوازی نے احمد بن عبید اللہ الصفار سے نقل کیا۔ کہ عباس[۲۰۸] بن فضل اسقاطی نے کہا۔ کہ ابن کاسب[۲۰۹] نے بیان کیا۔ کہ ابن عیینہ[۲۱۰] نے علی بن زید[۲۱۱] سے روایت کی کہ ان سے ابو نضرہ[۲۱۲] نے کہا کہ ابو سعید خدری[۲۱۳] نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل جہاد کون سا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔ (ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا۔) اس پر ابو سعید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سُنا کہ جس شخص نے اپنے ظاہر کو مجاہدہ کے ساتھ

مزین کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ ہیکساتھ مزین کر دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِینَ جَاھَدُوْا فِینَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ۔ (جنہوں نے ہمارے راستہ میں کوشش کی۔ ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھا دیں گے۔) یاد رکھیں۔ کہ جو شخص ابتدا میں مجاہدہ نہیں کرتا۔ وہ اس طریقہ میں سے شمہ بھر بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سُنا۔ انہوں نے ابو عثمان مغربیؒ کو یوں فرماتے سُنا۔ جس شخص نے خیال کیا کہ مجاہدہ کے بغیر ہی طریقت کے کچھ اسرار اس پر کھل جائیں گے۔ یا کچھ امور اس پر واضح ہو جائیں گے۔ تو وہ سراسر غلطی پر ہے۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ جو شخص ابتدا میں ربارگاہ رب العزۃ) میں کھڑا نہیں رہا۔ وہ آخر میں بیٹھنے کا حقدار بھی نہیں ہو سکتا۔

میں نے انہیں یوں بھی فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ اسی لئے ظاہری حرکتیں باطنی برکت کا سبب بنتی ہیں۔

میں نے محمد الحسین سے سنا۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ ان سے احمد بن علی بن جعفر نے کہا۔ کہ حسین بن غلویہ نے کہا۔ کہ ابو یزید فرماتے ہیں۔ کہ:۔

میں بارہ سال تک اپنے نفس کا لوہار رہا اور پانچ سال تک اپنے دل کا آئینہ رہا۔ اور ایک سال میں ان دونوں کے درمیان دیکھتا رہا۔ دیکھا کہ میری کمر پر تو ظاہری زنار ہے اس میں نے بارہ سال اس زنار کو کاٹنے میں لگائے۔ میں نے پھر دیکھا۔ تو میرے باطن میں زنار تھا جس کے کاٹنے کے لئے میں پانچ سال عمل کرتا رہا۔ میں دیکھتا کہ اسے کیسے کاٹوں۔ بالآخر معاملہ واضح ہو گیا۔ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا۔ تو انہیں مردہ پایا۔ لہٰذا میں نے مخلوق پر در جنازہ کی چار تکبیریں کہیں (یعنی مخلوق کو خیر باد کہا)

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ انہوں نے کہا۔ میں نے ابو العباس بغدادی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ جعفر نے ان سے کہا۔ میں نے جنیدؒ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے سری کو یوں فرماتے سنا۔

جوانو! میری عمر کو پہنچنے سے پہلے کوشش کرلو۔ ورنہ تم بھی اسی طرح کمزور ہو جاؤ گے۔ اور کوتاہی کرنے لگ جاؤ گے۔ جس طرح میں کمزور ہو چکا ہوں۔ اور کوتاہی کرنے لگ گیا ہوں۔

حالانکہ اس وقت بھی کوئی جوان عبادت میں ان تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور میں نے ان سے سنا فرماتے تھے کہ ابوبکر رازی نے کہا۔ کہ عبدالعزیز البحرانی نے کہا کہ میں نے حسن قزاز کو یوں فرماتے سنا۔

تصوف کی بنیاد تین باتوں پر ہے۔

(۱) صرف فاقہ کے وقت کھانا۔ اور صرف نیند کے غلبہ کے وقت سونا (۳) اور ضرورت کے بغیر کلام نہ کرنا۔

میں نے انہی سے سنا۔ کہتے تھے۔ منصور بن عبداللہ نے کہا۔ کہ ان کو محمد بن حامد نے کہا، کہ احمد بن خضرویہ نے بیان کیا۔ کہ میں نے ابراہیم بن ادہم کو یوں فرماتے سنا۔

کوئی شخص اس وقت تک صالحین کا درجہ پا نہیں سکتا۔ جب تک چھ گھاٹیاں طے نہ کر لے۔ پہلی گھاٹی یہ ہے۔ کہ وہ ناز و نعمت کا دروازہ بند کردے۔ اور سختی کا دروازہ کھول دے۔

(۲)۔ عزت کا دروازہ بند کردے اور ذلت کا دروازہ کھول دے۔

(۳)۔ آرام و راحت کا دروازہ بند کردے اور کوشش کا دروازہ کھول دے۔

(۴)۔ نیند کا دروازہ بند کردے اور بیداری کا دروازہ کھول دے

(۵)۔ مالداری کا دروازہ بند کردے۔ اور فقر کا دروازہ کھول دے۔

(۶)۔ امید کا دروازہ بند کردے۔ اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول دے۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے اپنے دادا ابو عمرو بن نجید کو فرماتے سنا۔ کہ جس نے اپنے نفس کی عزت کی۔ اس کے نزدیک دین ایک معمولی بات ہے۔

انہی سے میں نے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے منصور بن عبداللہ کو فرماتے سنا۔ انہوں نے ابوعلی رودباری کو کہتے سنا۔ جب کوئی صوفی صرف پانچ دن گذرنے پر کہے۔ کہ

بھوکا ہوں۔ تو اسے کہہ دو کہ بازار میں جاکر روزی کمائے۔ اور تصوّف کا نام لینا چھوڑ دے۔
یاد رکھیں کہ مجاہدہ کی حقیقت اور اس کا تمام تر دار و مدار اس بات پر ہے
کہ انسان اپنے نفس کو ان تمام اُمور سے چھڑا دے۔ جن کا وہ عادی ہو چکا ہے۔ اور
اسے بالعموم اپنی خواہش کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرے۔ دو باتیں نفس کو نیک کام کرنے
سے روکتی ہیں۔ (۱) خواہشات میں منہمک ہونا۔ (۲) اور اطاعت گذاری سے باز
رہنا۔ جب نفس سرکش ہوکر اپنی خواہش کے مطابق کام کرنا چاہے تو اس وقت تقویٰ کی
لگام ڈال کر اسے روکنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور دین کے موافق کاربند ہونے سے اکڑ
جائے۔ تو اسے اس کی خواہش کے خلاف چلانا چاہیئے۔ اور جب نفس غصہ سے مشتعل ہو جائے
تو اس وقت اس کی حالت کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ غصہ میں نفس کے ساتھ جنگ
کرنے میں اچھا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے اس سے ایسے حسن خلق سے پیش آنا چاہیئے۔ جو اس
کے غلبہ کو توڑ دے۔ اور نرمی کے ساتھ اس کی آگ کو بجھا دے۔ اور جب نفس رعونت کی
شراب کو جائز سمجھے۔ اور اس کی خوبیاں بیان کرنے سے نہ رُکے اور دیکھنے والوں کے
لئے خوبصورت بن کر پیش ہو تو اسے بھی توڑنا ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے لئے رعونت
کو اس طرح حلال قرار دیا جائے۔ جس میں ذلت پائی جائے۔ مثلاً یہ کہا جائے۔ کہ یہ
ایک حقیر و خسیس چیز ہے۔ اور یہ ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔

عوام کی کوشش اعمال کو پورے طور پر ادا کرنے میں ہوتی ہے۔ اور خواص کا ارادہ اپنی
حالت کو پاک و صاف کرنے کا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بھوک اور بیداری کو برداشت کر
لینا ایک آسان اور معمولی بات ہے۔ اور اخلاق کے ساتھ جنگ کرنا اور خسیس و حقیر اخلاق
سے پاک ہونا بہت مشکل امر ہے۔

نفس کی مشکل آفتیں نفس کی مشکل آفتوں میں سے ایک آفت یہ ہے کہ یہ
اپنی تعریف سُننے کو پسند کرے۔ جس نے ایک گھونٹ بھی اس
کا پی لیا۔ یوں سمجھ لیں کہ اس نے زمین اور آسمان کو ایک پلک پر اٹھا لیا۔ اس کی پہچان یہ ہے
کہ جب یہ شراب (یعنی اپنی تعریف کی شراب) نفس کو نہیں ملتی تو وہ نیک اعمال کرنے میں

ست پر جاتا ہے۔

حکایت ایک بزرگ اپنی مسجد میں کئی سال تک پہلی صف میں نماز پڑھتے رہے ایک دن کسی سبب سے وہ پہلی صف میں نہ پہنچ سکے۔ اور انہوں نے آخری ف میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد مدت تک وہ دکھائی نہ دیئے۔ لوگوں نے ان سے اس کا ب پوچھا۔ تو کہا۔ میں اتنے سال نماز پڑھتا رہا اور یہ خیال کرتا رہا۔ کہ میں خاص اللہ ے لئے نماز پڑھتا ہوں۔ مگر جس دن میں نے آخری صف میں نماز پڑھی۔ تو مجھے اس بات ے شرمندگی ہوئی۔ کہ لوگوں نے مجھے آخری صف میں دیکھا ہے۔ اس پر میں سمجھ گیا۔ کہ میں رہر عبادت میں جو چستی دکھاتا تھا۔ وہ ان لوگوں کے دکھانے کے لئے تھی اس پر میں نے ں نمازیں قضا کیں۔

ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے اتنے حج تجرید کے طور پر کئے۔ جن میں میں نے تھکان ر بھوک برداشت کی۔ بالآخر مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ ان تمام حجوں میں حظ نفس کی آمیزش تھی اور اس طرح کہ ایک بار میری والدہ نے مجھے پانی کا ایک مٹکا لانے کو کہا۔ مجھے اس کا بار ت محسوس ہوا۔ اس سے میں سمجھ گیا۔ کہ ان تمام حجوں میں میرے نفس نے جو میری موافقت ہے۔ اس میں نفس کا حظ اور اس کی آمیزش تھی۔ (اسی لئے اس نے موافقت کی۔ اور اگر ان ں حظ نفس نہ پایا جاتا ہو۔ تو نفس موافقت نہ کرتا۔) کیونکہ اگر میرا نفس فنا ہو چکا ہوتا تو شریعت ے اندر جو حق بات تھی۔ وہ اسے دشوار محسوس نہ ہوتی۔

ایک عورت کا قصہ ایک معمر عورت تھی۔ اس سے اس کی حالت کی نسبت پوچھا گیا۔ تو فرمانے لگی کہ جوانی کے عالم میں اپنے نفس میں چستی ر ایک حالت پاتی تھی۔ جس سے میں یہ سمجھتی تھی۔ کہ میری حالت قوی ہے۔ مگر اب جب بوڑھی ی ہوں تو یہ سب کچھ جاتا رہا۔ اس سے میں سمجھی۔ کہ وہ یہ حالت کی قوت نہ تھی۔ بلکہ یہ جوانی کی قوت تھی جسے میں نے حالت سمجھ لیا تھا۔

میں نے ابو علی دقاق سے سنا کہ جس کسی شیخ نے بھی اس قصہ کو سنا۔ اسے اس بڑھیا پر رحم آیا۔

اور کہا۔ کہ بڑھیا منصف تھی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان سے سنا۔ کہتے تھے
یوسف بن الحسین فرماتے تھے۔ کہ میں نے ذوالنون مصری کو یوں فرماتے سنا۔
اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ کو اس قدر عزت عطا نہیں فرمائی۔ جس قدر کہ اس بندہ کو عطا کی
جسے اپنے نفس کے ذلیل ہونے کا پتہ چل گیا۔ اور نہ ہی اللہ نے کسی بندہ کو اس قدر ذلیل کیا
قدر کہ اس بندہ کو۔ جسے اللہ نے اس کے نفس کے ذلیل ہونے سے بے خبر چھوڑا۔

نیز انہی کو فرماتے سنا۔ کہ میں نے محمد بن عبداللہ رازی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے
کہ میں نے ابراہیم خواص کو یوں فرماتے سنا۔ مجھے جس کسی چیز کا ڈر ہوا۔ میں نے اُسے ضرور
لیزان سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے عبداللہ رازی کو اور انہوں نے محمد بن الفضل
کو یہ کہتے سنا۔
نفس کی آرزوؤں سے نجات کا نام راحت ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں منصور بن عبداللہ سے س
انہوں نے کہا۔ کہ ابو علی رودباری فرماتے تھے۔
تین چیزوں سے مخلوق پر آفت آتی ہے۔ (۱) طبیعت کی بیماری سے (۲) عادت
قائم رہنے سے۔ (۳) فسادِ صحبت سے۔
میں نے سوال کیا۔ کہ طبیعت کی بیماری کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ حرام کا مال کھانا
میں نے عرض کیا۔ عادت پر قائم رہنے سے کیا مراد ہے؟
فرمایا۔ حرام کی طرف دیکھنا۔ حرام سننا اور غیبت کرنا۔
میں نے عرض کیا۔ فسادِ صحبت کیا ہے۔
فرمایا۔ یہ کہ جب کبھی نفس میں کوئی خواہش جوش مارے تو تو اس کے پیچھے ہولے۔
میں نے انہی کو فرماتے سُنا کہ نصر آبادی فرماتے تھے۔ تمہارا نفس ہی تمہارا قید خا
ہے۔ جب تو اس سے نکل آیا۔ تو تُو نے ابدی راحت حاصل کر لی۔
میں نے ان کو کہتے سُنا۔ فرماتے تھے۔ کہ محمد الفراء نے کہا۔ میں نے ابوالحسین وراق کو یوں کہ

ابو عثمان حیری رح کی مسجد میں شروع شروع میں ہمارے لئے سب سے بڑا حکم یہ تھا۔ کہ ہم دوسروں کو اپنے اوپر ان چیزوں میں ترجیح دیں۔ جو فتوح کے طور پر ہمیں دی جائیں۔ نیز یہ کہ ہم کسی معلوم چیز پر رات نہ گذاریں۔ اور جو شخص ہم سے برا برتاؤ کرے۔ ہم اپنی ذات کے لئے اس سے بدلہ نہ لیں۔ بلکہ ہم معذرت چاہیں۔ اور اس کے سامنے تواضع کریں۔ اور جب ہمارے دلوں میں کسی کے متعلق حقارت پیدا ہو جائے تو ہم اس کی خدمت کریں۔ اور اس سے نیک برتاؤ کریں۔ یہاں تک کہ وہ حقارت دل سے زائل ہو جائے۔

ابو حفص رح فرماتے ہیں۔ نفس ہمہ تن تاریکی ہے۔ اس کا سِر اس کا چراغ ہے۔ اور توفیق خداوندی اس سراج کا نور ہے۔ اور جس کے سِر میں توفیق خداوندی ساتھ نہ دے۔ وہ ہمہ تن ظلمت ہے۔

استاد ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں۔ ان کا یہ فرمانا " اس کا سِر اس کا چراغ ہے " اس سے ان کی مراد وہ سِر ہے۔ جو بندے اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اور وہی اس کے خلوص کا محل ہے۔ اس کے ذریعہ سے بندہ یہ پہچانتا ہے۔ کہ تمام حادثات اللہ کے ساتھ ہیں اس کے نفس کے ساتھ نہیں۔ اور نہ ہی اس کے نفس کی طرف سے ہیں۔ تاکہ وہ ہر وقت اپنی قوت طاقت سے بیزار رہے۔ مزید براں جب توفیق خداوندی اس کے ساتھ ہوگی۔ تو وہ اپنے نفس کے شر سے بچ سکے گا۔ کیونکہ جسے توفیق خداوندی حاصل نہ ہو۔ اسے ان کا وہ علم جو اپنے نفس اور اپنے رب کے متعلق ہے مفید نہ ہوگا۔ اسی لئے تو شیوخ نے فرمایا۔ جس کے پاس "سِر" نہیں وہ مصر ہے۔

ابو عثمان حیری رح فرماتے ہیں جو شخص اپنے نفس کی کسی چیز کو بھی اچھا جانتا ہو۔ وہ اپنے نفس کے عیب نہیں دیکھ سکتا اپنے نفس کے عیب وہی دیکھ سکتا ہے جو ہر حالت میں اسے متہم جانتا ہو۔

ابو حفص فرماتے ہیں۔ جو شخص اپنے عیبوں کو نہیں پہچانتا وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے وہ نفس کہ معاصی کفر کی راہ دکھاتے ہیں۔

ابو سلیمان فرماتے ہیں میں نے اپنی کسی چیز کو اچھا نہیں سمجھا چہ جائیکہ اسے کار ثواب سمجھوں۔

سِری رح فرماتے ہیں۔ مالداروں کے پڑوسیوں، بازار میں قرآن پڑھنے والوں اور حکام کے علماء سے بچو۔

ذوالنون فرماتے ہیں. مخلوق میں چھ چیزوں سے فساد پیدا ہوا۔ (۱) انسانوں کی آخرت کے عمل میں نیت کی کمزوری سے (۲) ان کے بدن خواہشات کے تابع ہیں۔ (۳) موت قریب ہونے کے باوجود بڑی بڑی امیدیں لگائے رہتے ہیں۔ (۴) یہ لوگ اللہ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۵) اپنی خواہشوں کی تابعداری کرتے ہیں، اور سنت نبوی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ (۶) اسلاف کی معمولی لغزش کو اپنے لئے حجت سمجھ لیتے ہیں۔ اور ان کے بیشتر نیک کاموں کو چھپاتے ہیں۔

باب ۲۳

خلوت اور مخلوق سے علیحدگی [۱۶۴]

مجھے ابوالحسن علی بن احمد بن عبدان نے کہا، ان سے احمد بن عبید البصری نے کہا، ان سے محمد العوبری[۴۲] بن معاذ نے کہا ان سے قعنبی[۱۸] نے کہا کہ ان سے عبدالعزیز[۹] بن ابی حازم اپنے باپ سے اور انہوں نے بعجۃ بن عبداللہ بن بدر الجہنی[۲۰] سے اور انہوں نے ابوہریرۃ[۱۳] رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام لوگوں میں سے بہترین زندگی اس شخص کی ہے۔ جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہو۔ اور جونہی اسے کوئی کھنکھناہٹ یا آہٹ سنائی دے۔ وہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے۔ اور ان جگہوں میں جائے۔ جہاں موت یا قتل کا خدشہ ہو۔ یا بہترین وہ شخص ہے۔ جو اپنی چند بکریاں لئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہو۔ یا کسی وادی میں رہتا ہو۔ اور وہاں نماز ادا کرتا ہو۔ زکوٰۃ دیتا ہو۔ اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتا ہے وہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں نیکی ہی نیکی میں رہے۔

استاذ فرماتے ہیں۔ خلوت اہل صفا کی صفت ہے۔ اور گوشہ نشینی اللہ کے ساتھ وصال کی علامت ہے۔ مرید کے لئے ابتداء میں اپنے ہم جنسوں سے علیحدہ رہنا بہت ضروری ہے

پھر آخر میں خلوت ضروری ہے۔ تاکہ اسے اللہ کے ساتھ انس حاصل ہو۔ جب کوئی بندہ گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا حق یہی ہے کہ اس کا عقیدہ یہ ہو۔ کہ لوگوں سے الگ رہنے سے لوگ اس کے شر سے بچے ہوئے ہیں۔ گوشہ نشینی سے اس کا یہ مقصد نہ ہو۔ کہ وہ خود لوگوں کے شر سے بچا رہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یہ نتیجہ نکلے گا۔ کہ وہ اپنے نفس کو حقیر جانے گا۔ اور دوسری صورت میں یہ ثبوت پایا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور جس نے اپنے نفس کو حقیر جانا۔ وہ شخص متواضع ہے۔ اور جس نے اپنے آپ کو کسی شخص پر فائق سمجھا۔ وہ متکبر ہے۔

حکایت کسی نے ایک راہب کو دیکھا۔ اور پوچھا۔ کیا آپ راہب ہیں۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں میں تو کتے کا پاسبان ہوں۔ میرا نفس کتا ہے جو لوگوں کو کاٹتا ہے۔ لہٰذا میں نے اُسے لوگوں میں سے نکال لیا ہے۔ تاکہ وہ اس سے بچے رہیں۔

حکایت ایک شخص ایک نیک آدمی کے پاس سے گذرا۔ اس بزرگ نے اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیا۔ اس شخص نے کہا۔ میرے کپڑے نجس تو نہیں کیا آپ نے اپنے کپڑوں کو کیوں سمیٹا؟ اس بزرگ نے کہا۔ آپ کو وہم ہوا ہے میرے اپنے کپڑے نجس ہیں۔ میں نے اپنے کپڑوں کو اس لئے سمیٹا۔ کہ آپ کے کپڑے پلید نہ ہو جائیں۔ اس لئے نہیں۔ کہ میرے کپڑے پلید نہ ہو جائیں۔

آداب عزلت گوشہ نشینی کے آداب میں سے ہے کہ انسان اسقدر علوم حاصل کرے۔ جس سے وہ اپنے عقیدہ توحید کو درست کر سکے تاکہ شیطان اسے وساوس میں ڈال کر بہکا نہ سکے۔ اس کے بعد اس قدر شرعی علوم حاصل کرے۔ جن سے وہ اپنے فرائض ادا کر سکے۔ تاکہ اس طرح اس کے تصوف کی بنیاد مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکے۔

عزلت درحقیقت بری خصلتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے۔ لہٰذا عزلت کی تاثیر کی غرض و غایت اپنی صفات کو تبدیل کرنا ہے۔ اپنے وطن سے دوری مقصود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی نے پوچھا۔ کہ عارف کون ہے۔ تو جواب ملا "کائن بائن" مقصد یہ ہے۔ کہ وہ بے جو

مخلوق کے ساتھ ہے۔ مگر اپنے باطن کے اعتبار سے اس سے جدا ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو یوں فرماتے سنا۔ جو لباس لوگ پہنتے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ وہی پہن، اور جو کچھ وہ کھاتے ہیں تو بھی کھا۔ مگر اپنے باطن کے اعتبار سے ان سے الگ رہ۔

انہی کو میں نے یوں فرماتے سنا۔ ایک شخص میرے پاس آیا، اور کہا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ اس کے جواب میں میں نے کہا۔ تصوف کا دار و مدار مسافت طے کرنے پر نہیں اور نہ تکلیف برداشت کرنے پر ہے۔ اپنے نفس سے صرف ایک قدم بھر الگ ہو جا۔ تمہیں تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ تو میں نے عرض کیا۔ یا اللہ میں تجھے کیسے پاؤں؟ فرمایا۔ اپنے نفس سے جدا ہو کر چلے آؤ۔

میں نے ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا۔ کہ انہوں نے ابو عثمان مغربی کو فرماتے سنا۔ جس نے لوگوں کی صحبت کو چھوڑ کر خلوت اختیار کی۔ اسے چاہیے۔ کہ وہ اپنے رب کے ذکر کے سوا تمام چیزوں کے ذکر سے علیحدگی اختیار کرے۔ اور سوائے اپنے رب کی رضا کے ہر قسم کے ارادوں سے علیحدہ رہے۔ نیز یہ کہ اگر نفس کسی قسم کے اسباب کا بھی مطالبہ کرے۔ تو یہ اس سے بھی علیحدہ ہو۔ اگر اس میں یہ صفات نہ پائی جائیں۔ تو اس کی خلوت اسے آزمائش اور مصیبت میں ڈال دے گی۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ خلوت میں تنہائی تمام اسباب سکون کی جامع ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ غور سے دیکھو آیا تمہیں خلوت کے ساتھ انس ہے یا خلوت میں اللہ کے ساتھ انس ہے۔ اگر تمہیں خلوت کے ساتھ انس ہے تو جب تم خلوت سے نکل آؤ گے۔ تمہارا انس جاتا رہے گا۔ اور اگر خلوت میں تمہیں اللہ کے ساتھ انس ہو گا۔ تو خواہ صحرا ہو۔ خواہ جنگل، تمہارے لیے تمام جگہیں یکساں ہوں گی۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے منصور بن عبد اللہ سے سنا: انہوں نے کہا کہ محمد بن حامد فرماتے تھے۔ ایک شخص ابو بکر وراق کی زیارت کو آیا۔ جب

یارت کر کے واپس جانے لگا۔ تو گذارش کی۔ حضرت!
مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا۔ میں نے دنیا و آخرت کی بھلائی خلوت اور قلت میں
پائی ہے۔ اور دنیا و آخرت کی برائی کثرت اور لوگوں سے میل جول میں۔
اور میں نے ان سے سنا کہتے تھے۔ کہ منصور بن عبداللہ فرماتے تھے کہ کسی نے جریریؒ
سے گوشہ نشینی کی نسبت سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ گوشہ نشینی یہ ہے کہ تو لوگوں کے ہجوم
میں داخل ہو جائے۔ مگر اپنے باطن کو لوگوں کی مزاحمت سے محفوظ رکھے۔ اپنے نفس کو گناہوں
سے علیحدہ رکھے۔ اور تمہارے باطن کا تعلق حق کے ساتھ رہے۔
بعض کہتے ہیں۔ جس نے گوشہ نشینی کو پسند کیا۔ اس نے حق کو پا لیا۔
سہلؒ فرماتے ہیں "خلوت" اس وقت صحیح ہو سکتی ہے۔ جب کہ حلال روزی کھائی
جائے۔ اور اللہ کے حقوق ادا کیے بغیر کوئی شخص رزق حلال کھا نہیں سکتا۔
ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ میں نے کوئی چیز خلوت سے بڑھ کر اخلاص پر اکسانے والی
نہیں دیکھی۔
ابو عبداللہؒ رملی فرماتے ہیں۔ خلوت تمہاری دوست، بھوک تمہارا کھانا، اور مناجات
تمہاری گفتگو ہونی چاہیے (جس کا نتیجہ یہ ہوگا) یا تو مر جائے گا یا اللہ تک پہنچ جائے گا۔
ذوالنونؒ فرماتے ہیں وہ شخص جو خلوت میں جا کر مخلوق سے چھپا رہا۔ وہ اس شخص
کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو اللہ کے ساتھ ہو کر مخلوق سے چھپا رہا۔
میں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں نے ابو بکر رازی سے سنا۔
انہوں نے کہا کہ جعفر بن نصیر فرماتے تھے۔ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا۔ گوشہ نشینی کی تکلیف برداشت
کرنا، لوگوں سے میل جول اور مدارات کرنے سے زیادہ آسان ہے۔
مکحولؒ فرماتے ہیں۔ اگر لوگوں سے میل جول رکھنے میں کوئی بھلائی ہے تو گوشہ نشینی میں شر
سے سلامتی ہے۔
یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں۔ تنہائی صدیقین کی ہم نشین ہے۔ میں نے شیخ ابو علیؒ دقاق کو فرماتے
سنا۔ انہوں نے شبلیؒ کو یوں فرماتے سنا۔

لوگو! اخلاص سے بچو!

کسی نے پوچھا: اخلاص کی کیا نشانی ہے؟

فرمایا۔ اخلاص کی علامت یہ ہے۔ کہ لوگوں سے اُنس محسوس ہو۔

یحییٰ بن ابی کثیر [۴۲۳] فرماتے ہیں، جو لوگوں سے میل جول رکھے گا وہ اُن سے مدارات کرے گا۔ اور جو مدارات کرے گا۔ وہ ریاکاری کرے گا

سعید [۴۲۴] بن حرب فرماتے ہیں۔ کہ میں کوفہ میں مالک بن مسعود [۴۲۵] کے پاس گیا۔ وہ اپنے گھر میں اکیلے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ کیا تنہائی میں آپ وحشت محسوس نہیں کرتے؟

فرمایا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کوئی شخص اللہ کی صحبت میں وحشت محسوس کر سکتا ہے

میں نے ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہتے تھے۔ ابو بکر رازی نے کہا۔ کہ ابو عمرو انماطی فرماتے تھے۔ میں نے جنید کو فرماتے سنا۔

جو شخص اپنے دین کو سلامت رکھنا چاہے۔ اور اپنے بدن اور دل کو راحت دینا چاہے وہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لے۔ کیونکہ یہ وحشت کا زمانہ ہے۔ اور عقلمند وہی ہے، جو اس زمانے میں تنہائی اختیار کرے۔

میں نے انہی کو فرماتے سُنا۔ کہ انہوں نے ابو بکر رازی کو فرماتے سنا۔ کہ ابو یعقوب سوسی فرماتے تھے۔ دنیا سے علیحدگی کی طاقت صرف قوی لوگوں کو ہے۔ اور ہم جیسے لوگوں کے لئے تو لوگوں سے مل جل کر رہنا ہی مفید ہے۔ کیونکہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں

میں نے ان سے سنا۔ کہتے تھے۔ ابو عثمان سعید [۴۲۶] بن ابی سعید کہتے تھے کہ ابو العباس الدامغانی فرماتے تھے۔ کہ مجھے شبلی نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ تنہائی اختیار کرو۔ اور اپنا نام لوگوں کے زمرے سے مٹا دو۔ اور دیوار کی طرف منہ کئے رکھو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے۔

ایک شخص شعیب [۴۲۷] بن حرب کے پاس آیا۔ انہوں نے اس شخص سے دریافت کیا۔ کیسے آئے؟ اس نے عرض کیا۔ آپ کی صحبت میں رہنے کی غرض سے اس پر شعیب نے جواب دیا۔ بھائی! عبادت شرکت نہیں چاہتی۔ جسے اللہ کے ساتھ انس حاصل ہو۔ اسے کسی چیز کے ساتھ انس حاصل

نہیں ہو سکتا۔

حکایت ہے کہ کسی صوفی سے دریافت کیا گیا، تمہیں سیاحت کے دوران میں کونسی عجیب ترین چیز ملی۔ اس نے جواب دیا۔ مجھے خضر ملے۔ اور انہوں نے میری صحبت میں رہنے کی مجھ سے درخواست کی۔ اس سے مجھے یہ خطرہ لاحق ہو گیا۔ کہیں یہ میرے توکل کو خراب نہ کر دے

کسی صوفی سے پوچھا گیا، کیا آپ کو یہاں کسی سے اُنس ہے؟ انہوں نے جواب دیا "ہاں" اور اپنا ہاتھ قرآن مجید کی طرف بڑھایا، اور اپنی گود میں رکھ کر کہا "مجھے اس سے اُنس ہے"

اسی مفہوم کا ایک شعر ہے۔

وَكُتُبُكَ حولي لا تُفَارِقُ مَضْجَعِي ‏ وَفِيهَا شِفَاءٌ لِلَّذِي أَنَا كَاتِمٌ

"اے محبوب تمہارے خطوط ہمیشہ میرے ارد گرد میرے بستر پر پڑے رہتے ہیں۔ اور ان خطوط میں مجھے (اس عشق کی بیماری) سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ جسے میں چھپائے ہوئے ہوں"

ایک شخص نے ذوالنون مصریؒ سے دریافت کیا۔ میرے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنا کب درست ہو گا؟ فرمایا: جب تجھے اپنے نفس سے علیحدگی کی طاقت ہو۔

ابن المبارک سے دریافت کیا گیا۔ کہ دل کا کیا علاج ہے؟ فرمایا۔ لوگوں سے کم ملنا۔

کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو معصیت کی ذلت سے نکال کر اطاعت گذاری کی عزت کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ تو اسے تنہائی سے مانوس کر دیتا ہے۔ اور قناعت کے ساتھ مستغنی بنا دیتا ہے اور اسے اس کے نفس کے عیوب کو دکھا دیتا ہے۔ جسے یہ چیزیں حاصل ہو گئیں، اُسے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہو گئی۔

باب ۴

تقویٰ (۴۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ "اللہ کے یہاں تم میں سب سے زیادہ ذی عزت وہ شخص ہوگا جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا"

ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان نے بتایا۔ کہ احمد بن عبید الصفار نے کہا کہ محمد بن الفضل جابر نے کہا۔ کہ ہم سے ابن عبد الاعلیٰ[۴۳۰] القرشی نے کہا۔ کہ یعقوب[۴۳۱] القمی نے لیث[۴۳۲] سے اور انہوں نے مجاہد[۴۳۳] سے روایت کی۔ کہ ابو سعید الخدریؓ نے فرمایا۔

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ اے اللہ کے نبی! نصیحت کیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کے عذاب سے بچتے رہو۔ کیونکہ میں تمام نیکیاں شامل ہیں۔ اور جہاد اختیار کرو۔ کیونکہ مسلمان کی رہبانیت یہی ہے۔ اللہ کا ذکر کیا کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے لئے نور ہے۔

علی بن احمد بن عبدان نے بتایا۔ کہ احمد بن عبید نے بیان کیا۔ کہ عباس بن فضل سقاطی نے کہا کہ احمد بن یونس نے کہا۔ کہ ان سے ابو ہرمز[۴۳۵] نافع بن ہرمز نے بتایا کہ انس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا آل محمد کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا۔ ہر متقی

لہٰذا تقویٰ تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے۔ اتقاء کے اصلی معنی اللہ کی اطاعت کے ذریعہ اس کے عذاب سے بچنا ہے۔ چنانچہ عربی زبان کا محاورہ ہے۔ اِتَّقٰی فُلَانٌ بِتُرْسِہٖ۔ فلاں نے اپنی ڈھال سے اپنا بچاؤ کیا۔

اصل تقویٰ شرک سے بچنا ہے۔ اس کے بعد معصیت اور برائیوں سے بچنے کا درجہ ہے۔ پھر شبہات سے بچنے کا، پھر یہ کہ تو فضول باتوں کو ترک کر دے۔ میں نے یہ بات استاد ابو علی دقاقؒ سے سنی تھی۔ ان سے میں نے یہ بھی سنا۔ تقویٰ کی ہر قسم کا الگ الگ باب ہے

اللہ تعالیٰ کے فرمان "اتقوا اللہ حق تقاتہ" "اللہ کے عذاب سے ایسا بچو۔ جیسا بچنے کا حق ہے۔" کی تفسیر میں آیا ہے۔ کہ اس کی معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ پھر نافرمانی نہ ہو۔ اسے اس طرح یاد کیا جائے کہ پھر نہ بھولے۔ اور اس کا ایسا شکریہ ادا کیا جائے کہ پھر ناشکر گذاری نہ ہو۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ احمد بن علی بن جعفر نے کہا کہ انہوں نے احمد بن عاصم سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کہ میں نے سہل بن عبداللہ کو یوں فرماتے سنا۔ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں اور رسول اللہ کے سوا کوئی رہنما بھی نہیں۔ اور تقویٰ کے سوا کوئی اور چیز زاد راہ نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی عمل نہیں کہلا سکتا۔ جب تک اس کی پابندی نہ کی جائے۔

اور ان سے سنا۔ کہتے تھے۔ کہ ابو بکر رازی کہتے تھے۔ کہ میں نے کتانی کو یوں فرماتے سنا۔ دنیا کی تقسیم آزمائش کے مطابق کی گئی ہے۔ اور آخرت کی تقویٰ کے مطابق۔

مجھے انہوں نے کہا کہ ابو بکر رازی کہتے تھے۔ کہ میں نے جریری کو یوں فرماتے سنا۔ جس شخص کے اور اللہ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ حاکم نہیں۔ وہ شخص کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

نصر آبادی فرماتے تھے۔ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر چیز سے بچے۔

سہل فرماتے تھے۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا تقویٰ درست ہو۔ اسے تمام گناہوں کو ترک کر دینا چاہئیے۔

نصر آبادی کا قول ہے۔ جو شخص تقویٰ پر ڈٹا رہا۔ وہ اس بات کا مشتاق ہو گا کہ دنیا کو چھوڑ دے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وللدار الآخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون" "آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کیلئے جو پرہیزگار ہیں بہتر ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟" کسی کا قول ہے۔ جو تقویٰ میں حقیقت کو پہنچ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لئے دنیا سے اعراض کرنا آسان کر دیتا ہے۔

ابو عبداللہ رودباری فرماتے ہیں۔ تقویٰ یہ ہے کہ تو ان تمام چیزوں سے اجتناب کرے۔ جو اللہ سے دور رکھیں۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں، پرہیزگار وہ ہے۔ جو اپنے ظاہر کو خلاف شرع باتوں سے
میلا نہ کرے۔ اور نہ اپنے باطن کو دل بہلاوے سے اور ہمیشہ اللہ کی رضا کے ساتھ موافقت
پر قائم رہے۔

میں نے محمدؒ بن الحسین سے سُنا۔ انہوں نے کہا۔ میں نے ابوالحسین الفارسی سے سُنا
فرماتے تھے۔ میں نے ابن عطا کو فرماتے ہوئے سُنا۔ تقویٰ کا ایک ظاہر ہے۔ اور ایک
باطن۔ اس کا ظاہر یہ ہے۔ کہ اللہ کے حدود کا لحاظ رکھا جائے۔ اور باطن نیت اور اخلاص ہے

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ زندگی تو وہی زندگی ہے۔ جو ایسے لوگوں کے ساتھ ہو۔ جن کے
دل تقویٰ کے مشتاق ہیں۔ اور ذکر الٰہی سے خوش ہیں۔ یہ دل روح یقین کے پاس اس طرح مطمئن
رہتے ہیں۔ جس طرح ایک دودھ پیتا بچہ گود میں سکون حاصل کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ انسان کے تقویٰ کا پتہ تین چیزوں سے چلتا ہے۔ (۱) جو چیز اسے
حاصل نہ ہو اس میں اچھی طرح سے توکل کرے۔ اور (۲) جو کچھ وہ حاصل کر چکا ہے۔ اس پر اچھی
طرح راضی رہے۔ اور (۳) جو چیز اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس پر خوشی سے صبر کرے

طلقؒ بن حبیبؒ فرماتے ہیں۔ اللہ کے عذاب کے ڈر سے اللہ کے نور کے مطابق اطاعت
خداوندی پر عمل کرنے کا نام تقویٰ ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سُنا۔ ان سے محمدؒ فراء نے کہا کہ ابو حفصؒ فرماتے تھے
خالص اور حلال محض کے ساتھ ہی تقویٰ قائم رہ سکتا ہے۔

میں نے ان سے سنا کہتے تھے کہ انہوں نے ابوبکر رازی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ میں نے
ابوالحسین زنجانی کو فرماتے سنا۔ جس شخص کا سرمایہ تقویٰ ہے۔ اس کے نفع کا بیان زبان سے نہیں
ادا ہو سکتا۔

واسطی فرماتے تھے۔ اپنے تقویٰ سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ انسان
اپنے تقویٰ کو دیکھنے سے بچے۔

متقی ہو۔ تو ابن سیرینؒ جیسا ہو۔ انہوں نے گھی کے چالیس مٹکے خریدے۔ ان کے غلام نے
کسی ایک مٹکے سے چوہا نکالا۔ ابن سیرین نے پوچھا۔ کس مٹکے سے چوہا نکالا تھا۔ اس نے جواب

دیا۔ مجھے معلوم نہیں۔ اس پر ابن سیرینؒ نے تمام کے تمام مٹکے انڈیل دئیے۔

باسٹھی ہو تو ابو یزید جیسا ہو۔ انہوں نے ہمدان میں حب القرطم خریدا۔ تو اس سے کچھ بچ گیا۔ جب بسطام لوٹ کر آئے۔ تو اس میں دو چیونٹیاں دیکھیں۔ آپ ہمدان واپس گئے اور اور دونوں چیونٹیوں کو چھوڑ آئے۔

حکایت کی جاتی ہے۔ کہ امام) ابو حنیفہ(۱۳۴) رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقروضوں کے درخت کے سایہ کے نیچے نہیں بیٹھا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ ہر وہ قرض جس سے فائدہ ہو۔ وہ فائدہ سود ہے۔

کہتے ہیں کہ ابو یزیدؒ نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جنگل میں کپڑا دھویا۔ ساتھی نے کہا۔ اس کپڑے کو انگور کی بیل کی دیوار پر لٹکا دو۔ فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم لوگوں کی دیوار میں میخ نہ گاڑیں گے۔ اس پر ساتھی نے کہا۔ اچھا درخت پر ہی لٹکا دو۔

فرمایا۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس طرح تو درخت کی ٹہنی ٹوٹ جائے گی۔

ساتھی نے پھر کہا۔ اچھا تو ہم اسے اذخر پر پھیلا دیتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ جانوروں کا چارا ہے۔ ہم اسے ان سے چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی قمیص پیٹھ پر ڈال کر سورج کی طرف کر دی۔ یہاں تک کہ ایک طرف سے سوکھ گیا۔ پھر قمیص کو پلٹ دیا۔ یہاں تک کہ دوسرا حصہ بھی خشک ہو گیا۔

ابو یزیدؒ کا تقویٰ

کہتے ہیں۔ کہ ایک دن ابو یزیدؒ جامع مسجد میں گئے اور اپنی لاٹھی زمین میں گاڑ دی۔ یہ لاٹھی ایک بوڑھے کی لاٹھی پر جو گڑی ہوئی تھی گر پڑی اور اس کو بھی گرا دیا۔ بوڑھے نے جھک کر اپنی لاٹھی اٹھائی۔ ابو یزید نے اس بوڑھے کے گھر جا کر معافی چاہی۔ اور کہا۔ آپ کے جھکنے کا سبب یہ ہوا۔ کہ میں نے اپنی لاٹھی اچھی طرح نہیں گاڑی تھی۔ اس لئے گر پڑی۔ اور آپ کو جھکنا پڑا۔

عتبۃ الغلام کا تقویٰ

کسی نے عتبۃ الغلام کو جاڑے کے موسم میں ایک جگہ دیکھا کہ پسینے پسینے ہو رہے ہیں۔ جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔ یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں میں نے اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ فرمایا۔ میں نے دیوار

سے مٹی کا ایک ٹکڑا الگ کیا تھا۔ جس سے میرے ایک مہمان نے اپنا ہاتھ صاف کیا۔ میں نے دیوار کے مالک سے مٹی لینے کی اجازت نہیں لی تھی۔

ابراہیم بن ادہمؒ کا تقویٰ ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں۔ میں نے بیت المقدس میں ایک رات صخرہ کے نیچے گذاری۔ کچھ رات گذرنے کے بعد دو فرشتے اترے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا۔ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا۔ ابراہیم بن ادہمؒ، پھر کہا۔ یہ وہی شخص ہے۔ جس کے درجات سے اللہ تعالیٰ نے ایک درجہ کم کر دیا۔ پہلے فرشتے نے پوچھا۔ کیوں؟ دوسرے نے کہا۔ اس نے بصرہ میں کھجوریں خریدیں۔ اور سبزی فروش کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اس کی کھجوروں پر جا پڑی۔ اس نے اسے مالک کو واپس نہیں کیا۔

ابراہیمؒ کہتے ہیں۔ میں بصرہ گیا۔ اور اس شخص سے پھر کھجوریں خریدیں۔ اور ایک کھجور اس کی کھجوروں پر گرا کر میں بیت المقدس لوٹ آیا۔ اور صخرہ میں رات گذاری۔ تھوڑی رات گذرنے کے بعد دو فرشتے آسمان سے اترے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا۔ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا۔ ابراہیم بن ادہم، اور کہا۔ وہی، جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلا مرتبہ عطا کر دیا۔ اور جس کا درجہ بلند کر دیا گیا۔

تقویٰ کی قسمیں کہا جاتا ہے۔ کہ تقویٰ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ عوام کا تقویٰ یہ ہے۔ کہ وہ شرک سے بچیں۔ خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔ اولیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے بچیں۔ اور انبیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان کا تقویٰ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور وہ ہر چیز سے بچ کر وہ اللہ کی طرف جاتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ دنیا میں لوگوں کے سردار سخی ہوتے ہیں۔ آخرت میں لوگوں کے سردار متقی ہوں گے۔

علی بن احمدؒ اھوازی نے ہمیں بتایا کہ ان سے ابوالحسین[۲۴۴] بصری نے کہا۔ کہ بشر[۲۴۵] بن موسیٰ نے ان سے کہا کہ محمد بن عبداللہ[۲۴۶] بن المبارک نے یحییٰ بن ایوب[۲۴۷] سے روایت کی۔ کہ عبیداللہ[۲۴۸] بن زحر نے

علی بن یزید سے انہوں نے قاسم سے روایت کی کہ ابو امامہ فرماتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کسی شخص کی نظر کسی عورت کی خوبصورتی پر پڑ گئی۔ پھر فوراً ہی اس نے اپنی نگاہ نیچی کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو ایسی عبادت بنا دیگا۔ جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ ابوالعباس بن حسن نے کہا۔ کہ میں نے محمد بن عبداللہ فرغانی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ جنید رویم جریری اور ابن عطا اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ جنید بولے۔ جس نے بھی نجات پائی وہ اللہ کے پاس صدق دل سے پناہ لینے سے پائی۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ " اور خدا نے ان تینوں کی (توبہ قبول کرلی) جو پیچھے رہ گئے تھے۔ حتیٰ کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان کے لئے تنگ ہو گئی"۔ رویم بولے، جس کسی نے نجات پائی، صدق دل سے تقویٰ کے ذریعہ پائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ (الآیۃ) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نجات دیں گے۔ جو اپنی کامیابی میں بھی متقی رہیں۔

جریری بولے۔ جس کسی نے بھی نجات پائی اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے سے پائی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ " جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اور اپنے عہد کو نہیں توڑتے؛

ابن عطا بولے۔ جس کسی نے بھی نجات پائی، حقیقی حیا سے پائی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۔ "کیا اسے معلوم نہیں۔ کہ اللہ دیکھ رہا ہے"؟

استاد امام فرماتے ہیں۔ جس کسی نے بھی نجات پائی ہے۔ اللہ کے حکم اور قضاء سے پائی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ ۔ وہ لوگ جن کے لئے ہم پہلے نیک کام لکھ چکے ہیں"۔ نیز فرماتے ہیں، جس کسی نے بھی نجات پائی ہے۔ اس نے پائی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے ہی سے منتخب کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۔

"ہم نے انہیں چن لیا۔ اور صراط مستقیم پر چلا دیا۔"

باب ۵

ورع (۴۴۸)

ابوالحسین عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن محمد بن یحییٰ مزکی نے بتایا۔ کہ محمد بن داؤد (۴۴۹) بن سلیمان زاہد نے کہا۔ کہ ان سے محمد بن الحسین بن قتیبہ (۴۵۰) نے کہا۔ کہ ان کو احمد بن ابی طاہر الخراسانی نے بتایا کہ یحییٰ بن العیزار (۴۵۱) نے کہا۔ کہ محمد بن یوسف الفریابی (۴۵۲) نے سفیان (۴۵۳) سے اور انہوں نے الاجلح (۴۵۴) سے اور انہوں نے عبداللہ بن بریدہ (۴۵۵) سے روایت کی۔ کہ ابوالاسود (۴۵۶) الدیلی نے کہا۔ کہ ابوذر (۴۵۷) نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ایک انسان کے اچھے مسلمان ہونے کی یہ پہچان ہے۔ کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے۔ جن سے اس کا کوئی مطلب نہیں۔

استاد امام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہر مشتبہ چیز کو چھوڑ دینا ورع ہے۔ اسی طرح ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں۔ ہر مشتبہ بات کو چھوڑ دینا ورع ہے۔

اور ترک مالا یعنیک سے مراد فضول باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔

ابوبکر صدیق کا قول

ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔ ہم ستر قسم کی حلال اور جائز باتوں کو اس خوف سے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ کہ کہیں کسی حرام بات میں نہ پھنس جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو فرمایا۔ پرہیزگار بنوگے تو سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ ابوالعباس البغدادی نے کہا۔ کہ انہوں نے جعفر بن محمد سے سنا۔ کہ الجنیدؒ فرماتے تھے۔ کہ میں نے سریؒ کو یوں فرماتے سنا۔

اپنے زمانہ میں چار شخص پرہیزگار گذرے ہیں۔ حذیفہ مرعشی (۲۵۸) ۔ یوسف بن اسباط ۔ ابراہیم بن ادہم ' اور سلیمان الخواص (۱۵۴) ان لوگوں نے پرہیزگاری میں غور کیا۔ جب معاملہ مشکل نظر آیا۔ تو جو کچھ بھی وہ کماتے۔ اس میں سے کم ہی استعمال کرتے۔

اور میں نے ان سے سنا کہتے تھے۔ ابو القاسم الدمشقی فرماتے تھے۔ کہ میں نے شبلیؒ کو فرماتے سنا

ورع یہ ہے کہ تو ہر ماسوائے اللہ سے پرہیز کرے۔

اور میں نے ان سے سنا کہتے تھے۔ کہ ابو جعفر (۳۰۴) الرازی نے کہا۔ کہ مجھے العباس بن حمزہ نے بتایا۔ کہ احمد بن ابی الحواری نے کہا۔ کہ اسحٰق بن خلف فرماتے تھے۔

گفتار میں پرہیزگاری، سونے اور چاندی میں پرہیزگاری سے زیادہ سخت ہے۔ اور ریاست سے زہد کرنا سونے اور چاندی کے زہد سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ تو تو سونے اور چاندی کو ریاست کی خاطر خرچ کر دیتا ہے۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ ورع زھد کی ابتدا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح قناعت ایک کنارہ یا حد ہے۔

ابو عثمان فرماتے ہیں: ورع کا ثواب حساب میں آسانی ہونے کی صورت میں ملے گا۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ ورع یہ ہے کہ بغیر کسی قسم کی تاویل کے علم کی حد پر کھڑا ہے

میں نے محمدؐ بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ ان سے حسین بن احمدؐ بن جعفر نے کہا۔ کہ میں نے محمدؐ بن داؤد الدینوری کو کہتے ہوئے سنا کہ عبد اللہ بن الجلاء فرماتے تھے۔ میں ایک ایسے کو جانتا ہوں۔ جو تیس سال مکہ میں مقیم رہا۔ مگر اس نے زمزم کا وہی پانی پیا۔ جس کو اس نے خود ڈوری اور چھاگل سے نکالا تھا۔ اور نہ اس نے وہ کھانا کھایا۔ جو مصر سے لایا گیا تھا۔

عبد اللہ بن مروان کا قصہ

اور میں نے انہی محمدؐ حسین سے سنا۔ کہتے تھے کہ ابوبکر الرازی کہتے تھے۔ میں نے علی بن موسیٰ التاہرتی فرماتے سنا کہ عبد اللہ (۳۷۶) بن مروان سے ایک پیسہ ایک گندے کنویں میں گر پڑا۔ تو انہوں نے تیرہ دینار مزدوری پر لگوائے۔ یہانتک کہ اس پیسے کو نکال لیا۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا۔ تو فرمایا۔ اس پیسے پر

اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔

اور میں نے ان سے سنا کہ ابوالحسین الفارسی فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابن علویہ[۶۶۲] سے س
فرماتے تھے کہ میں نے یحییٰ بن معاذ کو یوں فرماتے سنا۔

ورع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری ورع، وہ یہ ہے کہ انسان حرکت کرے
اللہ کے لئے، دوسرے باطنی ورع جو یہ ہے کہ تمہارے دل میں اللہ کے سوا کوئی اور
ہی نہ ہو۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ جو شخص ورع کی باریکیوں میں غور نہیں کرتا، وہ اللہ کے
عطیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص دین میں باریک بین ہوگا۔ قیامت میں اس کا مرتبہ بڑا ہوگا۔

ابن الجلاءؒ فرماتے ہیں۔ جس شخص میں محتاجی کی حالت میں تقویٰ نہ ہو۔ وہ تعلی حرام کا
یونس بن عبید[۶۶۳] فرماتے ہیں۔ ہر قسم کے شبہ سے نکلنے اور ہر لحظہ محاسبہ کرنے کا
ورع ہے۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ میں نے ورع سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ج
تمہارے دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو۔

معروف کرخی فرماتے ہیں۔ جس طرح تو اپنی زبان کو مذمت سے بچاتا ہے۔ اسی
مدح سے بچا۔

بشر بن الحارث فرماتے ہیں۔ سخت ترین کام تین ہیں۔ محتاجی میں سخاوت، خلو
پرہیزگاری۔ اور جس شخص سے بھلائی کی امید یا برائی کا ڈر ہو۔ اس کے سامنے کلمۂ حق

بشر حافی کی بہن اور امام احمد

کہتے ہیں۔ کہ بشر حافی کی بہن امام احمد کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ ہم اپنے مکان ک
پر سوت کاتتے ہیں تو طاہریہ[۶۶۴] کی مشعلیں گذرتی ہیں۔ اور ان کی شعاعیں ہم پر پڑتی ہیں۔ کیا ان
میں ہمارے لئے سوت کاتنا جائز ہے؟

امام احمد نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ جواب دیا۔ بشر حافی کی بہن۔ احمد رو پڑ

اور کہا۔ تمہارے ہی گھر سے تو بچی پرہیزگاری نکلتی ہے۔ ان کی شعاع میں سوت نہ کاتا کرو۔

علی[۶۶] عطار فرماتے ہیں: میں بصرہ کی ایک سڑک سے گذرا۔ وہاں بچے کھیل رہے تھے۔ اور بوڑھے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بچوں سے کہا۔ کیا تمہیں ان بزرگوں سے شرم نہیں آتی؟ ان میں سے ایک بچے نے جواب دیا چونکہ ان بزرگوں کی پرہیزگاری میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ اس لئے ان کی ہیبت بھی کم ہوگئی ہے۔

مالک بن دینار کا واقعہ

کہتے ہیں۔ کہ مالک بن[۶۷] دینار چالیس سال بصرہ میں مقیم رہے۔ مگر انہوں نے بصرہ کی ایک کھجور کھانا بھی درست نہ سمجھا۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور انہوں نے بصرہ کی ایک کھجور بھی نہیں چکھی۔ ان کا دستور تھا۔ کہ جب تازہ کھجوروں کا موسم گذر جاتا۔ تو کہتے۔ اے بصرہ والو! یہ میرا پیٹ ہے اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا۔ اور نہ تم میں کچھ زیادتی ہوتی ہے۔

ابراہیم بن ادہم سے کہا گیا۔ آپ زمزم کا پانی کیوں نہیں پیتے؟ تو فرمایا۔ اگر میرے پاس ڈول ہوتا تو ضرور پیتا۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ حارث محاسبی جب ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے۔ جس میں شبہ ہوتا۔ تو ان کی انگلی کے سرے کی ایک رگ پھڑکنے لگ جاتی جس سے انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ کھانا حلال کا نہیں ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک دعوت میں بشر حافی بھی موجود تھے۔ کھانا ان کے سامنے رکھ دیا گیا اور آپ نے بہت کوشش کی۔ کہ آپ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھائیں۔ مگر نہ بڑھا۔ آپ نے تین بار کوشش کی۔ ایک شخص نے جو اس بات کو جانتا تھا۔ کہا۔ آپ کا ہاتھ اس کھانے کی طرف کبھی نہیں بڑھے گا۔ جس میں شبہ ہوگا۔ دعوت دینے والے نے انہیں کیوں دعوت دی

احمد[۶۸] بن محمد بن یحییٰ الصوفی نے ہم سے بیان کیا۔ کہا میں نے عبد اللہ بن علی بن یحییٰ التمیمی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ میں نے بصرہ میں احمد[۶۹] بن محمد بن سالم کو فرماتے سنا کہ کسی نے سہل بن عبداللہ سے حلال و پاک کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ حلال و پاک وہ ہے۔ جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی گئی ہو۔

سہلؒ فرماتے ہیں۔ حلال اور پاک وہ چیز ہے جس میں اللہ کو نہ بھلایا گیا ہو۔

حسن بصریؒ مکہ میں آئے اور وہاں حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے ایک بچے کو کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں کو وعظ کرتے دیکھا۔ حسنؒ بصری کھڑے ہو گئے اور بچے سے پوچھا۔ دین کا وار و مدار کس چیز پر ہے؟ بچے نے جواب دیا۔ پرہیزگاری پر، پھر پوچھا۔ دین کی آفت کس چیز میں ہے؟ جواب دیا۔ طمع میں، یہ سن کر حسنؒ کو تعجب ہُوا۔

حسن کہتے ہیں۔ صحیح پرہیزگاری ایک ذرہ بھر بھی ہو۔ تو وہ نماز روزہ کے ایک ہزار مثقال سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ کہ میرا قرب چاہنے والے پرہیزگاری اور زھد سے بڑھ کر کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن اہل ورع و زہد اللہ کے ہم نشین ہوں گے

سہلؒ بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ جس شخص کا ساتھ پرہیزگاری نہ دے وہ اگر سا[لم] ہاتھی بھی کھا جائے تو بھی سیر نہ ہو گا۔

کہتے ہیں۔ عمرؒ بن عبدالعزیز کے پاس مال غنیمت کی کستوری لائی گئی تو انہوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور فرمایا۔ کہ ان کی خوشبو ہی سے تو فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور میں پسند نہیں کرتا۔ کہ میں اکیلا اس کی خوشبو سونگھوں۔

ابو عثمانؒ حیری سے ورع کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔ کہ ابو صالحؒ حمدون ا[پنے] ایک دوست کے پاس اس کی حالت نزع میں موجود تھے۔ جب وہ شخص مر گیا۔ تو ابو صالح [نے] چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ اب تک چراغ [کے] تیل کا وہ خود مالک تھا۔ مگر اب یہ تیل اس کے وارثوں کا ہے۔ لہذا کوئی اور تیل لاؤ۔ تب چراغ جلاؤنگا۔

کہمسؒ کہتے ہیں۔ کہ میں ایک گناہ کر بیٹھا جس کی وجہ سے چالیس سال سے رو رہا ہوں بات یُوں ہوئی۔ کہ میرا ایک بھائی میری ملاقات کو آیا۔ میں نے اس کے لئے ایک دانق دو دانگ کی تلی ہوئی مچھلی خریدی۔ جب وہ مچھلی کھا چکے۔ تو میں نے اپنے ایک پڑوسی کی دیوار

ں کا ایک ٹکڑا آیا۔ جس سے انہوں نے ہاتھ صاف کر لیا۔ اور میں اس کی اجازت نہ لے سکا۔

کہتے ہیں۔ ایک شخص نے ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ اس میں بیٹھ کر وہ رقعہ لکھا کرتا تھا۔ اس نے حروف کو سکھانے کے لئے گھر کی دیوار سے مٹی لینی چاہی۔ مگر فوراً دل میں خیال آیا۔ یہ مکان تو کرایہ کا ہے۔ پھر خیال آیا کہ اتنی سی بات سے کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نے حروف پر دیوار سے مٹی لے کر ڈال دی اس پر اسے غیب سے ایک ندا سنی۔ اتنی سی مٹی کو حقیر جاننے والے کو کل قیامت کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس کا حساب کس قدر لمبا ہوگا۔

امام احمدؒ بن حنبل کا زہد

امام احمدؒ بن حنبل[۲۶۳] نے مکہ میں تانبے کا ایک برتن (سطل) ایک سبزی فروش کے پاس گروی رکھا۔ جب انہوں نے اسے چھڑانا چاہا۔ تو سبزی فروش دو برتن نکال کرلے آیا۔ اور کہا۔ جونسا چاہو لے لو۔ احمدؒ فرماتے ہیں۔ میں اپنا برتن پہچان نہیں سکتا۔ لہٰذا کہا۔ کہ یہ برتن بھی تیرا ہے۔ اور یہ درہم بھی تیرے ہیں۔ اس پر سبزی فروش نے کہا۔ آپ کا برتن یہ ہے۔ میں تو صرف آپ کو آزمانا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اب میں اسے نہ لوں گا۔ اور برتن اس کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔

کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ ابن المبارکؒ نے ایک قیمتی جانور کھلا چھوڑ دیا۔ اور خود ظہر کی نماز پڑھنے لگ گئے جانور شاہی کھیتوں میں چرتا رہا۔ اور پھر ابن مبارک نے اس جانور کو اس شخص کے پاس چھوڑ دیا جس کے قبضے میں وہ کھیت تھے۔ اور پھر اس پر سوار ہونا پسند نہ کیا۔

کہتے ہیں کہ ابن مبارک "مرو" سے "شام" صرف اس غرض سے آئے کہ ان کے پاس ایک عاریت لیا ہوا قلم تھا جس کو انہوں نے واپس نہ کیا تھا۔

نخعی[۲۶۴] نے سواری کا ایک جانور کرایہ پر لیا۔ راستہ میں ان کا کوڑا ہاتھ سے گر پڑا۔ آپ نے اتر کر سواری کو باندھا۔ اور واپس آکر کوڑا اٹھایا۔ تو کسی نے عرض کی۔ کاش آپ جانور کو واپس لے آتے۔ اور جہاں کوڑا گرا ہے۔ وہاں سے اٹھا لیتے۔ فرمایا۔ میں نے جانور کو اس شرط پر کرایہ پر لیا تھا۔ کہ اس طرف جاؤنگا نہ کہ اُس طرف۔

ابوبکر[۲۶۵] دقاق فرماتے ہیں۔ میں پندرہ دن تک بنی اسرائیل کے بیابان میں حیران پریشان پھرتا

رہا۔ پھر جب راستہ پر آیا۔ تو مجھے ایک فوجی ملا۔ جس نے مجھے پانی پلایا۔ اور جس کی وجہ سے میرا دل تیس سال تک قلبی قساوت میں مبتلا رہا۔

کہتے ہیں۔ کہ رابعہؒ نے کپڑے کا ایک ٹکڑا شاہی مشعل کی روشنی میں اپنی قمیص پر سیا۔ جس کی وجہ سے مدت تک اس نے اپنے دل کا سکون نہ پایا۔ یہاں تک کہ اسے یاد آیا۔ (کہ اس کی وجہ تو کپڑے کا ٹکڑا ہے۔ جو میں نے شاہی مشعل کی روشنی میں سیا تھا) اس پر اس نے قمیص پھاڑ ڈالی تو پھر اسے دل کا سکون مل گیا۔

کسی نے سفیان ثوریؒ کو خواب میں دیکھا۔ کہ ان کے دو پر لگے ہوئے ہیں۔ اور جنت میں ایک درخت سے اُڑ کر دوسرے درخت پر جاتے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا۔ آپ کو یہ مرتبہ کیونکر ملا۔ فرمایا: پرہیزگاری کے سبب۔

حسانؒ بن ابی سنان حسن بصریؒ کے شاگردوں کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور پوچھا تمہیں کون سی چیز سخت مشکل معلوم ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا۔ ورع (مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا) حسان فرمانے لگے۔ میرے لئے تو یہ بہت آسان ہے۔ پوچھا کیسے؟ فرمایا، چالیس سال ہونے کو آئے۔ میں نے تمہاری نہر کا پانی نہیں پیا

حسان بن ابی سنان کی عادت تھی کہ یہ نہ تو چت لیٹا کرتے تھے، نہ مرغن (رسیلی) کھانا کھاتے اور نہ ٹھنڈا پانی پیتے۔ اسی طرح ساٹھ سال گذار دئے۔ موت کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا۔ اللہ نے تجھ سے کیا برتاؤ فرمایا۔ اچھا برتاؤ کیا۔ مگر میں نے ایک سوئی عاریتاً لی تھی۔ اور میں نے اُسے واپس نہیں کیا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے جنت میں جانے سے روکا گیا ہے۔

عبدالواحد بن زید کا ایک لڑکا تھا۔ جس نے برسوں اس کی خدمت کی۔ اور چالیس سال تک عبادت کرتا رہا۔ یہ لڑکا ابتداء میں وزن کرنے کا کام کرتا تھا۔ مرنے کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا۔ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا۔ جواب دیا۔ اچھا برتاؤ کیا۔ مگر میں جنت میں جانے سے روک دیا گیا ہوں۔ میرے ذمے پیمانے کے غبار کے چالیس پیمانہ بھر وزن نکالا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گذرے۔ آپ نے ایک مردہ شخص کو آواز
دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ تو کون ہے؟
کہا۔ میں مزدور تھا۔ اور لوگوں کا بوجھ اٹھا کر لے جایا کرتا تھا۔ ایک دن، ایک شخص کا
ایندھن اٹھا کر لے گیا۔ جس سے میں نے ایک خلال توڑ کر اس سے دانتوں کو خلال کیا تھا
جب سے مرا ہوں اس کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔

ایک بار ابو سعید خراز نے ورع کے متعلق گفتگو کی۔ اتفاقاً عباس بن المہتدی[۴۸۰] کا ادھر
سے گذر ہوا۔ کہا۔ اے ابو سعید! تجھے شرم نہیں آتی؟ تو ابو الدوانیق کی چھت کے نیچے
بیٹھتا ہے اور زبیدہ[۴۸۱] کے حوض سے پانی پیتا ہے۔ اور کھوٹے درہموں سے لین دین کرتا
ہے۔ اور پھر بھی ورع پر گفتگو کرتا ہے۔

باب ۶

زھد[۴۸۲]

حمزۃ بن یوسف سہمی الجرجانی[۴۸۳] نے ہم سے بیان کیا۔ کہ ابو الحسین[۴۸۴] عبید اللہ بن احمد بن یعقوب
مستری بغدادی نے۔ بغداد میں ہم سے حدیث بیان کیا۔ کہا جعفر بن مجاشع نے کہا۔ زید بن
اسمٰعیل[۴۸۵] نے ہم سے بیان کیا۔ کہ کثیر بن ہشام[۴۸۶] نے ہم سے بیان کیا۔ کہا۔ کہ حکم بن ہشام[۴۸۷] نے یحییٰ[۴۸۸]
بن سعید اور انہوں نے ابو فروہ[۴۸۹] سے اور ابو فروہ نے ابو خلاد[۴۹۰] سے جو صحابی ہیں روایت کی۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ اُوْتِیَ زُھْدًا فِی الدُّنْیَا وَمَنْطِقًا
فَاقْتَرِبُوْا مِنْہُ فَاِنَّہٗ یُلَقَّنُ الْحِکْمَۃَ۔ جب تم کسی انسان کو دیکھو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے
دنیا سے اعراض کرنے کی توفیق دی ہے۔ اور ایسی گفتار دی ہے۔ کہ وہ لوگوں کو دنیا سے اعراض
کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ تو تمہیں چاہیئے کہ اس کا قرب حاصل کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت

کی تلقین ہوتی ہے۔

زُھد کیا ہے۔

استاد امام ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں۔

زُھد کے بارے میں لوگوں میں بہت اختلاف ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں۔ کہ زُھد صرف حرام چیزوں سے بچنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حلال چیزوں کی اجازت دے رکھی ہے۔ لہٰذا جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی بندے کو حلال مال عطا کرتا ہے۔ اور بندہ اس مال پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس صورت میں۔۔۔ اپنے اختیار سے حلال مال کو ترک کرنا اور اسے نہ خرچ کرنا۔ دونوں یکساں ہیں کسی ایک صورت کو دوسری صورت پر فضیلت نہ ہوگی۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ حرام چیزوں کے متعلق زھد واجب ہے۔ اور حلال صورتوں میں زھد افضل ہے۔ کیونکہ بندہ کو کم مال دینا پھر اس کا اپنے حال پر صابر ہونا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اس پر راضی نیز اللہ کے دئیے پر قانع ہونا بدرجہا بہتر ہے اس حالت سے جس میں بندے کو اللہ تعالیٰ دنیا کی وسعتیں عطا کردے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دنیا سے اعراض کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ" (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ انہیں کہدیں۔ کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے۔ اور آخرت تو ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو پرہیز گار ہوں۔

اس طرح دوسری آیتیں ہیں۔ جن میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے۔ اور اس سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ جب بندہ اطاعت گذاری میں اپنا مال خرچ کرتا ہے نیز معلوم ہے کہ وہ اپنی حالت پر صابر ہے۔ اور تنگدستی میں ان چیزوں کے درپے نہیں ہوتا۔ جن سے شرع نے منع کیا ہے۔ تو ایسی حالت میں مال حلال کے متعلق اس کا زھد زیادہ کامل ہوگا۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ بندہ کو چاہیئے۔ کہ حلال کو چھوڑنے میں تکلف سے کام نہ لے اور نہ ہی ایسا کرے۔ کہ جن چیزوں کی اسے حاجت نہیں۔ ان میں سے بیکار چیزوں کی تلاش کرے۔ اسے اپنی قسمت نگاہ میں رکھنی چاہیئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اسے حلال مال عطا کرے تو وہ اللہ

کا شکر ادا کرے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اسے صرف اتنا دے۔ جتنا اسے کفایت کر جائے۔ تب بھی وہ بیکار مال کی تلاش کا ذکر نہ کرے۔ فقیر کے لئے صبر اچھا ہے۔ اور حلال مال والے کے لئے شکر زیادہ مناسب ہے۔

زہد کے معنی

بزرگوں نے زھد کے معنی پر بحث کی ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے کیف و حال کے مطابق بات کی ہے۔ اور زہد کی تعریف کی ہے

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ احمد بن اسمٰعیل الازدی[۴۹۱] نے کہا۔ کہ عمران بن موسیٰ الاسفنجی نے ان سے کہا۔ کہ الدورقی[۴۹۲] نے ہم سے بیان کیا۔ کہا وکیع[۴۹۳] نے ہم سے بیان کیا۔ کہ سفیان ثوری فرماتے تھے۔

دنیا سے اعراض کرنا یہ نہیں ہے۔ کہ تو غیر لطیف چیز کھائے اور عبا پہنے بلکہ زھد یہ ہے کہ تو اپنی امیدوں کو چھوٹی اور کم کر دے۔

میں نے ان سے سنا کہ فرماتے تھے کہ سعید بن احمد[۴۹۴] نے کہا۔ کہ میں نے عباس بن عصام[۴۹۵] سے سنا۔ کہتے تھے کہ میں نے جنید سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے سری کو یوں فرماتے سنا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں سے دنیا کو سلب کر رکھا ہے۔ اور اصفیاء سے اسے محفوظ کر رکھا ہے۔ اور اپنے دوستوں کے دلوں سے دنیا کو نکال دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا دینے میں راضی نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ زہد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے۔ لکیلا تأسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم۔

تاکہ تم اس چیز پر افسوس نہ کرو۔ جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے۔ اور نہ اس چیز پر خوش ہو۔ جو اللہ تمہیں دے۔

لہٰذا زاھد دنیا کے ملنے پر خوش نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی دنیا کی اس چیز پر افسوس کرتا ہے جو اسے نہ ملی ہو۔

ابو عثمان فرماتے ہیں۔ زہد یہ ہے۔ کہ تو دنیا کو چھوڑ دے۔ اور اس کی پرواہ نہ کر۔ کہ اسے کون لیتا ہے۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو یوں فرماتے سنا۔ زھد یہ ہے کہ تو دنیا کو جوں کا توں چھوڑ دے۔ یہ مت کہہ کہ ایک سرائے بناؤں گا۔ یا مسجد تعمیر کروں گا۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ زھد، زاہد کے اندر یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت کی اشیاء کی سخاوت کرتا ہے۔ اور محبت سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ محب اپنی جان کی سخاوت کرتا ہے۔

ابن جلاءؒ فرماتے ہیں۔ زہد یہ ہے۔ کہ تو دنیا کی طرف دیکھے، تو اس طرح دیکھے کہ یہ ایک زوال پذیر چیز ہے۔ تاکہ دنیا تمہاری نگاہ میں حقیر معلوم ہو۔ اور تمہارے لئے اس سے اعراض کرنا آسان ہو جائے۔

ابن خفیف کہتے ہیں۔ زہد کی نشانی یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی چیزوں کو ہاتھ سے نکال کر انسان راحت محسوس کرے۔

نیز فرماتے ہیں۔ دل کا اسباب کی طرف خیال نہ کرنے اور اپنی ملکیت کی چیزوں سے ہاتھ جھاڑنے کا نام زہد ہے۔

کسی نے یوں بھی کہا ہے کہ نفس کا دنیا سے بغیر تکلف کے اعراض کرنے کا نام زہد ہے۔
میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے سنا۔ کہتے تھے۔ کہ میں نے نصر آبادی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ دنیا میں زاھد شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ اور عارف آخرت میں نادر ہوں گے۔
یوں بھی کہا گیا ہے۔ جو اپنے زہد میں سچا ہوگا۔ دنیا خود بخود اس کی طرف کھچی آئے گی۔
اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ اگر آسمان سے ٹوپی گرتی ہے۔ تو صرف اس شخص کے سر پر گرے گی جو اسے نہ چاہے گا۔

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ جن چیزوں سے تمہارا ہاتھ خالی ہے۔ ان سے دل کے خالی ہونے کا نام زہد ہے۔

ابو سلیمانؒ دارانی فرماتے ہیں۔ صوف (پشمینہ) پہننا زہد کی ایک علامت ہے تاہم زاھد کے لئے مناسب نہیں کہ تین درہموں کا تو صوف پہنے اور دل میں پانچ درہموں کی خواہش رکھے۔

زُھد کی حقیقت کے متعلق، سلف میں اختلاف ہے۔

سفیان ثوری احمدؒ بن حنبل عیسیٰ بن یونس اور دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ امیدوں کو کم کرنا زھد ہے۔ ان کے قول کو اس بات پر محمول کیا جاتا ہے۔ کہ یہ زُھد کی علامات میں سے ہے اور یہ صفت زھد پر اکساتی ہے اور اس کے لئے موجب ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ فقر کی محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام زھد ہے یہی قول شفیقؒ بلخیؒ اور یوسف بن اسباط کا ہے۔

اللہ پر بھروسہ کرنا بھی زھد کی علامات میں سے ہے۔ یعنی یہ زُھد کی تعریف نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کے بغیر زھد کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔

عبدالواحدؒ بن زید فرماتے ہیں۔ درہم و دینار ترک کر دینے کا نام زُھد ہے۔

ابو سلیمانؒ دارانی فرماتے ہیں ہر اس چیز کو ترک کر دینے کا نام زُھد ہے۔ جو اللہ کی طرف مشغولیت سے روکے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے احمد بن علی نے ان سے کہا کہ ابراہیم بن فاتک فرماتے تھے کہ رویم نے جنیدؒ سے زھد کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا۔ دنیا کو حقیر جاننے اور اس کے آثار کو دل سے محو کر دینے کا نام زُھد ہے۔

سریؒ فرماتے ہیں۔ جب اپنے نفس کی اصلاح کو چھوڑ کر اور چیزوں کی طرف توجہ دے تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں کہلا سکتی۔ اسی طرح اگر عارف، اپنے رب کے ساتھ مشغولیت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف مشغول ہو جائے تو اس کی زندگی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔

جنیدؒ سے زھد کی نسبت پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ اپنی مملوکہ چیز سے ہاتھ کے خالی ہونے اور پھر دل کا اس کی طرف نہ لگنے کا نام زُہد ہے۔

شبلیؒ سے زھد کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔

اللہ کے سوا جو چیز بھی ہے۔ اس سے اعراض کرنے کا نام زھد ہے۔

یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں

جب تک کسی میں تین خصلتیں نہ پائی جائیں، اس وقت تک وہ زہد کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ (۱) عمل کرے تو اس کے دل میں اللہ کی خوشنودی کے سوا کوئی اور خواہش نہ ہو۔ (۲) بات کہے تو بغیر کسی لالچ کے (۳) اور بغیر ریاست کے اپنے آپ کو ذی عزت بنائے رکھے۔

ابو حفص ؒ فرماتے ہیں۔ زہد تو صرف حلال چیزوں سے متعلق ہے۔ اور چونکہ دنیا میں کوئی حلال چیز نہیں۔ لہذا زہد بھی نہیں۔

ابو عثمان ؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زاہد کو اس کی خواہش سے زیادہ عطا کرتا ہے۔ اور دنیا کی رغبت کرنے والے کو اس کی خواہش سے کم دیتا ہے اور قانع شخص کو اسی قدر عطا کرتا ہے جتنا وہ چاہتا ہے۔

یحییٰ ؒ بن معاذ فرماتے ہیں۔ زاہد تجھے سرکہ اور رائی کی نسوار دیتا ہے اور عارف تجھے مشک و عنبر سونگھنے کو دیتا ہے۔

حسن ؒ بصری فرماتے ہیں۔ دنیا اور دنیا چیزوں سے بغض کا نام زہد ہے۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا۔ دنیا سے اعراض کس کو کہتے ہیں تو فرمایا۔ دنیا کی چیزوں کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دینے کا نام زہد ہے۔

ایک آدمی نے ذوالنون ؒ سے پوچھا کہ میں کب زاہد بن سکتا ہوں؟ فرمایا جب تو نفس کی لذتوں سے منہ موڑے۔

محمد بن الفضل فرماتے ہیں۔ زاہدوں کا ایثار اس وقت ہوتا ہے جب وہ مستغنی ہوں۔ اور جوانمردوں کا ایثار اس وقت ہوتا ہے جب حاجتمند ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ خواہ خود تنگدست کیوں نہ ہوں۔ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

کتانی فرماتے ہیں۔ ایسی چیزیں جن میں کسی کو اختلاف نہیں خواہ وہ کوئی ہو، خواہ مدنی، خواہ شامی، خواہ عراقی، وہ یہ ہیں (۱) دنیا سے اعراض (۲) اپنی جان کی سخاوت اور (۳) مخلوق کے لئے خیر خواہی کرنا۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ان چیزوں کو ناپسندیدہ نہیں کہتا۔

کسی شخص نے یحییٰ ؒ بن معاذ سے پوچھا۔ میں توکل کی دکان میں کب داخل ہو سکتا ہوں۔ زہد کی چادر کب پہن سکتا ہوں اور زاہدوں کے ساتھ کب بیٹھ سکتا ہوں؟۔ فرمایا۔

جب پوشیدہ طور پر تمہاری ریاضت اس حد تک پہنچ جائے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ تین دن تک بھی
نہیں روزی نہ دے۔ تو تمہارا نفس کمزوری محسوس نہ کرے۔ اگر تم اس درجہ تک نہیں پہنچے، تو
زاہدوں کی چادر پر تمہارا بیٹھنا جہالت ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ تو کہیں صوفیا میں رسوا نہ ہو جائے
بشرؒ حافی فرماتے ہیں۔ زہد ایک فرشتہ ہے۔ جو صرف ان لوگوں کے دلوں میں سکونت
اختیار کرتا ہے۔ جن کے دل دنیا سے خالی ہیں

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے کہ ابو بکر الرازی نے ان سے کہا کہ محمد بن الاشعث
البیکندی فرماتے تھے۔ جو شخص زہد کی گفتگو کرتا ہے۔ اور لوگوں کو وعظ سناتا ہے۔ اس کے باوجود
لوگوں کے مال کی رغبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے آخرت کی محبت اٹھا لیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہ دنیا سے اعراض کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے
جو اس کے دل میں حکمت کا پودا لگاتا ہے۔

ایک صوفی سے کہا گیا کہ تو دنیا سے کیوں روگرداں ہے؟ تو جواب دیا۔ کیونکہ وہ مجھ سے روگرداں ہے۔

احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ زہد تین طرح کا ہے (۱) ترک حرام یہ عوام کا زہد ہے (۲) حلال چیزوں
میں سے فضول چیزوں کا ترک کرنا؛ یہ خاص لوگوں کا زہد ہے (۳) ان تمام چیزوں کا ترک کر دینا جو
بندے کو اللہ کی طرف سے چھڑا کر اپنی طرف مشغول رکھتی ہیں یہ عارفین کا زہد ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کسی صوفی سے پوچھا گیا۔ کہ آپ دنیا سے کیوں اعراض کرتے
ہیں؟ فرمایا۔ جب میں نے دنیا کی بیشتر چیزوں سے اعراض کیا تو میں نے یہ بھی پسند نہ کیا۔ کہ باقی چیزوں
کی طرف رغبت کروں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں دنیا ایک دلہن کی مانند ہے۔ اور اس کے طالب دنیا کا بناؤ سنگار کرنے
والے ہیں۔ اور جو لوگ دنیا سے اعراض کرتے ہیں وہ اس کا منہ کالا کرتے ہیں، اس کے بال نوچتے ہیں
اور اس کے کپڑے پھاڑتے ہیں۔ مگر جو لوگ عارف ہیں وہ اللہ کی طرف لگے ہوتے ہیں وہ دنیا کی طرف
توجہ نہیں کرتے۔

میں نے ابو عبداللہ صوفی سے سنا۔ کہ ابو الطیب سامری نے کہا۔ جنید فرماتے تھے میں نے سری
کو فرماتے سنا۔ میں نے زہد کے بارے میں ہر چیز کی مشق کی اور میری مراد مجھے حاصل ہو گئی۔ البتہ

لوگوں کی ملاقات کی خواہش سے اعراض کرنے کی حالت حاصل نہیں ہوئی۔ اور نہ اس کی طاقت حاصل ہوئی کہا جاتا ہے۔ زاھد لوگ ادنیٰ چیز سے اعلیٰ چیز کی طرف جاتے ہیں کیونکہ وہ فانی نعمتوں کو باقی رہنے والی نعمتوں کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں۔

نصرآبادیؒ فرماتے ہیں۔ زھد میں زاھدوں کے خون کی حفاظت ہوتی ہے اور عارفوں کا خون بہایا جاتا ہے۔

حاتم اصمؒ فرماتے ہیں۔ زاھد اپنے نفس سے پہلے اپنی تھیلی کو پگھلاتا ہے۔ اور تکلف سے زاھد بننے والا اپنی تھیلی سے پہلے اپنے نفس کو پگھلاتا ہے۔

میں نے عبداللہ بن محمد سے سنا فرماتے تھے کہ ان سے علی بن الحسین موصلی نے بیان کیا۔ فرماتے تھے احمد بن الحسین(۴۹۷) نے کہا۔ کہ ان سے محمد بن الحسین(۴۹۸) نے بیان کیا کہ محمد بن جعفر فرماتے تھے۔ میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے سنا۔

اللہ تعالیٰ نے سارے شر کو ایک گھر میں رکھ دیا۔ اور دنیا کی محبت کو اس کی کنجی بنایا۔ اور ساری بھلائی کو ایک گھر میں رکھ دیا۔ اور زہد کو اس کی چابی بنایا۔

باب ۷

خاموشی (۴۹۹) (صمت)

عبداللہ بن یوسف الاصبہانی نے خبر دی۔ ان سے ابوبکر محمد بن الحسین(۵۰۰) القطان نے کہا۔ ان سے احمد بن یوسف(۵۰۱) السلمی نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالرزاق(۵۰۲) نے بیان کیا کہ ہم سے معمر(۵۰۳) نے کہا۔ ہم سے زہری(۵۰۴) نے اور انہوں نے ابوسلمہ سے اور انہوں نے ابوہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو چاہئیے کہ وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے۔
اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو چاہئیے کہ اگر کچھ کہے تو نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے۔
ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے بیان کیا۔ کہ ہم سے احمد بن عبید نے بیان کیا۔ کہ ہم سے بشر
موسیٰ الاسدی نے بیان کیا۔ ہم سے محمد بن سعید اصبہانی نے بیان کیا۔ ابن المبارک سے اور انہوں نے عبید اللہ
زحر اور انہوں نے علی بن زید سے اور انہوں نے القاسم سے اور انہوں نے ابوامامہ سے اور انہوں
عقبہ بن عامر سے روایت کی۔ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
کی۔ کہ نجات کیا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ اپنی زبان کی حفاظت رکھو تمہیں گھر کی وسعت کافی ہونی
ہے اور اپنی خطا پر روؤ۔

استاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خاموشی سلامتی ہے۔ چونکہ خاموش نہ رہنے پر شریعت نے زجر
ہے۔ خاموشی ندامت کا سبب ہے لہٰذا ضروری ہے کہ خاموش رہنے میں احکام شریعت اور امر ونہی
خاطر رکھا جائے اپنے وقت پر خاموش رہنا مردانِ (خدا) کی صفت ہے۔ جس طرح اپنے محل پر بولنا بہت
عمدہ خصلت ہے۔

میں نے اپنے ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ جو شخص حق بات کہنے سے خاموش رہا۔ وہ گونگا شیطان
ہے۔ اور خاموشی بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کے آداب میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔
(جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔)

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنوں کے حاضر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے
فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا (جب حاضر ہوئے تو ایک دوسرے سے خاموش رہنے کو کہا۔)
نیز فرمایا۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔
اللہ تعالیٰ کے سامنے (ادب کی وجہ سے) آوازیں پست ہو گئیں۔ اب سوائے دھیمی
آواز کے کچھ نہ سنو گے۔

وہ بندہ جو جھوٹ اور غیبت سے بچنے کی خاطر خاموش رہتا ہے۔ اس کے اور اس شخص کے درمیان
بڑا فرق ہے
والے بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے خاموش رہتا ہے کتنا فرق ہے اسی سلسلے میں یہ اشعار پیش

کئے جاتے ہیں:۔

وَاحکمُ دَوْباً سجم المقال　　　　اُفکّرُ مَا اَقُولُ اِذَا افْتَرَقْنَا
فَاَنْطِقُ حِیْنَ اَنْطِقُ بِالْمُحَالِ　　　　فَاَنْسَاھَا اِذَا نَحْنُ اِلْتَقَیْنَا

(جب ہم جدا ہو جاتے ہیں۔ تو جو کچھ مجھے کہنا ہے۔ اس کو سوچتا ہوں۔ اور بڑی کوشش سے گفتگو کے دلائل کو مضبوط بناتا ہوں۔ مگر جب درحقیقت ملاقات ہوتی ہے۔ تو میں ان تمام دلائل کو بھول جاتا ہوں۔ اور جو کچھ بولتا ہوں۔ وہ سب اوٹ پٹانگ ہوتا ہے۔) نیز:۔

اِذَا جِئْتُکُمْ لَمْ اَدْرِ یَا لَیْلَ مَا ھِیَا　　　　فِیْ اَلْیَلُ کَمْ مِنْ حَاجَۃٍ لِیْ مُھِمَّۃٍ

میری بہت سی اہم حاجتیں ہوتی ہیں۔ مگر اے لیلی جب تمہارے پاس آتا ہوں تو سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ اور مجھے معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کہ وہ حاجتیں کیا تھیں) نیز:۔

مَکَنْتُ مِنْ لِقَیَاکَ اَنْسِیْتَہٗ　　　　وَکَمْ حَدِیْثٍ لَکَ حَتّٰی اِذَا

اے محبوب! تمہیں کہنے کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ مگر جب تمہاری ملاقات میسر ہوتی ہے۔ تو سب کچھ بھول جاتا ہوں" نیز:۔ رَاَیْتُ الْکَلَامَ یَزِیْنُ الْفَتٰی　　　　وَلَلصَّمْتُ خَیْرٌ لِمَنْ قَدْ صَمَتْ

وَکَمْ مِنْ حُرُوْفٍ تَجُرُّ الْحُتُوْفَ　　　　وَمِنْ نَاطِقٍ وَدَّ اَنْ لَوْ سَکَتْ

"میں دیکھتا ہوں کہ جوانمرد کو یہ بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ وہ بات کہے مگر خاموش رہنے والے کے لئے خاموشی اچھی ہے۔ بہت سی باتیں موت کا سبب بنتی ہیں۔ اور بہت سے بولنے والے (بولنے کے بعد) یہ چاہتے ہیں۔ کہ کاش وہ خاموش رہتے"

خاموشی کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری خاموشی اور دل وضمیر کی خاموشی۔ چنانچہ ایک متوکل انسان رزق کے تقاضا کرنے سے خاموش رہتا ہے مگر عارف کا دل اللہ تعالیٰ کے احکام کی موافقت کی خاطر خاموش ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلا (یعنی متوکل) اللہ تعالیٰ کی عنایات پر کلی اعتماد رکھتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر قناعت کرتا ہے۔ شاعر نے اسی معنی کو ادا کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَھُمُوْمُ سِرِّکَ مُطْرِقَۃٌ　　　　تَجْرِیْ عَلَیْکَ صُرُوْفُہٗ

محبوب کی گردشیں تم پر چلتی رہتی ہیں (مگر اس کے باوجود) تمہارے اسرار کے غم سر جھکائے ہوئے

بعض اوقات فی البدیہہ کہنے کی حیرانی خاموشی کا باعث بنتی ہے کیونکہ جب کشف اچانک حاصل ہوتا ہے تو تمام عبارتیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اس وقت نہ کوئی بیان ہوتا ہے اور نہ گویائی۔ اور تمام شواہد مٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا نہ کسی قسم کا علم ہوتا ہے، اور نہ حس۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا۔ جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو اکٹھا کریں گے۔ اور پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیا تو وہ جواب دیں گے ہمیں کچھ پتہ نہیں۔)

اب رہا یہ سوال کہ ارباب مجاہدہ نے خاموشی کو کیوں اختیار کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ وہ جانتے ہیں۔ کہ کلام کرنے سے کیا کیا آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مزید براں کلام میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے اور نفس چاہتا ہے کہ مدح کی صفات کا اظہار کرے۔ اور یہ کہ وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے اور یہ ان امور میں سے ایک ہے۔ جن کا شمار مخلوق کی آفتوں میں ہوتا ہے۔

خاموشی ریاضت کرنے والے صوفیا کی صفت ہے اور مقام منازلت اور تہذیب اخلاق کے ارکان میں سے ہے۔

داؤد طائیؒ ابو حنیفہؒ کی مجلس میں

کہا جاتا ہے کہ داؤد طائیؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے جب اپنے گھر کے اندر خلوت گزیں ہوئے تو پہلے امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہونے کا عزم کیا۔ چنانچہ وہاں جا کر ساتھی علماء میں بیٹھے رہتے۔ مگر کسی مسئلہ میں گفتگو نہ کرتے۔ جب ایک سال تک اس عادت کو پختہ کر لینے پر کامیاب ہو گئے تب جا کر اپنے گھر میں خلوت گزین ہو گئے۔

عمر بن عبدالعزیز کی یہ عادت تھی۔ کہ جب وہ کوئی مضمون لکھتے۔ اور اس کے الفاظ انہیں اچھے معلوم ہوتے تو وہ اپنی نوشت کو پھاڑ ڈالتے۔ اور از سرِ نو عبارت لکھتے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ ان کو عبدالرحمٰن بن محمد الرازی نے کہا۔ کہ ابو العباس بن اسحاق السراج نے ان سے بیان کیا۔ کہ احمد بن الفتح فرماتے تھے کہ میں نے بشر بن الحارث کو فرماتے سنا۔

جب تمہیں اپنا کلام پسند آئے تو خاموش رہو۔ اور جب خاموشی پسند آئے تو کلام کرو۔
سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ انسان کا خاموش رہنا اس وقت درست ہو سکتا ہے۔ جب خلوت
میں رہنے کو اپنے لئے لازم قرار دے اور توبہ بھی اسی وقت درست ہو سکتی ہے۔ جب اپنے لئے
خاموش رہنے کو لازم قرار دے۔
ابو بکر فارسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ جس شخص نے خاموشی کو اپنا وطن نہ بنایا۔ وہ خاموش ہی کیوں نہ رہے
بیکار کام کر رہا ہے۔
خاموشی صرف زبان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دل اور تمام جوارح کے لئے
خاموش رہنا ضروری ہے۔
ایک صوفی کا قول ہے۔ جس شخص نے خاموشی کو غنیمت جانا وہ جب بولے گا۔ تو بے ہودہ
باتیں کرے گا۔
میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں نے محمد بن عبد اللہ بن شاذان سے
ممشاد الدینوری فرماتے تھے۔ حکماء خاموشی اور تفکر ہی سے حکمت کے وارث بنے ہیں۔
کسی نے ابو بکر فارسی سے راز کی خاموشی کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا۔ راز کی خاموشی
کہ تو ماضی اور مستقبل میں مشغول رہنا چھوڑ دے۔
ابو بکر فارسی فرماتے ہیں۔ جب انسان ضروری بات یا ایسی بات کہہ رہا ہو جس کے
کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تو وہ خاموش ہی خیال کیا جائے گا۔
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ لوگوں سے کم اور اللہ سے زیادہ
باتیں کرو۔ شاید کہ تمہارا دل اللہ کو دیکھ لے۔
ذوالنون مصری سے کہا گیا۔ وہ کون سا شخص ہے۔ جو سب سے زیادہ اپنے نفس کی حفاظت
کرتا ہے؟ فرمایا۔ وہ شخص اپنے نفس کی سب سے زیادہ حفاظت کرتا ہے۔ جو اپنی زبان پر
سب سے زیادہ قابو رکھتا ہے۔
ابن مسعود فرماتے ہیں۔ زبان سے بڑھ کر کوئی چیز دیر تک مقید رکھنے کی حقدار نہیں
علی بن بکار فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے دروازے بنائے ہیں۔ مگر زبان کے چار

ئے ہیں۔ چنانچہ دونوں ہونٹ دو چوکھٹ ہیں۔ اور دانت دو چوکھٹ ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ابو بکر صدیق کئی کئی سال اپنے منہ میں پتھر ڈالے رہتے تھے تاکہ وہ کم کلام کر سکیں

کہتے ہیں کہ ابو حمزہؒ بغدادی بہت عمدہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہیں غیب سے آواز آئی۔ تم بولے اور اچھا بولے۔ اب یہ باقی رہ گیا۔ کہ خاموش رہو۔ اور وہ بھی اچھی خاموشی ہو اس کے بعد مرتے دم تک انہوں نے بات نہیں کی۔ اسی حالت میں تقریباً ایک ہفتہ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

بعض اوقات متکلم کو سزا کے طور پر چپ رہنے کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے کسی بات میں بے ادبی کی ہوتی ہے۔

شبلیؒ جب اپنے حلقہ میں بیٹھتے اور شاگرد سوال نہ کرتے تو یہ آیت پڑھتے۔

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ۔ "ان کے ظلم کی وجہ سے ہمارا حکم ان پر واجب ہو گیا۔ یہی وجہ ہے، کہ وہ اب بول نہیں سکتے۔

بعض اوقات متکلم کے لئے خاموش رہنا اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ مجلس میں ایسا شخص موجود ہے جو بولنے کا اس سے زیادہ حقدار ہے۔

میں نے ابن سماک کو فرماتے سنا۔ کہ شاہ کرمانی اور یحییٰؒ بن معاذ کے درمیان دوستی تھی۔ اتفاق سے ایک ہی شہر میں دونوں آموجود ہوئے مگر شاہ کرمانی یحییٰؒ بن معاذ کی مجلس میں نہیں پہنچے۔ کسی نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ کہ صحیح یہی ہے کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔ لوگ ان سے اصرار کرتے رہے۔ تا آنکہ وہ ایک دن ان کی مجلس میں جا پہنچے۔ اور ایک طرف ہو کر اس طرح بیٹھ گئے کہ یحییٰؒ بن معاذ کو ان کا علم نہ ہوا۔ مگر جب یحییٰ کلام کرنے لگے۔ تو خاموش ہو گئے۔ اور فرمایا۔ یہاں کوئی ایسا آدمی موجود ہے۔ جو مجھ سے زیادہ کلام کرنے کا حقدار ہے اور وہ بول نہ سکے۔ اس پر شاہ کرمانیؒ نے فرمایا۔ کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ کہ درست یہی ہے کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔

بعض اوقات متکلم پر سکوت اس لئے طاری ہو جاتا ہے۔ کہ حاضرین میں سے کسی میں خرابی ہوتی ہے

یعنی ان میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ جو اس کلام کو سننے کے اہل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس خیال سے کہ مبادا اس کلام کو کوئی نا اہل سن لے۔ متکلم کی زبان کو محفوظ رکھتا ہے۔

بعض اوقات متکلم کے خاموش رہنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حاضرین میں ایسے اشخاص موجود ہوتے ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کی حالت ایسی ہے۔ کہ اگر وہ اس شخص کا کلام سن لے تو وہ اس کے لئے فتنہ کا سبب ہوگا۔ کیونکہ یا تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ اس کا "وقت" ہے۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں۔ یا یہ کہ وہ اپنے ذمہ ایسی بات لگا دیگا۔ جس کی برداشت کی اس میں طاقت نہیں۔ لہٰذا اللہ اس پر رحم فرماتے ہوئے اس کے کانوں کو اس کلام کو سننے سے محفوظ رکھتا ہے اس طرح اس کو محفوظ کر لیتا ہے یا غلطی سے بچا لیتا ہے۔

بعض اہل طریقت مشائخ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات خاموشی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مجلس میں ایسے جن ہوتے ہیں۔ جو کلام کو سننے کے اہل نہیں ہوتے۔ کیونکہ صوفیاء کی مجالس میں جنات بھی حاضر ہوتے ہیں۔

میں نے استاد ابوعلیؒ دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ میں ایک بار "مرو" میں بیمار پڑ گیا۔ میری خواہش ہوئی۔ کہ نیشاپور لوٹ جاؤں۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک شخص مجھے کہہ رہا ہے۔ تو اس شہر سے نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ کچھ جنوں کو تمہارا کلام پسند آگیا ہے اور وہ تمہاری مجلس میں آتے ہیں ان کی خاطر آپ کو یہاں ٹھہرنا ہوگا۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان کو ایک زبان، دو کان اور دو آنکھیں اسی لئے دی گئیں ہیں۔ کہ کلام کرنے کے مقابلہ میں زیادہ سنے اور زیادہ دیکھے۔

ابراہیم بن ادہم ایک دعوت میں مدعو تھے۔ جب آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تو انہوں نے غیبت کرنی شروع کر دی۔ ابراہیم نے کہا۔ ہمارے ہاں تو روٹی گوشت سے پہلے کھائی جاتی ہے اور تم نے شروع ہی گوشت کھانے سے کیا ہے۔ آپ کا اشارہ اللہ کے اس فرمان کی طرف تھا۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ

(کیا تم میں سے کوئی پسند کریگا۔ کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اگر تمہیں دیا جائے تو تم، اسے ناپسند کروگے۔ کسی کا قول ہے کہ خاموشی حلم کی زبان ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے۔ جس طرح تو کلام کرنا سیکھتا ہے۔ اسی طرح خاموش رہنا بھی سیکھ
۔ اگر کلام تجھے راستہ بتاتا ہے تو خاموشی تجھے بچاتی ہے۔
کہا گیا ہے۔ خاموشی زبان کی پارسائی ہے۔ یوں بھی کہا گیا ہے کہ زبان ایک درندہ ہے
ئے جکڑ کر نہیں رکھے گا۔ تو یہ تجھ پر حملہ کر دیگا۔
کسی نے ابو حفص سے دریافت کیا۔ ولی کے لئے خاموشی افضل ہے یا کلام کرنا۔ فرمایا۔ اگر بولنے
ے کو معلوم ہو جائے کہ کلام کرنے میں کیا آفت ہے۔ تو نوحؑ کی عمر جتنی عمر بھی خاموش رہے۔ اور
س کو معلوم ہو جائے کہ خاموش رہنے میں کیا آفت ہے۔ تو وہ اللہ سے نوحؑ جتنی دو عمریں مانگے گا۔
ہ بول سکے۔
کہا گیا ہے کہ عوام کی خاموشی زبان سے ہوتی ہے اور عارفین کی خاموشی دل سے ، اور محبین
اموشی ان کے باطن کے خیالات سے۔
کسی نے کسی صوفی سے کلام کرنے کو کہا۔ تو فرمایا' میری زبان ہی نہیں ہے کہ بولوں۔
رائے کہا گیا کہ سُنئے' تو کہا مجھ میں سُننے کی جگہ ہی نہیں کہ سُن سکوں۔
ایک صوفی کا قول ہے کہ تیس سال میری یہی حالت رہی۔ کہ میری زبان جو کچھ سُنتی' دل کی
رف سے سُنتی، اس کے بعد تیس سال ایسے گزرے کہ دل جو کچھ بھی سُنتا' زبان کی طرف
ے سنتا۔
کسی کا قول ہے خواہ تو اپنی زبان کو بھی بند کیوں نہ کر دے تو اپنے دل کے کلام سے چھٹکارا
ہیں پا سکتا۔ اور تیری ہڈیاں بوسیدہ کیوں نہ ہو جائیں۔ پھر بھی تو نفس کی گفتگو سے خلاصی
نہیں پا سکتا۔ اور تو کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ تمہاری رُوح تم سے ہم کلام نہیں ہو گی۔ اس
ئے کہ وہ تو اسرار کو چھپانے والی ہے۔
کہا جاتا ہے کہ جاہل کی زبان اس کی موت کی کنجی ہے۔
کہتے ہیں۔ کہ عاشق خاموش ہو جائے تو مر جاتا ہے۔ اور عارف اگر خاموش رہے۔ تو اپنے اوپر
قابو پا لیتا ہے۔
میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے میں نے عبد اللہ بن محمد الرازی سے سنا۔ کہتے تھے

کہ میں نے محمد بن[۵۱۸] نصر الصائغ سے سنا کہتے تھے میں نے مردویہ[۵۱۹] الصائغ سے سنا فرماتے تھے میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے سنا۔

جس نے اپنے اعمال میں سے اپنی گفتگو کو شمار کیا۔ وہ ان چیزوں کے سوا جن کی اسے ضرورت ہے، بہت کم گفتگو کرے گا۔

باب ۸

خوف[۵۲۰]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔ "وہ اپنے رب کو خوف لالچ کی وجہ سے پکارتے ہیں۔"

ابو بکر محمد بن احمد بن عبدوس الحیری نے بتایا۔ کہ ان سے ابو بکر محمد بن احمد بن دلویہ الدقاق نے بیان کیا۔ کہ محمد بن[۵۲۱] یزید نے کہا۔ کہ عامر بن ابی الفرات نے بیان کیا کہ ہم سے مسعودیؒ[۵۲۲] نے محمد بن عبدالرحمٰنؒ[۵۲۳] سے اور انہوں نے عیسیٰ بن طلحہ[۵۲۴] سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ تَعَالَى حَتَّى يَلِجَ فِي الضَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ فِي مِنْخَرَيْ عَبْدٍ أَبَدًا۔

"جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ یہاں تک کہ تھنوں میں دودھ واپس نہ چلا جائے (اور یہ ناممکن ہے۔) اور اللہ کی راہ میں غبار (یعنی جہاد کا غبار) اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے نتھنوں میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ابو نعیم بن محمد بن ابراہیم المہرجانی نے ہم سے بیان کیا۔ کہا ابو محمد عبداللہ بن محمد بن[۵۲۵] الحسین بن الشرقی نے بیان کیا کہ عبداللہ[۵۲۶] نے اور ان سے یحییٰ بن سعید[۵۲۷] نے القطان اور ان سے شعبہ[۵۲۸] نے اور ان سے قتادہ نے انس سے روایت کی۔

[رس]ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَو تَعلَمُونَ مَا اَعلَمُ لَضَحِکتُم قَلِیلاً وَلَبَکَیتُم کَثِیراً۔ "اگر تمہیں ان امور کا علم ہو جائے۔ جن کا مجھے علم ہے تو تم ہنسو کم! اور روؤ زیادہ"

میں کہتا ہوں کہ خوف ایک ایسی کیفیت ہے۔ جس کا تعلق آئندہ کے ساتھ ہے۔ خوف [اس لئے] ہوتا ہے۔ کہ کہیں کوئی ناپسند بات واقع نہ ہو جائے یا کوئی محبوب چیز جاتی نہ رہے۔ [او]ر یہ دونوں باتیں ایسی چیز سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو آئندہ ہونے والی ہے۔ جو چیز موجود ہے [اس] کے متعلق خوف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے اس دنیا سے [آخ]رت میں سزا دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس سے ڈرتے رہیں۔ [چنان]چہ ارشاد ہے۔ وَخَافُونِ اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ۔ "اگر تم مومن ہو۔ تو مجھ سے ڈرتے رہو" نیز فرمایا۔ وَاِیَّایَ فَارهَبُونِ "مجھ ہی سے ڈرو"۔

اللہ تعالیٰ نے اس ڈر کی وجہ سے مومنین کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ یَخَافُونَ رَبَّهُم [مِّ]ن فَوقِهِم "اللہ تعالیٰ جو ان کے اوپر ہے۔ اسی سے یہ لوگ [ڈر]تے ہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ خوف کے تین مرتبے ہیں:۔ ۱۔ خوف [۲۔] خشیت اور ۳۔ ہیبت۔ خوف ایمان کی شرط ہے۔ اور یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ چنانچہ [اللہ] تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَخَافُونِ اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ "اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو" اور خشیت [عل]م کی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یَخشَی اللّٰهَ مِن عِبَادِهِ العُلَمَاءُ

"اللہ کے بندوں میں سے صرف عالم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں"

اور ہیبت معرفت کی شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفسَهُ "اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے [م]یں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے محمد بن علی الحیری سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محفوظ سے سنا۔ کہتے تھے۔ کہ میں نے ابو حفص سے سنا۔ فرماتے تھے

خوف اللہ تعالیٰ کا ایسا کوڑا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ اپنے در سے بدکے ہوؤں کو سیدھا
کرتا ہے۔

ابوالقاسم حکیم فرماتے ہیں۔ خوف کی دو قسمیں ہیں۔ رہبت اور خشیت۔ رہبت والا جب ڈرتا ہے
تو فرار کی راہ لیتا ہے۔ اور خشیت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ لیتا ہے۔

پھر فرمایا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح جذب اور جبذ دونوں ایک ہی چیز ہیں اسی طرح ہرب
اور رہب ایک ہی چیز ہیں۔ لہٰذا جو بھاگ گیا ہو۔ وہ اپنی خواہش کے تقاضوں میں کھو گیا۔ جیسے
وہ رہبانیت والے جو اپنی خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں۔ اور جب علم کی لگام انہیں قابو میں
رکھے۔ اور وہ شریعت کے حقوق ادا کریں۔ تو یہ خشیت ہے۔

مجھ سے محمد بن الحسین نے کہا' ان سے عبداللہ بن محمد الرازی نے کہا۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھ
سے ابوعثمان نے کہا کہ اس نے ابوحفص کو فرماتے سنا۔ خوف دل کا چراغ ہے۔ جس کے ذریعہ
سے دل کے خیر و شر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ خوف یہ ہے کہ تو اپنے دل کو عسیٰ اور سوف
(امید و انتظار کے الفاظ) سے نہ بہلائے۔

مجھ سے محمد بن الحسین نے کہا۔ کہ مجھ سے ابوالقاسم الدمشقی نے کہا۔ میں نے ابوعمرو دمشقی
کو فرماتے سنا۔ ڈرنے والا شخص وہ ہے۔ جو شیطان سے بھی زیادہ اپنے نفس سے ڈرے۔

ابن جلاؒ فرماتے ہیں:۔ ڈرنے والا وہ ہے۔ جسے ہر وہ چیز جس سے دنیا ڈرتی ہے۔ امن ہو
(کیونکہ اسے اگر خوف ہے تو خدا کا ہے۔ اور کسی چیز کا نہیں)

کہا جاتا ہے۔ کہ خائف اُسے نہیں کہتے جو رو رہا ہو۔ اور اپنی آنکھیں پونچھتا اور صاف کرتا ہو
خائف تو اُسے کہیں گے۔ جو اس چیز کو جس پر اسے عذاب کا ڈر ہے ترک کر دے۔

کسی نے فضیل سے دریافت کیا۔ کہ کیا بات ہے۔ کہ ہمیں کوئی خائف انسان نظر نہیں آتا۔ فرمایا
اگر تم خود خائف ہوتے تو تمہیں خائف نظر آ جاتے۔ خائف کو خائف ہی دیکھ سکتا ہے۔ اور جس عورت
کا بچہ مر گیا ہو۔ وہی کسی ایسی عورت کو دیکھنا پسند کرتی ہے۔ جس کا بچہ مر چکا ہو۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ ابن آدم بیچارہ اگر دوزخ سے اس طرح ڈرتا رہتا۔ جس طرح وہ تنگدستی

سے ڈرتا ہے۔ تو جنت میں چلا جاتا۔

شاہؒ کرمانی فرماتے ہیں۔ خوف کی علامت دائمی غم ہے۔ ابو القاسم حکیم نے کہا۔ جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے۔ وہ اس سے بھاگتا ہے۔ مگر جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ بھاگ کر اللہ ہی کی طرف آتا ہے۔

کسی نے ذوالنونؒ مصری سے پوچھا۔ بندے کے لئے خوف کی راہ کب آسان ہو جاتی ہے؟ فرمایا جب وہ اپنے آپ کو بمنزلہ ایک بیمار کے سمجھے تو وہ اس ڈر سے کہ کہیں بیماری طول نہ پکڑ جائے ہر چیز سے پرہیز کرتا ہے۔

معاذؓ بن جبل فرماتے ہیں۔ مومن کے دل کو اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کے خوف سکون حاصل ہوتا ہے۔ جب تک کہ وہ جہنم کے پل کو پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں نکل جاتا

بشرؒ حافی فرماتے ہیں۔ خوف ایک فرشتہ ہے، جو صرف متقی کے دل میں رہتا ہے

ابو عثمانؒ حیری فرماتے ہیں۔ ڈرنے والے کے لئے یہ بات اچھی نہیں کہ وہ اپنے خوف میں خوف کے سکون محسوس کرے۔ اس لئے کہ یہ ایک مخفی امر ہے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں۔ خوف اللہ اور بندے کے درمیان ایک حجاب ہے۔

واسطیؒ کے اس قول میں اشکال[۱۳۳۰] ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ڈرنے والے کی نگاہ کسی دوسرے وقت کی طرف ہوتی ہے (اپنے موجودہ وقت کی طرف نہیں ہوتی۔) اور ابنائے وقت (صوفیا) کی نگاہ مستقبل پر نہیں پڑتی) اس لئے خوف حجاب ٹھہرا (مگر) ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں ہیں۔

میں نے محمد بن الحسین سے انہوں نے محمد بن علی الشہاوندی[۱۳۳۱] سے اور انہوں نے ابراہیم بن فاتک سے انہوں نے نوری سے سنا۔ کہ فرماتے تھے۔ ڈرنے والا اپنے رب[۱۳۳۲] سے بھاگ کر اپنے رب کی طرف جاتا ہے۔

ایک صوفی فرماتے ہیں۔ خوف کی علامت اضطراب اور باب الغیب (اللہ کے در پر) ٹھہرنا ہے میں نے ابو عبد اللہ الصوفی سے سنا۔ کہا میں نے علی بن ابراہیم العکبری سے سنا۔ کہا، کسی نے جنیدؒ سے خوف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا۔ ہر سانس کے جاری ہونے کے ساتھ سزا کی توقع رکھنا خوف ہے

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا، کہا۔ میں نے حسین بن احمد الصفار سے سنا کہتے تھے۔ میں نے محمد بن المسیب سے سنا کہ ہاشم بن خالد فرماتے تھے۔ میں نے ابو سلیمان دارانی کو فرماتے سنا۔

جس دل سے خوف ہٹ گیا تباہ ہو گیا۔

انہی سے میں نے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو عثمان سے سنا کہتے تھے۔ سچا خوف یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پر گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ جب تک لوگوں کے دلوں سے، خوف زائل نہیں ہوتا، صحیح راستہ پر رہتے ہیں۔ جونہی خوف زائل ہوا بھٹک گئے۔

حاتم اصم فرماتے ہیں۔ ہر چیز کی زینت ہوتی ہے، اور خوف عبادت کی زینت ہے خوف کی علامت امید کو کوتاہ کرنا ہے۔

کسی شخص نے بشر حافی سے کہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ موت سے ڈرتے ہیں۔ تو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا بہت سخت چیز ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ میں امام ابو بکر بن فورک کی عیادت کے لئے گیا۔ دیکھ کر وہ رو پڑے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ آپ کو شفا عطا کرے گا۔ فرمایا۔ آپ خیال کرتے ہیں، کہ موت سے ڈرتا ہوں (ہرگز نہیں) میں تو موت کے بعد پیش آنے والے امور سے ڈرتا ہوں۔

علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے بتایا۔ کہ محمد بن عثمان نے ان سے کہا کہ القاسم بن محمد نے ان سے کہا کہ یحییٰ بن یمان نے مالک بن مغول سے روایت کی۔ اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن سعید بن موہب سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی۔ کہا۔ کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وہ لوگ جو عمل بھی کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کے دل خائف رہتے ہیں" اس سے کیا مراد ہے۔ آیا یہ وہ لوگ ہیں۔ جو چوری یا زنا کرتے ہیں۔ اور شراب پیتے ہیں۔ فرمایا۔ نہیں اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو روزے رکھتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ اور صدقہ دیتے ہیں مگر انہیں ڈر رہتا ہے کہ کہیں یہ نامقبول نہ ہو جائیں۔

ابن مبارک فرماتے ہیں۔ جو چیز خوف کو اس حد تک بھڑکاتی ہے کہ وہ دل میں جاگزین ہو

یہ ظاہر و باطن ہر دو حال میں دائمی نگہبانی ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہتے تھے میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہا میں نے ابو القاسم ابی موسیٰ سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ ان سے محمد بن احمد نے کہا۔ کہ علی الرازی فرماتے تھے۔ کہ میں ابن مبارک کو ایسا ہی کہتے سنا۔

مجھ سے محمد بن الحسین نے کہا۔ کہ میں نے ابو بکر رازی سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں ابراہیم بن شیبان کہتے سنا۔

کہ جب خوف دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو دل کی خواہشات کی جگہوں کو جلا دیتا ہے۔ اور سے دنیا کی رغبت کو نکال دیتا ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ احکام خداوندی کے جاری ہونے کے متعلق قوی علم ہونے کا نام خوف ہے۔ نیز کہا گیا ہے۔ کہ رب کے جلال سے دل کا حرکت کرنا خوف ہے۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ دل کے لئے مناسب یہی ہے۔ کہ خوف کے سوا کوئی اور چیز اس پر غالب نہ ہو۔ کیونکہ جب دل پر رجاء (امید) کا غلبہ ہو گا۔ تو دل خراب ہو جائے گا۔ اس کے بعد (اپنے کسی ایک شاگرد احمد کی طرف متوجہ ہو کر) کہنے لگے۔ صوفیا کو خوف ہی کی بدولت بلند مرتبے ملے ہیں۔ اگر اسے کھو دیتے تو نیچے اتر آتے۔

واسطی رح فرماتے ہیں۔ خوف و رجاء نفسوں کے لئے دو نگاموں کا کام دیتے ہیں۔ تاکہ نفوس رعونت و تکبر اختیار نہ کریں۔

نیز آپ فرماتے ہیں۔ جب حق تعالیٰ (کسی انسان کے) باطن پر غالب ہو جاتا ہے تو اس کے باطن میں کوئی احساس باقی نہیں رہتا۔ نہ خوف کا اور نہ رجاء کا۔

استاد ابو القاسمؒ فرماتے ہیں۔ واسطی کے اس قول میں اشکال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب شواہد حق اسرار کو فنا کر دیتے ہیں تو وہ ان کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں کسی جسم کے حادثہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا خوف و رجاء کی گنجائش کہاں ہو۔ خوف و رجاء احکام بشریت کے احساس کے بقاء کی علامتیں ہیں لیکن جب احساس نہ رہا۔ تو یہ کہاں جگہ پا سکتے تھے۔)

حسینؒ بن منصور فرماتے ہیں ۔ جو شخص اللہ کے سوا کسی اور چیز سے ڈرتا ہے یا اللہ کے سوا کسی اور سے اُمید رکھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس پر ہر چیز کا دروازہ بند کر دیتا ہے ۔ اور اس پر خوف کو مسلط کر دیتا ہے اور اُسے ستر پردوں کے پیچھے چھپا دیتا ہے ۔ جن میں آسان ترین پردہ شک ہے ۔ جس چیز سے انہیں سخت خوف لاحق ہوتا ہے وہ ان کا انجام میں فکر کرنا ہے ۔ اور اپنے احوال کے تغیّر کا خوف ہے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ۔ (ان کے لئے اللہ کی طرف سے وہ باتیں ظاہر ہوئیں ۔ جن کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا ۔ نیز فرمایا ۔ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ صُنْعًا ۔

" آپ انہیں فرما دیں ۔ کیا میں تمہیں بتا دوں کہ عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی ہی میں رائیگاں گئیں ۔ اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھے کام کرتے ہیں "

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے اچھی حالت والے لوگ جن کی حالت پر لوگ رشک کرتے تھے ان کی حالت بالکل بدل گئی ۔ اور بُرے اعمال میں مبتلا ہو گئے ۔ اُن کا اُنس وحشت سے اور حضور غیبت سے بدل گیا ۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو اکثر یہ شعر پڑھتے سنا ۔

اَحْسَنْتَ ظَنَّكَ بِالْاَيَّامِ اِذْ حَسُنَتْ   وَلَمْ تَخَفْ سُوْءَ مَا يَاْتِيْ بِهِ الْقَدَرُ

وَسَالَمَتْكَ اللَّيَالِيْ فَاغْتَرَرْتَ بِهَا   وَعِنْدَ صَفْوِ اللَّيَالِيْ يَحْدُثُ الْكَدَرُ

تو نے زمانے کے متعلق ، جبکہ اچھے ایام تھے ، نیک گمان رکھا ۔ اور تجھے ان برائیوں کا جو کو تقدیر لاتی ہے خوف ہی نہ رہا ۔ زمانے نے تجھ سے دوستی برتی تو تُو اس پر دھوکا کھا گیا ۔ زمانے کی صلح کے وقت ہی تو کدورت پیدا ہوتی ہے ۔

میں نے منصورؒ بن خلف مغربی کو فرماتے سنا ۔ کہ دو شخص کچھ مدت تک ایک ہی پیر کے مرید بن کر اکٹھے رہے ۔ پھر ایک کہیں سفر پر چلا گیا ۔ اور اپنے ساتھی سے جُدا ہو گیا ۔ اور کم

مدت تک اس کی طرف سے کوئی خبر نہ سُنی۔ ایک مرتبہ ایسا ہُوا۔ کہ دوسرا مرید جہاد کے لئے جنگ کو گیا ہُوا تھا۔ اور رومیوں کی فوج کے ساتھ جنگ کر رہا تھا کہ رومیوں کی طرف سے ایک مسلح شخص نے مسلمانوں کو دعوتِ جنگ دیتے ہوئے للکارا۔ اور ایک مسلمان بہادر اس کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ رومی نے اُسے شہید کر دیا۔ پھر دوسرا نکلا وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر تیسرا نکلا۔ اُسے بھی شہید کر دیا گیا۔ پھر یہ صوفی نکل کر گیا۔ اور دونوں نے تلواروں سے جنگ کی۔ اس رومی نے اپنا چہرہ کھولا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ یہ وہی شخص تھا۔ جو اس صوفی کا کئی سال تک پیر بھائی رہ چکا تھا۔ صوفی نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو اس نے بتلایا۔ کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر ان لوگوں کے ساتھ مل گیا ہے۔ اب اس کی اولاد ہے۔ اور اس نے بہت سامال جمع کر لیا ہے۔ صوفی نے کہا۔ تو تو کئی قراءتوں کے ساتھ قرآن پڑھا کرتا تھا؟ اس نے جواب دیا۔ کہ اب مجھے تو اس کا ایک حرف بھی یاد نہیں۔ پھر صوفی نے کہا۔ ایسا مت کرو۔ اور اسلام کی طرف لوٹ آؤ۔ اس نے انکار کیا۔ اور کہا۔ میری یہاں بڑی عزت ہے۔ اور مجھے دولت ملی ہوئی ہے۔ لہٰذا اب تو واپس چلا جا۔ ورنہ تمہارے ساتھ بھی وہی کروں گا۔ جو دوسروں کے ساتھ کیا ہے۔ صوفی نے جواب دیا۔ یاد رکھ تو نے تین مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور اب تجھے واپس چلے جانے میں کوئی عار نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تو واپس چلا جا۔ اور میں تجھے مہلت دیتا ہوں۔ وہ شخص واپس چلا گیا۔ صوفی نے پیچھا کیا۔ نیزہ مارا اور اُسے مار ڈالا۔

یہ شخص بے حساب مجاہدات اور ریاضت کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد عیسائیت پر مرا۔ کہتے ہیں۔ کہ جب ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے راندۂ درگاہ بنا دیا۔ تو جبرئیل اور میکائیل ایک مدت تک روتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رونے کا سبب دریافت کیا۔ تو عرض کیا۔ اے رب! ہم تمہارے رویلے سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ میرے حیلوں سے نڈر نہ ہو جانا۔

حکایت کی گئی ہے۔ کہ سری سقطیؒ دن میں کئی بار اپنی ناک کو دیکھا کرتے تھے کہ کہیں سیاہ تو نہیں ہو گئی۔ اس لئے کہ انہیں عذابِ الٰہی کا ڈر رہتا تھا۔

ابو حفصؒ فرماتے ہیں چالیس سال سے اپنے دل میں یہی اعتقاد لئے ہوئے ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری

طرف ناراضگی کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور میرے اعمال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

حاتم عاصم فرماتے ہیں۔ تو کسی نیک جگہ پر دھوکا نہ کھا۔ کیونکہ جنت سے بڑھ کر کوئی جگہ اچھی نہیں ہوسکتی۔ پھر بھی اس میں آدم علیہ السلام کے ساتھ جو گزری سو گزری۔ اور نہ ہی کثرت عبادت پر غرور کر۔ کیونکہ ابلیس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی اس قدر طویل عبادت کے بعد ہوا۔ اور اپنے زیادہ علم پر غرور نہ کر، کیونکہ بلعام اسم اعظم اچھی طرح جانتا تھا۔ دیکھ لو۔ اس کے ساتھ کیا ہوا صالحین کے دیدار پر بھی دھوکا نہ کھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر کس کی شان ہو سکتی ہے۔ مگر آپ کے رشتہ دار اور دشمن آپ کے دیدار سے کوئی فائدہ نہ اٹھاسکے۔

ایک روز ابن مبارک نکل کر اپنے شاگردوں کے پاس آئے۔ اور کہا۔ کہ کل رات میں نے اللہ کے ساتھ گستاخی کی کہ میں نے اس سے جنت مانگی۔

کہتے ہیں کہ ایک دن عیسیٰ علیہ السلام نکلے۔ ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا ایک نیک آدمی بھی تھا۔ ایک شخص جو مشہور بدکار تھا۔ ان کے پیچھے ہو لیا۔ اور ان سے الگ ہو کر نہایت عاجزی سے بیٹھ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی دعا مانگی۔ اس نیک آدمی نے بھی دعا مانگی۔ اور کہا خدایا! قیامت کے دن اس گنہگار کے ساتھ میرا ساتھ نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی۔ کہ میں نے ان دونوں کی دعا قبول کر لی۔ نیک کو تو میں نے رد کر دیا اور مجرم کو معاف کر دیا۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے علیم سے پوچھا۔ کہ تیرا نام مجنون کیسے پڑا۔ کہا، جب ایک عرصہ تک مجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوا۔ تو میں اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ آخرت میں بھی میں اس کے دیدار سے محروم رہوں، دیوانہ ہو گیا۔

اسی مفہوم کا شعر ہے۔

لَوْ اَنَّ مَا بِیْ عَلَی صَخْرٍ لَاَنْحَلَهُ ۔۔۔ فَکَیْفَ یَحْمِلُهُ خَلْقٌ مِنَ الطِّیْنِ

"اگر وہ کیفیت جو میری ہے پتھر میں ہو۔ تو لاغر ہو جائے۔ پھر مٹی سے بنی ہوئی مخلوق اسے کیسے برداشت کر سکتی ہے"

کسی صوفی کا قول ہے کہ میں نے ابن سیرین سے بڑھ کر اس امت کے لئے زیادہ امید

رکھنے والا اور اپنی ذات کے حق میں زیادہ ڈرنے والا نہیں دیکھا۔

کہتے ہیں کہ سُفیان ثوریؒ بیمار پڑے تو ان کا قارورہ طبیب کو دکھایا گیا۔ طبیب نے کہا کہ خوف نے اس شخص کے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس کے بعد اس نے آکر اس کی نبض دیکھی۔ تو کہا مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایسے آدمی مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔

شبلیؒ سے کسی نے پوچھا۔ کہ غروب کے وقت سُورج زرد کیوں پڑ جاتا ہے۔ فرمایا۔ کیونکہ اُسے مقامِ کمال سے معزول کیا جاتا ہے۔ اس لئے اپنے مقام کے ڈر سے زرد پڑ جاتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہے۔ جب اس کا دنیا سے نکلنے کا وقت قریب آتا ہے تو اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسے مقام کا ڈر ہوتا ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چمکدار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب مومن قبر سے اُٹھے گا۔ تو اس کا چہرہ چمکتا ہُوا ہوگا۔

احمد بن حنبلؒ سے روایت ہے۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ کہ میرے لئے خوف کا دروازہ کھول دے۔ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ پھر مجھے اپنی عقل کے چلے جانے کا ڈر ہُوا۔ تو میں نے کہا خدایا! اس قدر خوف دے جس کی میں طاقت رکھ سکوں۔ اس پر خوف تھم گیا۔

باب ۹۔

(۵۴۰)

رجاء (اُمید)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَنْ کَانَ یَرْجُوْ لِقَاءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ۔

۔ جو اللہ کے سامنے پیش ہونے کی اُمید رکھتا ہے اُسے معلوم ہونا چاہیے، اللہ تعالےٰ

کی مدت مقررہ آ رہے گی۔

مجھ سے ابو الحسن علی بن احمد الاہوازی نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید الصفار نے کہا۔ ان سے عمرو بن مسلم الشقفی نے کہا۔ اُن سے حسن بن خالد نے کہا۔ کہ علامہ بن زید فرماتے تھے۔ میں مالک بن دینار کے پاس گیا۔ اور وہاں ان کے پاس شہر بن حوشب کو دیکھا۔ جب ہم نکل آئے تو مَیں نے شہر کو کہا۔ خدا تجھ پر رحم کرے۔ مجھے کچھ زادِ راہ دیجئے۔ خدا آپ کو بھی زادِ راہ دے۔ فرمایا، اچھا۔ میری پھوپھی اُمِّ درداء نے ابو الدرداء سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے روایت کی۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے میرے بندے! جب تک تو میری عبادت کرتا رہے اور مجھ سے امید رکھے اور کسی کو میرا شریک قرار نہ دے۔ تو مَیں تمہارے گناہ کو معاف کر دوں گا۔ خواہ تو اس قدر گناہ کر کے میرے سامنے کیوں نہ آئے۔ کہ ان سے تمام دُنیا بھر جائے، میری طرف سے اسی قدر مغفرت تمہارا استقبال کرے گی۔ اور میں تمہیں معاف کر دوں گا، اور مجھے تمہارے گناہوں کی پرواہ نہ ہو گی۔"

مجھ سے علی بن احمد نے بیان کیا۔ کہ ان سے احمد بن عبید نے کہا۔ ان سے بشر بن موسیٰ نے کہا۔ ان سے خلف بن الولید نے کہا، کہ ان سے مروان بن معاویہ بن الفزاری نے کہا۔ ان سے ابو سفیان طریف نے عبداللہ بن الحارث سے روایت کی۔ کہ انس بن مالک فرماتے تھے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ جس شخص کے دل میں جَو کے دانے بھر بھی ایمان ہے۔ اُسے دوزخ سے نکال دو۔ پھر فرمائیگا۔ جس شخص کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہے۔ اُسے دوزخ سے نکال دو۔ پھر فرمائے گا۔ کہ مجھے اپنے عزّ و جلال کی قسم، میں اس شخص کو جو دن اور رات میں ایک پہر بھی مجھ پر ایمان لایا ہو۔ اس شخص کی طرح نہیں سمجھوں گا۔ جو بالکل ہی ایمان نہ لایا ہو۔

رجاء کی تعریف کسی ایسی محبوب و مرغوب چیز کی طرف دل کا لگا رہنا جو آئیندہ حاصل ہونے والی ہو، رجاء کہلاتا ہے۔ اور جس طرح خوف کا وقوع آئیندہ کے ساتھ متعلق ہے، اس طرح رجاء کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہوتا ہے جس کی

رہ زمانے میں امید ہو دلوں کی زندگی اور استقلال کا دار و مدار رجاء پر ہی موقوف ہے۔
نیا بامید قائم)

رجاء اور تمنا میں فرق یہ ہے کہ تمنا سے تمنا کرنے والے میں سستی و کاہلی پیدا ہوتی ہے۔
یہ تمنا کرنے والا کوشش نہیں کرتا۔ برخلاف رجاء کے۔ لہٰذا رجاء قابل تعریف چیز ہے
تمنا مذموم۔

صوفیاء نے رجاء سے بحث کی ہے۔ چنانچہ شاہ کرمانیؒ فرماتے ہیں۔ رجاء کی علامت یہ
ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے۔

ابن خلیقؒ فرماتے ہیں۔ رجاء تین طرح کی ہوتی ہے۔
(۱) ایک شخص نیک کام کرتا ہے۔ اور امید رکھتا ہے، کہ وہ کام مقبول ہوگا۔ (۲) ایک شخص
گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتا ہے۔ اور اسے مغفرت کی امید ہوتی ہے۔ (۳) ایک جھوٹا انسان
گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ مگر کہتا ہے کہ مجھے مغفرت کی امید ہے۔

جس شخص کو معلوم ہو کہ اس نے برے اعمال کئے ہیں۔ اس کے لئے مناسب یہی ہے
کہ اس کا خوف اس کی امید پر غالب ہو۔

کہتے ہیں کہ سخی (یعنی اللہ) سے سخاوت کی امید رکھنے کا نام رجاء ہے۔
بعض کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنے کا نام رجاء ہے۔
بعض کہتے ہیں، کہ دل کے اللہ کی مہربانی کے قریب ہونے کو رجاء کہتے ہیں۔
بعض کہتے ہیں، کہ رجاء یہ ہے۔ کہ دل اچھے انجام پر خوش ہو۔
بعض کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کی طرف نگاہ رکھنے کا نام رجاء ہے۔
میں نے شیخ عبدالرحمٰن سلمیؒ سے سنا۔ کہتے تھے منصور بن عبداللہ فرماتے تھے۔ میں نے
رگی رودباری کو فرماتے سنا۔ خوف و رجاء کی مثال پرندے کے دو پروں کی سی ہے
اگر دونوں یکساں ہوں تو پرندہ بھی یکساں رہتا ہے۔ اور اس کی اڑان بھی مکمل ہوتی ہے۔ اور
جب ایک میں کمی آجائے۔ تو اڑان میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر دونوں جاتے رہیں تو پرندے
کی حالت نیم مردہ کی سی ہو جاتی ہے۔

نیز میں نے ان سے سنا۔ کہ ان سے نصرآبازی نے کہا۔ کہ ابن ابی حاتم نے کہا۔ علی بن شہرزان فرماتے تھے۔ کسی نے احمدؒ بن عاصم انطاکی سے سوال کیا۔ کہ بندے میں رجاء کے پائے جانے کی کیا علامت ہے؟ فرمایا۔ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کے احسان نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں شکر کرنے کا خیال ڈال دے۔ جس کی وجہ سے وہ دُنیا میں یہ اُمید رکھے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو اس پر تمام کر دیگا۔ اور آخرت میں اُسے پورے طور پر معاف۔

ابو عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر خوشی کا اظہار کرنا "رجاء" ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس سے اُمید رکھی جاتی ہے۔ کی بخشش کو دیکھکر دلوں کے خوش ہونے کو رجاء کہتے ہیں۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سُنا۔ کہا میں نے ابو عثمان مغربی کو فرماتے سُنا جس نے اپنے نفس کو (صرف) رجاء پر رکھا۔ اس نے عمل چھوڑ دیا۔ اور جس نے (صرف خوف پر رکھا۔ وہ مایوس ہو گیا۔ انسان کو کچھ رجاء اور کچھ خوف کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

میں نے ان کو کہتے ہوئے سُنا۔ ابو العباس بغدادی نے کہا۔ کہ حسن (۵۵۵) بن صفوان نے کہا۔ ابن ابی الدنیا (۵۵۹) نے کہا۔ کہ بکر بن سُلیم (۵۶۰) الصواف فرماتے تھے۔ جس دن مالک (۵۶۱) بن انس کی وفات ہوئی ہم ان کے پاس گئے اور پوچھا۔ اے ابو عبداللہ! آپ کیا محسوس کرتے ہیں۔ فرمایا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں تمہیں کیا کہوں۔ ابھی تم اللہ تعالیٰ کی اس قدر عفو کا معائنہ کرو گے۔ جس کا تمہیں وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ ہم ابھی انہیں کے پاس تھے۔ کہ ہم نے ان کی آنکھیں بند کر دیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ (خدایا!) قریب ہے کہ گناہوں کے ہوتے ہوئے تمہارے کرم پر میری امید اس امید پر غالب آجائے۔ جو اعمال کے ہوتے ہوئے کی جاتی ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ میں اعمال میں اخلاص پر بھروسہ کرتا ہوں۔ مگر میں اعمال کو آفات سے کیسے بچا سکتا ہوں۔ جبکہ میں ان آفات کی وجہ سے مشہور ہوں۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے میرا اعتماد تمہاری عفو پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ تو محمود ہوتے ہوئے گناہ کو معاف نہ کرے؟

ذوالنون مصری نزع کی حالت میں تھے۔ لوگوں نے ان سے بات کرنا چاہی۔ فرمایا۔ میری توجہ اللہ کی طرف سے نہ ہٹاؤ۔ مجھے تو اللہ کی کثیر المقدار مہربانیوں پر تعجب ہوتا ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں، خدایا! تمہاری اُمید (رجاء) میرے دل میں شیریں ترین عطیہ ہے۔ اور میری زبان پر شیریں ترین کلام تمہاری تعریف ہے۔ اور سب سے محبوب گھڑی میرے لئے وہ گھڑی ہوگی۔ جس میں میں تمہیں دیکھ لوں گا۔

ایک تفسیر میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اپنے اصحاب کے پاس آئے تو اُنہیں دیکھا کہ وہ ہنس رہے ہیں۔ فرمایا۔ کیا تم ہنس رہے ہو۔ اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جاتا۔ جن کا مجھے علم ہے۔ تو تم تھوڑا ہنستے۔ اور بہت روتے پھر آپ چلے گئے۔ جب واپس لوٹے۔ فرمایا۔ ابھی جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور یہ آیت لائے۔

نَبِّئْ عِبَادِیْ اِنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

میرے بندوں کو بتاؤ کہ میں غفور و رحیم ہوں۔

مجھے ابوالحسن الاہوازی نے کہا۔ ان سے ابوالحسن الصفار نے ان سے عباس بن تمیم نے، ان سے یحییٰ بن ایوب نے، ان سے مسلم بن سالم نے ان سے خارجہ بن مصعب نے، زید بن اسلم سے روایت کی۔ اور اُنہوں نے عطاء بن یسار سے سنا۔ کہ عائشہ رضی فرماتی تھیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو مایوسی اور اللہ کی اس رحمت کو جو ان کے قریب ہے۔ دیکھ کر ہنستا ہے اس پر حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں (میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، کیا اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔ فرمایا۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ ہنستا ہے تب ہی تو وہ ہمیں نیکی سے محروم نہ رکھے گا۔

یاد رکھیں، کہ جب اللہ تعالیٰ کی ہنسی کا ذکر ہو تو یہ اس کی صفاتِ فعلیہ میں سے ہے۔ جس سے مراد مہربانی کا اظہار ہے۔ لوگ کہتے ہیں ضحکت الارض بالنبات (زمین سے سبزہ اُگنے لگا، لوگوں کی مایوسی پر اللہ تعالیٰ کی ہنسی سے مُراد ان عنایاتِ ربانی کے تحقق کا اظہار ہے۔ جو عنایتیں اس انتظار کے مقابلہ میں جو انہیں کرنا پڑتا ہے۔ کئی گنا زیادہ ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک مجوسی

کہتے ہیں کہ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کھانا مانگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ مسلمان ہو جاؤ کھانا دیتا ہوں۔ مجوسی نے کہا۔ جب میں مسلمان ہو گیا۔ تو پھر آپ کا مجھ پر کیا احسان؟ یہ کہہ کر مجوسی چل دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ اے ابراہیم! تو نے اس شرط پر کھانا کھلانا کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ اور ہم ستر برس سے اسے اسی کفر کی حالت میں روزی دے رہے ہیں۔ اگر تم اسے ایک رات کھانا کھلا دیتے۔ تو کیا حرج تھا؟ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مجوسی کے پیچھے ہو لئے، اور اسے (لا کر) کھانا کھلایا۔ مجوسی نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے وجہ بیان کر دی۔ یہ سن کر مجوسی نے کہا۔ کہ میرا رب مجھ سے اس طرح کا معاملہ کرتا ہے؟ بہتر ہے آپ اسلام پیش کیجئے۔ اور وہ مسلمان ہو گیا۔

میں نے شیخ ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ استاد ابو سہلؒ[567] صعلوکی نے ابو سہل زجاج کو خواب میں دیکھا۔ اور زجاج کا عقیدہ[568] یہ تھا۔ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عذاب دینے کی دھمکی دے دی۔ وہ عذاب اس پر ہو کر رہے۔ صعلوکی نے پوچھا کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ ہم نے معاملہ اپنے خیال کے مقابلہ میں آسان تر پایا۔

میں نے ابو بکر بن اشکیب[569] کو فرماتے سنا۔ کہ میں نے ابو سہل صعلوکی کو خواب میں اس قدر اچھی حالت میں دیکھا۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے دریافت کیا۔ کہ حضرت یہ مرتبہ کیسے ملا؟ فرمایا۔ اپنے رب کے متعلق حسن ظن کی بدولت۔

مالک بن دینار کو خواب میں دیکھا گیا پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا۔ کہ میں اپنے رب کے پاس بہت زیادہ گناہ لے کر پہنچا۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے متعلق میرے حسنِ ظن نے بالکل مٹا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُ وَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا اقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا اقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔

میں ویسا ہی ہوں۔ جیسا میرا بندہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔ جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل ہی دل میں یاد کرتا ہے۔ میں اُسے دل ہی دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے۔ تو میں اس کا ذکر اس کی مجلس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں اگر وہ ایک بالشت بھر میری طرف آتا ہے۔ تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔ اور اگر ایک ہاتھ بڑھتا ہے۔ تو میں ایک باع (یعنی دو ہاتھ) اس کی طرف بڑھتا ہوں اگر وہ پیدل آتا ہے۔ تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔

ہم نے ابو نعیمؒ عبدالملک بن حسن اسفرائینی نے بیان کیا۔ ان سے یعقوبؒ بن اسحٰق[۵۷۱] نے کہا۔ ان سے علی بن حرب[۵۷۲] نے کہا۔ ابو معاویہ[۵۷۳] و محمدؒ بن عبید[۵۷۴] نے اعمشؒ[۵۷۵] سے اور انہوں نے ابو صالحؒ[۵۷۶] سے روایت کی۔ ان سے ابو ہریرہؓ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۵۷۷] اور روایت کو بیان کیا۔

(عبداللہ) ابن المبارک اور ایک کافر

کہتے ہیں کہ ابن المبارک ایک بار ایک طاقتور کافر سے جنگ کر رہے تھے۔ کہ اس کافر کی نماز کا وقت آگیا۔ اس نے ابن المبارک سے مہلت مانگی۔ تو آپ نے مہلت دیدی۔ مگر جب اس نے سورج کو سجدہ کیا، تو ابن المبارک نے تلوار سے اُسے قتل کر دینے کا ارادہ کیا اس وقت ہوا میں کسی کو کہتے سنا۔ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔

اپنے عہد کو پورا کرو۔ کیونکہ اس کی باز پرس ہوگی۔

یہ سُن کر آپ رُک گئے۔ جب مجوسی نماز سے فارغ ہوا، تو اس نے پوچھا، تو اپنے ارادہ سے کیوں رُک گیا؟ ابن المبارک نے بتایا۔ کہ مجھے یہ ندا آئی ہے اور آیت پڑھ کر سنائی، یہ سُن کر مجوسی نے کہا، کیا ہی اچھا رب ہے۔ اپنے دوست کو اپنے دشمن کے بارے میں عتاب کرتا ہے پھر وہ مسلمان ہو گیا، اور نیک مسلمان بنا۔

کسی نے کہا ہے، کہ لوگ گناہوں میں اس لئے پڑے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام غفور رکھا ہے۔ نیز کہا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا۔ کہ میں گناہ معاف نہیں کروں گا تو کبھی کوئی مسلمان گناہ نہ کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا۔ کوئی مسلمان شرک نہیں کرتا ہے لیکن جب یوں کہہ دیا، وَيَغْفِرُ

مَا دُونَ ذٰلِکَ لِمَن یَّشَاءُ۔

(اس کے علاوہ جو گناہ بھی ہو۔ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔) تو لوگوں کو اللہ کی مغفرت کی تمنا ہوئی۔

ابراہیم بن ادہم سے حکایت کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں ایک مدت تک اس بات کا منتظر رہا۔ کہ مطاف کو (بیت اللہ کو لوگوں سے) خالی پاؤں۔ ایک مرتبہ رات بہت تاریک تھی۔ اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ مطاف لوگوں سے خالی ہو گیا۔ میں جا کر بیت اللہ کا طواف کرنے لگا۔ اور یہ کہتا گیا۔ خدایا! مجھے بچانا۔ اس پر غیب سے ندا آئی۔ اے ابن ادہم، تو گناہ سے بچنے کی درخواست کرتا ہے؟ ہر شخص کی یہی درخواست ہوتی ہے اگر تمہیں بچا دوں۔ تو پھر میں رحم کس پر کروں؟

کہتے ہیں کہ ابوالعباس بن سریج نے اپنی مرض الموت میں خواب میں دیکھا۔ کہ قیامت بپا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ علماء کہاں ہیں؟ علماء حاضر ہو گئے۔ فرمایا۔ کیا تم نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا۔ ہم سب نے کہا۔ خدایا! ہم نے کوتاہی کی۔ اور برے اعمال کئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ جواب پسند نہیں آیا۔ اس لئے وہی سوال دہرایا۔ اس پر میں نے کہا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میرے نامۂ اعمال میں شرک نہیں ہے۔ اور تیرا وعدہ ہے۔ کہ اس کے علاوہ جو گناہ بھی ہو گا معاف کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اس واقعہ سے تین راتوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص بہت زیادہ شراب پیا کرتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے ہم پیالہ لوگوں کو جمع کیا۔ اور ایک لڑکے کو چار درہم دئے کہ ان کے لئے پھل خرید لائے۔ بچے کا گزر منصور بن عمار کی مجلس کے دروازے پر ہوا منصور ایک محتاج کے لئے کچھ مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ جو کوئی اسے چار درہم دے گا۔ اس کے لئے چار دعائیں کروں گا۔ یہ سن کر بچے نے چاروں درہم اسے دے دئے۔ منصور نے کہا۔ تو کیا دعا کرانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا۔ میرا ایک آقا ہے جس سے میں نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ منصور نے دعا کی۔ اور کہا، اور کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ میرے درہموں کے بدلے اور درہم دے دے۔ انہوں نے یہ دعا بھی کر دی۔ پھر کہا۔ اور کیا؟ اس نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ میرے آقا کی توبہ قبول کر لے۔

نے یہ دعا بھی کر دی؛ اور پوچھا اور کیا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے میرے آقا کو اور
اور جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ ان کو معاف کر دے۔ منصور نے یہ دعا بھی کی۔ اس کے
لڑکا اپنے آقا کے پاس لوٹ گیا۔ آقا نے پوچھا تو نے دیر کیوں لگائی۔ اس نے سارا
بیان کر دیا۔ آقا نے کہا: انہوں نے کیا دعا کی؟ اس نے کہا میں نے آزاد ہونے کی درخواست
آقا نے کہا۔ جاؤ تم آزاد ہو۔ دوسری دعا کون سی کی تھی؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے
انہوں کے بدلے اور درہم دے دے۔ آقا نے کہا یہ لو چار ہزار درہم۔ پھر کہا، تیسری
ہے؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے۔ اس نے کہا، میں نے اللہ کی طرف
کیا۔ پھر کہا، چوتھی کون سی ہے۔ تو کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مجھے قوم اور نصیحت کرنے والے
ف کر دے۔ آقا نے کہا۔ یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔ جب رات ہوئی۔ تو اس
ب میں دیکھا کہ کوئی اُسے کہہ رہا ہے۔ جو کچھ تمہارے اختیار میں تھا۔ تو نے کر دیا۔ کیا
ال ہے۔ کہ جو کچھ میرے اختیار میں ہے۔ میں نہیں کروں گا؟ میں نے تجھے غلام کو اور
ابن عمار کو اور ان لوگوں کو جو وہاں موجود تھے معاف کر دیا۔

رباح قیسی کا واقعہ کہتے ہیں کہ رباح قیسیؒ نے بہت سے حج کیے۔ ایک دن
میزاب کے نیچے کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ الٰہی! میں نے اپنے
میں سے اتنے حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیے دس حج آپ کے دس صحابہ (عشرہ
مبشرہ) کو، دو اپنے والدین کو، اور باقی مسلمانوں کو بخشے۔ اپنے لئے ایک حج بھی نہ رکھا۔
غیب سے ندا آئی۔ یہ لو، یہ شخص ہم پر اپنی سخاوت جتا رہا ہے۔ میں تمہیں، تمہارے
ین کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھا۔ ضرور بخش دوں گا۔

مخنث کا جنازہ عبد الوہاب بن عبد المجید ثقفیؒ روایت کرتے ہیں۔ کہ میں نے
ایک جنازہ دیکھا۔ جسے تین مرد اور ایک عورت اٹھائے جا رہے
میں نے عورت کی جگہ لے لی۔ ہم سب قبرستان پہنچے اور نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن
کیا میں نے اس عورت سے دریافت کیا۔ تیرا اس میت سے کیا رشتہ تھا؟ اس نے
دیا۔ کہ یہ میرا بیٹا تھا۔ میں نے پھر پوچھا۔ کیا آپ کے پڑوسی نہیں ہیں؟ کہنے لگی، ہیں

تو مگر انہوں نے اُسے حقیر سمجھا۔ میں نے پھر پوچھا یہ کیا تھا؟ عورت نے جواب دیا یہ مخ
تھا۔ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں اُسے اپنے گھر لے گیا۔ اور میں نے
پیسے، گندم اور کپڑے دئیے۔ جب رات کو سویا۔ تو خواب میں ایک شخص آیا جس
چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا۔ اور اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس
شکریہ ادا کیا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا، میں وہی مخنث ہوں۔ جسے
نے آج دفن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بخش دیا ہے۔ کہ لوگ مجھے حقیر جانتے

ابو عمرو بیکندی اور ایک نوجوان

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ ابو
بیکندی کا گزر ایک راستہ سے ہوا۔ دیکھا کہ کچھ لوگ
نوجوان کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے محلہ سے نکال رہ
ہیں۔ اور ایک عورت رو رہی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ اس کی ماں
ابو عمرو کو اس پر رحم آیا۔ اور اس نوجوان کی ان لوگوں سے سفارش کی۔ اور کہا کہ
بار اسے چھوڑ دو۔ اگر پھر شرارت کرے تو تم جانو اور یہ۔ لوگوں نے اسے چ
اور ابو عمرو چل دئیے۔ چند دنوں کے بعد ان کا گزر پھر اسی سڑک پر ہوا۔ اور انہو
دروازہ کے پیچھے سے اس بڑھیا کے رونے کی آواز سُنی۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا
ہے کہ اس نوجوان نے پھر شرارت کی ہو۔ اور اسے محلہ سے نکال دیا گیا ہو۔ لہٰذا
نے دستک دی۔ اور اس بڑھیا سے اس نوجوان کا حال پوچھا۔ تو بڑھیا نے بتایا کہ
اس کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ تو اس نے مجھ سے کہا۔ کہ میرے پڑوسیوں کو میر
کی اطلاع نہ دینا۔ کیونکہ میں انہیں دُکھ دیتا رہا ہوں۔ اس لئے وہ میرے مرنے پر خو
اور میرے جنازہ کے ساتھ نہ ہوں گے۔ جب تو مجھے دفن کرنے لگے تو یہ میری انگو
جس پر بسم اللہ لکھا ہوا ہے۔ اسے میرے ساتھ دفن کر دینا۔ اور دفن سے فارغ ہو
میرے رب کے پاس میری سفارش کرنا۔ وہ عورت کہتی ہے۔ کہ میں نے ایسا ہی کیا
اس کی قبر سے اُٹھ کر چلنے لگی۔ تو میں نے اس کی آواز سُنی کہ وہ مجھے کہہ رہا ہے۔ اماں
جاؤ۔ میں رب کریم کے پاس پہنچا ہوں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی۔ کہ لوگوں سے کہہ دو۔ کہ میں نے انہیں اپنے لئے پیدا نہیں کیا۔ کہ ان سے کوئی فائدہ حاصل کروں۔ میں نے انہیں اس لئے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ مجھ سے فائدہ حاصل کریں۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا۔ انہوں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان سے سنا۔ انہوں نے ابوبکر بن حربی سے سنا کہ ابراہیم الاطروش[۵۸۰] فرماتے تھے ہم بغداد میں معروف کرخی کے ساتھ دریائے دجلہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک کشتی میں نوعمروں کی ایک ٹولی دف بجاتی شراب پیتے اور کھیلتے ہوئے گزری۔ ہم نے معروف کرخی سے کہا۔ کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ لوگ علی الاعلان خدا کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ ان کے لئے بددعا کیجئے تو معروف کرخی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ خدایا! جس طرح تو نے انہیں دنیا میں خوش رکھا ہے۔ آخرت میں بھی خوش رکھنا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ ہم نے آپ کو بددعا کرنے کو کہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ جب اللہ انہیں آخرت میں خوش رکھے گا تو ان کی توبہ بھی قبول کرے گا۔

میں نے ابوالحسن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن محمد المزکی سے سنا۔ انہوں نے ابو زکریا[۵۸۱] یحییٰ بن محمد الادیب سے سنا۔ انہوں نے الفضل بن صدقہ سے سنا۔ کہ ابو عبداللہ الحسین بن عبداللہ بن سعید فرماتے ہیں۔ کہ یحییٰ بن اکثم[۵۸۲] قاضی میرے دوست تھے۔ انہیں مجھ سے محبت تھی اور مجھے ان سے۔ جب یحییٰ نے وفات پائی۔ تو میں چاہتا تھا۔ کہ وہ مجھے خواب میں دکھائی دیں۔ تو ان سے پوچھوں کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ چنانچہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ جواب دیا کہ مجھے اللہ نے بخش دیا۔ مگر ساتھ ہی سرزنش بھی کی۔ سرزنش کرنے کے بعد اللہ نے کہا۔ اے یحییٰ! تو نے دنیا میں نیک و بد میں تخلیط کی۔ (یعنی تو نے دنیا میں کچھ کام نیک کئے اور کچھ بد۔) میں نے عرض کی۔ ہاں یا اللہ، میں نے تو اس حدیث پر بھروسہ کر رکھا تھا۔ جس کی روایت مجھ سے ابو معاویہ ضریر نے اعمش سے انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے کی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے خدا! تُونے کہا ہے۔ کہ میں بوڑھے آدمی کو دوزخ کا عذاب دینے سے شرماتا ہوں۔
یہ سُن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے نبی نے سچ کہا ہے۔ اے یحییٰ! میں نے تجھے معاف کر دیا۔ مگر تو نے نیک و بد دونوں قسم کے اعمال خلط کر دیئے۔

باب (۱۰)

حُزن (غم)[۵۸۳]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ
اور "انہوں نے کہا۔ تعریف ہے اس خدا کی۔ جس نے ہم سے غم دُور کیا۔"
علی بن احمد بن عبدان نے کہا۔ ہم سے احمد بن عبید نے، اور ان سے علی بن جیش نے، اور اُن سے احمد بن عیسٰی[۵۸۴] نے، اور ان سے ابن وھب[۵۸۵] نے کہا۔ کہ ہم سے اسامہ بن زید اللیثی[۵۸۶] نے محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت کی۔ کہ انہوں نے عطا بن یسار سے سنا کہ ابو سعید الخدری فرماتے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔
مَا مِنْ شَیْءٍ یُصِیْبُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَصَبٍ اَوْ نَصَبٍ اَوْ حُزْنٍ اَوْ اَلَمٍ یُھِمُّهٗ اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ سَیِّاٰتِهٖ۔
جو بیماری یا تکان، یا غم یا کوئی بے قرار کرنے والا دُکھ کسی مومن بندے کو لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے کچھ گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔
حزن ایک ایسی حالت ہے۔ جو دل پر قابو پا کر اسے غفلت کی وادیوں میں پھرنے سے روکتی ہے اور یہ اہل سلوک کے اوصاف میں سے ہے۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ حزن والا انسان اللہ کی راہ کو ایک ماہ کے اندر اتنا طے کر لیتا ہے کہ وہ شخص جسے حزن نہیں۔ اسے کئی سال کے اندر بھی طے نہیں کر سکتا۔

حدیث میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر غم زدہ دل کو پسند کرتا ہے۔

توراۃ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے۔ تو اس کے دل میں ایسی صفت پیدا کر دیتا ہے۔ جو اسے نوحہ کرنے پر اکساتی ہے۔ اور جب کسی بندے سے ناخوش ہوتا ہے تو اس کے دل میں ایسی صفت پیدا کر دیتا ہے۔ جو اُسے خوش کرنے پر اکساتی ہے

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر متفکر اور محزون رہتے تھے۔

بشر بن الحارث فرماتے ہیں۔ غم ایک ایسا فرشتہ ہے کہ جب کسی جگہ پر سکونت اختیار کر لیتا ہے۔ تو یہ نہیں چاہتا۔ کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی وہاں رہائش اختیار کرے کہا جاتا ہے جب دل میں غم نہ ہو۔ تو دل ویران ہو جاتا ہے۔ جیسے گھر۔ کہ اس میں رہنے والے نہ ہوں۔ تو گھر ویران ہو جاتا ہے۔

ابو سعید[٥٨٨] قرشی فرماتے ہیں۔ غم سے رونا اندھا کر دیتا ہے اور شوق سے رونا آنکھ کو کمزور کر دیتا ہے۔ اندھا نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ وَهُوَ كَظِيمٌ (سورۃ یوسف)

"غم کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی۔ اور وہ مغموم تھے۔"

ابن خفیف کہتے ہیں۔ نفس کو خوشی کے لئے اٹھنے سے روکنے کا نام حزن ہے۔

رابعہ عدویہ نے ایک شخص کو "واحزناہ" (وائے غم) کہتے سنا۔ تو فرمایا۔ یوں کہو۔ "واقلۃ حزناہ" (وائے غم کی قلت ہے) اگر تو غمناک ہوتا۔ تو سانس نہ لے سکتا۔

سفیان بن عیینہ[٥٨٩] فرماتے ہیں اگر کوئی غم زدہ کسی امت میں روئے تو اللہ تعالیٰ اس کے رونے کی وجہ سے اس امت پر رحم فرماتا ہے۔

داؤد طائیؒ پر غم غالب تھا۔ وہ رات کو پکارا کرتے خدایا! تمہارے غم نے تمام

غموں کو معطل کر دیا۔ اور میری نیند کو اچاٹ کر دیا۔ اور کہا کرتے۔ وہ شخص جس پر ہر وقت نئی مصیبت آتی رہتی ہے۔ وہ غم سے کب چھوٹ سکتا ہے۔

کہتے ہیں۔ غم کھانا کھانے سے روکتا ہے۔ اور خوف گناہوں سے۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا۔ کہ کسی کے غم کا کیسے پتہ چل سکتا ہے؟ تو فرمایا۔ اس کے کثرت سے آہ و زاری کرنے سے۔

سری سقطیؒ فرماتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تمام لوگوں کا غم مجھ پر ڈال دیا جائے۔

لوگوں نے غم سے بحث کی ہے۔ اور سب یہی کہتے ہیں۔ کہ صرف آخرت کا غم قابل تعریف ہے۔ دنیا کا غم قابل تعریف نہیں۔ صرف ابو عثمان حیری نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ غم خواہ کسی طرح کا ہو۔ فضیلت کا سبب ہے۔ اور جب تک کسی معصیت کی خاطر نہ ہو۔ مومن کے لئے زیادتی مراتب کا باعث ہے۔ اس لئے کہ بالفرض اگر یہ انسان کے درجے بلند نہیں کرتا۔ تو گناہوں سے پاک تو کرتا ہے۔

ایک صوفی کی نسبت مروی ہے کہ جب ان کا کوئی مرید سفر کو جاتا۔ تو وہ اُسے کہتے کہ اگر کوئی تجھے غمزدہ مل جائے تو اسے میرا سلام کہنا۔

میں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو فرماتے سُنا۔ کہ ایک صوفی سورج سے غروب ہونے کے وقت کہا کرتے۔ کیا آج تمہارا طلوع کسی غمزدہ پر ہُوا۔

حسن بصری کی یہ حالت تھی کہ جو کوئی بھی انہیں دیکھتا۔ یہی کہتا۔ کہ ابھی ان پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔

جب فضیل رحمتہ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ تو وکیع نے کہا۔ آج دنیا سے غم جاتا رہا۔

گذشتگان میں سے ایک بزرگ کا قول ہے۔ مومن انسان اپنے نامۂ اعمال میں زیادہ تر نیکیاں غم اور فکر کرنے کی پائے گا۔

میں نے ابو عبداللہ شیرازی سے سُنا۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ علی بن بکران نے ان سے کہا۔ کہ محمد بن علی[(۵۹۰)] مروزی نے احمد بن ابی روح[(۵۹۱)] سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ میرے والد کہتے تھے میں نے فضیل بن عیاض کو کہتے سنا۔ کہ پچھلے بزرگ فرمایا کرتے تھے۔ ہر چیز پر زکوٰۃ ہے

اور "طول حزن" عقل کی زکوٰۃ ہے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ محمد بن احمد الفرا نے ان سے کہا، اور ان سے ابو الحسین الوراق نے کہا۔ کہ ایک دن میں نے ابو عثمان حیری سے غم کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ غمزدہ کو اتنی وسعت کہاں، کہ غم کے متعلق سوال کرے۔ پہلے غم کی طلب میں کوشاں ہو پھر پوچھ۔

باب (۱۱)

(۵۹۲)

بھوک اور ترکِ اشتہاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ "ہم تمہیں ضرور کسی قدر خوف اور بھوک کے ذریعہ آزمائیں گے۔"

اس آیت کے آخر میں اللہ کا فرمان ہے۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ۔ صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو بھوک برداشت کرتے ہیں۔ صبر سے کام لیتے ہیں اچھے ثواب کی بشارت دی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ "خواہ انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ پھر بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔"

ہم سے علی بن احمد ہوازی نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید الصفار نے، ان سے عبد اللہ بن (۵۹۳) ایوب نے، اور ان سے ابو الولید (۵۹۴) طیالسی نے کہا۔ کہ ابو ہاشم (۵۹۵) صاحب زعفرانی (۵۹۶) کہتے تھے کہ محمد بن عبد اللہ (۵۹۷) نے کہا۔ انس بن مالک (۵۹۸) فرماتے تھے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ اے فاطمہ! یہ ٹکڑا کیسا ہے؟ عرض کیا۔ میں نے ایک روٹی پکائی تھی؛ میرے دل نے پسند نہ کیا۔ کہ میں اسے اکیلی کھاؤں۔ لہٰذا میں یہ ٹکڑا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ پہلا کھانا ہے۔ جو تین دنوں پر تمہارے باپ کے منہ میں گیا؟"

بعض روائیتوں میں ہے۔ کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو کی روٹی لے کر آئی تھیں۔

بنابریں بھوک صوفیا کی صفت رہی ہے۔ اور یہ مجاہدہ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ ارباب سلوک نے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالی۔ اپنے نفس کو کھانے سے روکا۔ اور انہیں بھوک میں حکمت کے چشمے ملے۔ اس بارے میں صوفیا کی بہت حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔

میں نے محمد بن احمد بن محمد صوفی سے سنا۔ کہ انہوں نے عبداللہ بن علی تمیمی سے کہتے سنا کہ میں نے ابن سالم کو فرماتے سنا۔ بھوک کا ادب یہ ہے کہ روزمرہ کی خوراک میں سے صرف بلی کے کان برابر کم کیا جائے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ سہل بن عبداللہ پندرہ دن میں ایک بار کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور جب رمضان کا مہینہ آتا۔ تو نیا چاند دیکھنے تک کچھ نہیں کھاتے۔ اور ہر رات سادہ پانی سے روزہ افطار کرتے تھے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ اگر بھوک ایسی چیز ہوتی۔ جو بازار میں خریدی جا سکتی۔ تو آخرت کے طالبین کے لیئے جب بھی بازار میں داخل ہوتے یہ مناسب نہ ہوتا۔ کہ کسی اور چیز کو خریدتے

ہم سے محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ نے بیان کیا۔ کہ ان سے علی بن الحسین ارجانی نے اور ان سے ابو محمد عبداللہ بن احمد اصطخری نے مکہ میں بیان کیا۔ کہ سہل بن عبداللہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا۔ تو پیٹ بھر کر کھانے میں معصیت اور جہالت کو رکھ دیا۔ اور بھوک میں علم اور حکمت کو۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ بھوک مریدوں کے لئے ریاضت ہے۔ توبہ کرنے والوں کے لئے

ہے۔ زاہدوں کے لئے سیاست اور عارفوں کے لئے کرامت و بزرگی۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ ایک بزرگ ایک شیخ کے پاس آئے۔ دیکھا۔ وہ رو رہے ہیں۔ جب انہوں نے رونے کا سبب پوچھا۔ تو فرمایا کہ میں بھوکا ہوں انہوں نے کہا۔ آپ جیسے آدمی بھوک کی وجہ سے روئیں۔ شیخ نے فرمایا۔ چپ رہو، کیا نہیں جانتے۔ مجھے بھوکا رکھنے میں اللہ کی مرضی یہی ہے کہ میں روؤں؟

میں نے عبداللہ شیرازی سے سنا۔ کہ ان سے محمد بن بشر[۶۰۱] نے اور ان سے الحسین[۶۰۲] بن منصور نے بیان کیا۔ کہ داؤد بن[۶۰۳] معاذ فرماتے تھے۔ میں نے مخلد[۶۰۴] کو کہتے سنا۔ حجاج بن[۶۰۵] فرافصہ ہمارے ساتھ شام میں تھے۔ پچاس راتیں گزر گئیں۔ انہوں نے نہ پانی پیا اور نہ کوئی چیز کھا کر آسودہ ہوئے۔

میں نے انہی عبداللہ سے سنا۔ کہ ابوبکر[۶۰۶] غزالی نے کہا۔ میں نے محمد بن علی سے اور انہوں نے ابو عبداللہ بن احمد بن یحییٰ الجلاء سے سنا۔ فرماتے تھے۔ ابو تراب نخشبی بصرہ کے جنگل کے راستے مکہ کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، آئے۔ ہم نے ان سے ان کے کھانے کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ میں بصرہ سے نکلا۔ تو نباج[۶۰۷] میں پھر ذات عرق[۶۰۸] میں کھانا کھایا۔ اور وہاں سے تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ اس طرح انہوں نے صرف دو کھانوں میں صحرا کو طے کر لیا۔

نیز میں نے ان سے سنا۔ کہتے تھے۔ علی بن النخاس مصری نے، ان سے ہارون بن محمد دقاق نے، ان سے ابو عبدالرحمٰن بن الدرقش نے، ان سے احمد بن ابی الحواری نے فرماتے تھے میں نے عبدالعزیز[۶۰۹] بن عمیر کو فرماتے سنا۔ ایک قسم کے پرندے چالیس دن تک بھوکے رہے۔ پھر ہوا میں اڑ گئے۔ چند دنوں کے بعد جب لوٹ کر آئے تو ان سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔

سہل بن عبداللہ کی حالت یہ تھی، کہ جب وہ بھوکے ہوتے۔ تو طاقتور ہو جاتے اور اگر کچھ کھا لیتے۔ تو کمزور ہو جاتے۔

ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں۔ ربانی یعنی اللہ والے لوگ چالیس دنوں میں، اور صمدانی لوگ اسی دنوں میں کھانا نہیں کھاتے ہیں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے سنا۔ ان سے محمد بن علی علوی نے کہا۔ میں نے علی[۶۱۱] بن ابراہیم قاضی دمشق سے اور انہوں نے محمد[۶۱۲] بن علی بن خلف سے اور انہ احمد بن ابی الحواری سے اور انہوں نے ابوسلیمان دارانی کو فرماتے سنا۔ سیر ہو کر کھانا کی کنجی ہے۔ اور بھوک آخرت کی۔

میں نے محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ سے، انہوں نے علی بن الحسین ارجانی سے سنا کہ اصطخری فرماتے تھے۔ کہ کسی نے سہل بن عبداللہ سے کہا۔ ایک شخص دن میں ایک مرتبہ کھاتا ہے۔ (یہ کیسا ہے؟) فرمایا۔ یہ صدیقین کا کھانا ہے۔ پھر پوچھا۔ جو کوئی دو دو بار کھا ہے۔ جواب دیا یہ مومنین کا کھانا ہے۔ پھر پوچھا کہ تین بار کھائے تو؟ فرمایا۔ گھر کو کہدو۔ کہ تمہارے لئے تھان تیار کر دیں۔ (جہاں جانور چارہ کھاتے رہتے ہیں)

میں نے انہی محمد بن عبداللہ سے سنا۔ کہ ان سے عبدالعزیز بن فضل نے بیان کیا فرمایا۔ ان سے ابوبکر سائح نے بیان کیا۔ کہ میں نے یحییٰ بن معاذ کو فرماتے سنا۔ بھوک نور ہے۔ اور سیری آگ، اور شہوت مثل ایندھن ہے۔ جس سے جلنے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جس کی آگ اس وقت تک نہیں بجھتی۔ جب تک شہوت والے کو جلا نہیں

میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا۔ فرماتے تھے، انہوں نے ابو نصر سراج طوسی کو سنا۔ ایک دن ایک صوفی کسی شیخ کے پاس آئے۔ شیخ نے کھانا پیش کیا۔ پھر پوچھا۔ دنوں سے آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا؟ جواب دیا۔ پانچ دنوں سے۔ شیخ نے فرمایا۔ تمہ بھوک ایک بخیل آدمی کی بھوک جیسی ہے۔ تمہارے پاس کپڑے ہوتے ہوئے تم بھوکے یہ فقر کی بھوک نہیں ہے۔

میں نے محمد بن حسین سے، انہوں نے محمد[۶۱۳] بن احمد بن سعید رازی سے، انہوں نے بن حمزہ سے انہوں نے احمد ابن حواری سے سنا۔ فرماتے تھے۔ ابوسلیمان دارانی کا قول میرے نزدیک رات بھر قیام میں گزارنے سے یہ بہتر ہے کہ میں رات کو ایک لقمہ کم
میں نے انہی محمد بن حسین سے سنا۔ کہ انہوں نے ابوالقاسم[۶۱۵] جعفر بن احمد رازی کو فر سنا۔ کہ ابوالخیر[۶۱۶] عسقلانی کئی سال تک مچھلی کھانے کی خواہش کرتے رہے۔ بالآخر ملا

یہ بات یسر آگئی مگر جب کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو مچھلی کی ہڈیوں کا ایک کانٹا انگلی
ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اُن کا ہاتھ ضائع ہو گیا۔ اس پر کہنے لگے۔ خدایا! یہ تو اس
کی سزا ہے۔ جس نے ایک حلال چیز کی خواہش کی۔ اور ہاتھ بڑھایا۔ اس شخص کا
ں ہوگا۔ جو حرام چیز کی خواہش کے ساتھ ہاتھ بڑھائے گا؟ میں نے رستم شیرازی
کو کہتے سنا۔ کہ ابو عبداللہ بن خفیف ایک دعوت میں تھے۔ ان کے مرید نے ان سے
کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کیونکہ وہ کئی دن سے فاقہ سے تھا۔ اس پر ایک اور مرید نے
تنبیہہ کی۔ کہ اس نے شیخ سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا کہ شیخ کی بے ادبی کی
ں نے اس فقیر کے سامنے کوئی چیز رکھ دی۔ جس سے وہ سمجھ گیا۔ کہ اس کی اس بے ادبی
سنایا گیا ہے۔ لہٰذا اس نے عہد کر لیا۔ کہ اپنے نفس کی تادیب سزا کے لئے پندرہ دن
کچھ نہ کھائے گا۔ اس طرح اس نے اپنی بے ادبی سے توبہ کرنے کی ظاہری صورت
حالانکہ وہ پہلے ہی فاقہ میں مبتلا تھا۔

میں نے محمد بن عبداللہ صوفی سے سُنا۔ انہوں نے ابو الفرج ورثانی سے سنا۔ انہوں نے
د بن محمد بن جعفر سے[۶۱۷]، انہوں نے ابراہیم بن محمد بن الحرث سے[۶۱۸] انہوں نے سلیمان بن داؤد[۶۱۹]
انہوں نے جعفر بن سلیمان سے سُنا۔ کہ کہتے تھے۔ میں نے مالک بن دینار کو فرماتے
جو شخص اپنی دنیاوی خواہشات پر غالب آگیا۔ شیطان اس کے سایہ سے الگ کر
یا۔

میں نے ان کو یہ بھی کہتے سُنا۔ کہ منصور بن عبداللہ الاصفہانی فرماتے تھے۔ میں نے ابو
ودباری کو فرماتے سنا۔ اگر کوئی صوفی پانچ دن کے فاقہ کے بعد یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں
سے کہو۔ کہ بازار میں جا کر کمائے اور تصوف اور فقر کا نام نہ لے۔

استاد ابو علیؒ دقاق کسی شیخ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ دوزخیوں کی اشتہا
پرہیز پر غالب آگئی۔ اس لئے وہ رُسوا ہوئے۔

استاد ابو علی دقاق کو میں نے فرماتے سنا۔ کسی صوفی سے کہا گیا کیا تو کبھی کسی چیز کی
نہیں کرتا؟ اس نے جواب دیا۔ خواہش تو ہوتی ہے۔ مگر میں پرہیز کرتا ہوں۔

انہوں نے فرمایا۔ کہ ایک صوفی سے کہا گیا۔ تجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہوتی؟ جواب میں چاہتا ہوں کہ خواہش پیدا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوتا۔ یعنی خواہشات کا احساس مر چکا یہ درجہ زیادہ کامل ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ ان سے احمد بن منصور نے کہا کہ ابن مخلد نے کہا کہ ان سے ابو الحسین الحسن بن عمرو بن جہم نے کہا کہ میں نے ابو نصر تمار کو فرماتے سنا رات میرے پاس بشر آئے میں نے کہا اس خدا کا شکر ہے جو تمہیں یہاں لے آیا ہمارے خراسان سے کچھ روئی آئی۔ بچی نے اسے کات کر بیچا۔ اور گوشت خریدا۔ لہٰذا آپ ہاں افطار کیجئے فرمایا اگر میں نے کسی کے ہاں کھانا کھایا۔ تو تمہارے ہاں کھاؤں گا۔ پھر کئی سال سے بینگن کھانے کی خواہش کر رہا ہوں مگر ایسا اتفاق نہیں ہوا میں نے عرض گوشت میں حلال کی کمائی کے بینگن بھی ڈالے ہیں فرمانے لگے رتب کھاؤں گا) جب کی محبت پاک ہو جائے۔

میں نے عبداللہ بن باکویہ صوفی کو کہتے سنا کہ ابو احمد صغیر فرماتے تھے مجھے عبداللہ بن خفیف نے حکم دیا کہ میں ہر رات ان کی افطاری کے لئے منقّٰی کے دس پیش کیا کروں ایک رات مجھے ان پر ترس آگیا تو میں نے دس کی بجائے پندرہ دانے پیش آپ نے میری طرف دیکھا اور کہا تجھے پندرہ دانے لانے کا کس نے حکم دیا۔ آپ صرف دس کھائے اور باقی (پانچ) کو چھوڑ دیا۔

میں نے محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ سے سنا۔ انہوں نے ابو العباس احمد بن عبداللہ فرغانی سے سنا۔ انہوں نے ابو الحسین رازی سے انہوں نے یوسف بن الحسین سنا کہتے تھے۔ میں نے ابو تراب نخشبی کو فرماتے سنا۔ میرے نفس نے صرف ایک خواہش کی۔ اس نے روٹی اور انڈا کھانا چاہا اس وقت میں سفر میں تھا۔ میں ایک طرف ہو لیا۔ ایک شخص اٹھا اور مجھ سے چمٹ گیا۔ اور کہا یہ شخص چوروں کے ساتھ نے مجھے ستر درے مارے اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا۔ اور ابو تراب نخشبی ہیں لوگوں نے مجھ سے معافی مانگی ایک شخص تعظیم اور مہربانی کے طور پر مجھے

رے گیا۔ اور روٹی اور انڈا کھانے کے لئے پیش کیا۔ میں نے اپنے نفس سے کہا۔ ستر
تے کھانے کے بعد اب اسے کھاؤ۔

باب (۱۲)

خشوع اور تواضع۔[۶۲۵]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ
خَاشِعُوْنَ۔ ”وہ مومن جو اپنی نماز خشوع سے ادا کرتے ہیں، نجات پا گئے۔
ہم سے ابوالحسن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن محمد بن یحییٰ مزکی نے کہا۔ ان سے ابوالفضل سفیان
محمد جوہری نے، اور ان سے علی بن الحسن[۶۲۶] نے، ان سے یحییٰ بن حماد[۶۲۷] نے کہا۔ کہ ان سے
شعبہ[۶۲۸] نے، ان سے ابان بن تغلب[۶۲۹] نے، ان سے فضیل الفقیمی[۶۳۰] نے، ان سے ابراہیم نخعی[۶۳۱]
نے، ان سے علقمہ بن قیس[۶۳۲] نے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے فرماتے سنا۔
”جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا۔ وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اور جس شخص
کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا۔ وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔“
اس پر ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ ایک شخص عمدہ لباس پہننا چاہتا ہے۔ فرمایا۔
اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے۔ خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں۔ حق بات کو قبول نہ
کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا تکبر کہلاتا ہے
ہمیں علی بن احمد ہوازی نے بتایا۔ کہ ان سے احمد بن عبید بصری نے، ان محمد بن
فضل بن جابر نے، ان سے ابو ابراہیم نے، ان سے علی بن مسہر[۶۳۳] نے، ان سے مسلم[۶۳۴]
اعور نے خود انس بن مالک سے سنا۔ فرماتے تھے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت کو جایا کرتے، جنازہ کے ساتھ جاتے
گدھے پر سوار ہوتے، ایک غلام کی بھی دعوت قبول کرتے۔ بنی قریظہ اور بنی
نضیر کی جنگ کے دن آپ گدھے پر سوار تھے۔ جس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی۔ اس
خوی گیر (جھول) بھی چھال کا تھا۔

خشوع اور تواضع کی تعریف

خشوع حق تعالیٰ کی تابعداری کرنا ہے۔ اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سپرد کرنے اور اس
کے حکم پر اعتراض نہ کرنے کا نام تواضع ہے۔

حذیفہؓ فرماتے ہیں۔ اپنے دین سے سب سے پہلی چیز جو گم ہوگی۔ وہ خشوع ہے۔
کسی صوفی سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔
خشوع یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کے سامنے پورے ارادے سے کھڑا ہو۔
سہلؒ بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ جس شخص کے دل میں خشوع ہے۔ شیطان اس کے قریب
نہ آئے گا۔
کہتے ہیں کہ بندے کے خشوع کی علامت یہ ہے۔ کہ جب اُسے غصہ دلایا جائے
یا اس کی مخالفت کی جائے۔ یا اس کا رد کیا جائے۔ تو وہ ان باتوں کو بخوشی قبول کرے
ایک صوفی کا قول ہے۔ کہ دل کا خشوع یہ ہے۔ کہ نگاہوں کو دیکھنے سے مقید کر
کر دیا جائے۔
محمدؒ بن علی ترمذی فرماتے ہیں۔ خشوع کرنے والا شخص وہ ہے۔ جس کی خواہشات کی
آگ بجھ چکی ہے۔ اور اس کے سینہ کا دھواں ساکن ہو چکا ہے۔ اور تعظیم کا نور اس کے دل
میں روشن ہو چکا ہے۔ جس کی خواہشات نفسانی مر چکی ہے جس کا دل زندہ ہو چکا ہے
اور اس کے تمام اعضاء میں خشوع سرایت کر چکا ہے۔
حسنؒ بصری فرماتے ہیں۔ ایسا دائمی خوف جو دل کے ساتھ لازم ہو چکا ہو۔ خشوع
کہلاتا ہے۔
جنیدؒ سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔

علام الغیوب کے سامنے دلوں کا ذلیل ہونا خشوع کہلاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا"۔

" اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو اپنے جوتوں کے تسمے بھی اچھے نہیں رکھتے۔

خشوع کا مقام دل ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ خشوع کا مقام دل ہے۔

ایک صوفی نے ایک آدمی کو دیکھا۔ بظاہر بہت متفکر اور غمگین تھا۔ اور اس کے دونوں کندھے ٹکڑ گئے تھے، صوفی نے اُسے اس کے سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ارے! خشوع تو یہاں ہوتا ہے اور کندھوں کی اشارہ کر کے کہا۔ یہاں نہیں ہوتا۔

روایت کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا۔ کہ نماز میں ڈاڑھی کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا۔ تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع پایا جاتا"۔

کہا جاتا ہے کہ نماز میں خشوع کی شرط یہ ہے کہ نمازی کو معلوم ہی نہ ہو۔ کہ کون اس کے دائیں جانب ہے۔ اور کون بائیں جانب۔

استاد امام نے فرمایا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حق سبحانہٗ کے حضور میں اپنے دل کو باادب جھکا دینے کا نام خشوع ہے

کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اطلاع سے دل کا مرجھا جانا خشوع کہلاتا ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ حقیقت کے غلبہ کے وقت دل کا پگھلنا اور پیچھے ہٹنا خشوع کہلاتا ہے۔

نیز کہتے ہیں۔ کہ خشوع ہیبتِ خداوندی کے غلبہ کا پیش خیمہ ہے۔

نیز کہتے ہیں۔ کہ خشوع رونگٹوں کا کھڑا ہو جانا ہے۔ جو حقیقت کے کھل جانے کے وقت دل پر یکایک طاری ہو جاتا ہے۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں۔ صوفیاء کے ہاں یہ بات بُری سمجھی جاتی ہے۔ کہ اس کے ظاہری جسم سے اس قدر خشوع سمجھا جائے۔ جتنا کہ اس کے دل میں نہ ہو۔

ابو سلیمانؒ دارانی فرماتے ہیں۔ اگر سب لوگ اس بات پر اکٹھے ہوجائیں۔ کہ وہ میری قدر کو اس قدر گھٹا دیں۔ جس قدر کہ میں نے خود اسے گھٹا رکھا ہے۔ تو وہ یہ بات نہ کرسکیں گے۔

کہتے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے آپ کو نہ گھٹائے گا۔ وہ اوروں کے نزدیک بلند نہ ہو سکے گا۔

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہٗ مٹی کے سوا کسی اور چیز پر سجدہ نہ کیا کرتے تھے۔

ہم سے علی بن احمد اہوازی نے، ان سے احمد بن عبید بصری نے، ان سے ابراہیم بن[۶۳۷] عبداللہ نے، ان سے ابوالحسن بن علی بن یزید الفرائضی نے، ان سے محمد بن کثیر[۶۳۸] مصیصی نے ہارون بن حیان[۶۳۹]، خصیف[۶۴۰] اور سعید بن جبیر[۶۴۱] کی طرق سے ابن عباس سے روایت کی فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا۔ وہ جنت میں نہ جائے گا۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوحؑ کو غرق کر دیا۔ تو اور پہاڑوں نے اپنا سر اونچا رکھا۔ مگر جودی پہاڑ نے سرنگوں کر دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُسے نوحؑ کی کشتی کی قرارگاہ بنایا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تیز چلا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ اس طرح کام جلد سر انجام پاتے ہیں۔) اور یہ چال اکڑ اور غرور سے انسان کو دُور رکھتی ہے۔

ایک رات عمر بن عبدالعزیز کچھ لکھ رہے تھے۔ آپ کے پاس ایک مہمان تھا۔ کہ چراغ بجھنے لگا۔ مہمان نے کہا۔ کہ میں اُٹھ کر چراغ کو درست کر دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ مہمان سے خدمت لینا شرافت نہیں ہے۔ مہمان نے کہا۔ پھر نوکر کو بیدار کریں۔ فرمایا۔ یہ بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ابھی سویا ہے۔ لہٰذا آپ خود اس صراحی کی طرف اُٹھ کر گئے۔ جس میں تیل تھا۔ اور چراغ میں تیل ڈالا۔ مہمان نے کہا۔ اے امیرالمومنین

پ خود اٹھ کر گئے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ میں جب اٹھ کر گیا تھا۔ تب بھی عمر تھا۔
۔ واپس آیا ہوں۔ تب بھی عمر ہوں۔
ابو سعید خدری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اونٹ کے آگے چارہ ڈالا کرتے۔ گھر میں جھاڑو
یتے۔ جوتا سیتے۔ کپڑے میں پیوند لگاتے۔ بکری کا دودھ دوہتے، خادم کے
تھ کھانا کھاتے۔ اور جب وہ تھک جاتا۔ تو اس کے ساتھ مل کر چکی پیستے، آپ بازار
سے سودا سلف خود اٹھا کر لانے میں شرم محسوس نہ کرتے تھے۔ امیر و غریب سے
صافحہ کرتے۔ سلام کرنے میں پہل کرتے۔ کسی قسم کی دعوت ہوتی۔ آپ اسے حقیر نہ سمجھتے
اہ وہ ادنیٰ قسم کی کھجوریں ہی کیوں نہ ہوتی۔ آپ نرم خو اور نرم اخلاق والے تھے۔
یم الطبع تھے۔ لوگوں سے اچھی طرح میل جول رکھتے۔ خندہ پیشانی اور تبسم سے پیش
تے۔ ضحک و ہنسی کا مظاہرہ نہ کرتے۔ اور بغیر ترش روئی کے آپ محزون دکھائی دیتے
پ متواضع تھے۔ مگر ذلت کا شائبہ نہ ہوتا۔ بغیر اسراف کے سخی تھے، رقیق القلب
تھے۔ ہر مسلمان کے ساتھ رحم دل تھے۔ آپ نے کبھی سیر ہو کر ڈکار نہیں لیا۔ اور نہ ہی
ی قسم کے لالچ کی وجہ سے کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
یں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے انہوں نے عبد اللہ بن محمد رازی سے انہوں نے مردویہ صائغ سے سنا۔ فرماتے تھے
ہ میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے سنا۔ کہ اللہ کے لئے قرآن پڑھنے والے، عاجزی کرنے
لے، اور تواضع کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور حکام کے لئے قرآن پڑھنے والے مغرور و
متکبر ہوتے ہیں۔
فضیل بن عیاض فرماتے ہیں۔ جس شخص نے اپنے آپ کو قدر و قیمت والا خیال کیا۔ اس کا
نکساری میں کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔ کسی نے فضیل سے تواضع کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا:۔
تواضع یہ ہے۔ کہ تو حق بات کے سامنے جھک جائے۔ اس کی اطاعت کرے۔
اور حق بات کہنے والے کی بات کو قبول کرے۔
فضیل فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی طرف وحی بھیجی۔ کہ میں تم میں سے ایک پر ایک

نبی سے باتیں کرنے والا ہوں۔ اس پر تمام پہاڑ اکڑنے لگے۔ مگر طور سینا نے انکساری
اسی تواضع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اس پر بات کی۔

میں نے محمد بن الحسین سے، انہوں نے احمد بن علی بن جعفر سے، انہوں نے
ابراہیمؒ بن فاتک کو فرماتے سنا۔ کہ کسی نے جنیدؒ سے تواضع کے متعلق سوال کیا۔ فرما
تواضع یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کے لئے اپنے آپ کو جھکا دے اور ان سے نرم برتا
کرے۔

وھبؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی نازل کی ہوئی ایک کتاب میں ہے۔ کہ میں نے آدم علیہ
کی پشت میں سے ان کی اولاد کو نکالا۔ تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کے دل سے بڑھ کر زیا
تواضع کرنے والا کسی اور دل کو نہیں پایا۔ اسی وجہ سے میں نے انہیں منتخب کیا۔ اور ا
ہم کلام ہوا۔

ابن المبارکؒ فرماتے ہیں۔ مالداروں سے تکبر کرنا اور فقیروں سے انکساری کر
تواضع کہلاتا ہے۔

کسی نے ابو یزیدؒ سے پوچھا۔ کہ انسان کب متواضع ہوتا ہے۔ فرمایا۔ جب انسان ا
لئے یہ نہ خیال کرے۔ کہ ان کا کوئی مقام ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ ان کی کوئی حالت ہے ا
یہ خیال کرے کہ مخلوق میں اس سے بڑھ کر کوئی اور برا انسان ہو سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ تواضع ایک ایسی نعمت ہے۔ جس پر کوئی شخص حسد نہیں کرتا۔ او
ایک ایسی مصیبت ہے۔ جس پر کوئی شخص رحم نہیں کھاتا۔ اور عزت تواضع میں ہے
جس نے تکبر میں عزت کو تلاش کیا۔ وہ اسے نہیں پا سکتا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ سے سنا۔ انہوں نے ابو بکر محمد بن عبداللہ سے سنا۔ انہو
کہا کہ ابراہیم بن شیبان فرماتے تھے۔ تواضع میں شرافت، تقویٰ میں عزت اور قناعت
حریت پائی جاتی ہے۔ میں نے ان سے یہ بھی سنا۔ کہ حسن ساوی کا نے ان سے بیان
کہ ان سے ابن الاعرابی نے کہا۔ کہ مجھے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ سفیان ثوری کہتے تھے
زیادہ عزت والے پانچ طرح کے لوگ ہیں۔ (۱) عالم، جو زاہد بھی ہو۔ (۲) فقیہہ

غنی ہو (۳) مالدار، جو متواضع بھی ہو (۴) محتاج، جو شاکر بھی ہو۔ (۵) سید زادہ سنی بھی ہو۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ تواضع ہر شخص کے لئے اچھی چیز ہے۔ مگر مالدار کے لئے بھی اچھی چیز ہے۔ اور تکبر ہر شخص میں بدنما معلوم ہوتا ہے۔ اور محتاج میں اور بھی زیادہ لگتا ہے۔

ابن عطاء رح فرماتے ہیں۔ تواضع یہ ہے۔ کہ تو حق بات کو قبول کرے۔ خواہ کہنے والا بچہ بھی ہو۔

کہتے ہیں کہ زید بن ثابت سوار ہوئے۔ تو ابن عباس ان کا رکاب پکڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ زید نے کہا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی! ٹھہر جائیے۔ ابن عباس نے کہا۔ ہمیں علماء کے ساتھ یہی برتاؤ کرنے کو کہا گیا ہے۔ زید بن ثابت نے ابن عباس کا ہاتھ پکڑ کر چوما۔ اور فرمایا۔ ہمیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عروہ[644] بن زبیر فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب کے کندھے پہ پانی کا ایک مشکیزہ ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اے امیرالمومنین، یہ آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ فرمایا۔ جب میرے پاس اطاعت گزاری کے لئے وفد آیا۔ تو میرے دل میں کچھ نخوت داخل ہو گئی۔ میں نے اس نخوت کو توڑنا چاہا۔ آپ مشکیزہ لے کر انصار کی ایک عورت کے حجرہ میں گئے اور اس کے برتن میں مشکیزہ انڈیل دیا۔

میں نے ابو حاتم رح سجستانی کو فرماتے سنا۔ کہ جب ابو ہریرہ[645] رضی اللہ عنہ مدینہ کے گورنر تھے۔ تو دیکھا گیا۔ کہ وہ اپنی پیٹھ پر ایندھن کا گٹھا اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ اور وہ کہہ رہے تھے کہ اپنے حاکم کو راستہ دو۔

عبداللہ[646] رازی فرماتے ہیں۔ لوگوں کی بلا امتیاز خدمت کرنے کا نام تواضع ہے۔
میں نے محمد بن حسین سے سنا۔ کہ انہوں نے محمد بن[647] احمد بن ہارون سے سنا۔ انہوں نے محمد بن العباس[648] الدمشقی سے سنا۔ انہوں نے احمد بن ابی حواری سے سنا۔ فرمایا۔

کہ میں نے ابوسلیمان دارانی کو یوں فرماتے سنا۔
جس شخص نے یہ خیال کیا۔ کہ اس کی کوئی قیمت ہے۔ وہ خدمت کی مٹھاس کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا
یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ جو شخص تمہارے ساتھ اپنے مال و دولت کی وجہ سے تکبر کرے۔ اس کے ساتھ تکبر کرنا تواضع ہے۔
شبلیؒ فرماتے ہیں۔ میری ذلت نے یہودیوں کی ذلت کو بھی مات کر دیا ہے۔
ایک شخص شبلیؒ کے پاس آیا۔ شبلیؒ نے پوچھا۔ تو کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ جناب میں تو "باء" کے نیچے کا نقطہ ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تو میرا گواہ ہے بشرطیکہ تو اپنے نفس کے لئے کوئی مقام نہ مقرر کرے۔
ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ بھی تواضع میں شامل ہے۔ کہ تو اپنے بھائی کا جوٹھا کھائے اور پیئے۔
بشرؒ فرماتے ہیں۔ دنیا داروں کو سلام نہ کر کے اپنے لئے سلامتی طلب کر۔
شعیبؒ بن حرب فرماتے ہیں۔ میں طواف کر رہا تھا۔ کہ اچانک ایک شخص نے مجھے کہنی ماری۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ تو وہ فضیل بن عیاض تھے۔ فرمانے لگے۔ اے ابو صالح اگر تو یہ خیال کرتا ہے کہ حج کے موقعہ پر ہم دونوں سے بڑھ کر کوئی اور برا انسان آیا ہوگا تو تمہارا یہ خیال نہایت ہی برا ہوگا۔
ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں نے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا۔ جس کے آگے آگے نوکر لوگوں کو اس کی خاطر طواف کرنے سے روک رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے اس شخص کو مدت تک بغداد کے پل پر لوگوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا مجھے اس پر حیرت ہوئی۔ تو وہ مجھ سے کہنے لگا۔ کہ میں نے ایک ایسے مقام پر تکبر کیا جہاں لوگ انکساری کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے مقام پر ذلت میں مبتلا کیا۔ جہاں لوگ اپنے کو اونچا کرتے ہیں۔

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ اور ان کا بیٹا

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ

و معلوم ہوا۔ کہ ان کے ایک بیٹے نے ایک ہزار درہم سے ایک نگینہ خریدا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اسے کہا۔ کہ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ تو نے ایک نگینہ ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔ میری چٹھی دیکھتے ہی انگوٹھی کو بیچ ڈالو۔ اور ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلاؤ اور دو درہموں کی ایک اور انگوٹھی خرید لو۔ اور اس کا نگینہ چینی لوہے کا ہو۔ اور اس پر یہ حروف کندہ کراؤ۔ " رحِمَ اللّٰہُ امرءً اعرَفَ قدرَ نفسِہٖ "۔

" خدا اس شخص پر رحم کرے۔ جس نے اپنی قدر پہچانی "۔

کہتے ہیں۔ ایک حاکم کے سامنے ایک غلام پیش کیا گیا۔ جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی۔ جب وہ قیمت لے کر آیا۔ تو اس نے خیال کیا کہ قیمت زیادہ ہے۔ اس کے بعد پھر اسے اس کے خریدنے کا خیال آیا۔ مگر پھر اس نے قیمت خزانہ میں لوٹا دی۔ اس غلام نے کہا۔ اے میر آقا! مجھے خرید لیں۔ کیونکہ ہزار درہم کے عوض مجھ میں ایک خصلت ہے۔ جو ایک ہزار درہموں سے بھی زیادہ ہے۔ حاکم نے پوچھا۔ وہ کون سی خصلتیں ہیں۔ غلام نے کہا۔ سب سے کم اور ادنی خصلت یہ ہے۔ کہ اگر آپ مجھے خرید لیں۔ اور مجھے تمام غلاموں پر مقدم رکھیں۔ پھر بھی میں اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھوں گا۔ اور یہی خیال کروں گا۔ کہ میں آپ کا غلام ہوں۔ لہٰذا اس نے اسے خرید لیا۔

رجاء بن حیوۃ[۲۳۶] سے حکایت کی گئی۔ کہ عمر بن عبدالعزیز کے لباس کی قیمت لگائی گئی جن کو پہنے ہوئے وہ خطبہ دے رہے تھے تو ان کی قیمت بارہ درہم لگی۔ ان کے لباس میں یہ چیزیں تھیں۔ چوغہ پگڑی۔ قمیص۔ شلوار۔ چادر۔ دو موزے اور ایک ٹوپی۔

کہتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن محمد بن واسع[۶۵۷] اس طرح غرور سے چلے کہ کسی نے اسے پسند نہ کیا۔ تو اس کے باپ نے (اسے نیچا دکھانے کے خیال سے) اس سے کہا۔ کیا تجھے معلوم ہے۔ کہ میں نے تمہاری ماں کو کتنے میں خریدا تھا۔ صرف تین سو درہموں سے خریدا تھا۔ اور تمہارا باپ ایسا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اس قسم کا اور باپ پیدا نہ کرے۔ اس کے باوجود تو اس قسم کی چال چل رہا ہے؟

میں نے محمد بن حسین سے، انہوں نے محمد بن احمد بن الفراء سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ

عبداللہ بن منازل فرماتے تھے۔ کہ میں نے حمدون قصار کو فرماتے سنا۔ تواضع یہ ہے
کہ تو یہ خیال کرے کہ تو دنیا میں اس قدر ادنیٰ ہے۔ کہ کسی شخص کو تمہاری ضرورت
نہیں، نہ دین میں، نہ دنیا میں؛

ابراہیم بن ادہم

ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں۔ کہ میں اسلام کی حالت میں صرف تین بار خوش ہوا۔ ایک بار میں ایک کشتی میں تھا۔ اس
کشتی میں ایک شخص تھا۔ جو لوگوں کو خوب ہنسایا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا۔ کہ ہم ترکوں کے علاقہ میں
کافروں کو یوں پکڑ لیا کرتے تھے۔ یہ کہہ کر میرے سر کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتا۔ اس سے میں
خوش ہوتا تھا۔ کیونکہ اس کی نظر میں کشتی کے اندر مجھ سے زیادہ حقیر اور کوئی شخص نہ تھا۔ دوسری
بار ایسا ہوا۔ کہ میں ایک مسجد میں بیمار پڑا تھا۔ مؤذن نے آکر مجھ سے کہا۔ کہ نکل جاؤ۔ مجھ میں
اتنی طاقت نہ تھی کہ نکل جاؤں۔ میرا پاؤں پکڑ کر مجھے گھسیٹا۔ اور باہر لے گیا۔ تیسری بار اس
طرح کہ میں ملک شام میں تھا۔ اور میں نے ایک پوستین پہن رکھی تھی۔ ایک بار جو میں نے اسے
دیکھا۔ تو اس قدر جوئیں اس میں تھیں۔ کہ بالوں اور جوؤں میں امتیاز نہ رہا تھا۔ میں اس سے
خوش ہوا۔

انہی ابراہیم سے ایک اور روایت اس طرح مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں کسی چیز سے
اس قدر خوش نہیں ہوا۔ جس قدر کہ میں اس بات سے خوش ہوا کہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور ایک
آدمی نے آکر مجھ پر پیشاب کر دیا۔

۶۵۲

حضرت بلالؓ اور ابو ذرؓ

کہتے ہیں۔ کہ حضرت بلال[۶۵۳] رضی اللہ عنہ اور ابو ذرؓ آپس میں جھگڑ پڑے۔ ابو ذرؓ نے بلالؓ کو کالا کہا۔ بلالؓ
نے جا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا اے ابو ذرؓ
تمہارے دل میں جاہلیت کا تکبر ابھی باقی ہے! یہ سن کر ابو ذرؓ نے اپنے آپ کو گرا دیا۔ اور
قسم کھائی۔ کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائیں گے۔ جب تک بلالؓ ان کے رخسارہ پر پاؤں نہ رکھیں
گے۔ اور جب تک بلال نے ایسا نہیں کیا۔ سر نہیں اٹھایا۔

حسن[۶۵۴] بن علی رضی اللہ عنہ کا گزر کچھ بچوں پر ہوا۔ جن کے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ انہوں

آپ کو دعوت دی۔ آپ نے اتر کر ان کے ساتھ وہ روٹی کا ٹکڑا کھایا۔ پھر ان کو اپنے گھر لے گئے اور کھانا بھی دیا۔ اور کپڑے بھی دیئے۔ اور فرمایا۔ احسان ان کا مجھ پر ہے۔ اس لئے کہ ان کے پاس تو وہی کچھ تھا۔ جو انہوں نے مجھے کھلا دیا۔ اور ہمارے ہاں تو جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے۔ اس سے زیادہ موجود ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے غنیمت کے مال میں سے صحابہ میں دوشالے تقسیم کئے۔ اور معاذ رضی اللہ عنہ[۶۵۴] کو ایک یمنی جوڑا بھیجا۔ انہوں نے اسے بیچ کر چھ غلام خرید لئے۔ انہیں آزاد کر دیا۔ جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی تو اس کے بعد انہوں نے پھر جوڑے تقسیم کئے۔ تو معاذ کے پاس پہلے جوڑے سے مقابلے میں کمتر جوڑا بھیجا۔ یہ دیکھ کر معاذؓ نے خفگی کا اظہار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ خفگی کی کوئی بات نہیں، تم نے تو پہلا جوڑا بیچ ڈالا تھا۔ معاذ نے کہا آپ کا اس میں کیا حرج ہے؟ آپ میرا حصہ مجھے دے دیں میں نے قسم کھائی ہے۔ کہ میں یہ چادر آپ کے سر پر دے ماروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ یہ میرا سر تمہارے سامنے ہے۔ اور بوڑھا بوڑھے کے ساتھ نرمی کیا کرتا ہے۔

باب ۱۳۔

نفس کی مخالفت اور اس کے عیوب[۶۵۵]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۔۔ جو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا۔ اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا۔ ایسے شخص کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔

علی بن احمد بن عبدان نے کہا۔ کہ ان سے احمد بن عبید نے، ان سے تمتام نے[656]، ان سے محمد بن معاویہ نیساپوری نے[657]، ان سے علی بن ابی علی بن عتبہ بن ابی لہب نے[658] بیان کیا۔ کہ محمد بن منکدر[659] نے جابر بن عبد اللہ[660] سے روایت کی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف خواہشات کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوؤں سے ہے۔

اتباع ہوئی۔ (خواہشات کی پیروی) حق سے روکتی ہے۔ اور لمبی آرزو آخرت کو بھلا دیتی ہے۔

یہ یاد رکھو۔ کہ نفس کی مخالفت اصل عبادت ہے مشائخ صوفیا سے اسلام کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا۔ مخالفت کی تلوار سے نفس کو ذبح کرنے کا نام اسلام ہے۔

یاد رکھو کہ جس شخص کے نفس کے خواہشات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس شخص کے اللہ کے ساتھ انس کے روشن ستارے غروب ہو جاتے ہیں۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ غور و فکر عبادت کی کنجی ہے۔ اور درست کام کرنے کی نشانی یہ ہے کہ تو نفس اور خواہشات کی مخالفت کرے۔ اور ان دونوں کی مخالفت ان کی خواہشات کو ترک کر دینے سے ہوتی ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں نفس کی سرشت ہے۔ کہ برے آداب کی طرف لگے۔ اور بندے کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ آداب کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ لہٰذا نفس اپنی طبیعت کے تقاضا کے مطابق مخالفت کے میدان میں رواں ہوتا ہے۔ اور بندہ اسے اپنی کوشش سے برے مطالبات سے روکتا ہے۔ جس نے نفس کی باگ چھوڑ دی وہ نفس کی برائیوں میں نفس کا شریک ہے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے، انہوں نے ابو بکر رازی سے سنا۔ کہا ابو عمر انماطی فرماتے تھے۔ میں نے جنید کو فرماتے سنا۔ نفس جو ہمیں برائیوں کا حکم دیتا ہے وہی ان ہلاکتوں کو بلاتا ہے۔ جو دشمن (شیطان) کی مدد گار ہیں۔ اور ہم سے ایسی خواہشات کی پیروی کراتی ہیں جو طرح طرح کی برائیوں کے ساتھ متہم ہیں۔

ابو حفص ؒ فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص نے ہر لحظہ اپنے نفس کو متہم نہیں کیا۔ اور ہر حالت میں
کی مخالفت نہیں کی۔ اور اپنے تمام ایام (زندگی) میں اسے ایسے امور میں نہیں لگایا۔
یں وہ ناپسند کرتا ہے۔ تو وہ شخص دھوکا کھائے گا۔ اور جس شخص نے نفس کی کسی
چیز کو بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ اس نے اسے ہلاک کر دیا۔ عقلمند اپنی
س سے کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ جبکہ کریم' ابن کریم' ابن کریم' ابن کریم یوسف بن
قوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل جیسی شخصیت فرمائے۔
وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ ۔ "میں اپنے نفس کو بری قرار
یں دیتا۔ کیونکہ نفس تو بدی کا حکم دیتا ہے۔
میں نے محمد بن حسین سے سنا ہے۔ انہوں نے ابراہیم بن مقسم سے بغداد میں سنا
ولانے ابن عطا سے سنا۔ فرمایا کہ جنید ؒ فرماتے تھے۔ میں ایک رات بیدار رہا۔
ر اپنے ورد کے لئے اٹھا۔ مگر وہ لذت جو میں محسوس کیا کرتا تھا۔ حاصل نہ ہوئی۔ میں
ے چاہا کہ سو جاؤں۔ مگر سو نہ سکا۔ پھر میں بیٹھ گیا۔ مگر مجھ سے بیٹھا نہ گیا۔ اس پر میں
ے دروازہ کھولا۔ اور باہر نکل گیا۔ دیکھتا کیا ہوں۔ کہ ایک شخص چوغے میں لپٹا ہوا راستہ
پڑا ہے۔ جب اس نے میری آہٹ سنی' تو سر اٹھا کر کہا۔ "اے ابوالقاسم! اتنی دیر
دی"۔ میں نے عرض کیا۔ جناب میرا آپ سے کوئی وعدہ نہ تھا۔" فرمانے لگے۔ کیوں نہیں؟
ں نے اللہ تعالیٰ سے جو دلوں کو حرکت دینے والا ہے۔ درخواست کی تھی۔ کہ وہ
پ کے دل کو حرکت دے"۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات تو کر دی۔ اب
پ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ دل کی بیماری ' دل کا علاج کب بن
تا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ جب نفس اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے۔ تو اس کی
ری خود اس کا علاج بن جاتی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر
نے لگا۔ سن لو۔ میں نے یہی جواب تمہیں سات بار دیا۔ مگر تو نے مجھ سے یہ جواب قبول
یں کیا۔ اور کہتا رہا۔ جب تک جنید ؒ سے نہ سن لوں گا۔ نہ مانوں گا۔ اب تو نے جنید ؒ
سے جواب سن لیا۔ جنید ؒ فرماتے ہیں۔ یہ کہا اور وہ شخص کہیں چلا گیا۔

نہ میں اس شخص کو جانتا تھا۔ اور نہ اس واقعہ کے بعد اس سے واقفیت ہوئی۔

ابوبکر طمستانی فرماتے ہیں۔ کہ اپنے نفس (کے قابو) سے نکلنا ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لئے کہ تمہارا نفس ہی اللہ اور تمہارے درمیان بہت بڑا حجاب ہے۔

سہل فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی نفس اور اس کے خواہشات کی مخالفت سے بہتر کسی طرح نہیں کی گئی۔

میں نے محمد بن حسین سے، انہوں نے منصور بن عبداللہ سے، انہوں نے ابو عمرو انماطی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کسی نے ابن عطا سے پوچھا۔ کہ وہ کونسی چیز ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ بہت جلد ناراض ہوتا ہے۔ فرمایا۔ نفس اور اس کے احوال کو بنظرِ استحسان دیکھنا اور اس سے بھی سخت بات یہ ہے۔ کہ انسان نفس کے افعال پر معاوضہ کی امید رکھے۔

میں نے انہی محمد بن حسین سے سنا۔ انہوں نے حسین بن یحییٰ سے[۶۶۲]، انہوں نے جعفر بن نصیر سے، انہوں نے ابراہیم خواص سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں جبل لکام[۶۶۳] پر تھا۔ وہاں انار دیکھے۔ میرے نفس نے اس کی خواہش کی۔ چنانچہ میں نے بڑھ کر ایک انار لے لیا۔ جب اسے ٹکڑے کیا۔ تو ترش نکلا۔ میں انار چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے ایک شخص کو زمین پر پڑا ہوا پایا۔ جس پر بھڑیں اکٹھی ہو رہی تھیں۔ میں نے السلام علیک کہا۔ اس نے جواب میں کہا اے ابراہیم! وعلیک السلام، میں نے پوچھا، آپ نے مجھے کس طرح پہچانا؟ کہا۔ جسے اللہ معرفت دے۔ اس سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی۔ پھر میں نے کہا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ کے ہاں آپ کا مرتبہ ہے، لہٰذا اگر آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ آپ کو ان بھڑوں سے بچائے (تو وہ بچا سکتا ہے) اس نے کہا۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ آپ کا اللہ کے ہاں مرتبہ ہے۔ اگر آپ اللہ سے درخواست کرتے۔ کہ وہ انار کی خواہش سے آپ کو بچائے (تو اللہ بچا سکتا تھا) اس لئے کہ انار کے کاٹنے کا درد انسان آخرت میں پائے گا۔ اور بھڑوں کے کاٹنے کا درد صرف اس دنیا میں ہوگا۔ اس پر میں انہیں چھوڑ کر چل دیا۔

ابراہیمؒ بن شیبان سے حکایت ہے۔ وہ فرماتے تھے۔ میں نے چالیس سال تک کبھی
کے نیچے رات نہیں گزاری۔ اور نہ ہی ایسی جگہ رات گزاری۔ جس پر تالا لگا ہو۔ بعض اوقات
یا ہتا تھا۔ کہ مجھے پیٹ بھر کر مسور کی دال مل جائے۔ مگر ایسا نہ ہُوا۔ ایک بار میں شام
تھا۔ کہ میرے پاس ایک بڑا پیالہ جس میں مسور کی دال تھی۔ میرے پاس لایا گیا۔ میں نے
میں سے کھایا۔ اور باہر نکلا۔ تو میں نے کچھ بوتلیں لٹکی ہوئی دیکھیں۔ جن میں ایسا معلوم
تھا۔ کہ نمونے کی کچھ سیال چیز ہے۔ میں نے اسے سرکہ سمجھا۔ کسی شخص نے مجھ سے کہا۔
یا دیکھ رہا ہے؟ شراب کے نمونے ہیں۔ اور ان مٹکوں میں بھی شراب ہے۔ اس
میں نے اپنے دل میں کہا۔ اب تو مجھ پر ایک فرض عائد ہو گیا۔ لہٰذا میں شراب فروش
دکان میں داخل ہو گیا۔ اور تمام مٹکوں کو انڈیلتا گیا۔ شراب فروش یہ سمجھتا رہا۔ کہ میں سلطان
حکم سے انڈیل رہا ہوں۔ مگر جب اسے حقیقت کا علم ہُوا۔ تو مجھے ابن طولون(۶۶۴) کے
لے گیا۔ ابن طولون نے مجھے دو سو بید لگنے کا حکم دیا اور مجھے قید کر دیا۔ ایک
ت تک میں قید میں رہا۔ یہانتک کہ میرے استاد ابو عبداللہ(۶۶۵) مغربی اس شہر میں
ے۔ اور میری سفارش کی۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ تو فرمانے لگے۔ کیا کیا تھا؟ میں نے
وں کیا۔ پیٹ بھر کر دال کھائی۔ اور دو سو بید کھائے۔ ابو عبداللہ مغربی نے جواب دیا۔
ستے چھوٹے۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰنؒ سلمی سے سنا۔ انہوں نے ابوالعباسؒ بغدادی سے، انہوں نے جعفرؒ
نصیرؒ سے، انہوں نے جنیدؒ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے سری سقطی کو یہ فرماتے سُنا
تیس یا چالیس سال سے میرا نفس مجھ سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ میں ایک گاجر شہد میں
بو کر کھاؤں، مگر میں نے نفس کی اطاعت نہیں کی۔

انہی سُلمی کو میں نے فرماتے سنا۔ "میں نے اپنے دادا کو یہ فرماتے سنا۔ انسان کے لئے
نت اس بات میں ہے۔ کہ اس کا نفس جو کام کر رہا ہے۔ وہ اس پر رضامندی کا اظہار
ے۔

(۶۶۶)
میں نے انہی سلمی سے سنا۔ انہوں نے محمد بن عبداللہ رازی سے، انہوں نے حسین بن علی

قریمیینی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے عصام(۶۶۷) بن یوسف بلخی نے کوئی چیز حاتم اصم کے پاس بھیجی
اور انہوں نے اُسے قبول فرمایا۔ کسی نے پوچھا۔ آپ نے کیوں قبول کر لیا؟ فرمایا۔ اس کے لینے
میں ان کی عزت پائی جاتی تھی۔ اور میری ذلت اور اسے رد کر دینے میں میری عزت تھی اور
ان کی ذلت، میں نے اپنی عزت پر ان کی عزت کو ترجیح دی۔ اور اپنی ذلت کو ان کی ذلت
کسی صوفی سے کسی نے پوچھا۔ کہ میں ساری دنیا سے الگ ہو کر حج کرنا چاہتا ہوں۔ صوفی نے
جواب دیا۔ پہلے، اپنے دل کو ہر قسم کے سہو سے، نفس کو لہو و لعب سے، اور زبان کو
باتوں سے خالی کرو۔ پھر جہاں چاہو۔ جاؤ۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں۔ جس شخص نے رات کے وقت کوئی نیک کام کیا، اُسے
اسی دن اس کی جزا مل جاتی ہے۔ اور جس نے دن کے وقت نیک کام کیا۔ اسے اسی رات کو اس کا
بدلہ مل جاتا ہے۔ اور جس نے اپنی خواہشات کو صدق دل سے ترک کیا۔ اللہ تعالیٰ اُسے
ان خواہشات کی تکلیف سے کفایت کرتا ہے۔ اور اللہ اس سے بہت زیادہ کریم ہے
کہ وہ اس کے دل کو سزا دے۔ جس نے اپنی خواہشوں کو اللہ کی خاطر ترک کیا

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ اے داؤد! اپنے اصحاب کو اپنی
خواہش کی چیزیں کھانے سے بچاؤ۔ اس لئے کہ جو دل خواہشات دنیا میں لگے رہتے ہیں
ان کی عقلیں مجھ سے حجاب میں رہتی ہیں۔

ایک آدمی کو لوگوں نے دیکھا۔ کہ ہوا میں بیٹھا ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا۔ تو نے یہ بات
کیسے حاصل کی؟ جواب دیا۔ میں نے اپنی خواہشات کو ترک کیا۔ لہٰذا ہوا میرے حکم کے
ماتحت ہو گئی۔

کہا جاتا ہے۔ اگر کسی مومن کو ایک ہزار خواہش بھی پیش آئے۔ وہ انہیں خوف کے
ذریعہ سے نکال دیتا ہے۔ اور اگر کسی کافر کو ایک خواہش بھی پیش آجائے۔ تو بھی اس کے
دل سے خوف کو نکال دیتی ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ تو اپنی باگ اپنی خواہش کے ہاتھ میں نہ دے۔ کیونکہ وہ تجھے تاریکی کی طرف
لے جائے گی۔

یوسف بن اسباط فرماتے ہیں. کہ صرف بے قرار کرنے والا خوف اور بے چین کرنے والا
ق ہی دل سے خواہشات کو نکال سکتا ہے.
خواص فرماتے ہیں. جس شخص نے کوئی خواہش ترک کی۔ پھر اس کے دل کو کوئی چیز اس کے
لے میں نہیں ملی. تو سمجھ لو، کہ وہ اسے ترک کرنے میں جھوٹا ہے.
جعفرؒ بن نصیر فرماتے ہیں. کہ جنیدؒ نے مجھے ایک درہم دیا۔ اور فرمایا. کہ اس سے وزیری
یر خرید لاؤ۔ میں خرید لایا. جب افطار کرنے لگے۔ تو ایک انجیر لے کر منہ میں رکھی۔ پھر اسے
ینک دیا۔ اور رو پڑے، فرمایا۔ اسے اٹھالو۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا۔
ے دل سے آواز آئی. کہ تجھے شرم نہیں آتی. کہ ایک خواہش کو تو نے محض میرے
ے چھوڑ دیا۔ پھر تو اسی خواہش کا اعادہ کرتا ہے.
صوفیاء ایسے موقعہ پر یہ شعر پڑھتے ہیں۔

نُوْنُ الْهَوَانِ مِنَ الْهَوٰى مَسْرُوْقَةٌ   وَصَرِيْعُ كُلِّ هَوًى صَرِيْعُ هَوَانٍ

لفظ ہوان (جس کے معنی ذلت کے ہیں،) کا نون ہوی (خواہش) سے چرا لیا گیا ہے۔
ے خواہش نے پچھاڑا۔ اسے ذلت گرا لیتی ہے.
یاد رکھو کہ نفس کے کئی مذموم اخلاق ہیں. ان میں سے ایک حسد ہے.

باب ۱۴۔

(۶۶۸)

حسد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ
اے نبی! آپ یوں کہیں. کہ میں صبح کے رب کے ساتھ ان چیزوں سے پناہ لیتا ہوں. جن کو اس
نے پیدا کیا.
اس کے بعد فرمایا. وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ " اور جب حاسد حسد کرے۔ تو

اس کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو جسے اللہ تعالیٰ نے تعویذ قرار دیا ہے حسد کے ذکر سے ختم کیا ہے۔

ہم سے ابو الحسن اہوازی نے، ان سے احمد بن عبید بصری نے کہا۔ ان سے اسمٰعیل بن فضل نے کہا۔ ان سے یحییٰ بن مخلد نے کہا۔ ان سے معافی بن عمران نے، الحارث بن شہاب، معبد اور ابو قرہ سے روایت کی۔ انہوں نے ابن مسعود سے بیان کیا۔ فرماتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں ہر گناہ کی جڑ ہیں۔ ان سے ڈرو۔ اور ان سے بچو۔ تکبر سے بچو، کیونکہ تکبر ہی نے ابلیس کو اکسایا تھا۔ کہ آدم کو سجدہ نہ کر۔ حرص سے بچو۔ کیونکہ حضرت آدم کو حرص ہی نے درخت کا پھل کھانے پر مجبور کیا۔ اور حسد سے بچو۔ کیونکہ حضرت آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو حسد ہی نے برانگیختہ کیا، کہ اپنے بھائی کو قتل کرے۔

کسی کا قول ہے۔ کہ حاسد (حسد کرنے والا) جاحد (انکار کرنے والا) ہے۔ اس لئے کہ وہ واحد (اللہ تعالیٰ) کی قضا پر راضی نہیں ہوتا۔ یوں بھی کہا گیا ہے۔ حاسد سردار نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ" میں "مَا بَطَنَ" کی تشریح کسی نے حسد سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے ایک کتاب میں ہے۔ کہ حاسد میری نعمتوں کا دشمن ہے۔

کسی کا قول ہے۔ حسد کا اثر دشمن میں ظاہر ہونے سے پہلے خود تجھ میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اصمعی کہتا ہے کہ میں نے ایک بدوی کو دیکھا۔ جس کی عمر کے ایک سو بیس سال گذر چکے تھے۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ تمہاری عمر کس قدر لمبی ہے۔ جواب دیا۔ میں نے حسد ترک کر دیا۔ لہٰذا میں بچا رہا۔

ابن المبارکؒ فرماتے ہیں شکر ہے۔ اس خدا کا کہ اس نے میرے امیر کے دل میں وہ نہیں ڈالی۔ جو میرے حاسد کے دل میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ پانچویں آسمان میں ایک فرشتہ ہے۔ جب کسی بندے کا عمل اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ اور اس کی روشنی سورج کی طرح ہوتی ہے۔ تو یہ فرشتہ کہتا ہے۔ ذرا ٹھہر جا۔ میں حسد کا فرشتہ ہوں۔ اور تیرے عمل میں حسد کی ملاوٹ ہے

...بے نذا میں اس عمل والے کے منہ پر اسے دے ماروں گا۔ اس لئے کہ یہ شخص حاسد ہے۔

حضرت معویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں ہر انسان کو راضی کر سکتا ہوں۔ سوائے حاسد کے، کیونکہ وہ تو بغیر اس کے کہ یہ نعمت مجھ سے زائل ہو جائے، راضی نہیں ہونے کا۔

کہا جاتا ہے۔ کہ حسد کرنے والا ایسا ظالم ہوتا ہے، جو نہ کسی چیز کو باقی رکھتا ہے۔ اور چھوڑتا ہے۔

عمرؒ بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ میں نے حاسد سے بڑھ کر کسی ظالم کو مظلوم کے ساتھ زیادہ مشابہ نہیں دیکھا، کیونکہ حاسد کو ہمیشہ غم رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ حسد کرنے والے کی نشانی یہ ہے۔ کہ وہ جب تمہارے سامنے آئے چاپلوسی کرے۔ اور جب چلا جائے تو غیبت کرے۔ اور جب محسود پر مصیبت نازل ہو۔ تو وہ خوش ہو۔

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں۔ شر کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت حسد سے بڑھ کر انصاف کرنے والی نہیں اس لئے کہ یہ محسود سے پہلے حاسد کو تباہ کرتی ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ کہ میں تجھے سات چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ میرے نیک بندوں کی غیبت نہ کرنا۔ اور میرے بندوں میں سے کسی سے حسد نہ کرنا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے رب! میرے لئے اس قدر کافی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے پاس دیکھا۔ انہیں اس پر رشک آگیا۔ اور پوچھا کہ اس شخص کی کیا تعریف ہے؟ جواب ملا۔ کہ یہ شخص لوگوں سے ان چیزوں پر حسد نہیں کرتا تھا۔ جن کو اللہ نے انہیں عطا کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ حاسد جب کسی کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھتا ہے۔ تو پریشان ہوتا ہے۔ اور اس شخص سے کوئی لغزش دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔

نیز کہا گیا ہے۔ اگر تو حاسد سے بچنا چاہے۔ تو اپنے امور کو اس سے مشتبہ بنا کر رکھ

کہتے ہیں۔ کہ حاسد اس شخص پر غضبناک ہوتا ہے۔ جس کا کوئی گناہ نہیں۔ اور جو چیزیں اس کی ملکیت میں بھی نہیں ہیں۔ اس پر بخل کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ حاسد کو دوست بنانے کے لئے اپنے آپ کو تکلیف نہ دو۔ کیونکہ وہ تمہارا احسان قبول نہ کرے گا۔

کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر ایسا دشمن مسلط کرنا چاہتا ہے۔ جو اس پر رحم نہ کرے۔ تو اس پر حسد کرنے والے کو مسلط کر دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

کسی انسان کے ساتھ صرف یہ حادثہ کافی ہے۔ کہ اس کے حاسد بھی اس پر رحم کھانے لگیں

نیز :۔ ہر قسم کی دشمنی کے مٹ جانے کی امید ہو سکتی ہے۔ مگر اس شخص کی دشمنی نہیں مٹ سکتی جو حسد کی وجہ سے تم سے دشمنی رکھتا ہو۔

ابن المعتز رح کہتے ہیں۔ جب حاسد آہ بھرے۔ تو کہو اے ظالم! خدا تجھے نیزہ مارے حالانکہ وہ اپنے حسد کی وجہ سے مظلوم دکھائی دیتا ہے۔

نیز :۔ یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ کہ کوئی چھپی ہوئی فضیلت لوگوں پر مشہور ہو جائے۔ تو اس کی قسمت میں حاسد کی زبان لکھ دیتا ہے۔

باب ۱۵۔

غیبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ۔ ” تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے

ں چاہتا ہے۔ کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟

ابو سعید محمد بن ابراہیم اسمٰعیلی نے، ان سے ابو بکر محمد بن الحسین بن حسن بن الخلیل نے، ان سے بن حسین نے، ان سے اسحٰق بن عیلے[۶۸۱] ابن داؤد بن ابی ہند نے کہا کہ ان سے محمد بن ابو حمید نے سی بن وردان[۶۸۲] سے روایت کی۔ کہ ابی ہریرہ فرماتے تھے۔ کہ ایک شخص پہلے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مگر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا۔ یہ شخص کس ر کمزور ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے اپنے بھائی کو کھایا ہے اس کی غیبت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ کہ جس شخص کی وفات غیبت سے توبہ کرنے ے بعد ہوئی۔ وہ سب سے آخر میں جنت میں جائے گا۔ اور جو غیبت پر اصرار کرتے ے مرا۔ وہ سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔

عوف[۶۸۳] کہتے ہیں۔ کہ میں ابن سیرین[۶۸۴] کے پاس گیا۔ اور حجاج کو برا بھلا کہا۔ اس پر ابن سیرین[۶۸۵] نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ایک منصف حاکم ہے۔ جس طرح لوگوں کے حقوق کا مطالبہ حجاج سے کریگا۔ اور اسی طرح حجاج کے حقوق کا مطالبہ بھی کریگا۔ اور جب تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آئیگا۔ تو چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی جو تم نے کیا ہوگا۔ وہ اس بڑے سے بڑے گناہ سے جس حجاج نے کیا۔ تمہارے لئے زیادہ سخت ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم ایک دعوت میں مدعو تھے۔ یہ وہاں گئے۔ وہاں ایک ایسے شخص کا ذکر لوگوں نے چھیڑ دیا۔ جو ابھی نہیں آیا تھا۔ انہوں نے اس کے متعلق کہا۔ کہ وہ بھاری ہے۔ یہ سن کر ابراہیم نے کہا۔ مجھ سے جو کچھ کیا ہے۔ میرے نفس نے کیا ہے۔ کیونکہ میں ایسی جگہ آگیا ہوں۔ جہاں لوگ ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ نکل کر چلے گئے۔ اور تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔

کہتے ہیں کہ اس شخص کی مثال جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ اس شخص کی سی ہے۔ جس نے ایک منجنیق نصب کر رکھی ہے۔ اور ہر جہت میں اپنی نیکیوں کو اس منجنیق کا نشانہ بنا رہا ہے۔ وہ کبھی کسی خراسانی کی غیبت کرتا ہے کبھی حجازی کی۔ اور کبھی ترکی کی۔ اس طرح وہ اپنی نیکیوں

کو تقسیم کر دیتا ہے۔ اور جب اٹھتا ہے۔ تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن بندے کا اعمال نامہ جب لایا جائے گا، اور وہ اس میں کوئی
نیکی نہیں دیکھے گا۔ تو کہے گا۔ میری نماز، میرا روزہ اور عبادت کہاں گئی۔ جواب ملے گا
لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے تمہارے تمام اعمال رائیگاں گئے۔

کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی غیبت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ، جس
شخص کی غیبت کی جاتی ہے۔ اس کے نصف گناہ معاف کر دیتا ہے۔

سفیانؒ بن حسین کہ میں ایاسؒ بن معویہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اور میں نے ایک آدمی کے متع
بُرا بھلا کہا۔ ایاس نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم نے ترکوں اور رومیوں سے جنگ کی ہے؟
میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کہ رومی، ترکی تو بچ گئے مگر تمہارا مسلمان بھائی تم سے نہ
بچ سکا۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ اور وہ اس میں ایسی نیکیاں
دیکھے گا، جو اس نے کبھی نہ کی تھیں۔ تو اُسے کہا جائے گا۔ کہ ان غیبتوں کے عوض میں ہیں
جو لوگوں نے تیری کیں۔ اور تجھے معلوم بھی نہ تھا۔

سفیانؒ ثوری سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے متعلق کہ اللہ تعالیٰ اس
گھرانے کے لوگوں کو جو پلے ہوئے اور موٹے ہیں۔ ناپسند کرتا ہے۔ دریافت کیا کہ وہ کون
ہیں؟ فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں۔ اور ان کا گوشت کھاتے ہیں۔

عبداللہؒ بن مبارک کی موجودگی میں غیبت کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ اگر میں کسی کی غیبت کرتا
تو اپنے والدین کی کرتا۔ کیونکہ وہ میری نیکیوں کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ کسی مومن کے لئے تجھ سے تین قسم کا حصہ ہونا چاہئے۔ اگر
تو اُسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ تو اسے نقصان بھی نہ پہنچا۔ اگر تو اُسے خوش نہیں کر سکتا
اسے مغموم بھی نہ کر۔ اور اگر اس کی مدح نہیں کر سکتا۔ تو مذمت بھی نہ کر۔

کسی نے حسنؒ بصری سے کہا۔ کہ فلاں شخص نے تیری غیبت کی ہے تو حسنؒ نے اس کے پا
مٹھائی کا طبق بھیجا۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ تو نے اپنی نیکیوں کا تحفہ مجھے بھ

اس لئے اس کے بدلہ میں یہ بھیج رہا ہوں۔

علی بن احمد اہوازی نے کہا۔ کہ ان سے احمد بن علیہ بصری نے، ان سے احمد بن عمرو قطوانی نے، ان سے سہل[۶۸۸] بن عثمان عسکری نے کہا، کہ ان سے ربیع بن بدر[۶۸۹] نے ابان[۶۹۰] سے روایت کی۔ کہ انس بن مالک نے کہا۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَلْقٰی جِلْبَابَ الْحَیَاءِ عَنْ وَجْہِہٖ فَلَا غِیْبَۃَ لَہٗ

جس شخص نے حیاء کی چادر اتار دی (اس کے متعلق کچھ کہنا) کوئی غیبت نہیں ہے۔

میں نے حمزہ بن یوسف سہمی سے سنا۔ کہ ابو طاہر محمد بن اسید رقی[۶۹۱] نے ان سے کہا۔ کہ جعفر بن محمد بن نصیر فرماتے تھے کہ جنید فرماتے تھے کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں ایک جنازہ کا منتظر بیٹھا تھا۔[۶۹۲] کہ نماز جنازہ پڑھوں۔ اہل بغداد اپنے مدارج پر بیٹھے جنازہ کے منتظر تھے۔ کہ میں نے ایک فقیر کو دیکھا جس پر عبادت کرنے کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ وہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ بہتر ہوتا کہ یہ شخص کوئی کام کرتا۔ تاکہ لوگوں سے اپنے نفس کو بچا سکتا۔ جب گھر واپس گیا۔ اور میں رات کو ورد یعنی رونے اور نماز وغیرہ میں مشغول ہوا۔ تو یہ تمام اوراد مجھے بوجھل معلوم ہوئے۔ پس میں نے بیٹھے بیٹھے صبح کر دی۔ اور میری آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اسی فقیر کو ایک خوان کے اوپر میرے پاس لایا گیا۔ اور مجھ سے کہا گیا کہ اس کا گوشت کھاؤ۔ کیونکہ تم نے اس کی غیبت کی۔ مجھ پر سارا حال منکشف ہوگیا۔ تو میں نے کہا۔ میں نے اس کی غیبت تو نہیں کی۔ میں نے صرف دل میں ایک بات کہی تھی۔ جواب ملا۔ کہ تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے۔ جن سے اس قسم کی بات پسند کی جائے۔ جا اور اس سے معافی مانگ۔ صبح ہوئی تو میں چکر لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اسے ایک جگہ پر دیکھا۔ کہ پانی میں سے سبزی کے ان پتوں کو چن رہا ہے۔ جو دھونے میں گر جاتے ہیں۔ میں نے اسے سلام کیا۔ تو اس نے مجھے کہا کہ ابو القاسم! کیا پھر ایسا کروگے۔ میں نے عرض کیا۔ نہیں۔ اس نے پھر کہا کہ خدا مجھے بھی اور تجھے دونوں کی مغفرت کرے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمن سلمی سے سنا۔ فرماتے تھے میں نے ابو طاہر سفرائنی سے سنا۔ فرماتے تھے کہ ابو جعفر بلخی[۶۹۳] فرماتے تھے۔ کہ ہمارے ہاں بلخ کا ایک نوجوان تھا۔ وہ مجاہدہ اور عبادت کیا کرتا۔ مگر ہمیشہ لوگوں کی غیبت کرتا اور کہتا فلاں ایسا ہے۔ فلاں ویسا ہے۔ ایک روز میں نے اسے ان ہیجڑوں کے پاس سے نکلتا دیکھا۔ جو لوگوں کے کپڑے دھویا کرتے تھے۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا۔ کہنے لگا۔ یہ لوگوں کو برا کہنے کی سزا ہے کہ مجھے اس حال میں ڈال دیا ہے۔ ان میں سے ایک مخنث کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اس مخنث کی وجہ سے میں ان کی خدمت کرتا ہوں۔ اور پہلے احوال جو مجھے اللہ کی طرف سے حاصل تھے سب جاتے رہے۔ لہٰذا آپ اللہ سے دعا کریں۔ کہ مجھ پر رحم کرے۔

باب ۱۹

قناعت (۶۹۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔ "جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ہم اسے ضرور اچھی زندگی عطا کریں گے۔"

بہت سے اہل تفسیر کا قول ہے۔ کہ حیات طیبہ سے مراد دُنیا میں قناعت ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے بیان کیا۔ کہ ان سے ابو عمرو (۶۹۶) محمد بن جعفر بن مطر نے اُن سے محمد بن موسیٰ (۶۹۷) الحلوانی نے، ان سے عبداللہ (۶۹۸) بن ابراہیم غفاری نے انہوں نے منکدر (۶۹۹) بن محمد سے، انہوں نے اپنے باپ (۷۰۰) سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْقَنَاعَةُ كَنْزٌ لَا يَفْنٰى ۔ قناعت نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔

ابوالحسن اہوازی نے کہا۔ کہ ان سے احمد بن عبید بصری نے، ان سے عبداللہ بن ایوب قرنی نے، ان سے ابو ربیع زہرانی نے، ان سے اسمٰعیل بن زکریا نے ابو رجاء سے اور انہوں نے برد (۷۰۱) بن سنان سے، اور انہوں نے مکحول (۷۰۲) سے اور انہوں نے، واثلہ بن الاسقع (۷۰۳) نے اور انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔

پرہیزگار بنو۔ تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ قانع بنو۔ تم سب سے زیادہ شکرگزار ہو جاؤ گے۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ وہی دوسروں کے لئے پسند کرو۔ تم مومن بن جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی سے اچھی طرح سے پیش آؤ۔ تم مسلمان کہلاؤ گے۔ کم ہنسو۔ کیونکہ بہت ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں۔ محتاج لوگ مردے ہیں۔ ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ قناعت

عزت سے زندہ رکھے۔

بشرؒ حافی فرماتے ہیں۔ قناعت ایک فرشتہ ہے۔ جو مومن کے دل کے سوا کہیں سکونت اختیار نہیں کرتا۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا۔ فرماتے تھے۔ عبداللہ بن محمد شعرانی نے کہا۔ کہ اسحٰق بن ابراہیم بن حسان انماطی نے کہا۔ کہ احمد بن ابی حواری فرماتے تھے۔ میں نے ابوسلیمان دارانی کو فرماتے سنا۔

قناعت اور رضا کا آپس میں وہی تعلق ہے۔ جو ورع اور زھد کا ہے۔ قناعت رضا کی ابتداء ہے۔ اور ورع زہد کی۔

کہتے ہیں۔ جن چیزوں دل سے الفت ہے۔ ان کے نہ ہونے پر بھی سکون ہونے کا نام قناعت ہے۔

ابوبکرؒ مراغی کہتے ہیں۔ عقلمند وہ شخص ہے۔ جو دنیاوی امور کی تدبیر قناعت اور لیت و لعل کرنے سے کرے۔ اور آخرت کے امور کی تدبیر حرص اور جلد بازی سے کرے۔ اور دین کے معاملات کی تدبیر علم اور کوشش سے کرے۔

ابوعبداللہؒ بن خفیف فرماتے ہیں۔ مفقود چیز کی امید کو ترک کرنے اور موجود چیز کے ساتھ استغناء کرنے کا نام قناعت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان - لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا - کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے۔ کہ "رزق حسن" سے مراد قناعت ہے۔

محمد بن علی ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ جو رزق کسی انسان کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ اس پر راضی رہنے کا نام قناعت ہے۔

نیز کہتے ہیں۔ کہ قناعت یہ ہے۔ کہ تو' جو چیز مل گئی ہے اس پر اکتفا کرے۔ اور جو چیز حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی لالچ نہ کرے۔

وھبؒ فرماتے ہیں۔ عزت اور مالداری دونوں رفیق کی تلاش میں نکلیں۔ انہیں قناعت مل گئی۔ اور وہ وہیں ٹھہر گئیں۔ کہ اب اور کسی چیز کی تلاش کی ضرورت نہیں

کہتے ہیں۔ کہ جس کسی میں قناعت زیادہ پائی جائے گی۔ اسے ہر قسم کا شوربا اچھا لگے گا۔ اور جو شخص ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قناعت عطا کرتا ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ ایک قصاب کے پاس سے گزرے۔ جس کے پاس فربہ گوشت تھا۔ قصاب نے ابو حازم سے کہا، کہ گوشت لے لیں۔ اس لئے کہ یہ فربہ ہے انہوں نے کہا میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں۔ قصاب نے کہا کہ میں آپ کو مہلت دے دوں گا۔ ابو حازم نے فرمایا۔ میرا نفس مجھے تم سے بہتر مہلت دے گا۔

کسی نے کسی سے پوچھا، کہ سب سے زیادہ قانع کون شخص ہو سکتا ہے۔ جواب ملا۔ کہ وہ شخص سب زیادہ قانع ہے۔ جو سب سے زیادہ لوگوں کی مدد کرتا ہے اور اُنہیں کم تکلیف دیتا ہے۔

زبور میں ہے۔ کہ قناعت کرنے والا خواہ بھوکا ہی کیوں نہ ہو، مالدار ہوتا ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کو پانچ جگہوں پر رکھا ہے۔ عزّت کو اطاعت میں؛ ذلّت کو معصیت میں؛ ہیبت کو قیام لیل میں؛ حکمت کو خالی پیٹ میں؛ اور مالداری کو قناعت میں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے؛ انہوں نے نصر بن محمد سے؛ اُنہوں نے سلیمان بن ابی سلیمان سے؛ انہوں نے ابوالقاسم بن ابی نزار سے سنا۔ کہ ابراہیم مارستانی فرماتے تھے۔ کہ اپنی حرص سے اس طرح انتقام لو۔ جس طرح تم اپنے دشمن سے قصاص کے ذریعہ بدلہ لیتے ہو۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ جس نے قناعت کی۔ وہ اپنے اہلِ زمانہ سے آرام میں رہا۔ اور اپنے ساتھیوں سے سبقت لے گیا۔

کہا جاتا ہے۔ جس نے قناعت کی۔ وہ اہل زمانہ سے آرام میں رہا۔ اور اس نے سب پر فوقیت حاصل کی۔

کتانی کہتے ہیں۔ کہ جس نے حرص کے بدلہ میں قناعت لی۔ اسے عزت اور مروت مل گئی۔

نیز کہا جاتا ہے۔ جو شخص لوگوں کے مال پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس کا غم زیادہ ہوتا ہے
یہ شعر بھی پڑھا جاتا ہے۔ انسان کے لئے اس عار والے دن سے جن میں وہ
مال و دولت حاصل کرے۔ کرم اور بھوک بہتر ہے۔
کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک دانا کو دیکھا۔ کہ جو سبزی پانی کے اوپر گر پڑی تھی
وہ اُسے کھا رہا تھا۔ اس شخص نے دانا سے کہا۔ کہ اگر تو بادشاہ کی نوکری کر لیتا۔ تو تجھے
کھانے کی نوبت نہ آتی۔ دانا نے جواب دیا۔ تو بھی اگر قناعت کرتا۔ تو تجھے بادشاہ کی
نوکری کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔
کہتے ہیں۔ کہ عقاب اپنی اڑنے کی جگہ میں بڑا ذی عزت ہوتا ہے۔ کسی صیاد کی نگاہ یا
طمع اس کی طرف اٹھ نہیں سکتی۔ مگر جب وہ کسی مردار کی جو جال میں پھنسا ہوا ہے طمع کرتا
ہے۔ تو اپنے اڑنے کی جگہ سے نیچے اُتر آتا ہے۔ اور جال میں پھنس جاتا ہے
کہا جاتا ہے۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے طمع کا ذکر کرتے ہوئے خضر کو کہا۔
"لَوْ شِئْتَ لَا تَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا۔" تو خضر نے جواب میں "هٰذَا فِرَاقُ
بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ" (اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے) کہا۔
نیز کہا جاتا ہے۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے۔ تو موسیٰ اور خضر علیہما
السلام کے درمیان ایک ہرن کھڑا ہو گیا۔ اس وقت دونوں بھوکے تھے۔ موسیٰ علیہ
السلام کی طرف ہرن کا جو پہلو تھا۔ وہ بھنا ہوا نہ تھا۔ اور جو پہلو خضر کی طرف تھا۔ وہ
بھنا ہوا تھا۔
اللہ تعالیٰ کے فرمان " اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۔ میں نعیم کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ
یہ قناعت ہے۔ اور " اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ " کی تشریح دنیا کی حرص سے کی گئی ہے
اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَكُّ رَقَبَةٍ" کی تشریح یہ کی گئی ہے۔ کہ اس سے مراد طمع کی ذلت
سے گردن کو آزاد کرنا ہے۔
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ۔ میں رجس کی تشریح
بخل اور طمع سے کی گئی ہے۔ اور وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔ سے مراد سخاوت اور

ایثار کے ساتھ پاک کرنا ہے۔

هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ کی تفسیر میں ملک سے مراد قناعت کا مقام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے قناعت کا وہ مقام عطا فرما۔ جس میں میں اوروں سے ممتاز رہوں۔ اور جہاں میں اے اللہ! تیری قضا پر راضی رہوں۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا۔ کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے قناعت سلب کر دوں گا۔ اور تجھے طمع میں مبتلا کر دوں گا۔ بالفاظ دیگر میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں گا کہ تجھے ایسا کر دے۔

کسی نے ابو یزید سے پوچھا۔ کہ تو اس مقام پر کیونکر پہنچا؟ فرمایا کہ میں نے دنیا کے اسباب کو جمع کر کے قناعت کے رسی سے باندھ دیا۔ پھر صدق کی منجنیق میں رکھ کر ناامیدی کے سمندر میں پھینک دیا۔ لہٰذا میں آرام میں رہا۔

میں نے محمد بن عبد اللہ صوفی سے سنا۔ کہ انہوں نے محمد بن فرخان سے سامرہ میں سنا انہوں نے کہا۔ کہ میرے ماموں عبد الوہاب فرماتے ہیں۔ کہ حج کے موسم میں میں جنید کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اور ان کے گرد عجمیوں اور مولدین کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا۔ ناگاہ ایک شخص پانچ سو دینار لایا۔ اور ان کے سامنے رکھ کر عرض کیا۔ کہ ان کو محتاجوں میں تقسیم کر دیجئے جنید نے پوچھا۔ کیا تمہارے پاس اور بھی دینار ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس بہت ہیں۔ پھر جنید نے کہا۔ کیا تو اور بھی لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں! اس پر جنید نے کہا کہ انہیں لے جا۔ کیونکہ تجھے ان کی ہم سے زیادہ ضرورت ہے۔ اور ان دیناروں کو قبول نہیں کیا۔

باب ۱۷

توکّل [216]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ۔ جو اللہ پر اعتماد رکھتا ہے۔ تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

نیز فرمایا۔ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ۔ متوکل کو چاہیئے کہ اللہ پر اعتماد رکھیں

نیز فرمایا۔ وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ اگر تم مومن ہو۔ تو اللہ پر بھروسا کرو۔

امام ابوبکر محمد بن حسن بن فورک نے کہا۔ ان سے عبداللہ بن جعفر بن احمد اصبہانی [217] نے، ان سے یونس بن حبیب [218] بن عبدالقاہر نے، ان سے ابو داؤد طیالسی [219] نے، ان سے حماد بن سلمۃ [220] نے، ان سے عاصم بن بہدلۃ [221] نے کہا۔ کہ زر بن حبیش [222] نے عبداللہ بن مسعود روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [223]

مجھے حج کے موسم میں تمام امتیں دکھلائی گئیں۔ میں نے اپنی امت کو دیکھا۔ کہ دشت و جبل کو پر کئے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی کثرت اور ان کی ہیئت بہت پسند آئی۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ کیا تو اس پر راضی ہے۔ میں نے جواب دیا۔ ہاں۔ فرمایا۔ ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ جو نہ تو اپنے جسموں کو (علاج کے لئے) داغتے ہیں۔ نہ شگون لیتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کرواتے ہیں۔ اور وہ اپنے رب پر بھروسا کئے رہتے ہیں۔ اس پر عکاشہ بن محصن اسدی نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ سے درخواست کیجئے کہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ پھر ایک اور شخص اٹھا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم: اللہ سے درخواست کیجئے۔ کہ مجھے بھی ان لوگوں میں بنا دے۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا۔

میں نے عبداللہ بن یوسف اصبہانی سے سنا۔ انہوں نے ابو نصر السراج سے سنا۔ انہوں نے
کہا۔ ابو بکر وجیہی فرماتے تھے۔ ابو علیؒ رودباری بیان کرتے تھے۔ کہ میں نے عمر بن سنان سے
درخواست کی۔ کہ سہل بن عبداللہ کی حکایت بیان کریں۔ انہوں نے بیان کیا۔ سہل نے فرمایا
متوکل کی تین علامتیں ہیں۔ وہ نہ تو کسی سے مانگے۔ نہ کسی چیز کو رد کرے۔ اور نہ اپنے پاس
کچھ روک کے رکھے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن بلخی سے، انہوں نے منصور بن عبداللہ سے انہوں نے ابو
شیرازی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے ابو موسیٰ دیبلی کو فرماتے سنا۔ کہ کسی شخص نے
بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ کہ توکل کیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا
کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ فرماتے ہیں، میں نے کہا۔ کہ صوفیا، کا قول ہے۔ کہ اگر درندے
اور سانپ تمہارے دائیں بائیں ہوں۔ تب بھی اس سے تمہارا باطن متزلزل نہ ہو۔ ابویزید
نے فرمایا۔ ٹھیک ہے قریب قریب یہی بات ہے۔ مگر اہل جنت، جنت سے بہرہ ور
ہو رہے ہوں۔ اور دوزخی دوزخ میں عذاب میں مبتلا ہوں۔ پھر تم ان دونوں میں امتیاز
کرنے لگو۔ تو تم متوکلین کی صف میں سے نکل جاؤ گے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ توکل کا پہلا مرتبہ یہ ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے
اس طرح ہو۔ جس طرح غسل دینے والے کے سامنے مردہ کہ جس طرح چاہتا ہے الٹتا
پلٹتا ہے۔ نہ وہ حرکت کر سکتا ہے۔ اور نہ کوئی تدبیر۔

حمدونؒ فرماتے ہیں۔ اللہ پر اعتماد کرنے کا نام توکل ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے ابو بکر محمد بن احمد بلخی سے سنا۔ انہوں نے محمد بن
حامد سے سنا۔ کہ احمد بن خضرویہ فرماتے تھے۔ کہ ایک شخص نے حاتم اصم سے پوچھا
کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں۔ فرمایا۔

وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَہُوْنَ

اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کے خزانے ہیں۔ مگر نفاق والے نہیں سمجھتے!)

توکل کا تعلق دل کے ساتھ ہے

یاد رکھیں! کہ توکل کا مقام دل ہے جب بندے کے دل میں یہ بات اچھی طرح جائے کہ تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔ تو پھر اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اس کی تقدیر سے ہ۔ اور اگر کوئی چیز اتفاقیہ مل جائے۔ یا آسان ہو۔ تو وہ بھی اللہ ہی کے آسان کرنے سے ہو گی۔ لہٰذا اس صورت میں ظاہری حرکات و (کوشش) توکل کے منافی نہ ہونگی

علی بن عبدان نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید البصری نے، ان سے غیلان بن عبدالصمد ، ان سے اسمٰعیل بن مسعود جحدری نے[۲۲۶]، ان سے خالد بن یحییٰ نے کہا[۲۲۷]۔ کہ مجھ سے میرے ابو قرۃ نے کہا[۲۲۸]، انس بن مالک فرماتے تھے۔ ایک ناقہ سوار آیا۔ اور عرض کیا یارسول اللہ! میں اس اونٹنی کو چھوڑ دوں، اور اللہ پر بھروسہ کئے رہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا۔ اس کی ٹانگوں میں رسّی باندھ دو۔ پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں، جس کا بھروسا خود اس کی ذات پر صحیح ہے۔ اس کا بھروسا ر پر بھی صحیح ہوگا۔

بشر حافی فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ پر بھروسا کرتے ہیں۔ حالانکہ کا یہ دعویٰ غلط ہے اگر ان لوگوں کو اللہ پر بھروسا ہوتا۔ تو یہ لوگ ان تمام امور پر رضامند رتے۔ جو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کرتا ہے۔

کسی نے یحییٰ بن معاذ سے پوچھا۔ انسان کب متوکل کہلاتا ہے؟ فرمایا:۔ جب وہ للہ کو اپنا وکیل بنانے پر راضی ہو۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا۔ انہوں نے محمد بن علی بن الحسین سے سنا[۲۲۹]۔ انہوں نے ہا، عبداللہ بن محمد بن الصامت فرماتے تھے۔ میں نے ابراہیم خواص کو فرماتے سُنا۔ ایک رتبہ میں جنگل میں جارہا تھا۔ کہ آواز سنائی دی۔ میں اس طرف متوجہ ہوا۔ تو کیا دیکھا کہ ایک بدوی رہا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا۔ اے ابراہیم! ہمارے ہاں توکل ہے۔ ہمارے ہاں نام کرو۔ تاکہ تمہارا توکل درست ہو جائے۔ کیا تجھے معلوم نہیں۔ کہ تمہارا ایسے شہر میں داخل

ہونے کی اُمید کرنا جہاں مختلف قسم کے کھانے مل جاتے ہوں۔ تجھے اس شہر میں مقیم ہونے
دکھاتا ہے۔ شہروں سے اُمید منقطع کر لو۔ اور توکل کرو۔

نیز میں نے ان سے سنا۔ انہوں نے محمد بن احمد الفارسی سے سنا۔ فرماتے تھے۔
کسی نے ابن عطاء سے توکل کی حقیقت کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا اس کے باوجود کہ تمہیں اسباب
کی اشد ضرورت ہے۔ اگر تم اسباب کی طرف جانے کے لئے بے چین نہ ہوئے۔ اور
باوجود اس کے کہ تم اسباب و ذرائع کو استعمال میں لا رہے ہو۔ پھر بھی تم اس سکون
اطمینان سے جو تمہیں حق تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہے۔ نہ ہٹے۔ (تو تم میں توکل ہے)

میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں نے ابو نصر السراج کو فرماتے
سنا۔ کہ توکل کی شرط وہی ہے۔ جو ابو تراب نخشبی نے بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے
کہ بدن کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگائے رکھنا اور دل کا تعلق رب کے ساتھ ہونا، اور اللہ
تعالیٰ کی طرف سے حفاظت پر مطمئن ہونا۔ لہذا اگر اسے کوئی چیز مل جائے۔ تو وہ اس کا
شکریہ ادا کرے۔ اور اگر کوئی چیز نہ ملے۔ تو صبر کرے۔

یا جیسا کہ ذوالنون نے کہا۔ توکل یہ ہے۔ کہ تو نفس کی تدبیر کرنا چھوڑ دے۔ اور اپنی
طاقت قوت سے بیزاری کا اظہار کرے۔ بندہ توکل کی اس وقت طاقت رکھ سکتا ہے
جب اسے معلوم ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جن میں وہ لگا ہوا ہے۔ جانتا اور دیکھتا

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے ابو الفرج الورثانی سے سنا۔ کہا، کہ
میں نے احمد بن محمد القرمیسنی سے سنا۔ کہا میں نے الکتانی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں
نے ایک شاطر کو جو جبل عائشہ کے نام سے مشہور تھا۔ دیکھا۔ اُسے کوڑے لگائے
جا رہے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کہ مار کا درد تمہیں کب آسان معلوم ہوتا
اس نے جواب میں کہا۔ جب وہ شخص جس کی خاطر میں مارا جاتا ہے۔ ہمیں دیکھ رہا
ہو (تو مار آسان ہو جاتی ہے۔)

نیز۔ میں نے ان سے سنا۔ کہ عبداللہ بن محمد فرماتے تھے۔ حسین بن منصور نے ابراہیم
خواص سے دریافت کیا۔ کہ تو نے ان سفروں اور جنگلوں کو طے کرنے کے دوران کیا کیا

جواب دیا۔ میں توکل میں پڑا رہا۔ تاکہ توکل پر میرا نفس صحیح ہو جائے۔ حسین نے کہا۔ تو نے اپنی عمر اپنے باطن کو آباد کرنے میں گزار دی۔ توحید باری تعالیٰ میں اپنے آپ کو فنا کرنا کہاں گیا؟

میں نے ابو حاتم سجستانی کو فرماتے سنا۔ انہوں نے ابو نصر سراج کو کہتے سنا۔ توکل تو وہ ہے۔ جس کو ابو بکر دقاق نے بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ زندگی کی فکر ایک دن تک چھوڑنا اور کل کا غم نہ کرنا۔ پھر فرمایا۔ یہ ایسا ہے جیسا سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ کہ توکل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ چاہے تو اس کے ساتھ انبساط اور انس محسوس کرے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے سنا۔ انہوں نے محمد بن جعفر سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ ابو بکر بردعی[۲۳] فرماتے تھے۔ میں نے ابو یعقوب نہرجوری کو سنا۔ کہ وہ فرماتے تھے۔

کمال حقیقت کے ساتھ اللہ پر توکل تو وہی تھا۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبریل سے فرمایا تھا۔[۲۴] اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا۔ مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا نفس تو اس وقت اللہ کے ساتھ غائب تھا۔ لہٰذا انہیں اللہ کے ساتھ کوئی اور دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔

اور میں نے انہی سے سنا۔ سعید بن احمد بن محمد[۲۴] نے کہا کہ محمد بن احمد بن سہل[۲۵] نے کہا۔ سعید بن عثمان خیاط[۲۶] فرماتے تھے۔ کسی شخص نے ذوالنون مصری سے سوال کیا۔ کہ توکل کیا ہے؟ فرمایا۔ تمام خداؤں کو جو ماسوی اللہ ہوں، اتار پھینکنا اور اسباب و ذرائع کو توڑ ڈالنا سائل نے عرض کیا۔ ذرا اور وضاحت کیجیے۔ فرمایا، توکل یہ ہے کہ نفس کو بندگی میں ڈال دیا جائے اور ربوبیت سے نکال دیا جائے۔

اور میں نے ان سے سنا۔ کہ عبداللہ بن محمد المعلم نے مجھ سے کہا۔ کہ عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے۔ کسی نے حمدون قصار سے توکل کی نسبت سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ اگر تمہارے پاس دس ہزار درہم ہوں۔ اور تمہارے ذمہ ایک دانق بھی قرض ہو۔ تو تمہیں ڈر رہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ میں مر جاؤں اور یہ قرض میرے ذمے رہ جائے اور برعکس اس کے اگر تمہارے ذمہ دس ہزار درہم کا قرض ہو۔ اور تم اتنی رقم نہ چھوڑ کر

مرے۔ جو اس قدر قرض کو پورا ادا کر سکے۔ تو تو پھر بھی مایوس نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری

طرف سے اسے ادا کر دے۔

کسی نے ابو عبداللہ قرشی سے توکل کی نسبت سوال کیا۔ تو فرمایا۔ ہر حالت میں اللہ کے

ساتھ تعلق ہونے کو توکل کہتے ہیں۔ سائل نے عرض کیا۔ اور وضاحت کیجیئے تو فرمایا۔ توکل

یہ ہے۔ کہ تو ہر اس سبب کو ترک کر دے۔ جو کسی دوسرے سبب تک پہنچائے۔

یہانتک کہ خود حق تعالیٰ اس سبب کا والی بن جائے۔

سہل بن عبداللہ کا قول

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ توکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا۔ اور کسب کرنا آپ کی سنت ہے لہذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر ہے۔ اُسے آپ کی سنت کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔

ابو سعید خراز کا قول

ابو سعید خراز فرماتے ہیں۔ توکل بغیر سکون کے اضطراب اور بغیر اضطراب کے سکون کا نام ہے۔

کہا جاتا ہے کہ توکل یہ ہے۔ کہ تیرے نزدیک دنیا کی کثرت و قلت یکساں ہو۔

ابن مسروق کا قول

ابن مسروق کہتے ہیں۔ کہ اللہ کے احکام اور اس کی قضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا توکل ہے۔

ہم نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ انہوں نے عبداللہ رازی سے سنا۔ فرماتے تھے

کہ میں نے ابو عثمان حیری کو فرماتے سنا کہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ پر ہی کفایت کرنے کا

نام توکل ہے

میں نے ان سے سنا۔ کہ ان سے محمد بن محمد بن غالب نے کہا۔ کہ حسین بن منصور نے

فرمایا۔ صحیح متوکل وہ شخص ہے۔ کہ جب تک شہر میں اس سے زیادہ حقدار لوگ موجود

ہوں۔ وہ بلا ضرورت کوئی چیز نہ کھائے۔

اور میں نے ان سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا۔ کہ منصور بن احمد الحربی کہتے تھے

ابن ابی شیخ نے بیان کیا۔ کہ عمر بن سنان فرماتے تھے۔ کہ ابراہیم خواص ہمارے پاس سے

گذر رہے تھے۔ کہ ہم نے ان سے درخواست کی۔ جو عجیب ترین واقعہ آپ کے

روں میں پیش آیا ہو۔ بیان فرمائیں۔ فرمایا۔ خضر علیہ السلام مجھے ملے۔ اور مجھ سے ساتھ
نے کو کہا۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا۔ کہ ان کے پاس اطمینان سے رہنے سے کہیں میرے
ل میں فرق نہ آجائے۔ لہذا میں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

سہل کا قول سہل سے توکّل کے متعلق دریافت کیاگیا۔ تو فرمایا۔ متوکّل وہ شخص ہے۔ جس کا دل اللہؓ کے سوا تمام لوگوں سے تعلق چھوڑ
صرف اللہؒ کے ساتھ زندہ رہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ توکّل کے تین مراتب ہیں۔ "توکّل"
سلیم"[۲] اور تفویض"[۳] چنانچہ متوکّل کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اطمینان ہوتا ہے
تسلیم کے درجہ والا صرف اس پر اکتفا کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کا علم
ہے۔ اور تفویض والا شخص اللہؒ کے حکم پر راضی ہوتا ہے۔ (خواہ اس کے مخالف
یا موافق)

نیز انہیں کو میں نے فرماتے سنا۔ توکّل ابتدائی ہے۔ تسلیم درمیانی درجہ، اور
تفویض انتہائی درجہ۔

دقاق سے توکّل کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا بغیر طمع کے کھانے کو توکّل کہتے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ کا قول یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ صوف پہننا دکان کی مانند ہے۔ اور زہد کی باتیں کرنا پیشہ وری اور قافلوں کے
ساتھ چلنا اسباب رکھے اختیار کرنے کے مترادف ہے) اور یہ تمام امور دُنیا وی
ملاقات و اسباب ہیں۔

ایک شخص شبلیؒ کے پاس آیا۔ اور کثیر العیال ہونے کی شکایت کی۔ تو فرمایا۔ گھر جا کر ان
تمام لوگوں کو گھر سے نکال دو۔ جن کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہیں ہے۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ انہوں نے عبداللہ بن علی سُنا۔ انہوں نے
کہا۔ کہ احمد بن عطا نے کہا۔ کہ میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ سہل
بن عبداللہ نے فرمایا۔ جس نے تگ و دو کرنے پر کسی کو طعن کیا۔ اس نے گویا کہ سنّت پر

طعن کیا۔ اور جس نے توکل پر طعن کیا۔ اس نے ایمان پر طعن کیا۔

اور میں نے انہی سے سنا۔ کہ احمد بن علی بن جعفر نے کہا۔ کہ جعفر الخلدی فرماتے تھے۔ کہ ابراہیم خواص فرماتے تھے۔ میں نے مکہ کے راستہ میں ایک وحشی شخص کو دیکھا۔ تو میں نے کہا۔ تو انسان ہے یا جن؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں جن ہوں۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ کہا مکہ کو، میں نے پوچھا۔ کیا زاد راہ کے بغیر ہی؟ جواب دیا کہ ہم میں بھی بعض ایسے لوگ ہیں۔ جو خدا پر توکل کرتے ہوئے سفر کرتے ہیں میں نے پوچھا۔ توکل کیا ہے؟ جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ سے ہر کسی چیز کا لینا۔

اور میں نے انہی سے سنا۔ کہ العباس البغدادی نے کہا۔ کہ فرغانی فرماتے تھے کہ ابراہیم خواص توکل میں یکتا ہے۔ اور اس بارے میں بہت دقیق باتیں کیا کرتے تھے اس کے باوجود اپنے ساتھ ہمیشہ سوئی، دھاگہ، لوٹا اور قینچی رکھتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا۔ اے ابواسحق، آپ تو ہر چیز سے اپنے آپ کو روکتے ہیں۔ یہ چیزیں کیوں اٹھائے پھرتے ہیں؟ فرمایا۔ اس قسم کی چیزوں سے توکل میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرائض ہیں۔ اور فقیر کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا ہے بسا اوقات یہ کپڑا پھٹ جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اپنے پاس سوئی دھاگا نہ ہو۔ تو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر پاس میں لوٹا نہ ہو۔ تو طہارت فاسد ہونے پر پاکی کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے؟ لہٰذا اگر تمہیں کوئی فقیر لوٹے اور سوئی دھاگے کے بغیر دکھائی دے۔ تو سمجھ لو۔ کہ اس کی نماز میں نقصان ہوگی۔

میں نے ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ توکل مومنین کا خاصہ ہے تسلیم اولیاء کا، اور تفویض موحدین کا، لہٰذا توکل عوام کی صفت ٹھہری تسلیم خواص کی۔ اور تفویض خواص الخواص کی۔

نیز فرمایا۔ توکل (کامل) انبیاء کی صفت ہے تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی۔ اور تفویض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابو جعفر حداد کا توکل

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ عباس بغدادی

ے کہا۔ کہ محمد بن عبداللہ الفرغانی نے کہا۔ کہ ابو جعفر الحداد فرماتے تھے۔ کہ میں دس
ے کچھ اوپر سالوں تک توکل کا عزم کئے رہا۔ مگر بازار میں مزدوری کرتا۔ اور ہر روز
پنی مزدوری لیتا۔ مگر اس میں سے پانی کا گھونٹ تک نہ پیتا۔ اور نہ حمام کی آمدنی لیتا۔
ونیزیہ "میں فقراء کے پاس آتا۔ اور میں خود اسی طرح رہتا۔ (یعنی اپنی حالت کو لوگوں
سے چھپائے رہتا۔)

اور میں نے اُنہیں سے سنا۔ کہ ابو بکر محمد بن عبداللہ بن شاذان فرماتے تھے۔ میں نے
اس کو فرماتے سنا۔ کہ اُنہوں نے سنان کے بھائی حسن کو فرماتے سنا۔ کہا، میں نے اللہ
پے توکل پر ننگے پاؤں چودہ حج کئے۔ پاؤں میں جب کانٹا چبھتا۔ اور درد محسوس ہوتا۔
یں یاد کرتا۔ کہ میں نے عہد کیا ہے۔ کہ اللہ پہ توکل کروں گا۔ یہ کہہ کر میں زمین پر پاؤں رگڑتا۔
رچل پڑتا۔ اور کانٹا نہ نکالتا۔)

ابو حمزہ کا توکل

اور میں نے ان سے سنا۔ کہ محمد بن عبداللہ الواعظ نے
ان سے کہا۔ کہ خیر النساج فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ابو حمزہ کو
سنا۔ کہ فرما رہے تھے۔ کہ مجھے سیر ہو کر جنگل میں جانے سے اللہ سے شرم آتی ہے۔
جب میں نے اللہ پر توکل کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ تو کہیں سیر ہو کر (عبادت کرنے میں)
وشش کرنا میرا توشہ نہ بن جائے۔

حمدون کا توکل

کسی نے حمدون سے توکل کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا۔
یہ ایک ایسا مرتبہ ہے۔ جس تک میں ابھی نہیں پہنچا۔ اور وہ شخص
جس کے ایمان کا حال ابھی درست نہیں ہوا۔ توکل کے متعلق کیسے بات کر سکتا ہے؟
کہتے ہیں اللہ پر توکل کرنے والے کی مثال اس بچے کی سی ہے۔ جسے اپنی والدہ
کے پستانوں کے سوا کسی اور جائے پناہ کا پتہ نہیں۔ یہی حال متوکل کا ہے۔ اسے راہ
ملتی ہے تو صرف خدا کی۔

کسی صوفی سے مروی ہے۔ کہ میں جنگل میں تھا۔ کہ ایک قافلہ آیا۔ اور میں نے اپنے
آگے آگے کسی ایک شخص کو دیکھا۔ میں تیزی سے چل کر اس تک پہنچا۔ دیکھا تو وہ ایک

عورت تھی۔ جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ اور آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ میں سمجھا کہ وہ تھک گئی ہے لہٰذا میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور بیس درہم نکال کر اُسے پیش کئے اور کہا۔ کہ ان درہموں کو لے۔ اور وہاں شہر جا۔ یہاں تک کہ قافلہ آجائے اور ان درہموں سے جانور کرایہ پر لے لے۔ اور اس کے بعد میرے پاس رات گزارے۔ تاکہ میں اس کی حالت سنوار سکوں۔ اس . . . . . عورت نے ہوا میں ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کے ہاتھ میں دینار ہی دینار تھے۔ اور کہنے لگی۔ تم تو جیب سے درہم نکالتے ہو اور میں غیب سے لیتی ہوں۔

ابو سلیمان دارانی نے مکہ میں ایک شخص کو دیکھا۔ جو سوائے زمزم کے پانی کے گھونٹ کے کچھ اور کھاتا پیتا نہ تھا۔ کئی روز انہیں ایسے دیکھتے گزر گئے۔ ایک دن ابو سلیمان نے ان سے کہا۔ فرض کرو۔ اگر زمزم کا پانی خشک ہو جائے تو تم کیا ہو گے۔ اس پر اس شخص نے اٹھ کر اس کے سر کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ خدا تمہیں نیک جزا دے۔ تو نے مجھے راہ راست پر لا کھڑا کیا۔ کیونکہ میں تو کئی دنوں سے زمزم کو پوجتا تھا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں۔ کہ میں نے شام کے راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا۔ جو بڑے اچھے اخلاق والا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ کیا تم میری صحبت میں رہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا۔ میں تو بھوکا رہتا ہوں۔ کہنے لگا۔ اگر تو بھوکا رہے گا۔ تو میں بھوکا رہوں گا۔ چار دن اس طرح گزر گئے۔ اس کے بعد ہمارے پاس کہیں سے کوئی چیز آگئی۔ تو میں نے اُسے کہا۔ آؤ کھا لو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو عہد کر چکا ہوں۔ کہ کسی کے ذریعہ سے کوئی چیز نہ لوں گا۔ میں نے کہا۔ اے بچے! تم نے تو بہت باریک بات کہی۔ کہنے لگا۔ اے ابراہیم! میری جھوٹی تعریف نہ کرو۔ کیونکہ پرکھنے والا تمہارے حال اور توکل کو خوب جانتا ہے۔ پھر کہنے لگا۔ توکل کا کمترین درجہ یہ ہے۔ کہ اگرچہ تجھے فاقہ پر فاقہ آئے۔ پھر بھی تیرا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے۔

کہتے ہیں کہ تمام شکوک کے رفع ہو جانے اور ملک الملوک کو تمام معاملات کے سپرد

ام توکل ہے۔
کہتے ہیں۔ کہ کچھ لوگ جنیدؒ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ ہم رزق کہاں ڈھونڈیں۔
فرمایا۔ اگر تمہیں معلوم ہے کہ وہ کونسی جگہ ہے۔ تو ڈھونڈو۔ پھر کہنے لگے کہ ہم
ندا سے مانگیں گے
فرمایا۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ تمہیں بھول گیا ہے۔ تو اُسے یاد کرا دو۔ پھر
کہنے لگے کہ ہم گھر کے اندر پڑے رہتے ہیں۔ اور اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ
ندا کو آزمانا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ تمہیں شک ہے۔ کہنے لگے، پھر کیا حیلہ کیا
جائے۔ جنیدؒ نے فرمایا، کہ حیلہ کو ترک کر دیا جائے۔
ابو سلیمان دارانیؒ نے احمد بن ابی الحواریؒ سے کہا۔ اے احمد! آخرت کے
راستے بہت سے ہیں۔ اور تمہارے شیخ (پیر) کو ان میں سے بہت سے راستوں
کا پتہ ہے سوائے توکل کے۔ کہ میں نے اس کی بُو بھی نہیں سونگھی
کہا جاتا ہے۔ کہ توکل یہ ہے۔ کہ جو کچھ اللہ کی قدرت میں ہے۔ تو اس پر بھروسہ
کرے۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے۔ اس سے نا امید ہو جائے۔
نیز کہتے ہیں۔ کہ طلب رزق کا تقاضا کرنے میں غور و فکر کرنے سے اپنے باطن
کو فارغ رکھنا ہی توکل ہے۔
کسی نے حارث محاسبیؒ سے دریافت کیا، کہ آیا متوکّل شخص کو طمع لاحق ہوتی ہے
یا نہیں۔ فرمایا۔ طبیعت کے تقاضا کے مطابق کچھ خطرے (طمع وغیرہ کے) اُسے
لاحق ہوتے ہیں۔ مگر اسے کچھ نقصان نہیں پہنچاتے۔ طمع کو ساقط کرنے میں تقویت حاصل
کرنے کے لئے اسے چاہیئے کہ لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے اس سے نا امید ہو جائے
کہتے ہیں۔ کہ جنگل میں نوری کو بھوک لگی۔ تو انہیں غیب سے ندا آئی۔ کہ تمہارے
نزدیک کون سی چیز بہتر ہے۔ سبب یا کفایت؟ جواب دیا۔ کفایت جس کے پرے
کوئی انتہا نہیں۔ چنانچہ سترہ دن تک اسی طرح بغیر کھائے رہے۔
ابو علی روذ باری فرماتے ہیں۔ جب پانچ دن کے بعد فقیر یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں

تو اُسے مجبور کرو۔ کہ بازار میں جاکر کام کرے اور کمائے۔

ابو تراب نخشبی اور ایک صوفی

کہتے ہیں کہ ابو تراب نخشبی نے ایک صوفی کو جس نے تین دن تک کچھ نہ کھایا تھا۔ دیکھا کہ اس نے تربوز کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس پر انہوں نے فرمایا۔ جا بازار میں جاکر کوئی پیشہ اختیار کر۔ کیونکہ تجھ میں تصوف کی علامت نہیں پائی جاتی۔

ابو یعقوب اقطع بصری فرماتے ہیں۔ ایک بار میں حرم دس دن تک بھوکا رہا۔ جس سے میں نے ضعف محسوس کیا۔ دل میں خیال آیا۔ تو میں جنگل کی طرف نکل گیا۔ کہ شاید کچھ کھانے کو مل جائے۔ جس سے اپنی کمزوری کو سکون دے سکوں۔ مجھے ایک گرا پڑا شلجم دکھائی دیا۔ میں نے اسے اٹھالیا۔ مگر دل میں نفرت پیدا ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی شخص مجھ سے یوں کہہ رہا ہے۔ تو دس دن بھوکا رہا۔ اور اس کے بعد کیا تمہاری قسمت میں ایک خراب شلجم ہی لکھا ہے۔ لہذا میں نے اُسے پھینک دیا۔ اور مسجد میں چلا گیا۔ وہاں جاکر بیٹھ گیا۔ اس وقت ایک عجمی آکر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اور اس نے آکر ایک صندوقچہ رکھدیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ تمہارا ہے۔ میں نے پھر پوچھا۔ تم نے یہ کیسے میرے لئے مخصوص کر دیا۔ کہنے لگا۔ ہم دس دن سے سمندر میں سفر کر رہے تھے۔ اور کشتی ڈوبنے کے قریب ہوگئی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک نے نذر مانی۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نجات دے۔ تو کوئی چیز صدقہ میں دے۔ چنانچہ میں نے بھی نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے نجات دے۔ تو حرم کے مجاوروں میں سے جس شخص پر پہلے نظر پڑے گی۔ اُسے میں یہ صدقہ کے طور پر دوں گا۔ اور آپ ہی پہلے شخص ہیں جس سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے کہا۔ اسے کھولو۔ کھولا تو اس میں مصری میدے کا کیک، چھلے ہوئے بادام اور قند سفید کی ڈلیاں تھیں۔ میں نے کچھ اس میں سے لیا۔ اور کچھ اس میں سے، اور کہا کہ باقی اپنے بچوں کے لئے لے جاؤ۔ اللہ کے لئے میری طرف سے تحفہ ہے۔ میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ اس پر میں نے اپنے دل سے کہا۔ کہ تمہارا رزق دس دن سے تمہاری طرف آرہا ہے۔ ا

سے وادی میں ڈھونڈ رہا ہے۔
میں نے شیخ ابوعبدالرحمن سلمی سے سنا۔ انہوں نے کہا ابوبکر رازی فرماتے تھے۔
.... کہ میں ایک بار ممشادؒ دینوری کے پاس تھا۔ کہ قرض کا ذکر
ہو گیا۔ ممشادؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس وقت میرے ذمے کچھ قرض تھا۔ جس کی وجہ سے میں
مغموم سا تھا۔ اس کے بعد میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا: اے بخیل! تم نے صرف
اس قدر رقم ہم پر اعتماد کرتے ہوئے لی؟ لیے جاؤ۔ اور ہم دیتے جائیں گے۔ اس واقعہ
کے بعد میں نے کسی سبزی فروش سے حساب کیا۔ اور نہ کسی قصاب سے اور نہ کسی اور سے
بنان حمال سے مروی ہے۔ کہ میں مکہ کی راہ میں جا رہا تھا۔ اس وقت میں مصر سے آیا تھا۔
اور میرے ساتھ زادِ راہ تھا۔ ایک عورت میرے پاس آئی۔ اور مجھ سے کہنے لگی۔
اے بنان! تم تو مزدور (حمال) ہو۔ اپنی پیٹھ پر زاد راہ اٹھائے پھرتے ہو۔ اور
خیال کرتے ہو۔ کہ اللہ تم کو رزق نہ دے گا۔ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنا زاد راہ
پھینک دیا اور پھر تین دن تک کچھ کھانے کو نہ ملا۔ اس کے بعد مجھے راستہ میں ایک پازیب
ملی۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ اسے اٹھا لوں، شاید اس کا مالک مل جائے۔ ہو سکتا ہے
اور وہ مجھے کچھ دے دے۔ پھر میں یہ اسے واپس کر دوں۔ دیکھا تو پھر وہی عورت
موجود ہے۔ اور کہہ رہی ہے۔ کہ تم تو تاجر ہو۔ دل میں کہتے ہو کہ شاید اس کا مالک آجائے
اور میں اس سے کچھ لوں۔ پھر اس عورت نے کچھ درہم میری طرف پھینکے۔ اور کہنے لگی۔ ان
کو خرچ کر لو۔ یہ درہم مکہ تک پہنچنے کے لئے میرے لئے کافی تھے۔

بنان اور لونڈی کا قصہ کہتے ہیں۔ کہ بنان کو اپنی خدمت کے لئے ایک لونڈی
کی ضرورت لونڈی کی ضرورت پڑی۔ اس نے بے تکلفی
سے اس کا ذکر اپنے بھائیوں سے کر دیا۔ انہوں نے رقم جمع کر لی۔ اور کہا یہ لو۔ ایک گروہ آرہا
ہے۔ جو لونڈی تمہیں پسند ہوگی۔ اس کو خرید لیں گے۔ جب وہ گروہ پہنچا۔ تو ان سب
نے ایک لونڈی کے خریدنے پر اتفاق رائے کیا۔ اور کہا۔ یہی اس کے مناسب ہوگی۔ اس
کے مالک سے جب قیمت پوچھی۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ یہ بیچنے کے لئے نہیں ہے۔ انہوں نے

جب اصرار کیا۔ تو کہنے لگا۔ کہ سمرقند سے ایک عورت نے یہ لونڈی بطور تحفہ کے بنان حمال کے لئے بھیجی ہے۔ میں اس لونڈی کو بنان کے پاس لے گیا۔ اور سارا قصہ بیان کیا۔

بشر حافی کا توکل

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ انہوں نے محمد بن الحسین[۲۲] المخزومی سے سنا۔ انہوں نے احمد بن محمد بن صالح سے سنا۔ کہ محمد بن عبدون فرماتے تھے۔ حسن خیاط فرماتے تھے۔ کہ ایک بار میں بشر حافی کے پاس تھا۔ کہ کچھ لوگ آئے۔ اور انہوں نے بشر کو سلام کیا۔ بشر نے پوچھا۔ تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم شام سے آپ کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اور حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بشر نے فرمایا۔ خدا تمہاری سعی قبول فرمائے۔ انہوں نے پھر عرض کیا۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں؟ فرمایا۔ تین شرطوں پر تمہارے ساتھ چلوں گا۔ پہلی یہ کہ ہم اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لے جائیں گے۔ دوسری یہ کہ کسی سے کوئی چیز نہ مانگیں گے۔ اور تیسری یہ کہ کوئی شخص دے گا بھی تو قبول نہ کریں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ پہلی اور دوسری شرطیں تو ہمیں منظور ہیں۔ مگر تیسری شرط کہ اگر کوئی کچھ دے بھی تو قبول نہ کریں۔ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر بشر نے فرمایا۔ تم تو پھر دوسرے حاجیوں کے زاد راہ پر توکل کر کے نکلے ہو (یعنی اللہ پر توکل نہیں ہے۔) اس کے بعد فرمایا۔ اے حسن! فقیر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو نہ کسی سے مانگتا ہے۔ اور کوئی دے بھی، تو لیتا نہیں۔ یہ فقیر روحانی ہے۔ دوسرا وہ جو خود تو مانگتا نہیں، مگر اگر کوئی دے تو قبول کر لیتا ہے۔ اس شخص کے لئے بارگاہ رب العزۃ سے دسترخوان لگائے جائیں گے اور تیسرا وہ ہے جو مانگتا بھی ہے۔ اور اگر کوئی اسے کچھ دے تو صرف اپنی ضرورت بھر قبول کر لیتا ہے۔ اس کے سوال کرنے کا کفارہ یہ ہے۔ کہ وہ صرف اس وقت مانگے۔ جب اسے سخت بھوک لگے۔

حبیب عجمی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے تجارت کو کیوں چھوڑ دیا۔ تو فرمایا۔ میرے ضامن کا ضامن بہت ثقہ ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ پہلے زمانے میں ایک شخص سفر میں تھا۔ اور اس کے پاس ایک روٹی تھی

کہنے لگا۔ کہ اگر میں اسے کھا لوں گا۔ تو مرجاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ اگر یہ شخص روٹی کھالے۔ تو اسے اور رزق دینا۔ اور اگر نہیں کھائے تو اسے اور روٹی نہ دینا۔ وہ روٹی اس کے پاس اسی طرح رہی۔ یہانتک کہ وہ مرگیا۔
کہتے ہیں۔ جو تفویض (ہر چیز کو اللہ پر چھوڑ دینا) کے میدان میں ہو۔ اس کی مراد اسے اس طرح پہنچا دی جاتی ہے۔ جس طرح دُلہن کو دُلہن کے مالک کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے

تضییع اور تفویض میں فرق

تضییع اور تفویض میں فرق یہ ہے۔ کہ تضییع حقوق اللہ میں ہوتی ہے اور یہ (حقوق اللہ کو ضائع کرنا ہے۔ مثلاً اوامر پر عمل نہ کرنا، اور نواہی سے باز نہ آنا) مذموم بات ہے۔ اور تفویض تمہارے اپنے حقوق میں سے ہے۔ اور یہ محمود امر ہے۔
عبداللہؒ بن مبارک فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص نے ایک پیسہ حرام کا لے لیا، وہ متوکل نہیں ہے۔
میں نے محمدؒ بن عبداللہ صوفی سے سنا۔ انہوں نے نصر بن ابی نصر العطار سے سنا۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ علی بن محمد المصری فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابو سعید خراز سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک بار میں زاد راہ کے بغیر جنگل کو نکل گیا۔ راستہ میں مجھے بھوک لگی۔ (تھوڑی دیر کے بعد) مجھے دُور سے منزل دکھائی دی۔ تو مجھے خوشی ہوئی۔ کہ میں اب منزل کو پہنچا چاہتا ہوں۔ مگر دل میں سوچا۔ کہ میں نے تو ماسوا پر اعتماد کیا۔ اور ماسوا پر سکون و اطمینان کا اظہار کیا۔ لہٰذا میں نے قسم کھائی۔ کہ منزل یعنی شہر میں داخل نہ ہونگا۔ ہاں اگر کوئی جبراً لے جائے تو لے جائے۔ چنانچہ میں نے ریت میں اپنے لئے ایک گڑھا کھودا۔ اور چھاتی تک اپنے آپ کو اس میں چھپا دیا۔ لوگوں نے آدھی رات کے وقت ایک بلند آواز سنی۔ کہ اے شہر والو! اللہ کے ولی نے اپنے آپ کو اس ریت میں قید کر رکھا ہے جاکر اس کی مدد کرو۔ چنانچہ کچھ لوگ آئے۔ اور مجھے نکال کر شہر کو لے گئے
میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے محمد بن الحسین مخزومی سے سنا کہ ابن المالکی فرماتے تھے۔ کہ ابو حمزہ خراسانی نے بیان کیا کہ آپ ایک بار میں حج کے

لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں میں ایک کنوئیں میں گر پڑا۔ میرے نفس نے مجھے فریاد کرنے کو کہا۔ مگر میں نے قسم کھائی۔ کہ میں قطعاً فریاد نہ کروں گا۔ ابھی یہ خیال کر ہی رہا تھا۔ کہ کنوئیں پر سے دو آدمی گذرے۔ تو ایک نے کہا۔ آؤ۔ اس کا منہ بند کر دیں۔ تاکہ کوئی اس میں گر نہ پڑے۔ چنانچہ وہ کچھ سرکنڈے اور ایک چٹائی لائے اس سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا۔ میں نے چلانے کا ارادہ کیا۔ مگر پھر دل میں کہا۔ کہ میں اس کے پاس فریاد کروں گا جو ان سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہے۔ لہٰذا میں چپ رہا۔ ابھی ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا۔ کہ کوئی چیز آئی اور اس نے کنوئیں کا منہ کھول دیا۔ اور اپنی ٹانگ لٹکا دی۔ اور بھنبھناتی ہوئی آواز میں جس کے ساتھ میں پہلے ہی مانوس تھا۔ کہا میرے ساتھ لٹک جاؤ۔ چنانچہ میں لٹک گیا۔ اور اس نے مجھے نکال لیا۔ دیکھا۔ تو وہ درندہ تھا۔ درندے نے اپنی راہ لی۔ غیب سے ندا آئی۔ اے ابو حمزہ! کیا یہ بہتر نہیں ہے؟ ہم نے تمہیں ہلاک کرنے والی چیز کے ذریعہ ہلاکت سے بچا لیا۔ میں وہاں سے چل پڑا۔ اور یہ شعر پڑھنے لگا۔

أَهَابُكَ أَن أُبدِي إِلَيكَ الَّذِي أُخفِي ... وَسِرِّي يُبدِي مَا يَقُولُ لَهُ طَرفِي

نَهَانِي حَيَائِي مِنكَ أَن أَكتُمَ الهَوَى ... وَأَغنَيتَنِي بِالفَهمِ مِنكَ عَنِ الكَشفِ

تَلَطَّفتَ فِي أَمرِي فَأَبدَيتَ شَاهِدِي ... إِلَى غَائِبِي وَاللُّطفُ يُدرَكُ بِاللُّطفِ

تَرَاءَيتَ لِي بِالغَيبِ حَتَّى كَأَنَّمَا ... تُبَشِّرُنِي بِالغَيبِ أَنَّكَ فِي الكَفِّ

أَرَاكَ وَبِي مِن هَيبَتِي لَكَ وَحشَةٌ ... فَتُؤنِسُنِي بِاللُّطفِ مِنكَ وَبِالعَطفِ

وَتُحيِي مُحِبًّا أَنتَ فِي الحُبِّ حَتفُهُ ... وَذَا عَجَبٌ كَونُ الحَيَاةِ مَعَ الحَتفِ

جو راز میں چھپاتا ہوں اسے تمہارے پاس ظاہر کرنے سے مجھے ڈر لگتا ہے۔ مگر جو کچھ میری نگاہ میرے باطن کو کہتی ہے۔ میرا باطن اسے ظاہر کر دیتا ہے۔

میری حیا تم سے عشق کو چھپائے رکھنے سے مجھے منع کرتی ہے۔ مگر تو نے اپنی فہم سے ہی سمجھ کر مجھے راز کھولنے سے بچا لیا۔

تو نے مجھ پر مہربانی کی۔ اور میرے موجودہ حال کو میرے غائب حال پر ظاہر کر دیا۔ اور تمہاری عنایت کو لطیف طریقہ پر ہی سمجھا سکتا ہے۔

تم مجھے باوجود اس کے کہ غیب میں ہو۔ دکھائی دیتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غائب میں ہوتے ہوئے بھی تم مجھے اس بات کی خوشخبری دے رہے ہو۔ کہ تم گویا میرے ساتھ ہی ہو۔

تمہاری ہیبت کی وجہ سے وحشت ہونے کے باوجود جب تمہیں دیکھتا ہوں۔ تو تم اپنی عنایت و مہربانی سے مجھے مانوس کر دیتے ہو۔

تم اپنے عاشق کو باوجود اس کے کہ عشق میں تم اس کے لئے موت ہو۔ زندہ کر دیتے ہو۔ اور یہ عجیب بات ہے۔ کہ موت کے ساتھ زندگی ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ منصور بن عبداللہ نے ان سے کہا۔ کہ ابوسعدان التاہرتی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حذیفہؒ مرعشی کو فرماتے ہوئے سنا۔ اور یہ حذیفہؒ مرعشی ابراہیمؒ بن ادہم کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ اور انہوں نے ان کی خدمت کی۔ جب ان سے پوچھا گیا۔ کہ آپ نے ابراہیم میں کون سی بات سب سے زیادہ عجیب دیکھی۔ تو فرمایا۔ ہم مکہ کی راہ پر جا رہے تھے۔ کہ کئی دنوں تک ہمیں کھانا نہ ملا۔ پھر کوفہ پہنچے۔ تو ایک ویران مسجد میں قیام کیا۔ ابراہیم بن ادہم نے میری طرف دیکھا۔ کہا۔ اے حذیفہؒ میں تجھ پر بھوک کے آثار دیکھ رہا ہوں میں نے عرض کی۔ کہ حضور ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا۔ دوات اور کاغذ لاؤ۔ میں لے آیا۔ اپ نے اس پر لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اے اللہ! ہر حالت میں تو ہی ہمارا مقصود ہے۔ اور ہر بات میں تمہاری ہی طرف ہمارا اشارہ ہوتا ہے۔

أَنَا حَامِدٌ أَنَا شَاكِرٌ أَنَا ذَاكِرٌ	أَنَا جَائِعٌ أَنَا نَائِعٌ أَنَا عَارِي
هِيَ سِتَّةٌ وَأَنَا الضَّمِينُ لِنِصْفِهَا	فَكُنِ الضَّمِينَ لِنِصْفِهَا يَا بَارِي
مَدْحِي لِغَيْرِكَ لَهَبُ نَارٍ خُضْتُهَا	فَاجِرْ عُبَيْدَكَ مِنْ دُخُولِ النَّارِ
وَالنَّارُ عِنْدِي كَالسُّؤَالِ فَهَلْ تَرَى	أَنْ لَا تُكَلِّفَنِي دُخُولَ النَّارِ

میں تمہاری تعریف کرنے والا شکر گزار اور تمہیں یاد کرنے والا ہوں۔ میں بھوکا ہوں پیاسا ہوں۔ اور ننگا ہوں۔ یہ چھ صفات ہیں۔ جن میں سے پہلی تین کا تو میں ضامن ہوں

اور باقی آدھے کا اے خدا تو ضامن بن۔ (اے خدا) تمہارے سوا کسی اور کی تو
کرنا ایسا ہے۔ جیسے دوزخ کی آگ میں گھسنا۔ لہٰذا تو اپنے بندے کو اس آگ میں پڑ
سے بچائے۔

اور میرے نزدیک دوزخ اور بھیک مانگنا ایک ہی بات ہے۔ کیا آپ مجھے
میں پڑنے کی تکلیف سے نہیں بچائیں گے؟

اس کے بعد آپ نے یہ رقعہ مجھے دیا اور فرمایا۔ جاؤ اور غیر اللہ سے دل
لگاؤ۔ اور جو شخص تمہیں سب سے پہلے ملے۔ اسے یہ رقعہ دے دو۔ فرماتے
کہ میں ان کے فرمان کے مطابق نکل گیا۔ پہلا شخص جس سے میری ملاقات ہوئی۔ ا
شخص تھا جو خچر پر سوار تھا۔ میں نے وہ رقعہ اسے دے دیا۔ اس نے وہ رقعہ
اور رونے لگا۔ کہنے لگا۔ کہ اس رقعہ کا لکھنے والا کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا۔ ف
مسجد میں، پھر اس نے مجھے چھ سو دینار دیے۔ اس کے بعد مجھے ایک اور شخص ملا
سے میں نے پوچھا۔ کہ یہ خچر والا آدمی کون ہے؟ اس نے کہا یہ عیسائی ہے۔ پھر
بن ادہم کے پاس چلا آیا۔ اور سارا قصہ بیان کر دیا۔ فرمانے لگے۔ اس تھیلی کو ہاتھ
کیونکہ وہ ابھی آئے گا۔ ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا۔ کہ وہ عیسائی آپہنچا۔ ابراہیم بن ادہم
سر کو بوسہ دیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔

شکر (۵۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (اگر شکر کرو
تو البتہ تمہیں اور زیادہ دوں گا۔)

ابو الحسن علیؒ بن احمد بن عبدان اہوازی نے کہا۔ کہ ابو الحسن صفار نے بیان کیا۔ کہ

ں سے کہا۔ کہ منجابؒ[۲۵۱] نے بیان کیا۔ کہ یحییٰ بن یعلیٰ[۲۵۲] نے ابو خبابؒ[۲۵۳] سے، انہوں نے
سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کہ میں عبید بن عمیر[۲۵۵] کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ
خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ کہ جو عجیب ترین بات آپ نے رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم میں دیکھی ہو، بیان فرمائیے۔ آپ اس پر رو پڑیں۔ اور فرمانے لگیں۔
رت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کون سی بات عجیب نہ تھی۔ ایک رات وہ میرے
آئے۔ اور میرے ساتھ میرے بستر میں میرے لحاف میں گھس گئے یہانتک کہ
سم ان کے جسم کے ساتھ لگ گیا۔ فرمانے لگے۔ ابو بکر کی بیٹی! مجھے چھوڑ دو۔ میں
رب کی عبادت کر لوں۔ میں نے کہا۔ میں آپ کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ میں
پ کو اجازت دیدی۔ آپ اٹھ کر پانی کے مشکیزہ کی طرف گئے۔ اور وضو
ر بہت پانی بہایا۔ پھر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپ رونے لگ
۔ یہانتک کہ آپ کے آنسو آپ کے سینے پر بہنے لگے۔ پھر رکوع میں جاکر روئے
اسی طرح سجدے میں، پھر سر اٹھاکر روتے رہے۔ آپ اسی طرح کرتے رہے
تکہ بلال نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ کیوں
ہے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام قصور معاف
دیئے ہیں؟ فرمایا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔؟ اور میں ایسا کیوں نہ کروں۔
ب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت اتاری ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

شکر کی حقیقت

استاد فرماتے ہیں۔ کہ شکر کی حقیقت اہل تحقیق کے نزدیک یہ ہے۔ کہ نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے
نعمت کا اعتراف کیا جائے۔

اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کو مجازاً شکور کہا جائے گا۔ یعنی یہ کہ وہ اپنے
بندوں کو شکر گزاری پر جزا دیتا ہے۔ لہذا شکر کی جزا دینے کو یہاں شکر کہا گیا۔
س طرح قرآن مجید میں ہے۔ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ برائی کا
لہ برائی ہی کی مانند برائی ہے۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ اللہ کی طرف سے شکر کا یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ معمولی عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے چنانچہ عربی کا محاورہ ہے۔ دابۃ شکور یعنی وہ جانور جسے باوجود اس کے کہ کم چارہ دیا جاتا ہو۔ وہ زیادہ موٹا ہو۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ شکر کی حقیقت یہ ہے۔ کہ محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کی جائے۔ چنانچہ بندے کا شکر گزاری کرنے کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا یہ ہو گا۔ کہ وہ بھی بندے کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف فرماتے ہیں۔ مزید براں بندے کا احسان یہ ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا کرنے کا انعام عطا کرے۔ فی الحقیقت بندے کی شکر گزاری یہ ہے۔ کہ وہ زبان سے اس انعام کا ذکر کرے۔ اور دل سے اس کا اقرار کرے۔

شکر کی قسمیں

شکر کی تین قسمیں ہیں، ۱۔ زبان کا شکر اور وہ اس طرح ہے۔ کہ عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف ۔ بدن اور اعضا کا شکر، اور یہ اس طرح ہے۔ کہ انسان اپنے منعم کا وفادار اور خدمت گزار رہے۔ اور دل کا شکر اس طرح کہ منعم کے احترام کی ہمیشہ رعایت رکھتے ہوئے اس کے احسان کو ہر لحظہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے۔

ایک اور تقسیم

کہتے ہیں۔ کہ ایک شکر عالموں کا ہوتا ہے۔ اور وہ اقوال و نطق کے ساتھ ہوتا ہے۔ (یعنی زبان کا شکر) دوسرا شکر عابدوں کی صفت ہوتی ہے۔ جو ان کے افعال کی قسم سے ہوتا ہے۔ (یعنی افعال و جوارح کا شکر) اور تیسری قسم کا شکر عارفوں کا شکر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے عام احوال میں اپنے منعم کے لئے کاربند رہتے ہیں۔ ابو بکر وراق فرماتے ہیں۔ کسی کی نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ اس کے احسان کو حاصل کرنے میں اپنے آپ کو مستحق نہ سمجھے۔ بلکہ طفیلی سمجھے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ شکر کے اندر (شکر کرنے کا) سبب پایا جاتا ہے۔ اس لئے
شاکر اپنے لئے اور عنایات کا طالب ہوتا ہے لہٰذا شکر گزار درحقیقت اللہ تعالیٰ
کے ساتھ ہو کر اپنی ذات کے لئے حظ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ابو عثمان فرماتے ہیں۔ شکر یہ ہے۔ کہ تو شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو
عاجز سمجھے۔ کہتے ہیں۔ کسی کا شکر ادا کرنے پر شکر کرنا شکر کرنے سے زیادہ
کامل ہوتا ہے۔ کیونکہ تو اپنی شکر گزاری کو بھی اسی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی توفیق میں سے
شمار کرے گا۔ اور یہ توفیق بھی تم پر انعامات بخشنے کی خاطر ہوگی۔ لہٰذا تو شکر پر بھی
شکر کرے گا۔ پھر شکر پر شکر کرے گا۔ اور پھر یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔

نیز کہتے ہیں۔ کہ، شکر یہ ہے کہ تو اپنی عاجزی کو جانتے ہوئے احسان کو احسان
کرنے والے کی طرف منسوب کرے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ شکر یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو احسان کا اہل ہی نہ سمجھے۔

رویم فرماتے ہیں۔ شکر تو یہ ہے۔ کہ انسان اپنی تمام کی تمام طاقت احسان کنندہ
کی اطاعت میں لگا دے گا۔

شاکر اور شکور میں فرق

کہتے ہیں۔ کہ شاکر اور شکور میں فرق یہ ہے۔ کہ شاکر وہ ہے۔ جو موجودہ چیز پر شکر گزار ہو۔ اور شکور وہ ہے۔ جو ناموجود چیز پر شکر گزاری کرے۔

ایک اور فرق

نیز کہتے ہیں۔ کہ شاکر وہ ہے۔ جو کسی عطیہ پر شکر کرے اور شکور وہ ہے۔ جو نہ دینے پر بھی شکر کرے۔

ایک اور فرق

جو نفع پر شکر ادا کرے۔ وہ شاکر ہے اور کسی چیز کے نہ ملنے پر بھی شکر ادا کرے وہ شکور ہے۔

ایک اور فرق

جو عطیہ پر شکر ادا کرے وہ شاکر کہلاتا ہے اور جو مصیبت پر شکر ادا کرے وہ شکور کہلاتا ہے۔

ایک اور فرق

جو انعام پر شکر ادا کرے وہ شاکر کہلاتا ہے۔ اور جو

دمیں ڈالنے پر بھی شکر ادا کرے وہ شکور کہلاتا ہے۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے ابو سہل صعلوکی سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ المرتعش فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا۔ کہ میں ابھی سات سال کا تھا۔ اور سری سقطیؒ کے سامنے کھیل رہا تھا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ شکر کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا۔ شکر کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کہ شکریہ ہے۔ کہ تو اس کے احسان کے بدلے اس کی نافرمانی نہ کرے اس پر سریؒ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے کرم سے تجھے زبان عطا کرے گا جنیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں سریؒ کے ان الفاظ کی وجہ سے اب تک روتا رہتا ہوں شبلیؒ فرماتے ہیں۔ احسان کرنے والے کو نگاہ میں رکھنا شکر ہے۔ نہ کہ احسان کو نگاہوں میں رکھنا۔

کہا جاتا ہے۔ کہ احسان جو کہ موجود ہے اس کی حفاظت کرنا اور طلب مزید کا جو اس وقت معدوم ہے، طلب کرنا شکر ہے۔

ابو عثمانؒ فرماتے ہیں۔ عوام کا شکر تو کھانے اور لباس پر ہوتا ہے۔ مگر خواص تو ان واردات پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جو ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے باری تعالیٰ میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں۔ جبکہ میرا شکریہ ادا کرنا بھی تمہاری ایک عنایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ کہ اب تو نے میرا شکریہ ادا کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مناجات میں عرض کیا۔ کہ اے اللہ تو نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اور پھر اس کے ساتھ تو نے ایسا ایسا سلوک کیا۔ لہٰذا اس نے تمہارا شکریہ کیسے ادا کیا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسے معلوم تھا۔ کہ سب کچھ میری طرف سے ہے۔ لہٰذا یہ جاننا شکر شمار کیا گیا۔

کہتے ہیں۔ کسی ایک شخص کا ایک دوست تھا۔ جسے بادشاہ نے قید کر دیا۔ اس

ص اسے اپنے دوست کو پیغام بھیجا۔ دوسرے نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ پھر اس
ص کو مار پڑی۔ اس نے پھر دوست کو لکھا، دوست نے پھر لکھا۔ اللہ کا شکر ادا کرو
کے بعد ایک مجوسی لایا گیا۔ جسے پیٹ کی بیماری تھی۔ اور بیڑیاں لائی گئیں۔ بیڑیوں
یک حلقہ اس شخص کے پاؤں میں ڈال دیا گیا اور دوسرا مجوسی کے پاؤں میں، مجوسی رات
ی بار اجابت کے لئے اٹھتا۔ اور اس شخص کو مجوسی کے فارغ ہونے تک اس کے پاس کھڑا
ہنا پڑتا۔ اس نے پھر دوست کو لکھا۔ مگر پھر وہی جواب ملا۔ کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔
ں نے کہا۔ تم کب تک مجھ سے یہی کہے جاؤ گے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کون سی
صیبت ہو سکتی ہے۔ دوست نے کہا۔ اگر اس کا زنار تمہاری کمر میں ڈال دیا جاتا
س طرح کہ بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں۔ تو تم کیا کر سکتے تھے؟

کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص سہل بن عبداللہ کے پاس آیا۔ اور عرض کیا۔ چور میرے
ر میں گھس کر سارا سامان لے گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر چور
یعنی شیطان)، تمہارے دل میں گھس کر توحید کو خراب کر دیتا۔ تو تُو کیا کر سکتا تھا؟

کہتے ہیں کہ آنکھوں کا شکر یہ ہے۔ کہ تو لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالے۔ اور
ں کا شکر یہ ہے کہ جو عیب کی بات سُنے اس پر پردہ ڈالے

بعض کہتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطیات پر جو کسی طرح بھی واجب نہیں ہیں اس کی تعریف کر کے لذت حاصل کی جائے۔

میں نے سلمیؒ سے سنا۔ انہوں نے کہا۔ کہ محمدؒ بن حسین نے کہا۔ حسینؒ بن یحییٰ نے
ہا۔ کہ جعفرؒ فرماتے تھے۔ کہ انہوں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ حب سری مجھے کچھ
فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو مجھ سے کوئی سوال کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن انہوں
نے مجھ سے پوچھا۔ اے ابو القاسم! شکر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا! شکر یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی نافرمانی کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ پھر پوچھا کہ تجھے
یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ میں نے عرض کیا۔ آپ کی ہم نشینی سے۔

کہتے ہیں۔ کہ حسن بن علی نے خانہ کعبہ کے رُکن سے چمٹ کر کہا۔ اے اللہ! تو نے
مجھ پر انعام کیا۔ مگر تو نے مجھے شاکر نہ پایا۔ تو نے مجھے مبتلا کیا۔ مگر مجھے صابر نہ پایا۔

مگر باوجود اس کے کہ میں نے شکر ادا نہیں کیا۔ تو نے مجھ سے اپنی عنایات کو روک نہیں لیا۔ اور نہ ہی میری بے صبری کی وجہ سے تو نے مصیبت کو دائم رکھا۔

فرمایا۔ اے خدا! "از کریماں ہیچ ناید جز کرم" (بزرگوں سے بزرگی ہی ظاہر ہوتی ہے)

کہتے ہیں۔ جب تو جزا دینے سے قاصر ہو۔ تو تیری زبان شکر گزاری کے ساتھ لمبی ہونی چاہیئے۔

کہتے ہیں۔ کہ چار چیزوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

(۱) بہرے سے راز میں بات کہنے کا۔ (۲) ناشکر گزار پر احسان کرنے کا!

(۳) زمین شور میں بیج ڈالنے کا۔ (۴) سورج کی روشنی میں چراغ جلانے کا۔

کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کو مغفرت کی بشارت دی۔ تو انہوں نے زندگی چاہی۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ کہا کہ میں اس لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ کہ میں اس کا شکر ادا کروں۔ کیونکہ اس سے پیشتر میں مغفرت کے لئے عمل کرتا تھا۔ اس پر فرشتے نے اپنا پر پھیلایا۔ اور انہیں اٹھا کر آسمان پر لے گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک نبی ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے۔ جس سے پانی کثرت سے نکل رہا تھا۔ نبی کو اس پر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کی ان سے گفتگو کرا دی۔ پتھر نے کہا۔ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے۔

نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔ نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ ایسی آگ میں داخل کرے گا۔ جس کے ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔) میں ڈر کے مارے رو رہا ہوں۔ راوی کہتا ہے۔ کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ کہ اس پتھر کو دوزخ سے پناہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی کو خبر دی۔ کہ ہم نے اُسے پناہ دے دی۔ یہ سن کر نبی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ واپس آئے تو دیکھا۔ کہ پانی بدستور پھوٹ رہا ہے۔ انہیں پھر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر پتھر کو گویائی دیدی۔ نبی نے پوچھا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کر دیا ہے۔ تو کیوں رو رہا ہے؟ پتھر

نے جواب دیا۔ وہ رونا غم اور خوف کا تھا۔ اور یہ رونا شکر اور سرور کا ہے۔
کہتے ہیں کہ شکر گذار بندے کو ہر وقت مزید انعام ملتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی نعمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کروگے۔ تو تمہیں میں اور زیادہ دونگا)
اور صابر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مبتلا کرنے والے کے حضور میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ
کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کے پاس ایک وفد آیا۔ ان میں ایک نوجوان تھا۔ جس نے بات شروع کی۔ عمر نے کہا۔ جو بڑا ہو وہ بات کرے۔ نوجوان نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین! اگر بات عمر پر ہوتی۔ تو امت میں آپ سے بڑی عمر کے بہت سے لوگ ہیں۔ اس پر عمر نے کہا۔
کہو۔ کہنے لگا۔ ہم نہ تو کسی لالچ کیلئے آئے ہیں۔ اور نہ کسی ڈر سے۔ رغبت کی تمام چیزیں آپ کی مہربانی سے ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ اور ڈر اس لئے نہیں کہ ہمیں آپ کے عدل و انصاف نے امن میں رکھا ہے۔ عمر نے کہا کہ پھر تم کیسے آئے ہو؟ نوجوان نے جواب دیا۔ کہ ہم صرف شکر ادا کرنے کو آئے ہیں۔ شکر ادا کرکے واپس چلے جائیں گے۔ اور پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

وَمِنَ الرَّزِيْئَةِ اَنَّ شُكْرِيْ صَامِتٌ   عَمَّا فَعَلْتَ وَاَنَّ بِرَّكَ نَاطِقٌ
وَاَرَى الصَّنِيْعَةَ مِنْكَ ثُمَّ اُسِرُّهَا   اَنِّيْ اِذَنْ لِيَدِ الْكَرِيْمِ لَسَارِقٌ

مشکل تو یہ ہے کہ جو احسانات تم نے مجھ پر کیے ہیں۔ میرا شکر ان کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ مگر تمہارے احسانات گویا ہیں۔
میں تمہارے احسانات کو دیکھوں اور پھر انہیں چھپائے رکھوں، تب تو میں محسن کے احسانات کا چور ٹھہرا۔
کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ کہ میرے بندوں پر رحم کھاؤ۔ خواہ وہ مصیبت میں گرفتار ہوں یا نہ ہو۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔

جو مبتلا نہیں ان پر کیونکر رحم کھاؤں؟ فرمایا۔ اس لئے کہ جو عافیت میں نے انہیں دے رکھی ہے۔ اس پر وہ شکر گزار نہیں ہیں۔

کہتے ہیں کہ حمد باری تعالیٰ انفاس صالحہ پر کی جاتی ہے۔ اور شکر جسمانی نعمتوں پر۔ نیز کہتے ہیں۔ کہ حمد کی ابتداء اللہ کی طرف سے ہے۔ اور شکر تمہاری طرف سے فدیہ ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے۔ جن لوگوں کو سب سے پہلے جنت میں جانے کے لئے بلایا جائے گا۔ وہ ایسے لوگ ہوں گے۔ جو ہر حالت میں اللہ کی حمد بیان کرتے ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ حمد ان مصائب پر کی جاتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ دُور کرے۔ اور شکر ان انعامات پر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

کسی صوفی سے حکایت کی گئی۔ کہ انہوں نے ایک سفر میں ایک نہایت ہی بوڑھے آدمی کو دیکھا۔ اُنہوں نے اُس کا حال پوچھا۔ تو بوڑھے نے بیان کیا۔ کہ میں ابتداء عمر میں اپنی چچا زاد بہن پر عاشق تھا۔ اور اُسے بھی مجھ سے عشق تھا۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ میرا اس سے نکاح ہو گیا۔ شب زفاف میں ہم دونوں نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں پر مہربانی فرما کر ہمیں بذریعہ نکاح اکٹھا کر دیا ہے۔ لہٰذا آج رات ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ چنانچہ ہم رات بھر نماز پڑھتے رہے۔ اور ایک دوسرے کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ دوسری رات بھی ہم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ ستر یا اسی سال سے ہم ہر رات اس طرح کرتے چلے آتے ہیں۔ پھر بڑھیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ بڑھیا نے کہا۔ بات ایسی ہی ہے۔ جس کو شیخ نے بیان کیا۔

باب

یقین[۶۵۶]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ اور متقین وہ لوگ ہیں۔ جو آپ پر اور آپ سے پہلے اُتاری ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کا بھی انہیں یقین ہے۔

استاذ امام ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک نے کہا۔ کہ ان سے ابوبکر احمد[۶۵۷] بن محمد بن خرزاذ اہوازی نے بیان کیا۔ ان سے احمد[۶۵۸] بن سہل بن ایوب نے، ان سے خالد[۶۵۹] یعنی ابن یزید نے بیان کیا۔ کہا۔ ان سے سفیان ثوری اور شریک[۶۶۰] بن عبداللہ اور سفیان بن عیینہ نے سلیمان[۶۶۱] تیمی سے اور انہوں نے خیثمہ[۶۶۲] سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے کسی کو راضی نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے مہربانیوں پر کسی اور کی تعریف نہ کرو۔ اور نہ ان چیزوں کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہیں نہیں دیں۔ کسی کی مذمت کرو۔ کیونکہ حریص کا حرص اللہ تعالیٰ کے رزق کو تمہارے پاس نہیں لا سکتا۔ اور نہ کسی شخص کے ناپسند کرنے سے وہ رزق تم سے روک دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے راحت اور خوشی رضا اور یقین میں رکھی ہے۔ اور وہم و شک ناراضگی میں رکھا ہے۔

شیخ ابو عبدالرحمن سلمی نے کہا۔ کہ ابوجعفر محمد بن احمد بن سعید رازی نے ان سے کہا کہ عباس بن حمزہ نے ان سے کہا کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے کہ ابو عبداللہ انطاکی فرماتے تھے۔ " کم سے کم یقین بھی جب دل میں داخل ہو جائے۔ تو دل کو نور سے بھر دیتا ہے۔ اور دل سے ہر قسم کے شک دور کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے دل شکر اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے پُر

پُر ہو جاتا ہے۔

ابو جعفر حداد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ ایک بار میں جنگل میں ایک حوض پر بیٹھا تھا۔ کہ مجھے ابو تراب نخشبی نے دیکھ لیا۔ اس وقت مجھ پر سولہ دن بغیر کھائے اور پیئے گذر چکے تھے۔ ابو تراب نخشبی نے مجھ سے پوچھا۔ کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ کہ میں علم اور یقین کی کشمکش میں ہوں۔ منتظر ہوں کہ کون ان میں سے غالب آتا ہے کہ اس کا ساتھ دوں۔ ان کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر علم غالب آئے تو پانی پی لوں۔ اور اگر یقین غالب آئے۔ تو اسی طرح چلتا رہوں۔ یہ سن کر ابو تراب نے کہا۔ تو عنقریب بڑی شان والا ہوگا۔

ابو عثمان حیری فرماتے ہیں۔ یقین یہ ہے۔ کہ تو آئندہ کے لئے کوئی اہتمام نہ کرے۔ سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ یقین ایمان کی زیادتی اور تحقیق کا سبب بنتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔ یقین ایمان کا ایک جزو ہے۔ اور تصدیق سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔ ایک صوفی کا قول ہے۔ کہ یقین ایسا علم ہے۔ جو دلوں میں ودیعت کیا جاتا ہے۔ اس قول کے قائل کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ ایک وہبی چیز ہے۔ کسبی نہیں۔

سہل فرماتے ہیں۔ یقین کی ابتداء مکاشفہ سے ہوتی ہے۔ اسی لئے سلف میں سے کسی کا قول ہے۔ اگر پردہ اٹھ بھی جائے۔ تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہو گا۔ اس کے بعد معائنہ کا درجہ ہے پھر مشاہدہ کا۔

ابو عبد اللہ بن خفیف فرماتے ہیں۔ بندہ کے دل میں ان تمام باتوں کا پختہ یقین ہونا کہ جن مغیبات کی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے خبر دی، سچ ہیں۔ یہی یقین ہے۔

ابو بکر بن طاہر فرماتے ہیں۔ علم میں شکوک واقع ہوتے ہیں۔ مگر یقین میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ ان کا اشارہ علم کسبی اور اس علم کی طرف ہے۔ جو بدیہی کے برابر ہے۔ صوفیاء کے علوم کا بھی یہی حال ہے۔ ابتداء میں کسبی ہوتے ہیں۔ مگر آخر کار بدیہی بن جاتے ہیں۔

میں نے محمدؒ بن حسین کو فرماتے سنا کہ کسی صوفی کا قول ہے۔ سب سے پہلا درجہ معرفت کا ہے۔ پھر یقین کا، پھر تصدیق کا، پھر اخلاص کا، پھر شہادت کا، اور اطاعت کا، اور ایمان ایک ایسا نام ہے۔ جو ان سب کو شامل ہے۔ اس قول کے کہنے والے کا اشارہ اس طرف تھا۔ کہ سب سے ضروری چیز اللہ تعالیٰ کو جاننا (معرفت) ہے۔ اور یہ معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اس کے شرائط نہ پورے کر لئے جائیں۔ اور یہ شرائط یہ ہیں۔ (۱) نظر صائب۔ پھر جب (دل پر) دلائل متواتر پائے جائیں۔ اور (ان کے ذریعہ سے) وضاحت ہو جائے تو انسان انوار کے پیاپے آنے اور کمال بصیرت کے حصول سے ایسا ہو جائے۔ گویا وہ دلیل میں غور کرنے سے مستغنی ہے یہ یقین کی حالت ہوتی ہے۔ (۲) دوسرا مرتبہ یہ ہے۔ کہ دل حق تعالیٰ کی ان خبروں کی تصدیق کرے۔ جو رسولوں کی زبانی مخلوق تک پہنچیں۔ اور وہ آئندہ آنے والے امور سے متعلق تھیں۔ (مثلاً حشر و نشر وغیرہ) اس لئے کہ تصدیق صرف خبروں کے متعلق ہو سکتی ہے (نہ کہ انشاء کے متعلق) (۳) پھر اخلاص، اور وہ یہ ہے۔ کہ تصدیق سے نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ انسان اوامر پر کاربند ہو۔ (اور نواہی سے اجتناب کرے۔ (۴) اچھے طریقے سے اقرار کرتے ہوئے داعی (شارع علیہ السلام) کی بات کو مان لینا (۵) جن چیزوں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان میں توحید کے ساتھ۔ اور جن سے منع کیا ہے۔ ان سے پرہیز کرنے کے ساتھ اطاعت گذاری کرنا۔ امام ابوبکر بن فورک نے اپنے اس قول میں جسے میں نے ان سے سنا۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ زبان کا ذکر دل کے اس فیضان کا نتیجہ ہے۔ جو دل کی طرف سے زبان پر وارد ہوتا ہے۔

سہلؒ بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ جو دل غیر اللہ سے سکون حاصل کرے۔ وہ کبھی بھی یقین کی بو نہیں سونگھ سکتا۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔ یقین امیدوں کو کوتاہ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور امیدوں کو کوتاہ کرنا زہد کی طرف لے جاتا ہے۔ اور زہد سے حکمت پیدا

ہوتی ہے۔ اور حکمت سے انجام میں غور و خوض کی عادت ہوتی ہے۔
میں نے محمد بن حسین سے سنا۔ کہ عباس بغدادی نے، ان سے محمد بن احمد بن سہل نے، ان سے سعید بن عثمان نے کہا۔ کہ ذوالنون مصری فرماتے تھے۔ کہ تین چیزیں یقین کی علامت ہیں۔ (۱) لوگوں سے کم میل جول رکھنا، (۲) ان کے عطیوں پر ان کی مدح نہ کرنا۔ (۳) اور جب وہ کچھ نہ دیں۔ تو ان کی مذمت کرنے سے اپنے آپ کو پاک رکھنا۔ اور تین چیزیں یقین الیقین کی علامات میں سے ہیں۔ (۱) ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھنا، (۲) ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ (۳) اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا۔
جنیدؒ فرماتے ہیں۔ یقین دل کے اندر ایک ایسا پختہ علم ہے، جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔
ابن عطاؒ فرماتے ہیں۔ جس قدر کسی کا دل تقویٰ سے قریب ہوگا۔ اسی قدر اس کو یقین بھی حاصل ہوگا۔ اور تقویٰ کی اصل یہ ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے الگ رہے۔ اور مناہی سے الگ رہنا در اصل خواہشات نفس سے الگ رہنا ہے، جس قدر کسی نے خواہشاتِ نفس کو چھوڑا۔ اسی قدر ان کو یقین حاصل ہوا۔
کسی صوفی کا قول ہے۔ یقین کسی امر کے کھل جانے (مکاشفہ) کا نام ہے۔ اور مکاشفہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا مکاشفہ بالاخبار ہے۔ دوسرا مکاشفہ قدرتِ خداوندی کو ظاہر کرنا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ دل پر حقائق ایمان کا مکاشفہ ہو جائے

صوفیاء کے نزدیک مکاشفہ کی تعریف

یاد رکھیں۔ کہ صوفیاء

کے کلام میں جو مکاشفہ کا لفظ آتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے، کہ کسی چیز کا ذکر دل پر اس قدر غالب ہو جائے کہ وہ چیز دل پر واضح ہو جائے۔ یہانتک کہ اس چیز میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ بعض اوقات مکاشفہ سے مراد وہ کیفیت ہوتی ہے۔ جو تقریباً ایسی ہوتی ہے۔ جیسے دیکھنے والا بیداری اور خواب کی درمیانی حالت میں دیکھتا ہے۔ اس حالت کو بالعموم "سبات" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام ابوبکر بن فورک فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ابو عثمان مغربی سے سوال کیا۔ یہ جو آپ فرماتے ہیں۔ کہ" مجھے لوگوں نے یُوں یُوں کہا"۔ کیا آپ انہیں اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں یا مکاشفہ سے، تو انہوں نے فرمایا" مکاشفہ سے"۔

عامرؒ بن عبد قیس فرماتے ہیں۔ اگر پردہ اُٹھ بھی جائے، تب بھی میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔

نیز کہا جاتا ہے کہ قوت ایمانیہ کے ساتھ کسی چیز کو اپنے سامنے دیکھنا یقین کہلاتا ہے۔

نیز کہتے ہیں، تمام معاوضات کے زائل ہو جانے کا نام یقین ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ امورِ غیبیہ کے مشاہدہ میں شک کا رفع ہو جانا یقین کہلاتا ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے متعلق جو انہوں نے عیسٰی ابن مریم علیہما السلام کے بارے میں کہا تھا۔ کہ لَوْ ازْدَادَ یَقِیْناً لَمَشٰی فِی الْھَوَاءِ

"اگر انہیں اور یقین حاصل ہو جاتا۔ تو ہوا میں چلتے) فرماتے سُنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں اپنی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو آپ کو معراج کی رات حاصل تھی۔ کیونکہ معراج کے لطائف بیان فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں اپنی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو آپ کو معراج کی رات حاصل ہوئی۔ کیونکہ معراج کے لطائف بیان فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے دیکھا۔ کہ براق پیچھے رہ گیا۔ اور میں آگے کی طرف چل پڑا۔

میں نے محمدؒ بن حسین سے، انہوں نے احمد بن علی بن جعفر سے سُنا۔ کہ ابراہیم بن فاتک نے کہا۔ کہ جنیدؒ فرماتے تھے۔ کہ سرّی سے کسی نے یقین کے متعلق سوال کیا، تو فرمایا۔ کہ جب بہت سی واردات تمہارے سینہ میں موجزن ہوں۔ تو پھر بھی تم مطمئن رہو۔ یہی یقین ہے۔ کیونکہ تمہیں یقین ہے کہ تمہارا ان میں حرکت کرنا کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ یہ اللہؒ کی قضا کو رد کر سکتا ہے

اور میں نے انہی سے سنا کہ ان سے عبداللہ بن علی نے کہا کہ ابو جعفر (۶۴) اصبہانی فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن سہل (۶۵) کو فرماتے سنا کہ حضور یقین سے افضل ہے اس لئے کہ حضور میں انسان پوری طرح متمکن اور سکون میں ہوتا ہے اور یقین میں حرکت و خلجان رہتا ہے۔ انھوں نے یقین کو حضور کی ابتدا قرار دیا۔ اور حضور کے بغیر یقین حاصل ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر یقین کے بغیر حضور کے حاصل ہونے کو ناممکن قرار دیا ہے۔ اسی لئے نوریؒ فرماتے ہیں کہ یقین مشاہدہ . . . .

کا نام ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ مشاہدہ کے اندر ایسا یقین پایا جاتا ہے۔ جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ وہ شخص جسے اپنے ماسن پر اعتماد نہیں، اسے مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

ابو بکر وراق فرماتے ہیں۔ دل کا تمام تر دارو مدار یقین پر ہے۔ اور اس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ یقین سے ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور عقل کے ذریعہ سے ہی انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو سمجھ سکتا ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ یقین کی بدولت کچھ لوگ پانی پر چل سکتے ہیں۔ اگر ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ (وہ لوگ جو ان سے یقین کے اعتبار سے ان سے اعلیٰ و افضل تھے۔ پیاسے مر گئے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ حسین بن یحییٰ نے کہا۔ جعفر فرماتے تھے۔ کہ ابراہیم خواص نے فرمایا۔ کہ مجھے ایک نوجوان بیابان میں ملا۔ (وہ اس قدر حسین تھا۔ کہ) چاندی کی ڈلی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا۔ بچہ! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ مکہ جا رہا ہوں۔ میں نے پھر پوچھا۔ کیا بغیر زادِ راہ کے! اور بغیر سواری کے اور خرچ کئے؟ بچے نے جواب دیا! اے ضعیف الیقین! وہ خدا جو زمین اور آسمان کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ مجھے بغیر اسباب کے مکہ تک نہ پہنچا دے گا؟ ابراہیم فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ بچہ طواف کر رہا ہے۔ اور یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

يَا عَيْنُ سُحِّي أَبَدًا ٭ يَا نَفْسُ مُوْتِي كَمَدًا
وَلَا تُحِبِّي أَحَدًا ٭ إِلَّا الْجَلِيْلَ الصَّمَدَا

اے آنکھ ہمیشہ روتی رہ۔ اے نفس غم سے مر جا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے محبت نہ کرنا۔ جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ تو کہنے لگا۔ اے بوڑھے! کیا ابھی تک تو ضعیف الیقین ہے۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا۔ کہ منصور بن عبد اللہ کو میں نے فرماتے سُنا۔ کہ انہوں نے نہر جوری کو یوں فرماتے سنا۔ جب بندہ حقائق یقین کی تکمیل کرے۔ تو مصیبت اس کے نزدیک نعمت ہو جاتی ہے۔ اور آسائش مصیبت۔

ابو بکر وراق فرماتے ہیں۔ یقین تین طرح کا ہوتا ہے۔ خبروں کا یقین۔ دلیلوں کا یقین۔ اور مشاہدہ کا یقین۔

ابو تراب فرماتے ہیں۔ میں نے ایک بچے کو جنگل میں بغیر زاد راہ کے جاتے دیکھا۔ میں نے کہا۔ اگر اس کے ساتھ یقین نہیں ہے۔ تو وہ تباہ ہو جائے گا۔ لہذا میں نے اسے کہا۔ بچہ! کیا تو ایسی جگہ بغیر زادہ راہ کے چل رہا ہے؟ اس نے جواب میں کہا۔ او بوڑھے! ذرا سر اٹھا کر تو دیکھو کیا تجھے حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز دکھائی دیتی ہے؟ یہ سُن کر میں نے اُسے کہا۔ اب جہاں چاہو، جاؤ۔

محمد بن الحسین نے کہا۔ کہ ابو نصر[۲۶۶] اصبہانی نے ان سے کہا کہ محمد بن[۲۶۷] عیسیٰ نے کہا۔ ابو سعید خراز فرماتے تھے۔ علم وہ ہے۔ جو تجھے عمل کی طرف لے جائے۔ اور یقین وہ ہے۔ جو تجھے جد و جہد پر اکسائے۔

اور میں نے ان سے کہا۔ کہ ابو بکر رازی نے کہا۔ کہ ابو عثمان
الآدمی فرماتے تھے۔ میں نے ابراہیم خواص کو فرماتے سنا۔ میں نے
حلال کی روزی کھانے کے لئے ذریعہ معاش طلب کیا۔ اور مچھلی کا
شکار کیا۔ ایک بار جال میں ایک مچھلی آئی۔ میں نے اس کو نکال
لیا۔ اور جال پانی میں ڈال دیا۔ پھر ایک اور آگئی۔ میں نے اسے
بھی پھینک کر جال ڈال دیا۔ اس پر غیب سے ندا آئی۔ تجھے
روزی کمانے کے لئے اس کے سوا کوئی اور ذریعہ معاش
نہیں ملا۔ کہ تو ان کے پاس آکر انہیں قتل کر دے۔ جو ہمارا ذکر
کرتے ہیں؟ یہ سن کر میں نے بنسی توڑ دی۔ اور مچھلیوں کا شکار
چھوڑ دیا۔

باب ۲۰

صبر (۲۶۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ
صبر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر تم صبر بھی نہیں کر سکتے۔

علی بن احمد اہوازی نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید بصری نے
ان سے احمد بن علی (۲۶۹) خراز نے، ان سے اُسید (۲۷۰) بن زید نے کہا۔ کہ
مسعود (۲۷۱) بن سعد نے الزیات (۲۷۲) سے روایت کی۔ کہ ابو ہریرہؓ نے
کہا۔ کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُولٰی۔

صبر تو وہ ہے۔ جو مصیبت کی پہلی ٹھوکر لگنے پر کیا جائے۔

علی بن احمد نے، ان سے احمد بن عبید نے، ان سے احمد بن عمر(۲۷۳) نے، ان سے محمد(۲۷۴) بن مرواس نے، ان سے یوسف(۲۷۵) بن عطیہ نے، ان سے عطاء بن(۲۷۶) ابی میمونہ نے، ان سے انس بن مالک فرماتے تھے۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی

صبر کی کئی قسمیں ہیں۔ انسان کا اپنے کاموں پر صبر (۱)، اور ان امور میں صبر (۲)، جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں۔ پھر انسان کا اپنے کاموں میں صبر دو طرح کا ہے۔ ان امور پر صبر، جن کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور ان چیزوں پر صبر، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ان امور پر صبر جن میں انسان کے کردار کا دخل نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ انسان پر جو مصیبت اللہ کے حکم سے آ جائے۔ اسے برداشت کرنے میں صبر کرے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا۔ انہوں نے حسین بن یحییٰ سے، انہوں نے جعفر بن محمد سے سنا۔ کہ فرماتے تھے۔ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا۔ کہ مومن کے لئے دُنیا سے آخرت کو جانا بہت آسان ہے۔ مگر اللہ کی خاطر مخلوق سے جُدائی بہت مشکل ہے۔ اور خواہشات نفسانی کو چھوڑ کر اللہ کی طرف جانا اور بھی زیادہ دشوار ہے۔ اور اللہ کو ہر دم نگاہ میں رکھنے پر صبر کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔

جنیدؒ سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا۔ ناک بھوں چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ پی جانا ہی صبر ہے۔

علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں۔ کہ صبر اور ایمان میں وہی تعلق ہے۔ جو سر اور بدن میں
ابو القاسم حکیم فرماتے ہیں - اللہ تعالیٰ کا وَاصْبِرْ فرمانا عبادت کرنے کا
حکم ہے۔ اور وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ فرمانا یہ عبودیت ہے۔ چنانچہ جو شخص "لَكَ"
یعنی اپنی طاقت پر اعتماد کے ہر درجہ سے ترقی کر کے "بِكَ" یعنی اپنی طاقت
سے بیزاری اور عدم اعتماد کے درجہ کو پہنچ جائے تو سمجھ لو۔ کہ وہ عبادت
کے مرتبہ سے منتقل ہو کر عبودیت کے مرتبہ کو جا پہنچا - جس طرح آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں - بِكَ أَحْيَا وَبِكَ أَمُوتُ (میں تمہاری ذات کے ذریعہ
ہی سے زندہ ہوں۔ اور تمہارے مارنے ہی سے مروں گا۔)

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا۔ ان سے جعفر رازی نے کہا۔ کہ
عیاش کہتے تھے۔ کہ احمدؒ فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابو سلیمان سے صبر کی نسبت
سوال کیا۔ تو فرمایا۔ اللہ کی قسم، ہم تو اپنی پسند کی چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے تو
ناپسندیدہ چیزوں پر کیسے صبر سکتے ہیں۔ (یعنی اللہ کی توفیق کا ہونا ضروری امر ہے)

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ اللہ کے احکام کی مخالفت سے دور رہنے کا' اور
مصائب کے گھونٹ گھونٹ پینے پُرسکون و اطمینان اور زندگی کے میدان میں باوجود
محتاجی کے اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام صبر ہے۔

ابن عطاء فرماتے ہیں۔ اچھی طرح ادب کو قائم رکھتے ہوئے مصیبت پر قائم رہنا
صبر ہے۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ شکایت کا اظہار کئے بغیر مصیبت میں فنا ہو جانا صبر ہے
ابو عثمان فرماتے ہیں۔ بہت صبر کرنے والا وہ شخص ہے۔ جو مصیبت
میں داخل ہونے کے ساتھ اپنے آپ کو عادی بنائے

بعض کہتے ہیں کہ جس طرح انسان عافیت کے ہوتے ہوئے اپنی حالت پر
ثابت قدم رہتا ہے اسی طرح اچھے آداب کے ساتھ مصیبت پر ثابت قدم
رہنا صبر کہلاتا ہے

ابو عثمان فرماتے ہیں۔ کہ اگر کسی عبادت پر بہترین جزا ہو سکتی ہے۔ تو وہ صبر ہے۔ کیونکہ صبر کی جزا سے بڑھ کر کوئی جزا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ "ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کی بہترین جزا دیں گے۔

عمرو بن عثمان فرماتے ہیں۔ اللہ کے احکام پر ثابت قدم رہنا، اور اس کی آزمائش کو خندہ پیشانی اور سکون کے ساتھ قبول کرنا صبر ہے۔

خواص فرماتے ہیں۔ کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا صبر ہے

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ عاشقوں کا صبر زاہدوں کے صبر کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ کس طرح صبر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

اَلصَّبْرُ يُجْمَلُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا اِلَّا عَلَيْكَ فَاِنَّهُ لَا يُجْمَلُ

اے محبوب! تمام مواقع پر صبر اچھا معلوم ہوتا ہے۔ سوائے تمہارے کہ یہاں صبر کرنا اچھا نہیں ہے۔ رُویم فرماتے ہیں۔ شکایت نہ کرنا صبر ہے۔

ذوالنون فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا صبر ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ صبر اپنے نام کی طرح سخت کڑوا اور مشکل ہے۔

مجھے ابو عبدالرحمٰن نے یہ شعر سناتے ہوئے فرمایا۔ کہ انہیں ابو بکر رازی نے بھی شعر سناتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ ابن عطا نے اپنا یہ شعر مجھے سنایا۔

سَاَصْبِرُ كَيْ تَرْضٰى وَاَتْلَفُ حَسْرَةً وَحَسْبِيَ اَنْ تَرْضٰى وَيُتْلِفُنِيْ صَبْرِيْ

تمہیں راضی کرنے کی خاطر میں صبر کروں گا۔ خواہ میں حسرت سے جان ہی کیوں نہ دے دوں۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں صبر کرتے ہوئے ہلاک ہو جاؤں اور تو مجھ سے راضی رہے۔

ابو عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں۔ کہ صابر کی تین قسمیں ہیں (۱) بناوٹی صابر

(۲) صابر اور (۳) بہت زیادہ صبر کرنے والا۔
حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں۔ صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔
میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ علی بن عبداللہ بصری فرماتے تھے۔ ایک شخص
نے شبلی رحمۃ اللہ کے پاس آکر سوال کیا۔ صبر کرنے والے کے لئے کون سا صبر
مشکل ہے۔ کیا اللہ کی اطاعت میں صبر کرنا سخت مشکل ہے؟ فرمایا نہیں۔ اس
نے پھر کہا۔ کیا وہ صبر جس میں واردات الٰہیہ ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی بندہ متادب
رہتا ہے۔ (صبر مع اللہ)؟ فرمایا' نہیں۔ اس نے پھر پوچھا۔ پھر آخر کون سا صبر
سخت ہے۔ کہا صبر عن اللہ' یعنی وہ صبر' جس میں بندہ کو قربِ الٰہی حاصل ہو جانے
کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے سے دُور کر دے۔ مگر وہ اس کا دروازہ نہ
چھوڑے۔ اور وہیں عاجزی سے پڑا رہے۔ علی بن عبداللہ بصری فرماتے ہیں
یہ کہکر شبلیؒ نے اس قدر زور سے چیخ ماری' کہ معلوم ہوتا تھا' انہوں نے دم توڑ دیا
میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان کو فرماتے سنا۔ کہ انہوں نے ابو محمد جریری
کو فرماتے سُنا۔ صبر یہ ہے۔ کہ بندہ کے لئے آرام و راحت اور مصیبت کی حالتیں
دونوں یکساں ہوں۔ اور دونوں حالتوں میں اسے سکونِ قلب حاصل ہو۔ اور بناوٹی
صبر یہ ہے۔ کہ مصیبت پر سکونِ خاطر تو ہو' مگر بندہ تکلیف کا احساس کرتا ہو۔
کسی نے کسی کا یہ شعر پڑھا۔

صَبَرْتُ وَلَمْ اُطْلِعْ هَوَاكَ عَلٰى صَبْرِىْ ۔۔۔ وَاَخْفَيْتُ مَا بِىْ مِنْكَ عَنْ مَوْضِعِ الصَّبْرِ
مَخَافَةَ اَنْ يَشْكُوْ ضَمِيْرِىْ صَبَابَتِىْ ۔۔۔ اِلٰى دَمْعَتِىْ سِرًّا فَتَجْرِىْ وَلَا اَدْرِىْ

میں نے صبر یہاں تک کیا کہ تیرے عشق کی خبر صبر تک کو نہ کی۔ اور عشق کو میں نے صبر
کی جگہ یعنی دل میں بھی چھپائے رکھا۔
اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ میرا دل گھبرا کر میرے عشق کی شکایت چپکے
سے میرے آنسوؤں کے پاس کر دے اور میری دانست کے بغیر ہی میرے آنسو بہنے لگ جائیں۔
میں نے استاد ابو علی دقاق کو سنا۔ کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ صبر کرنے والے دونوں جہانوں

کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا کی تشریح یوں بھی کی گئی ہے کہ صبر مصابرہ سے کم درجہ رکھتا ہے اور مصابرہ کا رتبہ مرابطہ سے کم تر ہے۔

ایک تشریح یوں کی گئی ہے کہ اصبروا کے معنی ہیں اللہ کی اطاعت پر اپنے نفسوں کو روکے رکھو۔ اور اللہ کی خاطر مصیبتوں پر اپنے دلوں کو لگائے رہو اور اپنے باطن کو اللہ تعالیٰ کے شوق کی طرف لگائے رکھو۔

بعض اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صبر کرو۔ اللہ کی مدد کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھو۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھو۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی۔ کہ میرا خلق اختیار کرو۔ میرا ایک خلق یہ ہے کہ میں صبور (بہت صبر کرنے والا) ہوں۔

کہتے ہیں کہ صبر کے گھونٹ بھرو۔ اگر اس نے تمہیں مار ڈالا۔ تو تم شہید ہو۔ اور اگر زندہ رکھا تو عمر بھر با عزت زندہ رہو گے۔

نیز کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر صبر کرنا تکلیف کا سبب ہے۔ (صبر للہ) اور (صبر باللہ) اللہ کی مدد کے ساتھ صبر کرنا بقار کا سبب ہے۔

نیز صبر فی اللہ آزمائش ہے۔ صبر مع اللہ وفا ہے اور صبر عن اللہ جفا ہے سو فیاء یہ شعر پیش کرتے ہیں

وَالصَّبْرُ عَنْکَ فَمَذْمُوْمٌ عَوَاقِبُہٗ   وَالصَّبْرُ فِیْ سَائِرِ الْاَشْیَاءِ مَحْمُوْدُ

اے (محبوب) تجھ سے صبر کر کے بیٹھ رہنے کا انجام برا ہے۔ حالانکہ دیگر اشیاء میں صبر قابل تعریف ہے۔ یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

وَکَیْفَ الصَّبْرُ عَمَّنْ حَلَّ مِنِّیْ   بِمَنْزِلَۃِ الْیَمِیْنِ مِنَ الشِّمَالِ

اے (محبوب) سے کس طرح صبر ہو سکتا ہے جس کی مجھ سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے۔

اِذَا لَعِبَ الرِّجَالُ بِکُلِّ شَیْءٍ   رَاَیْتُ الْحُبَّ یَلْعَبُ بِالرِّجَالِ

جب لوگ ہر چیز سے کھیلتے ہیں۔ تو میں دیکھتا ہوں۔ کہ عشق لوگوں سے کھیلتا ہے۔"

نیز کہتے ہیں کہ بات کے مطالبہ میں صبر کرنا کامیابی کی علامت ہے۔ اور مصیبت پر

صبر کرنا کشائش کی علامت ہے۔

میں نے منصور بن خلف مغربی کو فرماتے سنا۔ کہ کسی شخص کو کوڑے لگانے کے لئے ننگا کیا گیا۔ جب (کوڑے لگنے کے بعد) اُسے قید خانہ میں واپس لے جایا گیا۔ تو اس نے ایک ساتھی کو بلا کر اس کے ہاتھ پر تھوکا۔ اور اپنے منہ سے چاندی کے ٹکڑے اس کے ہاتھ پر ڈال دیئے۔ جب اس سے اس کے متعلق پوچھا گیا۔ تو جواب دیا۔ کہ میرے منہ میں دو درہم تھے۔ اور اس حلقہ میں میرا ایک محبوب تھا۔ جس کی وجہ سے مجھ پر مار پڑ رہی تھی۔ اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ میں مار کی وجہ سے چیخوں۔ جب کہ میرا محبوب مجھے دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا جب مار پڑتی۔ تو میں ان درہموں کو دانتوں سے کاٹتا۔ اس طرح وہ درہم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

کہتے ہیں۔ کہ جس حالت میں تُو ہے۔ وہی تمہارے لئے حفاظت گاہ ہے۔ اور اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ سب تمہارا دشمن ہے۔ لہٰذا تمہیں اپنی حالت کی حفاظت گاہ میں خوب تیار رہنا چاہیئے۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ صبر میں اس قدر صبر کرنا کہ صبر کے اندر صبر مستغرق ہو جائے اور صبر سے صبر عاجز آ جائے۔ مصابرہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ اس نے صبر پر صبر کیا۔ یہانتک کہ صبر نے فریاد کرنا شروع کر دیا۔ کہ صبر کرو۔

شبلیؒ کا صبر

کہتے ہیں۔ کہ شبلی کو پاگل خانے میں قید کر دیا گیا۔ تو کچھ لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے۔ شبلیؒ نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ تمہاری زیارت کے لئے آئے ہیں اس پر شبلیؒ نے انہیں پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ اور وہ لوگ بھاگنے لگے یہ حالت دیکھ کر شبلیؒ نے کہا، ارے جھوٹو! اگر تم میرے دوست ہوتے تو میرے آزمانے پر صبر کرتے

بعض احادیث میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مصائب برداشت کرنے والے جو کچھ میری خاطر برداشت کرتے ہیں۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔

آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کریں۔ کیونکہ آپ ہماری نگاہوں میں ہیں۔

ایک صوفی کا بیان ہے۔ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ وہاں میں نے ایک فقیر کو دیکھا۔ کہ اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور جیب سے ایک رقعہ نکال کر اسے دیکھا اور چل دیا۔ جب دوسرا دن ہُوا۔ تو اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ وہ شخص کہتا ہے۔ کہ میں کئی دن تک اُسے تاڑتا رہا۔ چنانچہ ایک دن اس نے طواف کے بعد رقعہ کو دیکھا۔ اور کچھ دور ہٹ کر گرا۔ اور مر گیا۔ میں نے اس رقعہ کو اس کی جیب سے نکالا۔ تو اس میں یہ لکھا تھا۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔

ایک نوجوان اور ایک بوڑھا۔ کہتے ہیں، کہ ایک نوجوان کو دیکھا گیا۔ کہ وہ ایک بوڑھے آدمی کے چہرے پر جُوتے مار رہا ہے۔ کسی نے اُسے کہا۔ کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ تو ایسے بوڑھے کے چہرے کو جُوتے مار رہا ہے۔ نوجوان نے کہا۔ کہ اس کا جُرم بہت بڑا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ یہ بوڑھا میری محبّت کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر تین دن سے یہ مجھے دیکھنے کو نہیں آیا۔

ایک صوفی کہتا ہے۔ کہ میں ہندوستان گیا۔ اور ایک شخص کو دیکھا۔ کہ اس کی ایک آنکھ ہے۔ اور لوگ اُسے صبُور کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا۔ تو مجھے بتایا گیا۔ کہ ابتداءِ جوانی میں ان کے ایک دوست سفر کو نکلے۔ اور یہ اُنہیں الوداع کہنے کو گئے۔ ان کی ایک آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔ مگر دوسری آنکھ سے آنسو نہ نکلا۔ اس پر اُنہوں نے اس آنکھ کو جس سے آنسو نہ نکلے۔ کہا۔ کہ تُو نے میرے دوست کے فراق پر آنسو کیوں نہیں بہائے؟ لہٰذا اب میں تجھے دُنیا کو دیکھنے سے محروم کر دُوں گا۔ چنانچہ اُنہوں نے آنکھ بند کر لی۔ اور اب ساٹھ سال گزر گئے ہیں آنکھ نہیں کھولی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان، فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا کی یوں تشریح کی گئی ہے۔ کہ صبر

جمیل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت قوم کے اندر کسی کو پتہ ہی نہ چلے۔ کہ کون شخص مصیبت مبتلا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں۔ اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے۔ تو مجھے قطعاً اس بات کی پرواہ نہ ہوتی۔ کہ میں ان میں سے کس پر سوار ہوں۔

ابن شبرمہ[۲۷۷] پر جب کبھی کوئی مصیبت نازل ہوتی تو کہتے۔ کہ یہ بادل عنقریب چھٹ جائیں گے۔

حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا، صبر و تحمل ایمان میں سے ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سے سنا۔ کہ محمد بن طاہر صوفی نے کہا۔ کہ ان سے محمد بن علی التیجانی نے کہا۔ کہ ان سے محمد بن اسمٰعیل[۲۷۸] بخاری نے کہا۔ میں نے موسیٰ بن اسمٰعیل[۲۷۹] سے سنا کہ ان سے سوید[۲۸۰] بن حاتم نے کہا۔ کہ ان سے عبداللہ[۲۸۱] بن عبید نے کہا۔ کہ انہوں نے اپنے باپ[۲۸۲] سے، اور انہوں نے اپنے دادا[۲۸۳] سے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا۔ ایمان صبر و تحمل کا نام ہے

سدی رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا۔ تو آپ صبر پر گفتگو فرمانے لگے۔ اسی دوران میں ایک بچھو ان کی ٹانگ پر چڑھ گیا۔ اور کئی ایک ڈنک مارے مگر آپ نے قطعاً حرکت نہ کی۔ آپ سے کسی نے کہا۔ کہ آپ نے اسے ہٹا کیوں نہیں دیا۔ فرمایا مجھے اللہ سے شرم آگئی۔ کہ میں تو صبر کے متعلق گفتگو کروں۔ مگر خود صبر نہ کروں۔

ایک حدیث میں ہے۔ کہ صبر کرنے والے فقیر قیامت کے دن اللہ کے ہمنشین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی۔ کہ میں نے اپنے بندے پر اپنی آزمائش ڈالی۔ اس پر اس نے مجھے پکارا۔ میں نے اس کی دعا قبول کرنے میں دیر کی۔ پھر اس نے مجھ سے شکایت کی۔ تو میں نے کہا۔ اے میرے بندے! میں ایسی چیز سے تجھ پر کیوں رحم کھاؤں۔ جس کی بدولت میں تجھ پر رحم کرتا ہوں؟

ابن عیینہ، اللہ تعالیٰ کے فرمان ـ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا
(جب اُنہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان کو امام بنا دیا۔ کہ لوگوں کو ہمارے حکم سے راہ راست
دکھائیں۔) کی تشریح فرماتے ہیں۔ کہ جب اُنہوں نے امر دین کی جڑ کو پکڑ لیا۔ تو ہم
نے بھی ان کو سردار بنا دیا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ صبر کی تعریف یہ ہے۔ کہ تو تقدیر
پر اعتراض نہ کرے۔ اپنی مصیبت کا اظہار اس طریقہ پر کرے۔ کہ اس میں شکایت کا
پہلو نہ پایا جاتا ہو۔ اور یہ صبر کے منافی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایوب علیہ السلام کے
قصے میں فرماتا ہے۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ (ہم نے اسے صابر پایا
وہ بہت اچھا بندہ تھا۔) مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ انہوں نے یہ
الفاظ کہے۔ مَسَّنِيَ الضُّرُّ، (مجھے تکلیف پہنچی ہے۔)

نیز انہی کو میں نے فرماتے سنا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ
یعنی مَسَّنِيَ الضُّرُّ، اس لئے نکلوائے تاکہ اس امت کے کمزور آدمیوں کے لئے سانس لینے کی گنجائش رہے
بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے، اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا فرمایا ہے۔ صبور کا لفظ جو مبالغہ کیلئے ہے نہیں
فرمایا۔ اس لئے آپ ہر حال میں صابر نہ تھے بلکہ بعض حالات میں آپ آزمائش سے لذت حاصل کرتے تھے لہٰذا لذت حاصل کرنے
کی صورت میں آپ صابر نہ تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبورًا نہیں فرمایا۔

میں نے استاد ابو علی کو فرماتے سنا۔ کہ صبر در اصل یہ ہے کہ انسان جب مصیبت سے نکلے تو اس کی وہی کیفیت ہو۔ جو اس کی اس وقت
تھی۔ جب وہ مصیبت میں مبتلا ہوا تھا جس طرح حالت ایوب علیہ السلام کی تھی چنانچہ انہوں نے اپنی مصیبت کے اختتام پر یہ
الفاظ کہے۔ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ، آپ نے گفتگو کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کہا بطور تعریض ارحمنی نہیں کہا
یاد رکھیں، صبر کی دو قسمیں ہیں (۱) صبر عابدین (۲) اور صبر محبین۔ عابدین کا بہترین صبر یہ ہے کہ یہ دائمی ہو۔ اور محبین کا بہترین
صبر یہ ہے کہ صبر کو ترک کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔ تَبَيَّنَ يَوْمَ الْبَيْنِ اَنَّ اعْتِزَامَهُ ۔ عَلَى الصَّبْرِ مِنْ اِحْدَى الظُّنُوْنِ الْكَوَاذِبِ۔
(عاشق صبر کے بڑے دعوے کیا کرتا تھا۔ مگر محبوب کی جدائی کے دن معلوم ہو گیا کہ اس کا صبر کرنے کا دعویٰ جھوٹا دعویٰ تھا کیونکہ وہ
اس کی جدائی کو برداشت نہیں کر سکا۔ اور بے صبر ہو گیا۔)
اسی قسم کی بات میں نے استاد ابو علی سے سنی کہ یعقوب علیہ السلام صبح کو یہی وعدہ فرماتے ہیں کہ میں صبر کروں گا۔ چنانچہ
فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ کہا۔ مگر رات آنے سے پہلے ہی پکار اٹھے۔ يَا اَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ۔
(یعنی وہ صبر نہ کر سکے)

۲۱ - مراقبہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔
ابو نعیم عبد الملک بن الحسین بن محمد بن اسحٰق نے کہا کہ ان سے ابو عوانہ یعقوب[۸۵] بن اسحٰق
نے کہا۔ ان سے یوسف[۸۶] بن سعید بن مسلم نے کہا ان سے خالد[۸۷] بن یزید نے کہا کہ ان سے اسمٰعیل
بن ابی خالد[۸۸] نے قیس بن ابی حازم[۸۹] سے روایت کی کہ جریر[۹۰] بن عبد اللہ البجلی فرماتے ہیں:
کہ جبرئیل ایک آدمی کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا۔ اے
محمد! ایمان کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ پر، اللہ کے فرشتوں، اللہ
کے رسولوں پر اچھی یا بری یا میٹھی یا کڑوی تقدیر پر ایمان لانا ایمان ہے۔ یہ سن کر اس نے
کہا۔ آپ سچ کہتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر
رہا ہے۔ اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے۔ اس نے پھر کہا کہ اسلام کیا ہے؟ آنحضرت صلی
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ رمضان کے روزے
رکھنا۔ بیت اللہ کا حج کرنا اسلام ہے۔ اس پر اس شخص نے پھر کہا آپ سچ کہتے ہیں
اس نے پھر کہا۔ احسان کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ احسان یہ ہے،
کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہیں
دیکھ رہا ہے۔ تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے پھر کہا آپ نے سچ کہا۔ الحدیث
شیخ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "اگر تو خدا کو نہیں دیکھ رہا ہے
تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے" اس میں مراقبہ کی حالت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے

مراقبہ کیا ہے؟

کہ مراقبہ یہ ہے کہ بندے کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔
اور بندے کا اس حالت کو ہمیشہ قائم رکھنا مراقبہ ہے۔ مراقبہ ہر نیکی
کی اصل ہے۔ اور انسان اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک پہلے اپنے نفس کا محاسبہ
نہ کر لے۔ جب محاسبہ کر چکے جیسا کہ مذکور ہوا اور موجودہ وقت میں اپنی حالت کی اصلاح

کرے اور اللہ کے راستہ پر لگا رہے اور اپنے اور اللہ کے درمیان اپنے دل کی اچھی طرح سے نگہبانی کرے۔ اور اپنے سانسوں کو اللہ کے احکام کے ساتھ محفوظ رکھے تو یہ شخص اپنے اکثر احوال میں اللہ کو دیکھتا رہے گا۔ اور جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے اور اس کے دل کے قریب ہے اس کے حالات کو جانتا ہے۔ اس کے افعال کو دیکھتا ہے۔ اور اس کے افعال کو سنتا ہے۔ اور جس شخص نے ان باتوں سے تغافل کیا وہ وصل کے ابتدائی مدارج تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ چہ جائیکہ قربت کے حقائق تک۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے سنا انھوں نے کہا کہ ابو بکر الرازی فرماتے ہیں میں نے جریری کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے اپنے اور اللہ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ کو مضبوط نہیں کیا وہ شخص کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ کسی ایک حاکم کا ایک وزیر تھا۔ ایک روز وہ وزیر کے سامنے کھڑا تھا۔ کہ اس نے نوکر کی طرف جو وہاں کھڑا تھا۔ نگاہ کی۔ مگر کسی بری نظر سے نہیں صرف۔ اس لئے کہ اس نے ان کی کوئی حرکت یا آواز محسوس کی تھی۔ اتفاقاً حاکم نے اس وزیر کو اس حالت میں دیکھ لیا۔ اس سے وزیر کو ڈر ہوا کہ کہیں حاکم یہ نہ سمجھ لے کہ اس نے اس کی طرف بری نظر سے دیکھا ہے۔ لہٰذا اس نے اسی طرز پر امیر کو بھی دیکھنا شروع کر دیا۔ اس دن کے بعد جب کبھی بھی یہ وزیر حاکم کی خدمت میں آتا تو ایک طرف دیکھتا رہتا۔ تا آنکہ حاکم کو خیال ہوا کہ وزیر کی عادت ہی اس طرح سے دیکھنا ہے اور حاکم کے دل سے وہ خیال جاتا رہا۔

یہ تو اس مراقبہ کا حال ہے جو ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے لئے ہے۔ لہٰذا اگر بندہ اپنے آقا کے لئے مراقبہ کرے تو پھر کتنی اچھی بات ہے۔

میں نے ایک فقیر کو کہتے سنا۔ کسی حاکم کا ایک غلام تھا جس کی طرف اسکی توجہ اوروں کی نسبت زیادہ تھی حالانکہ نہ تو اس کی قیمت دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ اور نہ ان کے مقابلہ میں وہ زیادہ خوبصورت تھا۔ لوگوں نے اُسے اس کے بارے میں کہا تو امیر نے انہیں بتلانا چاہا کہ خدمت گذاری میں وہ اوروں

کے مقابلہ میں کس طرح افضل ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ اپنے نوکروں سمیت سواری کے لیئے نکلا۔ کچھ فاصلہ پر پہاڑ تھا۔ جہاں برف پڑی ہوئی تھی، حاکم نے اس برف کی طرف نگاہ کر کے سر کو نیچے جھکا دیا۔ فوراً اس غلام نے گھوڑا دوڑایا اور کسی کو خبر نہ کی کہ اس نے گھوڑا کیوں دوڑایا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ برف لے کر حاضر ہوا۔ حاکم نے اس سے سوال کیا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں برف چاہتا ہوں؟ غلام نے جواب دیا:۔ آپ نے برف کی طرف دیکھا تھا۔ اور بادشاہ کا کسی چیز کو دیکھنا، قصد صحیح کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس پر حاکم نے کہا کہ میری عنایت اور توجہ اس کی طرف اس لیئے زیادہ ہے کہ ہر ایک اپنے کام میں مشغول رہتا ہے۔ مگر اس کا کام یہ ہے کہ وہ میری نگاہ کو دیکھتا ہے اور میرے حالات پر نظر رکھتا ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے۔ جس شخص نے خواطر قلبیہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی نگاہ میں رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے اعضا کو گناہ سے بچا دے گا۔

ابو الحسین بن ہند سے کسی نے سوال کیا کہ چرواہا اپنی بکریوں کو ہلاکت کی چراگاہ سے کب اپنی لاٹھی کے ساتھ ہانک کر لے جاتا ہے۔ فرمایا: جب اس کو علم ہوتا ہے کہ اس کو کوئی دیکھنے والا ہے۔

کہتے ہیں ایک بار ابن عمر سفر میں تھے تو انھوں نے ایک غلام کو بکریاں چراتے دیکھا۔ انھوں نے (آزمائش کے طور پر) اسے کہا، کیا تو ان میں سے ایک بکری بیچے گا؟ غلام نے جواب دیا۔ یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔ آپ نے پھر کہا۔ مالک سے کہنا کہ بھیڑیا ایک بکری لے گیا ہے۔ اس پر غلام نے جواب دیا۔ پھر اللہ کہاں ہے؟ اس واقعہ کے بعد مدت تک ابن عمر کہا کرتے تھے۔ اس غلام نے "اللہ کہاں ہے" کہا تھا،

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ جو شخص مراقبہ میں ثابت قدم رہا اُسے صرف اللہ کے ہاں اپنے حظ کے فوت ہونے کا ڈر ہو گا۔ کسی اور کے ہاں نہیں۔

ایک استاد کے کچھ شاگرد تھے۔ اور وہ ان میں سے ایک کی طرف بمقابلہ دوسروں کے زیادہ توجہ دیتے تھے۔ لوگوں نے اس بارے میں ان سے ذکر کیا، فرمایا میں ابھی

واضح کروں گا۔ چنانچہ اس نے ہر شاگرد کو ایک ایک پرندہ دیا۔ اور ہر ایک کو کہا کہ اُسے ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ اسی طرح اس شاگرد کو بھی ایک پرندہ دیا سب ذبح کرنے کے لئے روانہ ہوگئے۔ اور ہر ایک جب واپس آیا تو اس کے پاس ذبح کیا ہوا پرندہ تھا۔ مگر جب یہ شاگرد آیا تو اس کے پاس وہی پرندہ زندہ موجود تھا۔ استاد نے پوچھا تُونے اسے ذبح کیوں نہیں کیا؟ شاگرد نے جواب دیا۔ آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ مَیں اسے ایسی جگہ پر ذبح کروں جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو مگر مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی۔ یہ جواب سُن کر استاد نے فرمایا، یہی وجہ تھی کہ مَیں اس کی طرف اپنی خاص توجہ کرتا تھا۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں۔ مراقبہ کی علامت یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو پسند کرے جنھیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ ان چیزوں کی تعظیم کرے جن کی اللہ تعالیٰ نے تعظیم کی۔ اور ان چیزوں کو حقیر جانے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حقیر جانا۔

نصر آبادیؒ فرماتے ہیں اُمید تجھے اطاعت پر تحریک کرتی ہے اور خوف تجھے معصیت کے کام سے دُور لے جاتا ہے۔ اور مراقبہ تجھے حقائق کی راہ تک پہنچا دیتا ہے۔

مَیں نے محمد بن حسین کو فرماتے سُنا۔ انھوں نے ابوالعباس بغدادی کو فرماتے سنا مَیں نے جعفر بن نصیر سے مراقبہ کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ ہر خیال جو دل میں پیدا ہو اور بندہ اس خیال کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اپنے باطن کے واردات کا خیال رکھے تو یہی مراقبہ ہے۔

نیز انھیں کو فرماتے سنا۔ انھوں نے ابوالحسین فارسی کو فرماتے سنا۔ انھوں نے جریری کو فرماتے سنا کہ تصوف کے معاملہ کی بنا دو باتوں پر ہے۔ اول یہ کہ تو اپنے نفس پر لازم کرے کہ وہ ہمیشہ اللہ کو نگاہ میں رکھے۔ اور اس علم کا اثر تمہارے ظاہر پر موجود ہو۔

انھیں کو فرماتے سنا کہ مَیں نے ابوالقاسم بغدادی کو فرماتے سنا کہ ہر لحظہ اور ہر لفظ کے ساتھ غیب کو دیکھتے ہوئے اپنے باطن کا دھیان رکھنا مراقبہ ہے۔

ابن عطا سے پوچھا گیا، کہ افضل ترین عبادت کون سی ہے؟ تو فرمایا ہر دم

اللہ کو نگاہ میں رکھنا۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں احکام خداوندی کا لحاظ رکھنے سے مراقبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور مراقبہ سے ظاہر و باطن میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ ابو عثمان مغربی فرماتے تھے۔ طریقت میں سب سے افضل چیز جس کو انسان اپنے اوپر لازم قرار دے یہ ہے۔ کہ وہ اپنا محاسبہ کرے۔ اللہ کو نگاہ میں رکھے۔ اور اپنے علم کے ذریعہ سے اپنے اعمال کی سیاست کرے۔

میں نے انھیں سے سنا کہ عبداللہ رازی نے ابو عثمان کو فرماتے سنا کہ ان سے ابو حفص نے کہا کہ جب تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے بیٹھو تو دل اور نفس کو نصیحت کرو۔ اپنے پاس لوگوں کا ہجوم دیکھ کر دھوکے میں نہ پڑو۔ کیونکہ لوگ تو صرف تمہارا ظاہر دیکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارا باطن دیکھتا ہے۔

میں نے انھیں سے سُنا کہ محمد بن عبداللہ نے کہا ابو جعفر صیدلانی نے کہا کہ ابو سعید خراز فرماتے تھے کہ میرے شیخ نے مجھے فرمایا۔ اپنے باطن اور مراقبہ کا ہر دم لحاظ رکھو۔ فرماتے ہیں کہ ایک بار جب میں جنگل میں جا رہا تھا۔ یکایک میرے پیچھے سرسراہٹ سی آواز سنائی دی۔ جس سے میں ڈر گیا میں نے مڑ کر دیکھنا چاہا۔ مگر نہ مڑا۔ پھر دیکھا کہ کوئی چیز میرے کندھے پر کھڑی ہے۔ پھر وہ ہٹ گئی۔ مگر میں بدستور اپنے باطن کو نگاہ میں رکھے رہا۔ پھر جو مڑ کر دیکھا تو وہ ایک بڑا درندہ تھا۔

واسطی فرماتے ہیں کہ بہترین عبادت یہ ہے کہ تو اپنے اوقات کی حفاظت کرے اس طرح کہ اپنی حدود کے سوا کسی چیز کی طرف نہ جھانکے۔ نہ اپنے رب کے سوا کسی اور کو نگاہ میں رکھے۔ اور اپنے وقت کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے۔

(۴۹۳)

۲۲۔ رضا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ خدا اُن سے راضی ہوا

اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

علی بن احمد اہوازی نے کہا کہ اُن سے احمد بن عبید البصری نے، اُن سے الکدیمی نے، ان سے یعقوب بن اسمٰعیل سلال نے، انھوں نے ابو العاصم عبادانی[95] اور انھوں نے فضل بن[96] عیسیٰ رقاشی سے روایت کی کہ محمد بن منکدر نے کہا کہ جابر فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ایک بار جب اہلِ جنت اپنی ایک مجلس میں بیٹھے تھے یکایک جنت کے دروازے پر نور ظاہر ہوا۔ اہلِ جنت نے سر اٹھا کر دیکھا تو اللہ تعالیٰ تشریف فرما تھے۔ اور فرمان جاری تھا۔ اے اہل جنت مجھ سے کچھ مانگ لو۔ اہلِ جنت نے جواب دیا، کہ ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ تو ہم سے راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ میری رضا ہی کی بدولت تو تم میرے گھر میں آ کر اُترے ہو۔ اور تمہیں میری طرف سے عزت حاصل ہوئی ہے۔ یہی وقت ہے۔ مانگ لو۔ اہلِ جنت نے عرض کیا: ہم اور رضا چاہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر اُن کے پاس سرخ یاقوت کی اونٹنیاں لائی جاتی ہیں جن کی باگیں سبز رنگ کے زمرد اور سُرخ رنگ کے یاقوت کی ہیں۔ چنانچہ وہ ان پر بیٹھ گئے۔ اُن کے پاؤں اسقدر دور پڑتے تھے جسقدر کہ نگاہ پہنچ سکتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پھلدار درختوں کو حکم دیا۔ پھر موٹی آنکھوں والی لڑکیاں آئیں۔ اور کہنے لگیں "ہم نازک اندام ہیں؛ ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی" ہم ہمیشہ جنت میں رہنے والیاں ہیں۔ ہمیں موت نہ آئے گی ہم مومنوں کی باعزت بیویاں ہیں" اللہ تعالیٰ حکم دیں گے۔ اور سفید خوشبودار کستوری کے ٹیلے ان پر ایک ہوا اڑائیں گے جس کا نام مثیرہ ہو گا۔ یہاں تک کہ یہ انھیں لے کر جنت میں آجائیں گی۔ یہ جنت عدن جنت کا بہترین حصہ ہے۔ یہ دیکھ کر فرشتے کہیں گے، اے اللہ! یہ لوگ آگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ مرحبا اے سچ بولنے والو! مرحبا۔ اے عبادت گذارو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ پھر ان کے لئے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور نور رحمٰن کو دیکھ کر اسقدر حظ حاصل کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا،

انھیں ان تحفوں کے ساتھ محلوں کی طرف لوٹا دو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہیں۔ کہ جب واپس آئیں گے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اسی لیئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۔ اللہ غفور رحیم کی طرف سے یہ ضیافت ہوگی۔

عراقیوں اور خراسانیوں میں اختلاف

عراقیوں اور خراسانیوں میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا رضا احوال میں سے ہے یا مقامات میں سے، چنانچہ اہلِ خراسان کہتے ہیں کہ رضا مقامات میں سے ایک مقام ہے .اور یہ توکل کی انتہا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ رضا ایک ایسی چیز ہے جسے انسان کوشش کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا ہے۔

مگر عراقی کہتے ہیں کہ رضا احوال میں سے ہے اور انسان اسے اپنی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کے دل پر نازل ہوتی ہے۔جس طرح دیگر احوال نازل ہوتے ہیں۔

ان دونوں اقوال کے درمیان مطابقت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ رضا کی ابتداء تو انسانی کوشش سے ہوتی ہے۔اور یہ ایک مقام ہے اور رضا کی انتہاء احوال میں سے ہے۔ جو کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

صوفیاء نے رضا پر بحث کی ہے چنانچہ ہر ایک نے اپنی حالت اور اپنے مشرب کا اظہار کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی عبارات میں اسی طرح اختلاف ہے جس طرح رضا میں سے حصہ لینے میں کہ کسی کو کم ملا اور کسی کو زیادہ۔ اب رہی علم کی شرط تو اس کا ہونا اگزیر ہے۔ کہ جو شخص اللہ کے ساتھ راضی ہے وہ وہی ہو سکتا ہے۔جو اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرے۔

میں نے استاذ ابو علی دقاق سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ رضا یہ نہیں ہے کہ تم مصیبت کا احساس نہ کرو، بلکہ رضا یہ ہے کہ تم اللہ کے حکم اور اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرو۔

یاد رکھو کہ بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قضاء پر راضی رہے جس پر راضی رہنے کا اسے

حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ بندے کے لئے ہر اس بات پر جو اس کی تقدیر میں ہے راضی رہنا جائز یا واجب نہیں، مثلاً معصیت پر یا مسلمانوں کی ایذا رسانی وغیرہ پر۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ رضاء اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا دروازہ ہے۔ اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ نے اپنی رضا سے نوازا ہو۔ اس پر اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے

میں نے محمد بن حسین سے سنا۔ انھوں نے ابُو جعفر رازی سے سنا، انھوں نے عباس بن حمزہ سے سنا، انھوں نے کہا کہ ابن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ رضا اللہ کا بہت بڑا دروازہ ہے اور دنیا کی جنت ہے۔

یہ بھی یاد رکھو! کہ بندہ اُس وقت تک حق سبحانہٗ سے راضی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حق سبحانہٗ اس سے راضی نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ جبکہ اُن سے ایک شاگرد نے پُوچھا:۔ کیا بندے کو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ اس پر راضی ہے؟ تو استاد نے کہا نہیں اسے اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ اللہ کی رضا ہم سے پوشیدہ ہے۔ اس پر شاگرد نے کہا کہ دل کو اس کا علم ہوتا ہے۔ استاد نے پُوچھا:۔ کیسے؟ شاگرد نے جواب دیا کہ جب میں اپنے دل کو اللہ پر راضی پاتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ اللہ بھی مجھ سے راضی ہے۔ استاد نے کہا:۔ تو نے بہت اچھا جواب دیا۔

کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے ایسا عمل بتا جس کے کرنے سے تو مجھ سے راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا، تو وہ کام نہ کر سکے گا۔ یہ سُن کر موسیٰ علیہ السلام عاجزی سے سجدہ میں گر پڑے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے عمران کے بیٹے! میری رضا تو اسی میں ہے کہ تو میری قضا پر راضی رہے۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے کہا۔ ان سے ابو جعفر رازی نے کہا۔ کہ عباس بن حمزہ نے کہا۔ کہ ابن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا، فرماتے تھے کہ جب بندہ اپنی خواہشات کو ترک کر دے تو وہ اللہ سے راضی ہے،

انہی کو فرماتے سنا کہ نصرآبادی فرماتے تھے جو شخص مقام رضا تک پہنچنا چاہے،

اسے ان باتوں پر لگا رہنا چاہیئے۔ جن میں اللہ کی رضا ہے۔
محمدؒ بن خفیف فرماتے ہیں رضا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رضا باللہ اور دوسرے رضا عن اللہ۔
رضا باللہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے بحیثیت مدبر کے راضی رہیں۔ اور رضا عن اللہ یہ ہے کہ ہم اُس کی قضا پر راضی رہیں۔
میں نے اُستاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ سالکین کا راستہ بہت لمبا ہے اور وہ ریاضت کا طریقہ ہے۔ اور خواص کا طریقہ بہت قریب ہے۔ مگر زیادہ دشوار ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمہارا عمل ان باتوں پر ہو جن سے اللہ راضی رہتا ہے۔ اور تو اللہ کی قضا سے راضی رہے۔
رُویمؒ فرماتے ہیں رضا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جہنم کو کسی شخص کے دائیں ہاتھ پر رکھ دے تو وہ یہ دُعا نہ کرے کہ اے خدا! اسے بائیں ہاتھ پر کر دے۔
ابوبکرؒ بن طاہر فرماتے ہیں:۔ دل سے کراہیت کو نکال دینے کا نام رضا ہے۔ یہاں تک کہ دل میں فرح و سرور کے سوا کچھ نہ رہے۔ واسطیؒ فرماتے ہیں جہاں تک تجھ سے بن سکے اللہ کی رضا کے مطابق عمل کرو۔ یہ نہ ہو کہ رضا تمہیں استعمال کرے۔ اگر ایسا کرو گے تو اس کی لذت اور اذیت کی وجہ سے حقیقت الٰہیہ سے محجوب ہو جاؤ گے۔
یاد رکھو کہ واسطیؒ کا یہ کلام بڑی عظمت رکھتا ہے۔ اور اس میں اس بات کی تنبیہہ کی گئی ہے۔ کہ قوم رضا کے اس معنی پر عمل کرتے ہوئے احساس کئے بغیر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں۔ اور اُن کا تعلق خدا سے منقطع نہ ہو جائے۔ کیونکہ ایک حالت میں سکون و اطمینان سے رہنا حالات کے بدلنے والے خدا سے حجاب کا سبب ہے۔ لہٰذا جب بندہ اللہ کی رضا سے لذت پاتا ہے اور اپنے دل میں رضا کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسی وقت مشاہدۂ حق سے محجوب ہو جاتا ہے۔
نیز واسطی فرماتے ہیں:۔ عبادتِ خداوندی سے لطف اندوز ہونا زہر قاتل ہے۔
ابنِ خفیف فرماتے ہیں:۔ اللہ کے احکام میں دل لگانا اور جس چیز سے اللہ راضی ہوتا ہے اور جسے وہ پسند کرتا ہے، دل کا اُن کی موافقت کرنا رضا کہلاتا ہے۔
رابعہ سے پوچھا گیا:۔ بندہ کب راضی ہو کر کہلانے کا حقدار ہے؟

فرمایا :۔ جب وہ مصیبت میں بھی اسی طرح خوش رہے، جس طرح آرام میں خوش تھا۔

کہتے ہیں جنیدؒ کی موجودگی میں شبلی نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا۔ جنیدؒ نے فرمایا تمہارے یہ الفاظ دل کی تنگی کی وجہ سے ہیں۔ اور دل کی تنگی اس لئے ہے کہ تو نے قضائے الٰہی پر راضی رہنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر شبلیؒ خاموش رہے۔

ابو سلیمان فرماتے ہیں :۔ رضا تو یہ ہے کہ تو اللہ سے نہ جنت مانگے اور نہ دوزخ سے پناہ طلب کرے۔

مَیں نے محمدؒ بن حسین سے سنا، انھوں نے عباس بغدادی سے سنا انھوں نے محمدؒ بن احمدؒ بن سہل سے سنا کہ سعید بن عثمان فرماتے تھے : میں ذوالنون مصری سے سنا فرماتے تھے تین چیزیں رضا کی علامت ہیں (۱) قضا سے پہلے اختیار کو چھوڑ دینا اور (۲) قضا کے نازل ہونے کے بعد اس کی تلخی کو محسوس نہ کرنا۔ اور (۳) عین مصیبت میں محبت کا مظاہرہ کرنا۔ اور میں نے انہی سے سنا کہ انھوں نے محمدؒ بن جعفر بغدادی سے سنا، انھوں نے اسمٰعیلؒ بن محمدؒ الصفار سے سنا کہ محمدؒ بن یزید المبرد فرماتے تھے کسی نے حسین بن علی بن ابی طالب سے کہا کہ ابوذر فرماتے تھے۔ مجھے محتاجی بہ نسبت مالداری کے اور بیماری بہ نسبت صحت کے زیادہ پسند ہے تو حسین بن علی نے فرمایا :۔ اللہ ابوذر پر رحم فرمائے۔ مگر مَیں تو یوں کہتا ہوں کہ جس شخص نے اللہ کی پسند پر بھروسہ کیا۔ پھر وہ انہی چیزوں کی تمنا کرے جنھیں اللہ نے اس کے لئے پسند کر رکھا ہے۔

فضیلؒ بن عیاض نے بشر حافیؒ سے کہا :۔ رضا زہد سے افضل ہے۔ اس لئے کہ راضی رہنے والا اپنے مقام سے بڑھ کر کسی اور مقام کی تمنا نہیں کرتا۔

کسی نے ابو عثمان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان :۔ اسالک الرضا بعد القضاء (تجھ سے قضا کے بعد رضا کی درخواست کرتا ہوں) کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے فرمایا کہ قضائے سے پہلے ہی رضا پر عزم کرنا ہے۔ اور حقیقی رضا قضا کے بعد ہوتی ہے۔

مَیں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سنا، ان سے عبد اللہ رازی نے، ان سے ابن ابی حسان

الانماطی نے اُن سے احمد بن ابی الحواری نے بیان کیا۔ کہ میں نے ابو سلیمان کو فرماتے سنا۔ اگر خدا مجھے دوزخ میں بھی ڈال دے اور میں اس پر راضی رہوں تو سمجھوں گا کہ رضا کو تھوڑا سا سمجھ سکا ہوں۔

ابو عمر دمشقی فرماتے ہیں:۔ حکم خداوندی خواہ کسی قسم کا ہو اس میں اگر بے چینی نہ ہو تو رضا ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں:۔ اختیار کا اُٹھ جانا رضا ہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے جو کچھ ازل سے اختیار کر رکھا ہے، اس پر دل کی نگاہ کا رہنا رضا ہے۔ بالفاظ دیگر اختیار خداوندی پر ناراض نہ ہونا رضا ہے۔

رویمؒ فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بخوشی قبول کرنا رضا ہے۔

محاسبیؒ فرماتے ہیں:۔ اللہ کے احکام کے جاری ہونے پر دل کو سکون حاصل رہنا رضا ہے۔

نوریؒ فرماتے ہیں:۔ قضاء الٰہی کے گزرنے پر دل کا خوش ہونا رضا ہے۔

میں نے محمدؒ بن حسین سے سنا انھوں نے کہا ابو الحسین الفارسی فرماتے تھے۔ کہ میں نے جریری کو فرماتے سنا۔ جو شخص اپنے مرتبہ سے کم چیز پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ اسے اس کے مرتبہ سے زیادہ بلند مرتبہ دے گا۔

اور میں نے اُن سے سنا، فرماتے تھے، احمدؒ بن علی[۷۹۹] نے کہا۔ حسن بن علویہ[۸۰۰] فرماتے تھے ابو تراب نخشبی نے فرمایا:۔ جس شخص کے دل میں دنیا کی قدر و منزلت ہو وہ رضا کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی نے کہا کہ ان سے ابو عمرو بن حمدان نے کہا ان سے عبد اللہ بن شترویہ[۸۰۱] نے کہا، ان سے بشر بن الحکم[۸۰۲] نے کہا۔ ان سے عبد العزیز بن محمد[۸۰۳] نے انھوں نے یزید بن الہادی[۸۰۴] سے اور انھوں نے محمدؒ ابراہیم[۸۰۵] سے انھوں نے عامر بن سعد[۸۰۶] سے روایت کی کہ عباس بن عبد المطلب[۸۰۷] نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو اللہ کو اپنا رب سمجھ کر اس سے راضی رہا۔ اس نے ایمان کا مزا چکھ لیا۔

کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ابو موسیٰ اشعری[۸۰۸] کو لکھا۔ سلام و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ بھلائی ہمہ تن رضا میں ہے۔ اگر تم راضی بقضاء الٰہی رہ سکتے ہو تو بہتر، ورنہ صبر کرو۔

کہتے ہیں، عتبۃ الغلام[۸۰۹] ساری رات صبح تک یہ الفاظ کہتا رہا۔ اگر تو مجھے سزا بھی دے تب بھی تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور اگر مجھ پر رحم کرے تب بھی تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ انسان تو ٹھیکری ہے۔ اور ٹھیکری کی کیا بساط کہ وہ اللہ کے حکموں کا مقابلہ کرے۔

ابو عثمان حیری فرماتے ہیں مجھے چالیس سال ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے مجھے جس مقام پر رکھ دیا۔ مَیں نے اسے ناپسند نہیں کیا، اور جس مقام کی طرف پھیر دیا۔ میں ناراض نہیں ہوا۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاق رح کو فرماتے سنا۔ ایک شخص اپنے غلام پر غصّہ ہوا۔ غلام کسی شخص کو سفارش کے لئے لے آیا۔ تو آقا نے اسے معاف کر دیا۔ اس پر غلام رونے لگ گیا۔ سفارش کرنے والے نے غلام سے پوچھا اب جب تمہارے آقا نے تمہیں معاف کر دیا تو تو کیوں رو رہا ہے؟ آقا نے کہا۔ یہ تو میری رضا چاہتا ہے۔ اور میں راضی ہونے کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ رو رہا ہے۔

۲۳۔ عُبودیّت[۸۱۰]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ (مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہ)

ابی الحسن سوازی نے کہا ان سے احمد بن عبید الصفار نے، ان سے عبید بن شریک[۸۱۱] نے ان سے یحییٰ[۸۱۲] نے ان سے، مالک[۸۱۳] نے ان سے، حبیب نے بن عبد الرحمٰن[۸۱۴] نے ان سے حفص[۸۱۵] بن عاصم نے بیان کیا۔ اور انھوں نے عمر بن الخطاب سے روایت کی۔ کہ ابو سعید خدری ملا ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اس دن جب کہ اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ کرنے والا نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے سایہ میں لے گا۔ (۱) امام عادل کو (۲) اس نوجوان کو جس کی پرورش اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو۔ (۳) اس شخص کو جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد مسجد کی طرف لگا رہتا ہو۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں پھر چلا آتا ہے۔ (۴) ان دو شخصوں کو جنھوں نے اللہ کی

خاطر ایک دوسرے سے محبت کی اسی پردہ اکٹھے ہوتے ہیں ، اور اسی پر جدا ہوتے ہیں (۵) اس شخص کو جو خلوت میں اللہ کی یاد کر کے آنسو بہاتا ہے ۔ (۶) اس شخص کو جسے ایک خوبصورت عورت دعوت دیتی ہے ۔ مگر وہ کہتا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے (۷) اس شخص کو جو اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ ادا کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ سے کیا دیا ۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سُنا ، عبودیت عبادت سے زیادہ کامل ہے ، چنانچہ پہلے عبادت آتی ہے پھر عبودیت اور پھر عبودت ۔ عبادت عام مومنین کا کام ہے عبودیت خواص کا اور عبودت خاص الخاص کا ۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا ، علم الیقین والوں کے لئے عبادت ہے ، عبودیت عین الیقین والوں کے لئے اور عبودت حق الیقین والوں کے لئے ۔

انہی کو میں نے فرماتے سنا ۔ عبادت مجاہدہ کرنے والوں کے لئے ہے اور ارباب مکابدہ کے لئے عبودیت اور عبودت اہل مشاہدہ کا خاصا ہے ، لہٰذا جس نے اپنے نفس کو اللہ سے دُور نہیں رکھا ، وہ صاحب عبادت ہے ۔ اور جس نے اپنے دل کے ساتھ اللہ پر بخل نہیں کیا وہ صاحب عبودیت ہے ۔ اور جس نے اپنے روح کے ساتھ اللہ کے معاملہ میں بخل نہیں کیا وہ صاحب عبودت ہے ۔

نیز کہا جاتا ہے :- اللہ کی عبادت پر کامل طور پر پابند رہنا اور جو عبادت تم سے صادر ہوئی ہو اسے (باوجود کامل ہونے کے) ناقص سمجھتے رہنا اور جو نیک اعمال تم کرو انہیں تقدیر الٰہی جاننا عبودیت کہلاتا ہے ۔

نیز کہتے ہیں :- جو تقدیر بھی معرض وجود میں آئے اس میں اختیار کو ترک کر دینا عبودیت ہے ۔

نیز کہتے ہیں کہ اپنی طاقت اور قوت سے بیزاری کا اظہار کرنا اور اللہ تعالیٰ جو مال و دولت اور انعامات تم پر کرے اُن کا اقرار کرنا ، عبودیت کہلاتا ہے ۔

نیز کہتے ہیں جن امور کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اُن کو گلے لگانا اور جن سے منع کیا گیا ہے اُن کو چھوڑ دینا عبودیت ہے ۔

کسی نے محمد بن خفیف سے پوچھا، صحیح عبودیت کیا ہے؟ فرمایا، جب تو اپنا بوجھ اپنے آقا (خدا) پر ڈال دے۔ اور اس کی لائی ہوئی مصیبتوں پر صبر کرے۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا، انھوں نے ابوالعباس بغدادی سے انھوں نے جعفر بن محمد بن نصیر سے، انھوں نے ابن مسروق سے انھوں نے سہل بن عبداللہ کو فرماتے سُنا جب تک انسان کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ ان چار چیزوں یعنی بھوک (۱) ننگا رہنا (۲)، فقر (۳) اور ذلت سے کوئی گھبراہٹ نہ ہو، تب تک اُس کی عبودیت بھی صحیح نہیں ہوتی۔

نیز کہتے ہیں عبودیت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دے اور اپنا بوجھ اسی پر ڈال دے۔

نیز کہتے ہیں عبودیت کی ایک علامت یہ ہے کہ تو تدبیر کو چھوڑ دے اور تقدیر کا مشاہدہ کرے۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں عبودیت یہ ہے کہ تو ہر حال میں اس کا بندہ بنا رہے جس طرح کہ ہر حالت میں وہ تمہارا رب ہے۔

حریری فرماتے ہیں نعمتوں کے بندے تو بہت ہیں مگر انعام کرنے والے کے بندے بہت کمیاب ہیں۔

مَیں نے اُستاد ابو علی دقاق کو فرماتے سُنا جس کی غلامی اور قید میں تو پھنسا ہو تو اُسی کا بندہ ہے اور اگر تو دنیا کی قید میں ہے۔ تو تُو دنیا کا بندہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں درہموں کا بندہ ہلاک ہُوا، دیناروں کا بندہ ہلاک ہُوا، چادر کا بندہ ہلاک ہوا۔

ابو زیدؒ (۴۱۶) نے ایک شخص کو دیکھا . . . اور پوچھا، تو کیا کام کرتا ہے اس شخص نے جواب دیا میں خربندہ (گدھوں والا) ہوں اس پر ابو زید نے کہا۔ خدا کرے تیرا گدھا مر جائے۔ تجھے اللہ کا بندہ ہونا چاہیئے۔ نہ کہ خر بندہ۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا۔ انھوں نے اپنے دادا ابو عمرو بن نجید کو فرماتے سنا کسی انسان کی عبودیت میں قدم اسی وقت پاک و صاف ہو سکتا ہے جب وہ اپنے اعمال کو ریا اور اپنے احوال کو محض دعوٰی خیال کرے۔

مَیں نے انہی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے عبداللہ المعلّم کو فرماتے سنا کہ عبداللہ بن منازل کیں

فرماتے تھے۔ بندہ اس وقت تک بندہ ہے جب وہ اپنی ذات کیلئے خادم کی تلاش نہ کرے اور جب اس نے اپنی ذات کیلئے خادم تلاش کیا، تو عبودیت کی حد سے گذر گیا۔ اور اس نے عبودیت کے آداب ترک کر دیئے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ محمد بن الحسین[۱۱] نے کہا کہ جعفر بن نصیر نے کہا کہ بن مسروق نے کہا۔ سہل بن عبداللہ فرماتے تھے۔ بندے کی عبادت گذاری اسی وقت درست ہو سکتی ہے جب اس کی حالت ایسی ہو کہ اگر وہ مفلس ہو جائے تو دولت کے آثار اس پر نہ پائے جائیں۔ اور اگر مالدار ہو جائے تب بھی دولت کا اس پر کوئی اثر نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مشاہدہ کرنا عبودیت ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ انھوں نے نصرآبادی کو فرماتے سنا:-

عبادت گذاری کی قدر و منزلت معبود کی بدولت ہوتی ہے جس طرح عارف کے لئے شرف اسی چیز کے ساتھ ہے۔ جس کے ساتھ اس کے عرفان کا تعلق ہو۔

ابو حفص فرماتے ہیں۔ عبودیت بندے کے لئے زینت ہے۔ لہٰذا جس نے عبودیت ترک کر دی وہ زینت سے عاری ہو گیا۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا کہ ابو جعفر رازی نے ان سے کہا کہ عباس بن حمزہ نے کہا۔ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے۔ میں نے بناجی کو فرماتے سنا:-

تین چیزیں عبادت کی اصل ہیں۔ (۱) یہ کہ تو اللہ کے کسی ایک حکم کو بھی رد نہ کرے۔ (۲) اور نہ کوئی چیز اس سے بچا کر رکھے۔ (۳) اور نہ ہی خدا یہ سنے کہ تو اپنی حاجت غیر اللہ سے مانگ رہا ہے۔

اور میں نے ابوالحسین فارسی سے سنا، فرماتے تھے، کہ میں نے ابن عطا کو فرماتے سنا۔ چار باتوں میں عبودیت پائی جاتی ہے۔ (۱) وعدہ پورا کرنا (۲) حدود (اللہ) کی نگہداشت رکھنا۔ (۳) جو اپنے پاس موجود ہو اس پر راضی رہنا۔ (۴) اور جو کچھ حاصل نہ ہو اس پر صبر کرنا۔

اور میں نے ان سے سنا کہ محمد بن عبداللہ بن شاذان نے کہا کہ الکتانی نے کہا کہ عمرو بن عثمان المکی فرماتے تھے۔ میں اگرچہ مکہ اور دیگر مقامات میں بہت سے عبادت گذاروں سے ملا ہوں نیز ان میں سے کئی ایک حج کے موقعہ پر بھی ہمارے پاس آئے۔ مگر میں نے مزنی[۱۲] سے بڑھ کر

کوشش کرنے والا اور عبادت میں ہمیشگی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کسی کو اللہ کے احکام کی تعظیم کرتے دیکھا۔ اور نہ ہی کوئی ایسا شخص نظر آیا جو ان سے بڑھ کر اپنی ذات پر تنگی کرتا ہو اور دوسروں پر وسعت کرتا ہو۔

میں نے استاد ابو علی دقاق رحمہ اللہ کو فرماتے سنا: عبودیت سے بڑھ کر کسی اور چیز میں شرف نہیں پایا جاتا اور نہ ہی مومن کے لئے عبودیت سے بڑھ کر کوئی اور نام زیادہ مکمل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں معراج کی رات یہ الفاظ کہے اور معراج کا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دنیا میں اشرف ترین وقت تھا۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ نیز فرمایا۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی۔ اگر کوئی اور نام عبودیت سے بڑھ کر بزرگی والا ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اسی نام سے آنحضرت کو پکارتے۔

اسی سلسلہ میں یہ شعر پیش کیے جاتے ہیں:

یَا عَمْرُو ثَارِیْ عِنْدَ زَهْرَائِیْ ... یَعْرِفُہُ السَّامِعُ وَالرَّائِیْ

لَا تَدْعُنِیْ اِلَّا بِیَا عَبْدَهَا ... فَاِنَّہٗ اَشْرَفُ اَسْمَائِیْ

اے عمرو! میرے خون کا بدلہ تو میری زہراء کے پاس ہے۔ اور اس بات کو سننے اور دیکھنے والے جانتے ہیں۔

مجھے اگر پکارنا ہے تو یا عبد زہراء کہہ کر پکارو۔ کیونکہ یہ نام میرے لئے بہت شرف والا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر تو نے دو چیزوں کو ترک کر دیا تو عبودیت کا حق ادا کر دیا۔ ایک یہ کہ تو اللہ کے سوا کسی لذت سے سکون محسوس نہ کرے اور دوسرے یہ کہ اپنی کسی حرکت پر اعتماد نہ کرے۔ بعینہٖ اسی قسم کا قول واسطی کا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عطیوں سے لذت محسوس کرنے سے بچو۔ کیونکہ اہل صفاء کے لئے یہ لذت سد راہ بن جاتی ہے۔

ابو علی جوزجانی فرماتے ہیں رضا عبودیت کا خانہ ہے۔ اور صبر اس کا دروازہ، اور تفویض گھر۔ آواز دروازہ پہ ہوتی ہے۔ خانہ میں فراغت اور گھر میں راحت۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ جس طرح ربوبیت اللہ کی ایک ایسی صفت ہے

جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی ہے۔

کسی کا شعر ہے :-

فان تسأ لونی قلت ھا انا عبدہ وان سائلوہ قال ھذاک مولایا

اگر تم مجھ سے (اللہ کی نسبت) پوچھتے ہو تو کہوں گا میں تو اس کا بندہ ہوں۔ اور اگر لوگ اس سے پوچھیں تو وہ کہے گا یہ میرا غلام ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے نصر آبادی کو فرماتے سنا۔ عبادات بہ نسبت اس کے کہ ہم ان کا معاوضہ اور جزا طلب کریں۔ اللہ سے اپنے گناہوں کو درگذر کرنے اور اپنی کوتاہیوں سے معافی چاہنے کے زیادہ قریب ہیں۔

انہی کو میں نے فرماتے سنا اور انھوں نے نصر آبادی سے سنا، فرماتے تھے۔ عبودیت یہ ہے کہ معبود کا مشاہدہ کرتے ہوئے تو اپنی عبادت گذاری کی طرف نہ دیکھے۔ اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر محمد بن عبداللہ شاذان نے کہا کہ الجریری فرماتے ہیں۔ میں نے جنید کو فرماتے سنا کہ ہر قسم کے شغل کو چھوڑ کر ایسے کام میں جو فراغت کی اصل ہے مشغول ہونا عبودیت کہلاتا ہے۔

(۸۲۰)

۲۴۔ ارادت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

جو لوگ اللہ کی خوشنودی کی خاطر رات دن اسے پکارتے رہتے ہیں۔ آپ انھیں اپنے پاس سے نہ ہٹائیں۔

علی ابن احمد بن عبدان نے ان سے احمد بن عبید نے ان سے ہشام بن علی نے ان سے الحکم بن اسلم نے کہا کہ ان سے اسمٰعیل بن جعفر نے حمید[۸۲۲] سے اور انھوں نے انس سے روایت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو استعمال کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ اسے کیسے استعمال کرتا ہے ؟ فرمایا :- موت سے پہلے اسے نیک عمل کی توفیق دے دیتا ہے۔

ارادت سلوک کی ابتدا ہے

ارادت ، راہ طریقت کی ابتداء ہے۔ اور یہ اللہ کی طرف جانے کا ارادہ کرنے والوں کی پہلی منزل کا نام ہے۔ اس صفت کو ارادت اس لئے کہا گیا کہ ارادہ ہر بات کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب تک بندہ کسی چیز کا ارادہ نہ کرلے اسے کرتا ہی نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی راہ پر چلیں، یہ ابتدا ٹھہری تو اس کا نام ارادت رکھ دیا گیا۔ کیونکہ اس میں اس ارادہ کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، جو تمام کاموں کا پیش خیمہ ہے۔

مُرید کون ہے؟

لہٰذا اشتقاق کے اعتبار سے مرید وہ ہے جس میں ارادہ پایا جائے۔ جیسے علم والے کو عالم کہا جاتا ہے۔ مگر صوفیاء کی اصطلاح میں مرید وہ ہے جس کا اپنا کوئی ارادہ نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص اپنے ارادہ سے علیحدگی اختیار نہیں کرتا، وہ مرید نہیں کہلا سکتا۔ حالانکہ اشتقاق کے اعتبار سے جس کا کوئی ارادہ نہ ہو وہ مرید نہیں کہلا سکتا۔

ارادت سے کیا مراد ہے؟

صوفیاء نے ارادت کے معنی پر بحث کی ہے مگر ہر ایک نے اپنے قلبی واردات کے مطابق اس کی تشریح کی ہے۔ چنانچہ بیشتر مشائخ کا قول ہے کہ عام عادت پر چلنا چھوڑ دینا ارادت کہلاتا ہے۔ اور بالعموم لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ غفلت کے عالم میں پڑے رہتے ہیں، خواہشات کی تابعداری کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور جس طرف انھیں اُن کی آرزوئیں لے جائیں اُن کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ مگر مرید ان تمام امور سے اپنے آپ کو نکال لیتا ہے۔ لہٰذا اس کا اس طرح نکلنا ہی اس امر کی علامت اور دلیل ہوتا ہے۔ کہ اس کا ارادہ صحیح ہے۔ لہٰذا اس حالت کا نام ارادت رکھ دیا گیا۔ یعنی عام عادت سے نکل جانا اور عادت کا چھوڑ دینا ارادت کی علامت ہے۔

ارادت کی حقیقت

مگر حقیقت میں ارادت یہ ہے کہ دل طلب حق میں اُٹھ کھڑا ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ارادت ایک ایسی جلن ہوتی ہے جو ہر قسم کی گھبراہٹ آسان کردیتی ہے۔

میں نے اُستاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا اور وہ ممشاد دینوری سے نقل کر رہے تھے۔ کہ انھوں نے فرمایا کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ فقراء کے تمام حالات سنجیدگی کے حالات

ہوتے ہیں میں نے کبھی بھی کسی فقیر سے مذاق نہیں کیا۔ قصہ یُوں ہوا کہ ایک فقیر میرے پاس آیا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تو میرے لئے حلوہ تیار کرے۔ اس وقت میری زبان سے نکلا صوفی اور حلوہ! یہ سُن کر، فقیر پیچھے ہٹ گیا۔ مگر مجھے معلوم نہ ہوا۔ میں نے حلوہ بنانے کا حکم دیا اور فقیر کو ڈھونڈا۔ مگر کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اسی وقت واپس چلا گیا تھا۔ اور وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا "صوفی اور حلوہ" "صوفی اور حلوہ" اور دیوانہ وار نکل کر جنگل میں چلا گیا اور یہی کہتا کہتا مر گیا۔

ایک صُوفی کا واقعہ

ایک صوفی کا بیان ہے کہ میں جنگل میں تنہا تھا، جب دل تنگ ہُوا تو میں نے پُکارنا شروع کیا۔ "اے انسانو! مجھ سے بات کرو۔ اے جنو! مجھ سے کلام کرو" غیب سے ندا آئی "کیا چاہتے ہو؟" میں نے جواب دیا "میں اللہ تعالیٰ کو چاہتا ہوں"۔ ہاتف نے جواب دیا تو اللہ تعالیٰ کو کب چاہ سکتا ہے؟ اس کی مراد یہ تھی کہ جو شخص انسانوں اور جنوں کو کلام کرنے کے لئے بلا رہا ہو وہ اللہ کا چاہنے والا کب ہو سکتا ہے۔ اور اللہ کا چاہنے والا کبھی بھی اس کی تلاش میں سُست نہیں پڑتا۔ چنانچہ مرید ظاہر میں مجاہدہ کے وصف سے موصوف ہوتا ہے اور باطن میں تکالیف برداشت کرتا ہے۔ چنانچہ بستر سے الگ رہتا ہے اور ہر وقت مستعد رہتا ہے۔ دشوار کام کرتا ہے۔ اور تھکانے والے امور اختیار کرتا ہے۔ اپنے اخلاق سے کشتی لڑتا ہے۔ مشقتیں جھیلتا ہے۔ خطروں سے بغلگیر ہوتا ہے۔ اور ہم جنسوں سے جُدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں :-

ثُمَّ قَطَعْتُ اللَّيْلَ فِي مَهْمَهٍ   لَا اَسَدًا اَخْشٰى وَلَا ذِيْبَا

يَغْلِبُنِيْ شَوْقِيْ فَاَطْوِيْ السُّرٰى   وَلَمْ يَزَلْ ذُوالشَّوْقِ مَغْلُوْبًا

پھر میں نے رات ایک بیابان میں گذاری جہاں مجھے نہ شیر کا خوف تھا نہ بھیڑیئے کا شوق نے مجھ پر غلبہ پایا تھا۔ اور میں اپنی رات کا سفر طے کرتا گیا۔ اور جس پر شوق غلبہ پاتا ہے۔ وہ مغلوب ہی رہتا ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ارادت دل میں ایک قسم کی جلن ہے۔ دل میں دغدغہ ہے۔ ضمیر میں عشق، باطن میں بے چینی اور دل میں بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، انھوں نے محمد بن عبد اللہ سے سنا کہ ابو بکر السباک نے کہا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے کہ ابو سلیمان اور احمد بن ابی الحواری کے مابین یہ معاہدہ تھا کہ احمد ان کے کسی حکم کی مخالفت نہ کریں گے۔ ایک دن آئے تو وہ اپنی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔ عرض کیا کہ تنور گرم ہو چکا ہے۔ اب کیا ارشاد ہے؟ ابو سلیمان نے کوئی جواب نہ دیا۔ احمد نے دوبارہ پھر سہ بارہ یہی عرض کیا۔ اس پر ابو سلیمان نے فرمایا۔ جاؤ تنور میں بیٹھ جاؤ۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کے بار بار کہنے سے ان کا دل تنگ ہو گیا تھا۔ ابو سلیمان نے تھوڑی دیر تک تو تغافل برتا۔ پھر فرمایا جاؤ جا کر احمد کو تنور سے نکالو کیونکہ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ میری کسی بات میں مخالفت نہیں کریگا۔ دیکھا تو وہ واقعی تنور میں تھے مگر ان کا بال بیکا نہ ہوا تھا۔ میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا: میں بچپن سے ارادت کی تلاش میں سخت کوشاں تھا۔ اور کہا کرتا تھا کاش مجھے ارادت کا معنی معلوم ہو جائے۔ مجھے کہا گیا کہ مرید کی صفت یہ ہے کہ وہ نوافل کیساتھ اللہ کی محبت کرے اور امت کی خیر خواہی میں خلوص پیدا کرے۔ خلوت میں اسے انس محسوس ہو اور احکام خداوندی کے بجالانے میں تکلیف برداشت کرے۔ اللہ کے حکم کو ترجیح دے۔ اللہ سے حیا کرے۔ مبادا کوئی ایسا کام نہ کر رہا ہو جو اللہ کو ناپسند ہو۔) اللہ کی محبوب باتوں پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ ہر ایسا ذریعہ اختیار کرے جو اللہ تک پہنچا دے۔ گمنامی پر قانع رہے۔ اور اپنے دل پر عدم اطمینان کا اظہار کرے۔ یہاں تک کہ وہ واصل باللہ ہو جائے۔

ابو بکر دراق فرماتے ہیں تین چیزیں مرید کے لئے آفت ہیں۔ (۱) شادی کرنا (۲) حدیث لکھنا اور (۳) سفر کرنا۔ ان سے کسی نے کہا کہ آپ نے حدیث لکھنی کیوں چھوڑ دی؟ کہا: ارادت نے مجھے اس سے روک دیا۔

حاتم اصم فرماتے ہیں جب تو کسی مرید کو دیکھے کہ وہ اپنی مراد کے سوا کسی اور کو چاہ رہا ہے تو جان لے کہ اس نے اپنا کمینہ پن ظاہر کر دیا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ انھوں نے کہا کہ ابو بکر الرازی نے ان سے کہا کہ الکتانی فرمایا کرتے تھے کہ مرید کے لئے یہی حکم ہے کہ اس میں تین چیزیں پائی جائیں۔ (۱) وہ اس وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو (۲) اس وقت کھائے جب فاقہ کی حالت ہو۔ اور (۳) ضرورت کے بغیر کلام نہ کرے

میں نے انہی سے سنا کہ الحسین بن احمد بن جعفر نے کہا کہ جعفر بن نصیر فرماتے تھے، میں نے جنید

کو فرماتے سنا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی مُرید سے بھلائی چاہتا ہے تو اسے پاک باطن صوفیاء کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور فقراء کی صحبت سے اسے روک دیتا ہے۔

میں نے انہی سے سُنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ الدقی فرماتے ہیں کہ میں نے دقاق کو یوں فرماتے سُنا۔ ارادت کی انتہا یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرے۔ اور معاً اس کو پائے بھی۔ میں نے عرض کیا۔ کس چیز میں ارادت پوری ہوتی ہے؟ فرمایا۔ اس میں کہ تو اللہ تعالیٰ کو بلا اشارہ پالے۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ عباس بن الصحو فرماتے تھے میں نے ابوبکر دقاق کو کو فرماتے سنا۔ مرید اس وقت تک مرید نہیں کہلا سکتا جب تک بائیں جانب والا فرشتہ بیس سال تک اس کا کوئی عمل نہ لکھے۔ (یعنی بیس سال وہ کوئی بُرا عمل نہ کرے)

ابو عثمانؒ حیری فرماتے ہیں:۔ جس شخص کی ارادت ابتدا ہی میں درست نہ ہو تو جسقدر زمانہ بھی گذرتا جائے گا اس کی کم بختی بڑھتی جائے گی۔

نیز ابو عثمان فرماتے ہیں:۔ جب کوئی مُرید صوفیاء کے علوم میں سے کچھ سُن لے اور پھر اس پر عمل کرے تو وہ علوم اس کے دل میں آخر عمر تک حکمت بن جائیں گے۔ جن سے وہ فائدہ اٹھائے گا۔ اور اگر وہ گفتگو کرے گا۔ تو سننے والے اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔ مگر جس نے صوفیاء کے کچھ علوم سُن لئے۔ اور اُن پر عمل نہیں کیا تو یہ ایک قصہ ہوگا جسے وہ کچھ عرصہ تو ذھن میں محفوظ رکھے گا پھر بھول جائے گا۔

واسطی فرماتے ہیں:۔ مرید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادہ کو ساقط کر کے حق تعالیٰ کا ارادہ اختیار کرلے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ مرید کے لئے سخت ترین چیز مخالفین سے میل جول ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سُنا کہ ابو القاسم الرازی نے کہا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے۔ جب تو کسی مُرید کو دیکھے کہ وہ ان امور پر عمل کررہا ہے۔ جو شریعت میں "رخصت" کہلاتے ہیں۔ اور دنیاداری میں پھنسا رہتا ہے۔ تو اس سے (طریقت میں) کچھ بن نہ سکے گا۔

اور میں نے انہی سے سنا:۔ کہ محمد بن الحسین نے کہا کہ جعفر خلدی فرماتے تھے کہ کسی نے جنیدؒ سے

سوال کیا کہ حکایات و صالحین کے قصے بیان کرنے میں مریدوں کے لئے کیا فائدہ ہے؟ فرمایا :-
حکایات اللہ کے لشکر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مریدین کے دلوں کو مضبوط کرتا ہے۔ سوال کیا گیا
کہ آپ کے پاس اس کی کیا شہادت ہے؟ فرمایا :- اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان :-
وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۔
(اور یہ تمام رسولوں کی خبریں ہم آپ کے دل کو تقویت دینے کے لئے بیان کرتے ہیں۔)
اور میں نے اُن سے سنا کہ محمد بن خالد نے کہا کہ جعفر فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ
مرید کو عالموں کے علم کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

مرید اور مراد میں فرق

اب رہا مرید اور مراد میں فرق تو درحقیقت ہر مرید مراد بھی ہوتا ہے۔
کیونکہ اگر وہ اللہ کا "مراد" نہ ہوتا، اس لئے کہ اللہ اسے چاہتا ہے۔
تو وہ مرید بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اور ہر "مراد" "مرید" بھی ہے۔ کیونکہ
جب اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ چاہتا ہے۔ تو اسے "ارادت" کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔
مگر صوفیاء کے ہاں "مرید" اور "مراد" میں فرق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک مبتدی کو "مرید"
کہتے ہیں۔ اور منتہی کو "مراد"۔
(نیز یوں بھی تعریف کی جاتی ہے) کہ مرید وہ ہے جو تھکان اور مشقتیں برداشت کرنے میں
پڑے اور مراد وہ ہے جسے مشقتوں سے بچا دیا گیا ہو۔ لہٰذا "مرید" تکلیف میں ہوتا ہے۔ اور "مراد"
آرام میں۔ جن کو اللہ کے ساتھ ارادت ہوتی ہے اُن کے ساتھ اللہ کا برتاؤ مختلف قسم کا ہوتا
ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ مجاہدات کی توفیق دیتا ہے وہ مختلف قسم کی تکالیف برداشت
کرنے کے بعد بلند مقامات تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور بہتوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ابتدا ہی میں
بڑے بڑے معانی مکاشفے سے حل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ان مقامات تک پہنچ جاتے ہیں
جہاں بہت سے اصحاب ریاضت نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اس رفق و مہربانی کے بعد بہتوں کو پھر
مجاہدات کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ تاکہ جو ریاضتیں اُن سے چھوٹ گئی ہیں ان کو وہ مکمل کر لیں۔
میں نے استاد ابو علی دقاقؒ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کہ مرید وہ ہے جو طریق ریاضت
میں مشقتیں جھیلے۔ اور "مراد" وہ ہے جس سے یہ مشقتیں اٹھا دی گئی ہیں۔

بنز انہی سے یں نے سنا۔ فرماتے تھے موسیٰ علیہ السلام مرید تھے جبھی تو انھوں نے رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ فرمایا۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد تھے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا، اور کیا ہم نے آپ سے وہ بوجھ نہیں اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی؟ اور کیا ہم نے آپ کا نام بلند نہیں کیا، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:۔

رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ۔

(خدایا مجھے اپنے آپ کو دکھا دے تاکہ تجھے دیکھ لوں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا) اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ

ابو علی فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس مذکورہ آیت میں اصل مقصود صرف یہ الفاظ ہیں:۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ بات کو چھپانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو محفوظ کرنے کے لئے ہے۔

جنیدؒ سے پوچھا گیا:۔ مرید اور مراد میں کیا فرق ہے؟ فرمایا:۔ مرید کو اس کا علم چلاتا ہے اور مراد کی نگہبانی حق سبحانہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ "مرید" پیادہ چلتا ہے۔ اور "مراد" اڑ کر جاتا ہے۔ لہٰذا پیدل چلنے والا اڑ کر جانے والے کے مرتبہ تک کب پہنچ سکتا ہے؟

ذوالنون اور بایزید کہا جاتا ہے کہ ذوالنون نے ایک شخص کے ذریعے سے بایزید کو کہلا بھیجا کہ قافلہ گذر چکا۔ پھر یہ نیند اور راحت کب تک؟

بایزید نے جواب دیا۔ میرے بھائی ذوالنون کو کہنا۔ کامل شخص وہ ہے جو رات بھر سویا رہے۔ مگر پھر بھی صبح کو قافلہ سے پہلے منزل پر پہنچ جائے۔

یہ سن کر ذوالنون نے کہا۔ انھیں مبارک ہو۔ یہ ایسا کلام ہے جہاں ہماری حالت نہیں پہنچ سکتی ہے۔ ۸۲

۲۵۔ استقامت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (الآیۃ) بیشک وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر اس (قول پر) قائم رہتے ہیں۔

امام ابوبکر محمد بن الحسین بن فورک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اُن سے عبداللہ بن جعفر بن احمد الاصبہانی نے کہا۔ ان سے ابوبشر[۸۲۷] یونس بن حبیب نے ان سے ابوداؤد[۸۲۸] الطیالسی نے کہا کہ شعبۃ نے الاعمش سے اُنھوں نے سالم[۸۲۹] بن ابی جعد سے اور انھوں نے ثوبان[۸۳۰] مولا النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اپنے ایمان پر استقامت اختیار کرو مگر تم نہ کر سکو گے۔ (مگر اللہ کی مدد سے) یاد رکھو کہ نماز تمہارے دین کی بہترین چیز ہے۔ اور وضو کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے۔

استاد فرماتے ہیں:۔ استقامت ایک ایسا درجہ ہے جس سے امور کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کی بدولت تمام نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور اُن کا نظام قائم رہتا ہے۔ جو شخص اپنی حالت پر استقامت نہیں رکھے گا۔ اس کی کوشش ضائع اور اس کی سعی ناکام رہے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا۔

(تم اُس عورت[۸۳۱] کی طرح مت ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد تار تار کر دیا۔)

جو شخص اپنی صفات پر استقامت اختیار نہیں کرے گا وہ اپنے موجودہ مقام سے بلند مقام کو نہ جا سکے گا۔ اور نہ ہی اپنے سلوک کی بنیاد صحیح چیز پر رکھ سکے گا۔ لہٰذا مبتدی کے لئے احکام میں استقامت رکھنا ضروری ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ عارف کو انتہائی آداب پر پابند رہنا ضروری ہے۔ مبتدی کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ اس کے معاملات میں سستی پیدا نہ ہو۔ متوسط درجے کے لوگوں کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی منزل پر ہی نہ ٹھہر جائیں۔ اور اہل نہایت کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ انکے اور اللہ کے ساتھ وصل میں کوئی پردہ حائل نہ ہو جائے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا:۔ استقامت کے تین مدارج ہیں۔ پہلا تقویم۔ پھر اقامت۔ پھر استقامت۔ تقویم تو نفس کی تادیب کے لئے ہے۔ اقامت دل کو مہذب کرنے کے لئے اور استقامت اسرار کو قریب کرنے کے لئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کی تشریح لَمْ یُشْرِکُوْا کرتے ہیں (یعنی کسی کو اللہ کا شریک نہیں بناتے)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریح کی بنیاد اصولِ توحید کو مدّنظر رکھنے پر ہے۔ اور حضرت عمر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تاویلات کو چھوڑ کر اپنے عہد کی شرائط پر کاربند رہے۔

ابن عطا فرماتے ہیں کہ (استقاموا کے معنی ہیں) دل کو صرف اللہ کے ساتھ لگائے۔ پھر اس پر قائم رہے۔

ابو علی جوزجانیؒ فرماتے ہیں:۔ استقامت والا بن۔ طالب کرامت نہ بن۔ کیونکہ تمہارا نفس تو کرامت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ اور اللہ عزّوجل تجھ سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو علی شبوّی کو فرماتے سُنا[۴۳۲] کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم آپ سے روایت کی جاتی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔ "شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدُ" (مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا) کس بات نے آپ کو بوڑھا کر دیا۔ آیا انبیاء کے واقعات نے اور اُمتوں کی ہلاکت نے فرمایا:۔ نہیں اللہ کے فرمان :۔ فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ نے۔

کہتے ہیں کہ اکابر کے سوا کسی میں استقامت کی طاقت نہیں پائی جاتی اس لئے۔ استقامت معہود چیزوں سے نکلنا۔ رسوم و عادات سے علیحدہ ہونا۔ اور حقیقۃً صدق دل سے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا نام ہے۔ اس لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔ "اِسْتَقِیْمُوْا وَ لَنْ تُحْصُوْا" (استقامت رکھو۔ مگر تم پورے طور پر نہ رکھ سکو گے)

واسطیؒ فرماتے ہیں:۔ جس خصلت کے ساتھ خوبیاں مکمل ہوتی ہیں۔ اور جس کے نہ ہونے سے خوبیاں قبیح معلوم ہوتی ہیں۔ وہ خصلت استقامت ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں:۔ استقامت یہ ہے کہ تو موجودہ وقت کو قیامت سمجھے۔

کہا جاتا ہے کہ اقوال کی استقامت یہ ہے کہ غیبت نہ کی جائے۔ افعال کی استقامت یہ ہے کہ بدعت کی نفی ہو۔ اور اعمال کی استقامت یہ ہے کہ سستی نہ پائی جائے۔ اور احوال کی استقامت یہ ہے کہ حجاب نہ آئے۔

میں نے استاد امام ابوبکر محمد بن حسین بن فورک[۸۳۳] کو فرماتے سنا کہ استقامت میں جو سین ہے وہ[۸۳۴] طلب کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ اللہ انھیں توحید پر قائم رکھے۔ تاکہ وہ اپنے عہدوں پر مداومت اور حدود کی محافظت کریں۔

استاد فرماتے ہیں: یاد رکھو! کہ استقامت سے کرامات کا دائم رہنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاءً غَدَقًا (اگر وہ وہ راہِ راست پر قائم رہتے تو ہم انھیں کثرت کے ساتھ سیراب کر دیتے) اللہ تعالیٰ نے سقینا کہنے کی بجائے اسقینا کہا ہے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے "أسْقَيْتُهُ إذا جَعَلْتُ لَهُ سُقْيًا"[۸۳۵] (جب تو کسی کی سیرابی کے لئے پانی مقرر کر دے تو اسقیتہ کہا جاتا ہے) اس میں دوام پایا جاتا ہے۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا۔ انھوں نے حسین بن احمد سے سنا۔ انھوں نے کہا۔ ابو العباس فرغانی[۸۳۶] فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک نوجوان کو ببول کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تو یہاں کیوں بیٹھا ہے۔ اس نے جواب دیا اس حالت کی وجہ سے جو مجھ سے گم ہوگئی ہے میں اُسے وہیں چھوڑ کر چل دیا۔ جب حج سے واپس آیا۔ دیکھا کہ وہ نوجوان درخت سے ہٹ کر ایک جگہ پر جو اس کے قریب تھی، چلا گیا۔ میں نے پھر پوچھا۔ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے جواب دیا جو حالت گم ہوگئی تھی اس مقام پر پھر مل گئی ہے۔ اس لئے میں پھر اس مقام سے چمٹ گیا ہوں۔ (کیونکہ یہیں مجھے میری پہلی حالت ملی ہے۔)

جنیدؒ فرماتے ہیں: میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کی کونسی حالت زیادہ بلند تھی۔ کیا پہلی حالت میں جب وہ اپنی حالت کے گم ہونے پر درخت سے چمٹا رہا تھا۔ یا دوسری حالت جبکہ وہ اس جگہ سے چمٹ گیا۔ جہاں اسے اس کی مراد حاصل ہوئی۔

(۸۳۷)

۲۶۔ اخلاص

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ (یاد رکھو خالص دین اللہ کا حق ہے)

علی ابن احمد اہوازی نے کہا۔ ان سے احمد بن عبید البصری نے، ان سے جعفر بن محمد الفریابی[۸۳۸] نے ان سے ابو طالوت نے ان سے ہانی بن عبد الرحمٰن بن ابی عبلہ عقیلی نے یہ روایت ابراہیم بن[۸۳۹]

ابی عبلہ نے کہا کہ عطیہ بن وشاح[۱۸۴۰] نے بیان کیا کہ انس بن مالکؓ فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ایک مسلمان کے دل میں تین باتوں کی کھوٹ پیدا نہیں ہونی چاہیئے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص کے ساتھ عمل کرنا۔ (۲) اپنے حکام سے خلوص نیتی کا اظہار اور (۳) مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا۔

اخلاص کی تعریف

استادؒ فرماتے ہیں کہ صرف حق سبحانہٗ کے لئے بالارادہ عبادت گذاری کا نام اخلاص ہے۔ اور وہ اس طرح کہ عبادت سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو اور کوئی مقصد نہ ہو۔ مثلاً کسی مخلوق کے لئے تصنع کرنا یا لوگوں سے مدح کی خواہش کرنا، یا مخلوق سے تعریف کروانے کی محبت رکھنا یا اللہ کے قرب کے سوا کوئی اور خیال ذہن میں رکھنا۔

یُوں کہنا بھی درست ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

یُوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام اخلاص ہے۔

ایک مستند حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا کہ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ جسے میں اس بندے کے دل میں رکھ دیتا ہوں۔ جس سے میں محبت کرتا ہوں۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے اخلاص کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا:۔ میں نے علی بن سعید[۱۸۴۱] اور احمد بن محمد بن زکریا[۱۸۴۲] دونوں سے دریافت کیا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو دونوں نے فرمایا:۔ ہم نے علی بن ابراہیم شقیقی[۱۸۴۳] سے اخلاص کے متعلق سوال کیا۔ تو اس نے فرمایا:۔ میں نے محمد بن جعفر خصاف سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو فرمایا:۔ میں نے احمد بن بشار سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو فرمایا: میں ابو یعقوب شریطی[۱۸۴۴] سے اخلاص کی نسبت سوال کیا۔ تو فرمایا:۔ میں نے احمدؒ بن غسان سے اخلاص کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔ میں نے عبدالواحد بن زید سے اخلاص کی نسبت سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے حسن سے اخلاص کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: میں نے حذیفہ سے اخلاص کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اخلاص کیا ہے تو انھوں نے فرمایا:۔ میں جبرئیل سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے تو فرمایا:۔ میں نے رب العزت سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے۔ تو فرمایا:۔ سِرٌّ مِنْ اَسرارِی اِسْتَوْدَعْتُہٗ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُہٗ مِنْ عِبَادِی۔

یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ جسے میں اُس شخص کے دل میں رکھ دیتا ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔

میں نے استاد ابُو علی دقاق کو فرماتے سُنا کہ اخلاص لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے۔ اور صدق یہ ہے کہ تو اس بات سے پاک رہے۔ کہ تمہارا نفس تمہارے اعمال کو نہ دیکھے۔ لہٰذا جو مخلص ہوگا اس میں ریا نہیں پایا جائے گا۔ اور جو صادق ہوگا اس میں غرور نہ پایا جائے گا۔

ذوالنُون فرماتے ہیں :۔ اخلاص صرف صدق اور اخلاص پر مداومت سے مکمل ہوتا ہے۔ اسی طرح صدق بھی اخلاص اور اس پر مداومت کے بغیر کامل نہیں ہوتا۔

ابو یعقوب سوسی فرماتے ہیں :۔ جب لوگ اپنے اخلاص میں اخلاص کا مشاہدہ کرتے ہوں تو سمجھ کہ اُن کے اخلاص کو ابھی اخلاص کی ضرورت ہے (یعنی ابھی اس میں ریا ہے)

ذوالنون فرماتے ہیں :۔ تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں۔ (۱) عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہو۔ (۲) اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھُول جائے۔ (۳) اور یہ بھی بھُول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

میں نے استاد ابُو عبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا۔ اُنھوں نے ابوعثمان مغربی کو فرماتے سنا کہ جس عمل میں کسی حالت میں بھی حظِ نفس نہ پایا جائے وہ اخلاص ہے۔ یہ عوام کا اخلاص ہے۔ خواص کا اخلاص وہ ہے جو (اللہ کی طرف سے) اُن پر جاری ہو۔ اُن کے اپنے ذریعہ سے نہ ہو۔ اس صورت میں ان سے جو عبادت ظہور میں آتی ہے اس سے اُن کا کوئی ذاتی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی لئے نہ تو اُن کی نگاہ ان اعمال پر پڑتی ہے اور نہ وہ ان اعمال کو کسی شمار میں لاتے ہیں۔ یہ خواص کا اخلاص ہے۔

ابوبکر دقاق فرماتے ہیں :۔ اپنے اخلاص پر نظر کرنا مخلص کے لئے نقصان دہ ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے اخلاص کو خالص بنانا چاہتا ہے تو اس کے اخلاص سے اپنے اخلاص کے دیکھنے کو نکال دیتا ہے۔ لہٰذا وہ مخلَص (بفتح اللام) ہوتا ہے۔ نہ کہ مخلِص (بکسر اللام)

سہلؒ فرماتے ہیں :۔ ریا کو مخلص ہی پہچانتا ہے۔ (کہ یہ کیا چیز ہے)

میں نے ابوحاتم سجستانی سے سنا۔ اُنھوں نے عبداللہ بن علی سے، اور اُنھوں نے وجیہی سے

سنا۔ ابو علی رودباری نے کہا کہ ان سے رویمؒ نے بیان کیا کہ ابو سعید فرماتے تھے۔ عارفوں کی ریا مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے۔

ذو النونؒ فرماتے ہیں:۔ اخلاص وہ عمل ہے جو انسان کو دشمن (یعنی نفس شیطان) سے بچائے۔ تاکہ وہ اسے خراب نہ کر دے۔

ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ خالق کی طرف ہمیشہ نگاہ رکھنے کی وجہ سے مخلوق کی رویت کو بھلانے کا نام اخلاص ہے۔

حذیفہؒ مرعشی فرماتے ہیں اخلاص یہ ہے کہ بندے کے ظاہر و باطن اعمال میں یکسانیت ہو۔ کہتے ہیں کہ اخلاص وہ ہے جس سے حق سبحانہ مقصود ہو۔ اور اس سے صدق مطلوب ہو۔ نیز یوں بھی کہا گیا ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھنے سے آنکھ کو بند کر لینا اخلاص کہلاتا ہے۔

میں نے محمد بن حسین سے سنا کہ ابو الحسین فارسی نے کہا کہ محمد بن حسین نے بیان کیا کہ علی بن عبد الحمید[۴۰۸] فرماتے تھے کہ میں نے سری کو یوں فرماتے سنا:۔ جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے آراستہ کر کے دکھائے، جو در حقیقت اس میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ وہ شخص، اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔

اور میں نے ان سے سنا کہ علی بن بندار صوفی[۴۰۹] نے ان سے کہا کہ عبد اللہ بن محمود نے بیان کیا کہ محمد بن عبدویہ فرماتے تھے کہ میں نے فضیل کو فرماتے سنا:۔ لوگوں کی خاطر عمل ترک کر دینا ریا ہے۔ اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے۔ اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص بندے اور رب کے درمیان ایک راز ہے جسے نہ تو فرشتہ جان سکتا ہے، کہ لکھ لے۔ اور نہ شیطان کہ اسے خراب کر سکے۔ اور نہ خواہشِ نفس کہ اسے اپنی طرف مائل کر سکے۔

رویمؒ فرماتے ہیں:۔ اعمال میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا اپنے عمل کے عوض دنیا اور آخرت میں کوئی چیز نہ چاہے۔ اور نہ ہی دونوں فرشتوں (دائیں اور بائیں والے فرشتے) سے کوئی حصہ مانگے۔

کسی نے سہلؒ سے دریافت کیا کہ نفس پر کون سی چیز گراں ہے؟ فرمایا:۔ اخلاص۔ کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

کسی صوفی سے اخلاص کے متعلق کیا گیا تو فرمایا۔ کہ تو اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بنائیے۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن نماز سے پہلے سہل بن عبد اللہ کے پاس گیا۔ تو ان کے گھر

میں سانپ ہو گیا۔ میں نے ایک پاؤں آگے رکھا اور ایک پیچھے۔ تو انھوں نے فرمایا:۔ اندر آجاؤ۔ انسان اُس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ دنیا کی کسی چیز سے بھی ڈرتا رہے پھر فرمایا:۔ کیا تو جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہمارے اور مسجد کے درمیان تو ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔ اس پر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ مسجد دکھائی دی۔ ہم نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ پھر نکل آئے۔ سہل لوگوں کی طرف دیکھنے لگے جب مسجد سے نکل رہے تھے۔ ٹھہر گئے۔ پھر فرمایا:۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے والے تو بہت ہیں۔ مگر مخلص ان میں سے بہت نادر ہیں۔

ہم سے حمزہ بن یوسف الجرجانی نے کہا کہ محمدؒ بن محمدؒ بن عبدالرحیم نے ان سے کہا کہ ابوطالب محمدؒ بن زکریا المقدسی نے کہا کہ ابوترصافہ محمدؒ بن عبدالوہاب العسقلانی نے کہا کہ زکریا بن نافع نے کہا کہ محمدؒ بن یزید القراطیسی نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے روایت کی کہ مکحول نے فرمایا جو بندہ چالیس دن تک اخلاص سے عمل کرتا رہے گا۔ اس کے دل سے حکمت کے چشمے نکل کر زبان پر جاری ہو جائیں گے۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ انھوں نے محمدؒ بن عبداللہ بن شاذان سے سنا۔ انھوں نے عبدالرزاق سے سنا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے۔ دنیا میں نایاب ترین چیز اخلاص ہے۔ میں نے کئی بار اپنے دل سے ریا کو نکالنے کی کوشش کی مگر پھر وہ کسی اور رنگ میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور میں نے انہی سے سنا کہ نصرآبادی نے کہا کہ ابوجہم نے کہا کہ ابن ابی الحواری فرماتے تھے میں نے ابوسلیمان کو فرماتے سنا۔ جب بندے میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے تو وسوسوں کی کثرت نیز ریا اس سے منقطع ہو جاتی ہے۔

۲۷۔ صدق

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ
مسلمانو! اللہ سے ڈرو۔ اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

ہم سے امام ابوبکر محمدؒ بن فورک رحمۃ اللہ نے کہا کہ ان سے عبداللہ بن جعفر بن احمد الاصبہانی

نے کہا۔ اُن سے ابو بشر یونس بن حبیب نے کہا۔ کہ ان سے ابو داؤد الطیالسی نے کہا کہ اُن سے شعبہ نے، اُن سے منصور نے اور انھوں نے ابو وائل سے روایت کی کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

بندہ سچ بولتا اور سچ کا ارادہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے۔ اور بندہ جھوٹ بولتا۔ اور جھوٹ کا ارادہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اُسے کذاب لکھا جاتا ہے۔

استاد فرماتے ہیں :۔ سچائی دین کا ستون ہے۔ اسی کے ساتھ دین مکمل ہوتا ہے۔ اور اسی سے دین کا نظام ہے۔ اور نبوت کے بعد دوسرا درجہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ (الآیۃ) یہ وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن کو اللہ نے انعام سے نوازا ہے۔ مثلاً نبیین و صدیقین (الآیۃ) اسی صدق سے لفظ صادق مشتق ہوا ہے۔ اور لفظ صدیق اس سے مبالغہ کا کلمہ ہے۔ یعنی وہ شخص جو بہت سچ بولتا ہو۔ اور جس پر سچ غالب ہو۔ جس طرح لفظ سکیّر اور خمیّر وغیرہ۔

صدق کا ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔

صادق وہ ہے جو اپنے اقوال میں سچا ہو۔ اور صدیق وہ ہے جو اپنے تمام اقوال و افعال اور احوال میں سچا ہو۔

احمد بن خضرویہ فرماتے ہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ کے ساتھ ہو تو اسے سچ بولنے کو اپنے لئے لازم قرار دینا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ الفرغانی فرماتے تھے۔ کہ میں نے جنید سے سنا کہ فرماتے تھے۔ صادق ایک دن میں لاتعداد حالتیں بدلتا ہے۔ (اور افضل سے افضل تر حالت کو جاتا ہے) اور ریا کار ایک ہی حالت پر چالیس سال تک قائم رہتا ہے۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں :۔ صادق اگر اپنے دل کی بات ظاہر بھی کرنا چاہے تب بھی اس کی زبان ظاہر نہ کر سکے گی۔

کہا گیا ہے کہ اِن مواقع پر حق بات کہنا، جہاں حق بات کہنے سے موت نظر آتی ہو، صدق کہلاتا ہے۔

نیز کہا گیا ہے، دل اور زبان میں موافقت پائے جانے کا نام صدق ہے۔

قتادہ فرماتے ہیں: حرام کو منہ تک لے جانے سے روکنا صدق ہے۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ وہ فرماتے تھے میں نے ابو العباس البغدادی سے سنا کہتے تھے میں نے جعفر بن نصیر سے سنا، کہا میں نے الجریری سے سنا، کہا میں نے سہل بن عبد اللہ سے سنا، وہ فرماتے تھے۔ جو شخص اپنے نفس یا کسی اور کے ساتھ دھوکہ بازی کرتا ہے۔ وہ صدق کی بُو بھی نہیں سونگھ سکتا۔

ابو سعید قرشی فرماتے ہیں کہ صادق وہ ہے جس کے لئے موت تیار ہو مگر پھر بھی اسے اپنے راز کے کھل جانے کی شرم قطعاً محسوس نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ (اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کرو)

عبد اللہ بن منازل کی وفات کیسے ہوئی

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک روز ابو علی ثقفی وعظ فرما رہے تھے۔ ان سے (ابو محمد) عبد اللہ بن منازل نے کہا۔ اے ابو علی! موت کی تیاری کر لو۔ کیونکہ اس سے چھٹکارا نہیں۔ ابو علی ثقفی نے کہا:۔ اے عبد اللہ بن منازل تو موت کی تیاری کر لے۔ کیونکہ اس سے چھٹکارا نہیں۔ یہ الفاظ سن کر عبد اللہ نے اپنے بازو کو تکیہ بنایا اور اس پہ اپنا سر رکھ کر فرمایا۔ لو میں مرا اور مر گئے، (یہ حال دیکھ کر) ابو علی کٹ گئے۔ کیونکہ ان میں عبد اللہ کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی اس لئے کہ اُن کا اسباب دنیا سے دل لگا ہوا تھا۔ اور عبد اللہ حالتِ تجرید میں تھے۔ اور اُن کا دل (اسباب دنیا سے) لگا ہوا نہ تھا۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن کو فرماتے سنا۔ کہ ایک بار ابو العباس دینوری وعظ فرما رہے تھے کہ ایک بڑھیا مجلس میں چیخ اٹھی۔ آپ نے فرمایا: تو مر جا۔ یہ سن کر بڑھیا اٹھی، اس نے چند قدم اٹھائے۔ پھر اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہا: میں تو مر گئی۔ اور گری تو مری پڑی تھی۔

واسطی فرماتے ہیں:۔ قصد کے ہوتے ہوئے صحیح توحید صدق ہے۔

کہتے ہیں کہ عبد الواحد بن زید نے اپنے مریدوں میں سے ایک نوعمر کو دیکھا کہ اُس کا بدن دُبلا

ہو رہا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا۔ اے بچے! کیا تو ہمیشہ روزہ دار ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں ہمیشہ بے روزہ رہتا ہوں۔ انھوں نے پھر پوچھا: پھر تو لاغر کیوں ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ عشق دائمی اور پھر اس کا دائمی چھپائے رکھنا، یہ سُن کر عبدالواحد نے کہا۔ خاموش ہو جاؤ۔ تو کسقدر گستاخ ہے۔ یہ سُن کر بچہ اُٹھا اور اس نے دو قدم اٹھاتے اور کہا۔ خدایا! اگر میں سچا ہوں تو مجھے لے لے، اور گرتے ہی مر گیا۔

ابو عمر زجاجی سے حکایت کی گئی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ فوت ہو گئیں۔ ان کی وراثت میں مجھے ایک مکان ملا جسے میں نے پچاس دینار میں بیچ ڈالا اور میں حج کیلئے نکل پڑا جب بابل پہنچا تو مجھے ایک راہ روکنے والا ملا اور اس نے مجھے کہا تمہارے پاس کیا ہے میں نے دل میں کہا سچ بولنا بہتر ہے۔ لہٰذا میں نے اُسے کہا۔ کہ میرے پاس پچاس دینار ہیں۔ اس نے کہا لاؤ مجھے دو۔ میں نے اسے تھیلی دیدی اس نے جب انھیں گِنا تو ٹھیک پچاس دینار تھے، یہ دیکھ کر اس نے کہا، یہ واپس لے لو۔ تمہارے سچ بولنے نے مجھے لے لیا ہے۔ وہ پھر اپنے جانور سے اُترا اور مجھے اس پر سوار ہونے کو کہا۔ میں نے کہا میں سوار ہونا نہیں چاہتا۔ اس نے کہا یہ نہ ہو سکے گا، جب اس نے اصرار کیا۔ تو میں سوار ہو گیا۔ اور اس نے کہا کہ میں تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ دوسرے سال وہ میرے پاس آیا۔ اور مرتے دم تک میرے ساتھ رہا۔ میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا، کہ جعفر خواص نے کہا۔ ابراہیم خواص فرماتے تھے صادق کو تو جب بھی دیکھے گا۔ یا تو اُسے فرض ادا کرتا ہوا پائے گا۔ یا کسی مستحب کام میں اپنے رب کے لئے مشغول پائے گا۔

میں نے انہی سے سُنا کہ ابوالحسین بن مقسم[۸۵۳] نے کہا۔ جعفر خواص فرماتے تھے: میں نے جنید کو سُنا، فرماتے تھے کہ صدق کی حقیقت یہ ہے کہ تو اِن مواقع پر بھی سچ بولے، جن میں جھوٹ کے بغیر تمہاری نجات نہیں ہو سکتی۔

کہا جاتا ہے کہ صادق آدمی میں یہ تین باتیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ حلاوت، ہیبت اور رونق۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے داؤد! جو شخص اپنے دل میں مجھ سے سچ کہے گا، میں اسے علانیہ طور پر مخلوق کے سامنے سچا کر دکھاؤں گا۔

کہتے ہیں، کہ ابراہیم بن دَوحَہ[۸۵۴] کے ساتھ ابراہیم بن ستنبہ[۸۵۵] جنگل کو نکلے۔ ابراہیم بن ستنبہ نے کہا۔

تمہارے پاس دنیاوی علائق کی جو چیزیں ہیں، پھینک دو۔ ابراہیم بن دوحہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دینار کے علاوہ سب کچھ پھینک دیا۔ انھوں نے پھر کہا اے ابراہیم! میرے دل کو ان چیزوں کے ساتھ مشغول نہ کرو۔ دنیاوی تعلق کی جو چیزیں ہیں۔ انھیں پھینک دو۔ اس پر میں نے وہ دینار بھی پھینک دیا۔ انھوں نے پھر کہا:۔ اے ابراہیم! علائق دنیا کی جو چیز بھی تمہارے پاس ہے۔ اسے پھینک دو۔ مجھے یاد آگیا کہ میرے پاس جوتے کے لئے کچھ تسمے ہیں۔ چنانچہ میں نے انھیں بھی پھینک دیا۔ راستہ میں جب بھی مجھے جوتے کے لئے تسمے کی ضرورت پڑتی مجھے مل جاتا۔ اس پر ابراہیم بن ستنبہ نے فرمایا: جو شخص صدق دل سے اللہ کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

ذوالنون فرماتے ہیں:۔ صدق اللہ کی تلوار ہے جس پر بھی رکھی جاتی ہے۔ اُسے کاٹ دیتی ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ صدیقوں کی خیانت کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے نفس سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ (اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں۔

فتح موصلی سے صدق کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے لوہار کی بھٹی میں ہاتھ ڈال کر تپتا ہوا لوہا نکالا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ اور فرمایا:۔ یہ صدق ہے۔

یوسف بن اسباط فرماتے ہیں:۔ اگر میں ایک رات بھی صدق کے ساتھ اللہ سے معاملہ کر لوں تو یہ مجھے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ صدق یہ ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ اس طرح رہے جس طرح تو درحقیقت اپنے نفس کو دیکھتا ہے۔ یا تو اپنے نفس کو اس طرح دیکھے گویا تو لوگوں کے ساتھ ہے۔

حارث محاسبی سے پوچھا گیا کہ صدق کی کیا علامت ہے؟ تو فرمایا: صادق وہ شخص ہے جو اپنے دل کی اصلاح کی خاطر اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کی تمام قدر و منزلت جو مخلوق کے دل میں تھی نکل گئی ہے۔ اور نہ یہ پسند کرے کہ لوگ اس کی ذرہ بھر نیکی پر بھی مطلع ہو جائیں اور نہ اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کی بُرائی سے واقف ہو جائیں۔ کیونکہ یہ ناپسند کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگوں سے اور قدر و منزلت چاہتا ہے۔ اور یہ صدیقوں کا خلق نہیں ہے۔

ایک صوفی نے کہا کہ جو شخص دائمی فرض ادا نہیں کرتا اس کا وقتی فرض قبول نہ ہو گا۔

ان سے سوال کیا گیا کہ دائمی فرض کیا ہے؛ جواب دیا:۔ صدق۔

کہا جاتا ہے کہ جب تو اللہ تعالیٰ سے صدق کے ساتھ مانگتا ہے۔ تو وہ تجھے ایک ایسا آئینہ عطا کرے گا۔ جس میں تو دنیا اور آخرت کی ہر چیز کو دیکھ لے گا۔

کہا جاتا ہے کہ جہاں تجھے اس بات کا ڈر ہو کہ سچائی تجھے نقصان دے گی۔ وہاں بھی سچائی نہ چھوڑ۔ کیونکہ اس سے تجھے فائدہ حاصل ہوگا۔ اور جھوٹ کو چھوڑ دے۔ جہاں تجھے یہ خیال ہو کہ یہ تجھے سود مند ہوگا۔ کیونکہ درحقیقت یہ تجھے نقصان پہنچائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ ہر چیز ایک چیز ہے۔ مگر کذاب کی دوستی کوئی چیز نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جھوٹے آدمی کی علامت یہ ہے کہ وہ بغیر اس کے کہ اسے قسم کھانے کو کہا جائے۔ قسیں کھائے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں:۔ کلام اسقدر وسیع ہے کہ ظریف کے لئے جھوٹ بولنے کا موقعہ ہی نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سچ بولنے والا سوداگر مفلس نہیں ہوتا۔

۲۸۔ حیاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (کیا اُسے معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ دیکھ رہا ہے)

ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس الحیری المزکی نے کہا کہ اُن سے ابو سہل احمد بن محمد بن زیاد النحوی نے اُن سے، ابراہیم بن[۸۵۸] محمد بن الہیثم نے اُن سے، موسیٰ بن حیان[۸۵۹] نے کہا کہ اُن سے المقدسی[۸۶۰] نے اور انھوں نے عبداللہ بن عمر[۸۶۱] سے اور انھوں نے نافع[۸۶۲] سے اور انھوں نے ابن عمر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (حیاء ایمان کا جزو ہے)

ابوسعید محمد بن ابراہیم الاسماعیلی نے ہم سے بیان کیا کہ ابوعثمان، عمر بن عبداللہ البصری نے، ان سے ابو احمد محمد بن عبدالوہاب نے، ان سے یعلی بن عُبید[۸۶۳] نے، اُن سے ابان بن[۸۶۴] اسحٰق نے۔ ان سے الصباح[۸۶۵] بن محمد نے، اُن سے مرۃ الہمدانی[۸۶۶] نے، ابن مسعود سے روایت کی کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے اس قدر حیا کرو جو حیا کرنے کا حق ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ ہم حیا کرتے ہیں، الحمد للہ۔

آپ نے فرمایا:۔ یہ حیا نہیں ہے۔ لیکن جو اللہ سے جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے۔ حیا کرنا چاہے۔ اسے اپنے اور سر کے اندر کی چیزوں (کان، آنکھ۔ زبان) کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ پیٹ اور پیٹ میں جو چیزیں شامل ہیں (فرج وغیرہ) کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ موت اور بوسیدگی کو یاد رکھنا چاہیے۔ اور جو شخص آخرت چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے جس نے ایسا کیا اس نے اللہ سے حیا کیا۔ جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ ابو نصر[۶۸] اوزیری نے بیان کیا۔ کہ محمد بن عبیداللہ بن محمد نے کہا۔ کہ الغلابی[۶۹] نے کہا۔ کہ محمد بن[۷۰] مخلد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ایک حکیم کا قول ہے۔ کہ تم ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر حیا کو زندہ رکھا کرو۔ جن سے انسان کو حیا آئے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر الرازی فرماتے تھے کہ میں نے ابن عطا کو فرماتے سنا ہیبت اور حیا سب سے بڑا علم ہے۔ جب ہیبت اور حیا جاتی رہے تو پھر کوئی بھلائی باقی نہیں رہتی۔

اور میں نے ان سے سنا کہ ابوالفرج الورثانی نے کہا۔ محمد بن احمد بن یعقوب[۷۱] نے بیان کیا کہ محمد بن عبدالملک[۷۲] فرماتے تھے کہ میں نے ذوالنون مصری سے سنا، فرماتے تھے۔ کہ دل میں ہیبت کا پایا جانا اور اس کے ساتھ ان بداعمالیوں کی وجہ سے جو اللہ کی جانب سے تجھ سے سرزد ہو چکی ہیں۔ خوف کھانا، حیا ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں محبت گویا بناتی ہے۔ حیا خاموش کرتی ہے۔ اور خوف بے چین کرتا ہے۔

ابوعثمانؒ فرماتے ہیں۔ جو شخص حیا پر گفتگو کرے اور اسے اس بات سے شرم نہ آئے کہ کس بات پر گفتگو کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ شخص استدراج کی حالت میں ہے۔

میں نے ابوبکر اشکیب کو فرماتے سنا کہ حسن بن[۷۳] حداد، عبداللہ بن منازل کے پاس آئے انہوں پوچھا۔ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابوالقاسم مذکر کی مجلس سے۔ پھر پوچھا:۔ کیا وعظ فرما رہے تھے؟ جواب دیا: حیا کے متعلق۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا: تعجب کی بات ہے کہ جو شخص اللہ سے شرم نہیں کرتا وہ حیا کے متعلق وعظ کیونکر کہتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، انھوں نے کہا کہ العباس البغدادی نے کہا۔ کہ احمد بن صالح نے کہا کہ محمد بن عبدون نے کہا کہ ابو العباس المؤدب فرماتے تھے۔ کہ سری نے فرمایا۔ حیا اور انس دل کے دروازہ پر دستک دیتے ہیں۔ اگر اس میں زہد و ورع پائے جاتے ہیں تو ڈیرہ ڈال دیتے ہیں۔ ورنہ کوچ کر جاتے ہیں۔

اور میں نے اُن سے سنا کہ محمد بن عبداللہ بن شاذان فرماتے تھے۔ کہ میں نے جریری کو یہ فرماتے سنا کہ قرن اول کا آپس میں معاملہ دین کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ دین کا معاملہ کمزور ہوگیا۔ پھر قرنِ ثانی کا معاملہ وفا کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ وفا جاتی رہی۔ پھر قرنِ ثالث کا معاملہ مروّت کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ مروت بھی جاتی رہی۔ پھر قرنِ چہارم کا معاملہ حیا کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ حیا بھی جاتی رہی۔ پھر لوگ لالچ اور ڈر کے ساتھ معاملہ کرتے رہے۔

"برہان ربہٖ" کی تشریح

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ میں بُرہان کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ گھر کے ایک کونہ میں بُت تھا جس پر زلیخا نے کپڑا ڈال دیا تھا۔ یہ دیکھ کر یوسف علیہ السلام نے کہا کہ تو یہ کیا کر رہی ہے؟ زلیخا نے جواب دیا کہ مجھے اس سے حیا آتی ہے۔ اس پر یوسف علیہ السلام نے کہا، کہ میں تم سے بڑھ کر اللہ سے حیا کرنے کا حقدار ہوں۔

"تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ" کی تشریح

اللہ تعالیٰ کا فرمان فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی بیٹی اس لئے شرمائی کہ وہ انھیں ضیافت کی دعوت دینے کو آئی تھی۔ اسے شرم آئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نہ مانیں۔ میزبان کا خاصہ ہے کہ وہ شرمائے۔ اور یہ اُن کی طرف سے حیا، کرم تھا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن الحسین نے ان سے ابو محمد البلاذری نے اُن سے ابو عبداللہ العمری نے۔ اُن سے احمد بن ابی الحواری نے فرمایا کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا، فرماتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندے! جب تک تو مجھ سے حیا کرتا رہے گا۔ میں تمہارے عیوب لوگوں کے (دلوں سے) بُھلا دوں گا اور زمین کے حصوں سے تمہارے گناہ بُھلا دوں گا، اور ام الکتاب (لوح محفوظ) سے تمہاری لغزشیں مٹا دوں گا۔ اور قیامت

کے دن حساب کرنے میں تم سے سختی نہ کروں گا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص کو مسجد کے باہر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا۔ کسی نے اس سے کہا کہ مسجد کے اندر جا کر کیوں نہیں نماز پڑھتا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ باوجود اس کے کہ میں نے اس کی نافرمانی کی ہے میں اس کے گھر میں داخل ہوؤں۔

کہتے ہیں کہ حیا کرنے والے کی نشانی یہ ہے کہ اُسے ایسی حالت میں نہ دیکھا جائے جس سے شرم آئے۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ ایک رات ہم نکلے۔ اور ایک جنگل سے گذرے۔ دیکھا کہ ایک شخص سویا پڑا ہے۔ اور اس کے سر کے پاس گھوڑا چر رہا ہے۔ ہم نے اسے جگایا اور کہا کہ تجھے ایسی خطرناک جگہ پر سونے سے ڈر نہیں لگتا۔ یہ مقام تو درندوں کا ہے۔ اس نے سر اُٹھایا اور کہا مجھے تو اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں اس کے سوا کسی اور سے ڈروں۔ اور پھر سر رکھ کر سو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو۔ اگر یہ قبول کرلے، پھر لوگوں کو نصیحت کرو۔ ورنہ مجھ سے شرم کرو۔ کہ تم لوگوں کو نصیحت کرتے ہو۔ (اور خود عمل نہیں کرتے)

کہتے ہیں کہ حیاء کی کئی قسمیں ہیں۔ (۱) قصور کی حیاء۔ جیسے آدم علیہ السلام کو جب انھیں کہا گیا کہ ہم سے بھاگ رہے ہو؟ تو انھوں نے عرض کیا، نہیں، بلکہ تم سے حیاء کر رہا ہوں۔ (۲) کوتاہی کی حیاء۔ جیسے ملائکہ کا یہ کہنا سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (تو پاک ہے اے خدا! ہم نے جو عبادت کا حق ہے وہ ادا نہیں کیا۔) (۳) تعظیم کی حیاء۔ جیسے اسرافیل کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہوئے اپنے پر کو اپنے اُوپر اوڑھ دیا۔ (۴) حیاء کرم۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی امت سے شرم کے مارے یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ اب چلے جاؤ۔ جس پر اللہ تعالیٰ کو یہ حکم دینا پڑا۔ وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ (باتوں میں مگن نہ ہو جایا کرو) (۵) احترام کی حیاء۔ جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ۔ انھوں نے مقداد[۱] کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، تاکہ وہ آنحضرتؐ سے مذی کے متعلق دریافت کریں کہ اس کا کیا حکم ہے۔ (یعنی مقداد کو بھیجا۔ اور خود نہ پوچھا) کیونکہ آپ کے گھر میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی) فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ (۶) حیاء استحقار۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال کہ انھوں نے عرض کیا کہ مجھے دنیا کی کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو خدایا مجھے شرم آتی ہے کہ میں تجھ سے (دنیا کی حاجت چاہوں) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مانگ خواہ آٹے کا نمک

ہی کیوں نہ ہو۔ یا تمہاری بگڑی کا چارہ ہی کیوں نہ ہو (۷) احیاء انعام، اور یہ اللہ تعالیٰ کی حیاء ہے۔ قیامت کے دن جب بندہ صراط کو عبور کر چکے گا۔ تو اُسے سر بمہر نامہ دیا جائے گا۔ اس میں لکھا ہو گا۔ کہ تو نے ایسا ایسا کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس کا اظہار تجھ سے کروں۔ جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔

حیاء انعام کے سلسلہ میں میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ یحییٰ بن معاذ نے فرمایا پاک ہے وہ خدا کہ گناہ تو بندہ کرے۔ اور وہ اس سے شرم کرے۔

میں نے محمد بن الحسین سے، انھوں نے عبداللہ بن احمد بن جعفر[۸۸۰] سے انھوں نے زنجویہ اللباد[۸۸۱] سے انھوں نے علی بن الحسین[۸۸۲] الہلالی سے، انھوں نے ابراہیم بن الاشعث[۸۸۳] سے۔ فرماتے تھے۔ میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے سنا۔ کہ پانچ چیزیں بدبختی کی علامت ہیں۔ (۱) سنگ دلی (۲) آنکھوں کا آنسو نہ بہانا۔ (۳) بے حیائی (۴) دنیا کی رغبت اور (۵) لمبی آرزوئیں کرنا۔

اللہ کی کسی الہامی کتاب میں ہے:۔ مجھ سے میرے بندے نے انصاف نہیں کیا۔ کیونکہ وہ مجھے پکارتا ہے۔ تو مجھے اُسے رد کرنے سے شرم آتی ہے۔ مگر وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ اور پھر مجھ سے شرم نہیں کرتا۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں۔ جس نے اطاعت گذاری کرتے ہوئے بھی اللہ سے حیاء کیا جب وہ گناہ کرتا ہو گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے شرم کرے گا۔

استاد فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ حیاء پگھلانے کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حیاء یہ ہے کہ آقا کو اطلاع ہونے پر انتڑیاں پگھل جائیں۔

نیز کہا جاتا ہے کہ حیاء یہ ہے کہ اللہ کی تعظیم کے لئے دل سکڑ جائے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص لوگوں کو وعظ کرنے کے لئے بیٹھتا ہے تو اس کے دونوں فرشتے اُسے پکار کر کہتے ہیں:۔ جو نصیحت تو اپنے بھائی کو کر رہا ہے۔ پہلے اپنے آپ کو کر۔ ورنہ اپنے آقا سے شرم کر۔ کیونکہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

جنیدؒ سے حیاء کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ (ایک طرف) اللہ کی نعمتوں کو دیکھنا۔ اور دوسری طرف، اپنی کوتاہی کو دیکھنا۔ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان جو حالت پیدا ہو گی وہی حیاء ہے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں۔ جس کسی نے اللہ کی کسی حد کو توڑا۔ یا اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑا اس نے حیاء کا مزہ نہیں چکھا۔

نیز واسطیؒ فرماتے ہیں کہ حیاء کرنے والے سے ایک قسم کا پسینہ بہتا ہے۔ اور یہ پسینہ وہ بیکار چیزیں ہیں جو اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اور جب تک ان میں سے کچھ بھی نفس کے اندر رہ جاتا ہے۔ وہ شخص کامل حیاء نہیں کر سکتا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سُنا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرنا حیاء کو ترک کر دینا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ الصوفی نے کہا۔ کہ ابو العباس بن الولید الزوزنی نے کہا کہ محمد بن احمد الجوزجانی فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابوبکر وراق کو فرماتے سنا۔ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں مگر ختم کرتا ہوں تو حیاء کے سبب میری یہ کیفیت ہوتی ہے گویا میں نے نماز نہیں پڑھی بلکہ چوری کی ہے۔

۲۹۔ حرّیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَیُؤْثِرُوْنَ عَلیٰٓ اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ۔ یہ لوگ دوسروں کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انھیں خود اس کی حاجت ہی کیوں نہ ہو۔

استاد فرماتے ہیں کہ یہ اپنی ذات پر انھیں ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ اُن چیزوں سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں۔ جن سے یہ خود نکل آئے۔ اور انھوں نے اوروں کو ان پر ترجیح دی۔

علی ابن احمد الاحوازی نے کہا ان سے احمد بن عبید البصری نے ان سے ابن ابی قماش نے ان سے محمد بن صالح بن النطاح نے کہا۔ ان سے نعیم بن مورع بن توبہ نے، اسمٰعیل المکی سے ان سے عمرو بن دینار نے، ان سے طاؤس نے، اُن سے ابن عباس نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تمہارے لئے تو صرف اسی قدر کافی ہے جس سے تمہارا نفس قناعت کرلے۔ کیونکہ تم صرف چار ہاتھ اور ایک بالشت زمین میں جاؤ گے۔ اس لئے کہ فیصلہ تو انجام پر ٹھہرتا ہے۔

استاد فرماتے ہیں:۔ حرّیت یہ ہے کہ بندہ نہ مخلوق کی غلامی میں رہے۔ اور نہ ہی دنیا کی

چیزوں کا اس پر تسلط ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں چیزوں کا امتیاز نہ رہے۔
چنانچہ اعراض دنیا کی قدر و منزلت اس کے نزدیک ایک جیسی ہو۔

حارثہ(۹۹۳) نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا، کہ میرا نفس دنیا سے اعراض کر چکا ہے۔ چنانچہ اب پتھر اور سونا میرے نزدیک برابر ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق ؒ کو فرماتے سُنا:۔ جو دنیا میں ایسی حالت میں داخل ہو کہ وہ دنیا سے آزاد ہے۔ وہ جب کوچ کر کے آخرت کو جائے گا۔ تو اس سے بھی آزاد ہو گا۔

میں نے محمد بن الحسین سے انہوں نے ابو محمد المراغی(۹۹۴) سے سنا کہ ان سے الرقی نے روایت کی کہ الدقاق فرمایا کرتے تھے، کہ جو دنیا میں دُنیا سے آزاد ہو گا۔ وہ آخرت میں بھی آزاد ہو گا۔

استاد ؒ فرماتے ہیں:۔ یاد رکھو کہ حقیقی آزادی کامل عبودیت میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کی عبودیت خالصتہً للہ ہو تو اس کی حریت غیر اللہ کی غلامی سے نجات پا جائے گی۔

مگر جس شخص کا یہ خیال ہو کہ بندہ کے لئے لحظہ اوقات عبودیت کا پٹہ اتار دینے کی اجازت ہے۔ نیز یہ کہ وہ تھوڑے عرصہ کے لئے اللہ کے اوامر و نواہی سے بے تعلق ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ وہ اس دار تکلیف (دنیا) میں ایک ممتاز ہستی ہے۔ اس زعم کے ساتھ کہ وہ ربوبیت میں مشغول ہے، تو جان لو کہ یہ دین سے نکلنے کے برابر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے فرماتا ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (مرتے دم تک اللہ کی عبادت کرتے رہیں) یقین کے معنی موت کے ہیں۔ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ جس حریت کی طرف صوفیاء نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے دل میں مخلوقات کی کسی چیز کی غلامی میں نہ پڑے خواہ وہ دنیا کی چیز ہو یا آخرت کی۔ تا کہ وہ خدائے یکتا کے لئے فرد واحد ہو جائے۔ نہ تو موجودہ دنیا اسے غلام بنا سکے نہ کوئی موجودہ خواہش، نہ آئندہ کی کوئی آرزو، نہ سوال، نہ حاجت اور نہ کوئی حصہ۔

شبلی ؒ سے کسی نے کہا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ رحمٰن ہے؛ فرمایا:۔ کیوں نہیں۔ مگر جب سے میں نے اس کی رحمت کو پہچانا ہے۔ میں نے اس سے رحم کرنے کی درخواست ہی نہیں کی۔ (تا کہ مجھ پر غیر اللہ کی آرزو ہی نہ رہے) اور حریت کا مقام کمیاب ہے۔

میں نے شیخ ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ابو العباس سیاری فرمایا کرتے تھے کہ اگر قرآن کے بغیر نماز درست ہو سکتی تو اس شعر سے ہوتی ؎

أَتَمَنّیٰ عَلَى الزَّمَانِ مُحَالاً ۔ اَنْ تَرَىٰ مُقْلَتَایَ طَلْعَةَ حُرٍّ

میں زمانہ سے محال بات کی تمنا کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو دیکھوں جو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو۔

اب رہے حریت کے بارے میں صوفیہ کے اقوال تو حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں:۔ جو شخص حریت کا ارادہ کرتا ہے اسے لگاتار عبودیت میں لگا رہنا چاہیئے۔

جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ جس کا دنیا سے صرف اتنا تعلق باقی رہ گیا ہو جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا چوسنا تو فرمایا۔ مکاتب غلام کے ذمہ جب ایک درہم بھی باقی ہو وہ غلام ہے۔ (لہٰذا یہ شخص بھی ابھی تک غلام ہے۔)

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ انھوں نے ابوبکر الرازی سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ ابو عمر الانماطی فرماتے تھے کہ میں نے جنید سے سنا، فرماتے تھے جب تک تم میں حقیقت عبودیت میں سے ذرہ بھر فرق باقی رہ گیا ہو تب تک تو خالص آزاد نہیں ہو سکتا۔

بشر حافی فرماتے ہیں جو شخص حریت کا ذائقہ چکھنا چاہے۔ اور (غیر اللہ کی) غلامی سے آرام پانا چاہیئے۔ اسے اپنے اور اللہ کے درمیان اپنا باطن پاک کر لینا چاہیئے (کہ کہیں درمیان میں غیر اللہ تو نہیں)

حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں۔ جب بندہ عبودیت کے تمام مقامات طے کر لیتا ہے تو وہ عبودیت کی تکان سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور بلا تکلیف کے وہ عبودیت کی صفت سے موسوم رہتا ہے اور یہ مقام انبیاء و صدیقین کا مقام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حامل نہیں رہتا بلکہ محمول ہو جاتا ہے۔ اس کے دل پر کوئی بار نہیں ہوتا۔ اگرچہ شرعی طور پر اس کے ساتھ موصوف ہوتا ہے

شیخ ابو عبدالرحمٰن نے مجھے یہ شعر سنایا اور کہا کہ مجھے یہ شعر ابوبکر رازی نے سنایا اور کہا (۹۲) منصور فقیہ نے اپنا یہ شعر مجھے سنایا:۔

مَا نَبْتَغِی فِی الدُّنیٰ حُرٌّ ۔ لَا وَلَا فِی الْجِنِّ حُرٌّ

قَدْ مَضَیٰ حُرُّ الْفَرِیقَیْنِ فَحُلْوُ الْعَیْشِ مُرٌّ

نہ انسانوں میں کوئی آزاد باقی ہے۔ نہ جنوں میں۔ دونوں گروہوں کے لوگ چل بسے۔ لہٰذا اب
میٹھی زندگی کڑوی معلوم ہوتی ہے۔

یاد رکھیں کہ حریت کے بیشتر اوصاف فقراء کی خدمت کرنے میں پائے جاتے ہیں۔

میں نے شیخ ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی
کہ جب تو ایسا شخص دیکھے جو میرا طالب ہے تو اس کا خادم بن جا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ "سیّد القوم خادمھم" قوم کا سردار وہ ہوتا
ہے۔ جو اُن کا خادم ہو۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن ابراہیم بن الفضل نے کہا کہ محمد بن الرومی فرماتے تھے۔
کہ میں نے یحییٰ بن معاذ کو یہ فرماتے سنا کہ دنیا کے لوگوں کی خدمت کرنے والے لونڈیاں اور
غلام ہوتے ہیں مگر آخرت کے لوگوں کی خدمت کرنے والے آزاد اور نیک لوگ
ہوتے ہیں۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن عثمان بن یحییٰ نے کہا کہ علی بن محمد المصری نے کہا
کہ یوسف بن موسیٰ(۸۹۳) نے کہا کہ ابن خبیق نے کہا کہ محمد بن عبداللہ فرماتے تھے کہ میں نے ابراہیم
بن ادھم کو فرماتے سُنا کہ آزاد شریف انسان دنیا سے نکلنے سے پہلے دنیا سے نکل چکتا ہے۔

نیز ابراہیم بن ادھم نے فرمایا: آزاد اور شریف انسان جو بات سنے مگر کلام نہ کرے۔
اس کی سمعت کے سوا کسی کی صحبت میں نہ بیٹھے۔

۳۰- ذکر (۸۹۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ مسلمانو!
اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

ابو الحسین علی بن محمد بن عبداللہ بن بشران نے بغداد میں کہا کہ ابو علی الحسین(۸۹۵) بن صفوان البرذعی
نے ان سے کہا۔ کہ ابوبکر عبداللہ(۸۹۶) بن ابی الدنیا نے اُن سے، ہرون بن معروف(۸۹۷) نے کہا۔ ان سے انس
بن عیاض(۸۹۸) نے اُن سے عبداللہ بن سعید(۸۹۹) بن ابی ہند نے زیاد(۹۰۰) بن ابی زیاد سے روایت کی کہ ابی بحریہ(۹۰۱)

نے بیان کیا کہ ابوالدرداء[۹۰۳] فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ تمہارے کون سے اعمال اللہ کے نزدیک بہترین زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجات کو زیادہ بلند کرنے والے ہیں ۔ اور سونا اور چاندی خیرات کرنے سے بھی اعلیٰ و افضل ہیں ۔ نیز اس سے بھی افضل کہ تم دشمن سے جہاد میں ملو، تم ان کی گردنیں اڑاؤ۔ اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں " صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ کونسا عمل ہے؟ فرمایا :۔ اللہ کا ذکر۔

ابو نعیم عبد الملک بن الحسین نے بیان کیا کہ یعقوب[۹۰۳] بن اسحٰق بن ابراہیم نے کہا کہ الدبری[۹۰۴] نے عبدالرزاق[۹۰۵] سے روایت کی کہ انھوں نے معمر سے ، انھوں نے الزہری سے کہا کہ انھوں نے ثابت[۹۰۶] سے ، اور انھوں نے انس سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ اللہ اللہ کہنے والے کسی شخص پر قیامت نہ آئے گی ۔ (یعنی قیامت جب آئے گی تو دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہو گا ۔

علی بن احمد بن عبدان نے ہم سے بیان کیا کہ ان سے احمد بن عبید نے اور ان سے معاذ[۹۰۷] نے بیان کیا کہ میرے باپ نے مجھے بتایا کہ حمید[۹۰۸] نے کہا کہ ان سے انس بن مالک نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت برپا ہو گی جب دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے گا۔

استادؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذکر ایک قوی رکن ہے بلکہ اس پر سارا دارو مدار ہے اور ذکرِ دوام کے بغیر کوئی شخص اللہ تک نہیں پہنچ سکتا ۔

ذکر دو قسم پر منقسم ہے ۔ زبان کا ذکر اور دل کا ذکر، زبان کے ذکر کے ذریعے سے ہی انسان دل کے ذکر کو دائم رکھ سکتا ہے ۔ مگر تاثیر دل کے ذکر کی ہے ۔ لہٰذا جو بندہ زبان اور دل دونوں سے ذکر کرتا ہو وہ سلوک کی حالت میں اپنے وصف میں کامل ہے ۔

میں نے استاد ابو علی دقاق ؒ کو فرماتے سنا کہ ذکر ولایت کا پروانہ ہے ۔ لہٰذا جسے ذکر کرنے کی توفیق مل جائے اُسے پروانہ مل گیا ۔ اور جس سے ذکر چھن گیا وہ معزول ہو گیا ۔

کہتے ہیں کہ شبلیؒ ابتداء سلوک میں ہر روز ایک تہ خانہ میں چلے جاتے اور اپنے ساتھ چھڑیوں کا گٹھا لے جاتے ۔ جب ان کے دل میں غفلت طاری ہوتی تو ان چھڑیوں سے اپنے آپ کو

مارتے، یہاں تک وہ ٹوٹ جاتیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رات ہونے سے پہلے یہ چھڑیاں ٹوٹ جاتیں تو آپ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو دیوار سے مارتے۔

کہا جاتا ہے کہ دل کا ذکر مریدین کے لئے تلوار ہے۔ اس سے وہ اپنے دشمنوں سے لڑتے اور اُن آفتوں کو دُور کرتے ہیں جو اُن پر آتی ہیں۔ اور جب بندے کا امتحان آپڑتا ہے تو اگر وہ اپنے دل سے اللہ کے ساتھ پناہ لیتے ہیں تو ہر بات جسے وہ ناپسند کرتے ہیں، فوراً دُور ہو جاتی ہے۔

واسطیؒ سے ذکر کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ غلبۂ خوف اور شدت محبت کے ہوتے ہوئے غفلت کے میدان سے نکل کر مشاہدہ کی فضا میں جانا، ذکر ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا، انھوں نے عبداللہ بن الحسین سے سُنا۔ انھوں نے البلاذری سے سنا کہ عبدالرحمٰن بن بکر (۹۰۹) فرماتے تھے۔ کہ میں نے ذوالنون مصری کو فرماتے سنا جس نے حقیقی طور پر اللہ کو یاد کیا وہ اس کے ذکر کے مقابلہ میں ہر چیز کو بھول جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی ہر چیز کی حفاظت کرے گا۔ اور یہ ذکر اس کے لئے ہر چیز کا نعم البدل ہو گا۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ المعلم نے کہا کہ احمد المسعدی فرماتے تھے کہ ابو عثمان سے کسی نے سوال کیا کہ ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر اپنے دل میں حلاوت نہیں پاتے۔ فرمایا اللہ کی تعریف اور شکر کرو کہ اس نے تمہارے عضو کو اپنی عبادت سے مزیّن کر رہا ہے۔

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم جنت کی کیاریاں دیکھو تو تم ان میں چرنے لگ جاؤ۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ریاض جنت کیا چیز ہے؟ فرمایا:۔ مجالس ذکر۔

ہم سے ابوالحسین بن بشران نے بغداد میں کہا کہ ان سے ابو علی بن صفوان (۹۱۰) نے کہا کہ الحسین (۹۱۱) بن ابی الدنیا نے ان سے کہا کہ الہیثم (۹۱۲) بن خارجہ نے ان سے کہا۔ کہ اسمٰعیل (۹۱۳) بن عیاش نے عمر بن عبداللہ (۹۱۴) سے روایت کی کہ خالد بن عبداللہ (۹۱۵) بن صفوان نے ان سے بیان کیا۔ جابر بن عبداللہ فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر ہمارے پاس آئے اور فرمایا:۔ لوگو! "ریاض جنت" میں چرلو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! "ریاض جنت" کیا چیز ہے؟ فرمایا:۔ مجالس ذکر۔ فرمایا صبح کو کرو۔ یا شام کو ذکر کہتے رہو۔ جو شخص اللہ کے یہاں اپنی منزلت معلوم کرنا چاہے۔ اسے دیکھ لینا چاہیئے

کہ اس کے نزدیک اللہ کی کیا منزلت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس مقام پر رکھتا ہے، جہاں بندہ اپنے آپ کو رکھتا ہے۔

اور میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد الفراد فرماتے تھے کہ میں نے شبلیؒ کو فرماتے سنا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا جو مجھے یاد کرے، میں اس کا ہم نشین ہو جاتا ہوں۔ بتاؤ تم نے حق تعالیٰ کی ہمنشینی سے کیا حاصل کیا۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبد اللہ بن[۹۱۵] موسیٰ السلامی فرماتے تھے۔ کہ میں نے شبلیؒ کو اپنی مجلس میں شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

ذَکَرْتُکَ لَا اَنِّیْ نَسِیْتُکَ لَمْحَۃً — وَاَیْسَرُ مَا فِی الذِّکْرِ ذِکْرُ لِسَانِیْ
وَکِدْتُ بِلَا وَجْدٍ اَمُوْتُ مِنَ الْھَوٰی — وَھَامَ عَلَیَّ الْقَلْبُ بِالْخَفَقَانِ
فَلَمَّا اَرَانِی الْوَجْدُ اَنَّکَ حَاضِرِیْ — شَھِدْتُکَ مَوْجُوْدًا بِکُلِّ مَکَانِ
فَخَاطَبْتُ مَوْجُوْدًا بِغَیْرِ تَکَلُّمٍ — وَلَاحَظْتُ مَعْلُوْمًا بِغَیْرِ عِیَانِ

میں نے تمہیں یاد کیا۔ اس لئے نہیں کہ میں تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی بھول گیا تھا۔ اور میری یاد میں سب سے معمولی بات زبان کی یاد ہے۔
میں عشق کی وجہ سے وجد کے بغیر ہی مرنے کو تھا۔ اور میرا دل دھڑکنے کی وجہ سے پریشان رہا۔
جب میرے وجد نے مجھے دکھا دیا کہ تو میرے پاس موجود ہے۔ تو میں نے تمہیں ہر جگہ موجود پایا۔
لہٰذا میں نے بغیر کلام کے موجود (محبوب) سے کلام کیا۔ اور آنکھوں سے دیکھے بغیر معلوم کو دیکھ لیا۔

ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کوئی معین وقت نہیں بلکہ بندے کو ہر وقت اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے۔ خواہ فرض کے طور پر، خواہ استحباب کے طور پر۔ نماز اگرچہ تمام عبادتوں سے اشرف ترین عبادت ہے۔ مگر بعض وقتوں میں اس کا ادا کرنا جائز نہیں۔ اور ذکر بالقلب عام حالات میں ہمیشہ جاری رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ - جو لوگ اٹھتے بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

میں نے امام ابوبکر بن فورکؒ سے فرماتے سنا کہ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ ذکر کو ایسا ادا کرتے ہیں۔ جو ادا کرنے کا حق ہے۔ مگر اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی کو استاد ابو علی دقاقؒ سے سوال کرتے ہوئے سنا۔ کیا ذکر میں زیادہ کمال پایا جاتا ہے یا فکر میں؟ استاد ابو علی دقاقؒ نے فرمایا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں؟ شیخ ابو عبدالرحمن فرمانے لگے۔ کہ میرے نزدیک تو ذکر فکر سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ذکر کی صفت بیان کی جاتی ہے۔ مگر فکر کی نہیں۔ لہٰذا جو صفت حق تعالیٰ کے لئے ہو وہ اس صفت کے مقابلہ میں جو صرف مخلوق کے لئے مخصوص ہو زیادہ کامل ہوگی۔ اس جواب کو استاد ابو علیؒ نے پسند کیا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے سنا۔ کہ محمدؒ بن عبداللہ فرماتے تھے کہ میں نے کتانی کو فرماتے سنا۔ اگر اللہ کا ذکر مجھ پر فرض نہ ہوتا۔ تو میں اس کی تعظیم کی وجہ سے اس کا ذکر نہ کرتا۔ بھلا میرے جیسا انسان جس نے اپنا منہ ایک ہزار مقبول توبہ کے ساتھ نہ دھویا ہو۔ اللہ کا ذکر کیسے کرسکتا ہے؟

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو کسی کے یہ شعر پڑھتے سنا:۔

مَا اِنْ ذَکَرْتُکَ اِلَّا ھَمَّ یَزْجُرُنِیْ قَلْبِیْ وَسِرِّیْ وَرُوْحِیْ عِنْدَ ذِکْرَاکَا

حَتّٰی کَاَنَّ رَقِیْبًا مِّنْکَ یَھْتِفُ بِیْ اِیَّاکَ وَیْحَکَ وَالتَّذْکَارَ اِیَّاکَا

میں جب بھی تجھے یاد کرتا ہوں تو اس وقت میرا دل، میرا باطن اور میری روح مجھے ڈانٹنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ تمہارا محافظ پکار کر کہہ رہا ہے خبردار اس کا ذکر نہ کرنا! ذکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا تذکرہ ذکر کے مقابلہ میں ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ۔ تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے آپ کی امت کو جو کچھ دیا ہے۔ میں نے کسی امت کو نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا:۔ اے جبرئیل! وہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس امت کے سوا کسی امت سے نہیں کہی۔

کہا جاتا ہے کہ ملک الموت، ذکر کرنے والے سے اس کی روح کو قبض کرنے سے پہلے اس سے مشورہ کر لیتا ہے۔

ایک الہامی کتاب میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا:۔ اے رب! تو کہاں رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے

نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتایا کہ میں اپنے مومن کے دل میں رہتا ہوں۔ اس رہنے سے مراد دل میں ذکر کا سکونت پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ ہر قسم کی سکونت اور حلول سے مبرا ہیں یہاں محض ذکر اور حصول ذکر کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ فارسی کہتے تھے۔ نوریؒ فرماتے تھے[۹۱۷]: میں نے ذوالنون سے ذکر کے متعلق سوال کیا۔ انھوں نے کہا ذکر یہ ہے کہ ذاکر (اسقدر ذکر میں محو ہو جائے) کہ اسے ذکر کی خبر نہ ہو۔ پھر یہ شعر پڑھا:-

لَا لِاَنِّی اَنْسَاکَ اُکْثِرُ ذِکْرَاکَ   وَلٰکِنْ بِذَاکَ یَجْرِیْ لِسَانِیْ

میں تمہارا ذکر کثرت سے کرتا ہوں۔ یہ اس لیے نہیں کرتا کہ میں تمہیں بھول جاتا ہوں۔ بلکہ اس لیے کہ میری زبان (کسی اور کی یاد میں یا کسی اور کام کے لیے نہیں چلتی) صرف تمہارے ہی ذکر میں چلتی ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ جو دن گزرتا ہے حق سبحانہٗ پکارتے ہیں۔ اے میرے بندے! تو نے مجھ سے انصاف نہیں کیا۔ میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔ مگر تو مجھے بھول جاتا ہے۔ میں تمہیں اپنی طرف بلاتا ہوں۔ مگر تو دوسروں کی طرف جاتا ہے۔ میں تمہارے مصائب دور کرتا ہوں تو خطاکاری پر ڈٹا رہتا ہے۔ اے ابن آدم! کل قیامت کو جب تو میرے پاس آئے گا تو تو کیا کہے گا؟

سلیمان دارانی فرماتے ہیں جنت کی زمین ہموار ہے۔ جب ذاکر ذکر کرنے لگتا ہے تو ملائکہ اس میں درخت لگاتے ہیں جب کبھی کوئی فرشتہ ٹھہر جاتا ہے۔ تو دوسرے پوچھتے ہیں۔ کہ تو کیوں ٹھہر گیا؟ وہ کہتا ہے کہ میرا انسان (جس کے لیے میں درخت لگا رہا ہوں) سست ہو گیا ہے۔

حسنؒ[۹۱۸] فرماتے ہیں:- تین چیزوں میں حلاوت ڈھونڈا کرو۔ نماز میں۔ ذکر میں اور تلاوت قرآن میں۔ اگر تمہیں حلاوت حاصل ہو فبہا۔ ورنہ سمجھ لو کہ (توفیق ایزدی کا) دروازہ بند ہے۔

حامد الاسودؒ[۹۱۹] فرماتے ہیں:- ایک سفر میں میں ابراہیم خواص کے ساتھ تھا۔ چلتے چلتے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سانپ کی کثرت تھی۔ آپ نے اپنا چھاگل (رکوہ: چمڑے کا بیگ) رکھا اور بیٹھ گئے۔ میں بھی بیٹھ گیا۔ جب رات ہوئی اور ہوا ٹھنڈی چلنے لگی تو سانپ نکل آئے۔ میں نے چلا کر شیخ کو پکارا۔ آپ نے فرمایا:- اللہ کو یاد کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ سانپ لوٹ گئے۔ پھر دوبارہ آگئے۔ میں نے پھر شیخ کو پکارا۔ آپ نے پھر وہی پہلی بات کہی۔ میں صبح تک اسی حالت میں رہا۔ جب صبح

ہوئی۔ آپ اُٹھے اور چل دیئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا۔ یکایک آپ کی توشک میں سے ایک بہت بڑا سانپ گرا جو اُن سے لپٹا ہوا تھا۔ میں نے دریافت کیا۔ کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہُوا؟ فرمایا: نہیں۔ مدت سے میں ایسی مزے کی نیند نہیں سویا تھا، جیسے آج رات سویا ہُوں۔

ابو عثمان فرماتے ہیں جس نے اللہ کے ذکر سے غفلت کی وحشت کا مزہ نہیں چکھا وہ ذکر کا لطف نہیں پا سکتا

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ الذبیانی نے کہا کہ الجریری نے کہا، جنید فرماتے تھے کہ مَیں نے سری کو فرماتے سنا کہ اللہ کی ایک الہامی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ جب میرے بندے پر میرا ذکر غالب ہوتا ہے۔ تو وہ مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور مَیں اس پر عاشق ہو جاتا ہوں۔

مذکورہ بالا سند سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تم میرے ساتھ خوش رہو۔ اور میرے ذکر کا مزہ لو۔

نوریؒ فرماتے ہیں: ہر چیز کی سزا ہے، عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی سے بیگانہ ہو جائے

انجیل میں ہے: تو مجھے اس وقت یاد کر جب تو غصّے میں ہو۔ میں بھی تجھے اس وقت یاد رکھوں گا جب مَیں غصّے میں ہوں گا۔ اور مَیں جو تیری مدد کروں اس پر راضی رہ۔ کیونکہ میرا مدد کرنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنی آپ مدد کرے۔

کسی راہب سے پُوچھا گیا: کیا تو روزہ دار ہے؟ کہا: ہاں۔ وہ اُس کے ذکر کا روزہ رکھتا ہوں۔ اور جب کسی اور کا ذکر کرتا ہوں تو روزہ توڑ تا ہوں۔

کہتے ہیں جب ذکر دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اگر اس وقت شیطان اس کے قریب آئے تو شیطان بعینہٖ اسی طرح پچھاڑا جاتا ہے۔ جیسے شیطان انسان کے قریب ہو کر انسان کو پچھاڑ لیتا ہے۔ پھر دوسرے شیاطین اکٹھے ہو کر پوچھتے ہیں اسے کیا ہوا ہے؟ جواب دیا جاتا ہے اسے انسان نے گرا دیا ہے۔

سہل فرماتے ہیں میرے نزدیک کوئی معصیت حق تعالیٰ کو بھول جانے سے بدتر نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ذکرِ خفی کو فرشتہ اُٹھا کر اس لئے نہیں لے جاتا کہ اس پر مطلع نہیں ہوتا

اس کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ یہ تو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز ہے۔

کسی کا قول ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ ایک جنگل میں ایک اللہ کا ذکر کرنے والا ہے۔ میں اس کے پاس گیا۔ جب وہ بیٹھا ہوا تھا تو ایک بہت بڑے درندے نے اُسے مارا اور اس سے ایک ٹکڑا نوچ لیا۔ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ اور مجھ پر بھی۔ جب اُسے ہوش آیا تو میں نے کہا یہ یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ نے اس درندے کو مجھ پر مسلط کر رکھا ہے۔ جب کبھی میں ذکر سے سُستی کرتا ہوں تو یہ درندہ مجھے کاٹتا ہے۔ جیسا تم نے دیکھا۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا کہ الحسین بن یحییٰ نے کہا۔ جعفر بن نصیر فرماتے تھے مَیں نے جریری کو فرماتے سُنا۔ ہمارے مریدوں میں ایک شخص کثرت سے اللہ اللہ کہا کرتا تھا۔ ایک دن اُس کے سر پر شہتیر آگرا۔ جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا اور خون ٹپکا۔ جس سے زمین پر اللہ اللہ لکھا ہوا تھا۔

(۹۲۰)
۳۱۔ فتوت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى۔

یہ ایک جماعت تھی جو اپنے رب پر ایمان لا چکی تھی۔ اور ہم نے انھیں اور ہدایت کر دی تھی۔

فتوت کیا ہے؟ استادؒ فرماتے ہیں کہ فتوت دراصل یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ اوروں کے کاموں میں لگا رہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

جب تک کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے۔ اللہ بھی اُس کے کام میں لگا رہتا ہے۔

ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ احمد بن عبید نے کہا، اسمٰعیل بن الفضل نے کہا کہ ان سے یعقوب بن حمید[۹۲۱] بن کاسب نے کہا کہ ابن ابی حازم[۹۲۲] نے عبداللہ بن عامر[۹۲۳] الاسلمی سے روایت کی عبدالرحمٰن[۹۲۴] بن ہرمز الاعرج نے کہا کہ ابو ہریرہؓ نے زید بن ثابتؓ[۹۲۵] سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تک کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ بھی اُس کے کام میں لگا رہتا ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ یہ ایک ایسا خُلق ہے۔ جس میں کمال صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ اس لئے کہ قیامت کے دن ہر شخص نفسی نفسی پکارے گا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "امتی امتی" پکاریں گے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ محمد بن الحسین نے کہا کہ ابو جعفر الفرغانی فرماتے ہیں کہ میں نے جنیدؒ کو یوں فرماتے سنا:۔ فتوت شام میں ہے۔ زبان عراق میں اور صدق خراسان میں۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن محمد الرازی نے ان سے کہا کہ محمد بن نصیر[926] ابن منصور الصائغ نے کہا کہ ابن فرقویہ[927] الصائغ فرماتے ہیں میں نے فضل[928] سے سُنا فرماتے تھے:۔

فتوت بھائیوں کی لغزشوں سے درگذر کرنے کا نام ہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ فتوت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ سمجھے۔

ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں:۔ صاحب فتوت وہ آدمی ہے جو کسی سے نہ جھگڑے۔

محمد بن علی ترمذیؒ فرماتے ہیں:۔ فتوت یہ ہے کہ تو اپنے رب کیطرف سے اپنی ذات کے خلاف جھگڑے۔

نیز کہا جاتا ہے:۔ صاحب فتوت وہ شخص ہے جو کسی سے نہ جھگڑے۔

میں نے اُستاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سُنا، انھوں نے نصرآبادی کو فرماتے سُنا۔ کہ اصحاب کہف کو فِتْیَةٌ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بلا واسطہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے۔

نیز کہا گیا ہے کہ صاحب فتوت وہ شخص ہے جو بُت توڑے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ۔

ہم نے ایک جوان مرد کو جس کا نام ابراہیم ہے۔ بتوں کا ذکر کرتے سنا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا اس نے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور ہر شخص کا بت اس کا نفس ہے۔ لہٰذا جو اپنی خواہشات کی مخالفت کرے وہی درحقیقت صاحب فتوت ہے۔

حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ فتوت یہ ہے کہ تو انصاف کرے۔ مگر انصاف طلب نہ کرے۔

عمرو بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں:۔ فتوت اچھے اخلاق کو کہتے ہیں۔

جنیدؒ اور فتوت سے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا فتوت یہ ہے کہ تو نہ تو فقیر سے نفرت کرے۔ اور نہ مالدار کی مخالفت کرے۔

نصر آبادیؒ فرماتے ہیں :۔ مروت فتوت کی شاخ ہے اور فتوت دونوں جہانوں سے اعراض کرنے اور اُن سے فتوت کرنے کا نام ہے۔

محمد بن علی بن ترمذی فرماتے ہیں کہ فتوت یہ ہے کہ تیرے لئے موجود اور آنے والا مہمان یکساں ہو۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ علی بن عمر الحافظ نے کہا کہ ابو سہل بن زیاد نے کہا کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ والد بزرگوار (امام احمدؒ) سے کسی نے پوچھا کہ مروت کیا ہے؟ فرمایا :۔ تو اپنی خواہش کو دوزخ کے ڈر کی وجہ سے چھوڑ دے۔

کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ فتوت کیا ہے؟ فرمایا کہ انسان اس بات میں قطعاً امتیاز نہ کرے کہ اس کے ہاں ولی کھانا کھا رہا ہے۔ یا کافر۔

مَیں نے کسی عالم کو فرماتے سنا کہ ایک مجوسی نے ابراہیم خلیل اللہ کے ہاں ضیافت چاہی۔ انھوں نے فرمایا :۔ اس شرط پر ضیافت کرتا ہوں کہ تو مسلمان ہو جائے۔ یہ سُن کر مجوسی چلا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی کہ ہم تو پچاس سال سے اسے باوجود کافر ہونے کے کھانا دے رہے ہیں اگر تو اُسے ایک لقمہ دین کی تبدیلی کے مطالبے کے بغیر دے دیتا تو بہتر ہوتا۔ یہ سُن کر ابراہیم علیہ السلام اس کی تلاش میں نکلے اور اس سے جا ملے اور معذرت چاہی۔ مجوسی نے اس معذرت خواہی کا سبب پوچھا۔ آپ نے تمام قصہ کہہ سنایا۔ اس پر مجوسی اسلام لے آیا۔

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ ایذا رسانی کو روکنے اور مال خرچ کرنے کا نام فتوت ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں :۔ فتوت اتباع سنت کو کہتے ہیں۔

۱۔ فتوت اللہ کے عہد کو پورا کرنے اور حفاظت کرنے کو کہتے ہیں۔

۲۔ فتوت ایک ایسی فضیلت ہے جو تُو کرتا تو ہے مگر اپنے نفس کو اس میں نہیں دیکھتا۔

۳۔ فتوت یہ ہے کہ جب سائل آ جائے تو تُو بھاگے نہیں۔

۴۔ فتوت یہ ہے کہ تو اُن لوگوں سے چھُپ نہ جائے۔ جو تمہارا قصد کر کے آئیں۔

۵۔ فتوت یہ ہے کہ تو نہ تو مال جمع کرے۔ اور نہ عذر پیش کرے۔

۶۔ فتوت یہ ہے کہ تو آرام کو ظاہر کرے اور مصیبت کو چھپائے۔

۷۔ فتوت یہ ہے کہ تو دس آدمیوں کی دعوت دے، لیکن اگر نو یا گیارہ آجائیں تو تجھ میں ناراضگی پیدا نہ ہو۔

۸۔ فتوت یہ ہے کہ امتیاز نہ کرے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے سنا، فرماتے تھے۔ کہ احمد بن خضرویہ نے اپنی بیوی ام علی سے کہا کہ میں ایک دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں اپنے شہر کے ایک شیر مرد اور شاطر کو جو اپنے شہر کے نوجوانوں کا سردار ہے، بلاؤں گا۔ بیوی نے کہا کہ تو (صاحب فتوت) نوجوانوں کی دعوت نہیں کر سکے گا۔ مرد نے کہا، ضرور کروں گا۔ بیوی نے کہا اگر تو ایسا ہی کرنا چاہتا ہے تو بھیڑ بکریوں گایوں اور گدھوں کو ذبح کر کے اس آدمی کے گھر کے دروازے سے لے کر اپنے گھر کے دروازے تک ڈال دے۔ (یہ سن کر) مرد نے کہا۔ بھیڑ بکریوں اور گایوں کے متعلق تو میں جانتا ہوں مگر گدھوں کو کیوں ذبح کیا جائے؟ بیوی نے کہا تو ایک با فتوت انسان کو اپنے گھر بلا رہا ہے تو کم از کم محلہ کے کتوں کو بھی کچھ نہ کچھ خیر ملنی چاہیئے۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے دعوت کی اور ان میں ایک شیرازی شیخ بھی تھے۔ جب کھانا کھا چکے تو انھیں سماع کی حالت میں نیند آگئی۔ شیخ شیرازی نے میزبان سے کہا:۔ ہمارے سو جانے کا کیا وجہ ہے؟ میزبان نے جواب دیا:۔ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے جو کچھ آپ کو کھلایا ہے اس کی چھان بین میں میں نے پوری کوشش کی ہے۔ سوائے بینگن کے کہ اس کے متعلق میں نے دریافت نہیں کیا تھا۔ صبح ہوئی تو انھوں نے بینگن فروش سے دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ لہٰذا اس نے فلاں جگہ سے بینگن چرا لئے، اور وہ بیچ دیئے۔ یہ لوگ اس بینگن فروش کو زمین کے مالک کے پاس لے گئے، تاکہ وہ اسے معاف کر دے۔ زمین کے مالک نے کہا:۔ تم مجھ سے صرف ایک بینگن معاف کرانے آئے ہو؟ میں نے یہ زمین دو بیل، ایک گدھا اور آلات زراعت اسے دے دیئے۔ تاکہ وہ پھر اس قسم کا فعل نہ کرے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی۔ مگر زفاف سے پہلے اس عورت کو چیچک ہو گئی۔ خاوند نے کہا کہ مجھے آنکھ میں تکلیف ہے۔ پھر کہا کہ آنکھ اندھی ہو گئی۔ اس کے

بعد عورت اس کے گھر آ ئی۔ اند میں سال کے بعد مر گئی۔ پھر جا کر کہیں اس شخص نے اپنی دونوں آنکھیں کھولیں۔ کسی نے اس کی وجہ پُوچھی تو بتایا کہ مَیں اندھا نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ وہ کہیں غمزدہ نہ ہو۔ مَیں نے اپنے آپ کو اندھا ظاہر کیا تھا۔ لوگوں نے یہ سُن کر کہا۔ تُو تو مروّت والوں سے آگے بڑھ گیا۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔ جو شخص (کمال) ظرافت (و فتوت) دیکھنا چاہے۔ تو وہ بغداد کے پانی پلانے والوں کا دامن پکڑے۔ سوال کیا گیا کہ اُن کا کیا حال ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ جب مجھے بے دین (زندیق) ہونے کا الزام دیا گیا۔ اور خلیفہ کے پاس لے جایا گیا تو وہاں میں نے ایک سقّا کو دیکھا جس نے پگڑی باندھ رکھی تھی۔ اور ایک مصری رومال اوڑھ رکھا تھا۔ اور وہ ہاتھ میں مٹی کے باریک آبخورہ لئے ہوتے تھا۔ مَیں نے پوچھا یہ سلطان کا ساقی ہوگا؟ لوگوں نے کہا نہیں بلکہ یہ تو عام لوگوں کا سقا ہے۔ اس پر مَیں نے اس سے ایک کوزہ پانی لے کر پیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ اسے ایک دینار دے دے۔ مگر اس نے لینا قبول نہ کیا۔ اور کہا کہ تو قیدی ہے اور تجھ سے کچھ لینا فتوت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ دوست سے نفع لینا فتوت نہیں۔ یہ قول ہمارے ایک دوست کا ہے جس کا نام احمد بن سہل تاجر تھا۔ اس وقت مَیں نے اس سے کپڑے کا ایک سفید ٹکڑا خریدا تھا۔ اور اس نے اس کی اصل قیمت لے لی تھی۔ مَیں نے جب اُسے نفع لینے کو کہا۔ تو جواب دیا۔ اصل قیمت تو لے لیتا ہوں۔ اور تجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں۔ کیونکہ جو کچھ مَیں تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ یہ کون سی بڑی بات ہے، مگر نفع تم سے نہ لوں گا۔ کیونکہ دوست سے نفع لینا فتوت نہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص جسے فتوت کا بہت دعویٰ تھا نیشاپور سے نسا گیا۔ ایک شخص نے جس کے ساتھ صاحب فتوت لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ اس سے درخواست کی کہ اُن کی ضیافت کرے۔ جب کھانا کھا چکے تو ایک لڑکی اُن کے ہاتھ دھلانے کو آئی۔ نیشاپوری نے ہاتھ دھونے سے انکار کیا۔ اور کہا یہ فتوت نہیں کہ عورت آدمیوں کے ہاتھ دھلائے کو پانی ڈالے۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہ مَیں کئی سال سے اس گھر میں آ رہا ہوں۔ اور مجھے معلوم ہی نہیں۔ کہ عورت ہمارے ہاتھوں پر پانی ڈالتی ہے یا مرد۔

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سُنا۔ ایک شخص نے نوح عیار نیشا پوری کا امتحان لینا چاہا تو اس کے پاس لڑکے کے بھیس میں ایک لڑکی کو بیچ دیا۔ اور شرط یہ رکھی کہ یہ لڑکا ہے۔ لڑکی بہت خوبصورت اور چمکدار چہرے والی تھی۔ نوح نے اس خیال سے کہ وہ لڑکا ہے۔ اُسے خرید لیا۔ وہ لڑکی کئی ماہ تک اس کے پاس رہی۔ جب لڑکی سے پُوچھا گیا کہ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ تو لڑکی ہے؟ تو کہا کہ نہیں۔ اُس نے تو مجھے چھُوا تک نہیں۔ وہ تو یہی سمجھتا ہے کہ میں لڑکا ہُوں۔

کہتے ہیں کہ ایک شاطر نے اسے کہا کہ جو لڑکا تمہاری خدمت کرتا ہے اُسے سُلطان کے سپرد کردو۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ اس پر اُسے ایک ہزار کوڑے لگائے گئے۔ اُس نے پھر بھی نہ دیا۔ اتفاق ایسا ہُوا کہ اس رات اسے احتلام ہو گیا۔ اور یہ سخت سردی کا زمانہ تھا صبح ہوئی تو اُس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا۔ لوگوں نے اسے کہا۔ تم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیا۔ اُس نے جواب دیا۔ مجھے اس سے شرم آئی۔ کہ مخلوق کی خاطر ہزار کوڑے لگنے پر تو صبر کر جاؤں اور اُس کی خاطر غسل کرنے میں سردی برداشت کرنے پر صبر نہ کروں۔

کہا جاتا ہے کہ اربابِ فتوت کی ایک جماعت ایک شخص کی زیارت کے لئے آئی جو فتوت کا دعوٰی کرتا تھا۔ اُس آدمی نے نوکر سے دسترخوان لانے کو کہا۔ مگر وہ نہ لایا۔ اُس آدمی نے دوبارہ سہ بارہ کہا۔ وہ لوگ ایک دُوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور انھوں نے کہا۔ یہ فتوت نہیں کہ انسان ایسے شخص سے خدمت لینا چاہے جو دسترخوان لانے میں اسقدر نافرمانی کرے۔ اس شخص نے نوکر سے پُوچھا کہ تُو نے دسترخوان لانے میں اتنی دیر کیوں کی؟ نوکر نے کہا۔ دسترخوان پر چیونٹیاں تھیں۔ لہٰذا یہ مناسب نہ تھا کہ چیونٹیوں والا دسترخوان لے آؤں۔ اور یہ بھی فتوت نہ تھی۔ کہ دسترخوان سے چیونٹیوں کو گرا دوں۔ لہٰذا میں ٹھہر گیا۔ یہاں تک کہ چیونٹیاں رینگ کر چلی گئیں۔ یہ سُن کر سب نے کہا۔ اے لڑکے تُم نے بڑی دقیق بات کہی ہے۔ اربابِ فتوت کی خدمت کرنے والا تمہارے جیسا ہی ہونا چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ ایک حاجی مدینہ میں سویا اور اسے خیال ہوا۔ کہ اُس کی تھیلی چوری ہو گئی ہے وہ نکلا اور اُس نے جعفر صادق کو دیکھا۔ ان سے لپٹ گیا۔ کہتا رہا۔ تُو نے ہی میری تھیلی لی

ہے۔ جعفر صادقؓ نے فرمایا:۔ اس میں کیا تھا؟ اُس نے کہا ایک ہزار دینار۔ آپ اسے اپنے گھر لے گئے۔ اور ایک ہزار دینار گن کر دے دیئے۔ جب وہ شخص اپنے گھر گیا تو دیکھا کہ تھیلی گھر میں پڑی ہے۔ اور اُسے چوری کا وہم ہوا تھا۔ لہٰذا وہ عذرخواہی کے لئے جعفر کے پاس آیا۔ اور دینار واپس کرنا چاہے۔ مگر اُنھوں نے واپس لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا جو چیز میں اپنے ہاتھ سے نکال چکا ہوں اُسے میں واپس نہ لوں گا۔ اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ تو امام جعفر صادقؓ ہیں۔

شقیق بلخی اور امام جعفر صادقؓ

شقیق بلخی ؒ نے جعفر بن محمد علیہ السلام سے فتوت کے متعلق سوال کیا، انھوں نے فرمایا:۔ بتایئے آپ کیا کہتے ہیں؟ شقیق نے کہا۔ اگر ہمیں کچھ مل جائے تو ہم شکر کرتے ہیں۔ اور اگر نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔ امام جعفر صادقؓ نے فرمایا:۔ مدینہ میں ہمارے ہاں کتوں کا یہی شیوہ ہے۔ یہ سن کر شقیق نے کہا:۔ اے رسول اللہ کے نواسے! آپ کے نزدیک فتوت کیا ہے؟ فرمایا:۔ اگر ہمیں کچھ مل جائے تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اگر نہ ملے تو شکر کرتے ہیں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ ابُو بکر رازی فرماتے تھے کہ میں نے جریری کو فرماتے سنا:۔ ایک رات ابو العباس بن مسروق نے ہمیں اپنے گھر بلایا۔ راستہ میں ایک دوست آتا ہوا مل گیا۔ ہم نے اُسے کہا:۔ ہم شیخ ابو العباس کے ہاں ضیافت پر جا رہے ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے کہا۔ مجھے تو اُنھوں نے بلایا نہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم اجازت لے لیں گے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اجازت مانگی تھی[۹۳۷]۔ لہٰذا ہم نے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ جب شیخ کے دروازہ پر پہنچے تو ہم نے اُن سے بیان کیا کہ یہ دوست یوں کہتا تھا۔ اور ہم نے یوں جواب دیا۔ شیخ نے فرمایا آپ نے بغیر دعوت کے یہاں تشریف لا کر اپنے دل میں ہمیں جگہ دی۔ اگر آپ اس جگہ سے جہاں اب کھڑے ہیں۔ میرے رخسارہ کے سوا کسی اور چیز پر چلتے تو مجھے (خدا کرے) ایسا ہو جائے! اور اس پر اصرار کیا اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔ اس دوست کو اُٹھایا گیا۔ اور اُس نے اپنا پاؤں شیخ کے چہرہ پر رکھا۔ اس طرح کہ انھیں تکلیف نہ ہو۔ اور شیخ اپنا چہرہ زمین

پر گھسیٹتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں اُسے بیٹھنا تھا۔

اُستاد فرماتے ہیں:۔ یاد رکھو کہ دوستوں کے عیبوں کو چھپانا فتوت ہے۔ بالخصوص جب کہ اس میں شماتت اعداء پائی جائے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے سنا۔ کہ نصرآبادی سے کئی بار کہا گیا۔ کہ علی قوال[۹۳۳] رات کو شراب پیتا ہے۔ اور دن کو آپ کی مجلس میں آجاتا ہے۔ آپ لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرتے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے۔ اور آپ کے ساتھ ایک ایسا شخص تھا۔ جو علی کے متعلق یہ خبریں آپ کو دیا کرتا تھا۔ اُس نے علی کو ایک جگہ گرا پڑا پایا اور اس پرستی کے آثار بھی ظاہر تھے۔ وہ وہاں جا پہنچے۔ جہاں وہ اپنا منہ دھو رہا تھا۔ اور کہا کب تک ہم شیخ سے کہے جائیں گے اور آپ نہ سنیں گے؟ یہ علی شراب کے نشے میں گرا پڑا ہے۔ نصرآبادیؒ نے اس کی طرف دیکھا۔ اور ملامت کرنے والے سے کہا۔ اسے اپنی گردن پر اُٹھا کر اُس کے گھر لے جاؤ۔ اسے آپ کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

میں نے انہی سے سنا کہ ابو علی فارسی[۹۳۴] فرماتے تھے۔ کہ میں نے مرتعش کو فرماتے سنا کہ ہم ابو حفص کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لئے گئے۔ ہم لوگ بہت سے تھے۔ ابو حفص نے مریض سے کہا۔ کیا تو تندرست ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں آپ نے اپنے مریدوں سے کہا۔ تم اس کی طرف سے بیماری اُٹھا لو۔ مریض اُٹھ کر ہمارے ساتھ نکل آیا۔ اور ہم سب کے سب صاحب فراش ہو گئے۔

۳۲۔ فراست[۹۳۵]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (ان میں صاحب فراست لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔)

ہم سے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ ان سے احمد بن علی بن الحسین الرازی[۹۳۶] نے ان سے محمد بن احمد بن السکن[۹۳۷] نے، ان سے موسیٰ بن داؤد[۹۳۸] نے کہا کہ محمد بن کثیر[۹۳۹] الکوفی نے کہا کہ عمرو بن قیس[۹۴۰] نے عطیہ[۹۴۱] سے روایت کی کہ ابو سعید فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مومن کی فراست سے بچو۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

فراست کیا ہے؟ اُستاد فرماتے تھے کہ فراست ایک خیال ہے۔ جو دل پر طاری ہوتا ہے اور ہر متضاد خیال کو نکال دیتا ہے۔ اور دل پر اُسی کا حکم ہوتا ہے اور یہ لفظ فریستہ السبُع (درندے کا شکار) سے مشتق ہے۔ فراست کے مقابلہ میں نفس کوئی خیال وشبہات تجویز نہیں کر سکتا۔ فراست ہر شخص کی قوتِ ایمانیہ کے مطابق ہوتی ہے۔ للہٰذا جس کا جسقدر زیادہ قوی ایمان ہوگا۔ اسی قدر زیادہ تیز اس کی فراست ہوگی۔ ابو سعیدؒ خراز فرماتے ہیں۔ جس نے نورِ فراست سے دیکھا اُس نے نورِ حق سے دیکھا۔ اور اس کے علم کا مولد حق کی طرف سے ہے۔ اس میں کسی قسم کی سہو یا غفلت نہ ہوگی۔ بلکہ یہ حق تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ جو بندے کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ یہاں نورِ حق سے مراد وہ خاص نُور ہے جس کے ساتھ اللہ نے اُسے مخصوص کیا ہے۔

واسطی فرماتے ہیں۔ فراست وہ اُٹھتے ہوئے انوار ہیں جو دلوں میں چمکتے ہیں۔ اور ایسی متمکن معرفت ہے جو غیبوں میں ایک غیب سے دوسرے غیب تک رازوں کو اُٹھائے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ صاحبِ فراست اشیاء کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح حق سبحانہ اُسے دکھاتا ہے۔ اس طرح وہ مخلوق کے ضمیر کی باتیں بتانے لگتا ہے۔

ابوالحسنؒ دیلمی سے حکایت کی جاتی ہے کہ وہ ایک حبشی سے ملنے کے لئے انطاکیہ گئے۔ اس شخص کے متعلق انھیں بتایا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے راز کی باتیں بتاتا ہے۔ میں نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ یہاں تک کہ وہ لکام پہاڑ سے نکل کر آیا۔ اس کے پاس کچھ جائز اشیاء تھیں۔ جنھیں وہ بیچ رہا تھا۔ اور اس وقت میں دو دنوں سے بھوکا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ یہ کتنے کو بیچتے ہو؟ اور میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں اس کی تمام اشیاء خرید لوں گا۔ جو اس کے سامنے پڑی تھیں۔ اس نے کہا وہاں بیٹھ جاؤ۔ جب ہم انھیں بیچ لیں گے۔ تو تمہیں بھی کچھ پیسے دے دیں گے۔ جن سے تو کچھ خرید سکے گا۔ میں اُسے چھوڑ کر ایک اور شخص کے پاس چلا گیا۔ اور یہ ظاہر کیا کہ میں اس سے سودا کر رہا ہوں۔ میں لوٹ کر پھر اُسی کے پاس آ گیا۔ اور کہا اگر بیچتے ہو تو بتاؤ۔ کتنے میں بیچو گے؟ کہنے لگا تُو تو دو دن کا بھوکا ہے وہاں بیٹھ جا۔ جب ہم بیچ لیں گے تو تمہیں کچھ دیں گے جس سے تو کچھ خرید

سکے کا میں بیٹھ گیا جب اُس نے بیچ دیا، تو اُس نے مجھے کچھ دیا۔ اور چلا گیا۔ میں نے اُس کا پیچھا کیا۔ اُس نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔ جب تجھے کوئی ضرورت پیش آئے۔ تو اللہ کے سامنے پیش کر، ہاں اگر ابھی تیرے حظِ نفس کا دخل ہے۔ پھر اللہ کے سامنے پیش نہ کرنا۔ ورنہ تم اللہ سے محجوب ہو جاؤ گے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا کہ محمد بن عبد اللہ فرماتے تھے کہ میں نے کتانی کو فرماتے سُنا۔ کہ فراست ایک یقین کا مکاشفہ اور غیب کا معائنہ ہے۔ اور یہ ایمان کے مقامات میں سے ہے۔

امام شافعی اور امام محمدؒ

کہتے ہیں کہ امام شافعی(۲۰۴ھ) اور امام محمد بن الحسن(۱۸۹ھ) رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں مسجد حرام میں تھے۔ کہ ایک شخص آیا۔ تو محمد بن الحسن نے کہا کہ میں اپنی فراست سے کہتا ہوں کہ یہ بڑھئی ہے۔ امام شافعی نے کہا میرے نزدیک تو یہ لوہار ہے۔ اِس پر انھوں نے اس شخص سے پوچھا تو اُس نے کہا: میں پہلے لوہار کا کام کرتا تھا۔ مگر اب بڑھئی کا کام کرتا ہوں۔

ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ مستنبط وہ ہے جو ہمیشہ غیب کو دیکھتا ہے اور اُس سے نہ کوئی چیز غائب ہو اور نہ مخفی رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ سے یہی مراد ہے۔ اور متوسّم وہ ہے جو وسم (علامت) کو پہچانتا ہو۔ اور وہ ایسا شخص ہے جو استدلال اور علامات کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں کی باتوں کو معلوم کر لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو ایسے علامات کے ذریعہ سے معلوم کر لیتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں اور دشمنوں دونوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے۔ مگر متفرّس اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ (یعنی وہ اللہ کا دشمن نہیں ہو سکتا)۔ اور یہ نور اُٹھنے والے نور ہیں۔ جو اس بندے کے دل میں چمکتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے وہ معانی کو سمجھ جاتا ہے اور یہ ایمان کے خواص میں سے ہے۔ ان سے بھی بڑھ کر ربانیین ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کونوا ربّانیّین یعنی عالم اور حکیم اور اخلاقِ خداوندی اختیار کر لو۔ ظاہر میں بھی اور اخلاق میں بھی۔ اور یہ مخلوق کے متعلق خبر دینے اُن کی طرف دیکھنے اور ان کے ساتھ مشغول ہونے سے مبرّا ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ابوالقاسم منادی (۹۴۴) بیمار پڑ گئے اور یہ نیشاپور کے مشائخ میں بڑی شان والے تھے۔ ابوالحسن بوشنجی اور حسن حداد اُن کی عیادت کو آئے۔ اور راستہ میں اُنھوں نے ایک سیب آدھے درہم کا اُدھار خریدا اور لے آئے۔ جب بیٹھ گئے۔ تو ابوالقاسم نے کہا :۔ یہ تاریکی کیسی ہے؟ اس پر دونوں نکل آئے۔ اور کہنے لگے :۔ ہم نے کیا کیا ہے اور سوچنے لگ گئے۔ پھر کہا کہ شاید ہم نے سیب کی قیمت ادا نہیں کی ہے۔ انھوں نے قیمت ادا کر دی۔ اور پھر دوبارہ گئے۔ اب جب اُن کی نگاہ اُن دونوں پر پڑی تو کہا۔ کیا انسان کے لئے ممکن ہے۔ کہ اتنی سرعت سے ظلمت سے نکل جائے؟ صحیح صحیح بات کہہ دو۔ اس پر اُنھوں نے تمام قصہ کہہ سنایا۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر اعتماد کرتا تھا کہ وہ قیمت ادا کر دے گا۔ اور بیچنے والا تم دونوں سے تقاضا کرنے سے شرماتا تھا۔ اس طرح قیمت ادا کرنے میں دیر ہو جاتی اور اس کی گرفت تم پر باقی رہتی اور اس (اُدھار خریدنے کا) سبب میں تھا۔ اور میں نے یہ بات تم میں دیکھ لی

اور یہ ابوالقاسم منادی ہر روز بازار میں جا کر پکارا کرتے۔ اُن کے ہاتھ میں ایک دانق (دانگ) سے لے کر نصف درہم تک جسقدر رقم انھیں کفایت کرتی۔ لے کر اپنی حالت اور اپنے وقت کی نگہداشت میں جاتے۔

حسین بن منصور فرماتے ہیں۔ جب کسی دل پر غلبہ حق ہو جاتا ہے تو اللہ اسے اسرار کا مالک بنا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ان اسرار کا معائنہ کرتا ہے۔ اور اُن کی خبر دیتا ہے۔

کسی صوفی سے فراست کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا کہ یہ ارواح ہیں جو عالم ملکوت میں گھومتے رہتے ہیں۔ اور غیب کے امور سے باخبر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مخلوق کے اسرار اس طرح بتاتے ہیں۔ گویا اُن کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اور گمان و قیاس سے نہیں بتاتے۔

کہتے ہیں کہ توبہ سے پہلے زکریا شختنی (۹۷۵) اور ایک عورت کے درمیان تعلقات تھے۔ ابوعثمان حیری کے خاص مُرید بننے کے بعد یہ ایک دن اُن کے سر کے پاس کھڑے تھے۔ کہ انھیں اس عورت کا خیال آیا۔ ابوعثمان نے فوراً سر اُٹھا کر کہا :۔ کیا تجھے شرم نہیں آتی؟

استاد امام (قشیری) رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :۔ ابھی میرا استاد ابوعلی کے ساتھ تعلق شروع ہی ہوا تھا اور میں مسجد مطرز میں مجلس وعظ منعقد کیا کرتا تھا۔ میں نے آپ سے نسا جانے کی

اجازت چاہی۔ آپ نے مجھے اجازت دے دی ایک روز میں آپ کے ساتھ آپ کی مجلس کی طرف جا رہا تھا۔ کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ کاش میری عدم موجودگی میں میری مجلس میں میری نیابت کریں۔ آپ نے فوراً میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔ میں تمہاری غیر حاضری میں تمہاری مجلس میں تمہاری نیابت کروں گا۔ میں تھوڑا اور چلا تو میرے دل میں خیال آیا کہ آپ بیمار ہیں۔ آپ سے ہفتہ میں دو بار نیابت نہ ہو سکے گی۔ اس لئے آپ ہفتہ میں ایک دن نیابت کریں تو بہتر ہو گا۔ آپ پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اگر میں ہفتہ میں دو دن نیابت نہ کر سکوں گا۔ تو ایک ہی دن کر لوں گا میں اور آپ کے ساتھ تھوڑا سا چلا۔ تو ایک تیسرا خیال میرے دل میں آیا۔ آپ نے پھر میری طرف متوجہ ہو کر صراحتہً اس کا ذکر کر دیا۔

میں نے ابو عبدالرحمن سلمیؒ کو فرماتے سنا کہ انھوں نے اپنے دادا ابو عمر بن نجید کو فرماتے سُنا کہ شاہ کرمانی بڑی تیز فراست والے تھے۔ اور اس میں کبھی غلطی نہ کرتے۔ اور فرمایا کرتے کہ جس شخص نے حرام سے اپنی نگاہ نیچی رکھی۔ اور اپنے آپ کو شہوات سے روکے رکھا اور اپنے باطن کو مراقبہ کے ساتھ اور ظاہر کو سُنت کی تابعداری کے ساتھ ہمیشہ آباد رکھا۔ اور رزق حلال کھانے کا عادی ہوا۔ اس کی فراست میں خطا نہیں ہو گی۔

ابوالحسن نوری[۹۷۶] سے دریافت کیا گیا کہ فراست والوں میں فراست کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے؟ فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ لہٰذا جس شخص کو اس نور میں سے پورا حصّہ ملا ہو۔ اس کا مشاہدہ مضبوط اور اس کی فراست کی بات سچی ہو گی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس میں رُوح کے پھُونکنے سے اُسے سجدہ کرنا کیسے واجب قرار دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ

جب اُسے ٹھیک ٹھاک کر کے بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھُونک دوں تو تم سجدہ میں گر پڑنا۔

استادؒ فرماتے ہیں کہ ابوالحسن نوری کے اس کلام میں کچھ ابہام پایا جاتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے یہاں روح کے پھونکنے کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان کی مراد اس سے ان لوگوں کی رائے کو صحیح قرار دینا نہیں

ہے۔ جو روحوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ حالانکہ درحقیقت امر ایسا نہیں جیسا کہ کمزور دلوں کو بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کے متعلق لفظ اتصال اور انفصال کی صفات وارد ہوں۔ وہ تاثیر اور تغیر کے قابل ہے۔ اور تاثیر اور تغیر حادث ہونے کی علامتیں ہیں۔ لہٰذا روح قدیم نہ ہوئی۔ اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے مومنین کو بصیرت اور انوار سے مخصوص کر رکھا ہے۔ جن کے ذریعہ سے وہ فراست کی بات کہہ جاتے ہیں۔ اور یہ درحقیقت معرفت کی باتیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ کی تشریح بھی یہی ہے۔ یعنی نور اللہ سے مراد وہ علم ہے اور بصیرت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اس انسان کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے۔ اور اپنے ہم جنسوں میں سے اسے ممتاز کر دیتا ہے۔ علوم بصیرت کی باتوں کو انوار کہنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اس کے لئے لفظ نفخ کا لفظ استعمال کرنا بھی کوئی بعید نہیں۔ جبکہ نفخ سے مراد خلق یعنی پیدا کرنا ہے

حسین بن منصور فرماتے ہیں کہ متفرس وہ شخص ہے جو پہلی ہی نگاہ سے اپنے صحیح مقصد کو پہنچ جائے۔ اور اسے تاویل یا کمال یا خیال کا احتیاج نہ رہے۔

کہتے ہیں کہ مریدین کی فراست ایسا ظن ہے۔ جو تحقیق کو واجب قرار دیتا ہے۔ اور عارفین کی فراست ایسی تحقیق ہے۔ جو حقیقت حقیقی ہوتی ہے۔

احمد بن عاصم انطاکی فرماتے ہیں۔ جب اہل صدق کی مجلس میں بیٹھو تو نیک نیتی سے بیٹھو۔ اس لئے کہ یہ لوگ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں یہ لوگ تمہارے دلوں میں اس طرح داخل ہوتے اور نکلتے ہیں کہ تم محسوس بھی نہیں کر پاتے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا کہ منصور بن عبد اللہ نے کہا کہ الخلدی فرماتے تھے کہ میں نے ابو جعفر حداد کو فرماتے سُنا۔ پہلا خیال جس میں کوئی تعارض نہ پایا جائے فراست کہلاتا ہے۔ اگر اسی قسم کا کوئی معارض خیال ہو تو وہ خاطر اور حدیثِ نفس کہلائے گا۔

ابو عبد اللہ رازی سے جو نیشاپور میں آباد ہو گئے تھے۔ حکایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ ابن الانباری نے مجھے صوف پہننے کو دیا۔ اور میں نے اپنے شیخ شبلی رحؒ کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی۔ جس کی مناسبت اس صوف کے ساتھ تھی۔ میں نے دل میں خواہش کی کہ یہ دونوں چیزیں میرے پاس ہونی چاہئیں۔ جب شبلی رحؒ اپنی مجلس سے اُٹھے تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ لہٰذا میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کی

عادت تھی کہ جب آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے آؤں تو میری طرف متوجہ ہوتے۔ جب آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ تو میں بھی داخل ہوا۔ پھر آپ نے مجھے صوف اتارنے کو کہا۔ میں نے اتار لیا۔ آپ نے اُسے لپیٹا اور اُس کے اوپر ٹوپی رکھ کر سب کو آگ لگا دی۔

ابو حفص نیشاپوری فرماتے ہیں :۔ فراست کا دعویٰ کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے مگر اُسے دوسروں کی فراست سے بچنا چاہیئے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ، مگر یہ نہیں فرمایا "تَفَرَّسُوْا" وہ شخص جسے دوسروں کی فراست سے بچنا چاہیئے۔ اس کی زبان سے فراست کا دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

ابو العباس بن مسروق فرماتے ہیں۔ میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک شیخ کو بلانے گیا۔ تو اُسے بُرے حال میں پایا۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ کہاں سے کھاتا ہوگا۔ اُس نے فوراً کہا :۔ اے ابو العباس ! ان کمینہ خیالات کو دل سے نکال دو۔ کیونکہ اللہ کی عنایات لوگوں سے چھپی ہوئی ہیں۔

زبیدی سے حکایت کی جاتی ہے کہ میں بغداد کی مسجد میں فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ اور کئی دن سے کوئی چیز ہمیں نہ ملی تھی۔ میں خواص سے کچھ مانگنے کے لئے آیا۔ جب آپ کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا۔ جس حاجت کے لئے تو آیا ہے کیا اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں جانتا، آپ نے فرمایا :۔ پھر خاموش رہو۔ اور کسی مخلوق کے سامنے اس کا ذکر مت کرو۔ اس پر میں واپس چلا آیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کافی سے زیادہ چیزیں آگئیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن سہل بن عبداللہ جامع مسجد میں تھے۔ تو سخت گرمی اور مشقت کی وجہ سے ایک کبوتری گر پڑی۔ اس پر سہل نے فرمایا کہ اس وقت شاہ کرمانی نے وفات پائی ہے۔ لوگوں نے لکھ کر دریافت کیا تو ایسا ہی پایا۔

کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ ترو غندی[۹۴] جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے طوس کو روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر گر پڑے۔ اپنے مرید کو کہا کہ روٹی خرید لے۔ اُس نے اسقدر خرید لی جو دونوں کے لئے کافی ہوتی۔ آپ نے فرمایا زیادہ خرید لو۔ مرید نے ارادۃً اسقدر خرید لی کہ دس آدمیوں کے لئے کافی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اُس نے اپنے پیر کی بات کو سچا نہیں سمجھا۔ جب پہاڑ پر چڑھے تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کو چوروں نے قید کر رکھا ہے۔ کئی دنوں سے انھوں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

انھوں نے ہم سے کھانا مانگا۔ تو دغندی نے فرمایا۔ ان کیلئے دسترخوان لگا دو۔

استاد امام فرماتے ہیں کہ ایک دن میں استاد ابو علیؒ کے پاس تھا۔ کہ شیخ عبدالرحمٰن سلمی کا ذکر چھڑ گیا۔ کہ سماع کی مجلس میں فقراء کی موافقت کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ استاد ابو علیؒ نے فرمایا:۔ کیا اس جیسا آدمی جس کی یہ حالت اور مرتبہ ہو! (کیا وہ قیام کرتا ہے ؟) شاید ان کے لئے سکون زیادہ بہتر ہوتا۔ پھر اسی وقت فرمایا۔ اس کے پاس جاؤ تم اسے اپنے کتب خانہ میں بیٹھا پاؤ گے۔ کتابوں کے اوپر ایک سرخ رنگ کی چھوٹی سی کتاب ہوگی جس میں حسین بن منصور کے اشعار ہوں گے۔ یہ کتاب اٹھا لینا اور انھیں کچھ نہیں کہنا۔ اور کتاب میرے پاس لے آنا۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ میں ان کے پاس گیا دیکھا تو وہ اپنے کتب خانہ میں تھے۔ اور کتاب وہیں پڑی تھی جہاں انھوں نے ذکر کیا تھا۔ جب میں بیٹھ گیا تو شیخ ابو عبدالرحمٰن باتیں کرنے لگے۔ اور فرمایا:۔ ایک شخص ایک عالم پر اس لئے اعتراض کرتا تھا۔ کہ وہ سماع میں حرکت کرتا تھا۔ اس عالم نے اس شخص کو اپنے گھر میں خلوت میں دیکھا کہ اس طرح چکر لگا رہا ہے۔ جس طرح کوئی وجد میں چکر لگا رہا ہو۔ اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو بتایا کہ ایک مشکل مسئلہ تھا۔ جو حل نہ ہوتا تھا۔ پھر حل ہو گیا۔ خوشی کے مارے میں اپنے پر قابو نہ پا سکا۔ اس لئے میں نے اٹھ کر چکر لگانا شروع کر دیا۔ اس شخص کو بتایا گیا کہ علماء اور صوفیہ کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ (جس پر تو اعتراض کرتا ہے) جب میں نے وہی کیفیت دیکھی جس کا استاد ابو علی ذکر فرمایا تھا۔ اور شیخ ابو عبدالرحمٰن کی زبان پر یہ قصہ جاری ہوا۔ جس کا انھوں نے ذکر کیا۔ تو میں حیرت زدہ رہ گیا۔ اور کہا کہ اب کیا طریقہ اختیار کروں۔ اور (دل میں) کہا۔ کہ اب سچ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لہٰذا میں نے عرض کیا۔ استاد ابو علی نے مجھ سے اس کتاب کا ذکر کیا تھا اور فرمایا تھا۔ کہ شیخ کی اجازت کے بغیر میرے پاس لے آنا۔ مجھے آپ کا ڈر ہے اور میں استاد ابو علی کے حکم کے خلاف بھی نہیں کر سکتا۔ اب آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے ایک اور کتاب نکالی جو حسین بن منصور کی مسدس تھی۔ اور اس جلد کے اندر ان کی ایک اپنی تصنیف تھی۔ جس کا نام کتاب الصیہور[۲۴۹] فی نقض الدہور تھا۔ اور فرمایا ان کے پاس یہ کتاب لے جاؤ اور کہو کہ میں اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں۔ اور اس کے اشعار اپنی تصنیفات میں نقل کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں چلا آیا۔

حسن حداد سے حکایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ابو القاسم منادی کے پاس تھا۔ اور

آپ کے پاس فقراء کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ جاکر اُن فقراء کے لئے کچھ لے آؤ۔ مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے فقراء کے لئے کچھ کرنے کو مجھ سے کہا۔ اور باوجود اس کے کہ آپ کو علم تھا۔ کہ مَیں خود محتاج ہوں۔ مجھے ان کے لئے لانے کو فرمایا۔ حسن کہتے ہیں کہ مَیں نے ایک زنبیل لی۔ اور نکل آیا۔ جب سیار کے محلہ میں پہنچا تو ایک بارونق بوڑھے کو دیکھا مَیں نے اسے سلام کیا اور کہا کہ فقراء کی ایک جماعت فلاں جگہ پہ ہے کیا آپ ان سے کچھ مروت کریں گے؟ اُس نے مجھے روٹیاں اور کچھ گوشت اور انگور دیئے۔ ابھی میں دروازہ تک ہی پہنچا تھا۔ کہ ابوالقاسم منادی نے دروازے کے پیچھے سے پکارا جہاں سے چیزیں لائے ہو وہیں واپس جاؤ۔ لہٰذا مَیں نے واپس جاکر اس بوڑھے کے پاس عذر پیش کیا اور کہا کہ وہ منتشر ہو چکے تھے۔ اس لئے مجھے نہیں ملے۔ لہٰذا مَیں نے تمام چیزیں اسے واپس دے دیں۔ اس کے بعد میں بازار آیا اور اللہ نے مجھے کوئی چیز دے دی۔ جسے میں لے آیا۔ آپ نے مجھے داخل ہونے کو کہا۔ مَیں نے سارا قصّہ کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا:- ٹھیک ہے یہ شخص ابن سیار شاہی نوکروں میں سے ہے۔ جب تم درویشوں کے لئے کوئی چیز لاؤ تو اس قسم کی چیز لایا کرو۔ جو آپ لائے تھے۔ پہلی قسم کی چیز مت لایا کرو۔

(۹۵۱)

ابوالحسین[۹۵۱] قرآفی فرماتے ہیں:- میں الخیر تیناتی کی زیارت کو گیا جب مَیں آپ کے پاس سے روانہ ہونے لگا۔ تو آپ میرے ساتھ مسجد کے دروازہ تک نکل کر آئے۔ اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں رکھتے۔ مگر یہ دو سیب اپنے ساتھ لے جائیے۔ مَیں نے لے کر انھیں اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اور چل پڑا۔ جب تین دن تک مجھے کوئی چیز نہ ملی تو مَیں نے ایک سیب نکال کر کھا لیا۔ پھر (کچھ دیر بعد) دوسرے کو نکالنا چاہا تو دیکھا۔ دونوں میری جیب میں موجود تھے۔ موصل کے دروازہ تک پہنچنے تک میں ان دونوں سیبوں میں سے کھاتا اور دونوں ویسے کے ویسے رہتے۔ اس پر میں نے دل میں کہا کہ یہ سیب تو میرے توکل کی حالت کو خراب کر دیں گے۔ کیونکہ مجھے ان کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ مَیں نے دونوں کو جیب سے نکال دیا اور ادھر اُدھر دیکھا تو ایک فقیر چادر میں لپٹا ہوا دکھائی دیا۔ جو یہ کہہ رہا تھا۔ کہ مَیں سیب کھانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے دونوں سیب اُسے دے دیئے۔ جب مَیں آگے نکل گیا تو دل میں

خیال آیا۔ کہ شیخ ابو نصیب تو اسی آدمی کے لئے بھیجے تھے اس وقت میرے ساتھ اور ساتھی بھی تھے میں جو لوٹ کر اس کی طرف آیا تو اُسے نہ پایا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن علوان کو فرماتے سنا کہ ایک نوجوان جنیدؒ کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ اور لوگوں کے دلوں کی باتیں کرتا تھا میں نے اس کا ذکر جنیدؒ سے کر دیا۔ جنیدؒ نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ تمہارے متعلق کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا: آپ کوئی بات دل میں رکھ لیں۔ جنیدؒ نے فرمایا۔ میں نے رکھ لی۔ جوان نے کہا۔ آپ نے یہ بات دل میں رکھی ہے۔ جنیدؒ نے کہا نہیں اس نے پھر کہا پھر ایک بار اور دل میں رکھ لیں آپ نے ایسا ہی کیا۔ جوان نے کہا آپ نے یہ بات دل میں رکھی ہے جنیدؒ نے کہا نہیں۔ جوان نے اب تیسری بار کہا دل میں کوئی بات رکھ لیں اور انھوں نے پھر بھی کہا نہیں اس پر نوجوان نے کہا یہ عجیب بات ہے۔ آپ بھی سچے آدمی ہیں اور میں بھی اپنے دل کو جانتا ہوں۔ پھر جنیدؒ نے کہا تو نے تینوں بار سچ کہا۔ مگر میں تمہارا امتحان کرنا چاہتا تھا۔ کہ دیکھوں میرے انکار سے) تمہارے دل میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔

گئے۔ ایک پیالے میں آپ کے پاس دوا لائی گئی۔ آپ نے اُسے لے لیا پھر فرمایا۔ آج سلطنت میں کوئی حادثہ رونما ہوا ہے جب تک معلوم نہ ہو جائے۔ کہ وہ کیا حادثہ ہے۔ میں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوؤں گا۔ چند دنوں کے بعد خبر آئی کہ اسی دن قرمطی مکہ میں داخل ہوا۔ اور ایک بہت بڑی جماعت کو اس[۵۵۲] نے قتل کیا۔

میں نے ابو عبدالرحمن سلمی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے ابو عثمان مغربی کو فرماتے سنا کہ کسی نے اس حکایت کا ذکر ابن الکاتب سے کیا۔ تو انھوں نے فرمایا:۔ یہ عجیب بات ہے میں نے جواب دیا: یہ تو کوئی عجیب بات نہیں ہے یہ جواب سُن کر ابو علی بن الکاتب[۵۵۳] نے کہا۔ اب مکہ کی کیا خبر ہے؟ میں نے جواب دیا۔ طلحیون (بنو طلحہ) اور بنو الحسن آپس میں لڑ رہے ہیں اور طلحیوں کا قائد ایک سیاہ رنگ کا آدمی ہے۔ جس نے پگڑی باندھ رکھی ہے۔ اور اس وقت مکہ کے اوپر بادل چھایا ہوا ہے۔ جس نے سارے حرم کو گھیر رکھا ہے۔ ابو علی نے یہ بات مکہ لکھ کر بھیجی۔ اور واقعہ ایسا ہی تھا۔

انس بن مالک اور حضرت عثمان حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ وہ حضرت

عثمان کے پاس گئے۔ راستہ میں اُنھوں نے ایک عورت دیکھی جس کے حسن کو انھوں نے غور سے دیکھا۔ حضرت عثمان نے فرمایا؛ تم میں سے کچھ لوگ میرے پاس آتے ہیں۔ اور زنا کے آثار اُن کی آنکھوں سے واضح ہوتے ہیں۔ میں نے کہا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد وحی نازل ہوتی ہے؟ فرمایا نہیں، مگر، بصیرت۔ بُرہان اور سچی فراست ہے۔

ابوسعید خراز فرماتے ہیں: میں مسجد حرام میں گیا تو ایک فقیر کو دیکھا جس نے دو کُرتے پہن رکھے تھے۔ اور لوگوں سے مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اس قسم کا آدمی لوگوں پر بوجھ ہوتا ہے۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کہا۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ یاد رکھو اللہ تمہارے دل کی بات جانتا ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرو۔ ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں استغفار کیا تو اس نے مجھے پکار کر کہا:۔ وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ۔ اور خدا وہ ہے۔ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

ابراہیم خواص سے حکایت کی گئی ہے۔ کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں جامع مدینہ میں تھا اور وہاں فقراء کی جماعت بھی تھی۔ ایک ظریف، خوشبو میں مہکتا ہوا جاہ والا خوبصورت نوجوان آیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تو یہ یہودی معلوم ہوتا ہے۔ سب نے میری بات کو ناپسند کیا۔ میں بھی نکل گیا اور وہ نوجوان بھی نکل گیا۔ پھر لوٹ کر اُن کے پاس آیا۔ اور پوچھا کہ میرے متعلق اس بوڑھے نے کیا کہا تھا؟ انھیں کہتے ہوئے شرم آئی۔ اس نے اصرار کیا۔ تو انھوں نے کہا۔ کہ شیخ نے کہا۔ کہ تم یہودی ہو۔ ابراہیم فرماتے ہیں کہ وہ شخص میرے پاس آیا۔ میرے ہاتھوں کو چومنے لگا، اور اسلام لے آیا۔ اُس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو بتایا کہ ہم اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ صدیق کی فراست میں خطا نہیں ہوتی۔ اس پر میں نے کہا کہ میں مسلمانوں کو آزماؤں گا۔ میں نے ان میں غور کیا۔ تو کہا اگر مسلمانوں میں کوئی صدیق ہوگا۔ تو اس جماعت میں ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ حق سبحانہٗ کا کلام پڑھتے ہیں۔ لہٰذا میں نے اپنا معاملہ تم سے چھپائے رکھا۔ مگر جب اس شیخ کو میری حالت کی اطلاع ہوگئی۔ اور فراست کی بات کہی تو میں سمجھ گیا کہ یہ صدیق ہیں۔ یہ نوجوان کبار صوفیہ میں سے ہوا۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ سے سنا۔ اُنھوں نے عبداللہ بن ابراہیم بن العلاء

سے سنا۔ انھوں نے کہا محمد بن داؤد(۹۵۵) سے فرماتے تھے کہ ہم جریری کے پاس بیٹھے تھے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سلطنت میں کوئی واقعہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے وقوع سے پہلے اسے اس کی اطلاع دے دیں؟ ہم نے کہا۔ کہ ہم میں تو ایسا کوئی نہیں ہے۔ یہ سُن کر فرمایا:۔ ان دلوں پر روؤ جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی نہیں پایا۔

ابو موسیٰ دیلمی فرماتے تھے۔ کہ میں نے عبدالرحمٰن بن یحییٰ سے توکل کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ اگر تو اپنا ہاتھ اژدہا کے منہ میں پہنچوں تک ڈال دے پھر بھی تو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ تو یہ توکل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر میں ابو یزید کے پاس توکل کے متعلق پُوچھنے کے لئے گیا۔ جب میں نے دستک دی تو انھوں نے فرمایا؛ کیا عبدالرحمٰن کا قول تمہارے لئے کافی نہ تھا؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ دروازہ تو کھولیں۔ انھوں نے جواب دیا تم میری زیارت کے لئے نہیں آئے۔ تمہیں دروازے کے پیچھے سے جواب مل گیا۔ مگر دروازہ نہ کھولا۔ فرماتے ہیں کہ میں چلا گیا۔ اور ایک سال کے بعد اُن کی زیارت کا قصد کیا تو آپ نے خوش آمدید کہکر کہا۔ اب تم میری زیارت کو آئے ہو۔ میں ایک ماہ تک اُن کے پاس ٹھہرا رہا۔ میرے دل میں جو خیال بھی گذرتا وہ اسے (خود بخود) بیان کر دیتے۔ جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو میں نے عرض کیا کہ کوئی مفید بات فرمایئے۔ فرمایا میری والدہ نے مجھے بتلایا کہ میں اُن کے پیٹ میں تھا۔ تو جو کھانا انھیں پیش کیا جاتا۔ اگر حلال ہوتا تو اُن کا ہاتھ اس طرف بڑھتا۔ اور اگر کھانا مشکوک ہوتا۔ تو ہاتھ آگے نہ بڑھتا۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں میں جنگل میں گیا تو مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ اور جب مکہ میں داخل ہوا تو میرے دل میں تھوڑا غرور آگیا۔ اس پر ایک بڑھیا نے مجھے پکار کر کہا۔ اے ابراہیم! جنگل میں تمہارے ساتھ میں تھی، مگر میں نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا کہ میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ تمہارے باطن کو کسی اور کی طرف مشغول کروں۔ یہ وسواس (جو تمہارے دل میں پیدا ہوا ہے اسے) نکال دو۔

حکایت کی جاتی ہے کہ فرغانی ہر سال حج کے لئے جاتے اور نیشاپور سے ابو عثمان حیری سے ملے بغیر گذر جاتے۔ فرغانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں اُن کے پاس گیا۔ اور سلام کیا تو انھوں نے

کرامت

نے سلام کا جواب نہ دیا۔ مَیں نے دل میں کہا کہ ایک مسلمان اس کے پاس آکر سلام کرتا ہے۔ اور یہ سلام کا جواب نہیں دیتا۔ ابوعثمان نے فوراً کہا کہ اس قسم کا آدمی حج کو جاتا ہے۔ اور اپنی والدہ سے نیک برتاؤ نہیں کرتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں فرغانہ واپس چلا گیا۔ اور مرتے دم تک والدہ کے پاس رہا۔ اُن کی وفات کے بعد ابوعثمان کے پاس گیا۔ تو انھوں نے میرا استقبال کیا اور مجھے بٹھایا۔ پھر فرغانی نے اُن سے درخواست کی کہ وہ ان کو جانوروں کی نگہداشت پر مقرر کردیں۔ آپ نے انھیں ان پر مقرر کردیا۔ یہاں تک کہ ابوعثمانؒ وفات پاگئے۔

خیر النساجؒ فرماتے ہیں: مَیں اپنے گھر میں تھا کہ دل میں خیال پیدا ہوا کہ جنیدؒ دروازے پر ہیں۔ مگر مَیں نے اس خیال کو دل سے دُور کردیا۔ مگر پھر دوبارہ اور سہ بارہ خیال آیا، نکلا تو جنیدؒ دروازے پر تھے۔ انھوں نے فرمایا: پہلے خیال پر کیوں نہیں نکلے؟

محمد بن حسین بسطامیؒ (۹۵۶ز) فرماتے ہیں:۔ مَیں اُبوعثمان مغربی کے پاس گیا۔ اور دل میں خیال کیا کہ شاید وہ مجھ سے کوئی چیز چاہیں گے۔ اس پر ابوعثمان نے فرمایا: کیا لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ مَیں اُن کی چیز قبول کرلیتا ہوں کہ اب مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ اُن سے مانگوں؟

ایک فقیر کا بیان ہے مَیں بغداد میں تھا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ مرتعشؒ مجھے پندرہ درہم لا کر دیں تاکہ میں ایک چھاگل، رسی اور جوتا خریدوں اور جنگل کو چلا جاؤں۔ اِتنے میں کسی نے دستک دی۔ جب مَیں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ مرتعشؒ ہیں۔ اور اُن کے پاس پرانے کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے۔ مجھے فرمایا کہ یہ لے لو۔ مَیں نے عرض کیا:۔ اے میرے آقا! مجھے ضرورت نہیں۔ فرمایا:۔ تو پھر تم ہمیں کیوں ایذا پہنچاتے ہو۔ تم نے کتنے درہم چاہے تھے؟ مَیں نے عرض کیا:۔ پندرہ۔ فرمایا: یہ پندرہ درہم ہی تو ہیں۔

کسی صوفی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰهُ (بھلا وہ شخص جو مردہ ہو اور ہم نے اسے زندہ کردیا ہو) کی تشریح میں فرمایا ہے کہ میت سے مراد وہ شخص ہے جس کا ذہن مرچکا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُسے نورِ فراست سے زندہ کردیتا ہے۔ اور اُسے نورِ تجلی اور مشاہدہ عطا کرتا ہے۔ یہ شخص اُن لوگوں کی طرح نہیں ہوسکتا۔ جو اہلِ غفلت کے ساتھ غافل ہوکر چلتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب کسی کو صحیح فراست حاصل ہو جائے تو فراست والا انسان بلند ہو کر مشاہدہ تک پہنچ جاتا ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا کہ محمد بن الحسین بغدادی نے کہا، کہ جعفر بن محمد بن نصیر فرماتے تھے کہ میں نے ابوالعباس بن مسروق سے سنا کہ فرماتے تھے۔ ایک بوڑھا ہمارے پاس آیا وہ صوفیا کے طرز میں باتیں کرتا تھا۔ اور عمدہ باتیں کرتا تھا۔ اس کی گفتار شیریں اور اچھی طبیعت تھی۔ اس نے گفتگو کے دوران کہا۔ کچھ بھی تمہارے دل میں آئے۔ مجھے کہہ دو۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ یہودی ہے۔ خیال قوی تر ہوتا گیا۔ اور زائل نہ ہوا۔ میں نے اس کا ذکر حریری سے کیا۔ تو انھیں بُرا معلوم ہوا۔ میں نے کہا کچھ بھی ہو۔ میں تو ضرور اس شخص کو بتلادوں گا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا تم کہتے ہو کہ جو خیال تمہارے دل میں آئے کہہ دو۔ میرے خیال میں تو یہ ہے کہ تم یہودی ہو۔ اس نے تھوڑی دیر سر نیچے رکھا۔ پھر سر اُٹھا کر کہا تم سچ کہتے ہو۔ پھر کلمۂ شہادت پڑھا اور کہا۔ میں نے تمام مذاہب کا تجربہ کیا۔ مگر میں دل میں کہا کرتا تھا کہ اگر کسی قوم میں کوئی چیز ہے۔ تو ان کے پاس ہوگی۔ لہٰذا میں تمہارے اندر گھس گیا۔ تاکہ تمہیں آزماؤں۔ تم حق پر ہو اور پھر وہ اچھا مسلمان رہا۔

جنیدؒ سے حکایت ہے فرماتے تھے: کہ سریؒ مجھے لوگوں کو وعظ کرنے کا حکم کرتے تھے۔ نیز فرماتے تھے کہ وعظ کرنے میں مجھ میں جھجک پائی جاتی تھی۔ اور میں اپنے آپ کو اہل نہ سمجھتا تھا۔ ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ یہ جمعہ کی رات تھی۔ انھوں نے مجھے فرمایا۔ لوگوں کو وعظ کرو۔ میں اُٹھ کر صبح ہونے سے پہلے ہی سریؒ کے دروازے پر پہنچا۔ اور دستک دی۔ انھوں نے مجھے فرمایا: تُو نے میری بات نہیں مانی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجھ سے فرمایا۔ دوسرے دن جنیدؒ جامع مسجد میں لوگوں کو وعظ کرنے کے لئے بیٹھے۔ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی۔ کہ جنیدؒ لوگوں کو وعظ فرمانے لگے ہیں۔ ایک عیسائی لڑکا بھیس بدل کر اُٹھا اور کہا۔ اے شیخ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ کا کیا مطلب ہے؟ جنیدؒ نے اس پر پہلے سر جھکایا، پھر سر اُٹھایا۔ اور کہا مسلمان ہو جا۔ کیونکہ تمہارے اسلام لانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس پر وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔

۳۳۔ خلق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ آپ کے اخلاق بڑے ہیں۔

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ ہم سے ہشام[۹۵۹] بن محمد بن غالب نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے معلیٰ بن مہدی[۹۶۰] نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بشار[۹۶۱] بن ابراہیم النمیری نے، غیلان بن جریر[۹۶۲] سے اور انھوں نے انس سے روایت کی:۔ یہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کون افضل ایمان والا ہے؟ آپ نے فرمایا جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو۔

استاد فرماتے ہیں کہ اچھے اخلاق انسان کی بہترین خوبیاں ہیں۔ اس سے انسانوں کا جوہر ظاہر ہوتا ہے۔ اپنے افعال کی وجہ سے تو چھپا رہتا ہے۔ مگر اخلاق کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خاص خصوصیتوں کے ساتھ مخصوص کیا۔ مگر جسقدر تعریف آپ کی صفات میں سے آپ کے اخلاق کی ہے۔ اس قدر کسی اور صفت کی نہیں کی۔ چنانچہ فرمایا۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

واسطی[۹۶۳] فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت خلق عظیم کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا۔ کہ آپ نے دونوں جہانوں کی جملہ اشیاء کو دے کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اکتفا کیا۔

واسطی فرماتے ہیں۔ خلق عظیم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شدید معرفت کی وجہ سے نہ تو خود کسی سے جھگڑے اور نہ کوئی ان سے جھگڑ سکے۔

حسین بن منصور فرماتے ہیں خلق عظیم کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق کی جفا کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جبکہ آپ حق کا مطالعہ کر چکے ہیں۔

ابو سعید خراز فرماتے ہیں:۔ کہ آپ کو اللہ کے سوا کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمن سلمی سے سنا کہ انھوں نے الحسین[۹۶۴] بن احمد بن جعفر سے سنا کہ الکتانی فرما رہے تھے۔ تصوف نام ہی اخلاق کا ہے لہذا جو شخص تم سے اخلاق میں بلند ہوگا۔ وہ تصوف میں بھی تم سے بلند ہوگا۔

مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اگر تم مجھے اپنے غلام کو اخزاہ اللہ (خدا اسے رسوا کرے) کے الفاظ کہتے ہوئے سن لو تو تم گواہ رہنا کہ وہ آزاد ہے۔

فضیل فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کلیتہً نیکی کرتا ہے اور اس کی ایک مرغی ہے جس سے وہ بُرا برتاؤ کرتا ہے۔ تو وہ نیک کام کرنے والا نہیں کہلا پائے گا۔

کہتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اگر اپنے کسی غلام کو اچھی طرح نماز پڑھتے دیکھتے تو اُسے آزاد کر دیتے۔ غلاموں کو اس بات کا پتہ چل گیا تو دکھاوے کے طور پر اچھی طرح نماز پڑھا کرتے آپ پھر بھی انہیں آزاد کر دیتے۔ آپ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ تو فرمایا: جو شخص اللہ کے بارے میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے تو ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

میں نے محمدؒ بن الحسین سے سنا کہ محمد بن عبد اللہ الرازی سے سنا کہ ابو محمدؒ الحریری نے کہا کہ جنید فرماتے تھے کہ میں نے حارث محاسبیؒ کو فرماتے سنا: تین چیزیں (دنیا سے) مفقود ہو چکیں۔ (۱) خوبصورتی جس کے ساتھ کمال خلق پایا جاتا ہو (۲) سچائی جس کے ساتھ امانت پائی جاتی ہو۔ (۳) اچھا بھائی چارہ جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا کہ میں نے عبد اللہ[۹۶۵] محمد الرازی کو فرماتے سنا۔ خُلق یہ ہے کہ جو نیک اعمال تجھ سے سرزد ہوں تو اُن کو حقیر سمجھے اور جو عنایات اللہ کی طرف سے تجھ پر ہوں اُن کو تو بڑا سمجھے۔

احنفؒ[۹۶۶] سے کسی نے پوچھا کہ تم نے اخلاق کس سے سیکھا۔ فرمایا: قیس بنؒ عاصم[۹۶۷] منقری سے کسی نے سوال کیا۔ ان کے اخلاق کس حد تک پہنچ چکے تھے؟ فرمایا۔ ایک بار وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے۔ کہ ان کی خادمہ سیخ لے کر آئی جس پر بُھنا ہوا گوشت تھا۔ سیخ اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ اور قیس کے بیٹے کو لگی۔ جس سے وہ بچہ مر گیا۔ لونڈی دہشت زدہ ہو گئی تو اس نے اُسے کہا: تجھے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ تو اللہ کی ذات کے لئے آزاد ہے۔

شاہ کرمانیؒ فرماتے ہیں: لوگوں کی ایذا رسانی سے اپنے آپ کو روکنا اور لوگوں کی تکالیف پر داشت کرنا حسنِ خُلق کی علامت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے مال کے ذریعہ لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے۔ لہٰذا

خندہ پیشانی اور حُسنِ خُلق کے ذریعہ سے اُنھیں خوش رکھا کرو۔

ذوالنونؒ مصری سے کسی نے پوچھا لوگوں میں سب سے زیادہ غمزدہ کون شخص ہے؟ فرمایا۔ جو لوگوں میں سب سے زیادہ بداخلاق ہے۔

وہب فرماتے ہیں:۔ بندہ جس کسی بات کو چالیس دن تک اپنا خلق بنالے تو وہ خُلق اس کی طبیعت بن جاتا ہے۔

حسن بصریؒ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اپنے اخلاق کو اچھا کرو۔

کہتے ہیں کہ ایک مالک کی ایک بکری تھی جسے اس نے تین ٹانگوں پر کھڑا دیکھا۔ تو کہا بکری سے یہ فعل کس نے کیا؟ ان کے ایک غلام نے کہا:۔ مَیں نے کیا ہے۔ اس نے پُوچھا کیوں؟ اس نے جواب دیا تاکہ تمہیں اس سے غمزدہ کروں۔ مالک نے کہا:۔ نہیں بلکہ مَیں تمہیں اس بات کا حکم کرنے والے (یعنی شیطان) کو اس سے غمزدہ کروں گا۔ جا! تو آزاد ہے۔

کسی نے ابراہیم بن ادھم سے پُوچھا:۔ کیا تو دنیا میں کبھی خوش ہُوا ہے؟ جواب دیا ہاں۔ دو بار۔ ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان نے آکر مجھ پر پیشاب کر دیا۔ اور دوسری بار اس طرح کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انسان نے آکر مجھے تھپڑ مارا۔

کہتے ہیں کہ جب بچے اُویس قرنیؒ [۲۹۶] کو دیکھتے تو انھیں پتھر مارتے۔ یہ ان سے کہتے اگر تم کو پتھر مارنا ہی ہے۔ تو چھوٹے پتھر مارو۔ تاکہ تم میری پنڈلی نہ توڑ ڈالو۔ اور اس طرح مجھے نماز سے نہ روک دو۔

ایک شخص نے احنف بن قیس کو گالی دی، وہ آپ کے پیچھے آرہا تھا۔ جب احنف قبیلہ کے قریب پہنچنے لگے۔ تو ٹھہر گئے۔ اور کہا:۔ اے جوان! اگر کوئی اور بات تمہارے دل میں رہ گئی ہے تو ابھی کہہ ڈالو۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبیلہ کا کوئی بے وقوف تمہاری گالیوں کو سُن کر تمہیں جواب دے دے۔

کسی نے حاتم اصمؒ سے پُوچھا۔ کیا انسان ہر کسی کی خطا کو برداشت کرلے؟ فرمایا:۔ ہاں، سوائے اپنی خطا کے (کہ اسے برداشت نہ کرے بلکہ اسے درست کرے)

روایت کی گئی ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو بلایا۔ مگر اُس نے جواب نہ دیا۔ آپ نے دوبارہ سہ بارہ بلایا۔ اُس نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ آپ خود اُٹھ کر اُس کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے لیٹا ہوا پایا۔ فرمایا: اے غلام! کیا تو میری آواز نہیں سُن رہا ہے؟ جواب دیا: ہاں سُن رہا ہوں۔ پھر پوچھا: پھر تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ اس نے جواب دیا: مجھے یقین تھا۔ کہ آپ مجھے سزا نہیں دیں گے۔ للہذا میں نے سُستی کی۔ یہ جواب سُن کر حضرت علی نے فرمایا: جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

کہتے ہیں کہ معروف کرخیؒ دجلہ میں وضو کرنے کے لئے اُترے اور اپنا قرآن اور لحاف رکھ دیا۔ ایک عورت آئی اور دونوں کو اُٹھا کر لے گئی۔ معروف نے اس عورت کا پیچھا کیا۔ اور کہا: اے بہن میں معروف ہوں اور میں تجھے کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ کیا تیرا کوئی بیٹا پڑھنا جانتا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا نہیں۔ پھر فرمایا: خاوند؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا مصحف (قرآن) مجھے دے دو۔ اور کپڑا لے لو۔

ایک بار چور زبردستی شیخ ابو عبدالرحمن سلمی کے گھر میں گھس گئے۔ اور جو کچھ انھیں وہاں ملا، اٹھا کر لے گئے۔ پھر میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہتے سنا۔ کہ اُس نے شیخ ابو عبدالرحمن کو فرماتے سنا کہ میں بازار میں سے گذرا تو میں نے اپنا جبہ ایک شخص کو پہنے ہوئے دیکھا۔ اور وہ اس کی بولی دے رہا تھا۔ (نیلام کر رہا تھا) میں نے اس سے منہ موڑ لیا۔ اور اس کی طرف متوجہ نہ ہُوا۔

میں نے شیخ ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج الطوسی نے کہا کہ الوجیہی فرماتے تھے کہ حریری فرماتے ہیں۔ میں جب مکہ سے آیا۔ تو اس خیال سے کہ کہیں جنیدؒ تکلیف نہ فرمائیں۔ میں پہلے انہی کے پاس گیا۔ اور انھیں سلام عرض کر کے پھر گھر گیا۔ جب میں نے مسجد میں صبح کی نماز پڑھی دیکھا تو وہ میرے پیچھے صف میں تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں کل آپ کی خدمت میں صرف اس غرض سے حاضر ہوا تھا۔ کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: یہ تو تمہاری مہربانی تھی۔ مگر (جو میں نے کیا ہے) یہ تمہارا حق ہے۔

کسی نے ابو حفص سے خُلق کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا۔ خلق تو وہی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اختیار فرما کر کہا ہے خُذِ الْعَفْوَ (آیت)

کہا جاتا ہے کہ خُلق یہ ہے کہ تو (بدن کے اعتبار سے) لوگوں کے قریب ہو مگر اُن کے درمیان ایسا ہو جیسے ایک اجنبی شخص۔

نیز کہا گیا ہے کہ خُلق یہ ہے کہ تو لوگوں کی بدخلقی اور اللہ تعالیٰ کی قضا کو بغیر ملال اور اظہار بے چینی کے قبول کرے۔

کہا جاتا ہے کہ ابوذرؓ حوض پر اپنے اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے جلد بازی کی اور حوض ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر ابوذرؓ پہلے بیٹھ گئے۔ پھر لیٹ گئے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب کسی انسان کو غصہ آ جائے تو اُسے بیٹھ جانا چاہیئے۔ اگر اس طرح غصہ جاتا رہے تو بہتر ہے ورنہ لیٹ جائے۔

کہتے ہیں کہ انجیل میں ہے: اے میرے بندے۔ جب تجھے غصہ آ جائے تو مجھے یاد کر۔ جب مجھے غصہ آئے گا تو میں تمہیں یاد کروں گا۔

ایک عورت نے مالک بن دینار سے کہا۔ اے ریاکار! یہ سن کر مالک نے کہا: تم نے تو میرا وہ نام پا لیا ہے جس سے اہلِ بصرہ ناواقف ہیں۔

لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: تین شخص تین صورتوں میں پہچانے جاتے ہیں۔ حلیم الطبع انسان غصے کے وقت۔ بہادر جنگ کے وقت۔ بھائی جبکہ ضرورت پڑ جائے۔

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں خدایا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ لوگ میرے متعلق وہ بات نہ کہیں جو مجھ میں نہیں پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ تو نے یہ خواہش میری خاطر نہیں کی۔ لہٰذا یہ بات میں تمہاری خاطر کیوں کروں۔

کہتے ہیں کہ یحییٰ بن زیاد(۹۶۹) کا ایک غلام تھا۔ جو بڑا بداخلاق تھا۔ لوگوں نے انھیں کہا کہ آپ نے اسے اپنے پاس کیوں رکھ رکھا ہے۔ تو فرمایا: میں نے اسے اپنے پاس اس لئے رکھا ہے کہ اس کے ذریعے سے میں حلم سیکھوں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً "اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل طور پر دیں" کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد پاک اخلاق ہیں۔

فضیل فرماتے ہیں کہ ایک فاجر اچھے اخلاق والے کی صحبت کو میں ایک عابد برے اخلاق والے

کی صحبت سے بہتر سمجھتا ہوں۔

نیز کہا گیا ہے کہ اچھی مدارات کے ساتھ لوگوں کی ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنا اچھا خلق کہلاتا ہے۔

حکایت کی گئی ہے کہ ابراہیم بن ادھم کسی جنگل کو نکل گئے۔ راستہ میں اُنھیں ایک فوجی سپاہی ملا۔ جس نے ان سے پوچھا۔ کہ آبادی کدھر کو ہے؟ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آپ کے سر پر مار کر ایسا زخمی کیا کہ ہڈی ظاہر ہو گئی۔ جب سپاہی آگے چلا گیا تو اُسے کسی نے بتلایا کہ ابراہیم بن ادھم تو خراسان کا بہت بڑا زاہد ہے۔ وہ اُن سے معافی مانگنے کو آیا۔ آپ نے فرمایا:۔ جب تُو نے مجھے مارا تھا تو میں نے اللہ سے دعا کی تھی۔ کہ وہ تجھے جنّت عطا کرے۔ سپاہی نے پوچھا یہ کیوں؟

اُنھوں نے فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ مجھے اجر دے گا۔ لہٰذا میں یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ تمہاری وجہ سے مجھے نیکی ملے۔ اور میری وجہ سے تمہیں شر۔

حکایت کی جاتی ہے کہ کسی شخص نے ابوعثمان حیری کی دعوت کی۔ جب آپ اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ تو اس شخص نے کہا، اے اُستاد! ابھی تمہارے داخل ہونے کا وقت نہیں ہے میں تو دعوت دینے سے نادم ہوں۔ لہٰذا آپ واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ابوعثمان واپس چلے آئے۔ مگر جب گھر پہنچے تو وہ شخص پھر آگیا۔ اور کہا۔ ابھی چلیے۔ ابوعثمان اُٹھ کر اُس کے ساتھ ہو لئے مگر جب پھر گھر کے دروازے پر آئے۔ تو اُس نے پھر وہی پہلے کی سی بات کہی۔ تیسری اور چوتھی بار بھی ایسا ہی کیا۔ ابوعثمان واپس آگئے اور پھر ساتھ ہو لئے۔ جب کئی بار ایسا ہو چکا۔ تو اس شخص نے کہا:۔ اے استاد! میں تو آپ کو آزمانا چاہتا تھا۔ اور معافی مانگنے لگا۔ اور اُن کی تعریف کرنے لگا۔ ابوعثمان نے فرمایا:۔ ایسے اخلاق پر میری تعریف نہ کر۔ جو کتوں میں بھی پائے جاتے ہیں کتے کو جب بلایا جائے تو آجاتا ہے اور دھتکارا جائے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ابوعثمان دوپہر کے وقت کسی کوچے میں سے گذرے تو کسی نے چھت پر سے راکھ کی طشت پھینک دی۔ آپ کے مُرید بڑے ناراض ہوئے۔ اور پھینکنے والے کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ ابوعثمان نے فرمایا:۔ اسے کچھ مت کہو۔ جو شخص اس بات کا مستحق ہو کہ اس کے سر پر آگ پھینکی

جائے۔ اور (بجائے آگ کے) راکھ پر ہی اکتفا کیا جائے۔ تو اس کے لئے ناراض ہونا روا نہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک درویش جعفر بن حنظلہ کے پاس مہمان بن کر آیا۔ جعفر اس کی بہت خدمت کرتا۔ اور درویش کہتا کہ تو آدمی تو بہت اچھا ہے۔ اگر یہودی نہ ہوتا۔ جعفر نے کہا۔ میرے عقیدہ سے تو اس خدمت گذاری میں جس کی تجھے ضرورت ہے۔ کوئی عیب نہیں آتا۔ تجھے چاہیئے کہ تو اپنے لئے شفاء کی دعا کرے اور میرے لئے ہدایت کی۔

کہتے ہیں کہ عبداللہ خیاط(۹۷۰) کا ایک مجوسی گاہک تھا۔ آپ اس کے کپڑے سیتے اور وہ آپ کو کھوٹے درہم دیتا۔ عبداللہ انھیں لے لیا کرتے۔ سو ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کسی کام کے لئے دکان سے اُٹھ کر چلے گئے۔ مجوسی کھوٹے درہم لے کر آیا۔ اور آپ کے شاگرد کو دیئے اس نے قبول نہ کئے۔ پھر اُس نے کھرے درہم ادا کئے۔ جب عبداللہ واپس آئے تو آپ نے پوچھا کہ مجوسی کی قمیص کہاں ہے؟ شاگرد نے سارا قصہ سنا دیا۔

آپ نے کہا کہ تو نے بہت بُرا کیا ہے۔ وہ مدت سے میرے ساتھ اس قسم کا معاملہ کیا کرتا تھا۔ اور میں صبر کرتا۔ اور درہموں کو ایک کنوئیں میں ڈال دیتا۔ تاکہ کسی اور کو دھوکا نہ دے سکے۔

کہتے ہیں کہ بُرا خُلق بُرے اخلاق والے انسان کے دل کو تنگ کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اپنے مطلب کے بغیر کوئی اور بات اس میں سما ہی نہیں سکتی۔ جس طرح تنگ جگہ میں کوئی دوسرا نہیں سما سکتا

کہتے ہیں کہ اچھا خُلق یہ ہے کہ تو اُن لوگوں سے ناراض نہ ہو جو صف میں تمہارے پہلو میں کھڑے ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ دوسرے کے بُرے اخلاق پر تمہاری نگاہ کا پڑنا بھی برا خُلق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شوم کے متعلق سوال کیا تو فرمایا۔ بدخلقی شوم ہے۔

ہم سے ابوالحسن علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ ان سے ابوالحسن الصفار بصری نے کہا کہ ان سے معاذ بن المثنی(۹۷۱) نے کہا کہ ان سے یحییٰ بن معین(۹۷۲) نے کہا۔ ان سے مروان الفزاری(۹۷۳) نے، ان سے یزید بن کیسان(۹۷۴) نے، ابوحازم(۹۷۵) سے روایت کی کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مشرکوں کے لئے بددعا کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں رحمت بن کر آیا ہوں۔ عذاب بن کر نہیں آیا۔

۳۴- جُود و سخاء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَیُؤثِرُونَ عَلٰی اَنفُسِهِم وَلَو کَانَ بِهِم خَصَاصَةٌ انھیں خواہ اپنی حاجت کیوں نہ ہو۔ دوسروں کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں۔

ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ احمد بن عبید نے ان سے کہا کہ حسن بن العباس[۹۷۷] نے ان سے کہا کہ سہل[۹۷۸] نے ان سے کہا کہ سعید بن[۹۷۹] ... نے یحییٰ بن سعید[۹۸۰] سے روایت کی اور انھوں نے محمد بن ابراہیم[۹۸۱] سے اور انھوں نے علقمہ[۹۸۲] سے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سخی، اللہ کے بھی قریب ہوتا ہے۔ لوگوں کے بھی۔ اور جنت کے بھی اور دوزخ سے دُور ہوتا ہے۔ اور بخیل اللہ سے بھی دُور ہوتا ہے، لوگوں سے بھی اور جنت سے بھی۔ مگر دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

استاد فرماتے ہیں۔ علمی زبان میں جود و سخا میں کوئی فرق نہیں۔ مگر سخا اور سماحت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں لفظوں سے ہمیں واقف نہیں کیا۔

جود درحقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے خرچ کرنا مشکل نہ ہو۔ اور صوفیاء کے ہاں سخا پہلا مرتبہ ہے۔ پھر جود کا مرتبہ آتا ہے۔ پھر ایثار کا۔ جس نے اپنے مال کا کچھ حصہ دیا اور کچھ باقی رکھ لیا۔ وہ صاحب الجود ہے۔ مگر جس نے تکلیف برداشت کی۔ پھر اپنی روزی کو دوسروں کے لئے قربان کر دیا۔ وہ صاحب ایثار ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ اسماد بن خارجہ[۹۸۳] کہتے تھے۔ میں کسی شخص کی حاجت کو رد کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اگر وہ شریف انسان ہے تو اُس کی عزت بچاؤں گا۔ اور اگر کوئی کمینہ ہے تو اپنی عزت اس سے بچاؤں گا۔

کہا جاتا ہے کہ مورق عجلی[۹۸۴] اپنے بھائیوں پر لطیف پیرایہ میں مہربانی کیا کرتے۔ پہلے اُن کے پاس ایک ہزار درہم رکھ دیتے۔ اور کہتے۔ انھیں میرے واپس آنے تک اپنے پاس رکھو۔ پھر انھیں پیغام بھیجتے کہ تمہیں انھیں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔

کہتے ہیں کہ اہلِ منبج(۹۸۵) میں سے ایک شخص اہلِ مدینہ کے ایک شخص سے ملا۔ اس سے پوچھا:
تم کن لوگوں میں سے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں اہلِ مدینہ میں سے ہوں۔ پہلے شخص نے کہا
تم میں سے ایک شخص جس کا نام حکم بن مطلب(۹۸۶) ہے۔ ہمارے ہاں آیا تھا اور اُس نے ہمیں مالدار
بنا دیا تھا۔ اس پر مدنی نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے ہاں صوف کا ایک جبہ پہن
کر آیا تھا۔ منبجی نے کہا۔ کہ اس نے ہمیں مال و دولت سے مالدار نہیں بنایا بلکہ اس نے سخاوت
کا ہمیں عادی بنایا۔ ہم نے یہ طریقہ آپس میں اختیار کیا۔ یہاں تک کہ ہم مالدار ہو گئے۔

استاد ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں۔ جب غلام خلیل(۹۸۷) نے خلیفہ کے پاس صوفیہ کی چغلی کھائی تو
خلیفہ نے اُن کی گردنیں اُڑا دینے کا حکم دیا۔ جنیدؒ نے فقہ کے ذریعہ سے اپنے حال کو چھپائے
رکھا۔ کیونکہ وہ ابو ثور(۹۸۸) کے مذاہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ لیکن خلیفہ نے شحام۔ رقام
نوری اور دیگر لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ اور اُن کی گردنیں اڑانے کے لئے چمڑا بچھا دیا۔ نوری آگے
بڑھے۔ جلاد نے کہا۔ کیا جانتے ہو کس چیز کی طرف قدم رکھ رہے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں جانتا
ہوں۔ جلاد نے پھر پوچھا۔ پھر اتنی جلدی کیوں کر رہے ہو؟ جواب دیا میں اپنے ساتھیوں کو
ایک ساعت کی زندگی کے لئے اپنے پر ترجیح دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر جلاد حیران ہو گیا۔ اور اس
نے خلیفہ کو اس بات کی خبر دی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ان کو پھر قاضی کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ ان
کے حال کی چھان بین کرے۔ قاضی نے ابوالحسن نوریؒ سے فقہ کے چند مسئلے پوچھے۔ نوری نے
سب کا جواب دے کر فرمایا۔ اس سوال و جواب کے بعد واضح رہے کہ اللہ کے کچھ بندے
ایسے ہیں جب کھڑے ہوں گے تو اللہ کے حکم کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ اور بولیں گے تو اللہ
کے حکم سے بولیں گے۔ اور ایسے الفاظ میں گفتگو کی کہ قاضی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ قاضی
نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ اگر یہ لوگ زندیق ہیں۔ تو دنیا بھر میں کوئی شخص مسلمان نہیں۔

کہتے ہیں کہ علی بن بُقیس(۹۸۹) اپنے محلہ کے دکانداروں سے اشیاء خریدا کرتے۔ کسی نے ان سے
کہا کہ اگر آپ بازار میں جا کر خریدیں تو سستا ملے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ لوگ نفع کی اُمیدیں
ہمارے پڑوس میں آ کر اترے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک لونڈی بطور تحفہ جَبلہ(۹۹۰) بن سحیم کے پاس بھیجی۔ اس وقت

وہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت بُری بات ہے۔ کہ تمہاری موجودگی میں میں اُسے اپنے لئے لے لوں۔ اور میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کسی خاص ایک شخص کو دوں۔ جبکہ تم میں سے ہر ایک کا حق اور احترام ہے۔ مگر لونڈی تو تقسیم نہیں ہوسکتی۔ وہ سب اسی آدمی تھے۔ لہٰذا انھوں نے ہر ایک کو لونڈی یا خادم دینے کا حکم دیا۔

کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن ابی بکرہ[۹۹۱] کو ایک دن راستے میں پیاس لگی تو اس نے ایک عورت کے گھر سے پانی مانگا۔ عورت نے ایک کوزہ نکالا۔ اور دروازے کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ اور کہا۔ دروازے سے ہٹ جاؤ اور تمہارا کوئی بچہ اُسے اٹھالے۔ کیونکہ میں عرب نژاد عورت ہوں اور میرا خادم کئی دن ہوئے مرچکا ہے۔ عبیداللہ نے پانی پی کر اپنے غلام سے کہا۔ اسے دس ہزار درہم دے آؤ۔ عورت نے کہا۔ سبحان اللہ! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے۔ اس نے کہا۔ اچھا بیس ہزار درہم دے آؤ۔ عورت نے کہا۔ میں اللہ سے عافیت چاہتی ہوں۔ عبیداللہ نے پھر غلام سے کہا۔ اسے تیس ہزار درہم دے آؤ۔ اس عورت نے دروازہ بند کردیا اور کہا۔ حیف ہے تم پر۔ غلام اس کے پاس تیس ہزار درہم لے گیا۔ اور اس نے قبول کرلئے۔ رات ہونے سے پہلے ہی کئی لوگوں نے اسے شادی کا پیغام بھیجا۔

کہتے ہیں کہ پہلے خیال کے آتے ہی اس کے مطابق عمل کرنا جُود کہلاتا ہے۔

میں نے ابوالحسن بوشنجی کے ایک مرید کو فرماتے سنا۔ کہ ابوالحسن بوشنجی بیت الخلاء میں تھے۔ کہ انھیں خیال آیا کہ فلاں فقیر کو قمیص کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے ایک مرید بلاکر کہا کہ یہ قمیص اتار لو۔ اور فلاں شخص کو دے آؤ۔ کسی نے کہا۔ آپ نے قضاحاجت سے فارغ ہونے تک صبر کرلیا ہوتا۔ فرمایا مجھے ڈر تھا کہ اگر میں اُس وقت اسے قمیص نہ دیتا۔ تو ہوسکتا تھا کہ میری نیت بدل جاتی۔

کسی نے قیس بن سعد بن عبادۃ[۹۹۲] سے کہا۔ کیا تُو نے کسی کو اپنے سے زیادہ سخی دیکھا ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں ہم جنگل میں ایک عورت کے پاس اُترے۔ تھوڑی دیر بعد اس کا خاوند بھی آگیا۔ عورت نے کہا کہ تمہارے ہاں مہمان آئے ہیں۔ خاوند نے اونٹنی ذبح کرڈالی۔ اور کہا۔ کھاؤ۔ جب دوسرا دن ہوا تو ایک اور اونٹنی لے آیا۔ اور اُسے بھی ذبح کرڈالا۔ اور کہا۔ کھاؤ۔

ہم نے کہا آپ نے کل جو اونٹنی ذبح کی تھی، اس میں سے ہم نے تھوڑا سا حصّہ ہی کھایا تھا۔ اُس نے جواب دیا: میں اپنے مہمانوں کو باسی چیز کھانے کو نہیں دیا کرتا۔ ہم دو یا تین دن اسی کے ہاں رہے بارش لگاتار ہو رہی تھی، اور وہ اسی طرح کیا جاتا تھا۔ جب ہم نے کوچ کا ارادہ کیا تو ہم نے اس کے لئے اس کے گھر میں ایک سو دینار رکھ دیئے۔ اور اس کی بیوی سے کہا ہماری طرف سے اس کے پاس عذر کر دینا۔ اور ہم چل دیئے۔ جب دن اُونچا ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص پیچھے سے آواز دے رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ ارے کمینو! ٹھہر جاؤ۔ کیا تم مجھے میری ضیافت کی قیمت دینا چاہتے ہو۔ اور وہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اور کہا۔ تمہیں یہ رقم واپس لینی پڑے گی۔ ورنہ اس نیزے سے تمہیں چھید ڈالوں گا۔ ہم نے وہ رقم لے لی۔ اور وہ یہ شعر پڑھتا ہوا واپس چلا گیا:۔

وَاِذَا اَخَذْتُ ثَوَابَ مَا اَعْطَیْتُهٗ فَکَفٰی بِذَاكَ لِنَائِلٍ تَکْدِیْرًا

"جو کچھ میں نے دیا ہے۔ اگر میں اس کا ثواب لے لوں تو یہ بات احسان کو مکدر کر دینے کے لئے کافی ہے۔"

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن کو فرماتے سنا کہ ابو عبداللہ رودباری اپنے ایک مرید کے گھر گئے اور اُسے وہاں نہ پایا۔ اس کے گھر کا دروازہ مقفل تھا۔ ابو عبداللہ نے فرمایا۔ صوفی اور دروازے پر تالا۔ تالا توڑ دو۔ چنانچہ اُنھوں نے تالا توڑ دیا۔ اور حکم دیا کہ جو کچھ بھی گھر میں ہے۔ بازار لے جا کر بیچ دیا جائے۔ اور اس کی قیمت کام میں لائی جائے۔ اور وہ گھر میں بیٹھ گئے۔ مالک مکان آیا۔ مگر دیکھ کر انھیں کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے بعد مالک مکان کی بیوی آئی۔ اس نے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ گھر میں داخل ہو کر اس نے کمبل بھی پھینک دیا۔ اور کہا اس کا شمار بھی تو سامان میں ہوتا ہے اسے بھی بیچ دو۔ خاوند نے اسے کہا۔ تو نے اپنے اختیار سے اتنی تکلیف کیوں کی؟ بیوی نے کہا۔ خاموش رہو۔ اس قسم کا پیر ہم سے بے تکلفی کرتا ہے۔ اور حکم کرتا ہے۔ اور ہم اس سے بچا کر کوئی چیز اپنے پاس رکھ لیں۔ بشر بن الحارث فرماتے ہیں:۔ بخیل آدمی کو دیکھنا دل کو سخت کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قیس بن سعد بن عبادہ بیمار پڑ گئے۔ اس کی برادری کے لوگ اسے ملنے آئے۔ انھوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس قرض کی وجہ سے جو اس کا اُن کے ذمہ ہے۔ شرماتے ہیں آپ نے کہا۔ خدا اس مال کو رسوا کرے۔ جو بھائیوں کو ملنے سے روکتا ہے۔ پھر ایک شخص سے

کہا کہ اعلان کر دو کہ جس شخص کے ذمے قیس کا قرض ہے۔ وہ اسے معاف ہے۔ (اس اعلان کے ہوتے ہی) عیادت کرنے والوں کی اس قدر بھیڑ ہوئی کہ اس کے دروازے کی چوکھٹ ٹوٹ گئی۔

کسی نے عبداللہ(۹۹۲) بن جعفر سے کہا کہ جب تجھ سے کوئی کچھ مانگتا ہے۔ تو تو بہت سا دے دیتا ہے مگر جب تجھ سے کوئی جھگڑا کرتا ہے۔ تو تو تھوڑی سی چیز دینے میں بھی بخل کرتا ہے۔ کہا کہ میں مال خرچ کرتا ہوں۔ اور عقل کے ساتھ بخل کرتا ہوں۔

کہتے ہیں عبداللہ بن جعفر اپنی جاگیر کی طرف گئے۔ تو (راستے میں) کسی کے نخلستان میں قیام کیا۔ وہاں ایک حبشی غلام ہوتا تھا۔ غلام کا کھانا آیا۔ تو ایک کتا باغ میں گھس کر غلام کے قریب آگیا۔ غلام نے پہلے ایک روٹی اسے ڈالی۔ جسے کتے نے کھا لیا۔ پھر دوسری اور پھر تیسری بھی ڈال دی۔ کتے نے انہیں بھی کھا لیا۔ عبداللہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ عبداللہ نے غلام سے پوچھا کہ تیری یومیہ خوراک کتنی ہے؟ غلام نے کہا:۔ جتنی آپ نے دیکھی ہے۔ عبداللہ نے کہا آپ نے کتے کو کیوں دے دی؟ غلام نے کہا کہ یہ کتوں کا علاقہ نہیں ہے۔ یہ کتا دور مسافت طے کر کے آیا تھا۔ اور بھوکا تھا۔ اس لئے میں نے اسے مایوس کرنا پسند نہ کیا۔ عبداللہ نے پوچھا کہ آج تو کیا کرے گا؟۔ جواب دیا کہ آج بھوکا رہونگا۔ یہ جواب سن کر عبداللہ بن جعفر نے کہا:۔ کیا مجھے سخاوت کرنے پر ملامت کی جاتی ہے؟ یہ تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے۔ پھر اس باغ اور غلام کو معہ تمام آلات کے خرید لیا۔ اور غلام کو آزاد کر کے سب کچھ اسے دے دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے دوست کے گھر آکر دستک دی جب دوست باہر نکلا۔ تو اس نے پوچھا۔ کس لئے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ مجھ پر چار سو درہموں کا قرض ہے۔ دوست گھر میں داخل ہوا اور چار سو درہم لے آیا۔ اور روتا ہوا گھر کے اندر چلا گیا۔ اس کی بیوی نے اسے روتا دیکھ کر کہا۔ اگر تجھے اتنا روپیہ دینا اسقدر ناگوار تھا۔ تو کوئی بہانہ کر دیا ہوتا۔ خاوند نے جواب دیا کہ میں روپوں کے لئے نہیں رو رہا ہوں۔ بلکہ اس لئے رو رہا ہوں کہ میں نے پہلے ہی اس کی خبر گیری کیوں نہیں کی۔ تاکہ اسے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

مطرف(۹۹۳) بن شخیر فرماتے ہیں۔ جب کبھی تم میں سے کسی شخص کو میرے پاس کوئی حاجت ہو

تو اسے تحریراً پیش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ حاجت مند کے چہرہ پر حاجت کی وجہ سے خفت کے آثار دیکھوں۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس کی مخالفت کرنا چاہی۔ لہٰذا وہ عمائدینِ شہر کے پاس گیا۔ اور انھیں کہا کہ تمہیں عبد اللہ بن عباس کہتا ہے۔ کہ آج میرے ہاں صبح کا کھانا کھائیں۔ وہ آ گئے۔ اور اُن سے گھر بھر گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بتلایا گیا۔ کہ بات یہ ہے آپ نے فوراً حکم دیا کہ پھل خرید کر لائے جائیں۔ اور روٹی وغیرہ پکانے کا حکم دیا اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ جب وہ کھا چکے تو عبد اللہ نے اپنے ایجنٹوں سے کہا۔ کیا یہ چیزیں روزانہ مہیا ہو سکتی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ عبد اللہ نے کہا۔ ان لوگوں کو روزانہ ہمارے ہاں صبح کا کھانا کھانا چاہیئے۔

میں نے استاد ابو عبد الرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ ایک دن استاد ابو سہل صعلوکی (م ۳۹۹) اپنے گھر کے صحن میں وضو فرما رہے تھے۔ کہ ایک شخص آیا۔ اور اس نے آپ سے کوئی چیز مانگی مگر اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا میرے فارغ ہونے تک صبر کرو۔ جب آپ وضو کر چکے تو فرمایا: یہ تازی ہی لے لو۔ اور چلے جاؤ۔ وہ شخص لے کر چل دیا۔ آپ نے اتنی دیر صبر کیا۔ جتنی دیر میں وہ دور نکل گیا۔ آپ نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ ایک شخص آیا اور تازی لے گیا۔ لوگ اس کے پیچھے بھاگے مگر اُسے نہ پکڑ سکے۔ صعلوکیؒ نے ایسا صرف اس لئے کیا کہ گھر والے اُسے زیادہ سخاوت کرنے پر ملامت کیا کرتے تھے۔

میں نے انہی کو فرماتے سنا کہ استاد ابو سہلؒ نے اپنا جبہ جاڑے میں ایک انسان کو دے دیا۔ لہٰذا جب آپ درس کے لئے نکلتے تو عورتوں کا جبہ پہن کر نکلتے۔ کیونکہ اُن کے پاس کوئی اور جبہ نہ تھا۔ ایک بار فارس سے ایک مشہور وفد آیا جس میں ہر قسم کے امام تھے۔ فقیہ بھی تھے متکلم بھی تھے۔ اور نحوی بھی۔ فوج کے کمانڈر ابو الحسن نے انھیں پیغام بھیجا۔ کہ وہ ان کے استقبال کے لئے سوار ہو کر آئیں۔ انھوں نے عورتوں کے جبہ کے اوپر ایک اور جبہ پہن لیا۔ اور سوار ہو کر گئے۔ فوج کے کمانڈر نے کہا اس نے میری بے عزتی کی ہے یہ شہر کا امام ہوتے ہوئے عورتوں کا جبہ پہن کر آیا ہے۔ اور اس کے بعد اس نے ان سے مناظرہ کیا تو ہر فن میں انھیں ان پر غلبہ حاصل ہوا۔

انہی کو فرماتے سنا کہ استاد ابو سہل کسی کو اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہ دیتے تھے۔ آپ زمین پر پھینک دیتے اور لینے والا اسے زمین پر سے اٹھا لیتا اور فرمایا کرتے کہ دنیا کی منزلت اس سے بھی کم ہے کہ اس وجہ سے میں اپنا ہاتھ کسی ہاتھ سے اونچا دیکھوں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی۔ اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

کہتے ہیں کہ ابو مرشد علی شرفاء میں سے تھے۔ ایک شاعر نے اُن کی مدح کی۔ انھوں نے کہا: کہ میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ بھی نہیں۔ لیکن مجھے قاضی کے سامنے لے جا کر پیش کر دو۔ اور کہو کہ اس کے ذمے دس ہزار درہم ہیں اور میں اقرار کر لوں گا، پھر مجھے اپنے پاس قید کر لو۔ کیونکہ میرے گھر والے مجھے قید میں نہیں رہنے دیں گے۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور رات ہونے سے پہلے اس کو دس ہزار درہم دیئے گئے۔ اور یہ قید خانہ سے نکل آئے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حسن بن علی بن ابی طالب سے کچھ مانگا۔ تو آپ نے اُسے پچاس ہزار درہم اور پانچ سو دینار دیئے۔ اور فرمایا کسی مزدور کو لے آؤ۔ تاکہ وہ یہ اُٹھا لے جائے۔ وہ شخص مزدور لے آیا۔ آپ نے اپنی چادر اسے دے دی۔ اور فرمایا مزدور کی اجرت میری طرف سے ہوگی۔

ایک عورت نے لیث بن سعد[۹۹۶] سے شہد کا پیالہ مانگا۔ آپ نے اُسے شہد کی مشک دینے کو کہا۔ کسی نے اُن سے اس کے متعلق کہا۔ تو فرمایا: اس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا ہے۔ اور میں اسے اس انعام کے مطابق دوں گا۔ جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے صبح کی نماز کوفہ میں اشعث[۹۹۷] کی مسجد میں پڑھی۔ مجھے ایک شخص کی تلاش تھی جس کے ذمے میرا قرض تھا جب میں نے سلام پھیرا تو جس طرح دوسروں کے سامنے ایک جوڑا کپڑوں کا اور ایک جوتا رکھا گیا۔ اسی طرح میرے سامنے بھی رکھا گیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسا ہے تو جواب میں کہا کہ یہ اشعث مکہ سے آیا ہے۔ اس لئے اس نے ان سب لوگوں کو جنھوں نے اس کی مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ یہ دینے کا حکم دیا ہے۔ میں نے کہا۔ میں تو اپنے مقروض کی تلاش میں آیا تھا۔ اور میں اس کی جماعت میں سے نہیں ہوں۔ انھوں نے کہا یہ ہر اس شخص کے لئے ہے۔ جو مسجد میں حاضر تھا۔

کہتے ہیں کہ جب امام شافعیؒ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا: فلاں کو کہنا کہ مجھے غسل دے۔ اس وقت وہ شخص وہاں موجود نہ تھا۔ جب آیا تو لوگوں نے اسے بتلایا۔ اُس نے امام شافعیؒ کی یادداشت کی کاپی منگوائی جس سے معلوم ہوا کہ ان کے ذمہ ستر ہزار درہم قرض تھا۔ اس شخص نے وہ سارا قرض ادا کر دیا۔ اور کہا یہی میرا غسل ہے جو مجھے اسے دینا تھا۔

کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ صنعاء سے مکہ آئے۔ تو اُن کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ کسی نے آپ سے کہا ان سے جائیداد خرید لیں۔ آپ نے مکہ کے باہر خیمہ لگا دیا، اور دیناروں کو انڈیل دیا۔ جو بھی آپ کے پاس آتا۔ آپ اُسے ایک ایک مٹھی دیتے جاتے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو آپ اُٹھے اور کپڑا جھاڑا تو اس میں کچھ باقی تھا۔

کہتے ہیں کہ سریؒ عید کے دن نکلے۔ سامنے سے انھیں ایک بڑی شان والا آدمی ملا۔ سریؒ نے اسے ناقص سلام کہا۔ کسی نے کہا یہ بڑی شان والا ہے۔ آپ نے فرمایا: مَیں اِسے پہچانتا ہوں لیکن مرفوع حدیث میں ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں چلتے ہیں تو ان دونوں کے درمیان ایک سو رحمتیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ جن میں نوے اس شخص کے لئے ہوتی ہیں۔ جو زیادہ خندہ پیشانی سے ملے۔ لہٰذا مَیں نے چاہا کہ رحمت کا بیشتر حصہ اسے ملے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین علی بن ابی طالب روئے۔ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ سات دن سے میرے ہاں کوئی مہمان نہیں آیا۔ اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ نے مجھے ذلیل تو نہیں کر دیا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ گھر کی زکوٰۃ یہی ہے کہ اس میں ایک کمرہ ضیافت کے لئے رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰھِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ ۔ ”کیا تمہیں ابراہیم علیہ السلام کے ذی عزت مہمانوں کا قصہ معلوم ہے“ کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ انھیں مکرمین اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنفس نفیس اُن کی خدمت گزاری میں کھڑے رہتے۔ بعض کہتے ہیں کہ انھیں مکرمین اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ کریم کا مہمان بھی کریم ہی ہوتا ہے۔

ابراہیم بن جنید فرماتے ہیں: (۱۹۹۸) کہا جاتا ہے کہ شریف آدمی کو چار باتوں سے ہچکچانا نہ چاہیے۔

خواہ وہ خود حاکم ہی کیوں نہ ہو۔

(۱) باپ کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہونا۔ (۲) مہمان کی خدمت کرنا (۳) اس عالم کی خدمت جس سے وہ تعلیم حاصل کرتا ہو۔ (۴) اس چیز کی نسبت سوال کرنا جس کا اسے علم نہیں۔

ابن عباس اللہ تعالیٰ کے فرمان "لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا" (خواہ تم اکٹھے کھاؤ خواہ علیحدہ تمہیں کوئی حرج نہیں) کی تشریح فرماتے ہیں کہ صحابہ اکیلے کھانے کو گناہ سمجھا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عامر بن کریز[۹۹۹] نے ایک شخص کی ضیافت کی اور اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ جب وہ شخص چلنے لگا۔ تو اس کے غلاموں نے (اس کا سامان باندھنے میں) کوئی مدد نہ کی۔ اس کے متعلق کسی نے ان سے ذکر کیا تو کہا۔ یہ لوگ کوچ کرنے والے کی مدد نہیں کیا کرتے۔

عبداللہ بن باکویہ صوفی کہتے ہیں کہ اس قسم کا ایک شعر متبنی نے مجھے سنایا:

اِذَا تَرَحَّلْتَ عَنْ قَوْمٍ وَقَدْ قَدَرُوْا ! اَنْ لَا تُفَارِقَهُمْ فَالرَّاحِلُوْنَ هُمْ

جب تم کسی قوم سے کوچ کرکے چلے جاتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو تم ان سے جدا ہو کر نہ جاتے تو درحقیقت (تم کوچ کرکے نہیں جا رہے ہو۔ بلکہ وہ جا رہے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں نفس کا ان چیزوں کی سخاوت کرنا جو لوگوں کے پاس ہیں۔ بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ نفس مال خرچ کرکے سخاوت کرے۔

ایک صوفی کا کہنا ہے کہ میں سخت سردی کے دن بشر بن الحارث کے پاس گیا تو انھوں نے کپڑے اتار رکھے تھے۔ اور کانپ رہے تھے۔ میں نے کہا اے ابو نصر! لوگ تو اس قسم کے دن میں اور کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اور آپ نے (بجائے زیادہ کرنے کے) کم کر دیئے۔ آپ نے فرمایا میں نے فقرا اور ان کی تکلیف کو یاد کیا۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ کہ ان کی غم خواری کرتا۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ سردی برداشت کرکے میں ان کی موافقت کروں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سے سنا کہ ابو بکر رازی فرماتے ہیں کہ میں نے دقاق کو فرماتے سنا کہ یہ سخاوت نہیں ہے۔ کہ مالدار محتاج کو دے۔ سخاوت تو یہ ہے کہ محتاج مالدار کو دے۔

---

۳۵ غیرت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

(اللہ تعالیٰ نے فاحشات کو خواہ ظاہری ہوں خواہ باطنی حرام قرار دیا ہے)

ہم سے ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس المزکی نے کہا کہ اُن سے ابواحمد حمزہ[1000] بن العباس البزار بغدادی نے اُن سے محمد بن غالب بن حرب نے، ان سے عبداللہ[1001] بن مسلم نے ان سے محمد بن الفرات[1002] نے ان سے ابراہیم[1003] الہجری نے روایت کی کہ ابوالاحوص[1004] نے کہا۔ کہ عبداللہ[1005] فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ اسی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام فواحش کو خواہ ظاہری ہوں یا باطنی، حرام قرار دیا ہے۔

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا؛ ان سے احمد بن عبید الصفار نے، ان سے علی بن الحسن[1006] بن بیان نے، ان سے عبداللہ[1007] بن رجاء نے، ان سے حرب[1008] بن شداد نے، ان سے یحییٰ[1009] بن ابی کثیر نے کہا۔ کہ ابوسلمہ[1010] فرماتے تھے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور مومن کو بھی غیرت آتی ہے۔ اللہ کو غیرت اس وقت آتی ہے جب مومن ایسے کام کرتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

غیرت کی تعریف

اُستاد فرماتے ہیں کہ غیر کی مشارکت کو بُرا منانا غیرت ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کو غیرت سے موصوف کیا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان امور میں جو محض اللہ کے حقوق ہیں۔ مثلاً اطاعت و عبادت کسی اور کی شرکت کو پسند نہیں فرماتا۔

حکایت کی گئی ہے کہ سری کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی:- وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ ایسا حجاب رکھ دیتے ہیں۔ جو اُن کی نگاہوں سے چھپا ہوتا ہے) تو سری نے اپنے مریدوں سے کہا:- کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ حجاب کیسا حجاب ہے؟ یہ غیرت کا حجاب ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر

کوئی غیرت مند نہیں. سریؒ کا فرمانا کہ یہ غیرت کا حجاب ہے. اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دین کی حقانیت معلوم کرنے کا اہل نہیں بنایا۔

استاد ابو علیؒ دقاق فرمایا کرتے تھے. وہ لوگ جو اللہ کی عبادت میں سستی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کو بھاری رسوائی سے باندھ دیتا ہے. اور اللہ نے ان کے لئے اپنے سے دور رکھنا اختیار کیا ہے. اور اپنی قربت کے مقام سے انھیں پیچھے ہٹا رکھا ہے. اس لئے تو وہ پیچھے رہتے ہیں. اسی سلسلہ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے ؎

أَنَا صَبٌّ لِمَنْ هَوِيتُ وَلٰكِنْ مَا احْتِيَالِي بِسُوءِ رَأْيِ الْمَوَالِي

میں تو اپنے محبوب (خدا) کا عاشق ہوں. مگر موالی (آقاؤں یعنی خواہشاتِ نفسانی) کی بدظنی کا کیا کروں. اس معنی میں یہ قول ہے (عبادت میں سستی کرنے والا شخص) ایسا بیمار ہے جس کی عیادت نہیں کی جاتی اور وہ ایسا شخص ہے کہ بلند منازل کی خواہش کرتا ہے. مگر اللہ اسے ان بلند منازل کے لئے نہیں چاہتا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا اور انھوں نے عباس زوزنیؒ کو فرماتے سنا کہ میری معرفت میں اچھی ابتدا ہوئی۔ اور میں جانتا تھا کہ اب میرے اور میرے مقصود یعنی اپنی مراد کو پانے میں کسقدر مدت باقی رہ گئی ہے. ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بلند پہاڑ سے لڑھک رہا ہوں. پھر میں نے اس کی چوٹی تک پہنچنا چاہا (جب بیدار ہوا تو) مجھے اس کا بہت غم ہوا. مجھے پھر نیند آگئی تو میں نے کہنے والے کو سنا کہ کہہ رہا ہے. اے عباس! اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تو اس درجہ تک پہنچ جائے جہاں تو پہنچنا چاہتا ہے لیکن اس کے عوض، اللہ تعالیٰ نے تمہاری زبان پر حکمت کے دروازے کھول دیئے ہیں. عباس فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو مجھے بذریعہ الہام کلماتِ حکمت عطا کئے گئے۔

میں نے استاد ابو علیؒ کو فرماتے سنا کہ ایک شیخ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک کیفیت اور حالت حاصل تھی. ایک مدت تک وہ لوگوں سے مخفی رہے. اور فقرا میں کہیں دکھائی نہیں دیئے. پھر ظاہر ہوئے تو پہلی سی بات نہ تھی. آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آہ بھر کر فرمایا: حجاب واقع ہو گیا ہے۔

جب کبھی استاد ابوعلیؒ کی مجلس میں کوئی ایسی بات واقع ہو جاتی جس سے حاضرین کے دل پراگندہ ہو جاتے تو فرماتے : یہ حق سبحانہ کی غیرت کی وجہ سے ہوا ہے . کیونکہ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ وقت کی صفائی بدستور جاری نہ رہے . (اور مکدر ہو جائے)

اسی معنی میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے .

هَمَّتْ بِإِتْيَانِنَا حَتَّىٰ إِذَا نَظَرَتْ　　إِلَى الْمِرْآةِ نَهَاهَا وَجْهُهَا الْحَسَنُ

اس نے (محبوبہ) نے ہمارے پاس آنے کا ارادہ کیا . مگر جب اس نے آئینہ دیکھ لیا تو اس کے خوبصورت چہرے نے اسے ہمارے پاس آنے سے روک دیا .

کسی صوفی سے کہا گیا : کیا تو اسے دیکھنا چاہتا ہے ؟ اس نے جواب دیا : نہیں پھر پوچھا کیوں ؟ جواب دیا : میں . اس کے جمال کو اپنے جیسے کی نگاہ سے پاک رکھنا چاہتا ہوں .

اسی سلسلہ میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں :-

إِنِّي لَأَحْسُدُ نَاظِرِيَّ عَلَيْكَا　　حَتَّىٰ أَغُضَّ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْكَا

وَأَرَاكَ تَخْطُرُ فِي شَمَائِلِكَ الَّتِي　　هِيَ فِتْنَتِي فَأَغَارُ مِنْكَ عَلَيْكَا

میں تمہاری وجہ سے اپنی دونوں آنکھوں سے حسد کرتا ہوں . چنانچہ جب تمہاری طرف نظر کرتا ہوں تو آنکھیں بند کر لیتا ہوں .

تجھے دیکھتا ہوں کہ تو اپنی ان خوبیوں میں مٹک کر چل رہا ہے . جو مجھے فریفتہ کئے دیتی ہیں لہٰذا مجھے تمہاری ہی وجہ سے تم پر غیرت آتی ہے

کسی نے شبلی سے پوچھا : تو کب تک آرام پائے گا ؟ جواب دیا : جب مجھے اسکی یاد تازہ کرنے والا دکھائی نہ دے . (اور یہ ہو نہیں سکتا . کیونکہ اللہ کی نعمتیں اور قدرتیں ہر وقت ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں . جو اس کی یاد تازہ کرتی رہتی ہیں . لہٰذا آرام کا کوئی موقعہ نہیں مل سکتا .)

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کے پاس ایک گھوڑا بیچا . اور اس بدوی نے بیع کو فسخ کرنا چاہا . آپ نے اسے فسخ کر دیا . اس پر بدوی نے کہا : خدا تمہاری عمر دراز کرے تو کون لوگوں میں سے ہے ؟ آپ نے فرمایا : قریش میں سے . آپ کے ان اصحاب میں سے جو وہاں موجود تھے . کسی ایک نے بدوی سے کہا . اے بدوی تمہارے لئے یہی بدخلقی کافی ہے .

کہ تو اپنے نبی کو نہیں پہچانتا۔ اس واقعہ کے متعلق استاد ابو علی سے سوال کیا گیا تو فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض غیرت کی وجہ سے یہ کہا تھا کہ میں قریش کا ایک آدمی ہوں۔ ورنہ آپ کے لئے ضروری تھا کہ آپ ہر شخص کو بتلائیں کہ آپ کون ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اس صحابی کی زبانی بارِ دیگر کو بتلا دیا۔ کہ آپ نبی ہیں کیونکہ اس نے یہ لفظ کہے تھے۔ کہ تمہارے لئے یہی بدخلقی کافی ہے۔ کہ تو اپنے نبی کو نہیں جانتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیرت مبتدیوں کی صفت ہے۔ موحد میں نہ تو غیرت ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی اختیار۔ اور نہ ہی ان امور میں جو سلطنت میں جاری ہوتے ہیں۔ کوئی حکم چل سکتا ہے بلکہ حق تعالیٰ کو زیادہ حق ہے کہ جو چاہے، جیسا چاہے حکم دے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ میں نے ابو عثمان مغربی کو فرماتے سنا کہ غیرت مریدین کا کام ہے۔ اہلِ حقائق کا نہیں۔ (کیونکہ اہل حقائق اور واصلین میں تمام صفات کی نفی ہو چکی ہوتی ہے۔)

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ انھوں نے ابو نصر اصبہانی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے شبلی کو فرماتے سنا۔ کہ غیرت دو قسم کی ہے۔ غیرت بشریہ جو لوگوں کے نفسوں پر ہوتی ہے اور غیرت الٰہیہ جو دلوں پر ہوتی ہے۔

نیز شبلی فرماتے ہیں کہ انفاس پر غیرت الٰہیہ یہ ہے کہ انفاس کو ماسوی اللہ میں ضائع کیا جائے۔ (اس طرح کہ انسان کا میلان غیر اللہ کی طرف ہو ہی نہیں)

(قشیری فرماتے ہیں) کہ یوں کہنا مناسب ہے کہ غیرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حق سبحانہ کا بندے پر غیرت کھانا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کی طرف جانے نہ دے۔ اور اس کے معاملے ۔ ۔ ۔ ۔ اور دوسری بندے کی غیرت حق تعالیٰ کے لئے اسطرح کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی طرف اپنے انفاس و خیالات کو جانے نہ دے۔ لہٰذا یوں کہنا روا نہیں کہ مجھے حق تعالیٰ پر غیرت آتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مجھے حق تعالیٰ کے لئے غیرت آتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر غیرت آنی جہل ہے۔ اور بعض اوقات یہ بات شرک کی طرف لے جاتی ہے۔ مگر غیرت للہ حقوق اللہ کی تعظیم اور اللہ کے لئے اعمال کے تصفیہ کی موجب بنتی ہے۔

نکتہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے اولیاء کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہے کہ جب غیر اللہ کے ساتھ انھیں سکون ملے یا غیر اللہ کا لحاظ کرتے ہوں۔ یا دل سے غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہوں۔ تو ان کی اس حالت کو پریشان کر دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو غیرت کے مارے خاص اپنے لئے بنا لیتا ہے۔ اور ان امور سے ان کے دلوں کو بالکل خالی کر دیتا ہے جن کے ساتھ انھیں سکون اور آرام ملتا ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام نے جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر لیا۔ تو اللہ نے انھیں جنت سے نکال دیا۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اسمٰعیل علیہ السلام پسند آگئے۔ تو انھیں اسمٰعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے دل سے اسمٰعیل علیہ السلام کو نکال دیا۔ مگر جب دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دیا اور حضرت ابراہیم نے اسمٰعیل کو پیشانی کے بل گرا دیا اور اُن کا باطن ان سے پاک ہو گیا۔ تو اسمٰعیل کی بجائے جانور کی قربانی کا حکم دیا۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے سُنا کہ ابو زید الفقیہ المروزی[۱۲] نے اُن سے کہا کہ ابراہیم بن شیبان نے کہا کہ محمد بن حسّان[۱۳] فرماتے تھے کہ میں جبلِ لبنان[۱۴] میں چکر لگا رہا تھا کہ ایک نوجوان نکلا۔ جسے بادِ سموم اور ہواؤں نے جلا دیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بھاگ گیا۔ میں اس کے پیچھے گیا۔ اور کہا۔ مجھے کچھ نصیحت کرو۔ تو اس نے کہا: ڈرو۔ کیونکہ (اللہ) غیور ہے۔ وہ اپنے بندے کے دل میں اپنے سوا کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن کو فرماتے سنا کہ نصر آبادی فرماتے تھے: حق تعالیٰ غیور ہے۔ اور غیرت ہی کی وجہ سے اس نے اپنی طرف جانے کا کوئی دوسرا طریقہ مقرر نہیں کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی کی۔ کہ فلاں شخص کی میرے پاس حاجت ہے اور میری بھی ایک حاجت اس کے پاس ہے۔ اگر وہ میری حاجت پوری کر دے تو میں بھی اس کی حاجت پوری کر دوں گا۔ اس نبی نے اپنی مناجات میں کہا۔ خدایا تجھے اس کے پاس کیونکر کوئی حاجت ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کے دل میں کوئی بس رہا ہے۔ لہٰذا اُسے چاہیئے کہ اس سے اپنے دل کو خالی کر دے۔ تو میں اس کی حاجت پوری کر دوں گا۔

کہتے ہیں کہ ابو یزید بسطامی نے خواب میں حوروں کی ایک جماعت دیکھی اور انھوں نے

انھیں نظر بھر کر دیکھ لیا۔ لہٰذا ان کی کیفیت کئی دنوں تک سلب رہی۔ اس کے بعد انھوں نے ایک اور حوروں کی جماعت دیکھی تو انھوں نے اُن کی طرف توجہ نہ دی۔ اور فرمایا۔ تم تو دلوں کو اللہ سے ہٹا دینے والیاں ہو۔

کہتے ہیں کہ رابعہ عدویہ[۱۰۱۵] بیمار پڑ گئیں۔ کسی نے اُن سے بیماری کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے دل کی آنکھوں سے جنت کی طرف نگاہ کی تھی۔ لہٰذا اللہ نے مجھے سزا دی ہے۔ اب راضی ہونا اسی کی طرف سے ہے۔ میں پھر ایسا نہ کروں گی۔

سری ؒ سے حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایک مدت تک اپنے ایک دوست کی تلاش میں تھا۔ میں ایک پہاڑ سے گذرا۔ تو دیکھا کہ ایک گروہ ہے جس میں کچھ اپاہج، کچھ اندھے اور کچھ مریض ہیں۔ میں نے اُن کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتلایا گیا کہ یہاں ایک شخص ہے۔ جو سال بھر میں ایک بار نکلتا ہے۔ وہ ان لوگوں کے لئے دعا کرتا ہے۔ اور یہ شفا پاتے ہیں میں نے اس کے نکلنے کا انتظار کیا۔ وہ آیا اور اس نے اُن کے لئے دعا کی، اور وہ شفایاب ہو گئے۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ اور اس سے چمٹ گیا۔ اور عرض کیا کہ مجھ میں ایک باطنی بیماری ہے۔ اس کا کیا علاج ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اے سری! مجھے چھوڑ دے۔ کیونکہ وہ (اللہ) غیور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے کسی اور کے ساتھ سکون پکڑتے دیکھ لے۔ اگر ایسا کیا تو تُو اس کی نظروں سے گر جائے گا۔

استاد فرماتے ہیں کہ بعض صوفیاء ایسے ہیں کہ انھیں اُس وقت غیرت آتی ہے۔ جب وہ لوگوں کو غفلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ یہ دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق ؒ کو فرماتے سنا کہ جب بدوی[۱۰۱۶] نے مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاکر پیشاب کر دیا۔ اور صحابہ اسے مسجد سے نکالنے کے لئے لپکے۔ یہ اس بدوی کی گستاخی تھی۔ مگر صحابہ شرمندہ ہوئے۔ اور انھیں یہ دیکھ کر تکلیف ہوئی کہ ایک شخص نے احترام کرنا ترک کر دیا۔ یہی حال بندے کا ہے۔ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کو معلوم کر لیتا ہے۔ تو اسے اس شخص کے ذکر کو سُننا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر غفلت سے کرتا ہے شاق گزرتا ہے۔ اور ان لوگوں کی عبادت بھی اس پر شاق گذرتی ہے۔ جو پورے احترام کے ساتھ اللہ کی عبادت

نہیں کرتے۔

حکایت کی گئی ہے کہ شبلیؒ کا ایک بیٹا جس کا نام ابوالحسن تھا۔ فوت ہوگیا۔ اس کی والدہ کو اس کا بہت قلق ہوا۔ اور اس نے اپنے سر کے بال کاٹ ڈالے۔ یہ دیکھ کر شبلی نے حمام میں جا کر داڑھی چونے سے مونڈ ڈالی۔ ہر وہ شخص جو تعزیت کے لئے آتا، ان سے پوچھتا۔ اے ابوبکر! یہ کیا بات ہے؟ آپ فرماتے: میں نے یہ کام اپنی بیوی کی موافقت میں کیا ہے ایک نے آپ سے کہا: اے ابوبکر! آپ صحیح صحیح بتائیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ لوگ غفلت کے ساتھ تعزیت کریں گے۔ اور کہیں گے کہ خدا تجھے اس کا اجر دے لہٰذا ان کا غفلت کے ساتھ ذکر کرنے کا فدیہ میں نے اپنی داڑھی سے ادا کر دیا

نوری نے ایک شخص کو اذان دیتے سنا تو فرمایا: خدا تجھے نیزہ مارے۔ اور موت کا زہر بھی دے۔ اور ایک کتے کو بھونکتے سنا تو لبیک کہا۔ آپ سے کسی نے اعتراض کیا کہ یہ تو دین کو ترک کرنا ہے۔ کیونکہ یہ مومن کو شہادتیں ادا کرنے پر کہتا ہے! آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو تو فرمایا: مومن نے اللہ کا ذکر غفلت سے کیا تھا۔ مگر کتے کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ (ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے)

ایک بار شبلیؒ نے اذان دی اور جب شہادتین پر پہنچے تو کہا: اے اللہ اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو میں تمہارے نام کے ساتھ کسی اور کا ذکر نہ کرتا۔

شبلیؒ نے ایک شخص کو جلّ اللہ کہتے سنا تو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اللہ کو اس سے زیادہ بزرگ سمجھے۔

میں نے ایک فقیر کو کہتے سنا کہ میں نے ابوالحسن خرقانی[۱۰۱۷] کو سنا فرما رہے تھے، کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے وہ تو دل سے کہتا ہے اور جو محمدؐ رسول اللہ کہتا ہے۔ وہ کان کی بالی سے یعنی غفلت سے کہتا ہے۔

جو شخص ان الفاظ کی ظاہری عبارت کو دیکھے گا وہ یہی سمجھے گا کہ خرقانی نے شریعت کی تحقیر کی ہے۔ مگر درحقیقت بات ایسی نہیں ہے۔ کیونکہ غیر اللہ کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت کے مقابلہ میں یقیناً حقیر[۱۰۱۸] اور معمولی ہے۔

۳۶۔ ولایت (۱۰۱۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

یاد رکھو! اللہ کے ولیوں کے لئے نہ خوف ہے نہ غم۔

ہم سے حمزہ بن یوسف السہمی نے، ان سے عبداللہ بن عدی الحافظ (۱۰۲۰) نے کہا کہ ان سے ابوبکر محمد (۱۰۲۱) بن ہارون بن حمید نے، ان سے محمد بن (۱۰۲۲) ہارون المقری نے، ان سے حماد الخیاط (۱۰۲۳) نے کہا کہ عبدالواحد (۱۰۲۴) بن میمون مولیٰ عروۃ سے روایت کی کہ عروۃ (۱۰۲۵) نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جس نے میرے ولی کو اذیت پہنچائی۔ اس نے مجھ سے جنگ کرنا جائز سمجھا۔ کوئی بندہ اس قدر میرے قریب نہیں آسکتا۔ جبقدر کہ وہ فرائض کے ادا کرنے کے ذریعہ سے میرے قریب آ سکتا ہے۔ اور بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قریب سے قریب تر آتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جو چیز بھی کرنا چاہتا ہوں اس میں کبھی اتنا پس و پیش نہیں کرتا۔ جتنا کہ اپنے مومن بندے کی روح کو قبض کرنے میں کرتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے دکھ دینا نہیں چاہتا۔ حالانکہ موت سے چھٹکارا نہیں ہے۔

لفظ ولی کا اشتقاق

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ لفظ ولی کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ ولی فعیل کے وزن پر ہے جس کے معنی مفعول کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ولی وہ شخص ہے جس کے کاموں کا اللہ والی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (اللہ تعالیٰ صالحین کا والی ہے)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بندے کو ایک لحظہ کے لئے اس کی ذات پر نہیں چھوڑ دیتے۔ بلکہ حق سبحانہٗ خود اس کی نگہبانی کرتا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ لفظ فعیل مبالغہ کا صیغہ بمعنی فاعل کے ہے۔ یعنی وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنا اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت لگاتار چلی

جاتی ہے۔ اور درمیان میں کوئی نافرمانی حائل نہیں ہوتی۔

ولی میں ان دونوں وصفوں کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ ولی ایسا ولی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کلی طور پر ادا کرے نا پسند کرے۔ اور ساتھ ہی اللہ اس کی خوشی اور غمی ہر دو حالت میں ہمیشہ اس کی حفاظت کرتا رہے۔

ولی کی شرط ولی کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے محفوظ رکھے۔ جس طرح نبی کی شرط ہے کہ وہ معصوم ہو۔ لہٰذا جس شخص میں شریعت کی رُو سے اعتراض پایا جاتا ہو سمجھ لو کہ اسے شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ابو یزید بسطامی ایک ایسے شخص سے ملنے کے ارادہ سے گئے جو لوگوں میں ولی مشہور تھا۔ جب آپ اس کی مسجد میں پہنچے تو اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اس شخص نے نکلتے ہی مسجد کے اندر گلا صاف کیا اور بلغم پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ابو یزید اسے سلام کئے بغیر واپس چلے آئے اور فرمایا: یہ شخص تو شریعت کے آداب میں سے ایک ادب کا بھی امین نہیں۔ تو پھر اسرار خداوندی کا یہ شخص امین کیسے ہو سکتا ہے؛

ولی کے لئے اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے یا نہیں علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ کہ آیا ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا چاہیئے کیونکہ ولی تو اپنے آپ بنظر استحقار دیکھتا ہے۔ اور اگر اس کے ہاتھوں کوئی کرامت ظاہر ہو تو اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں یہ چال نہ ہو۔ اسی لئے اسے ہمیشہ ڈر رہتا ہے۔ اسے ڈر تو صرف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں وہ اپنے مرتبہ سے نہ گر جائے۔ اور کہیں اس کا انجام اس کی حالت کے خلاف نہ ہو جائے یہ لوگ ولی کی شرائط میں اس بات کو گنتے ہیں کہ اس کا انجام ٹھیک ٹھاک ہو۔ (مگر انجام کا علم تو صرف اللہ کو ہے) اس سلسلہ میں صوفیاء سے بہت سی حکایات بیان کی جاتی ہیں صوفیاء کی ایک جماعت کا یہی عقیدہ ہے اور اگر ہم ان کے اقوال نقل کرنے لگ جائیں تو قصہ طولانی ہو گا جن شیوخ سے ہماری ملاقات رہی ہے ان میں سے امام ابو بکر فورک کا یہی عقیدہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو۔ انجام کا درست ہونا ولایت

کی تحقیق میں شرط نہیں۔ پھر اگر یہ بات شرط بھی ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس ولی کو اس کرامت کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسے بتلا دیا ہے۔ کہ اس کا انجام محفوظ ہے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کی کرامت کا جائز ہونا ایک ضروری امر ہے۔ ولی کو اگرچہ اپنے انجام کا خوف لاحق رہتا ہے۔ پھر بھی موجودہ حالت میں جو ہیبت تعظیم اور اجلال (خدا کو بزرگ جاننا) اس کے دل میں ہے۔ وہ اس خوف سے زیادہ کامل اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تعظیم و ہیبت خواہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی بہت سے خوف کے مقابلہ میں دل کے لئے زیادہ سکون کا باعث ہوتی ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے صحابہ میں سے دس آدمی جنت میں ہوں گے۔ لہٰذا یہ تو یقینی ہے کہ دس صحابیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور انھوں نے اپنے نیک انجام کو معلوم کر لیا۔ مگر پھر بھی ان کی حالت کی تبدیلی سے ان کی حالت میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔ نیز اس لئے بھی کہ نبوت کی صحیح معرفت کی شرط یہ ہے کہ انسان معجزہ کی تعریف جانتا ہو (کہ معجزہ کیا چیز ہے) اور اس میں کرامات کی حقیقت کو جاننا بھی شامل ہے۔ لہٰذا جب ولی یہ دیکھے کہ اس سے کرامات ظاہر ہو رہی ہیں۔ تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کرامات اور غیر کرامات میں امتیاز نہ کر سکے۔ چنانچہ جب اسے کچھ کرامات دکھائی دیں گی۔ تو اسے معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ اس وقت حق پر ہے۔ پھر یہ بھی جائز ہے۔ کہ اسے اس بات کا علم ہو۔ کہ اس کا انجام بھی اسی حالت پر رہے گا۔ حق تعالیٰ کا اسے یہ بتلا دینا کہ وہ انجام کار میں بھی حق پر رہے گا۔ اس کے لئے کرامت ہے۔

اولیاء کی کرامات برحق ہیں

اولیاء کی کرامات کا قائل ہونا صحیح عقیدہ ہے۔ اور اولیاء اللہ کی بہت سی حکایتوں سے کرامات کے برحق ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ کرامات اولیاء کے باب میں چند کرامات کا ذکر کریں گے۔ اور ہمارے ان استادوں میں سے جن سے ہماری ملاقات ہوئی۔ استاد ابو علی دقاقؒ کا بھی عقیدہ تھا۔ کہ یہ بات جائز ہے۔ کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم بھی ہو۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھم نے ایک شخص سے کہا۔ کیا تو اللہ کا ولی بننا چاہتا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ تو آپ نے فرمایا۔ پھر تجھے دنیا و آخرت کی کسی چیز کی طرف رغبت نہیں

ہونی چاہیئے اور اپنے آپ کو صرف اللہ کے لئے فارغ کرلے۔ اور ہمہ تن اس کی طرف توجہ دے۔ تاکہ وہ بھی تمہاری طرف توجہ دے۔ اور تجھے اپنا دوست بنائے۔

یحییٰ بن معاذ اولیاء اللہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مقام ولایت کو پہنچنے کی وجہ سے تکالیف برداشت کرنے کے بعد اللہ کے ساتھ انس حاصل کرلینے کا لباس پہن لیا ہے۔ اور مجاہدے کے بعد انھوں نے راحت پالی ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمن سلمیؒ سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے ان سے کہا کہ عمیؒ البطامی نے کہا کہ میرے والد فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابویزید کو فرماتے سنا کہ اولیاء اللہ کی دلہنیں ہیں۔ اور محرموں کے سوا کوئی اور ان دلہنوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا یہ لوگ حجاب انس میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ نہ دنیا میں انھیں کوئی دیکھ سکتا ہے نہ آخرت میں (سوائے ان محرموں کے)

میں نے ابوبکر صیدلانیؒ (۱۰۳۶) کو جو ایک صالح آدمی تھا۔ فرماتے ہوئے سنا۔ کہ میں ابوبکر طمستانی کی قبر کی لوح کو درست کر رہا تھا۔ اور حیرہ کے قبرستان میں اس کا نام اس میں کھود رہا تھا جب کبھی اس لوح کو قبر پر نصب کیا جاتا تھا۔ تو یہ چرائی جاتی۔ وہاں کسی اور قبر کی لوحوں سے ایسا معاملہ نہ ہوتا تھا۔ اور مجھے اس سے حیرت ہوتی۔ ایک دن میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا۔ ابوبکر طمستانی نے دنیا میں اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا تھا۔ اور تو اس لوح کے ذریعے سے ان کی قبر کو مشہور کرانا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ جس طرح انھوں نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا تھا۔ اسی طرح ان کی قبر کو چھپائے رکھے۔

ابوعثمان مغربیؒ فرماتے ہیں کبھی ولی مشہور ہوتا ہے (مگر اس کی شہرت اس کے لئے) فتنہ کا باعث نہیں بنتی۔

میں نے استاد ابوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ میں نے نصرآبادی کو فرماتے سنا کہ ولی اپنی زبان سے سوال نہیں کرتا۔ ان کا سوال، انکساری اور عاجزی ہوتی ہے۔

نیز فرمایا کہ جہاں اولیاء اللہ کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی ابتدا ہوتی ہے۔

سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں۔ ولی وہ ہے جس کے افعال لگاتار سنت و شریعت کی موافقت میں ہوں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ ولی نہ تو ریاکار ہوتا ہے اور نہ منافق، لہٰذا جس کا یہ خلق ہو اس کے دوست کسقدر کم ہوں گے۔

ابو علی جرجانیؒ فرماتے ہیں، ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فنا ہو چکا ہو۔ اور مشاہدہ حق میں باقی ہو۔ اس کے انتظام کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور ذمہ داری کے انوار اس پر لگاتار ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ نہ تو وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہتا ہے، اور نہ اسے غیر اللہ کے ساتھ قرار حاصل ہوتا ہے۔

ابو یزید فرماتے ہیں، اگرچہ اولیاء اللہ میں باہم فرق ہوتا ہے۔ مگر انھیں حصہ اللہ تعالیٰ کے صرف چار ناموں سے ملا ہوتا ہے۔ اور ہر گروہ ان چار ناموں میں سے ایک نہ ایک نام پر دار و مدار رکھتا ہے۔ اور یہ چار نام الاول۔ الآخر۔ الظاہر۔ الباطن ہیں۔ لہٰذا ان اسماء کی کثرت مزاولت کے بعد جو ان سے فنا ہو جاتے۔ وہ کامل اور تام ہو گیا۔ چنانچہ جسے اللہ کے نام الظاہر سے حصہ ملے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے عجیب و غریب نمونے دیکھے گا۔ اور جس کا حصہ اللہ تعالیٰ کے نام الباطن سے ہو۔ وہ ان انوار کو دیکھے گا جو اس کے دل میں جاری ہوتے ہیں۔ اور جس کا حصہ اللہ کے نام الاول سے ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات میں مشغول ہو گا۔ جو اس پر اللہ کی طرف سے کئے جا چکے ہیں۔ اور جسے اللہ کے نام الآخر سے حصہ ملے گا۔ اس کا تعلق آئندہ قیامت میں ہونے والے امور کے ساتھ ہو گا۔ ہر ولی کے لئے اسی قدر مکاشفہ ہوتا ہے جسقدر اس کی طاقت ہوتی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے خود ان کا ولی بنتا ہے۔ اور خود اس کی کفالت کرتا ہے۔

ابو یزید کے اس قول سے اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ان چار قسموں سے بھی بلند ہو جاتے ہیں اور انھیں نہ تو انجام کا خیال ہوتا ہے اور نہ گذشتہ کی فکر ہوتی ہے۔ اور نہ ہی وہ حوادث کی قید میں ہوتے ہیں۔ یہی حال اصحاب حقائق کا ہوتا ہے۔ کہ وہ مخلوق کی صفات سے مٹ چکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ﴾ (تو انھیں بیدار سمجھتا ہے، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں)

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: ولی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ریحان کا پودا ہے۔ جسے صدیق لوگ سونگھتے ہیں۔ اور اس کی خوشبو اُن تک پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے انھیں اپنے مولا کا اشتیاق ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے اخلاق کے مطابق زیادہ عبادت کرنے لگتے ہیں۔

کسی نے واسطیؒ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ ولی کی کس طرح تربیت کرتا ہے؟ فرمایا ابتدا میں عبادت کے ساتھ اور آخر عمر میں اپنی مہربانیوں سے ڈھانپ دینے سے اس کے بعد اسے اپنی صفات ازلیہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ پھر اسے اس کے اوقات میں اپنے ساتھ مناجات کی لذت کا مزہ چکھاتا ہے۔

ولی کی علامات

کہتے ہیں کہ ولی کی تین نشانیاں ہیں:۔

(۱) وہ اللہ کے ساتھ عبادات اور اوراد کے ساتھ مشغول رہے۔

(۲) اپنی خواہشات اور کاموں سے بھاگ کر اللہ کی طرف جائے۔

(۳) اسے اللہ ہی کا خیال دامن گیر رہے۔

خراز فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس کے لئے اپنے ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جب وہ اللہ کے ذکر سے لذت پانے لگتا ہے تو پھر اس کے لئے اپنی قربت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اس کے بعد اسے مجلس انس تک پہنچا دیتا ہے۔ (پھر جب انس بھی پورے طور پر حاصل ہو جاتا ہے) تو اسے توحید کی کرسی پر بٹھا دیتا ہے۔ اس کے بعد اس سے تمام پردے ہٹا کر فردانیت کے گھر میں اسے داخل کر دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا جلال و عظمت اس کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ جب اس کی نگاہ جلال و عظمت خداوندی پر پڑتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ اس وقت بندہ بالکل اپاہج اور فانی ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کی حفاظت کے اندر آ جاتا ہے۔ اور اپنے نفسانی دعووں سے بیزار ہو جاتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ ابو علی الرودباری فرماتے تھے۔ کہ ابوتراب نخشبی نے فرمایا: جب کسی کا دل اللہ سے اعراض کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ اولیاء اللہ پر نکتہ چینی کرنا شروع کر دیتا ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ ولی کی تعریف یہ ہے کہ اسے کوئی خوف نہ ہو۔ اس لئے کہ خوف یہ ہے کہ آئندہ آنے والی مکروہ چیز کا انتظار ہو یا کسی محبوب چیز کا انتظار ہو۔ جو آئندہ ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ اور ولی تو اپنے وقت کا بندہ ہوتا ہے۔ اس کے لئے مستقبل کوئی چیز نہیں۔ کہ وہ کسی چیز سے ڈرے۔ اور جس سے اسے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اسے کسی قسم کی امید بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ رجاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو کسی محبوب چیز کے حاصل ہونے کا انتظار ہو یا مکروہ چیز کے دور ہو جانے کا انتظار ہو۔ اور یہ دونوں مستقبل کی باتیں ہیں علیٰ ہٰذا القیاس ولی کو کوئی غم نہیں ہوتا۔ کیونکہ غم دل کی وحشت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی رضا مندی کی روشنی اور اللہ کے ساتھ موافقت کی ٹھنڈک میں ہو اسے غم کیسے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

۳۷۔ دُعاء [۱۰۲۸]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (اپنے رب کو عاجزی سے اور چھپ کر پکارو۔) نیز فرمایا:۔ اُدْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے، ان سے ابو الحسن الصفار البصری نے، ان سے محمد بن احمد النحوی[۱۰۲۹] نے، ان سے کامل[۱۰۳۰] نے، ان سے ابن لہیعہ[۱۰۳۱] نے کہا۔ ان سے خالد بن یزید[۱۰۳۲] نے سعید[۱۰۳۳] بن ابی ہلال سے روایت کی کہ انس بن مالک نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (دعا عبادت کا مغز ہے)

استاد فرماتے ہیں: دعا قضاء حاجات کی چابی ہے اور فاقہ مستوں کے لئے راحت کا سبب ہے۔ مجبوروں کے لئے جائے پناہ ہے۔ اور حاجت مندوں کے لئے آرام کرنے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے۔ جو دعا نہیں کرتے۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ۔ (وہ اپنے ہاتھوں کو سکیڑ لیتے ہیں) کہا جاتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ

لوگ اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے کہا۔ مجھ سے باتیں کرو۔ اگر یہ نہ کر سکو تو میری طرف دیکھو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میری بات کو سنو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میرے دروازے پر رہو۔ اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میرے پاس اپنی ضرورتوں کو لاؤ۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سہل بن عبداللہ فرماتے تھے۔ کہ سب سے زیادہ مقبولیت کے قریب وہ دعا ہے جو صاحب حال بندے کی ہو۔ اور دعاء حال وہ دعاء ہے کہ بندہ اس قدر مجبور ہو کہ جو کچھ مانگ رہا ہے اس کے سوا اسے چارہ نہ ہو۔

ہم سے حمزہ بن یوسف السہمی نے کہا کہ ابو عبداللہ المکانسی فرماتے تھے کہ ایک بار میں جنیدؒ کے پاس تھا۔ کہ ایک عورت نے آ کر عرض کی کہ میرا بیٹا گم ہو گیا ہے۔ آپ دعاء فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ صبر کرو۔ وہ چلی گئی۔ اور پھر آئی۔ اور اپنے مطلب کو دوبارہ بیان کیا۔ جنیدؒ نے پھر وہی جواب دیا۔ کہ جاؤ صبر کرو۔ عورت چلی گئی۔ مگر پھر واپس آ گئی۔ اسی طرح اس نے کئی بار ایسا کیا۔ اور جنیدؒ اس سے یہی کہتے جاتے کہ صبر کرو۔ پھر اس نے کہا: اب میرے صبر کا پیمانہ چھلک چکا ہے۔ اور مزید صبر کی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا میرے لئے دعاء فرمائیں۔ جنیدؒ نے فرمایا۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو جاؤ تمہارا بیٹا واپس آ چکا ہے۔ وہ چلی گئی۔ اور شکریہ ادا کرنے کے لئے لوٹ آئی۔ جنیدؒ سے دریافت کیا گیا۔ کہ آپ نے کیسے معلوم کر لیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ۔ بے چین آدمی کی کون سنتا، اور اس کی تکلیف کون دور کرتا ہے؟

دعاء افضل ہے یا سکوت و رضاء

صوفیاء کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ آیا دعا افضل ہے یا سکوت و رضا۔ بعض کہتے ہیں کہ دعاء تو دراصل عبادت ہے۔ جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔ لہٰذا جو بات عبادت ہو اس کا کرنا اس کے ترک کر دینے سے افضل ہے۔ مزید برآں یہ حق سبحانہ کا حق ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا کو قبول نہ کرے۔ اور بندے کی آرزو پوری نہ ہو

تو بھی بندے نے اپنے رب کا حق ادا کر دیا۔ کیونکہ دعا، عبودیت کے احتیاج کا اظہار ہے۔

ابو حازم فرماتے ہیں:۔ اگر میں دعا سے محروم کر دیا جاؤں تو یہ میرے لئے زیادہ ناگوار ہو گا۔ بہ نسبت اس کے کہ میں مقبولیت سے محروم کر دیا جاؤں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خاموش رہنا اور اللہ کے حکم کے تحت عاجزی کرنا افضل ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے جو کچھ پہلے سے اختیار کر رکھا ہے اس پر راضی رہنا بہتر ہے۔ اسی لئے واسطیؒ فرماتے ہیں کہ احکام ازل سے مجھ پر جاری ہو چکے ہیں۔ ان پر راضی رہنا وقت کا مقابلہ کرنے سے بہتر ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،۔ کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے" جو شخص میرے ذکر میں مشغولیت کے سبب مجھ سے کچھ نہیں مانگتا۔ میں اسے سوال کرنیوالوں سے بہتر چیزیں دوں گا"

ایک اور گروہ کہتا ہے کہ بندے کو زبان سے دعا کرنی چاہیئے۔ اور دل میں رضا ہونی چاہیئے۔ تاکہ اس کا عمل دونوں پر ہو۔

مگر بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے۔ کہ وقت وقت کی بات ہے۔ چنانچہ بعض حالات میں دعا سکوت سے افضل ہے۔ اور یہی صحیح ادب ہے۔ اور بعض حالات میں یہ بات تو اسی حالت میں معلوم کی جا سکتی ہے کیونکہ کسی خاص وقت کا علم اسی وقت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا جب دل میں دعا کی طرف اشارہ پایا جائے تو دعا بہتر ہے۔ اور جب سکوت کی طرف اشارہ ہو تو سکوت افضل ہے۔ یوں بھی کہنا درست ہے کہ دعا کے وقت بندہ کو اپنے رب کے مشاہدہ سے غافل نہیں ہونا چاہیئے، پھر اسے اپنی حالت کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر دعا سے اس کی حالت میں بسط پیدا ہو تو دعا بہتر ہو گی۔ اور اگر دعا کے وقت اس کا دل اسے زجر کرے اور اس میں قبض پیدا ہو تو اس وقت اس کے لئے دعا نہ کرنا بہتر ہے۔ اور اگر اپنے دل میں نہ زیادہ بسط اور نہ ہی زجر محسوس ہو تو پھر دعا کرنا اور نہ کرنا یکساں ہو گا۔ مگر اگر ایسی حالت میں علم غالب ہو تو دعا بہتر ہے۔ کیونکہ یہ عبادت ہے۔ اور اگر اس حالت میں معرفت، حال اور سکوت غالب ہو تو سکوت بہتر ہے۔

یوں بھی کہنا درست ہے کہ اگر کسی بات میں عام مسلمانوں کا حق پایا جائے۔ یا اس میں

اللہ تعالیٰ کا حق پایا جاتا ہے تو دعا بہتر ہے اور اگر تمہارا ذاتی فائدہ پایا جائے تو سکوت بہتر ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو پسند فرماتا ہے۔ اور جبریلؑ کو حکم دیتا ہے۔ کہ اس کی دعا کی مقبولیت میں دیر کر دو۔ کیونکہ میں اس کی آواز سننا پسند کرتا ہوں اور ایک بندہ دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرتا ہے تو جبریلؑ کو حکم دیتا ہے کہ اس کی حاجت پوری کر دو۔ کیونکہ میں اس کی آواز کو سُننا پسند نہیں کرتا۔

حکایت ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ عرض کیا۔ یا الٰہی! میں کب تک تجھے پکارتا رہوں گا۔ اور تو میری پکار سنے گا۔ جواب ملا۔ اے یحییٰ! یہ اس لئے ہے کہ مجھے تمہاری آواز پسند ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہونے کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیتا ہے وہ پھر پکارتا ہے، اللہ تعالیٰ پھر منہ موڑ لیتا ہے وہ پھر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے میرے بندے نے میرے سوا کسی اور کو پکارنے سے انکار کر دیا ہے۔ لہٰذا میں نے اس کی دُعا منظور کر لی۔

ہم سے ابوالحسین علی بن محمد بن عبد اللہ بن بشران بغدادی نے کہا کہ ابو عمرو عثمان بن احمد المعروف ابن السماک نے ان سے کہا کہ محمد بن عبد اللہ الحضرمی نے کہا۔ کہ بشر بن عبد الملک نے بتایا کہ موسیٰ بن الحجاج نے کہا کہ مالک بن دینار نے الحسن سے روایت کی کہ انس بن مالک فرماتے تھے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شام سے مدینہ تجارت کے لئے آیا کرتا تھا۔ اور پھر مدینہ سے شام جاتا۔ مگر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ قافلہ والوں کے ساتھ نہ جاتا۔ ایک بار جب وہ شام سے مدینہ کو آرہا تھا تو ایک ڈاکو ملا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے سوداگر کو پکار کر کہا۔ ٹھہر جاؤ۔ سوداگر ٹھہر گیا۔ اور کہا۔ یہ مال لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ ڈاکو نے کہا کہ مال تو اب میرا ہے ہی۔ میں تو تیری جان لینا چاہتا ہوں۔ سوداگر نے کہا: تیری جان سے تجھے کیا غرض؛ مال لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ ڈاکو نے پھر وہی جواب

دیا۔ اس پر سوداگر نے کہا: مجھے اتنی مہلت دو کہ میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں۔ اور اپنے رب کو پکار لوں۔ ڈاکو نے جواب دیا: جو تمہارا جی چاہے کر۔

انسؓ فرماتے ہیں، سوداگر نے اٹھ کر وضو کیا۔ اور چار رکعت نماز ادا کر کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی:- یَا وَدُوْدُ یَا وَدُوْدُ۔ یَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ یَا مُبْدِئُ یَا مُعِیْدُ یَا فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ اَسْئَلُکَ بِنُوْرِ وَجْهِکَ الَّذِیْ مَلَأَ اَرْکَانَ عَرْشِکَ وَاَسْئَلُکَ بِقُدْرَتِکَ الَّتِیْ قَدَرْتَ بِهَا عَلٰی خَلْقِکَ وَبِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یَا مُغِیْثُ اَغِثْنِیْ اور یہ دعا اس نے تین بار پڑھی۔

جب دعا سے فارغ ہوا تو یکایک ایک شخص سفید گھوڑے پر سوار سبز رنگ کپڑے پہنے اور نور کا حربہ ہاتھ میں لئے ہوئے آ موجود ہوا۔ جب ڈاکو نے سوار کو دیکھا تو سوداگر کو چھوڑ کر سوار کی طرف لپکا۔ جب اس کے قریب پہنچا۔ تو سوار نے ڈاکو پر حملہ کر دیا۔ اور ایسا نیزہ مارا کہ اُسے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ پھر سوداگر کے پاس آ کر کہا:- اٹھو اور اسے قتل کر دو۔ سوداگر نے اس سے پوچھا تو کون ہے؛ میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا۔ اور میرا دل تو نہیں چاہتا کہ اُسے قتل کروں۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ سوار ڈاکو کی طرف لوٹ گیا۔ اور اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ پھر سوداگر کے پاس آ کر کہا: کہ میں آسمان کا فرشتہ ہوں۔ جب تو نے پہلی بار دعا کی تو ہم نے تیسرے آسمان کے کڑکڑانے کی آواز سنی تو کہا کہ کوئی حادثہ واقع ہوا ہے۔ پھر تو نے دوسری بار دعا کی تو آسمان کے دروازے کھل گئے۔ اور وہ آگ کے شعلوں کی طرح تھا۔ پھر تو نے تیسری بار دعا کی تو آسمان سے جبرئیل اتر کر ہمارے پاس آ گئے۔ اور وہ اس مصیبت زدہ کے لئے پکار رہے تھے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یہ کام میرے سپرد کر دیں۔ اے اللہ کے بندے! یاد رکھو جو شخص کسی مصیبت یا سختی کے وقت یہ دعا مانگے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل کر دے گا۔ اور اس کی مدد کرے گا۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ سوداگر صحیح سلامت چلا آیا۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا قصہ سنایا۔ اور اپنی دعا کا بھی ذکر کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے وہ اسماء حسنیٰ تلقین کئے ہیں کہ جب ان کے ذریعہ سے دعا کی جائے تو اللہ قبول کرتا ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے کوئی

چیز مانگی جائے تو اللہ دے دیتا ہے۔

آدابِ دعا دعا کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان حضورِ قلب کے ساتھ دعا کرے۔ اور یہ کہ وہ غافل ہو کر دعا نہ کرے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ جو غافل دل سے دعا کر رہا ہو۔

شرائطِ دعا دعا کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال کی کمائی سے ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کو فرمایا: اپنی کمائی پاک رکھو۔ تمہاری دعا مقبول ہوگی۔

کہا گیا ہے کہ دعا حاجت کی کنجی ہے۔ جس کے دندانے حلال کے لقمے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: اے الٰہی! میں تجھے کیسے پکاروں جبکہ میں نافرمان ہوں! اور تمہیں کیونکر نہ پکاروں جبکہ تو کریم ہے۔

کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گذرے۔ جو دعا کرتا تھا۔ اور گڑگڑاتا تھا۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے کہا یا الٰہی اگر میرے پاس اس کی حاجت ہوتی تو میں پوری کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی۔ کہ اے موسیٰ! میں تم سے زیادہ اس پر رحم کرنے والا ہوں۔ مگر وہ مجھے پکارتا ہے۔ مگر اس کا دل اپنی بکریوں کے پاس ہے۔ اور میں کسی ایسے بندے کی دعا قبول نہیں کرتا۔ جس کا دل میرے سوا کسی اور کے پاس ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس شخص سے کہہ دی پھر اس نے خالص اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دل سے دعا کی۔ اور اس کی دعا مقبول ہوئی۔

کسی نے جعفرؓ صادق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا بات ہے کہ ہم دعا مانگتے ہیں۔ مگر ہماری دعا قبول نہیں ہوتی؟ فرمایا: اس لئے کہ تم ایسے خدا کو پکارتے ہو۔ جسے تم پہچانتے ہی نہیں ہو

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا۔ کہ یعقوب بن لیثؒ کو ایک ایسی بیماری لگ گئی جس کا علاج کرنے سے تمام طبیب عاجز آ گئے لوگوں نے اس سے کہا۔ کہ تمہاری سلطنت کے اندر ایک نیک آدمی ہے جس کا نام سہل بن عبداللہ ہے۔ اگر وہ تمہارے لئے دعا کرے

تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے۔ اس نے سہل کو بلا بھیجا۔ اور کہا کہ میرے لئے اللہ سے دُعا کریں۔ سہل نے کہا اے اللہ جس طرح تُو نے معصیت کاری کی ذلت دکھا دی ہے اسی طرح اسے اطاعت گذاری کی عزت بھی دکھا دے۔ اور اس کی تکلیف دُور کر دے اللہ نے اُسے شفا دے دی۔ اس نے سہل کو مال دینا چاہا۔ مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا اگر آپ قبول کر لیتے۔ اور فقراء کو دے دیتے (تو بہتر ہوتا) آپ نے جنگل کی کنکریوں کی طرف نظر کی۔ تو وہ سب جواہر بن گئیں۔ اور اپنے اصحاب سے کہا۔ وہ خدا جو اسقدر دیتا ہے۔ کیا اسے یعقوب بن لیث کے مال کی حاجت ہے۔

کہتے ہیں کہ صالح مُرّی[۱۳۳] اکثر کہا کرتے۔ جو شخص متواتر ایک در پر دستک دیتا رہتا ہے عنقریب وہ دروازہ اس کے لئے کھول دیا جائے گا۔ یہ سُن کر رابعہ نے اس سے کہا۔ تو کب تک یہ بات کہے جائے گا۔ وہ دروازہ بند ہی کب ہوا ہے؟ کہ کھلوانے کی ضرورت ہو؟ یہ جواب سن کر صالح نے کہا ایک بڈھا یعنی خود صالح بے خبر ہے۔ اور ایک عورت باخبر ہے۔

میں نے شیخ عبد الرحمٰن سے کہ انھوں نے ابو بکر الرازی سے سنا۔ انھوں نے ابو بکر الحربی سے سنا کہ السری فرماتے تھے۔ کہ میں معروف کرخیؒ کی مجلس میں گیا ایک شخص نے اُٹھ کر درخواست کی۔ اے ابو محفوظ! دعا فرمایئے۔ کہ اللہ تعالیٰ میری تھیلی مجھے لوٹا دے۔ یہ تھیلی کسی نے چرا لی ہے اور اس میں ایک ہزار دینار تھے۔ مگر آپ خاموش رہے۔ اس شخص نے پھر وہی بات دہرائی آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے پھر کہا۔ تو معروف نے کہا۔ میں کیا کہوں؟ کیا یہ کہوں کہ جو چیز تو نے اپنے انبیاء اور اصفیاء کو نہیں دی وہ اسے لوٹا دے۔ اس نے یہ سُن کر کہا پھر میرے لئے دعا کیجئے تو آپ نے کہا۔ اے اللہ! جو چیز اس شخص کے لئے بہتر ہو اسے اس شخص کے لئے منتخب کر لو۔

لیث سے حکایت ہے۔ کہا میں نے ابن نافع[۱۳۴] کو نابینا دیکھا۔ پھر اس کے بعد دیکھا تو وہ بینا تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بینائی کیونکر تمہیں لوٹا دی۔ انھوں نے فرمایا۔ خواب میں میرے پاس کوئی آیا۔ تو اس نے مجھے کہا کہ یوں دعا کر۔ یا قریب۔ یا مجیب یا سمیع الدعاء یا لطیفاً لما یشاء ردّ علی بصری۔ چنانچہ میں نے یہ دعا پڑھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری بینائی مجھے لوٹا دی۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ جب میں ابتداء میں مرو سے نیشاپور لوٹ کر آیا۔ تو مجھے آنکھ کے درد کی تکلیف تھی۔ چنانچہ اس تکلیف کی وجہ سے میں کئی دن تک سو نہ سکا۔ ایک صبح میری آنکھ لگ گئی تو میں نے ایک شخص کو کہتے سنا۔ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ جب بیدار ہوا تو تکلیف غائب تھی۔ اور سارا درد اسی وقت جاتا رہا۔ اس کے بعد مجھے کبھی آنکھ میں درد نہیں ہوا۔

محمد بن خزیمۃ (رحمہا) سے حکایت ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ جب احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ میں اسکندریہ میں تھا مجھے ان کی وفات کا غم ہوا۔ تو خواب میں احمد بن حنبل دکھائی دیئے۔ وہ مٹک مٹک کر چل رہے تھے۔ میں نے کہا اے ابو عبد اللہ! یہ کیسی چال ہے؟ فرمایا جنت میں خادموں کی چال ہے۔ میں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا۔ فرمایا مجھے معاف کر دیا۔ مجھے تاج پہنایا۔ اور سونے کے جوتے کا جوڑا پہنایا اور کہا اے احمد! یہ اس بات کی جزا ہے کہ تم نے کہا تھا قرآن اللہ کا کلام ہے۔ پھر فرمایا۔ اے احمد! مجھے ان دعاؤں کے ذریعہ سے پکارو جو تمہیں سفیان ثوری کے ذریعہ سے تم کو پہنچائی تھیں۔ اور تم دنیا میں ان کلموں کو پڑھا کرتے تھے۔ میں نے عرض کی۔ اے ہر چیز کے خالق! ہر چیز پر تمہاری قدرت کی قسم مجھے میرے تمام گناہ معاف کر دے۔ اور مجھے کسی بات کے متعلق نہ پوچھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے احمد! یہ جنت ہے۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ اور میں داخل ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک نوجوان نے کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر کہا۔ خدایا تمہارا کوئی شریک نہیں کہ ہم اسے لا سکتے۔ اور نہ کوئی وزیر ہے جسے رشوت دے سکیں۔ اگر میں تمہاری عبادت کروں تو یہ تمہاری عنایت ہوگی جس کیلئے میں شکرگزار ہوں اور اگر نافرمانی کروں تو ایسا میری جہالت کی وجہ سے ہوگا۔ اور تمہاری حجت مجھ پر قائم ہوگی اور اس حجت کی قسم جو تمہارے ہاں میری طرف سے منقطع ہو چکی ہے۔ تو مجھے بخش دے۔ اس پر اس نے ہاتف کو کہتے سنا۔ یہ نوجوان دوزخ سے آزاد ہے۔

کہتے ہیں کہ دعا کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار کیا جائے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عوام کی دعا اقوال و الفاظ میں ہوتی ہے اور زاہدوں کی دعا افعال سے

اور عارفین کے احوال سے۔

نیز کہا گیا ہے کہ بہترین دعا وہ ہے جسے غموں کے ہجوم سے مجبور ہو کر کیا جائے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ جب تو اللہ سے کوئی حاجت مانگے اور اللہ اُسے آسان کر دے تو اللہ سے جنت مانگ، ہو سکتا ہے۔ یہ تمہاری اجابت کا دن ہو۔

کہا جاتا ہے کہ مبتدیوں کی زبانیں دعا کے ساتھ چلتی ہیں۔ مگر محققین کی زبانیں دعا کرنے سے گونگی ہو جاتی ہیں۔

واسطی سے کسی نے دعا کرنے کی درخواست کی تو فرمایا مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر میں دُعا کروں تو مجھے یوں جواب نہ ملے کہ اگر تم نے ہم سے وہ چیز مانگی جو تمہاری ہمارے پاس ہے تو تم نے ہم پر تہمت لگا دی۔ (اس خیال سے کہ شاید ہم تمہیں نہ دیں گے) اور اگر ایسی چیز مانگتا ہے جو تمہارے لئے ہمارے پاس نہیں ہے۔ تو تم نے ہماری بُری تعریف کی۔ اور اگر تم راضی برضا رہو تو ہم تیرے لئے وہ باتیں جاری کر دیں گے کہ ایک عرصہ تک تمہاری حاجتیں پوری ہوتی رہیں۔

عبد اللہ بن منازل سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے پچاس سال سے دعا نہیں کی اور نہ میں چاہتا ہوں۔ کہ کوئی میرے لئے دعا کرے۔

کہتے ہیں کہ دعا ایک قسم کی باہمی پیغام رسانی ہے۔ اور جب تک مراسلت قائم رہے معاملہ ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ گنہگاروں کی دعا ان کی زبان ہوتی ہے۔

میں نے استاد ابو دقاق کو فرماتے سنا کہ جب گنہگار روتا ہے۔ تو یوں سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پیغام پہنچا دیا۔ اس سلسلہ میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:۔

دُمُوعُ الْفَتٰی عَمَّا یُجِنُّ تُتَرْجِمُ ... وَاَنْفَاسُہٗ یُبْدِیْنَ مَا الْقَلْبُ یَکْتُمُ

انسان کے آنسو اس کے دل کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور اس کے سانس دل کے راز ظاہر کرتے ہیں

کسی کا قول ہے دعا گناہوں کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ دعا محبوب کی طرف اشتیاق کی ترجمانی ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ دعا کرنے کی اجازت دینا مقصود کو عطا کرنے سے بہتر ہے۔

کتانی فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ عذر خواہی کے لئے جب مومن کی زبان کھول دیتا ہے تو صرف اس لئے کہ اس کے لئے مغفرت کا دروازہ کھول دیا جائے۔

کہتے ہیں کہ دعا بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے در پر حاضر ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اور عطا اس در سے واپس جانے کا۔ اور اللہ کے دروازے پر کھڑا رہنا جنا حاصل کر کے واپس چلے جانے سے افضل ہے۔

کہتے ہیں کہ حیاء کی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے آنے کا نام دعا ہے۔

کہتے ہیں کہ دُعا کی شرط یہ ہے کہ انسان (دعا کے بعد) اس فیصلہ پر جو اللہ تعالیٰ کرے راضی رہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ تو اپنی دعا کی مقبولیت کا انتظار کیسے کر رہا ہے۔ حالانکہ گناہوں سے تو نے اس کا راستہ بند کر رکھا ہے۔

کسی نے ایک درویش کو کہا کہ میرے لئے دعا کرو تو کہا۔ جو بیگانگی تیرے اور اللہ کے درمیان ہے اس کے لئے صرف وسیلہ پیدا کر لینا ہی کافی ہے۔ (اور وہ وسیلہ عجز و انکساری ہے)

میں نے حمزہ بن یوسف السہمی سے سنا کہ ابو الفتح نصر بن احمد بن عبد الملک نے کہا کہ عبد الرحمٰن بن احمد فرماتے تھے۔ کہ میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا کہ ایک عورت تقی بن مخلد کے پاس آئی اور کہا کہ میرے بیٹے کو رومیوں نے قید کر لیا ہے۔ اور میرے پاس صرف ایک چھوٹا سا گھر ہے۔ جسے بیچ نہیں سکتی۔ (کہ اس کا فدیہ ادا کر سکوں) اگر آپ چاہیں تو کسی کو حکم دیں کہ اس کا فدیہ ادا کر دے۔ کیونکہ میرے لئے نہ دن ہے نہ رات۔ اور نہ نیند ہے نہ قرار۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت چلی جاؤ تاکہ میں اس کے معاملہ میں غور کر سکوں انشاء اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ تقی بن مخلد نے سر نیچا کر کے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی اور ہم دیر تک منتظر رہے۔ پھر وہی عورت اپنے بیٹے کو لے کے آئی اور انہیں دعائیں دینے لگی۔ اور کہا یہ صحیح و سلامت آگیا ہے۔ اور اپنا قصہ خود سنائے گا۔ اس پر نوجوان نے بتلایا کہ میں قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رومی بادشاہ کے قبضہ میں تھا۔ اور ایک آدمی ہماری خدمت پر مامور تھا۔ جو ہر روز ہمیں خدمت کے لئے جنگل میں لے جاتا۔ اور پھر ہمیں واپس لے آتا۔ بیڑیاں اسی طرح ہمارے پاؤں میں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک

دن مغرب کے بعد ہم کام کر کے اس خادم کے ساتھ جو ہماری حفاظت کیا کرتا تھا واپس آ رہے تھے۔ کہ بیڑی میری ٹانگوں سے نکل کر زمین پر گر پڑی۔ اور اس نے وہ دن اور وقت جس میں یہ واقعہ پیش آیا تھا ذکر کیا۔ یہ وہی وقت تھا جب وہ عورت شیخ تقی بن مخلد کے پاس آئی تھی، اور شیخ نے دعا کی تھی، محافظ اٹھ کر میری طرف آیا۔ اور کہا تو نے بیڑی توڑ ڈالی ہے؟ میں نے کہا: میں نے تو نہیں توڑی۔ بلکہ خود بخود گر گئی ہے۔ نوجوان کہتا ہے کہ محافظ کو حیرت ہوئی اور اس نے اپنے مالک سے اس کا ذکر کیا انھوں نے لوہار کو بلا کر پھر مجھے بیڑیوں میں جکڑ دیا۔ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ بیڑیاں پھر پاؤں سے گر گئیں۔ انھیں اس سے بہت حیرت ہوئی۔ اور اپنے راہبوں کو بلایا۔ راہبوں نے مجھے کہا۔ کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا اس کی دعا مقبول ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تجھے رہا کیا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے لئے تمہیں قید میں رکھنا ممکن نہیں۔ پھر انھوں نے مجھے زادِ راہ دیا۔ اور ایک آدمی ساتھ کر دیا۔ جو مجھے مسلمانوں کے علاقہ تک پہنچا گیا۔

(۱۰۴۳)

۳۸ - فقر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:- لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ الآیۃ۔

(تمہارے صدقات) ان فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں۔ اور وہ زمین میں تجارت وغیرہ کے لئے آمد و رفت نہیں کر سکتے۔

ہم سے ابو عبد اللہ الحسین بن شجاع بن الحسن بن موسیٰ البزاز نے بغداد میں کہا کہ ان سے ابو بکر محمد بن جعفر[(۱۰۴۴)] بن محمد بن الہیثم الانباری نے کہا کہ ابو بکر جعفر[(۱۰۴۵)] بن محمد الصائغ نے اور ان سے قبیصہ[(۱۰۴۶)] نے بیان کیا کہ ان سے سفیان[(۱۰۴۷)] نے محمد بن عمرو[(۱۰۴۸)] بن علقمہ سے روایت کی کہ ابو سلمہ نے ان سے کہا۔ کہ ابو ہریرہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے (اور پانچ سو سال) آخرت کا آدھا دن ہوگا۔

اور ہم سے ابو بکر محمد بن احمد بن عبدوس الحیری بغدادی نے کہا کہ ابو احمد حمزہ بن عباس

البزار بغدادی نے کہا کہ محمد بن غالب بن حرب نے ان سے کہا کہ عبداللہ بن مسلمہ نے کہا کہ محمد بن ابی الفرات نے ابراہیم الہجری سے روایت کی کہ ابوالاحوص نے کہا کہ عبداللہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین وہ شخص نہیں جو چکر لگاتا رہتا ہے۔ اور اسے ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں مل جاتی ہیں۔ صحابہ عرض پرداز ہوئے: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! پھر مسکین کون ہے؟ فرمایا: مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو کہ مالدار کہلائے۔ مگر لوگوں سے سوال کرنے سے (اللہ کے حضور) شرماتا ہے۔ اور نہ ہی لوگوں کو اس کا پتہ ہوتا ہے۔ کہ اسے بطور صدقہ دیں۔

استادؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ لوگوں سے مانگنے سے شرماتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سے حیا کرتے ہوئے لوگوں سے سوال نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگوں سے شرماتا ہے۔

فقر اللہ کے ولیوں کا شعار اور خواص کا زیور ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں مثلاً اتقیاء اور انبیاء کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور فقراء وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر رکھا ہے۔ اور یہ لوگ مخلوق میں اللہ کے راز کے متحمل ہوتے ہیں۔ انھیں کی بدولت اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اور انہی کی برکت سے اللہ انھیں رزق میں وسعت دیتا ہے۔ اور صابر فقیر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

ہم سے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے کہا کہ ابراہیم بن احمد بن محمد بن رجاء الفزاری نے ان سے بیان کیا کہ عبداللہ بن جعفر بن احمد بن خشیش البغدادی نے کہا کہ عثمان بن معبد نے بیان کیا۔ کہ عمر بن راشد نے مالک سے، انھوں نے نافع سے، انھوں نے ابن عمر سے روایت کی کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کی کنجی ہوتی ہے۔ اور جنت کی کنجی مسکینوں کی محبت ہے۔ اور صابر فقیر قیامت کے دن اللہ کے ہم نشین ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص ابراہیم بن ادھم کے پاس دس ہزار درہم لایا۔ مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا تو دس ہزار درہم سے میرا نام فقراء کے دیوان سے مٹانا

چاہتا ہے۔ میں ایسا نہ کروں گا۔

معاذ نسفی فرماتے ہیں: لوگ خواہ کسی قسم کے اعمال بھی کرتے ہیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ جب وہ فقراء کی تذلیل و اہانت کرتے ہیں۔ تب انھیں اللہ ہلاک کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے فقیر کے لئے صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے وسعت چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے نرخ کم ہوں۔ کیونکہ فقیر کو خرید کی ضرورت ہوتی ہے اور امیر کو بیچنے کی۔ یہ تو عام فقیروں کا حال ہے۔ خاص فقیروں کی اور ہی بات ہے۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا انھوں نے عبد الواحد بن بکر سے سنا انھوں نے ابو بکر بن سمعان سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ ابو بکر بن مسعود فرماتے ہیں کہ کسی نے یحییٰ بن معاذ سے فقر کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا۔ اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ استغنا نہ کرے۔ اور فقر کی تعریف یہ ہے کہ دنیا کے کسی قسم کے اسباب و ذرائع پر اعتقاد نہ کیا جائے۔

میں نے انہی سے سنا کہ منصور بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ابراہیم القصار فرماتے تھے کہ جب بندہ درحقیقت فقر میں داخل ہوتا ہے تو یہ اس کے لئے ایسا لباس بن جاتا ہے۔ جس سے رضا پیدا ہوتی ہے۔

استاد ابو علی دقاق رح کے پاس ۳۹۴ھ یا ۳۹۵ھ میں ایک فقیر زوزن سے آیا۔ جس نے ٹاٹ کا کرتہ اور ٹاٹ کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے تفریح کے طور پر کہا کہ یہ ٹاٹ کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ ٹاٹ دنیا دے کر خریدا ہے۔ اور بیچنے والے نے مجھ سے کہا کہ اسے میرے پاس بیچ دو۔ اور آخرت لے لو۔ مگر میں نے نہیں بیچا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک فقیر نے ایک مجلس میں کھڑے ہو کر کچھ مانگا۔ اور کہا کہ میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ اس وقت وہاں ایک شیخ موجود تھا۔ انھوں نے بلند آواز سے کہا تو جھوٹ کہتا ہے۔ کیونکہ فقر تو اللہ کا راز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا راز اس شخص کے پاس نہیں رکھتا۔ جو اس راز کو جہاں چاہے لئے پھرے۔

فقر

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ انھوں نے محمد بن الفراء سے سنا کہ ذکریا بخشی فرماتے تھے کہ مَیں نے حمدون قصار کو فرماتے سنا کہ جب شیطان اور اس کی فوج اکٹھی ہوتی ہے تو انھیں کسی بات پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی کہ تین چیزوں پر ہوتی ہے (۱) اس مومن پر جو مومن کو قتل کرے۔ (۲) اس شخص پر جو کفر کی حالت میں مرے۔ (۳) اور اس دل پر جسے فقر کا ڈر ہو۔

اور مَیں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن عطا نے کہا کہ ابو جعفر الفرغانی فرماتے تھے: مَیں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ اے فقراء کی قوم! تمہیں لوگ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے جانتے ہیں۔ اور اللہ ہی کی خاطر تمہاری عزت کی جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم اللہ کے ساتھ خلوت میں ہو تو تمہیں سوچ لینا چاہیئے۔ کہ تمہیں کیسا ہونا چاہیئے۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمد بن الحسن البغدادی نے ان سے بیان کیا کہ محمد بن عبداللہ الفرغانی فرماتے تھے۔ کہ کسی نے جنید سے سوال کیا کہ آیا افتقار الی اللہ (اللہ کی طرف حاجت لے جانا) بہتر ہے یا استغنا باللہ تو جنید نے فرمایا جب صحیح معنوں میں افتقار الی اللہ ہو تو استغنا ء باللہ بھی صحیح معنوں میں پایا جاتا ہے۔ اور جب استغناء باللہ صحیح معنوں میں پایا گیا تو غنی باللہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کون سا افضل ہے۔ افتقار یا غنا کیونکہ یہ دونوں ایسی حالتیں ہیں جو ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتیں۔

میں نے انہی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا۔ کہ جعفر نے بیان کیا کہ رُویم سے کسی نے یہ سوال کیا کہ فقیر کی کیا تعریف ہے تو فرمایا۔ نفس کو احکام الہیہ میں چھوڑ دینا۔

کہتے ہیں کہ فقیر کی تین صفتیں ہیں، (۱) رازِ خداوندی کو محفوظ رکھنا۔ (۲) اللہ کے فرضوں کو ادا کرنا (۳) اور اپنے فقراء کی حفاظت کرنا۔

کسی نے ابو سعید خراز سے پوچھا:۔ امیروں کی مدد فقراء کو کیوں نہیں پہنچتی؟ فرمایا تین وجہ سے (۱) امیروں کا مال حلال طیب نہیں ہوتا (۲) توفیق ایزدی امیروں کے شامل نہیں ہوتی۔ (۳) فقراء کو اللہ تعالیٰ آزمائش میں ڈالے رکھنا چاہتا ہے۔

کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب تم فقراء کو دیکھو۔ تو ان سے اسی طرح کی باتیں کرو۔ جس طرح مالداروں سے کرتے ہو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو جو علم بھی مَیں نے

نہیں دیا ہے۔ اسے مٹی کے نیچے ڈال دو۔

ابو الدرداءؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ محل سے گر کر چور چور ہو جاؤں۔ بجائے اس کے کہ میں مالداروں کی مجلس میں بیٹھوں۔ اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:۔

مُردوں کی ہمنشینی سے بچا کرو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مُردے کون ہیں؟ فرمایا مالدار لوگ۔

کسی نے ربیع بن خیثم سے کہا کہ بھاؤ چڑھ گئے ہیں۔ فرمایا: ہم اللہ کے ہاں اس سے زیادہ حقیر ہیں کہ ہمیں بھوکا رکھے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے دوستوں کو بھوکا رکھتا ہے۔

ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں:۔ ہم نے فقر مانگا تو مالداری نے ہمارا استقبال کیا۔ لوگوں نے مالداری مانگی تو فقر نے اُن کا استقبال کیا۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ احمد بن علی نے ان سے کہا۔ کہ حسن بن علویہ فرماتے تھے کہ یحییٰ بن معاذؒ سے کسی نے کہا کہ فقر کیا ہے؟ فرمایا: فقر کا ڈر۔ پھر پوچھا کہ مالداری کیا ہے؟ فرمایا اللہ کے پاس امن حاصل کرنا۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر الرازی نے کہا کہ الجریری فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابن الکرینی کو فرماتے سنا: سچا فقیر مالداری سے پرہیز کرتا ہے۔ اس ڈر سے کہ کہیں مالداری داخل ہو کر اس کے فقر کو خراب نہ کر دے۔

کسی نے ابو حفص سے پوچھا: فقیر اپنے رب کے پاس کیا لے کر جائے؟ فرمایا: فقیر کو اپنے رب کے پاس فقر کے سوا اور کون سی چیز لے کر جانا چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی:۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن تیری نیکیاں تمام لوگوں کی نیکیوں جتنی ہوں؟ عرض کیا:۔ ہاں چاہتا ہوں۔ حکم ہوا مریض کی عیادت کیا کرو۔ فقراء کے کپڑوں سے جوئیں نکالا کرو۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ہر ماہ میں سات دن مقرر کر دیئے۔ جن میں وہ فقراء کے ہاں چکر لگاتے۔ اُن کے کپڑوں سے جوئیں نکالتے اور مریضوں کی عیادت کرتے۔

سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں ، پانچ باتیں نفس کے جوہر ہیں۔ (۱) محتاج جو اظہارِ مالداری کرتا ہو (۲) بھوکا جو ظاہر کرتا ہو کہ وہ سیر شکم ہے ۔ (۳) غمزدہ جو خوشی کا اظہار کرتا رہا ہو (۴) وہ شخص جس کی کسی سے عداوت ہے ۔ مگر اس سے محبت کا اظہار کرتا ہو (۵) وہ شخص جو دن کو روزہ رکھتا ہے ۔ اور نماز میں کھڑے کھڑے رات گزار دیتا ہے ۔ مگر کمزوری ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

بشر بن حارث فرماتے ہیں : سب سے افضل مقام یہ ہے کہ انسان قبر تک فقر پر صبر کرنے کا عزم بالجزم کرلے ۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں : بندے پر اللہ کی ناراضگی کی علامت یہ ہے کہ بندہ فقر سے ڈرتا ہو ۔

شبلیؒ فرماتے ہیں ۔ فقر الی اللہ کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ساری دنیا ہو اور پھر وہ اسے ایک دن میں خرچ کر ڈالے ۔ اس کے بعد اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر وہ ایک دن کی خوراک رکھ لیتا ۔ (تو بہتر ہوتا) تو یہ فقر نہیں ۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا : لوگوں نے اس بات پر بحث کی ، کہ فقر و غنی میں کون سا افضل ہے ۔ مگر میرے نزدیک افضل یہی ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اسقدر عطا کرے جس سے اس کی گزر ہو سکے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس روزی پر قائم رکھے ۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابو عبد اللہ الرازی نے بیان کیا کہ ابو محمد یلین فرماتے تھے کہ میں نے ابن الجلاء سے فقر کے متعلق سوال کیا تو پہلے تو آپ خاموش رہے ۔ یہاں تک کہ لوگ چلے گئے ۔ پھر آپ اپنی جگہ پر جا کر تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے ۔ اور فرمایا کہ میرے پاس چار دانگ (⅔ درہم) تھے ۔ اس لئے مجھے اللہ سے شرم آئی کہ میں فقر کی بات کروں ۔ آپ نے جا کر کسی کو وہ درہم دیدیئے ۔ اس کے بعد بیٹھ گئے ۔ اور فقر پر گفتگو فرمائی ۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبد اللہ بن محمد الدمشقی[۵۹] نے کہا کہ ابراہیم بن المولد[۱۰۶] فرماتے تھے ۔ کہ میں نے ابن الجلاء سے پوچھا کہ فقیر کب فقیر کہلانے کا حقدار ہوتا ہے ؟ فرمایا جب فقر میں سے کچھ بھی اس پر باقی نہ رہے ۔ (یعنی فقر کا وہم و گمان بھی اسے نہ آئے ۔) میں نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

فرمایا: جب وہ یہ خیال کرے کہ اسے مقام فقر حاصل ہے۔ تو درحقیقت اسے یہ حاصل نہیں ہے۔ اور جب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ فقر اسے حاصل نہیں تو درحقیقت اسے یہ حاصل ہے۔

کہا گیا ہے کہ صحیح فقر یہی ہے کہ فقیر اپنے فقر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے ساتھ مستغنی نہ ہو۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں فقر کے ہوتے ہوئے مالداری کا اظہار کرنا فقر سے بہتر ہے۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ ہلال بن محمد[۱۰۶۱] نے کہا: النقاش[۱۰۶۲] فرماتے تھے کہ میں نے بنان مصری کو فرماتے سنا: میں مکہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک نوجوان میرے سامنے تھا۔ کہ ایک شخص نے درہموں کی ایک تھیلی لا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ نوجوان نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس شخص نے کہا: اسے مسکینوں میں بانٹ دو۔ جب رات ہوئی تو میں نے اسے وادی میں اپنے لئے کچھ ڈھونڈتے دیکھا۔ میں نے کہا جو کچھ تمہارے پاس تھا۔ اگر تو اس میں سے اپنے لئے کچھ رکھ لیتا (تو اچھا تھا) کہنے لگا مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ علی بن بندار الصیرفی[۱۰۶۳] نے ان سے بیان کیا کہ محفوظ[۱۰۶۴] نے کہا۔ کہ ابوحفص فرماتے تھے بہترین چیز جس سے انسان اپنے مولیٰ تک پہنچ سکتا ہے یہ ہے کہ ہر حالت میں اور ہر وقت بندہ اپنی حاجات اللہ کے پاس لے جائے۔ ہر حالت میں سنت پر کاربند رہے۔ اور حلال ذریعے سے روزی حاصل کرے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ حسین بن احمد فرماتے تھے۔ کہ میں نے مرتعش کو فرماتے سنا کہ فقیر کے لئے مناسب نہیں کہ اس کی ہمت اس کی موجودہ حالت سے آگے نکل جائے۔

میں نے انہی سے سنا کہ ابوالفرج الورثانی نے ان سے کہا۔ کہ ابوعلی الرودباری کی بہن فاطمہ نے کہا کہ ابوعلی الرودباری فرماتے تھے۔ کہ چار آدمی اپنے اپنے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ ان میں ایک نہ تو اپنے بھائی بندوں سے کوئی چیز لیتا اور نہ بادشاہ سے اور وہ یوسف بن اسباط ہیں انہیں اپنے والد کی وراثت سے ستر ہزار درہم ملے تھے۔ مگر انھوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی چٹائی بنا کر روزی کماتے تھے۔ دوسرا شخص اپنے بھائیوں اور سلطان دونوں سے لے لیا کرتا تھا۔ اور وہ ابواسحٰق فزاری[۱۰۶۵] ہیں۔ جو کچھ وہ اپنے بھائیوں سے

لیتے۔ اسے وہ ان لوگوں پر خرچ کیا کرتے۔ جن کا لوگوں کو علم نہ ہوتا۔ اور وہ عبادت میں لگے رہنے کی وجہ سے حرکت نہ کر سکتے تھے۔ اور جو کچھ بادشاہ سے لیتے اسے اہل طرسوس کی طرف بھیج دیتے۔ اور تیسرا شخص اپنے بھائیوں سے تو لیتا مگر بادشاہ سے نہ لیتا تھا۔ اور وہ عبداللہ بن مبارک تھے۔ اپنے بھائیوں سے کچھ لے کر اس کے بدلے میں انہیں بھی کچھ دیتے۔ اور چوتھا شخص بادشاہ سے لے لیتا اور بھائیوں سے نہ لیتا تھا۔ اور وہ مخلد بن حسین[۲۶۶] تھے۔ وہ فرمایا کرتے۔ بادشاہ احسان تو نہیں جتلاتا۔ اور بھائی احسان جتلاتے ہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو حدیث مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِیٍّ لِاَجْلِ غِنَاہُ ذَھَبَ ثُلُثَا دِیْنِہٖ ۔ (جس شخص نے کسی مالدار کے سامنے اس کے مال کی وجہ سے تواضع کی، اس کا دو تہائی دین جاتا رہا) کے متعلق فرماتے سنا کہ یہ اس لئے ہے کہ انسان نام ہے دل زبان اور اپنے نفس کا۔ لہٰذا جب وہ اپنی زبان اور نفس سے اس کے سامنے تواضع کرتا ہے تو اس کا دو تہائی دین جاتا رہتا ہے۔ اور اگر دل سے اس کی فضیلت کو مانتا ہے جس طرح زبان اور نفس سے تو پھر اس کا سارا دین چلا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ فقیر کے لئے فقر میں کم از کم چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) علم جو اس کی تدبیر کرے (۲) پرہیزگاری جو اسے (برے کاموں سے) روکے (۳) یقین جو اسے عمل کرنے پر اکسائے اور (۴) ذکر جس سے اسے انس محسوس ہو۔

کہا جاتا ہے کہ جس نے فقر کا ارادہ فقر کے شرف کی وجہ سے کیا وہ فقیر مرا۔ (اور اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ وہ لوگوں میں فقیر مشہور ہو جانا چاہتا تھا) اور جس نے فقر کو اس لئے اختیار کیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ مشغول نہ ہو، وہ غنی مرا۔

مزین[۱۰۹] فرماتے ہیں:۔ اللہ کی طرف جانے کے طریقے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ تھے مگر طریق فقر کے سوا کوئی اور طریقہ باقی نہ رہا۔ اور یہی صحیح ترین طریقہ ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ حسین بن یوسف قزوینی[۱۰۶۹] نے کہا کہ ابراہیم بن مولد نے ان سے کہا کہ حسن بن علی فرماتے تھے کہ میں نے نوری کو فرماتے سنا کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ محتاجی کے وقت اسے سکون ہو اور جب اس کے پاس کچھ ہو تو وہ دوسروں کو دے دے

میں نے انہی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ فرماتے تھے کہ کسی نے شبلیؒ سے فقر کی حقیقت کے متعلق سوال کیا، تو فرمایا: اس کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ استغنا محسوس نہ کرے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہہ رہے تھے کہ منصور بن خلف المغربی فرماتے تھے کہ ابو سہل خشاب کبیر نے مجھ سے کہا کہ فقر محتاجی اور ذلت کا نام ہے۔ میں نے کہا نہیں بلکہ محتاجی اور عزت ہے۔ پھر کہا کہ فقر محتاجی اور تواضع ہے۔ میں نے پھر کہا نہیں۔ بلکہ محتاجی اور بلندی ہے۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ کسی نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا (محتاجی قریب ہے کہ کفر بن جائے) کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کسی چیز کی آفت اور اس کی ضد اس چیز کی فضیلت اور قدر کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ جو چیز فی نفسہٖ افضل و بہتر ہے اس کی ضد اور آفت اسقدر ناقص درجہ کی ہوتی ہے۔ مثلاً ایمان اشرف ترین خصلت ہے۔ اس لئے اس کی ضد کفر ہے۔ لہٰذا جب فقر پر کفر کا خطرہ قرار دیا، تو معلوم ہوا کہ فقر اشرف ترین خصلت ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن السلمی سے سنا کہ ابو نصر الہروی نے کہا کہ المرتعش فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ جب تو کسی فقیر سے ملے تو اس سے عاجزی کے ساتھ مل کیونکہ وہ اس سے انس محسوس کرے گا۔ اسے علم کے ساتھ مل۔ (یعنی اپنی علمیت جتاتے ہوئے اسے سوالات نہ کر) کیونکہ اس سے اسے وحشت ہوگی۔ میں نے عرض کیا۔ اے ابو القاسم: کیا کسی فقیر کو علم سے وحشت ہوتی ہے؟ فرمایا۔ ہاں جب فقیر صحیح اور سچے فقر کا حامل ہو۔ اور اپنا علم اس پر پھینکا چاہے تو وہ اس طرح پگھل جاتا ہے جس طرح سکہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔

میں نے انہی سے سنا کہ ابو عبداللہ الرازی نے کہا کہ مظفر القرمیسینی فرماتے تھے کہ فقیر وہ ہے جس کی اللہ کے پاس کوئی حاجت نہ ہو۔

استاد ابو القاسمؒ فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں ان لوگوں کے لئے جو بظاہر ان الفاظ کو سنیں اور صوفیاء کے معانی سے بے خبر رکھتے ہوں۔ تھوڑا سا اشکال ہو سکتا ہے البتہ اس عبارت میں خاص کا اشارہ اس بات کی طرف موجود ہے کہ فقیر اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ ہر قسم

کا مطالبہ اور سوال ساقط ہو جاتا ہے۔ اور فقیر کے اپنے اختیار کی کلیۃً نفی ہو کر وہ ان امور پر راضی ہوتا ہے جن کو حق سبحانہ اس پر جاری کرتا ہے۔

ابن خفیف فرماتے ہیں: اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک قرار دینا اور کسی صفت کو اپنی طرف منسوب کرنا فقر ہے۔

ابو حفصؒ فرماتے ہیں. کسی شخص کا فقر اس وقت تک حقیقی فقر نہیں ہو سکتا. جب تک اس کے نزدیک دینا لینے سے زیادہ محبوب نہ ہو اور سخاوت یہ نہیں ہے. کہ مالدار مفلس کو دے بلکہ سخاوت یہ ہے کہ مفلس مالدار کو دے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبدالواحد بن بکر نے ان سے کہا کہ الدقی فرماتے تھے. کہ میں نے ابن الجلاؒ کو فرماتے سنا کہ اگر تواضع شرف والی چیز نہ ہوتی تو فقیر کو یہ حکم دیا جاتا کہ چلتے ہوئے اکڑ کر چلو۔

یوسف بن اسباط فرماتے ہیں چالیس سال ہو گئے ہیں. اور آج تک میرے پاس ایک سے زائد قمیص نہیں رہی۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ قیامت بپا ہے کسی نے کہا کہ مالک بن دینار اور محمد بن واسع کو جنت میں داخل کر دو۔ اب میں دیکھنے لگا. کہ ان میں کون سا شخص پہلے داخل ہوتا ہے. دیکھا کہ محمد بن واسع پہلے داخل ہوئے. میں نے اس کا سبب پوچھا تو جواب ملا کہ اس کے پاس صرف ایک قمیص تھی۔ اور مالک بن دینار کے پاس دو قمیصیں تھیں۔ (۱۰۶۸)

محمد مسوحیؒ فرماتے ہیں:۔ فقیر وہ ہے جسے اپنی ذات کے لئے کسی سبب کی ضرورت نہ ہو کسی نے سہل بن عبداللہ سے پوچھا کہ فقیر کب راحت پاتا ہے؟ فرمایا: جب وہ اپنے موجودہ حال کے سوا کسی اور چیز کو نہ دیکھے۔

یحییٰ بن معاذؒ کی موجودگی میں فقر اور غنیٰ کا ذکر چھڑا تو فرمایا: قیامت کے دن نہ فقر کا وزن ہوگا. نہ غنیٰ کا، صرف صبر و شکر کا وزن ہوگا۔ اور کہا جائے گا کہ اس شخص نے شکر اور صبر کیا۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ میں تم سے کہاں تک راضی ہوں. تو تمہیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ تم سے فقراء کہاں تک راضی ہیں۔

زقاقؒ فرماتے ہیں۔ جو فقر میں صاحب تقویٰ نہیں وہ حرام خور ہو گا۔
کہا جاتا ہے کہ سفیان ثوری کی مجلس میں فقراء (استغنا باللہ کے سبب ایسے معلوم ہوتے
تھے. جیسے امراء ہوں۔
میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمد بن احمد الفراء فرماتے تھے کہ میں نے ابوبکر بن
طاہر کو فرماتے سنا، فقیر کے لئے یہ حکم ہے کہ اسے کسی چیز کی رغبت نہ ہو۔ اور اگر ضروری ہی رغبت
کرنی پڑ جائے تو کفایت سے زیادہ کسی چیز کی رغبت نہیں ہونی چاہیے۔
شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے کہا کہ عبداللہ بن ابراہیم بن العلاء فرماتے تھے کہ احمد بن عطاء
نے کسی صوفی کے یہ اشعار پڑھے :۔

قالوا غداً العيدُ ماذا انت لابسه
فقلت خلعةَ ساقٍ حبّه جُرَعا

فقرٌ و صبرٌ هما ثوباي تحتهما
قلبٌ يرى الفه الاعياد والجمعا

أحرى الملابس ان تلقى الحبيب به
يوم التزاور في الثوب الذي خلعا

الدهر لي ماتم ان غبت يا املي
والعيد ما كنت لي مرأىً و مستمعا

لوگ کہتے ہیں کہ کل عید ہے لہٰذا تو کیا پہنے گا۔ میں نے کہا اس محبوب کی خلعت پہنوں گا
جو اپنی محبت کے گھونٹ پلاتا ہے۔
فقر اور صبر میرے وہ کپڑے ہیں۔ جن کے نیچے ایک ایسا دل ہے جو اپنے محبوب کو اپنے
لئے عیدین اور جمعے سمجھتا ہے۔ زیارت کے دن مناسب ترین لباس جسے تو پہن کر محبوب سے
ملے وہ لباس ہے جس کو محبوب نے تمہیں عطا کیا ہے۔
اے میری آرزو! اگر تو غائب ہو جائے تو زمانہ میرے لئے ماتم کدہ ہے۔ اور جب تک
تو مجھے دکھائی دیتا ہے تو میرے لئے عید ہے۔
کہتے ہیں کہ یہ اشعار ابو علی رودباری کے ہیں۔
کسی نے ابو بکر مصریؒ (۱۰۶) سے بچے فقیر کے متعلق پوچھا۔ فرمایا:۔ فقیر وہ ہے جو نہ کسی چیز کا
مالک ہو اور نہ مالک ہونے کی خواہش کرتا ہو۔
ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ تخلیط (کچھ نیک اعمال اور کچھ برے اعمال) کے ہوتے ہوئے

ہمیشہ اللہ کی طرف حاجت لے جانا مجھے زیادہ پسند ہے۔ بجائے اس کے کہ میں ہمیشہ پاکباز رہوں اور متکبر بنوں۔

میں نے ابوعبداللہ الشیرازی سے سُنا کہ عبدالواحد بن احمد(۱۰۷) نے کہا کہ ابوبکر الجوال فرماتے تھے کہ میں نے ابوعبداللہ(۱۰۸) الحصری کو فرماتے سنا کہ ابوجعفر حداد(۱۰۹) نے بیس سال اس طرح گذار دیئے کہ ہر روز ایک دینار کماتے اور فقراء پر خرچ کر دیتے، اور روزے رکھتے اور شام اور عشاء کی نماز کے درمیان نکلتے اور لوگ اپنے دروازوں سے اُن کو کچھ خیرات دیتے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابوعلی الحسین بن یوسف القزوینی نے کہا کہ ابراہیم بن المولد نے بیان کیا کہ الحسن بن علی فرماتے تھے۔ کہ میں نے نوری کو فرماتے سنا کہ فقیر کی تعریف یہ ہے۔ کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اُسے سکون ہو۔ اور جب ہو تو وہ خرچ کر ڈالے اور اوروں کو اپنے اُوپر ترجیح دے۔

میں نے انہی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے اُن سے کہا کہ محمد بن علی الکتانی فرماتے تھے۔ کہ مکہ میں ہمارے پاس ایک شخص تھا۔ جس نے چیتھڑے پہن رکھے تھے۔ اور وہ ہم سے میل جول بھی نہ رکھتا تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حلال طریقے سے دو سو درہم دیئے جنھیں میں لے کر اس کے پاس گیا۔ اور اس کی جائے نماز کے کنارے پر رکھ دیئے۔ اور کہا کہ یہ حلال ذریعہ سے مجھے حاصل ہوئے ہیں آپ انھیں اپنے کام میں لائیں۔ اس نے ترچھی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر جو بات وہ مجھ سے چھپا رہا تھا اس کو ظاہر کیا، اور کہا۔ میں نے اللہ کے ساتھ مجلس کو فراغت کے ساتھ ستر ہزار دینار سے خریدا ہے۔ علاوہ جاگیر اور دانوں کے تو اُن چند درہموں کے ساتھ مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے؟ اور اس نے اُٹھ کر ان کو بکھیر دیا۔ اور میں اُٹھ کر چننے لگا۔ اور جب وہ جا رہا تھا۔ تو میں نے ایسی عزت نہیں دیکھی۔ اور نہ اپنے جیسی ذلت دیکھی۔ جبکہ میں انھیں چن رہا تھا۔

ابوعبداللہ بن خفیف فرماتے تھے۔ چالیس سال تک مجھ پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوا۔ حالانکہ خاص و عام میں میری بہت مقبولیت تھی۔

میں نے شیخ ابوعبداللہ بن باکویۃ الصوفی سے سنا کہ میں نے ابوعبداللہ خفیف کو ایسا کہتے سنا میں نے

انہی سے سنا کہ ابو احمد الصغیر فرماتے تھے کہ میں نے ابو عبد اللہ بن خفیف سے سوال کیا کہ ایک فقیر تین دن کا بھوکا ہے۔ وہ نکل کر جاتا ہے۔ اور لوگوں سے اسقدر خوراک مانگ لیتا ہے جو اسے کفایت کرے۔ اس فقیر کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ فرمایا۔ یہی کہا جائے گا کہ وہ گداگر ہے کھاؤ اور چپ رہو۔ اگر اس دروازہ سے کوئی فقیر آجائے تو سب کو رسوا کر ڈالے

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبد اللہ بن علی الصوفی فرماتے تھے کہ کسی نے رقی سے سوال کیا اور میں سن رہا تھا۔ کہ فقراء جب اپنے احوال میں ہوتے ہیں تو بارگاہ رب العزت میں گستاخی کر جاتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ فرمایا: ایسا کہنا اُن کے لئے حقیقت سے علم کی طرف تنزل ہے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ محمد بن عبد اللہ الطبری فرماتے تھے کہ میں نے خیر النساج کو فرماتے سنا کہ میں ایک مسجد میں گیا۔ وہاں ایک فقیر تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو مجھ سے چمٹ گیا۔ اور کہا اے شیخ! میں سخت مصیبت میں ہوں۔ کیا تو مجھ پر مہربانی کرے گا؟ میں نے پوچھا کہ وہ مصیبت کیا ہے؟ کہا کہ میری (فقر کے ساتھ) آزمائش نہیں ہوتی اور میں عافیت (دنیا) کے ساتھ تو... پکڑ چکا ہوں۔ میں نے جو دیکھا تو اُسے دنیا میں سے کچھ حصہ ملا تھا۔

میں انہی سے سنا کہ محمد بن محمد بن احمد فرماتے تھے کہ میں نے ابو بکر وراق کو فرماتے سنا کہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں فقیر کے لئے خوشخبری ہے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، فرمایا: اس لئے کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج نہیں لیتا۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہیں مانگے گا۔

۳۹۔ تصوّف (۱۰۰۴)

استاد فرماتے ہیں کہ ہر زبان میں صفائی قابل تعریف ہے اور گدلا پن جو اس کی ضد ہے قابل مذمت ہے

ہم سے عبد اللہ بن یوسف الاصبہانی نے کہا کہ اُن سے عبد اللہ بن یحییٰ الطلحی نے، اُن سے الحسین بن حفص (۱۰۰۵) نے، ان سے عبد اللہ بن نوفل نے، اُن سے ابو بکر بن عیاش (۱۰۰۶) نے یزید بن ابی زیاد (۱۰۰۷) سے روایت کی کہ ابو جحیفہ فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

بار نکل کر آئے۔ تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ فرمایا دنیا کی صفائی جاتی رہی (ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنیا) اور کدورت باقی رہ گئی، لہٰذا اب ہر مسلمان کے لئے موت ایک تحفہ ہے۔

استاد فرماتے ہیں کہ یہ نام صوفیاء کے گروہ پر غالب آگیا۔ چنانچہ ایک آدمی کے لئے کہا جاتا ہے رَجُلٌ صُوفِیٌّ اور جماعت کے لئے صُوفِیَة۔ اور اس شخص کو جو اپنے آپ کو اس جماعت کے ساتھ ملانا چاہتا ہے۔ اسے متصوف کہا جاتا ہے۔ (صوفی نہیں کہا جاتا) اور جماعت کے لئے متصوفہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

لفظ تصوف کا ماخذ عربی زبان کی رُو سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے، نہ اشتقاق سے، واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ "صوف" سے اور "تصوف" سے نکلا ہے۔ کیونکہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کے لئے تصوف کا لفظ بولتے ہیں جس طرح قمیص پہننے کے لئے تقمص کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا۔ (البتہ اکثر یہی پہنا کرتے تھے)

دوسرا قول جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صوفی کا لفظ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفہ کی طرف منسوب ہے (تو یہ درست نہیں) کیونکہ صفہ کا اسم نسبت (صُفّی) آتا ہے صوفی نہیں آتا۔

تیسرا قول ان لوگوں کا قول جو اسے صفاء سے مشتق بتاتے ہیں۔ یہ لغت کے لحاظ سے بعید از قیاس ہے۔

چوتھا قول جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ صف سے مشتق ہے۔ بایں معنی کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے باعث یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صفِ اول میں ہیں تو یہ معنی تو درست ہیں مگر لغوی طور پر صف کا اسم نسبت (صفّی) آتا ہے صوفی نہیں آتا۔ مزید برآں یہ لوگ (اس نام سے) اسقدر مشہور ہو چکے ہیں کہ ان کے تعین کرنے میں نہ قیاس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ اشتقاق کی۔

تصوف کے معنی لوگوں نے تصوف کے معنی سے بحث کی ہے کہ اس کا کیا مفہوم ہے۔

اور اس پوچھی کہ صوفی کون ہے؟ ہر ایک نے اس کی تشریح اپنے خیال اور ذوق کے مطابق کی ہے اور چونکہ ہمارا مقصد اختصار سے کام لینا ہے اس لئے اگر ان تمام اقوال کا ذکر کریں جو اس سلسلہ میں کہے گئے ہیں۔ تو ہم اصل مقصد سے دور ہو جائیں گے۔ البتہ ہم چند اقوال کا ذکر اشارہ کے طور پر انشاء اللہ کریں گے۔

ابو محمد حریری کا قول

میں نے محمد بن احمد بن یحییٰ الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التمیمی فرماتے تھے کہ کسی نے ابو محمد حریری سے تصوف کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا: یہ ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے۔

جنید کا قول

میں نے عبدالرحمن بن یوسف الاصبہانی سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ میرے والد نے ابو عبداللہ محمد بن عمار الہمدانی سے سنا کہ ابو محمد المرعشی نے کہا کہ میرے شیخ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ کسی نے جنید سے تصوف کے متعلق سوال کیا۔ تو میں نے اُنھیں یوں فرماتے سنا۔ کہ تصوف یہ ہے کہ حق تعالےٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے۔ اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔

حسین بن منصور کا قول

میں نے ابو عبدالرحمن السلمی سے سنا کہ عبد الواحد[(۱۰۷۹)] بن محمد الفارسی نے کہا کہ انھوں نے ابو الفاتک سے سنا کہ الحسین بن منصور سے کسی صوفی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے۔ نہ کوئی (اللہ کے سوا) اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔

ابو حمزہ بغدادی کا قول

اور ہم نے انہی سے سنا کہتے تھے۔ کہ میں نے عبداللہ بن محمد سے سنا کہ جعفر بن محمد نصیر نے اُن سے کہا کہ ابو علی الوراق فرماتے تھے کہ میں نے ابو حمزہ بغدادی کو فرماتے سنا کہ سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے وہ فقیر بن جائے۔ اور باوجود ذی عزت ہونے کے حقیر بنے۔ اور باوجود شہرت کے اپنے آپ کو چھپائے اور جھوٹے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ محتاجی کے بعد مالدار بنے۔ حقیر ہونے کے بعد عزت والا بنے اور گمنام ہونے کے بعد شہرت والا ہو۔

عمر بن عثمان مکی کا قول

عمر بن عثمان مکی سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، تصوف

یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حالت میں رہے جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔

محمد بن علی قصاب کا قول محمد بن علی قصاب فرماتے ہیں: تصوّف وہ کریمانہ اخلاق ہیں جو کریم زمانہ میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

سمنون کا قول سمنون سے کسی نے تصوّف کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ تصوّف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے۔ اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے۔

رویم کا قول رویم سے تصوّف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ جیسا چاہے کرے۔

جنید کا ایک اور قول جنید سے پوچھا گیا تصوّف کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے تجھے کسی (اور) چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔

رویم بن احمد بغدادی کا قول میں نے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا کہ ابو نصر السراج الطوسی نے بیان کیا کہ محمد بن الفضل نے کہا کہ علی بن عبدالرحیم الواسطی فرماتے تھے۔ کہ میں نے رویم بن احمد بغدادی کو فرماتے سنا۔ کہ تصوّف کی بنا تین چیزوں پر ہے۔ جو یہ ہیں: (۱) فقر و افتقار کو مضبوط پکڑنا (۲) بذل و ایثار کے ساتھ متصف ہونا اور (۳) کسی چیز سے تعرض کرنے یا کسی چیز کے اختیار کرنے کو ترک کر دینا۔

معروف کرخی کا قول معروف کرخی فرماتے ہیں کہ تصوّف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے۔

حمدون قصار کا قول حمدون قصار فرماتے ہیں صوفیاء کی صحبت میں رہو۔ کیونکہ اُن کے نزدیک بُری باتوں کا عذر پیش کرنے کے لئے کئی طریقے ہیں۔ اور اُن کے ہاں نیکی کی کوئی بڑی قدر و منزلت نہیں۔ کہ اس کی وجہ سے وہ تمہاری تعظیم کریں۔

خراز سے اہل تصوّف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام سے سرفراز کیا۔ اور وسیع پیمانہ پر انعامات دیئے۔ اور (حب) انھیں غیر اللہ

کی طرف توجہ کرنے سے) رو کا گیا۔ (تو اس قدر رکے) کہ خود سے بھی گم ہو گئے۔ پھر (جب ان کی حق تعالیٰ سے مشغولیت کمال کو پہنچ گئی) تو انھیں اُن کے باطن نے پکار کر کہا۔ کہ لوگوں سے کہو کہ اب تم ہم پہ رو لو۔ (کیونکہ اب بھی ہم اپنے مقصود کو نہیں پہنچے)

جنیدؒ فرماتے ہیں: تصوّف جبر و قہر ہے۔ اس میں کوئی صلح نہیں ہوتی۔

نیز فرماتے ہیں کہ اہلِ تصوّف ایسے گھرانے کے لوگ ہوتے ہیں جن میں غیر داخل نہیں ہو سکتا

نیز فرماتے ہیں تصوّف حضورِ قلب سے ذکر کرنے اور سُن کر وجد میں آنے اور اتباعِ سنّت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے۔ کہ ہر بُری چیز اس پر پھینکی جاتی ہے۔ مگر اس میں سے ہر قسم کی خوبصورت چیز نکلتی ہے۔

نیز فرمایا کہ صوفی کی مثال زمین کی سی ہے۔ جسے نیک اور بدکار دونوں روندتے ہیں۔ بادل کی سی ہے۔ جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے۔

نیز فرمایا۔ جب تم کسی صوفی کو دیکھو کہ وہ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں بڑا اہتمام کرتا ہے۔ تو سمجھ لو کہ اس کا باطن خراب ہے۔

سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں:۔ صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو رائیگاں سمجھے اور اپنی ملکیت کی چیزوں کو لوگوں کے لئے مباح سمجھے۔

نوریؒ کا قول

نوری فرماتے ہیں کہ صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ہو اور اگر کچھ پاس ہو تو ایثار کر دے۔

کتانی کا قول

کتانی فرماتے ہیں کہ تصوف اخلاقِ حسنہ کا نام ہے۔ جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہو گا۔

ابو علی رودباری کا قول

ابو علی رودباری فرماتے ہیں کہ محبوب کے در پر ڈیرہ ڈال دینے کا نام تصوّف ہے۔ خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دے۔

نیز فرمایا کہ بعد کی کدورت کے بعد قرب (خداوندی) کی صفائی کا نام تصوّف ہے

کہا جاتا ہے کہ بدترین شخص بخیل صوفی ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ خالی ہاتھ دل کی خوشی کا نام تصوف ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ غم کے بغیر بیٹھنا تصوف کہلاتا ہے۔

ابو منصورؒ فرماتے ہیں کہ صوفی اللہ کی طرف سے اشارہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اور مخلوق تو ساری اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ صوفی مخلوق سے کٹ کر حق تعالیٰ کے ساتھ متصل ہوگیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واصطنعتك لنفسی (میں نے تمہیں خاص اپنے منتخب کر لیا ہے) (یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہر غیر سے منقطع کر دیا۔ مگر پھر (جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی تو) فرمایا لن ترانی تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ (تاکہ اس کا اشتیاق بڑھے)

نیز فرماتے ہیں کہ صوفیاء حق تعالیٰ کی گود میں بچوں کی طرح ہیں (کیونکہ حق تعالیٰ اُن کی تربیت بچوں کی طرح کرتا ہے)

نیز فرمایا: تصوف جلا دینے والی بجلی ہے۔

نیز فرمایا: کائنات کو دیکھنے سے محفوظ رہنے کا نام تصوف ہے۔

رویمؒ فرماتے ہیں: جب تک صوفیاء ایک دوسرے کو اس کے عیوب پر تنبیہ کر کے) آپس میں نفرت پیدا کرتے رہیں گے، تو ٹھیک رہیں گے۔ مگر جونہی انھوں نے آپس میں صلح کر کر لی (اور تنبیہ چھوڑ دی) اور پھر ان میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی۔

جریریؒ فرماتے ہیں: اپنے احوال کی نگہداشت اور پاس ادب رکھنے کا نام تصوف ہے۔

مزینؒ فرماتے ہیں: حق تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا نام تصوف ہے۔

ابو تراب نخشبی فرماتے ہیں: صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی۔ مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ صوفی کو طلب (رزق) نہیں تھکاتی۔ اور نہ ہی سبب اسے بے چین کر سکتا ہے

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج فرماتے تھے۔ کہ کسی نے ابو نصر السراج سے تصوف کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح

دی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے۔

واسطی فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے اشارے ہوا کرتے تھے۔ پھر حرکات بنے مگر اب تو یہ حسرت بن کر رہ گئے ہیں۔

نوری سے کسی نے صوفی کے متعلق پوچھا تو فرمایا صوفی وہ ہے جس نے سماع سنا اور ان وزائع کو پسند کیا۔ (جو اللہ تک لے جائیں)

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج فرماتے تھے۔ کہ میں نے حصری سے کہا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ فرمایا جسے نہ زمین اُٹھائے ہو اور نہ اس پر آسمان سایہ کئے ہو۔ (یعنی اس قدر محویت کا عالم ہو)

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں: حصری کا اشارہ محویت کی حالت کی طرف ہے

کہا جاتا ہے کہ جب صوفی کے سامنے دو حالتیں یا دو خلق آئیں اور دونوں اچھے ہوں تو وہ بہتر کو اختیار کرتا ہے۔

شبلیؒ سے پُوچھا گیا کہ صوفیاء کا نام صوفیاء کیوں پڑا؟ فرمایا۔ اس لئے کہ اُن میں اُن کے نفسوں کا حصہ باقی رہ گیا تھا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو یہ نام ان کے ساتھ نہ چمٹتا۔

میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا انھوں نے کہا ابو نصر السراج فرماتے تھے۔ کہ ابن جلاؒ سے پوچھا گیا کہ صوفی کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کسی علم میں اس کے معنے نہیں پائے جاتے۔ مگر اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔ صوفی ایسا فقیر ہوتا ہے جو کسی قسم کے اسباب پر اعتماد نہ کرتا ہو۔ مکانیت کی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اسے ہر مکان و ہر حالت کے علم سے غافل نہیں رہنے دیتا۔ اس لئے اُسے صوفی کہا جاتا ہے۔

کسی کا قول ہے کہ تصوف جاہ و جلال کے ساقط کرنے اور دنیا و آخرت میں رسوائی پانے کا نام ہے (یعنی انھیں اللہ کے سوا کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی کسی چیز میں کامیابی نہیں چاہیئے۔)

ابو یعقوب مزابلی فرماتے ہیں: تصوف ایسی حالت کا نام ہے جس میں انسانی علامتیں فنا ہو جاتی ہیں۔

ابوالحسن سیروانی فرماتے ہیں، صوفی واردات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اوراد کے ساتھ نہیں۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ اس سلسلہ میں بہترین قول یہ ہے کہ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو صرف اُن لوگوں کے لئے موزون ہے۔ جن کی ارواح کے ذریعہ سے اللہ نے گندگیوں کو صاف کر دیا۔

ایک روز انھوں نے فرمایا کہ اگر فقیر کے پاس سوائے روح کے کچھ بھی نہ ہو اور وہ اپنی روح کو اس سلسلہ کے کتوں یعنی مخالفین کے سامنے پیش کرے۔ تو بھی کوئی کتا اسے قبول کرنا تو درکنار) دیکھے گا تک نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کا حال مخالفین سے چھپائے رکھتا ہے۔ اور مخالفین کے نزدیک ان کی رُوح نہایت حقیر ہوتی ہے)

استاد ابو سہل صعلوکی فرماتے ہیں: تصوّف (اللہ کی قضا پر) اعتراض نہ کرنے کا نام ہے۔

حصری فرماتے ہیں: صوفی معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا۔ اور وجود میں آنے کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔

استاد ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں: حصری کے مذکورہ بالا قول میں اشکال پایا جاتا ہے ان کا یہ کہنا کہ معدوم ہونے کے بعد وجود میں نہیں آتا" اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اس کی آفات فنا ہو جاتی ہیں۔ تو پھر واپس نہیں لوٹتیں۔ اور اُن کا یہ کہنا کہ وجود میں آنے کے بعد معلوم نہیں ہوتا" اس کا یہ مطلب ہے کہ جب وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو مخلوق کے ساقط ہونے سے ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا حادثات اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے

کہا جاتا ہے کہ صوفی وہ ہے جو اِن احوال کی وجہ سے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر ظاہر ہوں۔ اپنی ذات سے مستغنی اور بے خبر ہوتا ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کی تدبیر تصرف کے سامنے مقہور ہوتا ہے اور عبودیت کے تصرفات کی وجہ سے مستور ہوتا ہے

نیز کہتے ہیں کہ صوفی میں تغیر نہیں آتا اور اگر آبھی جائے تو اسمیں میل نہیں ہوتا (پھر دل بھی صاف رہتا ہے)

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سے سنا کہ حسین بن احمد الرازی نے کہا کہ ابو بکر المصری فرماتے ہیں کہ میں نے خراز کو فرماتے سنا کہ میں جمعہ کے دن قیروان کی جامع مسجد میں تھا، ایک شخص کو دیکھا کہ صفوں میں چکر لگا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ خیرات کے طور پر دو۔ میں ایک

صوفی تھا۔ اب کمزور ہو چکا ہوں۔ (یعنی اپنی اصلی حالت کو کھو چکا ہوں) میں نے اسے کچھ دینا چاہا۔ تو اُس نے کہا: جاؤ! میں اس قسم کی خیرات نہیں مانگتا (بلکہ اللہ کی راہ میں ایسی خیرات مانگتا ہوں جو مجھے پھر اپنی حالت پہ لے جائے) اور اس سے وہ خیرات قبول نہیں کی۔

۴۰۔ ادب[۱۰۸۴]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی (آپ کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ کسی اور طرف کو ہٹی۔)

کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد بارگاہِ رب العزۃ کے آداب کا لحاظ رکھنا ہے۔

نیز فرمایا: قوا انفسکم و اھلیکم نارا۔ (اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ)

ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے۔ کہ انھیں عقلمند اور سمجھدار بناؤ اور انھیں ادب سکھاؤ۔

ہم سے علی بن احمدؒ الاہوازی نے کہا کہ ان سے ابوالحسن صفار البصری نے کہا کہ غنامؒ[۱۰۸۵] نے ان سے بیان کیا کہ عبدالصمد بن النعمانؒ[۱۰۸۶] نے ان سے کہا۔ کہ عبدالملک بن الحسینؒ[۱۰۸۷] نے عبدالملکؒ بن عمیر[۱۰۸۸] سے اور انھوں نے مصعب بن شیبہؒ[۱۰۸۹] سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بچے کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ اچھی دایہ مقرر کرے۔ اور اس کا ادب بہتر بنائے۔

حکایت کی جاتی ہے کہ سعیدؒ بن المسیب[۱۰۹۰] نے فرمایا جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں اور اللہ کے اوامر و نواہی پر کاربند نہ رہا تو وہ شخص ادب سے بے بہرہ ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا ہے۔

ادب کیا ہے؟ | ادب درحقیقت نیک خصلتوں کے اجتماع کا نام ہے۔ اور ادیب وہ شخص

ہے۔ جس میں نیک خصلتیں جمع ہوں۔ اسی سے لفظ "مادبۃ" نکلا ہے۔ جس کے معنی کھانے کے لئے جمع ہونے کے ہیں (یعنی دعوت)

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ بندہ اللہ کی عبادت کرنے سے جنت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اللہ کی اطاعت میں ادب بجا لانے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے نماز میں اپنا ہاتھ ناک تک لے جانا چاہا۔ مگر اس شخص نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا (اور) اسے ناک تک نہ جانے دیا۔

استادؒ فرماتے ہیں کہ ابو علی دقاقؒ کا اشارہ اپنی طرف ہے۔ اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ انسان اور کے متعلق یہ معلوم کر لے کہ اس نے نماز میں اپنا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔

استاد ابو علیؒ کسی چیز کے ساتھ سہارا نہ لگایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ مجمع کے اندر تھے میں نے دیکھا کہ آپ کے سہارے کے لئے کوئی چیز نہیں۔ میں نے آپ کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ رکھنا چاہا۔ مگر آپ تکیہ سے تھوڑا سا ہٹ گئے۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ اس لئے ہٹ گئے ہیں کہ تکیے کے اوپر کوئی کپڑا یا چادر نماز نہیں ہے۔ تو آپ نے خود ہی فرمایا کہ میں تکیہ لگانا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد جب میں نے حالت پر غور کیا تو دیکھا کہ آپ کسی چیز کا سہارا نہیں لیتے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج نے کہا کہ احمد بن محمد البصری[(۱۰۹۱)] نے بیان کیا کہ الجلا جلی البصری[(۱۰۹۲)] فرماتے تھے کہ توحید ایسا موجب ہے جس سے ایمان (دبالرسالۃ) واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جس کا ایمان نہیں۔ اس کی توحید بھی نہیں۔ اور ایمان ایسا موجب ہے جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے۔ لہٰذا جس کی شریعت نہیں اس کا نہ ایمان ہے نہ توحید اور شریعت ایسا موجب ہے جس سے ادب واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کے پاس ادب نہیں۔ اس کی نہ شریعت ہے۔ نہ ایمان اور نہ توحید۔

ابن عطاء کہتے ہیں: ادب یہ ہے کہ تو اچھے کاموں پر لگا رہے۔ کسی نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اللہ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ادب سے پیش آئے جب تو ایسا ہو گا تو خواہ تو عجمی کیوں نہ ہو۔ ادیب کہلائے گا۔ پھر یہ شعر پڑھا: ے

اذا نطقت جادت بکل ملاحۃ وان سکنت جادت بکل ملیح

(جب بولتی ہے تو ہر طرح کی نمکین باتیں کرتی ہے۔ اور جب چپ رہتی ہے۔ تو بھی ہر طرح کی ملاحت ظاہر ہوتی ہے)

ہم سے محمد بن الحسین نے کہا کہ عبداللہ الرازی نے کہا کہ عبداللہ الجریری فرماتے تھے کہ خلوت میں بیٹھتے وقت میں نے بیس سال اپنے پاؤں نہیں پھیلائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اچھے آداب کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا: جو شخص ادب کا لحاظ رکھے بغیر بادشاہ کی صحبت میں بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروا دے گی۔

کسی نے ابن سیرین سے پوچھا کہ کون سے بندے کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب کر دیتے ہیں۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جاننا۔ اس کی اطاعت گذاری کرنا۔ خوشی پر اس کا شکریہ ادا کرنا، اور مصیبت پر صبر کرنا۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں، جب عارف باللہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا لحاظ نہ رکھے تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا:۔ ادب کے ترک کر دینے سے انسان کو دھتکارا جاتا ہے۔ لہٰذا جس نے بساطِ ادب پر سوء ادبی کی اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جس نے دروازے پر بے ادبی کی اسے دھکیل کر جانوروں کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا جاتا ہے

کسی نے حسن بصریؒ سے کہا کہ لوگ علم ادب حاصل کرنے کی طرف کثرت سے راغب ہو رہے ہیں۔ ان میں سے دنیا میں کون سا علم زیادہ نفع رساں ہے۔ اور آخرت میں کون سا علم اللہ تک زیادہ پہنچا دینے والا ہے؟ فرمایا: تفقہ فی الدین۔ دنیا سے کنارہ کشی اور یہ جاننا کہ اللہ کا تم پر کیا حق ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ جس نے آداب خداوندی کا لحاظ رکھا وہ ان لوگوں میں سے ہو گیا جن سے اللہ کو محبت ہے۔

سہل فرماتے ہیں وہ صوفیاء نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند رہنے کے لئے اللہ ہی سے

مدد طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے آداب خداوندی پر ثابت قدم رہے ہیں۔

ابنِ مبارکؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن احمد بن سعید نے کہا کہ عباس بن حمزہ نے ان سے بیان کیا کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ ولید بن عقبہ[۹۳] نے بیان کیا کہ ابن مبارک کہتے تھے۔ ہم نے ادب کی تلاش اس وقت کی جب سکھانے والے گذر چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تین خصلتوں کے ہوتے ہوئے انسان اجنبی نہیں معلوم ہوتا۔ (۱) مشکوک لوگوں سے کنارہ کشی (۲) حسن ادب (۳) کسی کو ایذا نہ پہنچانا۔

اسی سلسلے میں شیخ ابو عبداللہ مغربی نے ہمیں یہ اشعار سنائے:۔

يَزِيْنُ الْغَرِيْبَ اِذَا مَا اغْتَرَبَ   ثَلَاثٌ فَمِنْهُنَّ حُسْنُ الْاَدَب

وَثَانِيْهِ حُسْنُ اَخْلَاقِهِ   وَثَالِثُهُ اِجْتِنَابُ الرِّيَب

جب کوئی مسافر سفر میں جائے تو تین چیزیں اس کی زینت ہوتی ہیں (۱) حسن ادب (۲) حسن اخلاق (۳) مشکوک اور تہمت کی باتوں سے بچنا۔

جب ابو حفص بغداد میں آئے۔ تو جنیدؒ نے اُن سے کہا: آپ نے اپنے مریدوں کو شاہی آداب سکھا رکھے ہیں۔ اس پر ابو حفص نے جواب دیا۔ ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا آئینہ دار ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: عارف باللہ کے لئے پاس ادب اسی طرح ضروری ہے جس طرح مبتدی کے لئے توبہ۔

مَیں نے منصور بن خلف مغربی کو فرماتے سنا کہ کسی صوفی کو کسی نے بے ادب کہا۔ اس پر اُس نے جواب دیا: مَیں بے ادب نہیں ہوں۔ اس پر سوال ہُوا کہ تجھے کس نے ادب سکھایا؟ جواب دیا: صوفیاء نے۔

مَیں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو النصر الطوسی السراج فرماتے تھے۔ ادب کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے ہیں[۹۴]: (۱) اہل دنیا۔ اُن کے بیشتر آداب۔ فصاحت و بلاغت۔ علوم اور

بادشاہوں کے ناموں اور عربوں کے اشعار کا یاد رکھنا ہیں۔ (۲) اہل دین۔ ان کے بیشتر آداب، ریاضت نفس، تادیب جوارح، حدود اللہ کی محافظت اور ترک الشہوات ہیں۔ (۳) اہل خصوصیت۔ اُن کے بیشتر آداب دلوں کو پاک رکھنا، رازہائے الہیہ کا لحاظ، عہد کی وفا، حفظ وقت، خواطر کی طرف عدم توجہ، طلب اور التجا کے مواقع اوقاتِ حضور (بدرگاہِ رب العزت) اور قربت کے مقامات پر حسنِ ادب۔

سہل بن عبداللہ سے حکایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا: جس شخص نے اپنے نفس کو ادب کے ساتھ مغلوب کر لیا۔ وہ شخص اخلاص کے ساتھ اللہ کا عبادت گذار ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے سوا کسی کو کمال ادب حاصل نہیں

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ لوگ ادب کے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ادب نفس کی معرفت کا نام ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بات کرتے ہوئے شرم و حیا کو ترک کر دینا بے ادبی ہے۔

ذوالنون فرماتے ہیں کہ عارف باللہ کا ادب ہر قسم کے ادب سے بلند ہے۔ کیونکہ جس سے اس کی جان پہچان ہے یعنی حق تعالیٰ، وہی اس کے دل کو ادب سکھانے والا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ حق سبحانہٗ فرماتا ہے: جس شخص کو میں نے اپنے اسماء و صفات میں غور و فکر کرنے پر لگائے رکھا، اسے میں نے ادب کا لحاظ رکھنے کا بھی حکم دیا۔ مگر جس کے لئے میں نے اپنی ذات کی حقیقت کھول دی۔ میں نے اس کے لئے ہلاکت لازم قرار دے دی۔ اب تم ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو، خواہ ادب، یا عطب (ہلاکت)

کہتے ہیں کہ ایک دن ابن عطاء نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں پاؤں پھیلا دیئے اور فرمایا کہ اہلِ ادب کے درمیان ہوتے ہوئے ادب ترک کر دینا بھی ادب ہے۔ اس حکایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوبکرؓ و عمرؓ بیٹھے تھے۔ کہ عثمانؓ آ گئے تو آپ نے اپنی ران ڈھانپ لی۔ اور فرمایا کہ جس شخص سے فرشتے حیاء کرتے ہیں، کیا میں اس سے حیاء نہ کروں؟ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس بات کی تنبیہہ کردی کہ اگرچہ عثمانؓ کا احترام بڑا تھا مگر آپ کی جو کیفیت ابوبکر و عمر کے ساتھ تھی اس میں زیادہ دوستی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔

یہ اشعار تقریباً اسی مفہوم کے ہیں :۔

فِیْ اِنْقِبَاضٍ وَحِشْمَۃٍ فَاِذَا ۔۔۔ صَادَفْتُ اَھْلَ الْوَفَاءِ وَالْکَرَمِ

اَرْسَلْتُ نَفْسِیْ عَلٰی سَجِیَّتِھَا ۔۔۔ وَقُلْتُ مَا قُلْتُ غَیْرَ مُحْتَشِمٍ

مجھ میں انقباض و احترام پایا جاتا ہے۔ مگر جب اہلِ وفا و کرم سے صحبت ہوتی ہے تو اپنے نفس کو اُس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا ہوں، اور پھر جو بھی کہنا ہوتا ہے بے دھڑک کہہ دیتا ہوں۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب آپس میں صحیح محبت ہو جاتی ہے تو ادب کے شروط ساقط ہو جاتے ہیں۔

ابو عثمانؒ فرماتے ہیں: جب آپس میں صحیح محبّت پیدا ہو جاتی ہے تو محب پر پاسِ ادب رکھنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

نوریؒ فرماتے ہیں: جس نے غلبۂ احوال کے وقت ادب کا لحاظ نہ رکھا اُس کی حالت (وقت نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی مقت یعنی ناراضگی کا سبب ہے۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں: جب کوئی مرید (جو مبتدی ہے) ادب کا خیال نہیں رکھتا تو وہ لوٹ کر وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا۔

مَیں نے استاد ابو علیؒ دقاق کو اللہ تعالیٰ کے فرمان :۔ "وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" کی تشریح فرماتے ہوئے سنا کہ ایوب علیہ السلام نے "ارحمنی" اس لئے نہیں کہا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے پاس ادب رکھا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ جب گذارش کی:۔ اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ (اگر تو اِن کو عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں) نیز عرض کیا "اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ" (اگر مَیں نے کہا ہوگا۔ تو اے اللہ تجھے اس کا علم ہے) حضرت عیسیٰؑ نے پاسِ ادب رکھتے ہوئے "لم اقل" (مَیں نے نہیں کہا) نہیں کہا۔

میں نے محمدؒ بن عبد اللہ الصوفی سے سنا کہ ابو الطیب بن زرخان[(۱۰۹۶)] فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا:- صالحین میں سے ایک شخص جمعہ کے دن میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ میرے ساتھ ایسے فقیر کو بھیجئے۔ جو مجھے خوش کرے۔ اور میرے ساتھ کچھ کھائے۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ایک فقیر کو میں نے فاقہ کی حالت میں دیکھا۔ اور اُسے بلا کر کہا اس شیخ کے ساتھ جاؤ اور اُسے خوش کرو۔ وہ چلا گیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ وہ شخص آگیا۔ اور کہا اے ابو القاسم! اس فقیر نے تو صرف ایک لقمہ کھایا اور نکل گیا میں نے کہا تم نے کوئی گستاخی کا کلمہ کہا ہو گا۔ اس نے جواب دیا میں نے تو اسے کچھ نہیں کہا۔ میں نے جو نظر دوڑائی تو فقیر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے کہا تم نے اس کی خوشی پوری کیوں نہیں کی؟ فقیر نے کہا۔ اے میرے آقا! میں کوفہ سے نکل کر بغداد پہنچا۔ اور اس عرصہ میں میں نے کچھ نہیں کھایا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ فاقہ کی وجہ سے مجھ سے آپ کی موجودگی میں کوئی بے ادبی ہو جائے۔ جب آپ نے خود ہی مجھے بلایا تو مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے ہی پہل کی۔ لہٰذا میں چلا گیا۔ حالانکہ میں اپنی فاقہ کی حالت کے بدلے جنت پر بھی راضی نہ تھا۔ جب میں اس کے دستر خوان پر بیٹھا تو اس نے ایک لقمہ میرے لئے بنایا۔ اور کہا۔ کھاؤ یہ ایک لقمہ میرے نزدیک دس ہزار درہم سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ جب میں نے اس کے یہ الفاظ سنے تو میں سمجھ گیا کہ وہ دوں ہمت انسان ہے۔ اس لئے میں نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کیا۔ یہ سن کر جنید نے کہا:- میں نے تو تجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم نے اس کے ساتھ بے ادبی کی ہو گی۔ اس شخص نے اس پر کہا کہ اے ابو القاسم! میں توبہ کرتا ہوں۔ اس پر ابو القاسم نے اسی فقیر کو پھر اس کے ساتھ جانے اور اسے خوش کرنے کو کہا۔

۴۱۔ صوفیاء[(۱۹۷)] کے سفر کے احکام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ خدا ہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں سیر کراتا ہے۔

ہم سے علی بن احمدؒ بن عبدان نے اُن سے احمد بن عبید البصری نے، ان سے محمدؒ بن

الفرج الازرق نے (۱۰۹۸)، اُن سے حجاج نے (۱۰۹۹)، اُن سے ابن جریج نے (۱۱۰۰)، اُن سے ابوالزبیر نے (۱۱۰۱)
اُن سے علی الازدی (۱۱۰۲) نے بیان کیا کہ ابن عمر نے انھیں سکھایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر
کے لئے نکلتے وقت اونٹ پر بیٹھ جاتے تو تین بار تکبیر کہتے۔ پھر یہ پڑھتے۔ سُبْحَانَ
الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (پاک ہے وہ خدا جس
نے ان جانوروں کو ہمارے لئے مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی۔ اور ہم سب
اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں) پھر فرماتے:
اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی. يُهَوِّنُ
عَلَيْنَا سَفَرَنَا۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ اَللّٰهُمَّ
اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْمَالِ وَالْاَهْلِ
(اے اللہ! ہم اس سفر میں تم سے نیکی اور پرہیزگاری مانگتے ہیں۔ اور ایسے عمل کی درخواست
کرتے ہیں جسے تو پسند کرے۔ اے اللہ! ہمارے سفر کو آسان کر دے۔ اے اللہ!
سفر میں تو ہی ہمارا ساتھی ہے۔ اور گھر اور مال میں تو ہی ہمارا جانشین ہے۔ اے اللہ! میں
تم سے سفر کی تکالیف اور واپسی کے اندوہ اور مال اور اہل میں بُرے منظر سے تجھ سے
پناہ طلب کرتا ہوں) اور جب سفر سے واپس آتے تو بھی یہی الفاظ کہتے۔ اور ان پر ان
الفاظ کا اضافہ کرتے۔

" آئبون تائبون لربنا حامدون"۔ ہم واپس آنے اور تائب ہونے پر اپنے رب کی
حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔

استاد فرماتے ہیں کہ چونکہ صوفیاء کے گروہ میں سے بہتوں کی یہی رائے ہے کہ سفر
اختیار کرنا چاہیئے۔ اس لئے ہم نے اس کے لئے الگ باب باندھا ہے۔ صرف اس لئے
کہ سفر کی اُن کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔

صوفیاء سفر کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ بعض لوگ ایک جگہ پر مقیم رہنے کو سفر پر ترجیح
دیتے ہیں اور ان لوگوں نے سوائے فرض مثلاً حج کے کسی اور کام کے لئے سفر اختیار نہیں کیا۔
یہ لوگ بالعموم مقیم ہی رہے۔ مثلاً جنید۔ سہل بن عبد اللہ۔ ابویزید بسطامی اور ابوحفص وغیرہ۔

بعض نے سفر کو ترجیح دی اور مرتے دم تک سفر میں رہے مثلاً ابو عبداللہ مغربی ابراہیم بن ادھم وغیرہ۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جنھوں نے ابتدا میں اور حالتِ شباب میں بہت سفر کیا مگر بعد میں سفر ترک کر دیا۔ مثلاً ابو عثمان حیری اور شبلی وغیرہ۔ ان سب کے الگ الگ اصول تھے۔ جن پر انھوں نے اپنے طریقہ کی بنا رکھی۔

سفر کی قسمیں

یاد رکھیں کہ سفر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) بدن کا سفر یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ (۲) دل کا سفر یعنی ایک صفت سے دوسری صفت کو منتقل ہونا۔ بدن کا سفر کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ دل کا سفر کرنے والے بہت کم ہیں۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ نیشاپور کے باہر ایک بستی ہے۔ جس کا نام فرخک ہے۔ وہاں صوفیا کے ایک شیخ رہا کرتے تھے۔ اس علم میں اُن کی تصانیف بھی ہیں۔ اُن سے کسی نے پوچھا "شیخ صاحب! کیا آپ نے سفر بھی کیا ہے؟" فرمایا: "کیا تم زمین کے سفر کے متعلق پوچھتے ہو یا آسمان کے سفر کے متعلق؟ زمین کا سفر تو میں نے نہیں کیا۔ البتہ آسمان کا کیا ہے۔"

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ ایک روز ایک فقیر میرے پاس آیا۔ اس وقت میں مرو میں تھا۔ اور کہا میں دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کے پاس آیا ہوں۔ اور میرا مقصد صرف آپ کی ملاقات ہے۔ میں نے کہا: تمہارے لئے تو صرف ایک قدم کافی تھا۔ اگر اپنے نفس سے سفر کر لیتا۔

جس طرح اُن کے حالات مختلف ہیں اسی طرح سفر کے متعلق اُن کی حکایتیں بھی مختلف ہیں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن السلمی سے انھوں نے محمد بن علی العلوی سے سنا کہ جعفر بن محمد نے اُن سے کہا کہ احنف الہمدانی فرماتے تھے۔ کہ میں جنگل میں اکیلا تھا۔ اور میں تھک گیا تھا میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اے رب! میں کمزور اور ناپاک ہوں۔ اور تمہارے پاس ضیافت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ فوراً میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ جواب نہ ملے کہ تجھے کس نے بلایا تھا۔ اس پر میں نے کہا: اے رب! تمہاری سلطنت ایسی ہے جہاں طفیلی کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ فوراً کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ جب ادھر مڑا تو ایک بدوی سواری پر سوار تھا۔ اس نے مجھے کہا: اے عجمی! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: مکہ کا اس نے پھر

کہا۔ کیا اُس نے تمہیں بلایا ہے؟ میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ اُس نے پھر کہا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: من استطاع الیہ سبیلا؟ (جو سفر کی طاقت رکھے) میں نے کہا۔ اُس کی سلطنت وسیع ہے طفیلی کی اسمیں گنجائش ہے۔ اس نے کہا کیا تو طفیلی ہے؟ کیا تو اُونٹ کی خدمت کر سکتا ہے میں نے کہا، ہاں۔ اس پر وہ اپنے جانور سے نیچے اُتر آیا۔ اور مجھے دے کر کہنے لگا۔ اس پر سفر کرو۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ محمد بن احمد النجار فرماتے تھے کہ کسی فقیر نے کتانی سے درخواست کی کہ اسے وصیت کریں تو فرمایا: کوشش کرو کہ ہر رات کسی مسجد کے مہمان بنو۔ نیز اگر مرو تو دو منزلوں کے درمیان ہی مرو۔

حکایت کی جاتی ہے کہ حصری فرمایا کرتے تھے ایک بار بیٹھنا ایک ہزار حج سے بہتر ہے۔ آپ کی مراد صرف یہ تھی کہ اللہ کو حاضر سمجھتے ہوئے۔ ایک بار اس طرح بیٹھنا کہ ہمت جمع ہو جائے۔ قسم ہے کہ یہ ایسے ایک حج سے بہتر ہے جس میں انسان اللہ سے غائب رہے۔

میں نے محمد بن احمد الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التمیمی نے بیان کیا۔ محمد بن اسمٰعیل فرغانی فرماتے تھے۔ کہ میں اور ابو بکر زقاق اور کتانی تقریباً بیس سال سفر کرتے رہے۔ نہ تو ہم کسی سے خلا ملا کرتے۔ اور نہ کسی سے میل جول رکھتے۔ جب کسی شہر میں پہنچتے اور وہاں کوئی بزرگ ہوتا۔ تو اس کے سلام کو چلے جاتے۔ رات تک اس کے پاس بیٹھتے اور پھر مسجد میں چلے جاتے۔ کتانی ابتداء رات سے لے کر آخر تک۔ نماز پڑھتے رہتے۔ اور قرآن ختم کرتے اور زقاق قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاتے۔ اور میں لیٹ کر سوچتا رہتا۔ پھر جب صبح ہوتی تو نماز عشاء کے وضو سے ہی صبح کی نماز ادا کرتے۔ اور جب ہمارے درمیان کوئی اور انسان آجاتا اور سویا رہتا تو ہم اس کو اپنے سے افضل سمجھتے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ بلبلی القصار فرماتے تھے کہ کسی نے رویم سے سفر کے آداب کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: سفر کا ادب یہ ہے کہ اس کا قدم اس کی ہمت سے آگے نہ پڑے۔ اور جہاں اس کا دل ٹھہر جائے وہی اس کی منزل ہو جائے۔

مالک بن دینار سے حکایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ لوہے کے جوتے اور لوہے کی لاٹھی بناؤ پھر دنیا کی سیاحت کرو اور آثار

وعیرنیں تلاش کرو، یہاں تک کہ جوتا پھٹ جائے اور لاٹھی ٹوٹ جائے۔

کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ مغربی ہمیشہ سفر میں رہا کرتے۔ اور آپ کے مرید آپ کے ساتھ ہوتے اور احرام میں ہوتے۔ جب احرام ٹوٹ جاتا تو دوبارہ احرام باندھ لیتے۔ اُن کے لئے نہ کپڑا بنا جاتا۔ اور نہ اُن کے ناخن اور بال لمبے ہوتے۔ اور رات کے وقت اُن کے مرید اُن کے پیچھے چلا کرتے۔ اور جب اُن میں سے کوئی راستہ سے ایک طرف ہٹ جاتا تو آپ فرماتے اے فلانے! دائیں طرف ہو جا۔ اے فلانے! بائیں طرف ہو جا۔ آپ اپنا ہاتھ کسی ایسے کھانے کی طرف نہ بڑھاتے تھے جس کی طرف کسی انسان کا ہاتھ بڑھا ہو۔ آپ کی خوراک کسی بوٹی کی جڑ ہوتی۔ جسے اُن کے لئے مہیا کیا جاتا۔

کہتے ہیں کہ ہر وہ دوست جسے تو کہے "اُٹھو چلیں" اور وہ پوچھے "کہاں" وہ دوست نہیں۔

اس کے ہم معنی یہ شعر پڑھا جاتا ہے:۔

اِنَّا اِسْتَنْجَدُوْا لَمْ یَسْئَلُوْا مَنْ دَعَاهُمْ ‏ لِاَیَّةِ حَرْبٍ اَمْ لِاَیِّ مَکَانٍ

(جب کوئی شخص اُن سے مدد مانگتا ہے تو وہ پکارنے والے سے یہ سوال نہیں کرتے، کہ کس جنگ کے لئے اور کس جگہ جاتے ہو، تو ہمیں بلا رہا ہے؟

ابو علیؒ رباطی سے حکایت ہے انھوں نے کہا کہ میں عبداللہ مروزی[۱۱۰۵] کی صحبت میں رہا۔ اُن کی صحبت میں میرے آنے سے پہلے اُن کا دستور تھا کہ وہ زادِ راہ اور سواری کے بغیر جنگل کو نکل جاتے۔ جب میں ان کی صحبت میں آگیا تو مجھے فرمایا۔ "تو حاکم بننا پسند کرے گا یا میں حاکم رہوں"۔ میں نے عرض کیا۔ آپ ہی حاکم رہیں۔ فرمایا: پھر تمہیں اطاعت کرنی ہوگی۔ میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے ایک تھیلا لیا۔ اس میں زادِ راہ رکھا۔ اور اُسے اپنی پُشت پر اُٹھایا۔ جب میں یہ کہتا کہ یہ تھیلا مجھے دیجئے تاکہ میں اسے اُٹھاؤں۔ فرماتے: میں حاکم ہوں اور تمہیں میری اطاعت کرنی چاہیے۔ رباطیؒ فرماتے ہیں: ایک رات بارش ہوئی۔ اور آپ چادر لئے صبح تک میرے اُوپر سایہ کرتے رہے۔ تاکہ میں بارش سے بچا رہوں۔ میں دل میں کہتا: کاش میں مر جاتا۔ اور یہ نہ کہتا کہ آپ حاکم ہیں۔ پھر مروزی نے فرمایا۔ جب تو کسی انسان کی صحبت اختیار کرے تو اس کی صحبت میں اسی طرح رہ جس طرح میں تمہاری صحبت میں رہتا ہوں۔

ایک نوجوان ابوعلی رود باریؒ کے پاس آیا۔ جب وہ جانے لگا تو کہا: کیا شیخ کچھ فرمانا چاہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: اے نوجوان! صوفیا نہ تو وعدہ سے اکٹھے ہوتے ہیں اور نہ مشورہ کر کے جُدا ہوتے ہیں۔

مزین کبیرؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایک دن ابراہیم خواص کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا۔ کہ ایک بچھو کو اُن کی ران پر دوڑتا دیکھا۔ میں نے اُٹھ کر اسے مارنا چاہا مگر آپ نے مجھے منع کر دیا۔ اور فرمایا: اسے رہنے دو۔ کیونکہ ہر چیز ہماری محتاج ہے اور ہم کسی چیز کے محتاج نہیں۔

ابو عبداللہ نصیبی فرماتے ہیں، میں نے تیس سال سفر کیا۔ اور میں نے کبھی اپنی گدڑی پر پیوند لگایا اور نہ میں کسی ایسی جگہ گیا جہاں مجھے معلوم ہو کہ میرا کوئی رفیق ہے۔ اور نہ کسی کو اس بات کی اجازت دی۔ کہ میرے ساتھ چلتے ہوئے کوئی چیز ساتھ لے۔

یاد رکھیں کہ صوفیا اللہ اور اس کی مخلوق کے ساتھ حاضری کے تمام آداب مجاہدہ سے حاصل کیے ہوئے ہوتے ہیں پھر بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کچھ اور مستزاد حاصل کریں۔ لہٰذا انھوں نے اپنے نفسوں کو نکھارنے کے لئے احکامِ سفر کو شامل کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفسوں کو اُن چیزوں سے نکال کر لے گئے۔ جن کے وہ روز مرّہ کے عادی تھے۔ اور انھیں معروف چیزوں کے چھوڑنے پر مجبور کیا تاکہ وہ اللہ کے ساتھ ایسی حالت میں زندگی گذاریں کہ اُن کا دنیا کی کسی چیز کے ساتھ نہ کوئی تعلق ہو۔ اور نہ کوئی واسطہ ہو۔ بایں ہمہ انھوں نے سفر میں ہوتے ہوئے بھی اپنے کسی ورد کو ترک نہیں کیا۔ کیونکہ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ رخصت (مثلاً سفر میں قصر کرنا) صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جن کا سفر کسی حاجت یا ضرورت کی وجہ سے ہو اور ہمیں اپنے سفر میں نہ تو کوئی کام ہے اور نہ کوئی مجبوری (لہٰذا رخصت کیسی؟)

میں نے ابو صادق بن حبیب کو فرماتے سنا کہ انھوں نے نصر آبادی کو فرماتے سنا: ایک بار میں جنگل میں گذرتے ہوئے کمزور ہو گیا۔ اور اپنی جان سے مایوس ہو گیا کہ یکایک میری نگاہ چاند پر پڑی۔ حالانکہ اُس وقت دن تھا۔ پھر بھی میں نے چاند پر یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے:۔ فسیکفیکھم اللہ لہٰذا میں نے اس تکلیف کو معمولی سمجھا۔ اور اسی وقت سے یہ بات دیکھی

خرق عادات و کرامات، میرے لئے واضح ہو گئی۔

ابو یعقوب سوسیؒ فرماتے ہیں۔ مسافر کو سفر میں چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۱) علم جو اس کی رہنمائی کرے۔ (۲) پرہیزگاری جو اسے ہر بری بات سے روکے (۳) شوق جو اسے مطلوب تک پہنچنے پر اکساتا رہے۔ (۴) خلق جو اسے (ادنیٰ درجہ کے اخلاق سے) بچاتا رہے۔

کہتے ہیں کہ سفر کو اسلئے سفر کہا گیا ہے کہ اس سے آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔

کتانی کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی فقیر یمن کو سفر کے لئے جاتا۔ پھر دوبارہ وہاں لوٹ کر جاتا تو وہ اپنے مریدوں کو حکم دیتے کہ اس سے الگ رہیں۔ آپ یہ اس لئے کیا کرتے کہ لوگ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کی خاطر یمن کا سفر اختیار کیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم خواصؒ سفر میں اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی ان کے ساتھ سوئی اور مشکیزہ ہمیشہ رہتا۔ سوئی تو کپڑوں کو سینے اور پیوند لگانے کے لئے کہ اگر کپڑا پھٹ جائے، تو کہیں ستر نہ کھل جائے۔ اور مشکیزہ طہارت کے لئے۔ آپ ان چیزوں کو دنیاوی تعلق کی چیزیں خیال نہ کرتے تھے۔

ابو عبداللہ رازیؒ سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں طرسوس سے ننگے پاؤں نکلا، میرے ساتھ ایک رفیق تھا۔ ہم چلتے چلتے ملک شام کی ایک بستی میں پہنچے تو ایک شخص میرے پاس جوتا لے کر آیا، مگر میں نے اسے قبول نہ کیا۔ میرے ساتھی نے مجھے کہا۔ جوتا پہن لیں۔ کیونکہ آپ تھک چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ جوتا آپ کو میری وجہ سے عطا کیا ہے۔ میں نے پوچھا؛ وہ کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنا جوتا آپ کی موافقت اور آپ کے حق صحبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اتارا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ابراہیم خواص سفر میں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ تین اور آدمی بھی تھے آپ جنگل میں کسی مسجد میں پہنچے۔ اور وہاں رات گذاری۔ مسجد کا کوئی دروازہ نہ تھا اور سردی شدت کی پڑ رہی تھی، وہ سب سو گئے جب صبح ہوئی تو خواص کو دروازے پر کھڑا دیکھا۔ انھوں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں

تمہیں سردی نہ لگے۔ اس لئے وہ رات بھر وہاں کھڑے رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ کتانی نے ایک بار اپنی والدہ سے حج کے لئے جانے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے اجازت دے دی اور روانہ ہو گئے۔ جنگل میں آپ کے کپڑے میں پیشاب لگ گیا۔ فرمایا: اس کا سبب یقیناً یہ ہے کہ میری حالت میں خلل پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ واپس روانہ ہو گئے۔ جب انھوں نے گھر پہنچ کر دستک دی تو اُن کی والدہ نے جواب دیا اور دروازہ کھولا۔ دیکھا تو وہ دروازہ پر بیٹھی تھیں۔ آپ نے والدہ سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب سے تو گیا ہے میں نے عہد کر لیا تھا۔ کہ جب تک تمہیں نہ دیکھ لوں گی میں یہاں سے نہ جاؤں گی۔

میں نے محمدؒ بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن محمدؒ الدمشقی سے سنا کہ ابراہیم بن المولد نے اُن سے بیان کیا کہ انھوں نے ابراہیم القفار سے سنا فرماتے تھے: میں تیس سال تک لوگوں کے دلوں کی اصلاح کے لئے سفر کرتا رہا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص داؤدؒ طائی کی ملاقات کے لئے گیا۔ اور کہا۔ ابوسلیمان! مدت سے میرا دل چاہتا تھا کہ آپ سے ملوں۔ انھوں نے فرمایا کہ جب بدنوں اور دلوں دونوں میں سکون ہو تو ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ملاقات آسان ہو جاتی ہے۔

میں نے ابُونصر صوفی کو جو نصر آبادی کے مریدوں میں سے تھے۔ فرماتے سنا: میں عمان کی بندرگاہ پر سمندر سے اُترا تو بھوک نے مجھے نڈھال کر رکھا تھا۔ پھر میں بازار سے گذر رہا تھا اور حلوائی کی دکان کے پاس سے گذرا جس میں پہلے کا بُھنا ہوا گوشت اور مٹھائیاں تھیں۔ میں نے ایک شخص کو پکڑ کر کہا کہ مجھے کچھ خرید کر دو۔ اس نے جواب دیا کیوں خرید کر دوں؟ کیا میرے ذمے کوئی چیز ہے یا مجھے تمہارا قرض ادا کرنا ہے؟ میں نے کہا ضرور خریدنا پڑے گا۔ ایک شخص نے مجھے باتیں کرتے دیکھ لیا۔ اور کہا۔ ارے۔ اسے چھوڑ دو میں وہ شخص ہوں جس پر تمہارے لئے مٹھائی کا خریدنا واجب ہے۔ مجھ سے مطالبہ کرو اور جو چاہو حکم کرو۔ پھر اُس نے مجھے جو کچھ میں چاہتا تھا۔ خرید کر دیا۔ اور وہ چلا گیا۔

حکایت ہے کہ ابوالحسن مصری نے فرمایا: مجھے طرابلس سے شجری کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ ہم کئی دنوں تک بغیر کچھ کھائے چلتے رہے۔ قضا کار میں نے زمین پر پڑا ہوا ایک کدو دیکھا۔ اور میں کھانے لگا۔ شجری نے میری طرف دیکھا مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ لہٰذا میں سمجھ گیا کہ انھوں نے اسے بُرا سمجھا ہے۔ میں نے اسے پھینک دیا۔ پھر ہمیں اللہ تعالیٰ نے پانچ دینار دلوائے۔ اور ہم شہر میں آ گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ آپ ہمارے لئے ضرور کچھ نہ کچھ خریدیں گے۔ مگر آپ وہاں سے گذر گئے۔ اور کچھ نہ خریدا۔ پھر آپ یہودیہ پہنچے۔ یہ راستہ میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ تو فرمایا: وہاں ایک عیالدار آدمی ہے۔ جب ہم اس کے پاس جائیں گے تو وہ ہماری خدمت میں مشغول ہو جائے گا۔ میں یہ پانچ دینار اسے دوں گا تاکہ وہ انھیں ہمارے اور اپنے عیال کے لئے خرچ کرے۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچ گئے۔ اور آپ نے وہ دینار اسے دے دیئے اور اس نے خرچ کر دیئے۔ اب جب وہاں سے چلنے لگے تو فرمایا: اے ابوالحسین کہاں جاتے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ کہ آپ کے ساتھ چلوں گا۔ فرمایا، نہیں تم تو ایک کدو کی خاطر مجھ سے خیانت کرتے ہو۔ اور پھر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو۔ ایسا نہ ہو گا۔ اور انھوں نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔

میں نے محمد بن عبداللہ الشیرازی سے سنا کہ ابو احمد الصغیر فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابوعبداللہ بن خفیف کو فرماتے سنا: میں ابھی نو عمر ہی تھا کہ ایک فقیر مجھے ملا۔ اس نے مجھے دیکھا کہ بھوک نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے۔ لہٰذا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اور گوشت پیش کیا۔ جو آب جو (کشک) کے ساتھ پکایا گیا تھا۔ اور گوشت کا ذائقہ بدلا ہوا تھا۔ میں ثرید کھاتا اور گوشت نہ کھاتا۔ کیونکہ اس کا ذائقہ بدلا ہوا تھا۔ اس نے مجھے ایک لقمہ دیا۔ جسے میں نے بڑی مشکل سے کھایا۔ اور اس نے پھر ایک اور لقمہ دیا۔ جس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ فقیر میرے چہرے سے پہچان گیا۔ اور شرمندہ ہوا۔ اس کی وجہ سے مجھے بھی شرمندگی ہوئی۔ لہٰذا میں وہاں سے چل پڑا۔ اور فوراً سفر کو روانہ ہو گیا۔ میں نے اپنی والدہ کے پاس ایک آدمی کو بھیج کر اپنی گدڑی منگوالی۔ میری والدہ نے میری مخالفت نہ

کی۔ اور میرے سفر کو جانے پر رضا مند ہو گئی۔ چنانچہ میں فقیروں کی ایک جماعت کے ساتھ قادسیہ سے نکلا۔ مگر ہم راستہ سے بھٹک گئے۔ اور جو کچھ بھی زادِ راہ ہمارے پاس تھا ختم ہو گیا اور ہم مرنے کے قریب ہو گئے۔ ہم ایک عرب قبیلہ کے پاس گئے۔ مگر وہاں بھی کچھ نہ ملا ہم نے مجبور ہو کر ان سے چند دیناروں میں ایک کتا خریدا۔ انھوں نے اُسے بھونا اور مجھے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا دیا۔ جب میں کھانے لگا تو میں نے اپنے حال پر غور کیا تو مجھے خیال آیا کہ یہ اس فقیر کو شرمندہ کرنے کی سزا ملی ہے۔ لہٰذا میں نے دل میں توبہ کی اور چپ رہا۔ پھر انھوں نے ہمیں راستہ بتلا دیا۔ اور جا کر حج ادا کیا۔ اس کے بعد میں اسی فقیر کے پاس واپس آیا۔ اور اس سے معذرت چاہی۔

(۱۱۰)

۴۲۔ صحبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ آپ جب غار میں تھے۔ تو دو میں سے ایک آپ تھے۔ اور اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے۔ غم نہ کھاؤ، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

استاد امام ابو القاسمؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیقؓ کے لئے صحبت ثابت کر دی تو یہ بیان کر دیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر شفقت کا اظہار کیا۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ شریف آدمی اپنے ساتھی پر شفیق ہوتا ہے۔

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید البصری نے اُن سے کہا۔ کہ یحییٰ بن محمد الحِنّائی[۱۱۱] نے کہا کہ عثمان بن عبد اللہ القرشی نے نعیم بن سالم سے روایت کی کہ انس بن مالک فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں کب اپنے دوستوں سے ملوں گا؟ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمارے والدین آپ پر قربان ہوں۔ کیا ہم آپ کے احباب نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم میرے اصحاب ہو۔ میرے احباب تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے مجھے نہیں دیکھا مگر مجھ پر ایمان لائے۔ مجھے

اُن لوگوں سے ملنے کا بہت شوق ہے۔

صحبت کے اقسام

صحبت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اپنے سے اُونچے درجے والے کی صحبت۔ در حقیقت یہ خدمت گذاری ہوتی ہے (۲) اپنے سے کم درجے والے کی صحبت، اِس صحبت کا تقاضا یہ ہے کہ متبوع (بڑے رتبے والا) اپنے ساتھی کے ساتھ شفقت اور رحمت کے ساتھ پیش آئے۔ اور تابع کو چاہیئے کہ وہ بڑے کی موافقت کرے۔ اور اس کا احترام کرے (۳) ہم پلہ اور ایک جیسے رتبہ کے لوگوں کی صحبت، اس کی بناء ایثار اور فتوت پر ہوتی ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے رتبہ سے بڑے رتبہ والے شیخ کی صحبت میں رہے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ اُن پر کسی بات میں اعتراض نہ کرے اور جو بات اُن سے ظاہر ہو اس کی اچھی توجیہہ نکالے۔ اور اُن کے احوال پر ایمان رکھتے ہوئے انھیں قبول کرے۔

میں نے منصور بن خلفؒ مغربی کو دیکھا۔ جب کسی نے اُن سے یہ سوال کیا کہ آپ کتنے سال ابو عثمان مغربی کی صحبت میں رہے ہے؟ آپ نے ناراضگی سے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا:۔ مَیں تو اُن کی صحبت میں نہیں رہا۔ بلکہ ایک مدت تک اُن کا خادم رہا ہوں۔

اور جب تم میں سے کوئی کم درجہ والا تمہاری صحبت میں رہے۔ تو اس کی صحبت کے لحاظ سے تمہاری طرف سے خیانت ہوگی۔ اگر تم اس کی حالت میں کسی قسم کی کمی پر اس کو تنبیہہ نہ کرو۔

ابو الخیر تیناتی نے جعفر بن محمدؒ بن نصیر کو لکھا: فقراء کی جہالت کا بار تم پر ہے۔ کیونکہ تم نے اُن کو ادب سکھانے کی بجائے اپنے نفسوں کی طرف توجہ دی۔ جس کی وجہ سے وہ غافل رہ گئے۔ اور جب کوئی تمہارا ہم مرتبہ انسان تمہاری صحبت میں رہے۔ تو تمہارے لئے صحیح راہ یہ ہے کہ تم اس کے عیوب سے آنکھیں بند کر لو۔ اور جو کام اس سے سرزد ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اُن کی تم اچھی تاویل کرو۔ اور اگر تمہیں کوئی تاویل نہ ملے۔ تو تم اپنے نفس کی طرف نگاہ کرو، اسی کو تہمت دو اور اسی کو ملامت کرو۔

مَیں نے ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے کہ مَیں نے ابو سلیمان دارانی سے کہا کہ فلاں شخص میرے دل میں جچتا نہیں۔ ابو سلیمان نے فرمایا میرے دل میں بھی وہ نہیں جچتا مگر اے احمد ہو سکتا ہے

کہ یہ تمہارے نفس کی چال ہو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم چونکہ خود صالحین میں سے نہیں۔ اس لئے ہم ان سے محبت نہیں کرتے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص ابراہیم بن ادھمؒ کی صحبت میں رہا۔ جب وہ جدا ہونے لگا۔ تو کہا اگر آپ نے مجھ میں کوئی عیب دیکھا ہو تو مجھے تنبیہ کر دیجئے۔ ابراہیمؒ نے فرمایا: میں نے تو تم میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ کیونکہ میں نے تمہیں دوستی کی نگاہ سے دیکھا۔ اور میں نے تمہاری جو چیز دیکھی اُسے اچھا جانا۔ لہٰذا اپنے عیب کے متعلق کسی اور سے پوچھو۔

اسی معنی میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:۔

وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ ۔۔۔ وَلٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

دوستی کی نگاہیں تمام ہر عیب سے بند ہوتی ہیں۔ مگر دشمنی کی نگاہ بُرائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

حکایت ہے کہ ابراہیمؒ بن شیبان نے فرمایا۔ کہ ہم اس شخص کی صحبت میں نہ بیٹھا کرتے تھے، جو یہ کہتا کہ یہ جوتا میرا ہے۔ (کیونکہ وہ فقیر ہی کیا؟ جو کسی چیز کو اپنی ملکیت بتائے۔)

میں نے ابوحاتم الصوفی سے سنا کہ ابونصر السراج نے کہا کہ ابوحمزہ القلانسی جو جنیدؒ کے استادوں میں سے تھے، فرماتے تھے۔ کہ میں بصرہ میں کچھ لوگوں کی صحبت میں رہا۔ ایک بار میں نے ان میں سے کسی سے کہا: میرا تہمد کہاں ہے؟ اس پر میں اُن کی نگاہوں سے گر گیا۔

میں نے ابوحاتم سے سنا کہ ابونصر السراج نے کہا کہ الدقی فرماتے تھے کہ میں نے زقاق کو فرماتے سنا کہ میں چالیس سال سے ان لوگوں کی صحبت میں ہوں۔ میں نے اُن کے پاس کوئی استعمال کی چیز نہیں دیکھی۔ سوائے اس کے جیسے وہ ایک دوسرے سے لیتے یا اس سے لے لیتے۔ جو اُن سے محبت رکھتا اور تصوف میں جس شخص کے پاس تقویٰ اور پرہیزگاری نہیں۔ اس کے لئے تو صریح حکم یہی ہے کہ وہ حرام کھاتا ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ایک شخص نے سہل بن عبداللہ سے کہا کہ اے ابو محمدؒ! میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب ہم میں سے کوئی مر جائے گا تو باقی رہنے والے کس کی صحبت میں رہیں گے؟ اس نے کہا: اللہ کی۔ آپ نے فرمایا:

تو پھر اُسے ابھی سے اس کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے۔

ایک شخص مُدت تک دوسرے کی صحبت میں رہا۔ پھر ایک کے دل میں وہاں سے جانے کا خیال آیا اور اُس نے اپنے ساتھی سے اجازت چاہی تو اُس نے کہا کہ اس شرط پر اجازت دیتا ہوں کہ تو ہم سے اُونچے درجے والے کے سوا کسی اور کی صحبت اختیار نہ کرے گا۔ اور وہ خواہ ہم سے بلند مرتبہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو پھر بھی تو اس کی صحبت میں نہ جا۔ کیونکہ تو پہلے میری صحبت میں رہ چکا ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ میرے دل سے جدائی کا خیال زائل ہو گیا ہے۔

میں نے ابو حاتم الصوفی سے سنا کہ ابو نصر السراج سے سنا کہ الدقی فرماتے ہیں کہ میں نے کتانی کو فرماتے سنا کہ ایک شخص میری صحبت میں رہا۔ اور اس کی صحبت میرے لئے ناگواری کا باعث تھی۔ میں نے اُسے کوئی چیز تحفہ کے طور پر دی۔ تاکہ جو بوجھ میرے دل پر ہے زائل ہو جائے۔ مگر بوجھ بدستور رہا۔ اس پر میں اُسے اپنے گھر لے گیا۔ اور کہا۔ اپنا پاؤں میرے رخسارے پر رکھو۔ اُس نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ میں نے کہا تم کو کرنا پڑے گا۔ اور میں نے عہد کر لیا کہ جب تک جو بوجھ میرے دل پر ہے رفع نہیں ہو گا۔ وہ اپنا پاؤں میرے رخسارے سے نہیں اٹھائے گا۔ جب بوجھ زائل ہو گیا تو میں نے اس سے کہا۔ اب اپنا پاؤں اٹھا لو۔

ابراہیم بن ادھم فصلوں کی کٹائی اور باغوں کی نگہبانی وغیرہ کاموں میں نوکری کر لیا کرتے اور جو رقم مل جاتی اسے اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔

کہا جاتا ہے کہ ابراہیمؒ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھے۔ آپ دن کو کام کرتے اور جو کچھ کماتے اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔ رات ہوتی تو ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے۔ سب روزہ رکھا کرتے تھے۔ ابراہیم اپنے کام سے دیر میں آیا کرتے۔ ایک رات ساتھیوں نے کہا:۔ آؤ ہم اپنی افطاری اس کے بغیر ہی کھالیں تاکہ آئندہ سے وہ جلدی واپس آیا کرے۔ لہٰذا وہ روزہ افطار کر کے سو گئے۔ جب ابراہیمؒ واپس آئے تو انھیں سویا ہوا پایا۔ کہنے لگے شاید ان مسکینوں کو کھانا نہیں ملا۔ گھر میں آٹا تھا۔ ابراہیم نے اُسے لے کر گوندھا اور آگ جلائی۔ اور کوئلے جلائے۔ اس پر وہ جاگ اُٹھے۔ دیکھا کہ ابراہیم چولہا پھونک

رہے ہیں اور آپ کا رخسار مٹی تک جھکا ہے۔ انھوں نے جب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے سمجھا کہ تمہیں افطاری کے لئے کوئی چیز نہیں ملی۔ اس لئے تم سو گئے ہو۔ اور خیال کیا جب انگارے روشن ہو جائیں۔ تو تم لوگوں کو بیدار کروں۔ اس پر وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے ذرا غور کرو کہ ہم نے اُن سے کیا برتاؤ کیا۔ اور یہ ہم سے کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص ابراہیم بن ادہمؒ کی صحبت میں آتا تو آپ اسے تین شرطیں پیش کرتے۔ (۱) خدمت وہی کریں گے (۲) اذان وہی دیں گے (۳) وہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ انھیں دے ان میں ان کا اسی قدر دخل ہوگا۔ جسقدر کسی اور کا۔ ایک دن اُن کے ایک ساتھی نے کہا:۔ میں ان شرائط پر پابند نہیں رہ سکتا تو فرمایا:۔ تمہارا سچ کہنا مجھے بہت پسند آیا ہے۔

یوسف بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ذوالنونؒ سے پوچھا کہ میں کس شخص کی صحبت اختیار کروں۔ فرمایا اس شخص کی صحبت اختیار کرو جس سے تم کسی ایسی بات کو نہ چھپاؤ۔ جس کا تمہارے متعلق اللہ کو علم ہے۔

سہل بن عبداللہ نے ایک شخص سے کہا:۔ اگر تو درندوں سے ڈرتا ہے تو میری صحبت میں نہ بیٹھ۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ محمد بن الحسن العلوی نے اُن سے کہا کہ عبدالرحمٰن (۱۱۱۲) بن حمدان نے کہا کہ ابوالقاسم بن منبہ نے بیان کیا:۔ بشر بن الحارث فرماتے تھے:۔

بروں کی صحبت سے نیکوں کے متعلق سوءِ ظن پیدا ہوتا ہے۔

جنید بیان کرتے ہیں کہ جب ابوحفص بغداد میں آئے تو آپ کے ساتھ ایک گنجا شخص تھا۔ جو ہمیشہ خاموش رہتا۔ میں نے ابوحفص کے مریدوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتلایا کہ اس شخص نے ابوحفص پر ایک لاکھ درہم خرچ کئے ہیں پھر ایک لاکھ درہم قرض لے کر خرچ کئے۔ اس کے باوجود ابوحفص نے اسے ایک کلمہ کہنے کی اجازت نہیں دی۔

ذوالنون فرماتے ہیں:۔ جب تو اللہ کی صحبت اختیار کرے تو تجھے اس کے اوامر و نواہی کی موافقت کرنی چاہیئے۔ اور خلق کی صحبت میں ان سے خیر خواہی کرنی چاہیئے۔ اور نفس کی

صحبت میں اس کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ اور شیطان کی صحبت میں اس سے عداوت کرنی چاہیئے۔

کسی شخص نے ذوالنونؒ سے پوچھا کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں ؟ فرمایا : ایسے شخص کی صحبت اختیار کر کہ اگر تو بیمار پڑے تو وہ تیری عیادت کرے۔ اور اگر تو گناہ کرے تو تجھے معاف کرے۔ (یعنی اللہ)

میں نے استاد ابو علیؒ کو فرماتے سنا کہ اگر درخت خود رَو ہو اور کسی نے اُسے لگایا نہ ہو۔ تو اُس کے پتے تو نکلیں گے۔ مگر پھل نہ دے گا یہی حال مُرید کا ہے کہ اگر کوئی اس کا استاد دپیرا نہ ہو گا۔ جو اس کی تربیت کرے۔ اس سے کوئی بات بن نہ آئے گی۔

اُستاد ابو علیؒ فرمایا کرتے تھے۔ میں نے طریقت کی راہ نصر آبادیؒ سے لی۔ نصر آبادیؒ نے شبلیؒ سے۔ شبلیؒ نے جنیدؒ سے۔ جنیدؒ نے سریؒ سے۔ سریؒ نے معروف کرخیؒ سے معروف کرخیؒ نے داؤد طائیؒ سے اور داؤد طائی کی ملاقات تابعین سے ہوئی۔

اُنہیں کو میں نے فرماتے سُنا کہ میں جب بھی نصر آبادی کی مجلس میں گیا تو پہلے غسل کر لیا پھر مجلس میں حاضر ہوا۔

مرشد کا احترام

استاد ابو القاسمؒ فرماتے ہیں : میں ابھی ابتداء میں جب کبھی استاد ابو علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو روزہ رکھ کر گیا۔ اور جانے سے پہلے غسل کر لیا کرتا تھا۔ کئی بار ان کے مدرسہ کے دروازہ پر حاضر ہوتا۔ مگر دروازہ سے واپس چلا آتا کیونکہ میں اُن کے پاس جانے سے شرماتا تھا۔ اور اگر جراٴت کر کے اندر چلا جاتا تو مدرسہ کے وسط میں پہنچتے ہی سنسنی چھا جاتی۔ یہاں تک کہ اگر مجھے سوئی بھی چبھو دی جاتی تو شاید میں اسے محسوس نہ کرتا۔ پھر اگر کسی واقعہ کے لئے جو مجھ سے سرزد ہوتا میں بیٹھ جاتا تو مجھے اپنی زبان سے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ ابھی بیٹھنے لگا ہوتا۔ کہ خود بخود میرا واقعہ بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ میں نے کئی بار یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھی میں اپنے دل میں سوچا کرتا کہ اگر میرے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث کرتا۔ تو کیا ممکن تھا۔ کہ میں اس رسول کی اس سے زیادہ دل سے عزت و احترام کرتا جسقدر کہ میں اُن کی عزت کرتا تھا۔ میرے تصور میں بھی یہ بات نہ تھی۔ کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے

مجھے یاد نہیں کہ باوجود ان کی مجلس میں کثرت سے آمد و رفت رکھنے کے، پھر ان کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے کے بعد میرے دل پر یہ بات گذری ہو۔ یا خیال ہی آیا ہو کہ میں اُن پر اعتراض کروں، تا آنکہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ہم سے حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی نے کہا۔ اُن سے محمد بن احمد العبدی[۱۱۱۳] نے کہا۔ اُن سے ابو عوانہ[۱۱۱۴] نے کہا، اُن سے یونس[۱۱۱۵] نے کہا، اُن سے خلف بن تمیم[۱۱۱۶] ابوالاحوص نے کہا کہ محمد بن النضر الحارثی[۱۱۱۷] فرماتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ ہمیشہ بیدار و ہوشیار رہو۔ اور اپنے لئے دوست طلب کرو۔ اور جو دوست تمہاری خوشی میں تمہارے ساتھ موافقت نہیں کرتا۔ اسے اپنے سے دور ہٹا دو۔ اور اُس کی صحبت میں نہ رہو۔ کیونکہ وہ تمہارے دل کو سخت بنا دے گا۔ اور وہ تمہارا دشمن ہے۔ میرا کثرت سے ذکر کرو۔ اس سے میں تمہارا شکر کروں گا۔ اور مزید مہربانی کروں گا۔

میں نے ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا عبداللہ بن المعلم نے کہا ابو بکر الطمستانی فرماتے تھے۔ کہ اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ اگر یہ نہ کر سکو تو پھر اس شخص کی صحبت اختیار کرو جسے اللہ کی صحبت حاصل ہے تاکہ اس کی صحبت کی برکت سے تم اللہ عزّ و جلّ کی صحبت تک پہنچ جاؤ۔

۴۳۔ توحید[۱۱۱۸]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ تمہارا اللہ ایک ہی ہے۔

ہم سے امام ابو بکر محمد بن الحسین بن فورک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔ اُن سے احمد بن محمود بن خرزاذ نے، اُن سے مسیح بن حاتم العکلی نے، اُن سے الحجبی عبداللہ بن عبدالوہاب[۱۱۱۹] نے کہا۔ حماد بن یزید[۱۱۲۰] نے، سعید بن حاتم العتکی سے روایت کی اور انھوں نے ابن ابی صدقہ سے سنا کہ محمد بن سیرین[۱۱۲۱] نے کہا کہ ابو ہریرہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ہم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی سوائے اللہ کو ایک جاننے کے اُس نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا

پھر پیس کر آدھا حصہ خشکی میں اڑا دینا اور آدھا سمندر میں، ایسے دن میں جب ہوا تیز چل رہی ہو۔ گھر والوں نے اس کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ جو کچھ تُو نے لیا ہے نکالو۔ چنانچہ وہ شخص اللہ کے سامنے پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ یہ جو کچھ تُو نے کیا، کس لئے کیا؟ اُس نے عرض کی:۔ تم سے شرماتے ہوئے۔ اس پر اللہ نے اسے بخش دیا۔

توحید کے معنی | استاد فرماتے ہیں کہ یہ حکم لگانا کہ اللہ ایک ہے، توحید ہے۔ نیز یہ جاننا کہ کوئی چیز ایک ہے۔ یہ بھی توحید ہے۔ چنانچہ عربی کا محاورہ "وحدت" اس وقت بولا جاتا ہے۔ جب تو کسی کو وحدانیت کی صفت کے ساتھ موصوف کرے۔ جس طرح کہتے ہیں "شجعتہ" جب تو کسی کو شجاعت کی طرف نسبت دے۔ عربی زبان میں اس کی گردان یوں ہوتی ہے۔ وَحَدَ یَحِدُ فھو واحِدٌ۔ واحِدٌ وَوَحِیْدٌ اسی طرح جس طرح کہتے ہیں "فرد فہو فارد و فرد و فرید" آحدٌ دراصل وَحدٌ تھا۔ واؤ کو ہمزہ (الف) سے بدل دیا گیا۔ بعض اوقات واؤ مفتوحہ کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے جس طرح واؤ مکسورہ اور واؤ مضمومہ کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ اسی لئے اِمْرَاۃٌ اسماءُ بمعنی وسماءُ ہے جو وسامہ سے نکلا ہے۔

اہلِ علم کی زبان میں حق تعالیٰ سبحانہٗ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تعریف میں وضع و رفع نہ پایا جائے۔ یعنی وہ اشیاء کو مرکب کر کے نہ بنا ہو۔ چنانچہ جب ہم انسان سے واحد کہتے ہیں تو اس میں وضع و رفع دونوں پائی جاتی ہیں کیونکہ ہم یہ کہہ سکتے کہ وہ انسان جو ہاتھ اور پاؤں کے بغیر ہے۔ لہٰذا یہاں انسان سے کسی چیز کا رفع (نفی) پایا گیا۔ لیکن جلِ سبحانہٗ "تو یکتا" ہے۔ برخلاف اس نام کے جو کسی ایسی چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ جو چند اشیاء سے مرکب ہو۔

بعض اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس کی ذات کی تقسیم ہو سکتی ہے۔ نہ اس کی ذات کی مثال ہے نہ صفات کی۔ اور نہ ہی اس کے افعال اور مصنوعات میں کوئی اس کا شریک ہے۔

توحید کے اقسام | توحید کی تین قسمیں ہیں (۱) توحید الحق للحق یعنی اللہ تعالیٰ کو واحد

جاننا اور اوروں کو بتلانا کہ وہ واحد ہے۔

(۲) حق سبحانہ کا مخلوق کو توحید کی طرف نسبت دینا (توحید الحق سبحانہ للخلق) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس کا فلاں بندہ موحد ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی توحید کا خالق ہے

(۳) توحید الخلق للحق سبحانہ بایں معنی کہ بندے کو اس بات کا علم ہے کہ اللہ ایک ہے اور بندے کا حکم لگانا اور بتلانا کہ اللہ ایک ہے۔ توحید کی تعریف و معنی کے متعلق ہم نے یہ مختصر ذکر کر دیا ہے۔

اس تیسری قسم کی توحید کے مفہوم کے متعلق صوفیار کے مختلف اقوال ہیں۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمدؒ بن عبداللہ بن شاذان نے کہا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے۔ میں نے ذوالنون مصریؒ کو فرماتے سنا۔ اور ان سے کسی نے توحید کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا:۔

توحید یہ ہے کہ تو یہ جانے کہ اشیار میں اللہ تعالیٰ کی قدرت جاری وساری ہے۔ مگر طبیعت کے طور پر نہیں۔ (بلکہ اختیار کے طور پر۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیا کو پیدا کرتا ہے۔ تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی کوشش یا زور نہیں لگانا پڑتا۔ (بلکہ جو چاہا ہو گیا) ہر چیز کی علت و سبب اس چیز کا بنانا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں کی کوئی علت نہیں۔ اور تمہارے ذہن میں خواہ کسی چیز کا بھی تصور آ جائے۔ وہ اللہ کا تصور نہیں ہو سکتا۔

اور میں نے الخلیں سے سنا کہ احمدؒ بن محمدؒ بن[۱۲۳] زکریا نے ان سے احمدؒ بن عطا نے کہا کہ عبداللہ بن صالح[۱۲۴] فرماتے تھے۔ جریری کا قول ہے:۔

علم توحید کو بیان کرنے کے لئے وہ زبان چاہیئے جو توحید کی زبان ہو۔[۱۲۵]

توحید کے متعلق جنیدؒ کا قول

کسی نے جنیدؒ سے توحید کے متعلق پوچھا تو فرمایا:۔

جس کو تم ایک قرار دے رہے ہو (موحّد) کمال احدیت کے ہوتے ہوئے اس کی وحدانیت کی تحقیق کی وجہ سے اسے یکتا سمجھنا توحید ہے۔ بایں معنی کہ وہ ایسا واحد ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا۔ نہ اس کی کوئی ضد ہے۔ اور نہ مثال اور نہ شبیہ۔ یہ سب بغیر تشبیہ، بغیر تکییف اور بغیر تصویر و تمثیل کے ہے۔ کوئی

چیز اس جیسی نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

(۱) نیز جنیدؒ فرماتے ہیں: جب عقلمندوں کی عقلیں توحید کے متعلق انتہا تک پہنچ جاتی ہیں۔ تو اُن کی انتہا حیرت پر ہوتی ہے۔

میں نے محمد بن الحسن سے سنا کہ ابوالحسین بن مقسم نے کہا، ان سے جعفر بن محمد نے کہا کہ میں نے سُنا۔ جنیدؒ کسی شخص کے توحید کے متعلق سوال و جواب میں فرما رہے تھے کہ یہ ایک عارف باللہ کے دل کی کیفیت ہے جس میں تمام آثار مٹ جاتے ہیں۔ اور اس میں لاتعداد معلومات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ویسا ہی رہتا ہے۔ جیسا ازل میں تھا۔

حصری فرماتے ہیں۔ توحید کے متعلق ہمارے پانچ اصول ہیں (۱) ہر حادث شئے کی نفی کرنا۔ (۲) صرف خدائے قدیم کے ساتھ ہو لینا۔ (۳) بھائی بندوں سے علیحدگی اختیار کرنا۔ (۴) اپنے مقام و منزل سے جدا ہونا (۵) ہر معلوم و مجہول کو بھول جانا۔

میں نے منصور بن خلفؒ مغربی سے سنا وہ فرماتے تھے۔ میں بغداد کی جامع مسجد یعنی جامع منصور کے صحن میں تھا۔ اس وقت حصری توحید پر گفتگو کر رہے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دو فرشتے آسمان کی طرف اٹھے۔ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے کہا۔ جسے یہ شخص علمِ توحید کہہ رہا ہے۔ وہ علم توحید نہیں۔ توحید کچھ اور ہی ہے۔ منصور مغربی فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بیداری اور خواب کے درمیان حالت میں تھا۔

فارسؒ[(۱)] فرماتے ہیں:۔ غلبۂ حال کے وقت تمام وسائط یعنی حادث اشیاء کو ساقط کر دینا اور احکام خداوندی (کی بجا آوری) کے وقت پھر ان وسائط کی طرف رجوع کرنا اور یہ جاننا کہ نیکیاں کسی قسم کی قسمت کو خواہ نیک ہو۔ خواہ بد تبدیل نہیں کر سکتیں توحید ہے

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابوبکر بن شاذان فرماتے تھے کہ میں نے شبلیؒ سے سنا وہ فرماتے تھے:۔ توحید در حقیقت موحّد (اللہ) کی صفت ہے۔ اور رسمی طور پر موحّد کا زیور ہے

جنیدؒ سے توحید خاص کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا:۔ توحید خاص یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ایک جسم مردہ کی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ کے احکام قدرت اور اس کی تدبیروں کا تصرف اس میں جاری ہو اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اپنے نفس سے فنا ہو چکا ہے۔ بندہ اسے یہ خبر ہو کہ

مخلوق اُسے پکار رہی ہے۔ اور نہ ان کی دعوت کے قبول کرنے کا خیال پیدا ہو۔ یہ فنا نفس اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی قرب میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کی حقیقت کا اُسے علم ہو جائے اور فنائے نفس یہ ہے کہ اس کے تمام حس و حرکت ختم ہو چکے ہوں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ ان تمام امور میں جو اس بندے سے چاہتا ہے۔ خود اس کا ضامن و کفیل ہو۔ بایں طور کہ بندے کی انتہا لوٹ کر ابتدا کی طرف آجائے۔ اور وہ ایسا ہو جائے جیسا کہ وہ وجود میں آنے سے پہلے تھا۔

بوشنجیؒ سے توحید کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: نہ تو اس کی ذات کسی سے مشابہ ہے اور نہ اس سے اس کی صفات کی نفی کی جا سکتی ہے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ ابوالحسن العنبری فرماتے ہیں کہ میں سن رہا تھا کہ ایک شخص نے سہل بن عبداللہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات علم سے موصوف ہے۔ اس کی ذات کوئی اس طرح نہیں سمجھ سکتا کہ اُسے اس پر احاطہ حاصل ہو۔ اور نہ کوئی اسے اس دار دنیا میں آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور اس کی ذات بغیر حد بغیر احاطہ اور بغیر حلول کے حقائق ایمان کے اندر موجود ہے۔ قیامت کے دن مخلوق کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے ملک اور قدرت میں ظاہری طور پر دیکھیں گی۔ اور مخلوق اس کی ذات کی حقیقت معلوم کرنے سے عاجز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کے ساتھ اپنی ذات کا پتہ بتا دیا ہے۔ چنانچہ دل اسے پہچانتے ہیں۔ مگر عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ مومنین اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ مگر نہ تو اس کی ذات کا احاطہ کر سکیں گے اور نہ اس کی انتہا کو پا سکیں گے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ توحیدؒ کے متعلق بہترین قول وہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنے جاننے کی طرف ایک راہ بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اس کی معرفت سے عاجز ہے۔

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں (مذکورہ بالا مقولہ میں) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ محققین کے نزدیک انسان کا

بجز موجود چیز کے متعلق ہوتا ہے۔ نہ کہ معدوم چیز کے متعلق۔ مثلاً اپاہج بیٹھنے کی صفت سے (جو موجود تو ہے مگر اسے بطور کسب اور فعل کے حاصل نہیں) عاجز ہوتا ہے۔ حالانکہ بیٹھنے کی صفت اس میں موجود ہوتی ہے۔ یہی حال عارف (باللہ) کا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے عاجز ہوتا ہے۔ حالانکہ معرفت اس میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ (عارف) کے لئے معرفت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے نزدیک آخر کار معرفتِ الٰہی کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور معرفت کسبیہ جو ابتداء میں حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بھی درحقیقت معرفت ہی ہوتی ہے۔ مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے معرفت ضروریہ کے مقابلہ میں کوئی شئے شمار نہیں کیا۔ بعینہٖ اس چراغ کی طرح جس پر سورج طلوع ہو کر اپنی روشنی ڈالے۔

میں نے محمدؒ بن الحسین سے سُنا کہ احمدؒ بن سعید[127] البصری الکوفی نے کہا۔ کہ ابن الاعرابی فرماتے تھے کہ جنیدؒ نے فرمایا کہ وہ توحید جو صوفیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ تمام اشیاء، حادث کو چھوڑ کر خدائے قدیم کے ساتھ مشغول ہونا، وطن (خواہ حسی ہو جیسے مکان خواہ معنوی مثلاً مقام و مرتبہ) سے نکلنا، نفس کی محبوب اشیاء سے منقطع ہو جانا اور معلوم و مجہول سب کا ترک کر دینا۔ اور حق تعالیٰ کا ان تمام کی جگہ لے لینا۔

یوسفؒ بن حسین فرماتے ہیں جو بحرِ توحید میں پڑ جاتا ہے۔ جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے اس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: علمِ توحید کچھ اور چیز ہے۔ اور وجودِ توحید کچھ اور۔ نیز وجودِ توحید علمِ توحید سے جدا ہوتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں: علمِ توحید کی بساط تو بیس سال سے لپٹی جا چکی ہے۔ اور اب لوگ تو اس کے (بیرونی) کناروں کے متعلق بحث کر رہے ہیں۔

میں نے محمدؒ بن الحسین سے سنا کہ محمدؒ بن احمد[128] الاصبہانی فرماتے تھے کہ ایک آدمی نے حسین بن منصور کے پاس آکر سوال کیا: وہ حق (تعالیٰ) کون ہے جس کی طرف لوگ اشارہ کرتے ہیں؟ فرمایا: جو سب کی علت ہے۔ مگر اس کی علت کوئی نہیں۔

انہیں کہ میں نے فرماتے سنا کہ منصور بن عبد اللہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے شبلیؒ کو فرماتے سنا کہ جو علم توحید کے ایک ذرہ سے بھی باخبر ہو گیا۔ اس پر اسقدر بوجھ پڑ گیا کہ اب وہ ایک مچھر کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج فرماتے تھے۔ کہ شبلیؒ سے کسی نے سوال کیا۔ حق مفرد کی زبان میں توحید مجرد کیا ہے؟ فرمایا تجھ پر افسوس ہے۔ جس شخص نے توحید مجرد کو عبارت و الفاظ میں بیان کیا وہ ملحد ہے جس نے توحید مجرد کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ثنوی (دو خداؤں کا ماننے والا) ہے۔ اور جس نے ایما و اشارہ سے کام لیا وہ بُت پرست ہے۔ اور جس نے توحید کے بارے میں گفتگو کی وہ غافل ہے۔ اور جو خاموش رہا وہ جاہل ہے جس نے یہ خیال کیا کہ وہ توحید تک پہنچ چکا ہے۔ تو سمجھ لو کہ اُسے کچھ حاصل نہیں ہوا جس نے وجد کا اظہار کیا وہ استغراق کو کھو چکا ہے۔ ہر چیز جس کا تم اپنے وہم و گمان سے امتیاز کر سکو۔ اور اپنے عقلوں کے ذریعہ سے پُورے معانی کے ساتھ تم اُسے پالو۔ وہ درحقیقت اللہ سے الگ ہے۔ اس کا تعلق تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری طرح محدث اور مصنوع چیز ہے۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں:۔ خاص لوگوں کی توحید یہ ہے کہ بندہ اپنے باطن وجد اور دل میں اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسے وہ حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے تصرفات اور قدرت کے احکام جاری ہیں۔ وہ بحر توحید میں مستغرق ہے اس لئے وہ اپنے نفس سے فانی ہو چکا ہے اور اس کا احساس جاتا رہا ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ اس کے متعلق جو ارادہ رکھتا ہے۔ اس کو پورا کرنے کا خود ضامن ہے۔ اس طرح بندے کی وہی حالت ہوگی۔ جو حق سبحانہ کے حکم کے جاری ہونے سے پہلی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ توحید حقیقی تو حق سبحانہ و تعالیٰ کا حق ہے۔ اور مخلوق کی حیثیت تو ایک طفیلی کی سی ہے۔

نیز کہا جاتا ہے کہ تُو کی نفی کر دینا توحید ہے لہٰذا یُوں مت کہو لی (میرا) "بی" (میری وجہ سے) "منی" (مجھ سے) اور "الی" (میری طرف)

کسی نے ابو بکر طمستانی سے سوال کیا کہ توحید کیا ہے؟ تو فرمایا تین چیزیں ہیں توحید

مُوَحَّد اور مُوَحِّد۔

رویم فرماتے ہیں۔ دل سے بشریت کے آثار کا مٹا دینا اور دل کا اُلوہیت کے ساتھ مشغول ہونا توحید ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق کو آخر عمر میں فرماتے سُنا۔ اس وقت اُن کی بیماری شدت اختیار کر چکی تھی۔ جب کسی بندے پر احکامِ خداوندی کی تقدیر جاری ہو رہی ہو۔ اس وقت اگر وہ توحید پر ثابت قدم رہے۔ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ تائید ایزدی اس بندے کو حاصل ہے۔ پھر انھوں نے اس کی مزید تشریح فرماتے ہوئے اور اپنی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ قدرت کی قینچی سے احکام کے جاری کرنے میں تجھے ٹکڑے ٹکڑے بھی کردے اور تو اس پر بھی حامد و ثنا کر رہے تو یہ توحید ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں جس شخص کو اس بات کا تصور بھی آجائے کہ اس کے پاس توحید ہے اس نے توحید کی بُو نہیں سُونگھی۔

ابوسعید خراز فرماتے ہیں جس شخص نے علم توحید کو پا لیا اور یہ مقام اسے حاصل ہو گیا، تو اُس کے لئے پہلا مقام یہ ہے کہ تمام اشیاء کا ذکر اس کے دل سے فنا ہو جائے۔ اور وہ یک سو ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے۔

شبلیؒ نے ایک شخص سے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تمہاری توحید صحیح کیوں نہیں ہوئی۔؟ اس نے عرض کیا: مجھے تو معلوم نہیں۔ فرمایا:۔ اس لئے کہ تو توحید کو اپنی ذات کے ذریعہ اور اپنی قوت سے طلب کرنا چاہتا ہے۔

ابنِ عطاءؒ فرماتے ہیں: حقیقی توحید کی علامت یہ ہے۔ کہ بندہ توحید کو بھول جائے، اس طرح کہ دل میں صرف ایک خدا ہی خدا بس رہا ہو۔ (نہ توحید کا خیال ہو۔ نہ کسی اور چیز کا)

کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کی توحید میں یہ حالت ہوتی ہے کہ تمام افعال اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور وہ تمام حادثات کو دیکھتا رہتا ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے کس طرح صادر ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگوں پر حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کے سوا ہر چیز کے لئے اس کے

احساسات مضمحل ہو جاتے ہیں۔ یہ شخص باطن میں توجمع کے طور پر مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔ اور ظاہر میں "تفرقہ" کے طور پر۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ علی بن محمد[(۱۲۹)] القزوینی نے کہا کہ المقناد فرماتے تھے کہ کسی نے جنیدؒ سے توحید کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔ میں نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا

وغنّی لی مُنیٰ قلبی ۔۔۔ وغنّیت کما غنّیٰ

وَکُنّا حَیثُمَا کَانُوا ۔۔۔ وَکَانُوا حَیثُمَا کُنَّا

میرے دل نے گا کر میری آرزوؤں کا ذکر کیا۔ میں نے بھی اسی طرح الاپنا شروع کر دیا۔ جہاں وہ تھے۔ میں بھی وہاں ہو لیا۔ اور جہاں ہم تھے وہ بھی وہاں ہو لئے۔

یہ سن کر سائل نے کہا:۔ کیا قرآن و حدیث مٹ چکی ہیں؟ کہ تو ان اشعار سے استدلال کر رہا ہے؟ شبلیؒ نے جواب دیا۔ نہیں۔ مگر موحد کی یہ حالت ہوتی ہے کہ معمولی سے خطاب سے بھی اعلیٰ درجہ کی توحید حاصل کر لیتا ہے۔

۴۴۔ دُنیا سے جاتے ہوئے صوفیاؒ[(۱۳۰)] کی حالت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ المَلٰئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ۔ جن کی رُوح فرشتے قبض کرتے ہیں۔ اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

یعنی اُن کے نفس اپنی جانوں کو دے دینے پر خوش ہوتے ہیں۔ انھیں اپنے مولیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ناگوار محسوس نہیں ہوتا۔

ہم نے عبداللہ بن یوسف اصبہانی سے سنا کہ ابوالحسن علی بن محمد[(۱۳۱)] بن عقبہ الشیبانی الکوفی نے کہا کہ ہم سے خضر بن آبان الہاشمی نے بیان کیا کہ ابو ہدبہ نے انس بن مالک سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بندہ موت اور سکرات کی تکلیف جھیلتا رہتا ہے۔ اور اس کے جوڑ ایک ایک کر کے ایک دوسرے کو سلام کہتے ہوتے ہیں۔ کہ قیامت تک تم میں اور مجھ میں اب جدائی ہے۔

ہم سے شیخ ابو عبد الرحمن السلمی نے کہا کہ ابو العباس الاصم (۱۱۳۲) نے کہا کہ خضر بن ابان الہاشمی نے
بتایا کہ سوار (۱۱۳۳) نے کہا کہ جعفر (۱۱۳۴) نے بیان کیا کہ ثابتؒ (۱۱۳۵) نے انس سے روایت کی:-

ایک نوجوان نزع کی حالت میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔
آپ نے پوچھا: اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اُس نے جواب دیا: اللہ سے امید بھی ہے
اور اپنے گناہوں کا خوف بھی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اس موقعہ پر جس مومن کے دل میں یہ دونوں
باتیں (خوف ورجا) جمع ہوجائیں۔ اللہ اسے اس کی خواہش دے دیتا ہے۔ اور اُسے خوف
سے محفوظ کر دیتا ہے۔

استاذؒ فرماتے ہیں۔ کہ یاد رکھیں کہ نزع کے وقت صوفیاء کے مختلف حالات ہوتے ہیں
چنانچہ بعض پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور بعض پر رجاء کا۔ بعض پر ایسی حالت میں
وہ حالات منکشف ہوجاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے اُسے سکون حاصل ہوجاتا ہے۔ اور وہ
اللہ پر خوب بھروسہ کرتا ہے۔

ابو محمد جریریؒ حکایت کرتے ہیں کہ میں جنید کے پاس موجود تھا۔ جبکہ وہ نزع کی حالت
میں تھے۔ یہ دن جمعہ اور نوروز کا دن تھا۔ جنید اس وقت بھی قرآن پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ
انھوں نے قرآن ختم کیا۔ میں نے عرض کی اے ابو القاسم! اس حالت میں بھی! فرمایا: مجھ سے
بڑھ کر کون اس کا حقدار ہوسکتا ہے؟ جبکہ میرا صحیفۂ اعمال لپیٹا جارہا ہے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج فرماتے ہیں کہ مجھے ابو محمد ہرویؒ سے
یہ روایت پہنچی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس رات شبلیؒ کی وفات ہوئی۔ میں ان کے پاس تھا۔
آپ رات بھر یہی دو شعر پڑھتے رہے:-

كُلُّ بَيْتٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ — غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَى السُّرُجِ
وَجْهُكَ الْمَأْمُولُ حُجَّتُنَا — يَوْمَ يَأْتِي النَّاسُ بِالْحُجَجِ

اے باری تعالیٰ! جس گھر (دل) میں تو ساکن ہو اس گھر کو کسی اور روشنی کی ضرورت
نہیں۔ اس دن جبکہ لوگ اپنی اپنی حجت لے کر آئیں گے۔ تمہارا چہرہ (جس کے دیکھنے کی
ہیں) اُمید ہے ہماری حجت ہوگی۔

عبداللہ بن منازل رحؒ سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ حمدون قصار نے اپنے مریدوں کو حکم دیا تھا کہ موت کے وقت انھیں عورتوں میں نہ چھوڑا جائے۔

جب بشر حافیؒ کی وفات کا وقت آگیا تو کسی نے عرض کیا:۔ اے ابو نصر! شاید آپ زندگی کو پسند کرتے ہیں؟ تو فرمایا:۔ اللہ عزوجل کے حضور میں جانا بہت سخت ہے۔

کہتے ہیں کہ جب کبھی سفیان ثوری کا کوئی شاگرد سفر کو جاتے وقت آپ سے عرض کرتا کہ حضرت کوئی کام فرمایئے، تو فرماتے۔ اگر تمہیں کہیں موت مل جائے تو میرے لئے خرید لانا۔ جب ان کی وفات کا وقت آگیا تو فرمایا:۔ ہم اس کی تمنا کیا کرتے تھے۔ دیکھا تو یہ بہت سخت چیز ہے۔

کہتے ہیں کہ جب حسن بن علی بن ابی طالب کی وفات کا وقت آگیا تو آپ رو پڑے۔ آپ سے کسی نے پوچھا:۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا میں ایسے آقا کے حضور میں جا رہا ہوں جسے میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے۔

جب بلالؓ کی وفات کا وقت آگیا تو ان کی بیوی نے کہا:۔ "واحزناہ" (ہائے غم) بلال نے کہا:۔ نہیں بلکہ "واطرباہ" (ہائے خوشی)

غَدًا نَلْقَی الْاَحِبَّۃَ ۔ مُحَمَّدًا وَ حِزْبَہٗ

میں کل ہی دوستوں سے ملوں گا۔ یعنی محمدؐ اور آپ کی جماعت سے۔

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک نے موت کے وقت آنکھیں کھولیں اور ہنسے اور فرمایا:۔ لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ (عمل کرنے والوں کو ایسے عمل کرنے چاہئیں)

کہتے ہیں کہ مکحول شامی پر حزن کی کیفیت غالب تھی۔ لوگ مرض موت میں ان کے پاس گئے تو وہ ہنس رہے تھے۔ کسی نے ہنسی کا سبب پوچھا تو فرمایا:۔ میں اب کیوں نہ ہنسوں جبکہ اب اس شخص (شیطان یا ہوائے نفس) سے جدائی کا وقت آگیا ہے۔ اور جس خدا سے میری امیدیں وابستہ تھیں اس کے پاس عنقریب پہنچ رہا ہوں۔

رویمؒ فرماتے ہیں:۔ میں ابو سعید خراز کی وفات کے وقت موجود تھا۔ وہ اپنے آخری دموں میں کہہ رہے تھے:۔

حَنِيْنُ قُلُوْبِ الْعَارِفِيْنَ اِلَى الذِّكْرِ — وَتَذْكَارُهُمْ وَقْتَ الْمُنَاجَاةِ لِلسِّرِّ

اُدِيْرَتْ كُؤُوْسٌ لِلْمَنَايَا عَلَيْهِمْ — فَاَغْفَوْا عَنِ الدُّنْيَا كَاِغْفَاءِ ذِي السُّكْرِ

هُمُوْمُهُمْ جَوَّالَةٌ بِمُعَسْكَرٍ — بِهٖ اَهْلُ وُدِّ اللّٰهِ كَالْاَنْجُمِ الزُّهْرِ

فَاَجْسَامُهُمْ فِي الْاَرْضِ قَتْلٰى بِحُبِّهٖ — وَاَرْوَاحُهُمْ فِي الْحُجْبِ نَحْوَ الْعُلَا تَسْرِيْ

فَمَا عَرَّسُوْا اِلَّا بِقُرْبِ حَبِيْبِهِمْ — وَمَا عَرَّجُوْا عَنْ مَسِّ بُؤْسٍ وَلَا ضُرٍّ

عاشقوں کے دل اپنے محبوب کے ذکر کی طرف مشتاق ہوتے ہیں۔ اور مناجات کے وقت بھی ان کی یاد اسی راز کے لئے ہے۔ جو ان کے محبوب کے درمیان ہوتا ہے۔

موت کے پیالے کا دور جب ان پر چلا تو وہ دنیا سے اس طرح غافل ہوئے جس طرح کہ ایک مست اپنے نشے میں غافل ہوتا ہے۔

ان کے افکار ایسے لشکر گاہ میں جولانی کرتے رہتے ہیں جہاں اللہ سے دوستی رکھنے والے روشن ستاروں کی طرح چمکتے ہوتے ہیں۔

ان کے جسم زمین میں اس کی محبت میں مشغول ہو چکے ہیں۔ مگر ان کی روحیں پردوں میں بلندی کی طرف جاتی ہیں۔ یہ لوگ محبوب کے قریب پہنچ کر ہی ڈیرہ ڈالتے ہیں۔ اور کسی قسم کی تکلیف یا مصیبت سے ڈر کر یہ راستہ میں قیام نہیں کرتے۔

کسی نے جنیدؒ سے کہا کہ ابو سعید خراز موت کے وقت بہت وجد میں تھے۔ جنیدؒ نے فرمایا:- یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ کہ ان کی روح شوق سے اڑنے لگی ہو۔

کسی صوفی کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہا:- لڑکے! میرے کندھے باندھ دو۔ اور میرے رخساروں کو خاک آلود کر دو۔ اس کے بعد کہا:- کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ اور میں گناہ سے پاک نہیں ہوں۔ اور نہ ہی کوئی عذر ہے کہ پیش کر سکوں۔ اور . . . . نہ طاقت ہے کہ مقابلہ کر سکوں۔ اے خدا! تو ہی میرے لئے ہے۔ اس کے بعد ایک چیخ ماری۔ اور مر گیا۔ پھر ایک آواز سنائی دی۔ کہ اس بندے نے اپنے آقا کے سامنے عاجزی کی۔ اور آقا نے قبول کر لیا۔

ذوالنون مصریؒ سے موت کے وقت کہا گیا کہ آپ کی کیا خواہش ہے؟ تو فرمایا:-

میری خواہش یہ ہے کہ مرنے سے پہلے ایک لحظہ کے لئے میں اسے پہچان لوں۔

کسی صوفی کو نزع کی حالت میں کہا گیا کہ کہیں "اللہ"۔ انھوں نے جواب دیا تم کب تک مجھے یہ بات کہے جاؤ گے۔ حالانکہ میں تو اللہ کی خاطر جل رہا ہوں۔

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں ممشاد دینوری کے پاس تھا کہ ایک فقیر آیا اور اس نے السلام علیکم کہا۔ سب نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہنے لگا۔ کیا کوئی پاک وصاف جگہ یہاں ہے جہاں انسان مر سکے۔ لوگوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ایک پانی کا چشمہ تھا۔ فقیر نے از سر نو وضو کیا اور جتنی دیر تک چاہا نماز پڑھتا رہا۔ پھر جس جگہ کی طرف اشارہ کیا تھا کہ وہ جگہ پاک وصاف ہے۔ وہاں جاکر اس نے اپنی ٹانگیں پھیلائیں۔ اور مر گیا۔

میں نے شیخ ابو عبد الرحمن السلمی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دن ابو العباس[۱۳۶] دینوری اپنی مجلس میں گفتگو فرما رہے تھے۔ کہ ایک عورت نے وجد میں آکر چیخ ماری۔ آپ نے فرمایا:۔ مرجیا۔ دینوری کے یہ الفاظ سن کر عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب گھر کے دروازہ پر پہنچی تو اس نے مڑ کر دیکھا اور کہا۔ میں تو مری۔ یہ کہہ کر گر پڑی اور مر گئی۔

ایک صوفی فرماتے ہیں کہ میں ممشاد دینوری کی وفات کے وقت ان کے پاس تھا۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بیماری کو کیسا پاتے ہیں۔؟ پھر کسی نے کہا "لا الٰہ الا اللہ" کہیے۔ اس پر آپ نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر دیا۔ اور کہا:۔ میں نے اپنے آپ کو ہمہ تن تمہاری خاطر فنا کر دیا۔ کیا تم سے محبت رکھنے والوں کی یہی جزا ہے۔؟

جب ابو محمد دبیلی کی وفات کا وقت آگیا تو کسی نے آپ سے کہا "لا الٰہ الا اللہ" کہیے تو فرمایا: اسی چیز کو تو ہم نے پہچانا ہے۔ اور اسی پر ہم فنا ہوں گے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

تسربلت ثوب التیه لما هویته ۔۔۔ وصدّ ولم یرض بأن أك عبدہ

جب میں محبوب پر عاشق ہو گیا۔ تو وہ اکڑ گیا۔ اور اس نے مجھ سے منہ موڑ لیا۔ اور مجھے اپنا غلام بنانے پر بھی راضی نہ ہوا۔

شبلی کو ان کی وفات کے وقت "لا الٰہ الا اللہ" کہنے کو کہا گیا۔ تو فرمایا:۔

قال سلطان حبه ۔۔۔ أنا لا اقبل الرشا

فسلوہ بحقه ۔۔۔ لم بقتلی تحرشا

محبوب کے عشق کے بادشاہ نے کہا کہ میں رشوت قبول نہیں کیا کرتا۔ اس کو جان کی قسم دے کر پوچھو کہ وہ میرے قتل کے کیوں درپے ہے۔

میں نے محمد بن احمد بن محمد الصوفی سے سُنا کہ انھوں نے عبداللہ بن علی التیمی سے سنا کہ احمد بن عطاء نے کہا کہ بعض فقراء فرما رہے تھے۔ کہ جب یحییٰ اصطخری کی وفات ہوئی۔ تو ہم اُن کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم میں سے ایک شخص نے انھیں کہا "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" کہیئے۔ اس پر سید سے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور ایک کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:۔ "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" کہو۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے تمام حاضرین کو کلمۂ شہادت پڑھایا۔ اور پھر وفات پائی۔

ابو علی رودباریؒ کی ہمشیرہ فاطمہ سے حکایت کی گئی ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ کہ جب میرے بھائی ابو علی رودباری کی وفات کا قریب آیا۔ اور اُن کا سر میری گود میں تھا کہ اُنھوں نے آنکھیں کھولیں۔ اور کہا:۔ یہ لو آسمان کے دروازے کھل گئے۔ اور جنّت کو آراستہ کر دیا گیا۔ اور اب کہنے والا مجھے کہہ رہا ہے۔

ابو علی ہم نے تجھے انتہائی رتبہ تک پہنچا دیا۔ اگرچہ تم یہ نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:۔

وَحَقِّكَ لا نظرتُ الیٰ سِوَاکا ... بِعَینِ مَوَدَّۃٍ حتّٰی اَرَاکا

اُرَاکَ مُعَذِّبِی بِفُتُورِ لحظ ... وَبِالخَدِّ المُوَرَّدِ مِن جَنَاکا

تمہاری جان کی قسم میں نے تمہارے سوا کسی کی طرف محبت بھری نگاہ سے نہیں دیکھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھے اپنی مست نگاہوں اور گلاب جیسے رخساروں کے ساتھ عذاب دے رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا:۔ فاطمہ! پہلا شعر تو ظاہر ہے مگر دوسرے شعر میں اشکال ہے

میں نے ایک فقیر کو کہتے سُنا کہ جب احمد بن نصر رحمۃ اللہ کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ تو کسی نے اُن سے کہا:۔ "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہیئے۔ احمد بن نصر نے اس شخص کی طرف دیکھا۔ اور کہا:۔ "بے حرمتی مکن"۔ بزرگوں کی بے ادبی نہ کرو۔

ایک صوفی کہتا ہے کہ میں نے ایک فقیر کو مسافرت کی حالت میں مرتے دیکھا اور

مکھیاں اُس کے چہرے پر پڑی ہوئی تھیں۔ میں بیٹھ کر مکھیوں کو ہٹانے لگ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر کہا کون ہے؟ میں اتنے سالوں سے ایسے وقت کی تلاش میں تھا کہ مجھے خالص اللہ کے ساتھ وقت مل جائے۔ اب کہیں جاکر وہ وقت ملا ہے۔ اور تو آکر درمیان میں گھس رہا ہے۔ جا اپنا کام کر۔ خدا تجھے عافیت دے۔

ابو عمران اصطخری فرماتے ہیں:- میں نے ابو تراب کو جنگل میں مردہ اور کھڑا دیکھا۔ کسی چیز کا آپ کو سہارا نہیں تھا۔

میں نے ابو حاتم السجستانی کو فرماتے سنا کہ انھوں نے ابو نصر سراج کو فرماتے سنا کہ ابو الحسن نوری کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے یہ شعر سنا۔

لَا زِلْتُ اَنْزِلُ مِنْ وِدَادِكَ مَنْزِلاً تَتَحَيَّرُ الْاَلْبَابُ عِنْدَ نُزُوْلِہٖ

(میں ہمیشہ تمہاری محبت میں ایسے مقام پر اُتر رہا ہوں جہاں اُترتے ہوئے عقلیں متحیر ہو جاتی ہیں) اور انھیں وجد آگیا اور جنگل کو نکل گئے۔ وہاں ایک نیستان تھا۔ جو ابھی ابھی کاٹا گیا تھا۔ اور ان پودوں کی جڑیں تلوار کی طرح کھڑی تھیں۔ آپ ان پر چلتے گئے۔ اور یہ شعر صبح تک دہراتے گئے۔ خون آپ کے پاؤں سے جاری تھا۔ پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آپ کے پاؤں سوج گئے اور پھر مر گئے۔

حکایت کی گئی ہے کہ انھیں نزع کے وقت کہا گیا لا إلہ الا اللہ پڑھیے۔ تو فرمایا۔ کیا میں اسی کی طرف نہیں لوٹ رہا ہوں۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم خواص رے کی جامع مسجد میں بیمار پڑے۔ انھیں اسہال کی شکایت تھی۔ وہ جب بھی قضاء ضروری کے لئے جاتے تو پانی میں جاتے۔ اور وضو کرتے۔ ایک بار پانی میں داخل ہوئے۔ تو ان کی روح پرواز کر گئی۔

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سنا کہ یوسف بن حسین خواص کی عیادت کو آئے۔ اس سے پہلے کئی دنوں تک وہ ان کی عیادت کو نہ آئے تھے۔ اور نہ ان کی خبر گیری کی تھی۔ خواص کو دیکھ کر پوچھا۔ کیا آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ خواص نے جواب دیا ہاں بھنے ہوئے جگر کا ٹکڑا چاہتا ہوں۔

اُستاد ابو القاسم فرماتے ہیں :۔ شاید ابراہیم خواص کا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُن کا مقصد یہ تھا کہ میں ایک ایسا دل چاہتا ہُوں جو کسی فقیر پر ترس کھائے۔ اور ایسا جگر چاہتا ہُوں جو کسی اجنبی کے لئے بھنے اور جلے۔ کیونکہ وہ یوسف بن حسین کو بے وفا سمجھے کر انھوں نے اُن کی خبر نہ لی۔

کہتے ہیں کہ ابنِ عطاء کی موت کا سبب یہ ہُوا کہ وہ وزیر کے پاس گئے۔ تو وزیر نے اُن سے درشت کلامی کی۔ اس پر ابن عطاء نے کہا۔ ارے۔ آرام سے بات کر۔ اس پر وزیر نے حکم دیا۔ کہ اس کے جُوتے اُن کے سر پر مارے جائیں۔ اس سے ان کی وفات ہو گئی۔

میں نے محمدؒ بن احمدؒ الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التمیمی نے کہا کہ ابوبکر الدقی فرماتے تھے کہ ہم صبح کے وقت ابوبکر دقاق کے پاس تھے۔ تو انھوں نے فرمایا۔ تو مجھے یہاں کب تک رکھے گا۔ ابھی دوسرا دن نہ ہوا تھا۔ کہ اُن کی وفات ہو گئی۔

ابو علی رودباری سے حکایت کی گئی کہ انھوں نے جنگل میں ایک نوجوان کو دیکھا جب اُس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا :۔ کیا اس کے لئے اتنا کافی نہیں۔ کہ اس نے مجھے اپنے عشق میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر اب مزید یہ کہ اس نے مجھے بیمار بھی کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس کی جان نکل رہی تھی تو میں نے اسے کہا۔ لا الٰہ الا اللہ کہو۔ اس نے اس پر یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔

أیا مَن لَیس لی عنہ   وَاِن عذّبنی بُدّ

ویا مَن نال من قلبی   منالا مالہ حَدّ

اے وہ محبوب جس سے مجھے کوئی چھٹکارا نہیں۔ خواہ وہ مجھے دُکھ ہی کیوں نہ دے۔ اور اے وہ جس نے میرے دل سے اپنا مقصد اسقدر حاصل کر لیا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

جنیدؒ سے کہا گیا :۔ لا الٰہ الا اللہ کہیئے۔ تو فرمایا :۔ میں اُسے بھُولا نہیں ہُوں کہ اُسے یاد کروں۔ اور کہا :۔

حاضر فی القلب یعمرہ   لست انساہ فاذکرہ

فھو مولای ومعتمدی   ونصیبی منہ اوفرہ

وہ تو دل میں حاضر ہے۔ اور دل کو آباد کر رہا ہے۔ میں اُسے بھولتا نہیں ہوں کہ یاد کروں۔ وہ میرا آقا اور سہارا ہے۔ اور مجھے اس سے وافر حصہ ملتا ہے۔

میں نے محمد بن احمدؒ الصوفی سے سنا کہ عبداللہ ابنِ علی التمیمی فرماتے تھے کہ جعفر بن نصیر نے بکران الدینوری سے پوچھا اور یہ شبلیؒ کی خدمت کیا کرتے تھے، تم نے ان میں کون سی بات دیکھی؟ تو فرمایا: شبلیؒ نے مجھے بتایا کہ میرے ذمے ایک درہم تھا۔ جو ناحق اور ناجائز طور پر میرے پاس تھا۔ (مگر مجھے اس کا مالک نہ ملا) اور میں نے اس کے مالک کی طرف سے ہزاروں درہم خیرات کر دیئے۔ لیکن اس سے بڑھ کر کوئی فکر مجھے لاحق نہیں ہو سکتی۔ اُس کے بعد فرمایا:۔ مجھے نماز کے لئے وضو کراؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ مگر داڑھی کا خلال کرنا بھول گیا۔ اس وقت ان کی زبان بند ہو چکی تھی۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے اپنی داڑھی میں داخل کیا۔ پھر مرے۔ یہ کہہ کر جعفر رو پڑے۔ اور کہا۔ تم ایسے شخص کے متعلق کیا کہتے ہو جس سے آخر وقت میں بھی شریعت کا کوئی ادب نہیں چھوٹا۔

میں نے عبداللہ بن یوسف الاصبہانی سے سنا کہ ابوالحسین بن عبداللہ الطرسوسی نے کہا کہ علوش الدینوری فرماتے تھے۔ کہ میں نے مزین کبیر کو فرماتے سنا کہ وہ مکہ میں تھے۔ کہ مجھے سخت بیقراری لاحق ہوئی۔ میں وہاں سے نکل کر مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ جب بیر[۱۱۳۸] میمونہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان گرا پڑا ہے۔ میں اس کی طرف گیا۔ دیکھا تو وہ نزع کی حالت میں تھا میں نے اُسے کہا:۔ لا الٰہ الا اللہ کہو۔ اس پر اُس نے آنکھیں کھولیں اور یہ شعر پڑھنے لگا:۔

أَنَا إِنْ مِتُّ فَالْهَوىٰ حَشْوُ قَلْبِي   وَبِدَاءِ الْهَوىٰ يَمُوتُ الْكِرَامُ

میں اگر مر بھی جاؤں (تو کوئی بات نہیں) کیونکہ عشق دل کو پُر کر چکا ہے۔ اور شرفاء مرضِ عشق سے ہی وفات پاتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے چیخ ماری۔ اور مر گیا۔ میں نے اسے غسل دیا۔ اور کفن پہنایا۔ اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جب اسے دفن کر چکا تو سفر کا ارادہ جو دل کو بے قرار کئے ہوئے تھا ساکن ہو گیا۔ لہٰذا میں مکہ کو واپس چلا آیا۔

ایک صوفی سے پوچھا گیا:۔ تو موت کو پسند کرتا ہے۔ تو اُس نے جواب دیا:۔ ایسے خدا کے پاس آنا جس کی نیکی کی اُمید ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کے پاس رہنے سے بہتر ہے جن

(۱۱۳۹)

کے شر کا ہر وقت خطرہ رہے۔

جنیدؒ سے شکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے استاد ابن الکرینی کے پاس تھا۔ اُن کی رُوح قبض ہو رہی تھی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ تو انھوں نے فرمایا: بہت بعد ہے۔ پھر میں نے زمین کی طرف دیکھا۔ تو انھوں نے فرمایا:۔ بہت بعد ہے۔ اُن کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بجائے اس کہ تو آسمان یا زمین کی طرف دیکھے تمہارے بہت قریب ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو کون و مکان کے وجود سے بھی پہلے سے ہے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر الطوسی نے کہا کہ ہمارے بعض دوست فرماتے تھے کہ ابو یزید نے اپنی وفات کے وقت یہ الفاظ کہے:۔

مَا ذَکَرْتُکَ اِلَّا عَنْ غَفْلَۃٍ وَلَا قَبَضْتَنِیْ اِلَّا عَلٰی فَتْرَۃٍ

اے خدا! میں نے جب بھی تم کو یاد کیا تو غفلت پیدا ہو جانے کی وجہ سے (ورنہ تمہاری یاد تو ہر دم ہر لحظہ رہتی ہے) اور تو نے جب بھی مجھ سے گرفت کی تو سستی کی وجہ سے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج نے کہا کہ وجیہی نے اُن سے کہا کہ ابو علی الرودباری فرماتے تھے۔ کہ میں مصر گیا تو وہاں لوگوں کا ایک جمگھٹا دیکھا۔ انھوں نے بتایا کہ ہم ایک نوجوان کے جنازہ میں تھے۔ جس نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:

کبرت ھمۃ عبد طمعت فی ان تراکا

اس بندے کی ہمت کتنی بڑی ہے جو تمہیں دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ یہ سُن کر اُس نے ایک چیخ ماری اور مر گیا۔

کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ممشاد دینوری کے پاس اُن کی مرض الموت میں آئے۔ اور پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا: تیس سال سے جنت مجھے پیش کی جاتی ہے۔ مگر میں نے ایک لحظہ کے لئے بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کی۔ اس کے بعد نزع کے وقت انھوں نے اُن سے پوچھا۔ آپ اپنے دل کو کیسا پاتے ہیں۔ فرمایا:۔ میں تو تیس سال سے اپنا دل کھو چکا ہوں۔

میں نے محمد بن احمد الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التمیمی فرماتے تھے۔ کہ وجیہی نے بتلایا کہ ابن بنان کی موت کا سبب یہ ہوا کہ اُن کے دل پر کوئی بات وارد ہوئی تو دیوانہ وار

نکل پڑے۔ لوگوں نے آپ کا پیچھا کیا اور بنی اسرائیل کے تیہ (جنگل) میں آپ کے پاس پہنچے۔ آپ نے آنکھیں کھولیں۔ اور کہا یہاں مزہ لے لو۔ یہ احباب کے مزہ لینے کا مقام ہے۔ اس کے بعد آپ کی رُوح نکل گئی

ابو یعقوب نہرجوری فرماتے ہیں:۔ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ کہ ایک فقیر میرے پاس آیا اس کے پاس ایک دینار تھا۔ اس فقیر نے کہا کل میں مرجاؤں گا۔ آدھے دینار سے میری قبر بنوانا اور آدھا دینار میری تجہیز و تکفین کے لئے ہے۔ میں نے دل میں کہا شاید حجاز میں فاقوں کی وجہ سے اس نوجوان کی عقل میں فتور آ گیا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو اس نوجوان نے آکر طواف کیا، پھر جا کر زمین پر لیٹ گیا۔ میں نے دل میں کہا۔ یہ بناوٹی طور پر مردہ بن رہا ہے۔ میں اس کے پاس گیا۔ اُسے حرکت دی، مگر وہ مردہ پڑا تھا۔ چنانچہ اس کے کہنے کے مطابق میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔

کہتے ہیں کہ جب ابو عثمان حیریؒ کی حالت بدل گئی۔ تو اُن کے بیٹے ابوبکر نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس پر ابو عثمان نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اور کہا بیٹا، ظاہر میں سنت کی مخالفت کرنا باطن میں ریاکاری ہے۔

کہتے ہیں کہ ابن عطاء جنیدؒ کے پاس اُس وقت آئے جب وہ نزع کی حالت میں تھے۔ ابن عطاء نے سلام کیا۔ تو جنیدؒ نے جواب میں دیر کی۔ پھر سلام کا جواب دیا۔ اور کہا مجھے معذور رکھیں۔ کیونکہ میں اپنے وِرد میں مشغول تھا۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔

ابو علی رودباری حکایت کرتے ہیں کہ ایک فقیر آیا اور مر گیا۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔ جب قبر میں رکھنے کے لئے میں نے اس کا چہرہ کھولا۔ دل میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غریب الوطنی پر رحم کھائے۔ اس پر اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا۔ ابو علی! کیا تو مجھے اس کے سامنے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ جس نے مجھے ناز کی عادت ڈال رکھی ہے۔ میں نے کہا اے میرے آقا کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ اس نے جواب دیا: میں تو زندہ ہوں اور اللہ عزوجل کا ہر محب زندہ ہوتا ہے۔ اپنی جاہ کی قسم میں قیامت کے دن تمہاری مدد کروں گا۔

ابن سہل اصفہانی (۱۱۴) سے حکایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں بھی اسی طرح مروں گا جس طرح اور لوگ مرتے ہیں؟ اس طرح کہ میں بیمار پڑوں اور لوگ عیادت کو آئیں۔ بلکہ مجھے بلایا جائے گا کہ اے علی اور میں دعوت قبول کروں گا۔ چنانچہ ایک روز وہ چل رہے تھے کہ انھوں نے لبیک کہا اور مر گئے۔

میں نے محمد بن عبد اللہ الصوفی سے سنا کہ انھوں نے ابو عبد اللہ بن خفیف سے سنا۔ کہ ابوالحسن المزین فرماتے تھے کہ جب ابو یعقوب نہرجوری مرض موت میں تھے۔ تو نزع کی حالت میں میں نے اُن سے کہا۔ لا الہ الا اللہ کہیئے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور کہا کیا تمہاری مراد مجھ سے ہے۔ اس رب العزۃ کی عزت کی قسم کہ میرے اور اس کے درمیان صرف حجاب عزت ہی حائل ہے۔ اور وہ اسی وقت ٹھنڈے ہو گئے۔ مزین اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کرتے، اے حجام! کیا میرے جیسا آدمی اولیاء کو شہادت کی تلقین کر سکتا ہے۔ تجھے شرم آنی چاہیئے۔ آپ جب یہ حکایت بیان فرماتے تو رو پڑتے۔

ابوالحسین مالکی فرماتے ہیں میں کئی سال تک خیر النساج کی صحبت میں رہا۔ آپ نے مجھے اپنی موت سے آٹھ دن پہلے فرمایا کہ میں جمعرات کے دن مغرب کے وقت وفات پاؤں گا۔ اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے دفن ہوؤں گا۔ اور تو یہ بات بھول جائے گا۔ بھولنا نہیں۔

ابوالحسین فرماتے ہیں کہ جمعہ کے آنے تک میں یہ بات بھول گیا۔ ایک شخص مجھے ملا جس نے آپ کی وفات کی خبر دی۔ میں آپ کے جنازہ کے ساتھ جانے کے لئے حاضر ہوا۔ دیکھا تو لوگ واپس آ رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں کہ نماز کے بعد دفن کیا جائے گا۔ مگر میں واپس نہ آیا۔ اور وہاں پہنچا۔ لوگ جنازہ لے کر نماز جمعہ سے پہلے نکلے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ ابوالحسین کہتے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے جو اُن کی وفات کے وقت موجود تھے۔ پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ آپ پر غشی طاری ہوئی۔ پھر ہوش میں آئے۔ پھر گھر کی ایک جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ٹھہر جا خدا تجھے عافیت دے۔ تو بھی اللہ کے حکم کے ماتحت ہے اور میں بھی اللہ کے حکم کے ماتحت ہوں جس بات کا تجھے حکم دیا گیا ہے۔ وہ تو تم سے چھوٹ نہیں سکتی۔ مگر جس بات کا مجھے حکم ہے وہ فوت ہو رہی ہے۔ اس پر آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ اور نماز پڑھی پھر لیٹ گئے

اور آنکھیں بند کر لیں۔ موت کے بعد انہیں خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا کہ کیا حال ہے؟ جواب دیا کچھ نہ پوچھو۔ لیکن میں اس تمہاری گندی دنیا سے خلاصی پا گیا ہوں۔

ابوالحسین[۱۱۴] حمصی مصنف کتاب بہجۃ الاسرار نے ذکر کیا ہے کہ جب سہل بن عبداللہ کی وفات ہوئی۔ تو لوگ ان کے جنازہ پر ٹوٹ پڑے۔ شہر میں ایک یہودی تھا۔ جس کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔ جب اس نے شور سنا تو نکل کر دیکھنے کے لئے آیا کہ کیا واقعہ ہے۔ جب اس کے جنازہ دیکھا تو چلا کر کہا۔ کیا تم بھی وہی کچھ دیکھ رہے ہو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا:۔ تو کیا دیکھ رہا ہے؟ اور اس نے کہا میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ کچھ لوگ آسمان سے اتر کر اس کے جنازہ کو ہاتھ لگا کر چوم رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ یہودی اسلام لے آیا۔ اور پکا مسلمان بن گیا۔

اور میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ ابوجعفر بن قیس مصری نے کہا کہ ابوسعید الخراز فرماتے تھے کہ میں مکہ میں تھا۔ ایک دن باب بنی شیبہ سے گذرا۔ تو ایک خوبصورت نوجوان کو مردہ دیکھا۔ میں نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ تو وہ مسکرایا۔ اور مجھ سے کہا۔ اے ابوسعید! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے دوست زندہ رہتے ہیں خواہ وہ مر چکے ہوں؟ وہ تو صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کو منتقل ہو جاتے ہیں۔

میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر الرازی نے کہا کہ الجریری فرماتے تھے، کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ذوالنون مصری کو نزع کے وقت کہا گیا کہ وصیت کیجئے تو فرمایا:۔ مجھے کسی اور چیز میں مشغول نہ کیجئے میں تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر تعجب کرتا ہوں۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ بن محمد الرازی نے ان سے کہا۔ کہ ابوعثمان حیری فرماتے تھے۔ کہ ابوحفص سے نزع کی حالت میں کہا گیا کہ آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا:۔ مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہیں۔ پھر انھوں نے اپنے اندر قوت محسوس کی تو میں نے کہا کچھ فرمایئے تاکہ میں آپ سے حکایت کر سکوں۔ تو فرمایا:۔ دل سے ہمہ تن انکساری کرتے ہوئے بھی یہ خیال کرو کہ تم سے کوتاہی ہوئی ہے۔

(۱۱۴۲)
۴۵۔ معرفت باللہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ حق ہے نہیں پہچانا۔

ہم سے عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ العدل نے کہا کہ محمد بن القاسم العتکی نے بیان کیا کہ محمد بن اشرش نے کہا کہ سلیمان بن عیسیٰ الشجری نے عباد[۱۱۴۳] بن کثیر سے۔ اور انھوں نے حنظلہ[۱۱۴۴] بن ابی سفیان سے، انھوں نے القاسم بن محمد[۱۱۴۵] سے روایت کی کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

گھر کا تمام تر دارو مدار اس کی (بنیاد) پر ہوتا ہے۔ اور دین کا دارو مدار معرفت باللہ یقین اور ایسی عقل پر ہوتا ہے جو برائیوں سے روکے۔ میں نے عرض کیا آپ پر میرے والدین قربان ہوں عقل قامع کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا اور اللہ کی اطاعت کی خواہش کرنا۔

صوفیاء کے نزدیک معرفت کیا ہے

استاد فرماتے ہیں کہ علماء کی زبان میں معرفت علم کو کہتے ہیں لہٰذا ہر علم معرفت ہے اور ہر معرفت علم اور ہر شخص جو عالم باللہ ہے عارف باللہ ہے۔ ہر عارف عالم، مگر صوفیاء کے نزدیک معرفت ایک ایسے شخص کی صفت ہے جو حق تعالیٰ کو اس کے اسماء اور صفات کے ساتھ پہچانے۔ اس کے بعد اللہ کے ساتھ تمام معاملات میں سچا اور اخلاص والا ہو۔ پھر اپنے ردی اخلاق اور آفاتِ نفس سے پاک ہو۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر ایک طویل عرصہ کے لئے ٹھہرا رہے۔ اور وہ اپنے دل سے (اسی دروازے) پر معتکف رہے جس کے نتیجہ کے طور پر اسے یہ خوش بختی حاصل ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف اپنی توجہ دے گا۔ اور وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے خلوص و صدق سے عمل پیرا ہوگا۔ اور اس سے خواطر نفس پیش آنے بند ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنے دل کے کسی ایسے خاطر (خیال) کی طرف توجہ نہ دے گا۔ جو غیر اللہ کی طرف دعوت دے۔ چنانچہ جب بندہ مخلوق سے اجنبی ہو جاتا ہے اور آفاتِ نفس سے بری اور مساکنات اور ملاحظات

سے پاک رہے اور راز میں وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں ہو۔ اور ہر لحظہ اللہ کی طرف اس کا رجوع کرنا ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ باتیں کرے۔ اس طرح کہ ان تمام تقدیروں کے رد و بدل کا راز جو اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے۔ وہ اُسے بتا دے۔ تب جا کر بندہ عارف کہلاتا ہے اور اُس کی حالت معرفت کہلاتی ہے۔ مختصر یہ کہ جسقدر انسان اپنے نفس سے بیگانہ بنے گا۔ اسی قدر اُسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگی۔

مشائخ نے معرفت پر بہت گفتگو کی ہے۔ ہر شخص نے وہ بات بیان کی جو اُسے پیش آئی۔ اور اُس نے اس حالت کی طرف اشارہ کیا۔ جو اس نے اپنے وقت میں حاصل کی۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سُنا:۔ معرفت باللہ کی علامت یہ ہے کہ دل میں اللہ کی ہیبت پائی جائے۔ لہٰذا جسقدر زیادہ کسی کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگی۔ اسی قدر زیادہ اسے اس کی ہیبت ہوگی۔

نیز انہی کو فرماتے سنا کہ معرفت سے دل میں سکون حاصل ہوتا ہے جس طرح علم سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا جس قدر کسی میں معرفت زیادہ ہوگی۔ اسی قدر اس کا سکون زیادہ ہوگا۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ احمد بن محمدؒ (۱۱۴۶) بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے شبلی رحمہ کو فرماتے سنا: کہ عارف باللہ کا غیر اللہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا۔ اور نہ محب؛ اللہ کو اللہ سے کسی قسم کی شکایت ہوتی ہے اور نہ کسی بندے کو کسی قسم کا دعویٰ ہوتا ہے۔ اور نہ ڈرنے والے کو قرار ہوتا ہے۔ اور نہ ہی کسی کو اللہ سے فرار ہو سکتا ہے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ محمدؒ بن محمدؒ (۱۱۴۷) عبدالوہاب فرماتے تھے۔ کہ میں نے شبلیؒ کو فرماتے سنا۔ اُن سے کسی نے معرفت کے متعلق سوال کیا تھا تو فرمایا: اس کی ابتدا دل اور زبان سے اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے۔ اور اس کی انتہا کوئی انتہا نہیں۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ میرے باپ نے کہا کہ ابو العباس دینوری فرماتے تھے کہ ابو حفص نے فرمایا: جب سے میں نے اللہ کو پہچانا، میرے دل میں اور کوئی چیز داخل نہیں ہو سکی۔ خواہ حق ہو خواہ باطل۔ اس میں قدرے اشکال پایا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ صوفیاء کے نزدیک چونکہ صوفی پر ذکر حق کا غلبہ ہوتا ہے۔

اس لئے معرفت سے بندے کا اپنے نفس سے غائب ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا بندہ نہ تو غیر اللہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور نہ کسی اور کی طرف رجوع کرتا ہے۔ چنانچہ جس طرح عاقل ان تمام معاملات اور حالات میں جو انہیں پیش آئیں۔ اپنے دل فکر اور یاد کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہٰذا جب وہ صرف اپنے رب کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو اپنے دل کی طرف رجوع نہیں کرتا کوئی خیال اس شخص کے دل میں کیسے داخل ہو سکتا ہے، جس کا دل ہی نہ ہو، ایک وہ شخص جو اپنے دل کے ساتھ زندہ ہو۔ اور ایک وہ جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہو، دونوں میں بڑا فرق ہے۔

ابو یزید کا قول ابو یزید سے معرفت کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا:۔
اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً[۱۱۴۸] بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں۔ تو وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔

استادؒ فرماتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جس کی طرف ابو حفص نے اشارہ کیا ہے۔

ابو یزید فرماتے ہیں:۔ مخلوق کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ مگر عارف باللہ کا کوئی حال نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کے تمام نشانات مٹ چکے ہوتے ہیں۔ اور اس کی اپنی حقیقت غیر کی حقیقت میں فنا ہو چکی ہوتی ہے اور اسکے اپنے آثار غیر کے آثار میں غائب ہو چکے ہوتے ہیں۔

واسطیؒ فرماتے ہیں:۔ جب تک بندہ کے اندر استغناء باللہ اور افتقار الی اللہ موجود ہو، اُس وقت تک معرفت صحیح طور پر حاصل نہیں ہو سکتی۔ استادؒ فرماتے ہیں کہ واسطی کی مراد یہ ہے کہ استغناء اور افتقار بندے کے ہوش میں ہونے کی اور اس کے نشانات کے باقی رہنے کی علامتیں ہیں، کیونکہ یہ دونوں بندے کی صفتیں ہیں۔ اور عارف اس ذات میں محو ہوتا ہے۔ جس کی معرفت اسے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے صحیح معرفت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ جبکہ وجود الٰہی میں فنا ہو جانے یا شہود میں استغراق کی وجہ سے اگر وہ وجود الٰہی کو نہ پہچان سکا ہو۔ اپنے احساس سے غائب ہوتا ہے۔ بمعہ ان تمام اوصاف کے جو اُسے حاصل ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ واسطیؒ نے ایک بار یوں فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ غیر اللہ سے منقطع ہو گیا، نہیں بلکہ گونگا اور مطیع ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْکَ اے خدا میں تمہاری پوری طرح ثنا ادا نہیں کر سکتا۔ یہ اُن لوگوں کی صفات ہیں جن کا مطمح نظر بہت بعید ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو اس حد سے کم درجہ پر ہیں۔ انھوں نے معرفت پر گفتگو کی ہے اور خوب کی ہے۔

ہم سے محمدؒ بن الحسین نے کہا کہ ابو جعفر محمد بن احمد بن سعید الرازی نے اُن سے کہا کہ عباس بن حمزہ نے کہا کہ احمد بن ابی الحواری نے کہا کہ احمدؒ بن عاصم الانطاکی فرماتے تھے کہ جسقدر زیادہ کسی کو عرفان باللہ حاصل ہوگا اسی قدر زیادہ اللہ سے خوف ہوگا۔

کسی صوفی کا قول ہے: جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ دنیا میں زندہ رہنے سے تنگ آجاتا ہے اور دنیا باوجود اسقدر وسعت کے اس کے لئے تنگ معلوم ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زندگی پاک ہو جاتی ہے۔ اور اسے زندگی میں مزہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر چیز اس سے ہیبت کھاتی ہے۔ اور مخلوق کا خوف اس سے جاتا رہتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس محسوس کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا اُسے دنیا کی چیزوں کی کوئی خواہش نہیں رہتی۔ اور اُس کے لئے جدائی اور وصل کوئی چیز نہیں ہوتے۔

کہا گیا ہے کہ معرفت سے حیاء اور تعظیم پیدا ہوتی ہے جس طرح توحید سے رضا اور تسلیم پیدا ہوتی ہے۔

رویم فرماتے ہیں، معرفت عارف کے لئے آئینہ ہوتا ہے جب عارف اس میں دیکھتا ہے اُسے اس میں اپنا مولیٰ دکھائی دیتا ہے۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں، ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے معرفت کے میدان میں گھوڑے دوڑائے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح انبیاء کی روحوں پر سبقت لے گئی۔ اور روضۂ وصال تک جا پہنچی۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں: عارف کے ساتھ میل جول رکھنا اسی طرح ہے جس طرح اللہ کے ساتھ میل جول رکھنا۔ وہ تمہاری باتوں کو برداشت کرتا ہے۔ اور حلم اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اخلاقِ خداوندی سے موصوف ہونا چاہتا ہے۔

ابن یزدانیار (یزدان یار) سے کسی نے سوال کیا: عارف حق سبحانہ کا کب مشاہدہ کرتا ہے، تو فرمایا: جب شاہد (اللہ تعالیٰ) ظاہر ہو۔ اور شواہد فنا ہو جائیں۔ حواس جاتے رہیں۔ اور اخلاص مضمحل ہو جائے۔

حسین بن منصور فرماتے ہیں: جب بندہ مقامِ معرفت پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف خواطر بذریعہ وحی نازل فرماتے ہیں۔ (چنانچہ بُرے خیالات اس کے) قریب نہیں آتے۔ اور اس کے باطن کی نگہداشت کرتے ہیں تاکہ اس میں اللہ کی طرف سے آنے والے خیالات کے سوا کوئی اور خیال نہ آئے۔

نیز فرماتے ہیں: کہ عارف کی علامت یہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت سے فارغ ہو۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں: معرفت کی انتہا دو چیزوں پر ہے۔ دہشت اور حیرت پر۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ انھوں نے محمد بن احمد بن سعید سے سنا کہ محمد بن احمد بن سہل نے کہا کہ سعید بن عثمان فرماتے تھے۔ کہ میں نے ذوالنون مصری کو سنا وہ فرماتے تھے۔ "جو شخص سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہو گا۔ وہ سب سے زیادہ حیرت زدہ ہو گا"۔ اور میں نے

کیا عارف ترکِ اعمال کر سکتا ہے؟

انہی سے سنا کہتے تھے کہ ابوبکر الرازی نے کہا کہ ابو عمر الانطاکی فرماتے تھے۔ کہ ایک شخص نے جنید سے کہا: بعض اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ حرکات و اعمال کا ترک کر دینا نیک کام اور تقویٰ ہے۔

جنید نے فرمایا: ان لوگوں نے اعمال کو ساقط کر دینے کو کہا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور ایک شخص جو چوری بھی کرتا ہو اور زنا بھی کرتا ہو میرے نزدیک اس قائل سے بہتر حالت میں ہے۔ کیونکہ عارفوں نے تو اعمال کو اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے۔ اور ان اعمال میں وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اگر میں دنیا میں

ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تب بھی میں اپنے نیک اعمال میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کروں گا۔

کسی نے ابویزید کو کہا کہ آپ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی؟ تو فرمایا: بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ساتھ۔

ابو یعقوبؒ نہرجوری فرماتے ہیں: میں نے ابویعقوب سوسی سے پوچھا: کیا کوئی عارف اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز پر بھی تأسف کرتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: کیا اُسے اللہ کے سوا کوئی چیز دکھائی دیتی ہے کہ وہ اس پر افسوس کرے؟ میں نے عرض کیا: پھر اُسے دُنیا کی اشیاء کو کس نگاہ سے دیکھنا چاہیئے؟ فرمایا: زوال اور فنا کی نگاہ سے۔

ابویزید فرماتے ہیں: عارف کی مثال اُڑنے والے کی ہے۔ اور زاہد کی مثال پیدل چلنے والے کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عارف کی آنکھ روتی ہے اور دل ہنستا ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں کہ کوئی عارف اُس وقت تک عارف نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے۔ کہ نیک و بد اُسے روندتے ہیں۔ اور بادل کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز پر سایہ کرتا ہے۔ اور نہ بارش کی طرح ہو۔ جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے، اُسے بھی جسے وہ پسند کرتی ہے، اور اُسے بھی جسے وہ ناپسند کرتی ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: عارف دنیا سے اُن دو باتوں سے اپنی آرزو پوری کئے بغیر چلا جاتا ہے: ایک اپنی ذات پر رونے سے اور دوسری اپنے رب کی ثنا بیان کرنے سے۔

ابویزید فرماتے ہیں: صوفیائے جو معرفت حاصل کی ہے تو صرف اس طرح کہ جو کچھ اُن کے لئے ہے اُسے ضائع کر دیں۔ اور ان چیزوں پر پہرہ دیں جو اللہ کے لئے ہیں (یعنی خواہشات کو ضائع کرنے اور اوامر و نواہی پر کاربند رہنے سے۔)

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ ابوالحسین الفارسی نے اُن سے کہا کہ یوسف بن علی فرماتے تھے۔ کہ کوئی شخص اُس وقت تک صحیح معنوں میں عارف نہیں کہلا سکتا، جب تک کہ اُس کی یہ کیفیت نہ ہو جائے کہ اگر اُسے سلیمان علیہ السلام جتنی حکومت بھی عطا کر

دی جائے تب بھی یہ سلطنت اُسے ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے غافل ذکر سکے۔

اور میں نے انہی سے سُنا کہ ابوالحسین الفارسی نے کہا کہ ابن عطاء فرماتے تھے کہ معرفت کی بنیاد تین ارکان پر ہے۔ (۱) ہیبت (۲) حیا اور (۳) انس پر۔

اور میں نے انہی سے سنا کہتے تھے کہ محمدؒ بن عبداللہ بن شاذان نے اُن سے کہا کہ یوسف بن الحسین فرماتے تھے کہ کسی نے ذوالنون مصریؒ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ تو فرمایا میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعہ اور اُس کی مدد سے پہچانا ہے۔ اور اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچان سکتا۔

کہتے ہیں کہ عالم کی پیروی کی جاتی ہے اور عارف سے ہدایت پائی جاتی ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں: عارف غیر اللہ کی طرف نگاہ کرتا ہی نہیں۔ اور نہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام بولتا ہے۔ اور نہ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا محافظ جانتا ہے۔

کہتے ہیں کہ عارف چونکہ ذکر اللہ کے ساتھ اُنس حاصل کرچکا ہوتا ہے اس لئے اللہ دیا اللہ کا انس اُس کو مخلوق سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اور وہ اللہ کے سامنے ذلیل رہتا ہے۔ اس لئے اللہ اُسے مخلوق میں طاقت ور بنا دیتا ہے۔

ابوالطیب سامری فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا انسان کے باطن پر مسلسل انوار کے ساتھ طلوع ہونا معرفت کہلاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عارف جو کچھ کہتا ہے درحقیقت وہ اس سے بلند ہوتا ہے اور عالم جو کچھ کہتا ہے وہ اس سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔

ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ عارف کے لئے اس کے بستر پر وہ باتیں کھول دیتے ہیں جو اوروں کے لئے کھڑے نماز پڑھتے ہوئے بھی نہیں کھولتے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: عارف وہ شخص ہے جو خود تو خاموش رہے اور حق تعالیٰ اس کے اسرار بیان کرے۔

ذوالنون فرماتے ہیں: ہر چیز کے لئے سزا ہے۔ اور عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکر اللہ سے منقطع ہو جائے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج نے کہا کہ الوجیہی نے کہا کہ ابو علی الرودباری فرماتے تھے کہ میں نے رویم کو فرماتے سنا کہ عارفین کا ریاء مریدین کے اخلاص سے افضل ہے۔

ابو بکر وراق فرماتے ہیں: عارف کا سکوت زیادہ نفع رساں ہے۔ اس کا کلام زیادہ پسندیدہ اور عمدہ ہوتا ہے۔

ذوالنون فرماتے ہیں: زہاد آخرت کے بادشاہ ہیں۔ اور وہ عارفوں کے محتاج ہیں۔

کسی نے جنید سے عارف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اس کے برتن کا ہو۔ ان کی مراد یہ ہے کہ عارف اپنے وقت کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے

ابو یزید سے عارف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: عارف کو نہ نیند میں اللہ کے سوا کوئی اور دکھائی دیتا ہے۔ نہ بیداری میں، وہ نہ غیر اللہ کی موافقت کرتا ہے اور نہ غیر اللہ کا مطالعہ کرتا ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا، انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن محمد الدمشقی فرماتے ہیں کہ کسی شیخ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ فرمایا:

ذکر الٰہی کے اس نور کی چمک سے جو میرے دل پر پڑی رہی جیسے ایسے شخص کی زبانی حاصل کیا گیا جس کی عقل معہود کھو چکی ہو۔ اور ان الفاظ سے جو ایسے شخص کی زبان پر وارد ہوئے ہوں جو شہود حق میں مستغرق ہو۔ یہ قائل وجد ظاہر کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ اور ایسے باطن کی خبر دے رہا ہو۔ جو اس کی پردہ پوشی کر رہا ہو۔ وہ شخص اپنے ظاہری جسم و شکل کے اعتبار سے تو وہی انسان معلوم ہوتا ہے مگر اپنے باطن کے اعتبار سے کچھ اور ہی ہوتا ہے

اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے:

نَطَقْتَ بِلَا نُطْقٍ هُوَ النُّطْقُ إِنَّهُ ... لَكَ النُّطْقُ لَفْظًا أَوْ يُبِينُ عَنِ النُّطْقِ

تَرَائَيْتَ كَيْ أَخْفَىٰ وَقَدْ كُنْتُ خَافِيًا ... وَأَلْمَعْتَ لِي بَرْقًا فَأَنْطَقْتَ بِالْبَرْقِ

میں نے بغیر نطق کے گفتگو کی اور در اصل حقیقی نطق بھی یہی ہے۔ اے مولیٰ! تو لفظوں میں گفتگو کرتا ہے یا تو اپنی گفتگو کو خود ہی واضح کر دیتا ہے۔

اے خدا تو نے اپنی ذات کا جلوہ مجھے دکھایا۔ تاکہ میں مخفی ہو جاؤں۔ حالانکہ تو خود

بھی مخفی تھا۔ مگر تُو نے نور عرفان کی بجلی میرے لئے چمکائی تو بجلی کے ذریعہ سے تو نے مجھے گویا کر دیا۔

اور مَیں نے انہی سے سُنا کہ علی بن بندار الصیرفی نے اُن سے کہا کہ مجریری فرماتے تھے کسی نے ابوُ تراب سے پوچھا کہ عارف کی کیا صفت ہوتی ہے؛ فرمایا:-
جسے کوئی چیز مکدر نہ کر سکے۔ لیکن ہر چیز اس سے صفائی حاصل کرے۔

انہی کو مَیں نے فرماتے سنا کہ انھوں نے ابوُ عثمان مغربیؒ کو فرماتے سنا کہ عارف کے لئے علم کے انوار روشن ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ غیب کی عجیب وغریب باتیں دیکھ لیتا ہے۔

مَیں نے اُستاد ابوُ علیؒ دقاق کو فرماتے سنا کہ عارف تحقیق کے سمندروں میں مستغرق ہوتا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ معرفت ایسی موجیں ہیں جو کبھی نیچے ڈبو دیتی ہیں کبھی اُوپر لے آتی ہیں۔ اور کبھی نیچے کر دیتی ہیں۔

کسی نے یحییٰ بن معاذؒ سے عارف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اُن سے الگ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ یُوں فرمایا، عارف کبھی مخلوق کے ساتھ تھا مگر پھر اُن سے جُدا ہو گیا۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں، عارف کی تین نشانیاں ہیں۔ (۱) اس کا نورِ معرفت ورع کے نور کو نہیں بجھاتا (۲) باطنی طور پر اپنے علم کی وجہ سے وہ کسی ایسی بات کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ جس سے ظاہری طور پر کوئی شرعی حکم ٹوٹتا ہو۔ (۳) اس پر اللہ کے جو انعامات کثرت سے ہوتے ہیں وہ اسے محارم اللہ کے پردے پھاڑنے پر نہیں اکساتے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ شخص جو عقبیٰ والوں کے لئے معرفت بیان کرتا ہو۔ عارف نہیں کہلا سکتا۔ چہ جائیکہ وہ دنیا والوں کے سامنے بیان کرے۔

ابوسعید خرازؒ کہتے ہیں: معرفت سخاوت ایزدی کے سرچشمے اور پوری کوشش صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (یعنی اپنی طرف سے پُوری کوشش کرے اور پھر عنایت الٰہی کے شاملِ حال ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ محض کسبی چیز نہیں وہبی ہے)

میں نے محمد بن الحسین سے سنا انھوں نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ نے اُن سے کہا جعفر فرماتے ہیں کہ کسی نے جنیدؒ سے ذوالنونؒ مصری کے اس قول کے متعلق پوچھا تھا جو انھوں نے عارف کے بارے میں کہا تھا۔ کہ کَانَ هٰهُنَا فَذَهَبَ "ابھی یہاں تھا مگر اب چلا گیا" تو فرمایا: عارف باللہ کو کوئی حالت محصور نہیں کر سکتی۔ اور نہ ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہونے سے کوئی منزل اُسے روک سکتی ہے۔ لہٰذا عارف ہر مقام والوں کے ساتھ اسی قسم کی حالت پر ہوگا۔ جس پر وہ خود ہے۔ وہ اس قسم کی واردات حاصل کرتا ہے جس قسم کے وہ حاصل کرتے ہیں اور اُن کے اشارات کی ترجمانی کرتا ہے، کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ احمد بن علی بن جعفر فرماتے ہیں: کہ میں نے کتانی کو فرماتے سنا کہ کسی نے ابو سعید خرازؒ سے سوال کیا: کبھی عارف کی ایسی حالت بھی ہو جاتی ہے کہ اُسے رونا نہ آتا ہو؟ فرمایا: ہاں، کیونکہ رونا ان کو اس وقت آتا ہے جب وہ "سیر الی اللہ" کے مقام پر ہوتے ہیں۔ مگر جب قربت خداوندی کے حقائق کے پاس اترتے ہیں اور اللہ کے کرم سے وہ وصل الی اللہ کا ذائقہ چکھ لیتے ہیں تو پھر یہ حال اُن سے زائل ہو جاتا ہے۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ عبداللہ الرازی نے اُن سے کہا کہ محمد بن الفضل فرماتے تھے: المعرفۃ حیاۃ القلب مع اللہ تبارک وتعالیٰ "اللہ کے ساتھ دل کی زندگی کا نام معرفت ہے۔

محبت (۱۱۵۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

تم میں سے جو کوئی دین سے پھر جائے۔ (تو کوئی بات نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم

کو لے آئیں گے جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرے گا، اور وہ اُسے پسند کریں گے۔

ہم سے ابو نعیم عبد الملک بن الحسین نے کہا کہ ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق نے کہا کہ السلمی نے اُن سے کہا کہ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے ہمام بن منبہ سے روایت کی کہ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کی خواہش کرتا ہے اللہ بھی اُسکی ملاقات کی خواہش کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کی خواہش نہیں کرتا، اللہ بھی اسکی ملاقات کی خواہش نہیں کرتا۔

ہم سے ابو الحسین علی بن احمدؒ بن عبدان نے کہا کہ اُن سے احمد بن عبید الصفار البصری نے کہا، اُن سے عبد اللہ بن ایوب[152] نے، ان سے الحکم بن موسیٰ نے کہا کہ الہیثم بن خارجہ نے بیان کیا کہ الحسینؒ[153] بن یحییٰ نے صدقہؒ[154] الدمشقی سے روایت کی کہ ہشام الکنانی نے انس بن مالک سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ جبرئیل علیہ السلام نے اپنے رب سبحانہٗ و تعالیٰ سے سنا اور فرمایا[155]:

جس کسی نے میرے دوست کی بے عزتی کی، اُس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کر دیا۔ میں نے اتنا تردد کسی چیز میں نہیں کیا جتنا کہ میں نے اس مومن بندے کی رُوح کو قبض کرنے میں کیا ہے جو موت کو پسند نہیں کرتا ہو۔ اور میں اُسے دُکھ نہیں پہنچانا چاہتا، مگر موت کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ میرا کوئی بندہ میرے نزدیک فرائض کی ادائیگی سے زیادہ محبوب چیز سے میرے قریب نہیں آتا۔ . . . .

اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرے قریب آتا رہتا ہے۔ تاآنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جس سے میں محبت کروں میں اُس کے کان آنکھ ہاتھ اور مؤید بن جاتا ہوں۔

ہم سے علی ابن احمد بن عبدان نے کہا کہ احمد بن عبید نے کہا کہ عبید بن شریک نے اُن سے بیان کیا کہ یحییٰ[156] نے اُن سے کہا کہ مالکؒ[157] نے سہیلؒ[158] بن ابی صالح سے سنا انھوں نے کہا کہ اُن کے والدؒ[159] نے ابو ہریرہ سے سُنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے۔ میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں لہٰذا تو بھی اُس سے محبت رکھ، چنانچہ جبرئیل بھی اُس سے محبت کرنے

لگ جاتے ہیں۔ پھر وہ دنیا میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو مالک فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کے بارے میں اسی طرح کی بات کہی۔ جس طرح محبت کے بارے میں کہی تھی۔

استاد فرماتے ہیں کہ محبت ایک شریف حالت ہے جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لئے دی ہے۔ اور ہمیں بتایا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے محبت رکھتا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کی صفت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے بندے سے محبّت رکھتا ہے۔ اور بندے کی صفت میں بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ حق سبحانہٗ سے محبّت رکھتا ہے۔

محبت کیا ہے؟ علماء کی اصطلاح میں محبت کے معنی ارادہ کے ہیں۔ مگر صوفیا کے ہاں محبت سے ارادہ مراد نہیں۔ کیونکہ کسی انسان کے ارادے کا تعلق (حق تعالیٰ کے ساتھ جو) قدیم ہے نہیں ہو سکتا۔ ہاں! البتہ اگر اللہ کے قرب حاصل کرنے اور اُس کی تعظیم کرنے کا ارادہ مراد لیا جائے تو صحیح ہو سکتا ہے۔ ہم اس مسئلہ کی تحقیق کے متعلق کچھ تھوڑا سا بیان ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے محبت کرنے سے مراد اس بندے پر کوئی مخصوص انعام کرنے کا ارادہ کرنا ہے اور رحمتِ خداوندی سے مراد اللہ کا بندے پر انعام کرنا ہے۔ لہٰذا رحمت ارادہ کے مقابلہ میں خاص چیز ہے۔ اور محبت رحمت سے بھی خاص تر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے پر ثواب و انعام کرنے کا ارادہ کرنا رحمت کہلائے گا۔ اور یہ ارادہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے قرب اور بلندی احوال سے مخصوص کرے۔ محبت کہلاتا ہے۔ (یہاں سے معلوم ہوا) کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی صفت دراصل ایک ہی صفت ہے۔ مگر اس کے نام اس کے متعلقات کے اعتبار سے بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا جب ارادہ کسی کو سزا دینے کے ساتھ متعلق ہو تو اُسے غضب کہا جائے گا۔ اور جب عام قسم کی نعمتیں عطا کرنے کے متعلق ہو تو اسے رحمت کہا جاتا ہے۔ اور جب مخصوص قسم کی رحمت کے ساتھ متعلق ہو تو محبت کہلاتا ہے۔

دوسرا قول بعض لوگ کہتے ہیں کہ حق سبحانہ، کا کسی بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق سبحانہ اس کی اچھی مدح و ثنا کرتا ہے۔ للہذا اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے۔

تیسرا قول کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنا اس کے فعل کی صفت ہے۔ للہذا یہ ایک مخصوص خداوندی احسان ہے جو اللہ تعالیٰ بندے پر کرتا ہے۔ اور ایک مخصوص حالت ہے جب تک اللہ تعالیٰ اُسے رفعت و بلندی دیتا ہے جس طرح کہ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندے پر رحمت جب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا انعام ساتھ ہی ہوتا ہے۔

چوتھا قول سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ان صفات میں سے ہے۔ جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ للہذا یہ لوگ اس لفظ کو مطلق طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مگر اس کی تفسیر سے توقف کرتے ہیں۔

ان چاروں قسموں کے علاوہ بندگانِ خدا کی صفت محبت سے جو کچھ بھی سمجھ آسکتا ہے مثلاً کسی چیز کی طرف میلان یا کسی چیز سے انس حاصل کرنا۔ یا ایسی حالت جسے ایک عاشق اس محبوب کے ساتھ پاتا ہے، جو مخلوق میں سے ہو ان تمام سے اللہ تعالیٰ جو قدیم ہے بالا ہے۔

اب رہا بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا تو یہ ایک حالت ہوتی ہے۔ جسے بندہ اپنے دل میں پاتا ہے۔ مگر اُسے عبارات اور الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بعض اوقات یہ حالت انسان کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی رضا کو ترجیح دینے پر مجبور کرتی ہے۔ اور اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ اس کی جدائی پر صبر نہ کر سکے۔ اور اس کی طرف جانے کا جوش پایا جائے۔ اور اس کے بغیر قرار حاصل نہ ہو اور دل سے ہمیشہ اس کا ذکر کرکے اُنس حاصل کیا جائے۔

بندہ کے دل میں حق سبحانہٗ کی جو محبت ہوتی ہے۔ اس میں جسمانی میلان مقصود نہیں ہوتا۔

اور نہ ہی اس کے حدود متعین ہوتے ہیں۔ کیونکہ حق سبحانہ اس بات سے منزہ ہے کہ جسمانی طور پر کوئی وہاں تک پہنچ سکے یا اسے پا سکے۔ یا اس کا احاطہ کر سکے۔ عاشق جو اپنے محبوب کی محبت میں مرمٹا ہو وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے متعلق کہا جائے کہ وہ کسی خط یا احاطہ کے اندر آ سکتا ہے۔ محبت کی نہ تو کوئی ایسی تعریف کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی ایسی حد مقرر کی جا سکتی ہے جو لفظ "محبت" سے زیادہ واضح اور فہم کے زیادہ قریب ہو۔ کسی بحث کو شرح و بسیط سے بیان کرنے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اس میں کوئی اشکال ہو۔ لیکن جب ابہام ہی اٹھ گیا تو بحث کی تشریح میں مبالغہ کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

۱۔ صوفیاء نے محبت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ لوگوں نے اس بات سے بھی بحث کی ہے۔ کہ اس کا لغوی مفہوم کیا ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ پاکیزہ اور صاف محبت کا نام حب ہے کیونکہ عرب حبب الاسنان بولتے ہیں اور اُن کی مراد دانتوں کی سفیدی اور تر و تازگی ہوتی ہے۔

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ سخت بارش کے وقت جو بلبلے اُٹھتے ہیں۔ انھیں حباب الماء کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر محبوب کی ملاقات کے جوش اور پیاس کے بھڑکنے کا نام محبت ہے۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حباب (بفتح الحاء) الماء سے ماخوذ ہے یعنی وہ مقام جہاں پانی زیادہ ہو لہذا اسے محبت اس لئے کہا گیا کہ دل میں جتنی اہم چیزیں ہیں۔ ان میں سب سے بڑا حصہ اسی کا ہوتا ہے۔

۴۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ لازم ہونے اور ثابت قدم رہنے کے معنوں میں آتا ہے۔ کیونکہ عربی کا محاورہ ہے۔ "احب البعیر" جب وہ بیٹھ جائے اور پھر نہ اُٹھے اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ عاشق کا دل کسی وقت بھی معشوق کے ذکر سے نہیں ہٹتا۔

۵۔ یہ حب لفظ بمعنی بالی سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

تبیت الحیۃ النضناض منہ ۔۔۔ مکان الحب یستمع السرارا

جہاں محبوب نے بالیاں پہن رکھی ہیں وہاں ایک زہریلا سانپ رات بھر رہتا ہے جو اسرار

کی باتیں سنتا رہتا ہے اور بالی کو حب یا تو اسلئے کہا گیا ہے کہ یہ کان سے چمٹی رہتی ہے ۔یا اس لئے کہ ہر وقت مضطرب رہتی ہے۔ یہ دونوں معنی محبت پر صحیح طور پر چسپاں ہوتے ہیں۔

۶۔ لفظ محبت حُبٌ سے ماخوذ ہے جو حبہ کی جمع ہے۔ اور حبۃ القلب دل کا وہ مقام ہے جس پر دل کا دارو مدار ہے۔ لہٰذا محبت کا نام اپنے محل کے نام پر رکھا گیا ہے۔

۷۔ حُبّ اور حَبّ ایک ہی چیز ہے جس طرح عُمر اور عَمر۔

۸۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ حِبّۃ (کسر حاء کے ساتھ) سے ماخوذ ہے جس کے معنی جنگلی بیج کے ہیں۔ چنانچہ جس طرح بیج نباتات کا مغز ہے۔ اسی طرح محبت بھی زندگی کا مغز ہے۔ اس لئے اس کا نام حُب رکھا گیا ہے۔

۹۔ کہتے ہیں کہ حُب ان چار لکڑیوں کو کہتے ہیں جن پر مٹکا رکھا جاتا ہے۔ محبت کو حُب اس لئے کہا گیا (جس طرح یہ لکڑیاں مٹکے کو برداشت کرتی ہیں) اسی طرح محبت محبوب کی طرف سے ہر عزت و ذلت کو برداشت کرتی ہے۔

۱۰۔ اس لفظ کی اصل وہ مٹکا (حب) ہے جس میں پانی ہوتا ہے۔ مٹکا اسے روکے رکھتا ہے۔ اس میں صرف اسی قدر پانی سما سکتا ہے جس سے وہ بھر جائے۔ (یعنی اس میں مزید پانی نہیں سما سکتا) اسی طرح جب کسی کی محبت سے دل بھر جاتا ہے تو پھر اس دل میں محبوب کے سوا کسی اور کے داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

محبت کی تعریف میں شیوخ صوفیاء کے اقوال

۱۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ مشتاق کے دل کے ساتھ دائمی میلان کا نام محبت ہے۔

۲۔ نیز کہا گیا ہے کہ محبوب کی خاطر تمام مال و دولت کو قربان کر دینا محبت ہے۔

۳۔ محبوب کی موجودگی اور عدم موجودگی میں محبوب کی موافقت کرنا محبت ہے۔

۴۔ عاشق کا معہ اپنی تمام صفات کے مٹ جانا اور محبوب کو اس کی ذات کے ساتھ ثابت کرنا محبت ہے۔

۵۔ دل کا اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق ہونا محبت ہے۔

۶۔ اس بات سے ڈرتے رہنا کہ کہیں احترام میں کمی نہ ہو، محبت کہلاتا ہے۔

محبت

۷۔ ابو یزیدؒ بسطامی فرماتے ہیں کہ اپنی کثیر چیز کو قلیل سمجھنا اور محبوب کی قلیل چیز کو کثیر سمجھنا محبت ہے۔

۸۔ سہل فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ تو اطاعت گذاری پر قائم رہے۔ اور (محبوب کی) مخالفت سے دُور رہے۔

۹۔ جنیدؒ سے محبت کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا: عاشق کا اپنی صفات کو اپنانا محبت ہے۔ اُن کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ محبوب کے ذکر کا غلبہ یہاں تک ہو کہ عاشق کے دل پر محبوب کے ذکر کے سوا کچھ نہ ہو اور اپنی صفات اور اُن کے احساس سے کُلیتہً غفلت ہو۔

۱۰۔ ابو علی رودباری فرماتے ہیں محبت کیا ہے؟ ایک موافقت (یعنی محبوب کی)

۱۱۔ ابو عبداللہ قرشی فرماتے ہیں کہ حقیقی محبت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کُلیتہً محبوب کے حوالے کر دے۔ یہاں تک کہ تیرے پاس اپنی ذات میں کچھ بھی نہ رہے۔

۱۲۔ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کو محبت اس لئے کہا گیا کہ یہ دل سے محبوب کے سوا تمام چیزوں کو محو کر دیتی ہے۔

۱۳۔ ابن عطاءؒ فرماتے ہیں محبت یہ ہے کہ تو محبت میں اپنے آپ کو ہمیشہ عتاب کرتا رہے۔

۱۴۔ میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سُنا کہ محبت کھلی لذت ہے، جبکہ حقیقت کے مقامات دہشت ناک ہیں۔

۱۵۔ انہی کو میں نے فرماتے سنا، محبت میں حد سے تجاوز کرنا عشق کہلاتا ہے۔ حق سبحانہ کی تعریف میں یہ کہنا روا نہیں کہ وہ حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا بھی روا نہ ہوگا کہ حق سبحانہ کو کسی سے عشق ہے۔ اور نہ ہی بندے کے متعلق کہنا روا ہے کہ وہ حق سبحانہ پر عاشق ہے۔ اس طرح دونوں طرف سے عشق کی نفی ہو جاتی ہے اور حق سبحانہ کے وصف میں اس لفظ کے استعمال کی کوئی صورت نہیں نہ حق کی طرف سے بندے کے عشق کے لئے اور نہ بندے کی طرف سے حق کے عشق کے لئے۔

۱۶۔ میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ منصور بن عبداللہ نے کہا کہ شبلی فرماتے تھے

کہ محبت یہ ہے کہ اگر کوئی اور تمہارے جیسا انسان محبوب سے محبت کرے تو تجھے غیرت آئے۔

۱۷۔ اور میں نے انہی سے سنا کہ ابو الحسین الفارسی نے کہا کہ ابن عطا نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ محبت وہ ٹہنیاں ہیں جنہیں دلوں میں لگایا جاتا ہے اور ان پر اُن کی عقلوں کے مطابق پھل آتا ہے

۱۸۔ میں نے انہی کو فرماتے سُنا کہ انھوں نے نصر آبادی کو سنا فرما رہے تھے ایک قسم کی محبت ہوتی ہے کہ اس سے خون بہنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ایک قسم کی محبت سے خون کا بہانا واجب ہو جاتا ہے۔

اور میں نے انہی سے سُنا کہ انھوں نے محمدؒ بن علی العلوی سے سنا کہ جعفر نے کہا کہ شمعون فرماتے ہیں کہ محبت کرنے والے دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کر گئے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المودّ مع من احب،

انسان اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اُسے محبت ہو۔ لہٰذا وہ اللہ کے ساتھ ہوئے

۱۹۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں حقیقی محبت وہ ہے جو جفا پر بھی کم نہ ہو۔

نیز فرمایا: اور محبت نیک برتاؤ اور احسان سے بڑھتی ہے۔

نیز فرمایا: جو شخص محبت کا دعویٰ کرے مگر محبت کی حدود کا لحاظ نہ رکھے۔ وہ سچا محب نہیں ہے۔

۲۰۔ جنیدؒ فرماتے ہیں: جب سچی اور صحیح محبت پیدا ہو جائے۔ تو پھر آداب کے شرائط ساقط ہو جاتے ہیں۔

اسی مفہوم کا ایک شعر میں نے استاد ابو علی کو پڑھتے سنا:

اذا صَفَتِ المَوَدَّۃُ بَیْنَ قَوْمٍ ۔۔۔ وَدَامَ وِدَادُهُمْ سَمُجَ الثَّنَاءُ

جب کسی قوم میں محبت پاک و صاف ہوتی ہے اور

پھر یہ محبت . . . . دائم رہے تو ایک دوسرے کی

تعریف کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ تو کسی مشفق باپ کو اپنے بیٹے سے کلام کرنے میں بخل کرتے نہ دیکھے گا۔ یہاں تک جب لوگ اس سے مخاطب ہو کر کلام کرتے ہوں۔ باپ کہہ اُٹھے گا

ارے فلاں!

۲۱۔ کتانی فرماتے ہیں: محبوب کی خاطر ایثار کرنے کا نام محبّت ہے۔

۲۲۔ میں نے محمد بن الحسین سے سُنا کہ ابو سعید الارجانی نے کہا کہ بندار بن الحسین فرماتے تھے کہ کسی نے مجنوں بن عامر کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا کہ اللہ نے مجھے معاف کر دیا۔ اور مجھے محبت کرنے والوں کے لئے حجت قرار دیا۔

۲۳۔ ابو یعقوب سوسی فرماتے ہیں: حقیقی محبت یہ ہے کہ انسان یہ بات بھول جائے کہ اللہ کے ہاں اس کا کتنا حصہ ہے۔ اور اللہ کی طرف اس کی کتنی حاجتیں ہیں۔

۲۴۔ حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں: حقیقی محبت یہ ہے۔ کہ تو اپنے تمام اوصاف کو بالائے طاق رکھ کر اپنے محبوب کے ساتھ قائم رہے۔

۲۵۔ مَیں نے ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ کو فرماتے سنا کہ نصر آبادیؒ سے کسی نے کہا کہ آپ کو محبت میں سے حصہ نہیں ملا، تو فرمایا: لوگ سچ کہتے ہیں۔ مگر مجھ پر محبّت کرنے والوں کی حسرتیں پائی جاتی ہیں اور انہیں میں مَیں جل رہا ہوں۔

انہی کو مَیں نے فرماتے سنا کہ نصر آبادیؒ فرماتے تھے۔ محبت یہ ہے کہ تو خواہ کچھ بھی ہو محبت کو ترک نہ کرے۔ اس کے بعد شعر پڑھنے لگے۔

وَ مَنْ کَانَ فِی طُوْلِ الْهَوٰی ذَاقَ سَلْوَةً ✽ فَاِنِّی مِنْ لَیْلٰی لَهَا غَیْرُ ذَائِقٍ

وَاَکْثَرُ شَیْءٍ نِلْتُهُ مِنْ وِصَالِهَا ✽ اَمَانِی لَمْ تَصْدُقْ کَلَمْحَةِ بَارِقٍ

جو شخص عشق کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے عشق کو ترک کر دیتا ہے (تو ترک کرتا رہے) مَیں تو لیلیٰ کے عشق کو ترک کرنے والا نہیں ہوں۔

مجھے اس کے وصال میں زیادہ سے زیادہ جو چیز ملی ہے۔ وہ صرف وہ امیدیں ہیں، جو ایک لمحہ کے لئے بھی پوری نہیں ہوتیں۔

۲۶۔ محمد بن فضل فرماتے ہیں: محبت یہ ہے محبوب کی محبت کے سوا ہر قسم کی محبت دل سے دور ہو جائے۔

۲۷۔ جنیدؒ فرماتے ہیں: محبت یہ ہے کہ خواہ تجھے محبوب سے کچھ بھی نہ ملے۔ پھر بھی تمہارا میلان اسی کی طرف رہے۔

۲۸۔ کہا جاتا ہے کہ محبوب کی طرف سے دل میں جو تشویش پیدا ہوتی ہے اسے محبت کہتے ہیں۔

۲۹۔ نیز کہا جاتا ہے کہ محبت ایک آزمائش ہے جو دل میں محبوب کی طرف سے واقع ہوتی ہے۔

۳۰۔ ابن عطاء نے یہ اشعار پڑھے:

غَرَسْتُ لِاَهْلِ الْحُبِّ غُصْنًا مِنَ الْهَوٰی ۔۔۔ وَلَمْ یَكُ یَدْرِیْ مَا الْهَوٰی اَحَدٌ قَبْلِیْ

فَاَوْرَقَ اَغْصَانًا وَاَیْنَعَ صَبْوَةً ۔۔۔ وَاَعْقَبَ لِیْ مُرًّا مِنَ الثَّمَرِ الْحُلْوِ

وَكُلُّ جَمِیْعِ الْعَاشِقِیْنَ هَوَاهُمُ ۔۔۔ اِذَا نَسَبُوْهُ كَانَ مِنْ ذَا لِكَ الْاَصْلِ

میں نے محبت والوں کے لئے عشق کی ٹہنی لگادی۔ مجھ سے پہلے کسی کو عشق کا پتہ نہ تھا۔ اس ٹہنی کو پتے لگے اور عشق کا پھل پکا۔ مگر مجھے میٹھے پھل میں سے کڑوا پن ہی ملا۔ اب تمام عشاق جب اپنے عشق کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی اصل اسی ٹہنی سے ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء دھوکا اور انتہا قتل ہے۔

محبت کا اثر

میں نے استاد ابو علی دقاق کو حبک الشئی یعمی ویصم کی تشریح کرتے ہوئے سنا کہ محبت اوروں سے تو غیرت کی وجہ سے اندھا کر دیتی ہے۔ اور محبوب سے اُس کی ہیبت کی وجہ سے۔

اس کے بعد انھوں نے یہ شعر پڑھا:

اِذَا مَا بَدَا لِیْ تَعَاظَمْتُهٗ ۔۔۔ فَاَصْدُرُ فِیْ حَالِ مَنْ لَمْ یَرِدْ

جب محبوب میرے سامنے ظاہر ہوتا ہے تو میں اُسے بہت عظیم خیال کرتا ہوں اور جب لوٹتا ہوں تو پہلی سی حالت ہوتی ہے (یعنی ہیبت کی وجہ سے مبہوت ہو جاتا ہوں اور محبوب کی ملاقات اور عدم ملاقات برابر ہوتی ہے۔)

۳۱۔ میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ احمد بن علی نے کہا کہ ابراہیم بن فاتک نے ان سے کہا کہ جنیدؒ کہتے ہیں کہ الحارث المحاسبی فرماتے تھے کہ محبت یہ ہے کہ تو ہمہ تن کسی چیز کی طرف مائل ہو جائے۔ پھر اپنا نفس روح اور مال سب اس پہ قربان کر دے۔ پھر ضروری ہے کہ ظاہر و باطن میں تو اس کی موافقت کرے۔ باایں ہمہ تو یہ خیال کرے کہ تو نے اس کی محبت میں کوتاہی کی ہے۔

۳۲۔ اور مَیں نے انہی سے سُنا کہ احمد بن علی نے اُن سے کہا عبّاس بن عصام نے کہا کہ جنیدؒ کا بیان ہے۔ سریؒ فرماتے تھے کہ دو شخصوں کے درمیان اس وقت تک صحیح محبت نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایک دوسرے کو "یَا اَنَا" کہہ کر نہ پکار سکیں۔

۳۳۔ شبلیؒ فرماتے ہیں: محبّ اگر خاموش ہو جائے تو ہلاک ہو جائے گا۔ اور عارف اگر خاموش نہیں رہے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔

۳۴۔ کہا گیا ہے کہ محبت دل میں ایک ایسی آگ ہوتی ہے جو محبوب کی مراد کے سوا سب کچھ جلا دیتی ہے۔

۳۵۔ نیز کہا گیا ہے کہ محبت یہ ہے کہ تو (اپنے محبوب کے لیئے) اپنی پُوری کوشش صرف کر دے۔ اور پھر محبوب کا جو دل چاہے کرتا رہے۔

۳۶۔ نوری فرماتے ہیں، محبت میں پردے پھٹتے اور راز کُھلتے ہیں۔

۳۷۔ ابویعقوب سوسی فرماتے ہیں: محبت صرف اسی وقت درست ہو سکتی ہے، جب محب اپنی محبّت کی طرف نہ دیکھے بلکہ اپنی محبّت کا علم مٹا کر اپنے محبوب کے دیدار کی طرف لگا رہے۔

۳۸۔ جعفرؒ فرماتے ہیں کہ سریؒ نے انھیں ایک رقعہ دیا اور فرمایا کہ یہ تمہارے لیئے سات سو قصوں یا کہانیوں سے بہتر ہے۔ جب کھولا تو اس رقعہ میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے:

وَلَمَّا ادَّعَیْتُ الْحُبَّ قَالَتْ کَذَبْتَنِی — فَمَا لِیْ اَرَی الْاَعْضَاءَ مِنْکَ کَوَاسِیَا

وَمَا الْحُبُّ حَتّٰی یَلْصَقَ الْقَلْبُ بِالْحَشَا — وَتَذْبُلَ حَتّٰی لَا تُجِیْبَ الْمُنَادِیَا

وَتَنْحَلَ حَتّٰی لَا یُبْقِیْ لَکَ الْهَوٰی — سِوَی مُقْلَةٍ تَبْکِیْ بِهَا وَتُنَاجِیَا

جب مَیں نے محبّت کا دعویٰ کیا تو محبوبہ کہنے لگی تو جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو تمہارے اعضا اسے چھپا نہ سکتے۔

محبت میں تو دل انتڑیوں کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ اور اتنا مرجھا جاتا ہے کہ پکارنے والے کو جواب تک نہیں دے سکتا۔

اور پھر تو اسقدر لاغر ہو جائے کہ محبت تمہارے لئے تمہاری آنکھوں کے سوا نہ چھوڑے

اسی کے ذریعہ تو رو دے اسی کے ذریعے سے تو بات کرے۔

ابن مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سمنون کو محبت پر گفتگو کرتے سنا تو اُس کے اثر سے مسجد کی تمام قندیلیں ٹوٹ گئیں۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا انھوں نے احمد بن علی سے سنا کہ ابراہیم بن فاتک فرماتے تھے کہ سمنون مسجد میں بیٹھے محبت پر گفتگو کر رہے تھے۔ اور میں سُن رہا تھا کہ ایک چھوٹا پرند آیا اور ان کے قریب ہو گیا۔ اور قریب ہوتے ہوتے اُن کے ہاتھ پر جا بیٹھا۔ اس کے بعد اُس نے زمین پر اپنی چونچ مارنی شروع کی تا آنکہ اس سے خون بہنے لگا۔ اُس کے بعد وہ مر گیا۔

۳۹۔ جنیدؒ فرماتے ہیں، ہر وہ محبت جو کسی غرض کے لئے ہے۔ جب وہ غرض جاتی رہے گی۔ تو محبّت بھی جاتی رہے گی۔

شبلیؒ پاگل خانہ میں کہتے ہیں کہ شبلیؒ کو پاگل خانہ میں بند کر دیا گیا تو کچھ لوگ اُن کے پاس آئے۔ شبلیؒ نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا ہم تمہارے محب ہیں اس پر شبلیؒ نے اُن پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ اور وہ بھاگ گئے۔ یہ حال دیکھ کر شبلی نے کہا، اگر تم میری محبّت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری تکلیف پر بھی صبر کرو۔

شبلیؒ نے یہ قطعہ پڑھا:۔

يَا اَيُّهَا السَّيِّدُ الْكَرِيمُ ... حُبُّكَ بَيْنَ الْحَشَا مُقِيمُ
يَا رَافِعَ النَّوْمِ عَنْ جُفُوْنِي ... اَنْتَ بِمَا مَرَّ بِي عَلِيمُ

اے سیّد اور کریم میری محبّت میرے تن وحش میں مقیم ہے۔

اے محبوب! جس نے میری آنکھوں سے نیند اُڑا دی ہے تجھے معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گذری۔

یحییٰ اور ابو یزید میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا، انھوں نے منصور بن عبداللہ سے سنا کہ النہر جوری نے کہا کہ علی بن عبید فرماتے تھے کہ یحییٰ بن معاذؒ نے ابو یزید کو لکھا کہ میں اللہ کی محبت کے بہت سے پیالے پینے سے نشہ میں

ہوں۔ اس کے جواب میں ابوُیزید نے لکھا: تمہارے سوا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمینوں کے سمندر پی لیے مگر پھر بھی سیر نہیں ہوئے۔ اور ان کی زبان (پیاس کے مارے) باہر نکلی ہوئی ہے۔ ھل من مزید کہہ رہے ہیں۔

صُوفیاء محبت کے متعلق یہ اشعار بھی پڑھتے ہیں:

عَجِبْتُ لِمَنْ یَقُولُ ذَکَرْتُ اِلٰفِیْ ۔۔۔ وَھَلْ اَنْسٰی فَاَذْکُرَ مَا نَسِیْتُ

اَمُوْتُ اِذَا ذَکَرْتُکَ ثُمَّ اَحْیَا ۔۔۔ وَلَوْلَا حُسْنُ ظَنِّیْ مَا حَیِیْتُ

فَاَحْیٰی بِالْمُنٰی وَاَمُوْتُ شَوْقًا ۔۔۔ فَکَمْ اَحْیَا عَلَیْکَ وَکَمْ اَمُوْتُ

شَرِبْتُ الْحُبَّ کَاْسًا بَعْدَ کَاْسٍ ۔۔۔ فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِیْتُ

مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے محبوب کو یاد کیا۔ اور میں تو اُسے کبھی بھُولتا ہی نہیں ہوں۔ کہ یاد کرنے کی ضرورت پڑے۔

اے محبوب! جب تمہارا ذکر کرتا ہوں تو مر جاتا ہوں اور پھر زندہ ہو جاتا ہوں اگر میرا حسنِ ظن نہ ہوتا تو زندہ بھی نہ ہوتا۔

میں آرزو سے زندہ ہوتا ہوں اور شوق سے مرتا ہوں۔ میں کب تک مرتا اور زندہ ہوتا رہوں گا۔ میں نے محبت کے پیالے پر پیالے پیئے مگر نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیر ہوا۔

وحیِ عیسیٰ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب میں کسی بندے کے دل کی طرف دیکھتا ہوں اور اس میں دنیا اور آخرت کی محبت نہیں پاتا تو اسے اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی: کسی ایک آسمانی کتاب میں ہے۔ اے میرے بندے! تمہاری قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں تجھے میری قسم تو بھی مجھ سے محبت کر۔"

۴۷۔ جسے محبت میں سے کچھ حصّہ ملا ہو اور اُسے خوفِ خدا میں سے اسی قدر حصّہ نہ ملا ہو تو وہ شخص دھوکا کھائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ محبت تمہارا نشان مٹا دیتی ہے۔

۴۱۔ کہا جاتا ہے کہ محبت میں ایک ایسی مستی ہے جس سے انسان محبوب کے مشاہدہ کے بغیر ہوش میں نہیں آتا۔ پھر محبوب کے مشاہدہ سے جو مستی حاصل ہوتی ہے اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

فَاَسکر القوم دور کاس   وکان سکری من المدیر

لوگ تو پیالے کے دور سے مست ہونے لگے مگر میری مستی دور دینے والے سے تھی۔

استاد ابو علی دقاقؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:۔

لِی سَکْرَتَانِ وَلِلنَّدْمَانِ وَاحِدَۃ   شَیْءٌ خُصِصْتُ بِہٖ مِنْ بَیْنِھِمْ وَحْدِیْ

مجھے دو مستیاں ہیں (ایک شرابِ محبت کی اور ایک محبوب کی) جبکہ اور ندیموں کو ایک ہی مستی ہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف مجھے ہی حاصل ہے۔

۴۲۔ ابنِ عطاؒ کہتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ تو ہمیشہ اپنے آپ کو عتاب کرتا رہے۔

ایک لونڈی کا قصہ

استاد ابو علی دقاقؒ کی ایک لونڈی تھی جس کا نام فیروز تھا۔ انھیں اس لونڈی سے محبت تھی۔ کیونکہ اس نے اُن کی بڑی خدمت کی تھی۔ میں نے استاد کو فرماتے سنا کہ ایک دن فیروز مجھے دکھ دے رہی تھی اور زبان درازی کر رہی تھی۔ تو ابو الحسن قاری نے اُسے کہا: تو اس بوڑھے آدمی کو کیوں دکھ دے رہی ہے؟ تو اُس نے جواب میں کہا: اس لئے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔

۴۳۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں محبت اگر رائی بھر بھی ہو تو مجھے وہ ستر سالہ ایسی عبادت سے جو بغیر محبت کے ہو زیادہ محبوب ہے۔

ایک نوجوان کا واقعہ

کہتے ہیں کہ ایک نوجوان نے عید کے دن لوگوں کو کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور کہا:

من مات عشقاً فلیمت ھکذا   لا خیر فی عشق بلا موت

جو عشق سے مرنا چاہتا ہے وہ اس طرح مرے. عشق بغیر موت کے بے سود ہے۔
اور اس نے ایک بلند چھت سے اپنے آپ کو گرا دیا. اور گر کر مر گیا.

ایک ہندی کا عشق

کہتے ہیں کہ ایک ہندی کسی لڑکی پر عاشق ہو گیا. لڑکی نے کوچ کا ارادہ کیا تو وہ شخص اس کی مشایعت کے لئے نکلا۔ اسو قت اس کی ایک آنکھ سے آنسو نکلے اور دوسری سے نہ نکلے. . . . . جس آنکھ سے آنسو نہیں نکلے تھے اُس نے اس آنکھ کو چوراسی سال تک بند رکھا. اور سزا کے طور پر اُسے نہیں کھولا. کیونکہ اُس نے اُس کی محبوبہ پر آنسو نہیں بہائے تھے۔

اسی مفہوم کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

بَکَتْ عَیْنِیْ غَدَاۃَ الْبَیْنِ دَمْعًا ۔۔۔ وَاُخْرٰی بِالْبُکَا بَخِلَتْ عَلَیْنَا

فَعَاقَبْتُ الَّتِیْ بَخِلَتْ بِدَمْعٍ ۔۔۔ بِاَنْ غَمَّضْتُھَا یَوْمَ الْتَقَیْنَا

محبوب کی جدائی کے دن میری ایک آنکھ نے آنسو بہائے اور دُوسری نے کوئی آنسو نہیں بہایا. لہٰذا جس آنکھ نے کوئی آنسو نہیں بہایا تھا. مَیں نے اُسے یہ سزادی کہ محبوب کی ملاقات کے دن مَیں نے اسے بند رکھا۔

ایک صوفی بیان کرتے ہیں کہ ہم ذوالنون مصریؒ کے پاس تھے تو محبت کا ذکر چھڑ گیا. ذوالنونؒ نے فرمایا: اس مسئلہ کا ذکر مت کرو کہیں ایسا نہ ہو لوگ سُن کر اس کا دعویٰ کر بیٹھیں. پھر یہ قطعہ پڑھا:

اَلْخَوْفُ اَوْلٰی بِالْمُسِیْئِ ۔۔۔ اِذَا تَاَلَّہَ وَالْحَزَنُ

وَالْحُبُّ یَجْمُلُ بِالتَّقِیِّ ۔۔۔ وَبِالنَّقِیِّ مِنَ الدَّرَنِ

جب بدکردار انسان عبادت گزار ہو جائے۔ تو اس کے لئے خوف وغم بہتر ہے.
محبت تو اُن لوگوں کو اچھی لگتی ہے جو پرہیزگار ہوں اور ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہوں.
یحیٰی بن معاذ فرماتے ہیں، جو شخص نااہل لوگوں میں محبت کا ذکر کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

ایک شخص کی محبت کا قصہ

کہتے ہیں کہ ایک شخص کہا کرتا تھا کہ وہ فلاں کی محبت میں مر رہا ہے تو اُس نوجوان نے (جس کی محبت میں وہ مرنے کا دعویٰ کرتا تھا) کہا یہ کیسے ؟ حالانکہ یہ میرا بھائی مجھ سے زیادہ خوبرو ہے ۔ اور خوبصورت ہے ۔ یہ سُن کر اُس شخص نے اس کے بھائی کو دیکھنے کے لئے سر اُٹھایا ۔ اس وقت عاشق و معشوق دونوں چھت پر تھے ۔ محبوب نے عاشق کو چھت پر سے نیچے پھینک دیا ۔ اور کہا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے ، جو دعویٰ تو میری محبت کا کرے ، مگر کسی اور کی طرف دیکھے ۔

معرفت افضل ہے یا محبت

سمنون محبت کو معرفت سے افضل سمجھتے تھے ۔ لیکن اکثر مشائخ معرفت کو محبت پر فضیلت دیتے ہیں ۔

معرفت کی تعریف

محققین کے نزدیک محبت اپنے آپ کو لذت میں ہلاک کرنے کا نام ہے ۔ اور معرفت یہ ہے کہ حیرت کی حالت میں محبوب کا مشاہدہ ہو اور ہیبت میں فنا ہو جائے ۔

جنید کا حج کے موقعہ پر محبت کی تشریح کرنا

ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں حج کے موسم میں محبت پر بحث چھڑ گئی ۔ شیوخ صوفیاء نے اس پر تقریریں کیں ۔ جنیدؒ سب سے چھوٹی عمر کے تھے ۔ مشائخ نے جنیدؒ سے کہا اے عراقی ! تو بھی کچھ بیان کر ۔ اس پر جنید نے سر جھکایا اور رونے لگ گئے ۔ پھر یوں کہا ۔

ایک بندہ ہے جو اپنے آپ کو کھو چکا ہے ۔ اپنے رب کا لگاتار ذکر کرتا ہے اور اُس کے حقوق برابر ادا کئے جا رہا ہے اور دل کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ رہا ہے ۔ ذاتِ خداوندی کے انوار نے اسے جلا دیا ہے اور اس کی محبت کے پیالوں سے اُس نے صاف شراب پی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیب سے اس کے لئے پردے اُٹھا دیئے ہیں ۔ لہٰذا یہ شخص جب گفتگو کرے گا ۔ تو اللہ کی مدد سے گفتگو کرے گا اور اگر حرکت کرے گا تو اسی کے حکم سے اور اگر ساکن ہو گا تو اللہ کے

حکم سے۔ لہٰذا یہ شخص اللہ کے ساتھ اللہ کے لئے اور اللہ کی معیّت میں ہو گا۔

یہ سُن کر تمام شیوخ رو پڑے اور کہا کہ اس پر کچھ اضافہ نہیں ہو سکتا؟ خدا تیری حالت درست کرے۔ اے تاج العارفین!

وحی داؤد علیہ السلام

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے داؤد! جب تک کسی اور کی محبت کسی دل میں پائی جاتی ہو اس وقت تک میں نے اس بات کو حرام قرار دے دیا ہے۔ کہ میری محبت اس دل میں داخل ہو۔

ہم سے حمزہ ابن یوسف السہمی نے کہا کہ محمد بن احمد بن القاسم (۱۱۶۱) نے ان سے کہا کہ ہمیم بن ہمام (۱۱۶۲) نے انھیں بتایا کہ ابراہیم ابن الحرث (۱۱۶۳) نے اُن سے کہا کہ عبدالرحمٰن بن عثمان (۱۱۶۴) نے بیان کیا کہ محمد بن ایوب (۱۱۶۵) نے کہا: مجھ سے ابو العباس خادم الفضیل بن عیاض نے کہا کہ فضیل کو احتباسِ بول کی بیماری لگ گئی تو انھوں نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی۔

اے اللہ! تجھے میری محبت کی قسم کہ میرا پیشاب کھول دے۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ ابھی ہم وہیں تھے کہ اُنھیں شفا ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ محبت میں ایسی جان نثاری ہونی چاہیئے جیسی عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) میں تھی۔ کیونکہ جب یوسفؑ کی محبت انتہا کو پہنچ گئی تو بول اُٹھی۔

اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اور یہ سچ کہتا ہے)

حالانکہ شروع میں اُسی نے یوں کہا تھا:

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

جو تمہاری بیوی کے ساتھ بُرا فعل کرنے کا ارادہ رکھے اُس کی یہی سزا ہے کہ یا تو قید کر دیا جائے یا سخت سزا دی جائے۔

زلیخا نے پہلے تو جرم یوسف کے ذمے لگایا مگر بالآخر اُس نے اپنے آپ کو خائن قرار دیا۔

میں نے یہ تشریح استاد ابو علی دقاقؒ سے سُنی ہے۔

ابو سعید خرازؒ سے حکایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے معاف کیجئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے اسقدر مشغول کر رکھا ہے کہ آپ کی محبت کی طرف دھیان نہیں آتا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے برکت والے انسان! جس نے اللہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔

رابعہ کی مناجات کہتے ہیں کہ رابعہ نے مناجات میں کہا: یا الٰہی! تو کیا اس دل کو دوزخ کی آگ میں جلائے گا۔ جو تجھ سے محبت کرتا ہو؟ ہاتف نے جواب دیا: ہم ایسا نہیں کرتے۔ تو ہم پر بدگمانی نہ کر۔

کہتے ہیں کہ حُبّ میں دو حرف ہیں۔ ح اور ب جن میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص محبت کرے اُسے اپنی روح اور بدن دونوں سے نکل آنا چاہیے۔

لفظ محبت کے استعمال میں صوفیا کا گویا اس بات پر اجماع ہے کہ محبت محبوب سے موافقت کرنے کو کہتے ہیں اور سب سے زوردار موافقت وہ ہے جو دل سے ہو۔ نیز یہ ہے کہ محبت سے مباینت کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ محب تو ہر لحظہ اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔ حدیث میں اس طرح آیا ہے۔

ہم سے امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم سے قاضی احمد بن محمود بن خرزاذ نے کہا کہ الحسین بن حماد بن فضالۃ نے کہا کہ یحییٰ بن حبیب[۱۶۹] نے بتایا کہ مرحوم ابن عبد العزیز[۱۱۱] نے سفیان ثوری سے روایت کی کہ الاعمش نے ابی وائل سے اور انھوں نے ابو موسیٰ الاشعری سے سُنا کہ:

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی کہ ایک شخص کچھ ایسے لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ جن سے ابھی اُس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ (اس کے متعلق کیا حکم ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المرءُ مع من احبّ۔ انسان انہی لوگوں کے ساتھ ہے، جن سے اس کی محبت ہو۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ عبداللہ الرازی نے اُن سے کہا کہ ابوعثمان الحیری نے کہا کہ ابوحفص فرماتے تھے احوال صوفیہ کی اکثر خرابی کا باعث تین چیزیں ہیں۔ (۱) عارفین کا فسق (۲) محبین کی خیانت (۳) مریدین کا کذب۔

ابوعثمان فرماتے ہیں: عارفین کا فسق یہ ہے کہ عارف اپنی نگاہ زبان اور کانوں کو دنیا کے اسباب اور منافع کی طرف لگائے۔ محبین کی خیانت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو آئندہ آنے والے حالات کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر ترجیح دیں۔ اور مریدین کا کذب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دیدار پر مخلوق کا ذکر اور ان کا دیدار غالب آگیا ہو۔

اور میں نے انہی سے سنا کہ ابوبکر الرازی نے اُن سے کہا کہ ابوالقاسم الجوہری نے اُن سے کہا کہ ابوعلی ممشاد بن سعید العکبری فرماتے تھے۔ کہ ایک نر ابابیل نے مادہ ابابیل کو پھانسنا چاہا۔ دونوں سلیمان علیہ السلام کے گنبد میں تھے۔ مادہ نے بات نہ مانی۔ تو کہنے لگا۔ تو میرا کہنا کیوں نہیں مانتی، میں اگر چاہوں تو گنبد کو تہ و بالا کردوں۔ سلیمان علیہ السلام نے اُسے بُلا کر پوچھا یہ بات تو نے کیوں کہی؟ تو اس نے جواب دیا یا نبی اللہ! عشاق کو اُن کی بات پر مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اس پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، تو سچ کہتا ہے۔

(۱۶۸)

۴۷۔ شوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے (اُسے معلوم ہونا چاہیئے) کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آنے والا ہے۔

دُعا | ہم سے علی ابن احمد بن عبدان الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید البصری نے اُن سے، ابن ابی تماش سے۔ اُن سے اسمٰعیل بن زرارہ نے کہا کہ میں نے حماد بن یزید سے سُنا کہ عطاء بن السائب نے (۱۶۹) اور اُن سے اُن کے باپ نے کہا کہ عمار بن یاسر نے

نماز پڑھائی اور اس میں اختصار کیا تو میں نے کہا۔ اے ابوالیقظان! تو نے نماز میں تخفیف کر دی؟ انھوں نے جواب دیا: کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ میں نے نماز میں وہ دعا مانگی ہے۔ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی۔ جب وہ اُٹھ کر روانہ ہوئے۔ تو ایک آدمی اُن کے پیچھے ہو لیا۔ اور اس نے عمار سے پوچھا کہ وہ دُعا کون سی ہے؟ عمار نے بتایا وہ دُعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِکَ عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیَاۃَ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ مَا عَلِمْتَ الْوَفَاۃَ خَیْرًا لِّیْ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَشْیَتَکَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ وَاَسْئَلُکَ کَلِمَۃَ الْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاَسْئَلُکَ الْقَصْدَ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَاَسْئَلُکَ نَعِیْمًا لَّا یَبِیْدُ وَقُرَّۃَ عَیْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَاَسْئَلُکَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْئَلُکَ النَّظَرَ اِلٰی وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ شَوْقًا اِلٰی لِقَائِکَ فِیْ غَیْرِ ضَرَّاءَ وَلَا فِتْنَۃٍ مُّضِلَّۃٍ اَللّٰھُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا ھُدَاۃً مُّھْتَدِیْنَ۔

ترجمہ:۔ خدایا! تجھے تیرے علم غیب اور اس قدرت کا واسطہ جو مخلوق پر ہے۔ کہ تو مجھے اُس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ تو زندگی کو میرے لئے بہتر خیال کرے اور جب تو یہ خیال کرے کہ اب وفات میرے لئے بہتر ہے۔ تو مجھے موت دے۔ خدایا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنا خوف عطا کر، خواہ میں لوگوں سے غائب ہوں یا حاضر۔ نیز یہ کہ مجھے خوشی اور غضب دونوں حالتوں میں حق بات کہنے کی توفیق عطا کر۔ نیز یہ کہ مالداری اور فقر میں تو مجھے درمیانہ روی کی توفیق دے۔ خدایا! میں تجھ سے ایسی نعمتیں مانگتا ہوں جو ہلاک نہ کر ڈالیں۔ اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک چاہتا ہوں جو منقطع ہونے والی نہ ہو۔ قضا کے بعد رضا چاہتا ہوں۔ اور موت کے بعد ٹھنڈی زندگی۔ خدایا! تو مجھے اپنا دیدار نصیب کر۔ اور اپنی ملاقات کا شوق عطا کر کہ اس میں نہ کوئی مضرت ہو۔ اور نہ گمراہ کرنیوالا فتنہ۔ خدایا! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین کر دے۔ اور ہمیں ایسا راہنما بنا کہ ہم خود بھی ہدایت یافتہ ہوں۔

شوق کی تعریف

۱۔ استاد فرماتے ہیں: محبوب کی ملاقات کے لئے دلوں کا جوش مارنا شوق کہلاتا ہے چنانچہ جسقدر زیادہ کم محبت ہو گی اسی قدر شوق بھی ہو گا۔

۲۔ مَیں نے استاد ابو علی دقاق کو سنا وہ فرماتے تھے کہ شوق اور اشتیاق میں فرق ہے۔ کیونکہ شوق تو محبوب کی ملاقات اور دیدار سے مدھم پڑ جاتا ہے مگر اشتیاق ملاقات سے زائل نہیں ہوتا۔ اس کی تائید میں یہ شعر پیش کیا گیا ہے:

مَا يَرْجِعُ الطَّرْفُ عنه عند رؤيته حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ الطَّرْفُ مُشْتَاقًا

اشتیاق کی وجہ سے محبوب کے دیدار کے وقت نگاہ اس سے ہٹتی ہی نہیں کہ اس کے دوبارہ لوٹنے کا سوال پیدا ہو۔

۳۔ مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ نصر آبادی فرماتے تھے مقام شوق تو تمام مخلوق کو حاصل ہے، مگر انھیں مقام اشتیاق حاصل نہیں جو اشتیاق کی حالت میں داخل ہو گیا۔ پھر وہ اسی میں سرگرداں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نہ کوئی نشان ملتا ہے۔ اور نہ قرار۔

۴۔ کہتے ہیں کہ احمد بن حامد الاسود نے عبداللہ بن مبارک[(۱۱۴۳)] کے پاس آکر کہا: مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ ایک سال تک مر جائیں گے۔ اب آپ اس کے لئے تیاری کر لیں۔ اس پر عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا: تو نے تو مجھے لمبی مہلت دے دی کہ میں ایک سال تک زندہ رہوں گا۔ مجھے تو اس شعر سے انس ہے جو مَیں نے ابو علی ثقفی سے سنا تھا۔

يَا مَنْ شَكَا شَوْقَهٗ مِنْ طُوْلِ فُرْقَتِهٖ اِصْبِرْ لَعَلَّكَ تَلْقٰى مَنْ تُحِبُّ غَدًا

اے وہ شخص اپنی طویل جدائی کی وجہ سے شوق کی شکایت کرنیوالا ہے صبر کرو ہو سکتا ہے کہ کل ہی تمہارے محبوب سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔

۵۔ ابو عثمان فرماتے ہیں: شوق کی نشانی یہ ہے کہ انسان راحت کے ہوتے ہوئے موت سے محبت رکھے۔

۶۔ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں شوق کی علامت یہ ہے کہ انسان کے اعضا اپنی خواہشات چھوڑ دیں۔

داؤد علیہ السلام کا واقعہ میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ایک دن داؤد علیہ السلام اکیلے کسی جنگل کو نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بذریعہ وحی فرمایا: اے داؤد تو اکیلا کیوں ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یا الٰہی! میں دل سے تمہاری ملاقات کا مشتاق ہوں۔ مگر مخلوق اس میں حائل ہو جاتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُن کی طرف لَوٹ جا، کیونکہ اگر تو کسی نافرمان بندے کو میری طرف لے آئے گا تو لوحِ محفوظ میں تمہارا نام جہبذ (پرکھنے والا) لکھا جائے گا۔

ایک اور واقعہ کہتے ہیں کہ ایک بڑھیا کا کوئی رشتہ دار سفر سے آیا تو اس کی قوم نے بہت خوشی منائی۔ مگر بڑھیا روتی رہی۔ لوگوں نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی اس آدمی کی آمد نے مجھے وہ دن یاد دلایا ہے جس دن ہم اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

۷۔ ابنِ عطاؒ سے شوق کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: شوق یہ ہے۔ کہ انتڑیاں جلیں، دل شعلہ زن ہو اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

ایک بار پھر اُن سے شوق کے متعلق سوال کیا گیا کہ آیا شوق زیادہ بلند چیز ہے یا محبت۔ تو فرمایا: محبت اعلیٰ ہے، کیونکہ شوق اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

۸۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ شوق ایک شعلہ ہے جو انتڑیوں میں جدائی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور جب ملاقات ہو جاتی ہے تو بجھ جاتی ہے۔ اور جب محبوب کا مشاہدہ باطن پر غالب آ جاتا ہے تو پھر باطن میں شوق داخل نہیں ہوتا۔

۹۔ کسی صوفی سے پوچھا گیا: کیا تجھے اشتیاق ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ کیونکہ شوق تو غائب کی طرف ہوتا ہے اور اللہ تو حاضر ہے۔

میں نے استاد ابو علی کو اللہ تعالیٰ کے زمان وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى کے یا الٰہی! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی تاکہ تو مجھ سے راضی ہو جائے

متعلق فرماتے سنا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شوق کی وجہ سے میں نے تمہاری طرف آنے میں جلدی کی۔ مگر لترضیٰ کا لفظ لاکر اس پر پردہ ڈالا جا رہا ہے۔

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ باوجود عافیت کے موت کی تمنا کرنا شوق کی علامات میں سے ہے۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کہ جب اُن کو کوئیں میں ڈالا گیا تو انھوں نے موت کی درخواست نہیں کی۔ قید خانہ میں گئے تب بھی موت کی درخواست نہیں مگر جب اُن کے والدین اُن کے پاس آئے بھائی سجدے میں گر گئے۔ اور اُن کی حکومت اور خداوندی نعمتیں مکمل ہو گئیں تو کہا توفنی مسلماً۔ مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے۔

اسی سلسلہ میں یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

نَحْنُ فِی اَکْمَلِ السُّرُوْرِ وَلٰکِنْ لَیْسَ اِلَّا بِکُمْ یَتِمُّ السُّرُوْرُ

عَیْبُ مَا نَحْنُ فِیْہِ یَا اَھْلِ وُدِّیْ اَنْتُمْ غُیَّبٌ نَحْنُ حُضُوْرُ

ہمیں کامل ترین خوشی حاصل ہے۔ مگر اُس کی تکمیل تمہارے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اے میرے دوست ہماری موجودہ کیفیت میں جو کمی ہے وہ صرف اس بات کی ہے کہ تم غیر حاضر ہو۔ اور ہم حاضر ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ دو شعر بھی پیش کئے جاتے ہیں :۔

مَنْ سَرَّہُ الْعِیْدُ الْجَدِیْدُ فَقَدْ عَدِمْتُ بِہِ السُّرُوْرَا

کَانَ السُّرُوْرُ یَتِمُّ لِیْ لَوْ کَانَ اَحْبَابِیْ حُضُوْرًا

کسی کو نئی عید آنے سے خوشی ہوتی ہے لیکن میں نے تو اس کی وجہ سے خوشی کو معدوم پایا ہے۔ میری خوشی تو اُس وقت پوری ہوتی جب میرے احباب بھی موجود ہوتے۔

ابن خفیف کا قول ابن خفیف کہتے ہیں : وجد کے ساتھ دل کی خوشی اور محبوب کی ملاقات کے قرب کی محبت کا نام شوق ہے۔

ابویزید کا قول ابویزید فرماتے ہیں : اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر جنت میں اللہ تعالیٰ انھیں اپنے دیدار سے محجوب رکھے۔ تو وہ جنت سے بچنے کی

اسی طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی دوزخ سے بچنے کی کریں گے۔

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا کہ اُن سے ابوالعباس الہاشمی نے بیضاء میں کہا کہ محمد بن عبداللہ الخزاعی نے اُن سے کہا کہ عبداللہ الانصاری نے کہا کہ مَیں نے الحسین الانصاری سے سنا فرماتے تھے۔ کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت برپا ہے۔ اور ایک شخص عرش کے نیچے کھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ یہ کون ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: اللہ کو بہتر معلوم ہے۔ اللہ فرماتا ہے: یہ معروف کرخی ہے۔ یہ میری محبت میں مدہوش ہے۔ اب وہ میری ملاقات کئے بغیر ہوش میں نہیں آسکتا۔

ایک اور حکایت میں اسی قسم کا خواب مذکور ہے۔ البتہ وہاں یوں ذکر ہے کہ یہ معروف کرخی ہے۔ یہ دنیا سے اللہ کے اشتیاق میں نکل کر آیا۔ لہٰذا اللہ نے بھی اُسے اجازت دے دی۔ کہ وہ اس کو دیکھ لے۔

۱۰۔ فارس کہتے ہیں، مشتاقوں کے دل اللہ کے نور سے منور رہتے ہیں اور جب اُن کا اشتیاق حرکت میں آتا ہے۔ تو اُن کے نور سے آسمان اور زمین کے درمیان تمام فضا روشن ہو جاتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرماتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں میرا اشتیاق ہے۔ میں تمہیں گواہ رکھتا ہوں کہ مجھے اُن کا اُن سے بھی زیادہ شوق ہے۔

۱۱۔ میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: اَسْاَلُکَ الشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ۔ (میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی ملاقات کا شوق عطا کر) کی تشریح میں فرماتے سنا کہ شوق کے ایک سو اجزا ہیں۔ ان میں سے ننانوے اللہ کے لئے ہیں۔ اور ایک جزو تمام لوگوں میں بٹا ہوا ہے۔ اللہ نے چاہا کہ یہ جزو بھی اسی کے لئے ہو لہٰذا اُسے غیرت آئی۔ کہ کہیں شوق کا شمہ بھر بھی کسی اور کے لئے نہ رہے کہا گیا ہے کہ اہل قربت کا شوق محجوبین کے شوق سے زیادہ تام ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے:-

وَاَبْرَحُ مَا یَکُوْنُ الشَّوْقُ یَوْمًا — اِذَا دَنَتِ الْخِیَامُ مِنَ الْخِیَامِ

جس دن ہمارے خیمے محبوبہ کے خیموں کے قریب آ جائیں تو اس وقت شوق اور زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

۱۲۔ کہا جاتا ہے کہ جب موت وارد ہوتی ہے تو مشتاق لوگ اس کی حلاوت کے گھونٹ بھرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات اُن کے لئے منکشف کر دی گئی ہے۔ کہ محبوب کے وصل کی خوشی شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔

۱۳۔ مَیں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا، جعفر نے کہا: جنید فرماتے تھے۔ کہ مَیں نے سری کو فرماتے سنا کہ شوق عارف کے لئے ایک جلیل القدر مقام ہے۔ بشرطیکہ وہ اس میں راسخ ہو چکا ہو۔ اور جب وہ شوق میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس وقت اُن تمام اشیاء سے غافل ہو جاتا ہے جو اُسے اپنے محبوب سے ہٹائے رکھتے ہیں۔

۱۴۔ ابوعثمان حیری اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ" (اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مدت آکر رہے گی) کے متعلق فرماتے ہیں اس آیت میں مشتاقوں کو تسلّی دی گئی ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ تم پر میرا اشتیاق غالب آ چکا ہے۔ اور مَیں نے تمہاری ملاقات کے لئے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے تم عنقریب اس خدا کے پاس پہنچ جاؤ گے جس کی ملاقات کا تمہیں اشتیاق ہے۔

کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو کہہ دو کہ تم مجھے چھوڑ کر اَوروں کی طرف کیوں مشغول ہوتے ہو۔ حالانکہ مَیں تمہارا مشتاق ہوں۔ یہ جفا کیسی؟

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داوُد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اگر وہ لوگ جو مجھ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یہ جان لیں کہ میں اُن کا کیسے انتظار کر رہا ہوں، اور ان پر کیسے مہربانی کرنے والا ہوں اور اُن کی معصیت کاریوں کو کیسے چھوڑ دیتا ہوں تو وہ میرے شوق سے مر جائیں اور اُن کے جوڑ میری محبت کی وجہ سے منقطع ہو جائیں۔ اے داؤد!

یہ میرا ارادہ اُن لوگوں کے متعلق ہے جو مجھ سے منہ موڑتے ہیں۔ جو لوگ میری طرف آتے ہیں اُن کے ساتھ میرا ارادہ کیسا ہوگا؟

کہتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے: ہم نے تمہیں شوق دلایا مگر تم مشتاق نہ ہوئے ہم نے تمہیں ڈرایا مگر تم نہ ڈرے۔ ہم نے تمہاری خاطر نوحہ کیا مگر تم نے نہ کیا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا: شعیب علیہ السلام اسقدر روئے کہ اُن کی بینائی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی انھیں پھر واپس دے دی۔ پھر روتے رہے یہاں تک کہ پھر بینائی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بینائی دے دی۔ پھر روئے۔ یہاں تک کہ پھر بینائی چلی گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی کی کہ اگر یہ رونا جنت کی خاطر ہے تو میں نے تم کو جنت دے دی۔ اور اگر دوزخ کی وجہ سے ہے تو میں نے تم کو اس سے پناہ دے دی۔ شعیب علیہ السلام نے عرض کیا: نہیں بلکہ میرا یہ رونا تو آپ کے اشتیاق میں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کہا: اسی لئے تو میں نے اپنے نبی اور کلیم سے دس سال آپ کی خدمت کرائی۔

کہتے ہیں جسے اللہ کا شوق ہو ہر چیز اس کی مشتاق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کو تین شخصوں کا اشتیاق ہوا۔ علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ کا۔

میں نے استاد ابو علی کو فرماتے سنا کہ ایک صوفی کا قول ہے کہ میں شوق میں داخل ہوتا ہوں تو اشیاء میری مشتاق ہو جاتی ہیں جالانکہ میں ان سب سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔ سنا کہ عبداللہ بن جعفرؒ نے کہا کہ محمد بن عمر الرملی نے الی سے کہا کہ میں نے سنا شیخ ابو عبدالرحمن سے محمد بن جعفر الامام نے کہا کہ میں اسحٰق بن ابراہیم سے سنا کہ مرحوم نے کہا کہ انھوں نے مالک بن دینار سے سنا وہ فرماتے تھے کہ تورات میں ہے یوں پڑھا ہے۔ ہم نے تمہیں شوق دلایا مگر تم مشتاق نہ ہوئے ہم نے تمہارے لئے بانسری بجائی مگر تمہارے اندر حرکت پیدا نہ ہوئی۔

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا کہ محمد بن فرحان نے کہا کہ کسی نے جنیدؒ سے سوال کیا کہ عاشق معشوق سے ملتے وقت کیوں روتا ہے؟ جنیدؒ نے جواب دیا: محبوب کی ملاقات کی خوشی اور شدت کی وجہ سے جو وجد طاری ہوتا ہے اس کی وجہ سے رونا آجاتا ہے۔

مجھے یہ خبر ملی ہے کہ دو بھائی بغلگیر ہو گئے۔ تو ایک نے کہا: واشوقاہ! (ہائے شوق!) اور دوسرے نے کہا: واوجداہ! (ہائے وجد!)

۴۸۔ مشائخ کا پاس[۱۱۸۰] خاطر اور اُن کی مخالفت نہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور خضر علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے: "هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا"

کیا میں آپکی اس شرط پر تابعداری کروں کہ آپ وہ ہدایت مجھے سکھاویں گے جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔

امام فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر کی صحبت میں رہنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ادب کے شرائط کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ پہلے انھوں نے صحبت میں رہنے ... کی اجازت چاہی اس پر خضر نے یہ شرط لگا دی کہ موسیٰ علیہ السلام نہ تو اُن کی مخالفت کریں گے اور نہ کسی بات پر اعتراض کریں گے۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی مخالفت کی تو پہلی اور دوسری بار تو انھوں نے معاف کر دیا۔ مگر جب تیسری بار ایسا کیا اور تین قلت اور کثرت کے درمیان حدِ فاصل ہے تو انھیں حکم دیا کہ وہ اُن سے جدا ہو جائیں اور کہا۔

ہذا فراق بینی وبینک۔ اب مجھ میں اور تم میں جدائی ہے۔

ہم سے ابوالحسین الاہوازی نے اُن سے احمد بن عبید البصری نے اُن سے ابو سالم القزاز[۱۱۸۱] نے اُن سے یزید بن بیانی[۱۱۸۲] نے اُن سے ابو الرجال[۱۱۸۳] نے کہا کہ انس بن مالک فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ مَنْ يُكْرِمُهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ

جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے عزت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کریں گے۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ ہر فرقہ نے مخالفت کی ابتدا کی ہے۔

اُن کی مراد اس سے یہ ہے کہ جس نے اپنے شیخ کی مخالفت کی وہ اس کے طریقہ پر نہیں رہا۔ اور اُن کے درمیان تعلق منقطع ہو گیا۔ خواہ دونوں ایک جگہ رہیں۔ لہٰذا

جو کسی شیخ کی صحبت میں رہا۔ پھر دل سے اس پر اعتراض کیا تو اس نے صحبت کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، اور اس پر توبہ کرنا واجب ہوگی مگر مشائخ کا قول ہے کہ استادوں کے حقوق کی کوئی توبہ نہیں ہو سکتی یعنی اگر کوئی شخص استادوں کے حقوق کو ملحوظ نہ رکھے اور پھر اس سے توبہ کرنا چاہے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ میں اپنے شیخ اور استاد ابو سہل صعلوکی کی زندگی میں مرو گیا۔ میرے وہاں سے (اپنے شہر سے) نکلنے سے پہلے ہر جمعہ کی صبح کو ان کے ہاں قرآن کے دور اور ختم کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب میں واپس آیا تو وہ مجلس بند ہو چکی تھی۔ اور اسی وقت میں ایک اور مجلس قائم ہو گئی تھی جسے ابو الغفانی قائم کرتے۔ اور وہ قول کی مجلس ہوتی۔ اس سے میرے دل میں خلش پیدا ہوئی۔ اور میں دل میں کہا کہ ختم قرآن کی مجلس کو بدل کر مجلس قول قائم کی گئی ہے۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے کہا اے عبدالرحمٰن! لوگ میرے متعلق کیا کہتے ہیں میں نے کہا: کہتے ہیں کہ قرآن کی مجلس تو بند کر دی گئی۔ اور قول کی مجلس قائم کی گئی۔ اس پر انھوں نے فرمایا:

جس نے استاد پر اعتراض کیا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

یہ ایک مشہور بات ہے کہ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن سری کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھے کسی بات کا حکم دیا، اور میں نے فوراً کر دی جب میں کام پورا کر کے واپس آیا تو انھوں نے مجھے ایک رقعہ دے کر کہا یہ تمہارے فوراً کام کرنے کے عوض میں ہے۔ میں نے رقعہ پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ میں نے ایک شتربان کو جنگل میں یہ شعر پڑھتے سنا:

اَبْکِیْ وَمَا یُدْرِیْکَ مَا یُبْکِیْنِیْ ۔۔۔ اَبْکِیْ حِذَارًا اَنْ تُفَارِقِیْنِیْ
وَتَقْطَعِیْ حَبْلِیْ وَتَهْجُرِیْنِیْ

"میں رو رہا ہوں اور تمہیں کیا معلوم کہ میں کیوں رو رہا ہوں۔ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تو مجھ سے جدا نہ ہو جائے۔ تعلقات منقطع کر کے چلی نہ جائے"۔

ابو الحسین ہمدانی علوی سے حکایت کی گئی ہے وہ کہتے تھے کہ میں ایک رات

جعفر خلدی کے پاس تھا اور میں نے گھر میں حکم دیا تھا کہ پرندہ کو تنور میں لٹکا دیا جائے۔
میرا دل اس پرندہ کی طرف لگا ہوا تھا کہ جعفر نے مجھ سے کہا کہ آج رات یہیں ٹھیرو۔
میں کوئی بہانہ بنا کر گھر واپس چلا آیا۔ پرندے کو تنور میں سے نکالا گیا اور میرے
سامنے رکھ دیا گیا۔ اچانک گھر کے دروازے سے ایک کتا اندر آیا۔ اور حاضرین کی نظر
بچا کر پرندے کو لے اُڑا۔ پھر جو شوربا بچ گیا تھا، اسے لایا گیا۔ خادمہ کے کپڑے
کا دامن اس سے اُلجھ گیا۔ اور وہ سب کا سب گر گیا۔ جب صبح ہوئی تو جعفر کے پاس
گیا۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا:

جو شخص مشائخ کے دلوں کا پاس نہیں رکھتا اسے ایذا پہنچانے کے لئے کتا
مسلط کر دیا جاتا ہے۔

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ انھوں نے عبداللہ بن علی الطوسی سے
سنا۔ ابو عبداللہ الدینوری [illegible] نے ان سے کہا۔ کہ الحسین الدامغانی [illegible] نے کہا کہ عمی البسطامی [illegible]
نے اپنے باپ سے حکایت کرتے تھے کہ شفیق بلخی اور ابو تراب نخشبی دونوں ابو یزید
کے پاس آئے۔ دستر خوان لایا گیا۔ ایک نوجوان ابو یزید کی خدمت گذاری کرتا تھا۔
شفیق بلخی اور ابو تراب نخشبی دونوں نے اس نوجوان سے کہا کہ ہمارے ساتھ کھانا
کھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں آج روزہ سے ہوں۔ ابو تراب نے کہا کھاؤ
اور تمہیں اللہ تعالیٰ ایک ماہ کے روزوں کا ثواب دے گا۔ اس نے پھر بھی انکار
کیا۔ پھر شفیق نے کہا: کھاؤ اور تمہیں ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ اس
نے پھر بھی انکار کیا۔ اس پر ابو یزید نے کہا: جو اللہ کی نگاہ میں گر چکا ہو، اُسے
چھوڑ دو۔ ایک سال کے بعد اس نوجوان نے چوری کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کا
ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ سہل بن عبداللہ نے بصرہ کے ایک نان
بائی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ولی ہے۔ سہل کے مریدین میں سے ایک شخص نے
یہ بات سن لی۔ اور اُسے اس کی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور وہ بصرہ کو روانہ ہو گیا۔

جب نان بائی کی دکان پر پہنچا تو وہ روٹیاں پکا رہا تھا۔ اور اس نے نان بائیوں کے طریقہ پر اپنی داڑھی وغیرہ پر نقاب پہن رکھا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو یہ نقاب نہ پہنتا تب بھی اس کے بال نہ جلتے۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا۔ اور کوئی سوال کیا۔ نان بائی نے کہا کہ تُو نے مجھے حقیر سمجھا ہے۔ اس لئے تو میری باتوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا۔

مَیں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عبداللہ رازی[۱۱۱] نے ابو عثمان حیری کو محمد بن فضل بلخی کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ لہٰذا عبداللہ رازی کو اُن کی ملاقات کا اشتیاق ہُوا۔ اور وہ اُن کی زیارت کے لئے نکل پڑے۔ مگر جو اعتقاد لے کر گئے تھے اس کے مطابق محمد بن فضل نے اُن کے دل میں اثر نہ کیا۔ لہٰذا لوٹ کر ابو عثمان کے پاس پہنچے اور اُن سے دریافت کیا۔ انھوں نے پوچھا کہ تو نے انھیں کیسا پایا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے انھیں اپنے گمان کے مطابق نہیں پایا۔ اس پر ابو عثمان نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے انھیں حقیر خیال کیا۔ اور جو شخص کسی کو حقیر سمجھتا ہے وہ اس کے فائدے سے محروم رہتا ہے۔ اب احترام کے ساتھ اُن کے پاس پھر سے جاؤ۔ عبداللہ پھر گئے۔ اور انہیں محمد بن فضل کی زیارت سے فائدہ حاصل ہوا۔

عمر بن عثمان مکی اور حسین بن منصور
یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ عمر بن عثمان مکی نے حسین بن منصور کو دیکھا کہ کچھ لکھ رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ جواب دیا کہ قرآن کے مقابلہ میں لکھ رہا ہوں۔ مکی نے بددعا دی اور چلے آئے۔ مشائخ صوفیہ کا کہنا ہے کہ مدت کے بعد جو واقعہ حسین بن منصور کے ساتھ پیش آیا، وہ اسی بددعا کا نتیجہ تھا۔

مَیں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا کہ جب بلخ والوں نے محمد بن فضل کو شہر بدر کر دیا، تو انھوں نے بددعا کی۔ اور کہا اے اللہ انھیں صدق سے روک دے۔ اس واقعہ کے بعد بلخ سے کوئی صدیق نہیں نکلا۔

میں نے احمد بن یحییٰ ابیوردی کو فرماتے سُنا کہ جس شخص سے اس کا شیخ راضی ہو اسے اس شیخ کی زندگی میں اس کی جزا نہیں دی جاتی: تاکہ کہیں اُس کے دل سے شیخ کی تعظیم زائل نہ ہو جائے۔ اور جب شیخ کی وفات ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر وہ چیزیں ظاہر کرتا ہے جو شیخ کی رضامندی کی جزا ہوتی ہیں۔ اور جس شخص سے اس کا شیخ ناراض ہوا سے بھی شیخ کی زندگی میں سزا نہیں دی جاتی، تاکہ کہیں شیخ کا دل نہ پسیج جائے، کیونکہ شیوخ کی فطرت میں مہربانی ہوتی ہے۔ اور جب شیخ مر جاتا ہے تو اس کے بعد اسے اس کی سزا ملتی ہے۔

۴۹۔ سماع (۱۸۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ . . . . . میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو بات سُن کر اس میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں

"القول" میں جو لام ہے وہ تعمیم اور استغراق کا معنی دیتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بات پر تعریف کی ہے کہ وہ صرف احسن بات کی پیروی کرتے ہیں۔ (یعنی ہر بات کی پیروی نہیں کرتے۔)

نیز اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ"۔ (انھیں جنت میں خوش کیا جائے گا)، تفسیر میں آیا ہے کہ اس سے مراد سماع ہے۔

سماع جائز ہے یاد رکھیں عمدہ الحان اور پسند آنے والے نغموں کے ساتھ اشعار کا سننا جائز ہے۔ بشرطیکہ سننے والا کسی ممنوع بات کا معتقد نہ ہو۔ اور نہ ہی وہ کوئی ایسی بات سنتا ہو جو شرعاً مذموم ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہہ جاتا ہو۔ اور نہ فضول چیز کی طرف مائل ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشعار سنتے تھے اس بات میں کسی قسم کا اختلاف نہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے۔

اور آپ نے انھیں سنا اور آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جب عمدہ الحان کے بغیر اشعار کا سننا جائز قرار دیا تو الحان کے ساتھ سننے سے اُس کے حکم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ تو ظاہری حال ہے۔

مزید برآں جو الحان سننے والے کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی پوری رغبت دلائیں۔ اور اُسے یاد دلائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لئے کیا کیا درجات مہیا کر رکھے ہیں۔ اور اسے لغزشوں سے بچنے پر مجبور کریں۔ اور اس کے دل پر نیک و پاک واردات کا موجب بنیں۔ او وہ دین میں مستحب سمجھے جاتے ہیں۔ اور شرع میں پسندیدہ کہلاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ایسا کلام آیا ہے جو شعر کے قریب قریب[۱۸۹] ہے۔ اگرچہ آپ کا یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ شعر کی صورت اختیار کر جائے۔

ہم سے ابو الحسن علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید الصفار نے کہا کہ حارث[۱۹۰] بن ابی اسامہ نے کہا کہ ابو النضر[۱۹۱] نے بیان کیا کہ شعبہ نے کہا۔ کہ حمید فرماتے تھے کہ میں نے انسؓ کو فرماتے سنا کہ انصار خندق کھود رہے تھے کہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

"ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی ہے۔ کہ جب تک ہم زندہ ہیں جہاد کرتے رہیں گے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاَكْرِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة

(خدایا! آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں۔ لہٰذا تو انصار اور مہاجرین کو عزت بخش۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ کسی شعری وزن پر نہیں ہیں۔ مگر قریب قریب ضرور ہیں۔

سلف اشعار سُنتے تھے

سلف اور اکابر نے الحان کے ساتھ شعر سنے ہیں سلف میں سے جنھوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے اُن میں مالک بن انس بھی ہیں۔ اور اہلِ حجاز تو سب کے سب گانے کو جائز قرار دیتے ہیں حُدی کے جائز ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ اس کے متعلق احادیث اور آثار کثرت سے آئے ہیں

ابن جریج کا فتویٰ

ابن جریجؒ سے مروی ہے کہ وہ سماع کو جائز قرار دیتے تھے۔ اس پر سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن جب آپ کو لایا جائے گا۔ اور آپ کی نیکیاں اور بُرائیاں دونوں لائی جائیں گی تو آپ کا سماع کس جانب ہو گا؟ فرمایا: نہ نیکیوں میں اور نہ بُرائیوں میں۔ اُن کی مراد یہ تھی کہ یہ ایک مباح (جائز) امر ہے۔

امام شافعی کا فتویٰ

امام شافعیؒ سماع کو حرام قرار نہیں دیتے۔ مگر عوام کے لئے اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص گانے کا پیشہ اختیار کرلے یا لہو و لعب کے طور پر متواتر سماع میں لگا رہے۔ تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ امام شافعیؒ اسے ان چیزوں میں شمار کرتے ہیں جن سے مروّت ساقط ہو جاتی ہے۔ مگر آپ اسے محرمات میں شامل نہیں کرتے۔ مگر یہاں تو ہماری بحث اس قسم کے سماع سے نہیں۔ کیونکہ صوفیاء کا رتبہ اس سے بلند ہے۔ کہ وہ کوئی لہو کی بات سنیں یا سہواً سماع کے لئے بیٹھ جائیں۔ یا دل میں کسی لغو مضمون کا خیال ہو۔ یا ایسے طریقے سے سنیں جو اُن کے شایانِ شان نہ ہو۔

ابن عمرؓ سے کچھ آثار مروی ہیں جن میں انھوں نے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے

اسی طرح حُدی وغیرہ کے متعلق مروی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے۔ آپ نے ان سے منع نہیں فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔
یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور وہاں دو لڑکیاں گانا گا رہی تھیں۔ اور آپ نے انھیں منع نہیں فرمایا۔

ہم سے شیخ ابو عبدالرحمن السلمی نے کہا کہ ان سے محمد بن جعفر بن محمد بن مطر نے کہا کہ حباب بن محمد التستری نے اُن سے کہا۔ کہ ابو الاشعث نے کہا کہ محمد بن بکر[193] البرسانی شعبہ سے وہ ہشام بن عروۃ[194] سے، وہ اپنے باپ[195] سے، وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن کے ہاں آئے۔ تو اُن کے پاس دو گانے والیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بُعاث[196] کی جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔ یہ دیکھ کر ابوبکر صدیق نے دو بار کہا "شیطان کی بانسری"۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر انھیں گانے دو۔ کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج کا دن ہماری عید کا دن ہے۔

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے اُن سے کہا کہ عثمان بن عمر ضبیّی نے کہا کہ ابو کامل نے اُن سے کہا کہ ابو عوانہ نے الاجلح[197] سے روایت کی کہ انھوں نے ابو الزبیر[198] سے اور انھوں نے جابر سے روایت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ انھوں نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کی شادی کسی انصاری سے کر دی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: کیا کسی گانے والے کو بھی بلایا ہے؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ انصار کے ہاں دستور ہے کہ وہ بلند آواز سے دُلہن کی خوبیاں بیان کیا کرتے ہیں۔ اگر تم کسی کو بُلوا لیتیں جو صرف اتنا ہی کہتا

"اتیناکم اتیناکم فحیانا و حیاکم"

ہم سے استاد امام ابوبکر محمد بن الحسن ابن فورک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اُن سے احمد بن محمود بن خرزاد نے کہا کہ اُن سے حسین بن حارث الاہوازی نے کہا کہ ان سے مسلمہ بن شبیب[199] نے صدقہ بنت ابی عمران سے روایت کیا کہ اُن سے علقمہ بن مرثد[200] بن

زاذان[1201] نے کہا کہ البراء بن عازب[1202] کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا" قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوشنما بنایا کرو، کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کی خوبی بڑھتی ہے۔

اس حدیث میں اچھی آواز کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ہم سے علی ابن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے ان سے کہا کہ عثمان بن عمر الضبی نے ان سے کہا۔ کہ ابو ربیع[1203] نے کہا کہ عبد السلام بن ہاشم[1204] نے ان سے کہا کہ عبید اللہ بن محرر[1205] نے قتادہ سے، انھوں نے انس بن مالک سے روایت کی۔ انس فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ہر چیز کا زیور ہوتا ہے۔ اور قرآن کا زیور عمدہ آواز ہے۔

ہم سے علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے ان سے کہا کہ محمد بن یونس الکریمی[1206] نے ان سے کہا کہ الضحاک[1207] بن مخلد ابو عاصم نے کہا کہ شبیب بن بشر[1208] البجلی نے کہا کہ انس بن مالک سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1209]:

دو آوازیں ملعون ہیں۔ ایک وہ آواز جو مصیبت کے وقت آہ وزاری کی آواز ہو۔ اور دوسری آسائش کے وقت بانسری کی آواز۔

اس خطاب کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ان احوال کے سوا دیگر قسم کے گانے جائز ہوں۔ ورنہ ان گانوں کے مخصوص کرنے کا کچھ معنی نہیں رہتا۔

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ اور اگر ہم اس سے زیادہ روایات ذکر کریں تو ہم اختصار کی حد سے نکل جائیں گے۔

یہ بھی روایت ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ اشعار پڑھے:

اَقْبَلَتْ فلاحَ لَھَا عَارِضَانِ کَالسَّبَجِ
اَدْبَرَتْ فَقُلْتُ لَھَا وَالْفُؤَادُ فِیْ وَھَجٖ
ھَلْ عَلَیَّ وَیْحَکُمَا اِنْ عَشِقْتُ مِنْ حَرَجٖ

اچھی آواز قرآن

دو ملعون آوازیں

مرفوع روایت

محبوبہ میری طرف آئی تو مجھے اس کے موتیوں جیسے رخسار دکھائی دیئے۔ پھر واپس گئی تو میں نے جلتے ہوئے دل سے کہا۔ اگر میں تم پر عاشق ہو جاؤں تو کیا کوئی حرج ہے یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔[۱۲۰۹]

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اچھی آواز دی ہو اسے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَیَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ

اللہ تعالیٰ کسی شخص کی خلقت میں جس چیز کا چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اچھی آواز اس میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بری آواز کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

بد ترین آواز گدھے کی آواز ہے۔

اچھی آواز کا اثر

اچھی آواز سے دل کا لذت حاصل کرنا اور عمدہ آواز کا مشتاق ہونا اور اس سے راحت حاصل کرنا ایسی بات ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ اچھی آواز سے سکون محسوس کرتا ہے۔ اور اونٹ چلنے کی تھکان اور بوجھ کی مشقت برداشت کرتا ہے۔ مگر حدی خوانی سے یہ سب کچھ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ "

کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا؟

امام شافعیؒ اور حسنِ صوت

اسمٰعیل بن علیہ[۱۲۱۰] حکایت کرتے ہیں کہ میں دوپہر کے وقت امام شافعی کے ساتھ چل رہا تھا۔ ہم ایک ایسی جگہ سے گذرے جہاں کوئی شخص گیت گا رہا تھا۔

امام شافعیؒ نے کہا: چلو ادھر کو چلیں (وہاں پہنچ کر) آپ نے اس شخص سے کہا۔ کیا تجھے اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس شخص نے جواب دیا: نہیں۔ شافعیؒ نے کہا

(پھر) تجھ میں حس ہی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اسقدر غور سے نہیں سُنتا جسقدر کہ قرآن کو سُنتا ہے۔ جب کوئی نبی الحان سے اُسے پڑھ[۱۲۱۱] رہا ہو۔

ہم سے علی بن احمد الاھوازی نے کہا کہ احمد بن عبید نے اُن سے کہا کہ ابن ملحان[۱۲۱۲] نے کہا کہ یحییٰ بن بکیر[۱۲۱۳] نے کہا کہ اللیث[۱۲۱۴] نے عقیل[۱۲۱۵] سے روایت کی کہ ابن شہاب[۱۲۱۶] نے کہا کہ مجھے ابو سلمہ[۱۲۱۷] نے بتایا کہ ابو ہریرہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اسقدر غور سے نہیں سنا ہے۔ جسقدر وہ قرآن کو سنتا ہے جبکہ کوئی نبی الحان سے اُسے پڑھ رہا ہو۔

کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھا کرتے تو جن وانس پرندے اور وحشی جانور آپ کی قرأت سنا کرتے۔ اور اُن کی مجلس سے چار سو جنازے اُن لوگوں کے اُٹھتے جو آپ کی قرأت سُن کر جان جان آفریں کے سپرد کر دیتے۔

ابو موسیٰ اشعری کی آواز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری کے متعلق فرمایا کہ انھیں آلِ داؤد کی مزامیر میں سے ایک مزمار دی گئی ہے۔ (یعنی انھیں خدا نے عمدہ آواز دی ہے۔)

معاذ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سنیں گے تو میں اُسے خوب عمدہ طریقہ پر کہتا۔"

ایک خوش الحان غلام کا واقعہ

ہم سے ابو حاتم السجستانی نے کہا: کہ عبداللہ بن علی السراج نے کہا کہ ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری الرقی فرماتے تھے۔ کہ میں جنگل میں تھا۔ پھر ایک عرب قبیلہ کے ہاں آیا اور ان میں سے ایک شخص نے مجھے اپنے ہاں مہمان ٹھہرا لیا۔ وہاں میں نے ایک سیاہ غلام کو مقید دیکھا اور دیکھا کہ گھر کے صحن میں کچھ اونٹ مرے پڑے ہیں۔ غلام نے مجھ سے کہا: آپ آج رات یہاں مہمان ہیں اور میرا آقا آپ کی عزت کرتا ہے۔ لہٰذا آپ میری سفارش کیجیے کیونکہ وہ آپ کی سفارش رد نہیں کرے گا۔ میں نے اپنے میزبان سے کہا: میں آپ

کا کھانا اس وقت تک نہ کھاؤں گا جب تک کہ آپ اس غلام کو کھول نہ دیں گے۔ میزبان نے کہا: اس غلام نے مجھے فقیر کر دیا ہے۔ اور میرا مال تباہ کر دیا ہے۔ میں نے پوچھا: اس نے کیا کیا ہے؟ میزبان نے جواب دیا: اسکی آواز بہت عمدہ ہے اور میں اُن اونٹوں کی بار برداری پہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے اُن پہ بھاری بوجھ لاد دیا۔ اور حدی گاتا رہا۔ یہاں تک کہ ان اُونٹوں نے ایک دن میں تین دن کی مسافت طے کر لی اور جب بوجھ اتارے گئے تو سب کے سب اُونٹ مر گئے۔ مگر آپ کی خاطر میں نے اسے معاف کر دیا۔ اس نے اس کی بیڑیاں اتار دیں۔

جب صبح ہوئی تو خواہش ہوئی کہ اس کی آواز سنوں۔ میزبان سے اس کی درخواست کی، میزبان نے غلام سے کہا کہ اس اونٹ کی حدی خوانی کرے جو کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے رہٹ چلا رہا تھا۔ جب غلام نے حدی گایا تو اونٹنے سرگرداں ہو کر رسیاں کاٹ ڈالیں۔ مجھے خیال نہیں کہ میں نے اس سے بہتر آواز کبھی سنی اور میں منہ کے بل گر گیا۔ میزبان نے غلام کو چپ ہو جانے کو کہا۔

میں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز نے کہا کہ ابو عمر الانماطی فرماتے تھے کہ کسی نے جنید سے سوال کیا کہ کیا بات ہے؟ کہ انسان پُر سکون ہوتا ہے۔ مگر جب سماع سنتا ہے تو بے قرار ہو جاتا ہے؟

جنید نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے پہلے میثاق کے وقت ذریت آدم کو مخاطب کر کے کہا: الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اور انھوں نے جواب میں "بلیٰ" (کیوں نہیں) کہا۔ تو اللہ کے کلام کی مٹھاس نے تمام ارواح کو نکال لیا۔ اور جب انھوں نے سماع سنا تو اس کے ذکر نے انھیں حرکت دی۔

سماع عوام کے لئے حرام ہے

میں نے استاد ابو علی دقاق کو سنا کہ فرماتے تھے۔ کہ عوام کے لئے سماع حرام ہے۔ اس لئے کہ اُن کے نفوس اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں۔ زاہدوں کے لئے مباح (جائز ہے) کیونکہ انھیں مجاہدات حاصل ہیں۔ اور ہمارے مریدوں کے لئے مستحب ہے۔ تاکہ اُن کے دل زندہ ہوں۔

سماع کے متعلق صوفیہ کے اقوال

۱. میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر الصوفی نے اُن سے کہا کہ الوجیھی نے کہا کہ ابوعلی الرودباری فرماتے تھے کہ حارث بن اسد محاسبی فرمایا کرتے تھے۔ تین چیزیں اگر حاصل ہوجائیں تو اُن سے فائدہ ہوتا ہے۔ مگر ہمیں نہیں ملیں (۱) خوبصورت چہرہ جس کے ساتھ پاک دامنی بھی ہو۔ (۲) اچھی آواز جس کے ساتھ دینداری بھی ہو۔ اور (۳) اچھی دوستی جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

۲. کسی نے ذوالنون مصریؒ سے اچھی آواز کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: یہ تو مخاطبات اور اشارات ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ ہر طیب مرد اور ہر طیب عورت میں ودیعت کردیتا ہے۔
ایک بار ان سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ایک وارد ہونے والی کیفیت ہے جو دلوں کو بے چین کرکے حق تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔ چنانچہ جو حق طریقہ پہ اس کی طرف کان لگاتا ہے وہ حقیقت کو پالیتا ہے۔ اور جو اپنے نفس سے اس کی طرف کان لگاتا ہے وہ زندیق ہوجاتا ہے۔

۳. جعفر بن نصیرؒ نے جنیدؒ سے حکایت کی۔ انھوں نے فرمایا: فقراء پر تین موقعوں پر رحمت نازل ہوتی ہے:۔

(۱) سماع کے وقت اس لئے کہ وہ حق طریقہ سے سنتے ہیں اور وجد ہی میں لوٹتے ہیں (۲) کھانا کھاتے وقت کیونکہ یہ بغیر فاقہ کے نہیں کھاتے (۳) اور علمی مقابلہ کے وقت کیونکہ وہ اللہ اور رسول کی صفات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اولیاء اللہ کی صفات بیان کرتے ہیں

۴. میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ الحسین بن احمد بن جعفر نے کہا کہ ابوبکر بن ممشاد الدینوری فرماتے تھے۔ کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا:
جس نے تکلّف سماع کو چاہا۔ اس کے لئے یہ فتنہ ہوگا، مگر جسے خودبخود یہ چیز حاصل ہو اس کے لئے سماع راحت ہے۔
یہ بھی حکایت کی گئی ہے کہ جنیدؒ نے کہا کہ سماع کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے

زمان۔ مکان اور اخوان (دوست)

۵۔ شبلیؒ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: ظاہر میں تو یہ فتنہ ہے اور باطن میں عبرت۔ لہٰذا جو اس اشارہ کو پالے اس کے لئے عبرت کا سُننا جائز ہے ورنہ اس نے فتنہ کو دعوت دی۔ اور مصیبت کو مول لیا۔

۶۔ کہتے ہیں کہ سماع صرف اس شخص کے لئے مناسب ہے جس کا نفس مر چکا ہو۔ اور دل زندہ ہو۔ لہٰذا اس کا نفس تو مجاہدہ کی تلوار سے ذبح ہو چکا ہوگا اور موافقتِ احکام کے نور سے زندہ۔

۷۔ ابو یعقوب نہر جوریؒ سے سماع کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ ایک ایسی حالت ہے جو جلن کی وجہ سے اسرار کا دل کی طرف لوٹ کر آنا ظاہر کرتی ہے۔

۸۔ کہا گیا ہے کہ اہلِ معرفت کے لئے سماع ارواح کو لطف اندوز کرتا ہے۔

۹۔ میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا: سماع اگر شریعت کے مطابق نہ ہو تو زنگ ہے۔ اور اگر حق کی طرف سے نہ ہو تو بے وقوفی ہے۔ اور اگر عبرت کی وجہ سے نہ ہو تو وہ فتنہ ہے۔

۱۰۔ کہا جاتا ہے کہ سماع کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں علم اور ثبات ہوش دونوں کی شرط ضروری ہے۔ لہٰذا اس قسم کے شخص کے لئے شرط یہ ہے۔ کہ وہ اسماء و صفات کو جانتا ہو ورنہ وہ کفرِ محض میں مبتلا ہو جائے گا۔

اور دوسری قسم حال اور کیفیت کی شرط کے ساتھ سماع کی ہے۔ اس قسم کے شخص کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ حالتِ بشری سے فنا ہو چکا ہو۔ اور احکامِ حقیقت کے ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ حظوظِ نفس، کے آثار سے پاک ہو۔

۱۱۔ احمدؒ بن ابی الحواری سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے ابو سلیمان سے سماع کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: کہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ گانے والے ایک کی بجائے دو ہوں۔

۱۲۔ ابو الحسن نوریؒ سے پوچھا گیا کہ صوفی کون ہے؟ فرمایا: جو سماع سنے اور اسباب (سماع) کو پسند کرے۔

۱۳۔ ایک دن ابوعلی رودباری سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: کاش کہ ہم اس سے کلیتہً نجات پا جاتے۔

۱۴۔ میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے سنا کہ ابوعثمان المغربی فرماتے تھے جس نے سماع کا دعویٰ کیا اور پھر پرندوں کی آواز یا دروازے کے چرچرانے کی آواز یا ہوا چلنے کی آواز کو نہ سنا وہ فقر کا محض مدعی ہے۔ (یعنی حقیقی فقیر نہیں)

۱۵۔ میں نے ابوحاتم السجستانی سے سنا کہ ابونصر السراج الطوسی نے کہا کہ ابوالطیب احمد بن مقاتل عکی فرماتے تھے: کہ جعفر نے بیان کیا کہ جنید کے مریدوں میں سے ابن زیری ایک فاضل شیخ تھے۔ کبھی کبھی سماع کی مجلس میں حاضر ہو جاتے اگر انھیں اچھا لگتا تو اپنی چادر بچھا کر بیٹھ جاتے۔ اور کہتے صوفی اپنے دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اگر انھیں سماع اچھا نہ لگتا تو کہتے: سماع تو دل والوں کے لئے ہے۔ یہ کہہ کر گذر جاتے۔ اور اپنا جوتا لے لیتے۔

۱۶۔ میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کہ عبدالواحد بن بکر نے ان سے کہا کہ عبداللہ بن عبدالمجید الصوفی فرماتے تھے۔ کہ کسی نے رویم سے سماع کے وقت صوفیاء پر وجد کے طاری ہونے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ لوگ ان کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اوروں سے بعید اور مخفی ہوتی ہیں۔ اور ان کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتی ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ خوشی کے مارے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پھر حجاب اس سرور کو منقطع کر دیتا ہے۔ تو یہ خوشی رونے میں بدل جاتی ہے۔ چنانچہ بعض اپنے کپڑے پھاڑنے لگ جاتے ہیں۔ بعض چیختے ہیں بعض روتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔

۱۷۔ میں نے حمزہ بن احمد بن محمد التیمی سے سنا کہ عبداللہ بن علی نے کہا کہ حصری اپنے ایک وعظ میں فرما رہے تھے۔ میں اس سماع کا کیا کروں جو سنانے والے کا سماع منقطع کرنے پر منقطع ہو جائے۔ تمہارا سماع تو مسلسل و متصل ہونا چاہیئے۔ جو منقطع نہ ہو۔ راوی کہتا ہے کہ حصری نے فرمایا: دائمی پیاس اور دائمی پینا ہونا چاہیئے۔ جبقدر

زیادہ پیتے جاؤ گے۔ اسی قدر زیادہ پیاس بڑھتی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَهُمْ فِی رَوْضَةٍ یُحْبَرُونَ" کی تفسیر میں مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ سماع ہے جو حور عین لذیذ آوازوں کے ساتھ سنائیں گے:

نحن الخالدات فلا نموت ابداً نحن الناعمات فلا نبؤس ابداً (ہم ہمیشہ زندہ رہنے والیاں ہیں، ہمیں کبھی موت نہ آئے گی۔ ہم نرم و نازک ہیں، ہم پر کبھی سختی نہ آئے گی۔)

۱۸۔ کہا جاتا ہے کہ سماع (اللہ کی طرف سے) ندا ہوتی ہے۔ اور وجد میں (بندہ کی طرف سے) ارادۃً اس ندا کی اجابت ہوتی ہے۔

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابوعثمان المغربی فرماتے تھے کہ اہل حق کے دل حاضر ہوتے ہیں اور ان کے کان کھلے ہوتے ہیں۔

انہی کو میں نے فرماتے سنا کہ انھوں نے استاد ابوسہلؒ صعلوکی کو فرماتے سنا کہ سماع سننے والا دو کیفیتوں کے درمیان ہوتا ہے: استتار اور تجلّی کے درمیان۔ استتار یعنی پردے میں آجانے سے دل میں شعلے اٹھتے ہیں۔ اور تجلی سے راحت ہوتی ہے۔ استتار سے مریدوں کی سی حرکات پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ کمزوری اور عاجزی کا مقام ہے اور تجلی سے واصلین کا سکون پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ استقامت اور تمکین کا مقام ہے اور بارگاہِ رب العزت کی صفت ہے۔ اور یہاں سوا دہیبت کے تحت مرجھانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فلما حضروہ قالوا انصتوا۔ جب وہاں پہنچے تو کہا چپ رہو۔

سماع کی تین قسمیں ہیں

ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں سماع کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم مریدوں اور مبتدیوں کے لئے ہے۔ وہ سماع کے ذریعہ احوالِ شریفہ کو دعوت دیتے ہیں۔ مگر اس میں فتنہ اور ریاکاری کا خطرہ ہوتا ہے۔ دوسری قسم صادقین کے لئے ہے۔ وہ اس کے ذریعہ اپنے احوال میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس سے ایسا کلام سنتے ہیں جو ان کے وقت کے مطابق ہو۔ اور تیسری قسم اہلِ استقامت عارفوں کے لئے ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان حرکات و سکون کو جو ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں

مبتدیوں کا سماع فتنہ اور ریا

اللہ پر ترجیح نہیں دیتے ۔

(۱۲۱۸)
میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا ۔ انھوں نے ابو الفرج الشیرازی سے سنا کہ ابو علی رودباری فرماتے تھے ۔ کہ ابو سعید خراز فرماتے تھے ؛ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ سماع میں سماع کو سمجھنے کی وجہ سے اپنے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اور حرکات اس پر قابو پا لیتی ہیں ۔ تو اس کی علامت یہ ہے کہ جس مجلس میں وہ وجد میں ہے ۔ وہ خوبصورت بن جائے (چنانچہ سب حاضرین پر اس کے وجد کا اثر ہو)

سماع میں بے اختیاری کی علامت

شیخ ابو عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے اس حکایت کا ذکر ابو عثمان مغربی سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ تو کمترین درجہ ہے ۔ اس کی صحیح نشانی یہ ہے کہ مجلس میں جو صاحب حق باقی رہے اسے اس کے ساتھ انس محسوس ہو اور جو باطل پرست ہو اُس سے اُسے وحشت پیدا ہو ۔

دوسری علامت

بندار بن حسین فرماتے ہیں ۔ سماع کی تین قسمیں ہیں ۔ بعض اپنی طبیعت کی مناسبت سے سُنتے ہیں ۔ بعض حال اور کیفیت کی مناسبت سے سنتے ہیں ۔ اور بعض حق کی مناسبت سے سنتے ہیں ۔ جو اپنی طبیعت کے موافق سنتے ہیں اس میں خاص و عام سب شریک ہیں ۔ اس لئے کہ یہ انسانی فطرت میں ہے کہ وہ اچھی آواز سے لذت حاصل کرے ۔

(۱)
جو حال و کیفیت کے موافق سُنتا ہے ۔ وہ ان کیفیات میں جو اس پر وارد ہوتی ہیں غور کرتا ہے ۔ مثلاً عتاب کا ذکر خطاب ۔ وصل ۔ جدائی ۔ قرب و بعد یا کسی ایسی چیز پر افسوس جو ہاتھ سے نکل گئی ہو ۔ یا آنے والی چیز کا اشتیاق ۔ یا عہد کو پورا کرنا وعدہ کی تصدیق یا عہد توڑنا یا بے قراری کا ذکر یا اشتیاق یا جدائی کا خوف ۔ یا وصال کی خوشی یا بچھڑنے کا ڈر وغیرہ وغیرہ ۔

(۲)
اور جو حق کے مطابق سنتا ہے وہ (بلا واسطہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے لئے سُنتا ہے ۔ اور اُن کے سماع میں حصولِ لذت بشری کو کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ کیونکہ یہ تو اپنی بُرائیوں سمیت باقی رہتے ہیں ۔ للہذا یہ لوگ ازروی صفاء توحیدِ حق کے ساتھ سماع کرتے ہیں ۔ حظ (نفسانی) کے ساتھ نہیں کرتے ۔

۲م

کہا جاتا ہے کہ اہلِ سماع کے تین طبقے ہیں (۱) ابناءِ حقائق: اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے سماع میں حق سبحانہ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنے دل سے مخاطب ہوتے ہیں، ان معانی کی وجہ سے جنھیں وہ سُنتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ان باتوں کا جن کا اشارہ وہ اللہ کی طرف کرتے ہیں، سچائی کے ساتھ مطالبہ کرتے ہیں۔

ایک تیسری قسم ہے اور وہ فقیر مجرّد ہے جس نے دنیا اور آفات سے تعلقات منقطع کر لیا ہے۔ یہ لوگ پاک دلوں سے سماع کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ سلامتی کے زیادہ قریب ہوتے ہیں

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ ابوبکر الرازی فرماتے تھے کہ کسی نے ابوعلی رودباری سے سماع کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: محبوب کے مشاہدہ کی طرف اسرار کا کھل جانا سماع ہے

قرآن کے سننے سے انسان میں کیوں حرکت نہیں ہوتی؟

کسی نے خراص سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ انسان قرآن کے علاوہ اور کلام سے سننے سے حرکت میں آتا ہے مگر قرآن کے سننے سے وہ یہ کیفیت نہیں پاتا؟ جواب دیا: قرآن کا سننا ایسی ٹھوکر ہے جسکے شدتِ غلبہ کی وجہ سے کسی کے لئے حرکت کرنا ممکن نہیں۔ اور دوسرے اقوال کے سننے میں راحت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں انسان حرکت کرتا ہے۔

سماع اور باطل

میں نے محمد بن الحسین سے سنا کہ عبداللہ[1219] بن محمد عبدالرحمٰن الرازی فرماتے تھے، میں نے جنید کو فرماتے سنا: جب تم کسی مرید[1220] کو دیکھو کہ اسے سماع سے محبت ہے تو سمجھ لو کہ ابھی اس میں باطل کا کچھ حصہ باقی ہے۔

اور میں نے انہی سے سُنا کہ علی ابن عبداللہ البغدادی[1221] نے اُن سے کہا کہ ابوسعید الرملی نے بیان کیا کہ سہل بن عبداللہ نے فرمایا کہ سماع ایک ایسا علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رکھا ہے۔ اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔

احمد بن مقاتل عکی حکایت کرتے ہیں کہ جب ذوالنون مصریؒ بغداد آئے۔ تو صوفیاء اکٹھے ہو کر اُن کے پاس آئے۔ اُن کے ساتھ ایک قوال بھی تھا۔ انھوں نے ذوالنون سے کہا کہ وہ قوال کو کچھ گیت گانے کی اجازت دیں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ اور اُس نے یہ

گیت گانا شروع کیا:

صَغِیْرُ هَوَاكَ عَذَّبَنِی فَكَیْفَ بِهٖ اِذَا احْتَنَكَا
وَاَنْتَ جَمَعْتَ مِنْ قَلْبِی هَوًی قَدْ كَانَ مُشْتَرِكًا
اَمَا تَرْثِی لِمُكْتَئِبٍ اِذَا ضَحِكَ الْخَلِیُّ بَكٰی

تمہاری معمولی سی محبت نے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اگر مجھ پر غالب آجائے تو پھر کیا کیفیت ہوگی؟

تو نے میرے دل کی محبت کو جو دوسروں کے لئے بھی مشترک تھی، اپنے لئے اکٹھا کر لیا۔ کیا تجھے اس غمناک پر رحم نہیں آتا۔ جو روتا ہے۔ جبکہ وہ لوگ جو عشق میں مبتلا نہیں ہیں۔ ہنس رہے ہیں۔

احمد کہتے ہیں کہ یہ سن کر ذوالنونؒ اٹھ کھڑے ہوئے اور منہ کے بل گر پڑے خون ان کے سر سے ٹپک رہا تھا۔ مگر زمین پر نہ گرتا تھا۔ اس کے بعد صوفیاء میں سے ایک شخص نے اٹھ کر بناوٹ کے طور پر وجد کا اظہار کیا۔ ذوالنون نے کہا: اَلَّذِیْ یَرَاكَ حِیْنَ تَقُوْمُ (اس خدا کو یاد رکھ۔ جب تو کھڑا ہوتا ہے۔ تو خدا تجھے دیکھتا ہے) یہ سنکر وہ شخص بیٹھ گیا۔

میں نے اس حکایت کے متعلق استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ذوالنونؒ اس شخص سے بلند مرتبہ تھے۔ اور اسے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسے تنبیہ کر دی کہ یہ اس کا مقام نہیں۔ اور وہ شخص بھی انصاف پسند تھا کہ اس نے ان کی بات مان لی۔ اور اپنی جگہ پہ جا کر بیٹھ گیا۔

میں نے محمد بن احمد التمیمی سے سنا کہ عبد اللہ بن علی الصوفی نے ان سے کہا کہ الرقی نے کہا کہ ابن الجلا فرماتے تھے۔ کہ مغرب میں دو شیخ تھے۔ دونوں کے مرید اور شاگرد تھے۔ ان میں سے ایک کا نام جبلہ اور دوسرے کا رزیق تھا۔ ایک بار رزیق اپنے مریدوں سمیت جبلہ کی زیارت کو آیا اور ان کے کسی مرید نے کوئی چیز پڑھی جسے سن کر جبلہ کے ایک مرید نے چیخ ماری اور مر گیا۔ جب صبح ہوئی تو جبلہ نے رزیق سے کہا جس شخص نے کل

پڑھا تھا وہ کہاں ہے۔ اُسے کچھ پڑھنا چاہیئے۔ اُس نے کوئی آیت پڑھی تو جبلہ نے چیخ ماری۔ جس سے پڑھنے والا مر گیا۔ اس پر جبلہ نے کہا: ایک کے بدلے ایک اور ابتداء کرنے والا زیادہ ظالم ہے

کسی نے ابراہیم مارستانی سے سماع کے وقت حرکت کرنے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں قصہ بیان کیا تو بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ کہ اس شخص سے کہو کہ میرے لئے اپنے دل کو پھاڑو۔ اور کپڑوں کو نہ پھاڑو۔

ابو علی مغازلی رحؒ نے شبلی رحؒ سے کیا سوال کیا:

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے کانوں میں قرآن مجید کی کوئی آیت سنائی دیتی ہے تو اس کے اثر سے میں چیزیں چھوڑ دیتا ہوں اور دنیا سے منہ موڑ لیتا ہوں مگر پھر اپنی پہلی حالت اور لوگوں کی طرف لوٹ آتا ہوں۔

شبلی نے جواب دیا جب اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف کھینچتا ہے تو یہ اُس کی تجھ پر مہربانی اور لطف ہے اور جب تجھے تمہاری پہلی حالت کو لوٹاتا ہے، تو یہ اس کی تم پر شفقت ہوتی ہے اس لئے کہ اللہ کی طرف توجہ کرنے میں تم صحیح طور پر اپنی قوت وطاقت سے بَری نہیں ہوتے۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج نے اُن سے کہا کہ احمد بن مقاتل العکی فرماتے تھے کہ رمضان میں ایک رات میں شبلی رحؒ کے ساتھ مسجد میں تھا۔ اور وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے میں بھی اُن کے پہلو میں تھا۔ امام نے یہ آیت پڑھی، "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ" (اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے تم کو بھیجی ہے اُسے لے جائیں) یہ آیت سنکر انھوں نے چیخ ماری جس سے میں نے خیال کیا کہ اُن کی روح پرواز کر گئی، وہ کانپ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: کیا احباب کو اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔ یہی الفاظ بار بار لوٹا رہے تھے۔

جنید رحؒ سے حکایت کی گئی ہے وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دن سری کے پاس گیا تو اُن کے پاس ایک شخص کو غشی کی حالت میں دیکھا۔ میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس نے قرآن مجید کی ایک آیت سنی ہے۔ میں نے کہا کہ وہی آیت دوبارہ پڑھی

جائے۔ جب آیت دوبارہ پڑھی گئی۔ تو وہ شخص ہوش میں آگیا۔ سری نے مجھ سے پوچھا۔
تمہیں یہ کیسے معلوم تھا کہ اس طرح وہ ہوش میں آجائے گا۔ میں نے جواب دیا کہ یعقوب
علیہ السلام کی بینائی یوسف علیہ السلام کی قمیض کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ مگر پھر انھیں
کی قمیض کی وجہ سے لوٹ آئی۔ سریؒ کو میرا یہ جواب پسند آیا۔ [۴۲۳]

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج نے ان سے کہا کہ عبد الواحد بن
علوان فرماتے تھے۔ کہ ایک نوجوان جنیدؒ کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ جب بھی وہ قرآن
سنتا چیخ مارتا۔ ایک دن جنیدؒ نے اسے کہا:۔ اگر تو نے پھر ایسا کیا تو تو میری صحبت میں
نہ رہ سکے گا۔ اب اگر کچھ سنتا تو اس کی حالت بدل جاتی۔ اور اپنے آپ پر قابو رکھتا۔
یہاں تک کہ اس کے بدن کے ہر رواں سے قطرہ ٹپکتا۔ پھر ایک دن اس نے ایسی چیخ ماری
کہ جان دے دی۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج فرماتے تھے کہ میرے ایک دوست
نے مجھے ابو الحسین دراج[۴۲۴] سے روایت کرتے ہوئے ایک حکایت بیان کی۔ وہ کہتے
تھے کہ میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی ملاقات کے لیے روانہ ہوا۔ جب
رے پہنچا تو لوگوں سے ان کا گھر دریافت کیا۔ جس کسی سے پوچھتا وہ یہی کہتا کہ تیرا
اس زندیق سے کیا کام؟ لوگوں نے میرا سینہ اس قدر تنگ کر دیا کہ میں نے واپسی کی
ٹھان لی۔ اور میں نے رات ایک مسجد میں گذاری۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ میں یہاں
تو آگیا ہوں۔ اب کم از کم ان کی زیارت تو کر لینی چاہیے۔ میں لوگوں سے دریافت
کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی مسجد تک پہنچ گیا۔ وہ محراب میں بیٹھے اپنے سامنے رحل
پر قرآن رکھے پڑھ رہے تھے۔ دیکھا تو بہت خوشنما اور خوش رو انسان تھے۔ میں
نے ان کے قریب پہنچ کر سلام عرض کیا انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ پوچھا: کہاں
سے آئے ہو؟ میں نے کہا بغداد سے آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔ کہنے
لگے کسی شہر میں اگر کوئی شخص تمہیں یہ کہتا کہ میرے ہاں ٹھہرو۔ میں تمہیں گھر یا لونڈی خرید
دوں گا۔ تو کیا تم میری زیارت سے رک جاتے؟ میں نے عرض کیا: حضرت! اللہ تعالے

نے اس آزمائش میں ڈالا ہی نہیں۔ اور اگر ایسا واقعہ پیش آجاتا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا کیا حال ہوتا؟ پھر فرمایا: کیا تو کوئی قول اچھی طرح ادا کر سکتا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اور میں نے یہ شعر پڑھا:

رَأَیْتُكَ تَبْنِیْ دَائِمًا فِیْ قَطِیْعَتِیْ　　وَلَوْ كُنْتَ ذَا حَزْمٍ لَهَدَّمْتَ مَا تَبْنِیْ

میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تو مسلسل مجھ سے تعلقات منقطع کرنے کی بنا ڈال رہا ہے اگر تو دانشمند ہوتا تو اس بنا کو گرا دیتا۔

یہ سُن کر یوسف بن حسین نے قرآن بند کر دیا اور رونے لگ گئے یہاں تک کہ اُن کی داڑھی اور کپڑے تر ہو گئے۔ مجھے اُن کے زیادہ رونے پر رحم آیا۔ پھر فرمایا: بیٹا! رے والوں کو یہ کہنے پر ملامت نہ کرو۔ کہ یوسف بن حسین زندیق ہے۔ میں نماز کے وقت سے قرآن پڑھ رہا ہوں مگر میری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا۔ لیکن اس شعر کے پڑھنے سے میرے لئے قیامت بپا ہو گئی (۱۲۲۵)

میں نے محمد بن احمد بن محمد الصوفی سے سُنا کہ عبد اللہ بن علی الطوسی نے کہا کہ الرقی فرماتے تھے۔ کہ میں نے دراج کو فرماتے سنا (۱۲۲۶): میں اور ابن الفوطی دونوں بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ پر سے گذر رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت محل ہے۔ اور اس کا ایک جھروکا (کھڑکی) ہے۔ جہاں ایک آدمی بیٹھا ہے۔ اور سامنے ایک لڑکی گا رہی ہے اور کہہ رہی ہے۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وُدٌّ　　كَانَ مِنِّیْ لَكَ یُبْذَلُ

كُلَّ یَوْمٍ تَتَلَوَّنُ　　غَیْرُ هٰذَا بِكَ اَجْمَلُ

میری محبت اللہ کی راہ میں تمہارے لئے صرف کی جاتی ہے۔ مگر تو ہر روز رنگ بدل رہا ہے، تو اگر کوئی اور طرز اختیار کرتا تو بہتر ہوتا۔

پھر دیکھا تو ایک نوجوان کھڑکی کے نیچے ہاتھ میں چھاگل (لوٹا) لئے اور چیتھڑے پہنے سُن رہا ہے۔ پھر کہنے لگا اری لونڈی! تجھے تمہارے آقا کی زندگی کی قسم یہ شعر دہراؤ:

كُلَّ یَوْمٍ تَتَلَوَّنُ　　غَیْرُ هٰذَا بِكَ اَجْمَلُ

نوجوان نے پھر کہا: پھر کہو۔ لونڈی نے شعر دہرایا۔ فقیر نے کہا: اللہ کی قسم میں اسی طرح اللہ کے ساتھ رنگ بدلتا ہوں اس پر اس نے ایک آہ بھری اور اس کی روح نکل گئی۔ محل کے مالک نے لونڈی سے کہا۔ میں تجھے اللہ کی خاطر آزاد کرتا ہوں۔ بصرہ کے لوگ نکل کر آئے اور اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے دفن کر دیا۔ محل کے مالک نے اٹھ کر کہا: کیا تم لوگ مجھے نہیں جانتے۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ ہر وہ چیز جو میری ملکیت ہے اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ اور میرے تمام غلام آزاد ہیں۔ اس کے بعد اس نے ایک تہ بند باندھا اور ایک چادر اوڑھ لی۔ اور محل کو صدقہ میں دے کر چلا گیا۔ اس کے بعد نہ اس کی شکل دکھائی دی اور نہ کہیں اس کا نشان ملا۔

میں نے محمد بن احمد بن محمد الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی الطوسی نے ان سے کہا کہ یحییٰ بن الرضا العلوی کہتے تھے۔ کہ ابو سلیمان[۱۲۷] دمشقی نے ایک گردش کرنے والے کو یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا کہ اے جنگلی شاہترہ (یا سعتر بری) اور وہ غش کھا کر گر گئے جب وہ ہوش میں آئے تو ان سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا میں نے سمجھا کہ یہ کہہ رہا ہے "اسع تری بری" (کوشش کرو تو تم میرے احسان کو دیکھ لو گے)

عتبۃ الغلام نے کسی شخص کو یہ شعر پڑھتے سنا:

سُبحَانَ رَبِّ السَّمَاءِ ۔۔۔ انَّ المحبّ لفی عناءِ

(پاک ہے آسمان کا رب ، بیشک محبت والا رنج میں ہے)

تو کہا: تو سچ کہہ رہا ہے۔

ایک اور شخص نے یہی شعر سنا تو کہا: تو جھوٹ کہہ رہا ہے ہر ایک نے اپنے اپنے مقام سے یہ شعر سنا۔

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج نے ان سے کہا کہ ابو الحسین[۱۲۸] علی بن محمد الصوفی فرماتے تھے کہ کسی نے ادیم سے ان مشائخ کے متعلق سوال کیا جن سے ان کی ملاقات سماع میں ہوئی۔ تو فرمایا: ان کی مثال اس ریوڑ کی سی ہے جس میں بھیڑیا گھس جائے۔

سماع وجد — ابوسعید خراز سے حکایت ہے کہا میں نے علی بن موفق(۲۲۹) کو ایک سماع میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے مجھے کھڑا کر دو۔ لوگوں نے اُنھیں کھڑا کر دیا۔ انھوں نے اُٹھ کر وجد کا اظہار کیا۔ پھر کہا میں پھرتیلا بوڑھا ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ رقی نے ایک بار ساری رات اس طرح گزاری کہ وہ شعر پڑھتے اور اُٹھتے اور گر پڑتے۔ اور لوگ کھڑے رو رہے تھے۔

بِاللّٰہِ فَارْدُدْ فُؤَادَ مُکْتَئِبٍ
لَیْسَ لَہٗ مِن حَبِیْبِہٖ خَلَفٌ

خدا کے لئے اس غمزدہ کا دل واپس کر دو۔ جس کے لئے محبوب کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔

قرآن کا اثر — میں نے محمد بن احمد التمیمی سے سنا کہ عبداللہ بن علی الصوفی نے اُن سے کہا کہ علی بن الحسین بن محمد بن احمد البصری فرماتے تھے کہ میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا کہ میں نے کئی سال سہل بن عبداللہ کی خدمت کی۔ مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ذکر قرآن یا کسی اور چیز کے سننے سے ان میں کوئی تغیّر پیدا ہوا ہو۔ جب اُن کا آخری وقت آیا تو کسی نے اُن کے سامنے پڑھا۔

لیوم لا یؤخذ منکم فدیۃ (آج تم سے کسی قسم کا تاوان قبول نہ کیا جائے گا) تو میں نے دیکھا کہ ان میں تغیّر آگیا اور کانپنے لگ گئے۔ اور قریب تھے کہ گر جائیں۔ جب ہوش میں آئے تو میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: دوست! ہم کمزور ہو گئے ہیں۔

ایضاً — ابنِ سالم نے بیان کیا کہ ایک بار میں نے انھیں دیکھا کہ کسی نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ (فی الحقیقت اس دن حکومت اللہ کی ہو گی) تو ان کا رنگ بدل گیا اور وہ گرنے لگے۔ جب میں نے اس کا ذکر کیا تو فرمایا: میں کمزور ہو گیا ہوں۔

یہ اکابر (صوفیہ) کی حالت تھی کہ اُن پر خواہ کس قدر قوی وارد کیوں نہ آتا وہ خود اس سے زیادہ قوی ہوتے۔

میں نے شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ میں نے ابوعثمان مغربی کے ہاں گیا تو

ایک شخص کنوئیں کی چرخی پر کنوئیں سے پانی نکال رہا تھا۔ ابوعثمان نے فرمایا: اے ابوعبدالرحمن کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ چرخی کیا کہہ رہی ہے؟ میں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہی ہے اللہ اللہ۔

میں نے محمد بن عبد اللہ الصوفی سے سنا کہ علی بن طاہر[۱۲۳۰] نے کہا کہ عبد اللہ بن سہل[۱۲۳۱] فرماتے ہیں نے رویم کو سنا فرماتے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ناقوس کی آواز سنی تو اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے: سبحان اللہ حقاً حقاً ان المولیٰ صمد یبقی

میں نے محمد بن احمد التمیمی سے سنا . . . . . . کہ عبداللہ بن علی نے ان سے کہا کہ احمد بن علی الکرخی الوجیہی فرماتے تھے کہ صوفیا کی ایک جماعت حسن قزاز کے گھر میں جمع تھی۔ اور ان کے ساتھ قوال بھی تھے۔ قوال لے سے بولتا اور وہ وجد میں آتے، ممشاد دینوری بھی وہاں آ گئے اور وہ خاموش ہو گئے۔ ممشاد نے فرمایا: اپنا کام جاری رکھو۔ اگر دنیا بھر کے ملاہی بھی میرے کانوں میں جمع کر دیئے جائیں تب بھی وہ میرے ارادوں کو اپنی طرف نہیں پھیر سکتے۔ اور نہ مجھے کچھ تسکین دے سکتے ہیں۔

اسی اسناد سے وجیہیؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے ابوعلی رودباری کو فرماتے سنا: اس معاملہ میں ہم ایسی جگہ پہنچ چکے ہیں جو تلوار کی دھار کی طرح ہے اگر اس طرف جھکے تو دوزخ میں گئے۔

خیر النساج فرماتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو ایک قصہ سنایا تو ایک نے چیخ ماری۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈانٹا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی۔ کہ اے موسیٰ یہ لوگ میری خوشبو سے مہکتے ہیں۔ میری محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور میرے وجد سے چلاتے ہیں۔ لہٰذا تو میرے بندوں کی بات کو برا کیوں مانتا ہے؟

کہتے ہیں کہ شبلیؒ نے کسی کہنے والے کو سنا کہ کہہ رہا ہے: ایک دانق (دانگ) کی دس ککڑیاں (کھیار)، یہ سن کر آپ نے چیخ ماری اور فرمایا: جب ایک دانگ کے

دس خیار ہوں تو اشرار کا کیا حال ہو گا۔

کہتے ہیں کہ جب جنت میں حور عین گانا گائیں گی۔ تو اُس کے اثر سے درختوں میں پھول آ جائیں گے۔

کہتے ہیں کہ عون بن عبد اللہ (۲۳۲) کی ایک لونڈی تھی جس کی سریلی آواز تھی۔ وہ اُسے حکم دیتے تو وہ پُرسوز آواز سے گاتی جس سے سب لوگ رونے لگ جاتے۔

ابو سلیمان دارانیؒ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہر وہ دل جو عمدہ آواز کی خواہش رکھتا ہے کمزور دل ہے اور وہ اپنے دل کا علاج کرنا چاہتا ہے جس طرح بچے کو جب سُلانا چاہتے ہیں تو اُس کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ابو سلیمان نے کہا کہ سُریلی آواز دل میں کچھ ڈال نہیں دیتی۔ وہ تو دل میں جو کچھ ہوتا ہے اُسے حرکت میں لے آتی ہے۔

ابن ابی الحواری فرماتے ہیں: اللہ کی قسم ابو سلیمانؒ سچ کہتے ہیں۔

حریریؒ فرماتے ہیں: تم ربانی بنو یعنی اللہ کی طرف سے سنو اور اللہ کی مدد کے ساتھ کہو۔

ایک صوفی سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: یہ بجلیاں ہیں جو چمک کر بجھ جاتی ہیں اور نور ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں اور پھر چھپ جاتے ہیں۔ اگر نور والے کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی رہ جائیں تو کس قدر عمدہ ہوں گے۔ پھر یہ شعر کہنے لگے۔

خَطْرَةٌ فِي السِّرِّ مِنْهَا خَطَرَتْ

خَطْرَةَ الْبَرْقِ ابْتَدَى ثُمَّ اضْمَحَلَّ

اَيُّ زَوْرٍ لَكَ لَوْ قَصْدًا سَرَى

وَمُلِمٍّ بِكَ لَوْ حَقًّا فَعَلَ

راز ہی راز میں محبوب کا خیال اس طرح آیا جس طرح بجلی چمک کر مدھم پڑ جائے۔

اگر یہ خیال قصداً آیا تھا تو پھر یہ کس قسم کی زیارت تھی کہ ٹھہرا بھی نہیں اور چل دیا۔

اور یہ اُترنے والا کون تھا اگر اُس نے درحقیقت ایسا کیا۔

کہتے ہیں کہ سماع میں ہر عضو اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔ آنکھ کو جو حصہ ملتا ہے۔

اس سے آنکھ رونے لگ جاتی ہے۔ جو زبان کو ملتا ہے اس سے زبان چلانے لگ جاتی ہے۔ جو ہاتھ کو ملتا ہے تو ہاتھ اس کی وجہ سے کپڑے پھاڑنے اور تھپڑ مارنے لگتے ہیں۔ اور جو پاؤں کو ملتا ہے اس سے پاؤں ناچنے لگ جاتے ہیں۔

زیرکی اور گانا

کہتے ہیں کہ ایک ایرانی بادشاہ مرگیا اور اُس کے مرنے کے بعد ایک چھوٹا بچہ رہ گیا لوگوں نے اُسی کو جانشین بنانا چاہا۔ اور کہنے لگے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ اُسے کچھ سمجھ بُوجھ بھی ہے۔ یا نہیں، اور سب نے بالاتفاق یہی فیصلہ کیا کہ ایک قوال کو بُلا کر اس سے گیت گوائے جائیں۔ اگر اس نے خوب کان لگا کر سنا تو سمجھ لیں گے۔ کہ یہ بچہ دانشمند ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ جب قوال نے گیت گایا تو بچہ ہنس پڑا۔ یہ دیکھ کر سب نے زمین بوسی کی۔ اور اس کی بیعت کی۔

سماع میں دکھاوے کی مذمت

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ ابوعمرو بن نجید اور نصرآبادیؒ اور اس طبقہ کے اور لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو نصرآبادی نے کہا کہ جب لوگ اکٹھے ہوں گے تو میں کچھ کہوں گا۔ یہ بہتر ہے کہ ایک شخص بولے اور باقی خاموش رہیں۔ بہ نسبت اس کے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ اس پر ابوعمرو نے کہا: تیس سال غیبت کرتے رہنا اس سے بہتر ہے۔ کہ تو سماع میں ایسی حالت کا اظہار کرے جو تمہاری حقیقی کیفیت نہیں۔

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ لوگوں کی سماع میں تین قسمیں ہیں۔ (۱) متسمع (۲) مستمع (۳) سامع۔

متسمع تو اپنے وقت کے ساتھ سنتا ہے اور مستمع حالؔ کے ساتھ اور سامع حق کے ساتھ۔

قشیری اور سماع

میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ سے کئی بار اس سماع سننے کے لئے اجازت کی درخواست کی۔ آپ ہر دفعہ مجھے ٹال دیتے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہوتا کہ اس سے باز رہنا ہی اچھا ہے۔ پھر جب میں کافی عرصہ تک بار بار کہتا رہا۔ تو فرمایا:

مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ سماع جو تمہارے دل کو جمع کر کے اللہ کی طرف لے آئے۔ اس کے سننے میں کوئی حرج نہیں۔

ہم سے ابوالحسن علی بن احمد الاہوازی نے کہا کہ احمد بن عبید البصری نے ان سے کہا کہ اسمٰعیل بن الفضل البلخی نے ان سے یحییٰ بن یعلی الرازیؒ نے ان سے حفص بن عمر العمری (۱۳۳) نے اُن سے ابوعمرو عثمان بن بدر نے اُن سے

ہارون(۱۲۳۴) ابو حمزہ العبد اقرنے روایت کی۔(۱۲۳۵) اُنھوں نے سعید بن جبیر سے سنا۔
انھوں نے کہا ابنِ عباس فرماتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی
طرف وحی کی کہ میں نے تجھ میں دس ہزار کان بنائے۔ تب کہیں جاکر تو میرا
کلام سُن سکا ہے۔ اور دس ہزار زبان دی۔ تب کہیں جاکر تو مجھے جواب
دے سکا۔ مگر تو میرا زیادہ محبوب اور مجھ سے زیادہ قریب اس وقت ہو سکتا
ہے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجے۔

کہتے ہیں کہ کسی صوفی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو
آپ نے فرمایا: بیشتر لوگوں کو اس میں غلطی ہو جاتی ہے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سماع سے تھی۔

سماع سے بچنا بہتر ہے

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا کہ
محمد بن عبداللہ بن شاذان سے اُن سے (۱۲۳۶)
کہا کہ ابوبکر الہاوندی نے اُن سے کہا کہ علی السائح نے کہا کہ ابو الحارث
الاولاسی فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا کہ وہ اولاس میں
کسی مکان کی چھت پر ہے۔ اور ایک چھت پر میں ہوں۔ اور ابلیس
کے دائیں اور بائیں لوگ ہیں جنھوں نے صاف وستھرے کپڑے پہن
رکھے ہیں۔ ابلیس نے اُن میں سے ایک جماعت کو کہا۔ گاؤ۔ انھوں
نے گانے گائے اور گانا اتنا عمدہ تھا کہ میں بہک گیا۔ اور چاہا
کہ اپنے آپ کو چھت پر سے پھینک دوں۔ اس کے بعد شیطان
نے کہا: ناچو۔ سب نے نہایت عمدہ ناچ ناچا۔ اس کے بعد
ابلیس نے مجھے کہا:۔ اے ابو الحارث مجھے تو صرف یہی ایک چیز ملی
ہے۔ جس کے ذریعہ سے میں تم لوگوں کے اندر گھس سکتا ہوں۔

شیطان کے گھسنے کا راستہ

میں نے محمد بن الحسین سے سُنا انھوں نے کہا عبداللہ بن علی
فرماتے تھے۔ کہ ایک رات میں شبلی رہ کے ساتھ تھا۔

شبلی کی حالت سماع میں

قوال نے کوئی گانا گایا۔ جس کے سننے سے شبلی نے چیخ ماری۔ اور بیٹھے بیٹھے وجد میں آ گئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا اے ابوبکر جب باقی سب لوگ کھڑے ہیں تو آپ اکیلے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر شبلیؒ کھڑے ہو کر وجد میں کہنے لگے۔

لی سکرتان وللندمان واحدۃ

شیئ خصصت بہ من بینھم وحدی

ندیم کو ایک مستی ہے۔ اور مجھے دو۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف مجھ ہی کو حاصل ہے۔

گانا اور موت

اور انہی سے سُنا کہ منصور بن عبداللہ اصبہانی نے ان سے کہا: کہ ابو علی رودباری فرماتے تھے۔ کہ مَیں ایک محل سے گذرا۔ تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان پڑا ہوا ہے۔ اور اس کے گرد لوگ جمع ہیں۔ مَیں نے جب دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ نوجوان اس محل کے پاس سے گذر رہا تھا اور ایک لونڈی یہ گا رہی تھی۔

کبرت ھمۃ عبد طمعت فی ان تراکا

اوما حسب لعین ان تری من قد راٰکا

اس بندے کی ہمت کس قدر بلند ہے۔ جو تجھے دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ کیا آنکھ کے لئے اس قدر کافی نہیں کہ وہ ان لوگوں کو دیکھ لے جنھوں نے تجھے دیکھا ہے۔

یہ سُن کر اس نے آہ بھری اور مر گیا۔

---

۵۰ – اولیاء اللہ کی کرامتیں

استاد ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہؒ سے کرامت کا ظاہر ہونا جائز ہے اس کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے
کہ یہ ایک امر ہے۔ کہ جس کا واقع ہونا عقل میں آتا ہے اور اس سے کوئی شرعی اصول نہیں ٹوٹتا۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا
کہ ہم اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس طرح بیان کریں۔ کہ اسے کرامت کے پیدا کرنے کی قدرت ہے۔ لہٰذا جب یہ واجب ہو گیا۔
کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ تو اس کے جائز ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔

اور کرامت کا ظاہر ہونا اس شخص کی سچائی کی علامت ہے۔ جس کے احوال میں یہ ظاہر ہوتی ہے۔
لہٰذا جو سچا نہ ہو گا … اس سے اس قسم کی کرامت کا ظاہر ہونا بھی جائز نہیں۔ اس کا پتہ اس سے
چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرامت کی جو شناخت ہمیں بتلائی ہے تاکہ ہم سچے اور جھوٹے میں فرق کر سکیں وہ استدلال کے طور پر
ایسا امر ہے جو عقل میں آ سکتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ولی کو ایسے امور کیساتھ مخصوص کر دیا جائے۔ جو مفتری
کذاب میں نہیں پائے جا سکتے اور یہی وہ امر ہے جسے ہم کرامت کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کرامت ایام
تکلیف میں (یعنی اسی دنیا میں) ایک خارق عادت فعل ہو۔ اور ایسے شخص سے صادر ہو۔ جو ولایت کے ساتھ موصوف ہو۔ تاکہ
اس کی حالت کی اس سے تصدیق ہو سکے۔

کرامت اور معجزہ میں فرق

اہل حق نے کرامت اور معجزہ میں فرق کرنے پر بحث کی ہے چنانچہ امام ابو اسحٰق (۱۲۳ھ)
اسفرائینی فرمایا کرتے تھے کہ معجزات انبیاء کے سچے ہونے کی دلیل ہیں۔ اور وہ چیز جو نبوت کی دلیل ہو۔ بغیر نبی کے پاس نہیں ہو
سکتی جسطرح کہ عقل محکم عالم کے عالم ہونے کی دلیل ہے۔ اور وہ غیر عالم میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اولیاء اللہ
کے لئے کرامات ہیں۔ مثلاً دعا کا قبول ہونا مگر انبیاء کے معجزہ کی سی چیز کا ان سے واقع ہونا جائز نہیں۔

مگر امام ابوبکر بن فورک فرمایا کرتے ہے معجزات سچائی کی دلیلیں ہوتی ہیں۔ پھر اگر معجزہ دکھانے والا نبوت کا دعویٰ کرے
تو معجزہ اس کے قول کے سچے ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر وہ ولایت کی طرف اشارہ کرتا ہے تو معجزہ
اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کی حالت سچی ہے۔ مگر اس صورت میں اسے کرامت کہا جائے گا معجزہ نہیں
خواہ یہ معجزات کی جنس میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ نبی اور ولی کے فعل میں فرق ہے۔

ابن فورک بھی فرمایا کرتے ۔ کہ معجزہ اور کرامت میں یہ فرق ہے ۔ کہ انبیاء علیہم السلام کو معجزہ کے ظاہر کرنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے ۔ مگر ولی پر یہ واجب ہوتا ہے ۔ کہ وہ کرامت کو چھپائے ۔ اور اُسے پوشیدہ رکھے ۔ نبی معجزہ ظاہر کرنے کا دعویٰ کرتا ہے ۔ اور قطعی طور پر اس کا ذکر کرتا ہے ۔ (کہ یہ اس کا معجزہ ہے ۔ مگر ولی نہ تو دعویٰ کرتا ہے اور نہ قطعی طور پر اس کا ذکر کرتا ہے ۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ صرف دھوکا ہو ۔

قاضی ابو بکر اشعری کا بیان (۷۳۹)

قاضی ابو بکر اشعریؒ جو اپنے زمانہ میں اپنے فن میں یکتا تھے ۔ فرماتے تھے ۔ معجزات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ اور کرامات اولیاء کے لئے بھی اسی طرح ہوتی ہیں جس طرح انبیاء کے لئے ؛ مگر اولیاء کے لئے معجزات نہیں ہوتے ۔ اس لئے کہ معجزہ کی شرط یہ ہے ۔ کہ اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ بھی ہو ۔ معجزہ خود بخود معجزہ نہیں کہلا سکتا ۔ اسے معجزہ صرف اس وقت کہا جائے گا ۔ جب اس میں بہت سی صفات پائی جائیں ۔ اور اگر کسی ایک شرط میں بھی کوئی خلل پڑ گیا ۔ تو یہ معجزہ نہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے ۔ کہ معجزہ ظاہر کرنے والا نبوت کا دعویٰ بھی کرے ۔ اور ولی مدعی نبوت نہیں ہوتا ۔ لہٰذا جو بات اس سے ظاہر ہوگی ۔ وہ معجزہ نہ ہوگا ۔ اسی قول پر ہمارا اعتماد ہے بلکہ یہی ہمارا دین ہے ۔ معجزہ کی تمام یا اکثر شرطیں کرامت میں پائی جاتی ہیں ۔ صرف یہی ایک شرط نہیں پائی جاتی ۔ (یعنی دعوت نبوت) اور کرامت یقیناً ایک حادث فعل ہے ۔ اس لئے کہ جو فعل قدیم ہوتا ہے ۔ وہ کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا ۔ (۲) کرامت خارق عادت ہوتی ہے ۔ (۳) اور تکلیف کے زمانہ میں ہوتی ہے (۴) اور کسی بندے سے اس لئے ظاہر ہوتی ہے ۔ کہ اس کی خصوصیت یا فضیلت ظاہر ہو جائے ۔ کبھی تو کرامت ولی کے اختیار اور مطالبہ سے ظاہر ہوتی ہے ۔ اور کبھی اختیار سے ظاہر نہیں ہوتی ۔ اور بعض اوقات بغیر اختیار کے ظاہر ہو جاتی ہے ۔

ولی لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت نہیں دیتا

ولی کو اس بات کا حکم نہیں دیا جاتا۔ کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے۔ لیکن اگر وہ ان لوگوں کے سامنے جو اس کے اہل ہوں اس قسم کا اظہار کرے تو جائز ہے۔

کیا ولی کو اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ وہ ولی ہے

اہل حق کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ آیا ولی کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ ولی ہے یا نہیں۔

ابن فورک کا قول

امام ابو بکر بن فورک رح فرمایا کرتے تھے۔ کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ اگر اُسے اپنی ولایت کا علم ہو جائے۔ تو اس سے خوف جاتا رہے گا۔ اور وہ بے فکر ہو جائے گا۔

ابو علیؒ دقّاق کا قول

استاد ابو علیؒ دقاق فرمایا کرتے کہ ولایت کا علم ہونا جائز ہے۔ ہم اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہی ہمارا اعتقاد ہے۔ مگر یہ تمام اولیاء کے لئے ضروری نہیں کہ ہر ولی کو اس بات کا علم ہو۔ کہ وہ ولی ہے۔ چنانچہ بعض کو علم ہو سکتا ہے اور بعض کو نہیں۔ چنانچہ جن کو اس بات کا علم ہو جائے کہ وہ ولی ہیں۔ یہ ان کی مخصوص کرامت ہوگی۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کرامت ایک ولی سے ظاہر ہو وہی کرامت ہر ولی سے ظاہر ہو۔ بلکہ اگر دنیا میں ولی سے کوئی کرامت بھی ظاہر نہ ہو تو اس سے اس کی ولایت میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا۔

انبیاء کا یہ حال نہیں۔ ان کے لئے معجزات کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ نبی کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اور لوگوں کو اس کی سچائی معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ سچائی معجزہ کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ ولی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ تو لوگوں کے لئے اس بات کا جاننا ضروری

ہے۔ کہ وہ ولی ہے۔ اور نہ خود ولی کے لئے اپنی ولایت کا علم ضروری ہے۔

اور وہ دس صحابی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خبروں متعلق تصدیق کی جو آپ نے انہیں بتلائیں۔ ان کے متعلق رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ جنتی ہیں[۵]۔

جن لوگوں نے اس امر کو جائز قرار نہیں دیا۔ کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو۔ اس خیال سے کہ وہ بیخوف ہو جائیں گے (تو اس میں کوئی بات نہیں) کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کہ وہ اپنی عاقبت کے بدل جانے سے ڈرتے رہیں لیکن وہ ہیبت خداوندی عظمت و جلال باری جن کو وہ اپنے دلوں کے اندر پاتے ہیں۔ وہ خوف سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔

ولی کو اپنی کرامت سے مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ یاد رکھیں کہ ولی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنی کرامت پر نظر رکھے بعض اوقات اس قسم کی کرامتوں کے ظاہر ہونے سے ان کے یقین میں قوت اور بصیرت زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ کرامت (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور اس سے انہیں اپنے عقائد کے صحیح ہونے کی دلیل مل جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ ولی کے ہاتھوں کرامت کا ظاہر ہونا جائز ہے۔ واجب ہے۔ اور یہی عقیدہ جمہور اہل معرفت کا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی روایتیں اور حکایتیں کثرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ اس لئے اولیاء سے فی الجملہ ان کے ظاہر ہونے کا علم اس قدر قوی ہو جاتا ہے۔ کہ اس سے تمام شکوک اٹھ جاتے ہیں جو شخص ان لوگوں کے درمیان رہے اور ان روایات و حکایات متواترہ سے پہنچتے رہیں۔ اسے اس بات میں قطعاً شبہ نہیں رہتا۔

کرامت پر قرآن مجید سے استدلال اس کی دلیل قرآن مجید کی وہ نص ہے۔

---

[۵] "جب ان صحابیوں کو اپنے جنتی ہونے کا یقینی طور پر علم ہو گیا۔ وہ بے خوف نہیں ہوئے اسی طرح اگر ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو جائے۔ تو کوئی حرج نہیں"

جس کا ذکر سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ

(میں اسے تمہارے پاس آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لے آؤں گا) حالانکہ ان الفاظ کا کہنے والا نبی نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی کرامت

اور یہ صحیح اثر ہے۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران کہا۔ یا ساریۃ الجبل (اے ساریہ! پہاڑ پر چڑھ جا۔) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی یہ آواز اسی وقت ساریہ کو پہنچا دی۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اسی وقت پہاڑ کے اُن مقامات سے اپنا بچاؤ کر لیا۔ جہاں دشمن چھپے ہوئے تھے

ایک اعتراض

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان کرامات کا اظہار کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ جن میں رسولوں کے معجزات سے بھی بڑھ کر کرامتیں پائی جاتی ہیں؟ اور کیا اولیاء کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینا جائز ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ کرامتیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات میں شمار ہوں گی۔ کیونکہ جو صادق الاسلام نہ ہوگا، اس سے کرامت ظاہر نہ ہوگی۔ اور جس نبی کے اُمتی سے کوئی کرامت ظاہر ہوگی وہ اس نبی کے معجزات میں شمار ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ رسول سچا نہ ہوتا۔ تو اس کے تابعداروں سے کرامت ظاہر نہ ہوتی۔

لیکن اولیاء کا مرتبہ انبیاء کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسی پر سب کا اتفاق ہے۔

ابو یزید بسطامی کا قول

چنانچہ ابو یزید بسطامی سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا۔ جو کچھ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوا ہے۔ اس کی مثال ایک شہد کے مشکیزہ کی ہے۔ جس سے ایک قطرہ

انبیاء و اولیاء

ٹپک جائے۔ یہ ایک قطرہ اس مرتبہ اور علم کی مثال ہے جو تمام اولیاء کو حاصل ہوا۔ اور جو کچھ برتن کے اندر ہے۔ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے

فصل

یہ کرامتیں کبھی تو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ کہ کسی ولی کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ کبھی اس طرح کہ فاقہ کے وقت بغیر کسی ظاہری سبب کے کھانا موجود ہو جائے۔ یا پیاس کے وقت پانی حاصل ہو جائے یا تھوڑی سی مدت میں لمبی مسافت کا طے کرنا آسان ہو جائے، یا دشمن سے نجات مل جائے یا کسی ہاتف کے ذریعہ خطاب کیا جائے وغیرہ وغیرہ ایسے امور جو خلاف عادت ہیں۔

یاد رکھیں کہ آجکل اللہ کی بہت سی قدرتیں جو ظاہر ہوتی ہیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ولی کی کرامت کے طور پر ظاہر نہیں ہوسکتیں اور ان کا علم بھی ضروری طور پر یا بطور شبہ ضروری حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں۔ کہ کوئی انسان بغیر والدین کے پیدا ہو جائے۔ یا جمادات میں سے کوئی چیز چوپایہ بن جائے وغیرہ۔ وغیرہ

ولی کے معنی اگر کوئی سوال کرے۔ کہ ولی کے کیا معنی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ یہ لفظ ولی فعیل کا وزن ہو۔ جو فاعل میں مبالغہ کے معنی پیدا کرنے کیلئے مستعمل ہے۔ جیسے علیم و قدیر وغیرہ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ ولی وہ شخص ہے۔ جو لگاتار اطاعت خداوندی میں مشغول رہے اور اس دوران میں کسی قسم کی معصیت اس سے سرزد نہ ہو۔

(۲) یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ جیسے قتیل بمعنی مقتول اور جریح بمعنی مجروح اس صورت میں ولی وہ شخص ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے والی بن چکا ہے۔ کہ اس کی حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کے لئے خذلان"

یعنی معصیت کاری کی قدرت پیدا ہی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی توفیق ہمیشہ کے لئے عطا کر دیتا ہے۔ توفیق یہ ہے۔ کہ اسے اطاعت گذاری پر قدرت ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ وہ صالحین کا ولی بنتا ہے۔

فصل

کیا ولی معصوم ہوتا ہے؟

اگر کوئی یہ سوال کرے۔ کہ ولی معصوم ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ولی انبیاء کی طرح لازمی طور پر معصوم نہیں۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ولیوں کو گناہ سے محفوظ رکھے۔ یہانتک کہ اگر ان سے کوئی کمزوری یا غلطی یا لغزش سرزد ہو جائے تو اس پر ڈٹے نہ رہیں۔ اس طرح ان کو محفوظ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

کسی نے جنیدؒ سے سوال کیا تھا۔ کہ آیا عارف زنا کا مرتکب ہو سکتا ہے یا نہیں۔ آپ نے تھوڑی دیر سر جھکایا۔ اور پھر سر اٹھا کر کہا۔" وَكَانَ امرُاللهِ قَدَرًا مَقدُورًا" "اللہ کا حکم تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔"

فصل

کیا ولی کا خوف جاتا رہتا ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ولی سے خوف ساقط ہو جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اکابرین اولیاء پر خوف غالب رہتا ہے۔ اور پیشتر جو ذکر کیا گیا۔ کہ شاذ و نادر خوف زائل ہو جاتا ہے۔ تو اس کا بھی امکان ہے۔ چنانچہ سریؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص کسی باغ میں جائے۔ جس میں کثرت سے درخت لگے ہوں۔ اور ہر درخت پر پرندے بیٹھے ہوئے واضح الفاظ میں یہ کہہ رہے ہوں۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللهِ تو اس وقت اگر وہ اس بات سے نہیں ڈرے گا۔ کہ یہ مکر ہے۔ تو یقیناً یہ شخص دھوکا کھا جائے گا۔ اولیاء اللہ کے متعلق اس قسم کی بہت سی حکایتیں ہیں۔

فصل

کیا دُنیا کے اندر دیدار الٰہی کرامت کے طور پر ہو سکتا ہے.

اگر کوئی یہ سوال کرے. کہ کیا آپ بھی دنیا کے اندر ظاہری آنکھوں سے کرامت کے طور پر دیدار خداوندی ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں قوی فیصلہ یہی ہے کہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر سب کا اتفاق ہو چکا ہے۔ میں نے امام ابو بکر بن فورک سے سنا. وہ فرماتے تھے. کہ اس مسئلہ میں ابوالحسن اشعریؒ نے کتاب الرویۃ الکبیر میں دو قوال نقل کئے ہیں۔

فصل

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اس وقت تو ولی ہو مگر بعد میں وہ ایسا نہ رہے

اگر کوئی یہ سوال کرے. کہ کیا یہ ہو سکتا ہے. کہ کوئی شخص اس وقت تو ولی ہو. مگر انجام کار وہ بدل جائے اور ولی نہ رہے.

جواب.. جن لوگوں نے ولایت کے لئے حسن موافاۃ (اچھی طرح حق پورا کرنا) کی شرط لگائی ہے. وہ اسے جائز قرار نہیں دیتے. کہ ولی کی عاقبت بدل جائے مگر جو یہ کہتے ہیں. کہ ولی اس وقت حقیقی مومن ہے. اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں اس کی حالت بدل جائے تو کوئی بعید نہیں. کہ ایک شخص اس وقت تو سچا ولی ہو. اور پھر بدل جائے. ہم نے اسی بات کو اختیار کیا ہے.
یہ بھی ہو سکتا ہے. کہ ولی کو کرامت کے طور پر اس بات کا علم دیا گیا ہو کہ اس کا انجام بخیر ہوگا. اور وہ انجام کار نہیں بدلے گا. اس صورت میں یہ مسئلہ اسی قسم کا ہے. جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں. کہ یہ جائز ہے کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم ہو جائے.

فصل

کیا ولی سے مکر کا خوف زائل ہو جاتا ہے.

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ولی سے

مکر کا خوف زائل ہو جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر ولی اپنے مشہود میں مستغرق ہو اور اپنی حالت کی وجہ سے اپنے احساس کھو بیٹھا ہو۔ تو یہ شخص تو غلبۂ حال کی وجہ سے اپنے آپ سے کھویا ہوا ہے۔ اور خوف تو ان لوگوں کی صفت ہے۔ جن کے احساسات حاضر ہوں۔

فصل

ہوش کی حالت میں ولی پر کیا کیفیت غالب ہوتی ہے

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ہوش میں ہوتے ہوئے ولی پر کیا کیفیت غالب ہوتی ہے؟

جواب :- ولی ہوش میں ہونے کی حالت میں صدق دل سے حق سبحانہٗ کے حقوق ادا کرتا ہے۔ نیز ہر حالت میں وہ مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتا ہے۔ تمام مخلوق پر وہ اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے۔ اور اچھے اخلاق کے ساتھ ان کی باتوں وغیرہ وغیرہ کو برداشت کرتا ہے۔ اور بغیر اس کے کہ لوگ اس سے درخواست کریں۔ وہ خود ہی اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے۔ کہ ان پر اپنا احسان کرے۔ اور اپنی تمام ہمت اس میں لگائے رکھتا ہے۔ کہ مخلوق کو نجات حاصل ہو۔ وہ لوگوں سے انتقام نہیں لیتا۔ اور اس بات سے بچتا ہے۔ کہ کہیں اس میں ان سے کینہ رکھنے کا احساس نہ پیدا ہو جائے۔ بایں ہمہ وہ اپنا ہاتھ لوگوں کا مال لینے کے لئے نہیں بڑھاتا۔ اور ہر طریقہ سے لالچ کو ترک کرتا ہے۔ اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے۔ کہ کہیں انہیں برا نہ کہے۔ اور اپنے نفس کو ان کی برائیاں دیکھنے سے بچاتا ہے اور وہ اس دنیا میں اور آخرت میں کسی سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرتا۔

سب سے بڑی کرامت اللہ کی فرمانبرداری اور گناہ سے بچنا ہے

یاد رکھو کہ اولیاء کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی اطاعت گزاری کی ہمیشہ توفیق دیتا رہے اور معصیت اور خدا کے احکام کی مخالفت سے بچاتا رہے۔

قرآن مجید سے کرامت کی دلیل

ولیوں سے کرامت کے اظہار کے متعلق جو گواہی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے یہ ہے

کہ حق سبحانہ نے مریم علیہا السلام کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ نہ نبی تھیں نہ رسول ۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔ زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے پاس بالا خانے میں جاتے تو ان کے پاس رزق پاتے۔

زکریا ان سے کہتے ہیں۔ أَنَّى لَكِ هَٰذَا (یہ تمہارے پاس کیسے آیا۔) تو مریم کہتی ہیں۔ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے۔)

کرامت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۔ کھجور کے تنے کو اپنی طرف حرکت دو ۔ تو تر و تازہ کھجوریں گریں گی۔ حالانکہ یہ تازہ کھجوروں کا زمانہ نہ تھا۔

اسی طرح اصحاب کہف کے قصہ میں بھی کرامت کی دلیل پائی جاتی ہے عجیب و غریب واقعات ان کو پیش آئے ۔ مثلاً کتے کا ان سے کلام کرنا وغیرہ

کرامات ہی میں سے ذو القرنین کا قصہ ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام کے کرنے کی قدرت دی۔ جس کو اور لوگ نہ کر سکے۔

قرآنی دلائل میں سے وہ کرامات بھی ہیں۔ جو انوکھی باتیں خضر علیہ السلام سے ظاہر ہوئیں۔ مثلاً دیوار کا کھڑا کر دینا اور دیگر عجیب و غریب امور ۔ اور یہ کہ وہ ان باتوں کو جانتے تھے۔ جو موسیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ تھیں یہ سب باتیں خارق عادت باتیں تھیں جن کے ساتھ خضر علیہ السلام کو خصوصیت حاصل تھی۔ حالانکہ وہ نبی نہ تھے صرف ولی تھے۔

کرامات کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں۔ ان میں ایک حدیث جریج راہب کی ہے۔

ہم سے ابو نعیم عبد الملک بن الحسن الاسفرائنی نے بیان کیا۔ کہ ابو عوانہ یعقوب بن ابراہیم بن اسحق نے ہم سے کہا۔ عمار بن رجاء[۱۲۴۲] نے ان سے کہا۔ کہ وھب[۱۲۴۳]

بن جریر بن حازم نے کہا۔ میرے والد[۱۲۴۴] نے کہا کہ میں نے محمد بن سیرین سے سنا انہوں نے کہا۔ کہ ابو ہریرہؓ نے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ابو عوانہ کی روایت ہے کہ ان سے الصغانی اور ابو امیہ[۱۲۴۵] نے کہا کہ ان سے الحسین[۱۲۴۶] بن محمد المروزی نے کہا۔ کہ ہم سے جریر بن حازم[۱۲۴۷] نے محمد سیرین سے روایت کی۔ کہ ابو ہریرہؓ نے کہا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین شخصوں نے اس وقت بات کی۔ جب کہ وہ ابھی گود میں تھے۔ عیسٰیؑ ابن مریمؑ اور جریج کے عہد میں ایک بچے نے، نیز اور ایک بچے نے، عیسٰیؑ کو تو تم لوگ جانتے ہی ہو۔

جریج کا قصہ یہ ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں بڑا عبادت گذار تھا۔ اس کی ایک والدہ موجود تھی۔ ایک دن یہ نماز پڑھ رہا تھا۔ کہ اس کی والدہ کو اس کا اشتیاق ہوا۔ اس نے اسے آواز دی۔ اے جریج! اس نے کہا:۔ خدایا کیا نماز بہتر ہے یا یہ بہتر ہے کہ میں ان کے پاس جاؤں، پھر نماز پڑھنے لگا۔ والدہ نے پھر بلایا۔ اس نے پھر وہی الفاظ کہے اور پھر نماز پڑھتا رہا۔ اس کی والدہ کو یہ بات ناگوار گذری۔ اور اس نے بد دعا کی۔ اے اللہ! اسے مرنے سے پہلے زانیہ عورتوں کے چہرے دکھا دینا۔ بنی اسرائیل میں ایک زانیہ عورت تھی۔ اس نے کہا اسے گمراہ کر دوں گی۔ یہانتک کہ یہ زنا کرے۔ چنانچہ وہ آئی۔ مگر اس کو گمراہ نہ کر سکی۔ ایک چرواہا رات کو جریج کے حجرہ کے پاس پناہ لیا کرتا تھا۔ جب جریج کو گمراہ کرنے سے تھک گئی۔ تو اس نے چرواہے کو پھسلا لیا۔ اور اس نے اس کے ساتھ زنا کیا۔ جس سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس عورت نے کہا۔ کہ یہ بچہ جریج کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے یہ سن کر بنی اسرائیل جریج کے پاس آئے۔ اس کا عبادت خانہ توڑ دیا۔ اور اسے گالیاں دیں۔ اس کے بعد جریج نے نماز پڑھی۔ اور دعا کی، اور بچے کو حرکت دی۔ محمد کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ جب آپ نے

اپنے ہاتھ سے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ تمہارا باپ کون ہے؟ بچے نے جواب دیا۔ چرواہا۔ اس پر بنی اسرائیل کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی۔ اور انہوں نے جریج سے معافی چاہی۔ اور کہا تمہارا عبادت خانہ سونے اور چاندی سے بنا دیتے ہیں۔ مگر جریج نے قبول نہ کیا۔ اور جیسا پہلے تھا۔ ویسا ہی بنا لیا۔

دوسرے بچے کا یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت ایک شیر خوار بچہ لئے کھڑی تھی۔ کہ ایک خوبصورت نوجوان جس کی اچھی حیثیت تھی ادھر سے گذرا۔ عورت نے کہا۔ یا اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا کر دینا۔ بچہ بولا: خدایا! مجھے اس جیسا نہ کرنا

محمدؐ کہتے ہیں۔ کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔ میں اب بھی گویا نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھ رہا ہوں۔ جب کہ وہ بچے کی بات بیان فرما رہے تھے۔ اور وہ دودھ پی رہا تھا۔

اس واقعہ کے بعد اس عورت کے پاس سے ایک عورت گذری۔ جس کے متعلق لوگ کہتے تھے۔ کہ اس نے زنا اور چوری کا ارتکاب کیا۔ اور اسے اس کی سزا دی گئی۔ بچے والی عورت نے کہا۔ میرے بیٹے کو اس عورت جیسا نہ کرنا۔ مگر جھٹ سے بچہ بولا: خدایا مجھے اس جیسا بنانا۔ والدہ نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو کہا۔ کہ خوبرو نوجوان ایک جابر بادشاہ ہے۔ اور اس عورت کے متعلق لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس نے زنا اور چوری کی ہے۔ مگر اس نے نہ تو زنا کیا ہے۔ اور نہ چوری، اور وہ کہتی ہے۔ "میرے لئے اللہ کافی ہے"

یہ روایت حدیث کی صحیح کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ غار والی حدیث میں بھی کرامت کا ذکر ہے۔ اور یہ ایک مشہور حدیث ہے جس کا ذکر حدیث کی صحیح کتابوں میں آیا ہے۔

حدیث غار ہم سے ابو نعیم عبدالملک بن الحسن الاسفرائنی نے

بیان کیا۔ کہ ابو عوانہ یعقوب بن ابراہیم بن اسحٰق نے ان سے کہا۔ کہ محمد بن عوف[1247] اور یزید بن عبدالصمد الدمشقی[1248] اور عبدالکریم بن القاسم الدیر عاقولی[1249] وابوالحصیب بن المستنیر المصیصی نے ان سے کہا۔ کہ ابو الیمان[1250] نے ان سے کہا۔ کہ شعیب[1251] نے زہری سے اور انہوں نے سالم[1252] اور انہوں نے اپنے باپ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں۔ ان میں سے تین آدمی چلے۔ اور رات کو انہوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ اور اس کے اندر چلے گئے۔ قضا کار پہاڑ سے ایک پتھر لڑھک کر غار کے منہ پر آ گیا۔ جس سے غار کا منہ بند ہوگیا۔ اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔ کہ تم اس پتھر سے صرف اس طرح نجات پا سکتے ہو۔ کہ تم اپنے صالح اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے بیان کیا۔

میرے بوڑھے والدین تھے۔ میں ان سے پہلے کسی کو دودھ پینے کو نہ دیتا تھا۔ نہ گھر والوں کو اور نہ مال کو، ایک دن درختوں کی تلاش میں مجھے دیر ہوگئی۔ اور شام کو گھر واپس آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے۔ میں نے ان کے لئے دودھ دوھا۔ اور جب لے کر ان کے پاس آیا۔ تو انہیں سویا ہوا پایا۔ میں نے ان کو جگانا پسند نہ کیا۔ اور یہ بھی نہ چاہا کہ ان سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو دوں۔ میں پیالہ لئے کھڑا رہا۔ اور ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ صبح طلوع ہوئی۔ اور وہ بیدار ہوئے اور انہوں نے دودھ پیا۔ یا اللہ اگر میں نے یہ فعل تمہاری رضا مندی کی خاطر کیا ہے۔ تو جس مصیبت میں ہم گرفتار ہیں اسے دور کر دے۔ اس سے پتھر اسقدر کھل گیا۔ کہ وہ اس سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوسرے نے کہا۔ خدایا! میری ایک چچازاد بہن تھی۔ جس سے مجھے بہت محبت تھی۔ میں نے اسے مائل کرنے کی

کوشش کی۔ مگر وہ نہ مانی۔ یہانتک کہ وہ قحط سالی میں مبتلا ہوگئی۔ اور وہ میرے پاس آئی۔ تو میں نے اسے اس شرط پر ایک سو بیس ۱۲۰ دینار دینے کا وعدہ کیا۔ کہ وہ اپنا نفس میرے حوالے کر دے گی۔ وہ اس پر راضی ہوگئی۔ چنانچہ میں اس پر پورا قادر ہو گیا۔ تو کہنے لگی۔ تمہارے لئے جائز نہیں۔ کہ تو حق کے بغیر میری مہر توڑے۔ اس پر میں اس سے جماع کرنے سے باز آگیا۔ اور اسے چھوڑ دیا۔ حالانکہ مجھے اس سے محبت بھی تھی۔ اور جو دینار میں نے اسے دئے تھے وہ بھی اس کے پاس رہنے دئے۔ یا اللہ! اگر میں نے یہ فعل تمہاری رضامندی کی خاطر کیا ہے۔ تو جس مصیبت میں ہم مبتلا ہیں۔ اس کو دور کر دے۔ پتھر اور کھل گیا۔ مگر اب بھی وہ اس سے نکل نہ نہ سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر تیسرے نے کہنا شروع کیا۔

خدایا! میں نے چند مزدوروں سے مزدوری پر کام کروایا۔ اور میں نے ان کی مزدوری انہیں دے دی۔ صرف ایک شخص رہ گیا۔ وہ اپنا حق چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کی اُجرت میرے پاس بڑھتی گئی۔ کچھ مدت کے بعد وہ میرے پاس آیا۔ اور اپنی اُجرت کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا یہ سب اونٹ، بھیڑ، بکریاں، گائے اور غلام جو تمہیں نظر آ رہے ہیں۔ تمہارے ہیں۔ اس پر اس نے کہا۔ اے اللہ کے بندے! مجھ سے خوش طبعی نہ کرو۔ میں نے کہا' میں تم سے خوش طبعی نہیں کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ سب مال ہانک کر لے گیا۔ اور کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ خدایا! اگر میں نے یہ کام تمہاری خوشنودی کی خاطر کیا ہے۔ تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔ اور اس پر پتھر ہٹ گیا۔ اور وہ غار سے نکل کر چل پڑے۔

یہ ایک صحیح حدیث ہے۔ جس پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔

ان کرامات میں سے وہ حدیث بھی ہے۔ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے۔ کہ گائے نے ان سے کلام کیا۔ (۱۲۵۴)

ہم سے ابو نعیم الاسفرائنی نے کہا۔ کہ ابو عوانہ نے ان سے بیان کیا۔ کہ یونس

بن عبد الاعلیٰ نے ان سے کہا۔ کہ ابن وہب[1254] نے ان سے کہا۔ ان سے یونس بن یزید نے ابن شہاب[1255] سے روایت کی کہ سعید بن المسیب نے کہا۔ کہ ابی ہریرہ نے بیان کیا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک بار ایک شخص اپنا گائے لئے جا رہا تھا۔ اور اس پر بوجھ لادے ہوئے تھا یکایک گائے نے اس کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ میں اس کام کے لئے پیدا نہیں کی گئی۔ میں تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ یہ سن کر لوگوں نے سبحان اللہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔

میں، ابوبکر، اور عمر سب اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اسی طرح اویس قرنی والی حدیث ہے۔ اور پھر جو کچھ حضرت عمر بن الخطاب نے ان کے حالات کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد اویس کا حرم بن حیان[1257] سے ملاقات کرنا اور ایک دوسرے کو سلام کہنا، باوجودیکہ اس سے پہلے وہ ایک دوسرے کو جانتے نہ تھے۔ یہ تمام واقعات عادت کے خلاف ہیں۔ ہم نے اویس والی حدیث اس لئے چھوڑ دی، کہ یہ بہت مشہور حدیث ہے۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں سے اسقدر کرامتیں ظاہر ہوئیں، کہ یہ شہرت کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ کرامات کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ ہم چند کرامتوں کا مختصر طور پر ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ عزوجل۔

پہلی کرامت

ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ ابن عمرؓ سفر میں جا رہے تھے۔ راستہ میں انہیں کچھ لوگ ملے۔ جو شیر کے ڈر سے راستہ میں ٹھہر گئے تھے۔ ابن عمر نے درندے شیر کو راستہ سے ہٹا دیا۔ اور فرمایا۔

ابن آدم پر ان چیزوں کو مسلط کیا جاتا ہے۔ جن سے وہ خوف کھاتا ہے۔ اگر وہ اللہ عزوجل کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو اس پر کوئی چیز مسلط نہ ہو۔ یہ ایک مشہور روایت ہے۔

۲۔ علاء بن حضرمی کی کرامت

روایت کی گئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی(۱۲۵۸) کو ایک جنگ کے لئے روانہ کیا۔ راستہ میں سمندر کا ایک حصہ آ گیا۔ علاء نے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی۔ اور پانی پر چل کر پار ہو گئے۔

۳۔ عتاب بن بشر اور اسید بن حضیر کی کرامت

روایت کی گئی ہے۔ کہ عتاب بن بشیر(۱۲۵۹) اور اسید بن حضیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکل کر گئے تو راستہ میں ان کی لاٹھی کا سرا چراغ کی روشنی دینے لگا۔

۴۔ سلمان اور ابوالدرداء کی کرامت

روایت کی گئی ہے۔ کہ سلمان اور ابوالدرداء کے سامنے ایک پیالہ تھا۔ جس نے اللہ کی تسبیح بیان کرنی شروع کر دی۔ اور ان دونوں نے اسے سنا۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہت سے پراگندہ بالوں اور گرد آلود جسم والے لوگ جنہوں نے چیتھڑے پہن رکھے ہیں۔ اور جن کو لوگ کسی شمار میں نہیں لاتے۔ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ اگر یہ قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں۔ تو اللہ تعالیٰ اسے پوری کر دے گا۔

چونکہ یہ روایات مشہور ہیں۔ اس لئے ہم نے ان کی سندیں نقل نہیں کیں۔

کرامت کے متعلق سہل بن عبداللہ کا قول

حکایت کی گئی ہے۔ کہ سہل بن عبداللہ نے فرمایا۔

جو شخص صدق دل سے دنیا سے رُو گردانی کرے۔ اس سے کرامت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اور اگر کسی سے ظاہر نہ ہو۔ تو سمجھ لو کہ اس نے صدق دل سے زہد اختیار نہیں کیا۔

کسی نے سہل سے کہا۔ کہ کرامت کیسی ہوتی ہے؟

فرمایا۔ جو چاہے، جیسا چاہے، جہاں سے چاہے۔ لے لے۔

۵۔ کرامت

ہم سے علی بن احمد بن عبدان نے کہا۔ کہ ان سے احمد بن عبید الصفار نے بیان کیا۔ کہ ابو مسلم[1261] نے ان سے کہا۔ کہ عمرو بن مرزوق[1262] نے ان سے کہا۔ کہ عبد العزیز بن ابی سلمتہ[1263] الماجشون نے ان سے کہا۔ کہ وھب ابن کیسان[1264] نے ابن عمر سے روایت کی۔ کہ ابو ہریرہ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک بار ایک شخص نے کوئی بات کہی۔ تو اسے بادلوں کی گرج سنائی دی۔ اور بادلوں سے ایک آواز سنائی دی۔ کہ "فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو"۔ چنانچہ یہ بادل ایک کھلے میدان میں جاکر برسا۔ یہ شخص بادل کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک شخص کھڑا باغ میں نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے بتایا۔ کہ میرا فلاں نام ہے۔ اور اپنا صحیح نام بتایا۔ اس شخص نے پھر سوال کیا۔ جب تو باغ کا پھل کاٹتا ہے۔ تو کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا تو یہ سوال کیوں کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں نے بادلوں میں سے کسی کو یہ کہتے سنا تھا۔ کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دو۔ اس پر اس نے کہا۔ اب جب تو نے یہ بات بتائی ہے۔ تو سن لو۔ کہ میں اس باغ کی فصل کے تین حصے کرتا ہوں۔ اس میں سے ایک تہائی اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھتا ہوں۔ ایک تہائی باغ کے لئے، اور ایک تہائی مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔

۶۔ سہل بن عبد اللہ کی کرامت

میں نے ابو حاتم السجستانی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا۔ کہ انہوں نے ابو نصر السراج سے سنا۔ فرماتے تھے۔ ہم تستر گئے۔ اور وہاں سہل بن عبد اللہ کے محل میں ایک مکان دیکھا۔ جسے لوگ "درندوں کا گھر" کہا کرتے تھے۔ ہم نے جب اس کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا۔ کہ درندے سہل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کرتے تھے۔ اور وہ انہیں گھر میں لاکر ان کی ضیافت گوشت سے کرتے۔ اور پھر انہیں چھوڑ دیتے۔

ابونصر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کی سچائی پر تمام اہل تستر کا اتفاق ہے۔ اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔

۷۔ ابو الخیر تیناتی کی کرامت میں نے محمد بن احمد بن محمد التمیمی سے سنا۔ کہ عبداللہ بن علی الصوفی نے ان سے کہا۔ کہ حمزہ بن عبداللہ العلوی فرماتے تھے۔ کہ میں ابو الخیر تیناتی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے دل میں یہ ارادہ کر رکھا تھا۔ کہ میں صرف سلام کر کے چلا آؤں گا۔ اور ان کے ہاں کھانا نہ کھاؤں گا۔ جب میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ اور ابھی تھوڑا سا چلا تھا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ میرے پیچھے کھانے کا طبق لئے آرہے ہیں۔ فرمایا:۔ اب جب تم اپنے ارادہ کو پورا کر چکے ہو تو کھانا کھا لو۔

ابو الخیر تیناتی کرامات ظاہر کرنے میں مشہور ہیں۔

۸۔ ابو الخیر کی ایک اور کرامت ابراہیم رقی رح بیان کرتے ہیں۔ کہ میں سلام کرنے کے لئے ان کے پاس گیا۔ آپ نے مغرب کی نماز ادا کی۔ مگر سورۃ فاتحہ بھی صحیح طور پر نہ پڑھ سکے۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ سارا سفر بے سود ہو گیا۔ جب میں نے سلام پھیرا۔ تو میں قضائے حاجت کے لئے نکلا۔ ایک شیر میری طرف لپکا۔ تو میں ان کے پاس واپس چلا گیا۔ اور عرض کی۔ کہ ایک شیر میری طرف آرہا ہے آپ نے نکل کر شیر کو آواز دی۔ اور فرمایا۔ کیا میں نے تجھے یہ کہہ نہیں رکھا ہے۔ کہ میرے مہمانوں کو نہ چھیڑا کر؟ یہ سن کر شیر چلا گیا۔ اور میں نے نجاست دور کر لی۔ جب ان کے پاس آیا تو فرمایا۔ تم لوگ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں مشغول ہو۔ لہٰذا تم شیر سے ڈرتے ہو۔ اور ہم اپنے دلوں کو درست کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس لئے شیر ہم سے ڈرتا ہے۔

۹۔ جعفر خلدی کی کرامت کہتے ہیں۔ کہ جعفر خلدی کے پاس ایک نگینہ تھا۔ ایک دن یہ نگینہ دجلہ میں گر پڑا۔ ان کو ایک

دعا یاد تھی۔ جو گم شدہ چیز کو واپس لوٹانے میں تجربہ میں آ چکی تھی۔ انہوں نے وہ دعا پڑھی۔ بالآخر اوراق کو تلاش کرتے کرتے نگینہ ان کو مل گیا۔

گم شدہ چیز کو لوٹانے کی دعا

میں نے ابو حاتم السجستانی کو فرماتے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابو نصر سراج کو فرماتے سنا۔ کہ وہ دعا یہ ہے:۔

"یَاجَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّارَیْبَ فِیْهِ اِجْمَعْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ"

(اے خدا! جو لوگوں کو اس دن جمع کرے گا۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ میری گم شدہ چیز مجھے دے دے۔)

ابو نصرؒ فرماتے ہیں۔ کہ ابو الطیب عکیؒ نے مجھے ایک رسالہ دکھایا جس میں ان لوگوں کے نام درج تھے۔ جنہوں نے اس دعا کو کسی گم شدہ چیز کے لئے پڑھا۔ اور وہ چیز انہیں مل گئی۔ یہ رسالہ کئی اوراق پر مشتمل تھا۔

۱۰۔ احمد طابرانی سرخسی کی کرامت

میں نے احمد طابرانی سرخسی سے پوچھا کیا۔ کیا آپ سے کوئی کرامت ظاہر ہوئی؟

فرمایا:۔ جس زمانہ میں میں مرید ہوا۔ اور میرا ابھی ابتدائی زمانہ تھا۔ تو میں استنجا کے لئے پتھر تلاش کرتا۔ جب مجھے کچھ نہ ملتا۔ تو میں ہوا میں سے کچھ پکڑ لیتا۔ جو ٹھوس چیز بن جاتی، اور میں اس سے استنجا کر کے اسے پھینک دیتا۔ پھر فرمایا:۔ کرامت میں کونسی بزرگی پائی جاتی ہے؟ کرامت سے مقصود صرف یہ ہے۔ کہ توحید کے متعلق انسان کا یقین قوی ہو جائے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو موجد نہیں مانتا۔ اس کے لئے ایک ہی بات ہے۔ خواہ روز مرّہ کی بات لوگوں کو کر کے دکھا دے۔ یا خارق عادت دکھائے۔

۱۱۔ عبادان کے ایک درویش کی کرامت

میں نے محمد بن احمد الصوفی سے سنا۔ کہ عبداللہ بن علی نے کہا

کہ ابو الحسین البصری فرماتے تھے۔ کہ عبادان میں ایک سیاہ رنگ کا فقیر تھا۔ جو کسی ویرانے میں رہا کرتا تھا۔ میں نے اس کے لئے کچھ لیا۔ اور اس کی تلاش میں نکلا۔ جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی، تو مسکرایا۔ اور زمین کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے جو دیکھا۔ تو تمام زمین سونے سے چمک رہی ہے۔ پھر فرمایا۔ لاؤ، کیا لائے ہو۔ میں نے وہ چیز اسے دے دی۔ اور میں ڈر کے مارے بھاگ آیا۔

۱۲۔ احمدؒ بن عطاء رود باری کی کرامت

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سنا۔ اور انہوں نے احمدؒ بن عطاء رود باری سے سنا۔ فرماتے تھے۔ میں پاکیزہ رہنے میں مبالغہ سے کام لیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے بہت پانی بہایا۔ اور دل میں بے چینی پیدا ہوئی۔ بے چینی کی وجہ سے دل کو قرار نہ آتا تھا۔ میں نے کہا۔ خدایا! مجھے معاف کر دو۔ اس پر میں نے غیب سے کسی کو کہتے سنا۔ کہ معافی تو علم میں پائی جاتی ہے۔ (یعنی یہ بزرگ عالم نہ تھے) یہ سن کر میری بے چینی جاتی رہی۔

میں نے منصور مغربیؒ کو فرماتے سنا۔ کہ اس کے بعد ایک دن میں نے انہیں صحرا میں زمین پر بیٹھے دیکھا۔ جہاں بھیڑ بکریوں کے نشان تھے۔ اور آپ مصلی کے بغیر بیٹھے ہوئے تھے۔ عرض کیا۔ جناب! یہاں تو بھیڑ بکریوں کے نشانات ہیں۔ جواب دیا۔ اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (یعنی اب اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دے دیا تھا۔ کیونکہ فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ کہ جہاں بھیڑ بکریاں پھرتی رہتی ہوں۔ آیا وہ جگہ پاک ہے یا ناپاک)

۱۳۔ ابو سلیمان خواص کی کرامت

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا۔ کہ ابو نصر السراج نے ان سے کہا۔ حسین بن احمد الرازی فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابو سلیمانؒ (۱۲۶۵) خواص کو فرماتے سنا۔ کہ ایک دن میں گدھے پر سوار تھا۔ مکھیاں اسے تنگ کر رہی تھیں۔ مکھیوں کی وجہ سے وہ سر نیچے کر لیتا۔ اس پر میں نے اسے ایک لکڑی سے جو میرے ہاتھ میں تھی، مارنا

شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر گدھے نے اپنا سر اٹھایا۔ اور کہا' مارے جاؤ۔ تم اپنے ہی سر کو مار رہے ہو۔

حسینؒ کہتے ہیں۔ کہ میں نے ابو سلیمان سے پوچھا۔ کیا یہ واقعہ تمہارے ساتھ پیش آیا۔ جواب دیا۔ ہاں یہ بات اسی طرح ہے۔ جس طرح تم مجھ سے سُن رہے ہو

۱۴۔ ابو الحسن نوری کی کرامت

ابن عطاء سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ میں نے ابو الحسن نوری کو فرماتے سنا۔ کہ میرے دل میں کرامت کے متعلق کچھ شبہہ تھا۔ لہٰذا میں نے بچوں سے ایک بانس کی ڈنڈی لی۔ جو دو کشتیوں کے درمیان پڑی ہوئی تھی اور کہا تمہاری عزت و جلال کی قسم، اگر میرے لئے ایک مچھلی جس کا تین رطل وزن ہو۔ نہ نکلے گی۔ تو میں اپنے آپ ڈبو دوں گا۔ نوری کہتے ہیں۔ ایک مچھلی نکلی جس کا تین رطل وزن تھا۔

یہ خبر جب جنیدؒ کو پہنچی۔ تو فرمایا۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ سانپ نکلتا اور اسے ڈستا۔

۱۵۔ ابو جعفر حداد اور حجام

میں نے شیخ عبد الرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہ ابو الفتح یوسف بن عمر الزاھد القواس نے (۱۲٦٦) بغداد میں کہا۔ کہ ان سے محمدؒ بن عطیہ نے بیان کیا۔ کہ عبد الکبیر بن احمدؒ نے (۱۲٦۷) کہا۔ کہ ابوبکر الصائغ فرماتے تھے۔ میں نے جنیدؒ کے استاد ابو جعفر حداد سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کہ میں مکہ میں تھا۔ اور میرے بال لمبے ہو گئے تھے۔ میرے پاس قینچی نہ تھی۔ کہ اس سے میں بال کاٹ لیتا۔ لہٰذا میں ایک حجام کے پاس آیا۔ جس کے متعلق مجھے خیال تھا۔ کہ وہ نیک آدمی ہے۔ اور کہا' اللہ تعالیٰ کے لئے میرے بال چھوٹے کر دو۔ اس نے کہا۔ بڑی خوشی سے، اس وقت اس کے سامنے ایک دُنیا دار شخص بیٹھا تھا۔ اس نے اسے ہٹا کر مجھے بٹھا لیا۔ اور سر مونڈ دیا۔ اس کے بعد مجھے ایک کاغذ دیا۔ جس میں چند درہم تھے۔ اور کہا۔ انہیں اپنی ضرورت کے کاموں میں

صرف کرو۔ میں نے یہ درہم لے لئے۔ اور پختہ ارادہ کر لیا۔ کہ اب جو رقم مجھے ملے گی۔ سب سے پہلے میں اسے دوں گا۔ حداد کہتے ہیں۔ کہ میں خانہ کعبہ میں گیا۔ تو میرا ایک دوست مجھے ملا۔ اور مجھے کہا۔ تمہارا ایک بھائی تمہارے لئے بصرہ سے ایک تھیلی لایا ہے۔ جو تمہارے کسی دوست نے بھیجی ہے۔ اور اس میں تین سو دینار ہیں۔ حدّاد کہتے ہیں کہ میں تھیلی لے کر حجام کے پاس گیا اور کہا یہ تین سو دینار ہیں۔ آپ لے لیں۔ اپنے کام میں لائیں۔ اس نے جواب میں کہا۔ اے شیخ! تجھے شرم نہیں آتی؟ تو مجھ سے کہتا ہے۔ کہ اللہ کی خاطر میرے بال مونڈ دو۔ اور پھر میں اس کی اُجرت لے لوں۔ واپس چلے جاؤ۔ خدا تمہیں معاف کرے۔

۱۹- اسحٰق بن احمد کی کرامت

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا۔ کہ ابو نصر السراج نے کہا۔ کہ ابن سالم فرماتے تھے۔ کہ جب اسحٰق بن احمد (۱۲۶۸ء) فوت ہو گئے۔ تو سہل بن عبداللہ ان کے عبادت خانہ میں گئے۔ اور وہاں ایک ٹوکرا پایا۔ جس میں دو بوتلیں تھیں۔ ایک بوتل میں کوئی سُرخ رنگ کی چیز تھی۔ اور دوسری میں سفید رنگ کی۔ اور وہاں ایک ٹکڑا سونے کا اور ایک ٹکڑا چاندی کا پایا۔ ابن سالم کہتے ہیں۔ کہ سہل نے دونوں ٹکڑے دجلہ میں پھینک دئے۔ اور بوتلوں میں جو کچھ تھا۔ اس میں مٹی ملا دی۔ حالانکہ اسحٰق کے ذمہ قرض تھا۔ ابن سالم کہتے ہیں۔ میں نے سہل سے پوچھا۔ کہ ان بوتلوں میں کیا تھا؟ فرمایا۔ ایک تو ایسی چیز تھی۔ کہ اس میں سے ایک درہم بھر تانبے کے کئی مثقالوں پر ڈال دیا جاتا۔ تو چاندی بن جاتی۔ میں نے سہل سے کہا۔ کیا حرج تھا۔ اگر اسحٰق اس سے اپنا قرض ادا کر دیتا؟ سہل نے جواب دیا۔ اے دوست! اُسے اپنے ایمان کا ڈر تھا۔

۱۷- نوری کی کرامت

حکایت ہے۔ کہ ایک رات نوری نکل کر دریائے دجلہ کے کنارے گئے دیکھا۔ کہ دونوں کنارے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ واپس چلے آئے اور کہا۔ تمہاری عزت و جلال کی قسم کہ میں دریا کو کشتی کے بغیر عبور نہ کروں گا۔

۱۸۔ ابو تراب نخشبی کی کرامت

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر السراج فرماتے ہیں۔ کہ ویسی نے محمد بن یوسف بناء سے حکایت کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ ابو تراب (۱۲۶۹) نخشبی صاحب کرامات تھے ایک سال میں نے ان کے ساتھ سفر کیا۔ اس وقت ان کے ہمراہ چالیس آدمی تھے۔ ایک بار فاقہ کی نوبت آئی۔ تو ابو تراب راستہ سے ہٹ کر ایک طرف کو گئے۔ اور گیہوں کا ایک خوشہ لے آئے۔ ہم نے اُسے کھالیا۔ ہم میں سے ایک نو جوان تھا۔ اس نے نہ کھایا۔ ابو تراب نے اسے بھی کھانے کو کہا۔ اس نے کہا میں نے عہد کر لیا ہے۔ کہ میں معلوم چیزوں کو ترک کر دوں گا۔ اور وہ بھی اب میرے لئے معلوم بن گیا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد میں آپ کی صحبت میں نہ رہوں گا۔ ابو تراب نے کہا۔ جو تمہاری مرضی ہو کرو۔

۱۹۔ ابو یزید کے استاد ابو علی سدی کی کرامت۔

ابو نصر سراج نے ابو یزید سے حکایت کی ہے۔ ان کے استاد ابو علی سدی ان کے پاس آئے۔

ابو علی کے ہاتھ میں ایک تھیلہ تھا۔ جب انہوں نے اُسے انڈیلا۔ تو اس میں سے جواہرات نکلے۔ ابو یزید کہتے ہیں۔ کہ میں نے ان سے پوچھا۔ کہ یہ کہاں سے آئے؟ فرمایا۔ میں یہاں ایک وادی میں پہنچا۔ تو وہ چراغ کی طرح چمک رہے تھے۔ لہٰذا میں نے یہ وہاں سے اٹھا لئے۔ میں نے عرض کیا۔ جب آپ وادی میں آئے تھے۔ تو اس وقت آپ کی کیا حالت تھی؟ فرمایا اس وقت تھوڑی دیر کے لئے میری اپنی حالت منقطع ہو چکی تھی۔

کسی نے ابو یزید سے کہا۔ کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے۔ تو فرمایا۔ شیطان اللہ کی لعنت میں ہوتے ہوئے بھی ایک گھڑی میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔

انہی سے کسی نے کہا۔ کہ فلاں شخص پانی پر چلتا اور ہوا میں اڑتا ہے۔

تو فرمایا۔ پرندے ہوا میں اُڑتے ہیں۔ اور مچھلی پانی پر چلتی ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ سب سے بڑی کرامت تو یہ ہے۔ کہ تو اپنے مذموم اخلاق کو بدل دے۔

۲۰۔ عبدالرحمٰن کی کرامت

میں نے محمدؒ بن احمدؒ بن محمدؒ التمیمی سے سنا۔ کہ عبداللہ بن علی الصوفی نے کہا۔ کہ ابن سالم فرماتے تھے۔ کہ میں نے اپنے باپ سے سنا۔ کہ عبدالرحمٰن بن احمدؒ نامی ایک شخص سہل بن عبداللہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن ان سے کہنے لگا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز کے لئے وضو کرتا ہوں۔ تو پانی سونے اور چاندی کی سلاخیں بن کر میرے سامنے بہتا ہے۔ یہ سن کر سہل نے کہا۔ کیا تجھے معلوم نہیں۔ کہ جب بچے روتے ہیں۔ تو انہیں جھنجھنا دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس میں مشغول رہیں۔

۲۱۔ سری سقطی کی کرامت

میں نے ابو حاتم السجستانی سے سُنا۔ کہ ابو نصر السراج نے بتایا۔ کہ جعفر بن محمدؒ نے کہا۔ کہ جنید فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن میں سری کے پاس گیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ ایک چڑیا روزانہ آیا کرتی ہے۔ میں اس کے لئے روٹی کے ریزے کرتا ہوں۔ وہ میرے ہاتھ سے کھایا کرتی۔ ایک بار چڑیا آئی اور میرے ہاتھ پر نہ اُتری۔ میں نے اپنے دل میں یاد کیا۔ کہ اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ مجھے یاد آگیا۔ کہ میں نے نمک سالوں کے ساتھ کھایا ہے۔ اور دل میں کہا۔ کہ آئندہ نہ کھاؤں گا۔ اور میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اس پر وہ چڑیا میرے ہاتھ پر آگئی۔ اور روٹی کھاتی رہی۔

۲۲۔ ابو عمرو انماطی کے استاد کی کرامت

ابو عمرو انماطیؒ حکایت کرتے ہیں۔ کہ میں جنگل میں اپنے استاد کے ساتھ تھا۔ کہ بارش آگئی۔ ہم چھپنے کے لئے ایک مسجد میں چلے گئے۔ اس کی چھت ٹپک رہی تھی۔ ہم ایک لکڑی لے کر چھت پر چڑھ گئے تاکہ چھت کو درست کریں

مگر لکڑی چھوٹی ہونے کے سبب سے دیوار تک نہ جاتی تھی۔ میرے استاد نے مجھے کہا، اسے کھینچو۔ میں نے کھینچا۔ تو ادھر سے ادھر تک دیوار پر چڑھ گئی۔

شریعت کے بغیر حقیقت کوئی چیز نہیں

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا۔ کہ محمد بن احمد النجار نے کہا۔ کہ میں نے رقی سے سنا کہ ابو بکر الدقاق فرماتے تھے۔ کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل میں سے گذر رہا تھا۔ کہ میرے دل میں خیال آیا کہ علم حقیقت کچھ اور ہے، اور شریعت کچھ اور، اس پر ایک درخت کے نیچے سے آواز آئی۔ ہر وہ حقیقت جس کی تائید شریعت سے نہیں ہوتی۔ کفر ہے۔

۲۳۔ خیر نساج کی کرامت

ایک شخص کا بیان ہے۔ کہ میں خیر نساج کے پاس تھا۔ کہ ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا، اے شیخ! میں نے کل آپ کو دیکھا۔ کہ آپ نے سُوت بیچ کر دو درہم حاصل کئے ہیں۔ اور میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ اور آپ کے تہمد سے کھول کر لے گیا۔ اب میرا ہاتھ اکڑ گیا ہے یہ سن کر نساج ہنسے۔ اور اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا، تو وہ کھُل گیا۔ پھر فرمایا۔ جا، جاکر اپنے عیال کے لئے ان درہموں سے کچھ خرید لے۔ اور پھر ایسا نہ کرنا۔

۲۴۔ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

احمد بن محمد سلمی سے حکایت کی گئی ہے کہ میں ایک دن ذوالنون کے پاس آیا۔ تو دیکھا۔ کہ ان کے سامنے سونے کا ایک طشت ہے۔ اور اس کے گرد ند، کافور اور کستوری ملی ہوئی خوشبو، اور عنبر کی دھونی دی جارہی ہے اور مجھے فرمایا۔ تو بادشاہوں کی خوشی کے وقت ان کے پاس جاتا ہے۔ پھر اُنھوں نے مجھے ایک درہم دیا۔ جب میں نے بلخ پہنچنے تک خرچ کرتا رہا۔

۲۵۔ ابو سعید خراز کی کرامت

ابو سعید خراز سے حکایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایک بار میں سفر میں تھا اور

ہر تین دن کے بعد کوئی نہ کوئی چیز مجھے مل جایا کرتی۔ اور میں اُسے کھا لیا کرتا۔ اور کچھ طاقت پا لیتا۔ ایک بار تین دن گذر گئے۔ اور کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی۔ جس کی وجہ سے میں کمزور ہو گیا اور بیٹھ گیا۔ اس پر غیب سے آواز آئی۔ کیا پسند کرتے ہو؟ اسباب یا قوت؟ میں نے کہا۔ قوت چاہتا ہوں۔ پھر میں اسی وقت اٹھا۔ اور بارہ دن متواتر چلتا رہا۔ نہ کوئی چیز کھائی اور نہ کمزور ہوا۔

۲۶ - خواص کی کرامت

مرتعش سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے خواص کو فرماتے سنا۔ کہ میں کئی دن جنگل میں حیران و پریشان پھرتا رہا۔ پھر ایک شخص نے آکر سلام کیا۔ اور کہا۔ کیا آپ راستہ گم کر بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ اس نے پھر کہا۔ کیا میں آپ کو راستہ نہ بتا دوں؟ یہ کہہ کر وہ میرے آگے آگے چند قدم چل کر آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ دیکھا تو میں شاہراہ پر تھا۔ اس کے بعد نہ تو میں راستہ سے بھٹکا۔ اور نہ مجھے سفر میں بھوک اور پیاس لگی۔

۲۷ - ابن جلاء کی کرامت

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا۔ کہ عمر بن یحییٰ الاردبیلی نے ان سے کہا۔ کہ الرقی کہتے تھے۔ کہ ابن جلاء فرماتے تھے۔ کہ جب میرے والد فوت ہوئے۔ تو تختے پر پڑے پڑے مسکرائے۔ لہٰذا کسی کو انہیں غسل دینے کی جرأت نہ ہوتی۔ اور وہ کہتے۔ کہ یہ تو زندہ ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ہم مرتبہ لوگوں میں سے ایک شخص نے آکر انہیں غسل دیا۔

۲۸ - سہل بن عبداللہ کی کرامت

میں نے محمد بن احمد التمیمی سے سنا۔ انہوں نے عبداللہ بن علی سے سنا۔ کہ طلحہ قصائری کہتے تھے۔ کہ المفتاحی صاحب سہل بن عبداللہ فرماتے تھے کہ سہل بن عبداللہ ستر دن تک بغیر کھانے کے رہ سکتے تھے۔ اور ان کی یہ حالت تھی۔ کہ جب کھانا کھاتے۔ تو کمزور ہو جاتے۔ اور جب بھوکے رہتے۔ تو طاقتور ہو جاتے

۲۹۔ ابو عبید بسری کی کرامت

ابو عبید بسری کا یہ طریقہ تھا۔ کہ جب رمضان شروع ہوتا۔ تو ایک کمرہ میں گھس جاتے اور اپنی بیوی کو کہتے۔ کہ دروازے پر پلستر کر دو۔ اور ہر رات کھڑکی سے ایک روٹی ڈال دیا کرو۔ جب عید کا دن ہوتا۔ تو دروازہ کھولتے۔ اور ان کی بیوی کمرہ میں جاتیں، تو دیکھتیں۔ کہ تیس کی تیسوں روٹیاں ویسی کی ویسی ہی ایک کونہ میں پڑی ہیں۔ انہوں نے نہ کھایا ہوتا نہ پیا ہوتا اور نہ سوئے ہوتے اور نہ کوئی رکعت فوت ہوئی ہوتی۔

۳۰۔ ابو الحرث اولاسی کی کرامت

ابو الحرث اولاسی فرماتے ہیں کہ تین سال گذر گئے اور اس عرصہ میں میری زبان جو کچھ بھی سُنتی۔ میرے باطن سے سُنتی۔ اس کے بعد حالت بدلی۔ تو تیس سال تک میری یہ حالت رہی۔ کہ میرا باطن جو کچھ بھی سُنتا۔ میرے رب کی طرف سے سُنتا۔

۳۱۔ سہل بن عبد اللہ کی اور کرامت

ہم سے محمد بن عبد اللہ الصوفی نے کہا۔ کہ ان سے ابو الحسن نامی شعوانہ[۱۲۷۳] کے غلام نے کہا۔ کہ علی بن سالم فرماتے تھے کہ سہل بن عبد اللہ آخر عمر میں اپاہج ہو گئے۔ مگر جب نماز کا وقت آتا۔ تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کھل جاتے تھے۔ اور جب نماز فرض سے فارغ ہوتے تو پھر اسی طرح اپاہج ہو جاتے۔

۳۲۔ ابو عمران واسطی کی کرامت

ابو عمرانؒ سے حکایت کی گئی ہے۔ کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک بار کشتی ٹوٹ گئی اور میں اور میری بیوی ایک تختہ پر رہ گئے اور میری بیوی کے ہاں اسی حالت میں ایک بچی پیدا ہوئی میری بیوی نے چلا کر کہا۔ کہ میں پیاس سے مری جاتی ہوں۔ میں نے کہا۔ اللہ تو ہماری حالت کو دیکھ رہا ہے۔ میں نے جو سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں، کہ ایک شخص ہوا میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک زنجیر ہے اور اس میں سُرخ یاقوت کا ایک آبخورہ ہے۔ اس نے کہا یہ لو، پیو۔ ابو عمران کہتے

ہیں۔ کہ میں نے آبخورہ لیا۔ اور ہم نے پانی پیا۔ یہ کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اللہ تجھ پر رحم کرے۔ اس نے جواب دیا۔ تمہارے مولا کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ میں نے پھر پوچھا۔ کہ تو اس مرتبہ تک کیسے پہنچا؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں نے اس کی رضا مندی کی خاطر اپنی خواہشات کو ترک کیا۔ لہٰذا اس نے مجھے ہوا میں بٹھلا دیا۔ اس کے بعد وہ غائب ہوگیا۔ اور میں نے پھر اُسے نہیں دیکھا۔

۳۳۔ ایک نوجوان کی کرامت

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا کہ بکران بن احمد الجلیلی نے کہا۔ کہ یوسف بن حسین نے بیان کیا۔ کہ میں نے ذوالنون المصری کو فرماتے سُنا۔ کہ میں نے ایک نوجوان کو کعبہ کے پاس دیکھا۔ کہ بہت رکوع و سجود کر رہا ہے۔ میں نے اس کے قریب جاکر پوچھا۔ کہ تو بہت نمازیں پڑھتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں اپنے رب سے واپس جانے کی اجازت ملنے کا منتظر ہوں۔ ذوالنون رح کہتے ہیں۔ کہ میں نے دیکھا۔ کہ ایک رقعہ گرا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ عزیز غفور کی طرف سے میرے سچے بندے کی طرف۔ واپس چلے جاؤ۔ تمہارے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف۔

۳۴۔ ابراہیم خواص کی کرامت

ایک صوفی کہتے ہیں۔ کہ میں مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہم لوگ آیات قرآنی میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اور ہمارے قریب ہی ایک نابینا سُن رہا تھا۔ وہ ہماری طرف آیا اور کہنے لگا۔ کہ تمہارا کلام سُن کر بہت اُنس پیدا ہوا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میرے بچے اور بیوی تھی۔ اور میں بقیع میں جاکر ایندھن اکٹھا کیا کرتا تھا۔ ایک دن جو وہاں گیا۔ تو ایک نوجوان کو دیکھا۔ کہ اس نے کتان کی قمیص پہن رکھی ہے اور جوتا انگلی میں ڈالے ہے۔ مجھے خیال ہوا۔ کہ یہ پاگل ہے۔ لہٰذا میں نے اس

کے کپڑے چھیننے کا قصد کیا۔ اور کہا تمام کپڑے اُتار دو۔ اس نے کہا اللہ تم کی حفاظت میں چلے جاؤ۔ میں نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا۔ تو اس نے کہا کیا اس کے بغیر چارہ نہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں اس پر اس نے اپنی دونوں انگلیوں سے میری دونوں آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ اور میری دونوں آنکھیں گر پڑیں۔ پھر میں نے اُسے اللہ تم کی قسم دے کر پوچھا۔ کہ تو کون ہے۔ کہا ابراہیم خواص۔

۳۵۔ ایک نوجوان کی کرامت

ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ کہ ایک بار میں کشتی میں تھا۔ تو کسی کا کمبل چرا لیا گیا۔ لوگوں نے ایک شخص پر چوری کا الزام لگایا۔ میں نے کہا۔ مجھے اس سے نرمی سے بات کر لینے دو۔ وہ نوجوان چادر اوڑھے سویا ہوا تھا۔ اس نے اپنا سر چادر میں سے نکال لیا۔ ذوالنون نے اس سے چوری کے متعلق بات کی۔ اس نے مجھے کہا۔ کیا تو یہ کہتا ہے۔ کہ چوری میں نے کی ہے؟ یا الٰہی میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ جس قدر بھی مچھلیاں ہیں۔ سب جواہر لے کر آجائیں۔ ذوالنون کہتے ہیں۔ کہ ہم نے دیکھا تو پانی کی سطح پر سب مچھلیاں ہی مچھلیاں تھیں۔ اور ان کے منہ میں جواہر تھے اس کے بعد اس شخص نے اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ اور ساحل تک جا پہنچا۔

۳۶۔ ابراہیم خواص کی ایک اور کرامت

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں جنگل میں گیا۔ تو میں نے ایک عیسائی کو دیکھا۔ کہ اس کی کمر میں زنار ہے۔ اس نے مجھ سے درخواست کی۔ کہ میں اسے اپنے ساتھ رہنے دوں۔ ہم سات دن تک چلتے رہے۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ اے راہب اسلام! میں بھوک لگی ہے۔ اب اگر تمہارے پاس کوئی کرامت ہے تو پیش کرو۔ میں نے کہا۔ خدایا! مجھے اس کافر کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ اچانک ایک طبق جس پر روٹی، بھنا گوشت، تازہ کھجور، اور پانی کا ایک کوزہ تھا، نظر آیا۔ ہم نے کھایا اور پیا۔ اور پھر سات دن تک چلتے

رہے۔ اس کے بعد میں نے پہل کی۔ اور کہا۔ اے عیسائیوں کے راہب! اب جو تمہارے پاس ہے۔ تم پیش کرو۔ کیونکہ اب تمہاری باری ہے۔ اس نے اپنی لاٹھی پر سہارا کر کے دعا کی، تو دو طبق آگئے۔ جن پر میرے طبق کے مقابلہ میں دگنی چیزیں تھیں۔ خواص کہتے ہیں۔ کہ مجھے حیرت ہوئی۔ اور میرا رنگ بدل گیا۔ اور میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نے اصرار کیا۔ میں پھر بھی نہ مانا۔ اس نے کہا۔ کھاؤ۔ میں تمہیں دو خوشخبریاں سناتا ہوں۔ پہلی یہ کہ میں مسلمان ہوں۔ اور کلمہ شہادت پڑھ کر اس نے زنار کھول دیا۔ اور دوسری خوشخبری یہ ہے۔ کہ میں نے جو دعا مانگی تھی۔ اس میں میں نے یہ کہا تھا۔ کہ یا الٰہی! اگر تیرے ہاں اس شخص کی کوئی قدر و منزلت ہے۔ تو میرے لئے غیب سے کچھ دے دے۔ لہٰذا یہ چیزیں دی گئیں۔ خواص کہتے ہیں۔ کہ ہم کھا کر پھر چل پڑے۔ اس نے حج ادا کیا۔ اور ہم ایک سال تک مکہ میں رہے۔ اس کے بعد وہ مر گیا۔ اور اسے بطحاء میں دفن کیا گیا۔

۴۷۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

محمد بن مبارک صوری[(۱۲۷)] فرماتے ہیں۔ کہ بیت المقدس جاتے ہوئے میں ابراہیم بن ادہم کے ساتھ تھا۔ ہم نے قیلولہ کے وقت انار کے درخت کے نیچے ڈیرہ ڈالا۔ اور چند رکعتیں ادا کیں۔ اس کے بعد انار کی جڑ سے مجھے ایک آواز سنائی دی کہ اے ابو اسحٰق مہربانی فرما کر میرا کچھ پھل کھا لو۔ یہ سن کر ابراہیم نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ اس آواز نے یہی بات تین بار کہی۔ پھر کہا۔ اے محمد! میری سفارش کرو۔ تاکہ یہ میرا تھوڑا سا پھل کھا لیں۔ اس پر میں نے کہا۔ اے ابو اسحٰق! آپ سن رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اٹھ کر دو انار لئے۔ ایک خود کھایا، اور ایک مجھے دیا۔ میں نے کھایا۔ تو وہ انار کھٹا تھا۔ اور یہ چھوٹے قد کا درخت تھا۔ واپسی پر ہم وہاں سے گزرے، دیکھا تو وہ ایک بلند درخت تھا۔ اور اس کے انار میٹھے تھے اور سال میں دو بار پھل آتا تھا۔ لوگ اسے رمان العابدین (دو عابدوں کا انار

کہتے۔ اور عابد لوگ اس کے سایہ میں پناہ لیتے۔

۳۸۔ جابر رحبی کی کرامت

میں نے محمد بن عبداللہ الصوفی سے سنا۔ انہوں نے محمد بن الفرغانی سے سنا کہ جنیدؒ نے ان سے کہا۔ کہ ابو جعفر الخصاف[(۱۲۷۵)] فرماتے تھے۔ کہ جابرؒ[(۱۲۷۶)] رحبی نے مجھ سے ذکر کیا۔ کہ رحبہ کے رہنے والوں نے میرے سامنے اکثر کرامتوں کا انکار کیا۔ چنانچہ میں ایک دن شیر پر سوار ہو کر رحبہ میں پہنچ گیا۔ اور کہا۔ وہ لوگ کہاں ہیں جو اولیاء اللہ کو جھٹلاتے ہیں۔ جابر کہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے جھگڑا نہیں کیا۔

۳۹۔ ایک نوجوان کی کرامت

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سنا۔ کہ ایک شخص کی ملاقات خضر علیہ السلام سے ہوئی۔ اس نے ان سے پوچھا۔ کیا آپ نے اپنے سے بڑھ کر کسی شخص کو پایا؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں، عبدالرزاق بن ھمام مدینہ میں حدیث کی روایت بیان کیا کرتے تھے اور لوگ ان کے گرد بیٹھ کر سنا کرتے۔ ان سے کچھ فاصلہ پر میں نے ایک نوجوان کو دیکھا۔ کہ اپنے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھا ہے۔ میں نے اُسے کہا۔ عبدالرزاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کر رہے ہیں۔ آپ کیوں نہیں سُنتے؟ اس نوجوان نے کہا۔ یہ تو میّت سے روایت کر رہے ہیں۔ اور میں اللہ عزّ وجلّ سے غائب نہیں ہوں۔ اس پر میں نے اسے کہا۔ کہ اگر بات اسی طرح ہے۔ تو بتاؤ میں کون ہوں؟ اس نے سر اٹھا کر کہا۔ تو میرا بھائی ابو العباس خضر ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ بعض اللہ کے ایسے بندے ہیں۔ جنہیں میں نہیں جانتا۔

۴۰۔ ابراہیم بن ادہم کے مرید یحییٰ کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم بن ادہم کا ایک مرید تھا۔ جس کا نام یحییٰ تھا۔ وہ ایک ایسے بالا خانہ میں عبادت کیا کرتا۔ جس کی کوئی سیڑھی نہ تھی۔ جب یہ قضاء حاجت کرنا چاہتا۔ تو اپنے بالا خانہ کے دروازہ پر آ کر کہتا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ اور ہوا میں

سے اس طرح گذر جاتا۔ جس طرح کہ ایک پرندہ گذر جاتا ہے۔ جب فارغ ہو جاتے تو پھر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ پڑھتا۔ اور بالاخانہ میں واپس چلا آتا۔

۴۱۔ ابو عمر اصطخری رح کی کرامت

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا۔ کہ عمر بن محمد بن احمد الشیرازی البصری نے کہا۔ کہ ابو محمد جعفر الحذاء شیرازی (۱۲۷۷) فرماتے تھے۔ کہ میں ابو عمر (۱۲۷۸) اصطخری کی اقتداء کیا کرتا تھا۔ جب کبھی دل میں کوئی خیال آتا۔ تو میں ان کے پاس اصطخر جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا۔ کہ پیشتر اس کے کہ میں سوال کرتا۔ وہ پہلے ہی مجھے جواب دے دیتے۔ اور کبھی ایسا ہوتا۔ کہ میں سوال کرتا۔ اور وہ جواب دیتے۔ اس کے بعد میں مشغولیت کی وجہ سے ان کے پاس نہ جا سکتا۔ پھر یوں ہوتا۔ کہ جب کوئی میرے دل میں مسئلہ پیدا ہوتا۔ وہ اصطخر میں بیٹھے ہی مجھے جواب دے دیتے۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر میری تمام واردات مجھ سے بیان کر دیتے۔

۴۲۔ ایک فقیر کی کرامت

ایک صوفی بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک تاریک گھر میں ایک فقیر مر گیا۔ جب ہم نے اُسے غسل دینا چاہا۔ ہم نے چراغ ڈھونڈھنے میں بڑی کوشش کی۔ تو ایک روشندان سے روشنی آئی۔ جس نے گھر کو روشن کر دیا۔ اور ہم نے اُسے غسل دیا۔ جب غسل دے چکے۔ تو روشنی جاتی رہی گویا وہاں کبھی روشنی تھی ہی نہیں۔

۴۳۔ ایک اور نوجوان کی کرامت

آدم بن ابی ایاس (۱۲۷۹) حکایت کرتے ہیں۔ کہ ہم عسقلان میں تھے۔ تو ایک نوجوان ہمارے پاس آتا۔ اور ہم سے باتیں کرتا۔ جب ہم فارغ ہوتے تو وہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگ جاتا۔ آدم کہتے ہیں۔ کہ وہ ایک دن آیا۔ اور کہا۔ میں اسکندریہ جا رہا ہوں۔ میں اس کے ساتھ نکلا۔ اور چند درہم اسے دیئے۔ مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اصرار کیا۔ تو اس نے اپنے چھاگل میں ریت کی ایک مٹھی ڈالی۔ اور سمندر کا پانی لیا۔ اور کہا کھاؤ میں نے جو دیکھا۔ تو وہ ستو تھے۔ جن میں خوب

شکر ہی ہوئی تھی۔ پھر کہنے لگا۔ جس شخص کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ معاملہ ہو۔ بھلا اسے تمہارے درہموں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے۔

بِحَقِّ الْهَوَىٰ يَا أَهْلَ وُدِّي تَفَهَّمُوا ... لِسَانَ وُجُودٍ بِالْوُجُودِ غَرِيبُ
حَرَامٌ عَلَىٰ قَلْبٍ تَعَرَّضَ لِلْهَوَىٰ ... يَكُونُ لِغَيْرِ الْحَقِّ فِيهِ نَصِيبُ

اے میرے دوستو! تمہیں عشق کی قسم تم اس وجود کی زبان کو سمجھو۔ جو اپنے وجود کے ساتھ اجنبی ہے۔

جو دل عشق کے پیچھے لگ جائے۔ اس کے لئے حرام ہے کہ اس میں اللہ کے سوا کسی اور کا بھی حصہ ہو۔ کسی اور کے یہ اشعار ہیں۔

لَيْسَ فِي الْقَلْبِ وَالْفُؤَادِ جَمِيعًا ... مَوْضِعٌ فَارِغٌ يَرَاهُ الْحَبِيبُ
هُوَ سُؤْلِي وَمُنْيَتِي وَحَبِيبِي ... وَبِهِ مَا حَيِيتُ عَيْشِي يَطِيبُ
وَإِذَا مَا السِّقَامُ حَلَّ بِقَلْبِي ... لَمْ أَجِدْ غَيْرَهُ يُشْفِي طَبِيبُ

دل کے اندر کوئی ایسی جگہ نہیں جسے محبوب (اپنے عشق سے) خالی دیکھ سکے وہی میری خواہش، وہی آرزو اور وہی میرا محبوب ہے۔ اور اس کی بدولت جب تک میں زندہ ہوں۔ میری زندگی بھلی لگتی ہے۔

اور جب میرا دل بیمار پڑ جائے تو اس کا معالج بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

۴۴۔ ابراہیم آجری کی کرامت

ابراہیم آجری (۱۲۰۰) فرماتے ہیں۔ کہ ایک یہودی کا میرے ذمہ قرض تھا۔ اور اپنے قرض کے مطالبہ کے لئے میرے پاس آیا۔ اس وقت میں اپنے بھٹے کے پاس بیٹھا اینٹوں کے نیچے آگ جلا رہا تھا۔ یہودی نے مجھے کہا۔ ابراہیم! کوئی کرامت دکھاؤ۔ تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا۔ کیا واقعی تو مسلمان ہو جائے گا؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں! میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا، اپنا کپڑا اتار دو۔ اس نے اتار دیا۔ میں نے اسے لپیٹا۔ اور اس کے اوپر میں نے اپنا کپڑا لپیٹ دیا۔ اور اسے آگ میں پھینک دیا۔ اس کے بعد میں خود بھٹے میں گھس گیا۔ اور آگ کے بیچ میں سے

میں نے وہ کپڑا لیا۔ اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ دیکھا تو میرے کپڑے تو ویسے کے ویسے تھے۔ انہیں آگ نے چھوا تک نہ تھا۔ اور اس کے کپڑے جو میرے کپڑوں کے اندر تھے۔ جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ وہ یہودی اسلام لے آیا۔

۴۵۔ حبیب عجمی کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ حبیب عجمی ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو (یوم الترویہ) کو بصرہ میں دیکھے جاتے۔ اور نویں (یوم عرفہ) تاریخ کو عرفات میں۔

۴۶۔ عبّاس بن مہتدی کی کرامت

میں نے محمد بن عبد اللہ الصوفی سے کہا۔ کہ احمد بن محمد بن عبد اللہ الفرغانی فرماتے تھے۔ کہ عباس بن مہتدی نے ایک عورت سے شادی کی۔ شب زفاف آئی۔ تو ان کو ندامت ہوئی۔ اور جب اس کے قریب جانے کا ارادہ کیا۔ تو کسی نے انہیں ڈانٹ کر ہٹا دیا۔ یہ اس سے ہم بستر نہ ہوئے۔ اور نکل آئے۔ تین دن کے بعد اس کا خاوند آ نکلا۔

استاد فرماتے ہیں۔ یہی درحقیقت کرامت ہے۔ کیونکہ ان کے علم نے انہیں محفوظ رکھا۔

۴۷۔ فضیل کی کرامت

کہا جاتا ہے کہ فضیل منٰی کے کسی پہاڑ پر تھے انہوں نے فرمایا۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا ولی پہاڑ کو کہے کہ حرکت میں آ جا۔ تو یہ ضرور حرکت میں آ جائے گا۔ بس یہ کہنا تھا۔ کہ پہاڑ حرکت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ ٹھہر جاؤ۔ میری یہ مراد نہ تھی۔ اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔

۴۸۔ ابو عاصم بصری کی کرامت

عبد الواحد بن زید نے ابو عاصم[۱] بصری سے پوچھا کہ جب حجاج نے تمہیں بلایا۔ تو کیا کہا؟ فرمایا۔ اس وقت میں اپنے بالا خانے میں تھا۔ انہوں نے دستک دی۔ اور اندر آ گئے۔ مجھے کسی نے دھکا دیا۔ تو میں مکہ میں ابو قبیس پہاڑ

پر تھا۔ عبد الواحد نے پوچھا۔ تو کھانا کہاں سے کھاتا تھا؟ فرمایا ایک زمیا وہی دو روٹیاں لئے جن کو میں بصرہ میں کھایا کرتا تھا۔ ہر روز افطار کے وقت میری طرف چڑھ کر آجاتی۔

یہ سن کر عبد الواحد نے کہا۔ یہ دنیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابو عاصم کی خدمت کرے۔

۴۹۔ عامر بن عبد قیس کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ عامر بن عبد قیس اپنا وظیفہ لیتے۔ اور پھر جو شخص انہیں ملتا۔ اسے اس میں سے کچھ نہ کچھ دیتے اور جب وہ اپنے گھر واپس آتے۔ تو ان کی طرف وہ دراہم پھینک دئے جاتے۔ اور یہ اتنے ہی ہوتے۔ جتنے وہ (اپنے وظیفہ میں) لئے ہوئے ہوتے اس میں سے کچھ کم نہ ہوتا۔

۵۰۔ جنیدؒ کی کرامت

میں نے ابو عبد اللہ الشیرازی سے سنا۔ کہ ابو احمد الکبیر نے ان سے کہا۔ کہ ابو عبد اللہ بن خفیف نے ان سے کہا۔ کہ ابو عمر الزجاجی فرماتے تھے۔ کہ میں جنیدؒ کے پاس گیا۔ اور میرا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ آپ نے مجھے ایک درہم دیا۔ میں نے اُسے اپنے تہمد میں باندھ لیا۔ اس کے بعد میں جس منزل میں پہنچتا۔ وہاں مجھے رفیق مل جاتے۔ اور مجھے ایک درہم کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ جب حج کرنے کے بعد بغداد واپس آیا۔ تو جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ لاؤ۔ اس پر میں نے آپ کو وہ درہم دے دیا۔ آپ نے پوچھا، کیسا گذرا؟ (میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہا۔

۵۱۔ ذو النون کی کرامت

ابو جعفر اعور حکایت کرتے ہیں کہ میں ذو النون مصری کے پاس بیٹھا تھا۔ کہ اولیاء اللہ کے لئے چیزوں کی اطاعت کا ذکر چھڑ گیا۔ ذو النون نے کہا۔ یہ بھی اطاعت ہے۔ کہ اگر میں اس چارپائی کو کہوں کہ اس کمرے کے چاروں کونوں میں گھومے۔ اور پھر اپنی

جگہ پر واپس چلی آئے۔ لز بر کر گئی۔ ابو جعفر فرماتے ہیں۔ کہ ان کا یہ کہنا تھا کہ چارپائی نے چاروں کونوں میں گھومنا شروع کر دیا۔ اور پھر اپنی جگہ پر لوٹ آئی۔ وہاں ایک نوجوان تھا۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ اور وہیں مر گیا۔

۵۳۔ واصل احدب کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ واصل احدب (۱۲۸۲) نے یہ آیت پڑھی۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ (تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے)

تو کہنے لگے۔ میرا رزق آسمان میں ہو۔ اور میں اُسے زمین پر ڈھونڈوں؟ چنانچہ ویرانے میں چلے گئے۔ اور دو دن اسی طرح رہے۔ اور کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی۔ آپ پر یہ بات بہت سخت گذری۔ جب تیسرا دن ہوا۔ تو تازہ کھجوروں کا ایک ٹوکرا آگیا۔ ان کا ایک بھائی بھی تھا۔ جو ان سے بھی بہتر نیت والا تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ اور ایک کی بجائے دو ٹوکرے ہو گئے۔ موت تک ان دونوں کا یہی حال رہا۔

۵۴۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

ایک صوفی کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم بن ادہم ایک باغ کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ ایک بار جو میں گیا۔ تو دیکھا کہ وہ سوئے پڑے ہیں۔ اور ایک سانپ اپنے منہ میں نرگس کا گلدستہ لئے انہیں پنکھا کر رہا ہے۔

ایوب سختیانی کی کرامت

کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ایوب سختیانی کے ساتھ سفر میں تھے۔ تو انہیں کہیں پانی نہ ملا۔ ایوب نے کہا۔ کیا تم میری زندگی بھر پوشیدہ رکھو گے؟ اُنہوں نے کہا۔ ہاں۔ اس کے بعد اُنہوں نے ایک دائرہ کھینچا تو پانی پھوٹ پڑا اور ہم نے پی لیا۔

راوی کہتا ہے۔ جب وہ بصرہ پہنچے۔ تو حماد بن زید (۱۲۸۳) سے اس کا ذکر کر دیا۔ تو عبدالواحد بن زید نے کہا۔ کہ میں بھی اس دن وہاں موجود تھا۔

۵۶۔ ذوالنون کی کرامت

بکر بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ ہم جنگل میں

ہم ذوالنون کے ساتھ تھے۔ تو ہم ببول کے درخت کے نیچے اُترے۔ ہم نے کہا۔ کیا اچھی جگہ ہے۔ اگر یہاں تازہ کھجوریں ہوتیں! یہ سُن کر ذوالنون مسکرائے اور فرمایا۔ کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ آپ نے درخت کو ہلا کر کہا۔ تجھیں قسم ہے اس خدا کی، جس نے تمہیں درخت بنایا۔ کہ تو ہم پر کھجوریں بکھیر دے۔ اس کے بعد آپ نے اُسے ہلایا۔ تو تازہ کھجوریں گریں۔ ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھائیں۔ پھر جب اُٹھے۔ اور درخت کو ہلایا۔ تو کانٹے گرے۔

۵۵۔ ایک نوجوان کی کرامت

ابو القاسم بن مروان نہاوندی بیان کرتے ہیں۔ کہ میں اور ابوبکر وراق ابوسعید خراز کے ساتھ ساحل سمندر پر صیدا کی طرف جا رہے تھے۔ ابوسعید نے دُور سے ایک شخص کو دیکھا۔ اور فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ ہو نہ ہو، یہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت نوجوان آیا۔ جس کے ہاتھ میں چھاگل اور دوات تھی۔ اور گدڑی پہن رکھی تھی۔ ابوسعید نے استعجاب کے طور پر اس کی طرف دیکھا۔ کیونکہ اس نے چھاگل کے ساتھ ایک دوات اٹھا رکھی تھی۔ ابوسعید نے پوچھا۔ اے نوجوان! اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اے ابوسعید! مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے دو ہی راستے معلوم ہیں۔ ایک خاص طریقہ، اور دوسرا عام۔ عام طریقہ تو وہ ہے۔ جس پر تم چل رہے ہو۔ اور اگر خاص طریقہ چاہتے ہو۔ تو یہ لو۔ یہ کہہ کر وہ پانی پر چلنے لگ گیا۔ یہاں تک کہ ہماری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ ابوسعید یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

۵۶۔ ایک فقیر کی کرامت

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں گیا۔ اور وہاں فقراء کی جماعت کو دیکھا۔ جو کرامات پر بحث کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک فقیر نے کہا۔ کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں۔ جو اگر اس ستون کو کہے کہ آدھا چاندی کا اور آدھا سونے

کا ہو جائے ۔ تو ہو جائے گا ۔ جنیدؒ کہتے ہیں ۔ میں نے جو دیکھا ۔ تو آدھا ستون چاندی کا اور آدھا سونے کا ہو چکا ہے ۔

۵۷ - شیبان راعی کی کرامت

کہتے کہ سفیان ثوریؒ اور شیبان راعی[۱۲۸۶] دونوں حج کے لئے روانہ ہوئے ۔ ایک شیر نے ان کا راستہ روک لیا ۔ سفیان نے کہا ۔ شیر کو دیکھ رہے ہو ۔ شیبان نے کہا ۔ ڈرو نہیں ۔ شیبان نے شیر کا کان پکڑ کر مروڑا ۔ تو شیر دم ہلانے لگ گیا ۔ یہ دیکھ کر سفیان نے کہا ۔ یہ کیا شہرت (طلبی) ہے ۔ شیبان نے کہا ۔ اگر شہرت کا ڈر نہ ہوتا ۔ تو میں اس کی پیٹھ پر زاد راہ رکھ کر مکہ تک لے جاتا ۔

۵۸ - سریؒ کی کرامت

کہتے ہیں ۔ کہ جب سریؒ نے تجارت چھوڑی ۔ تو ان کی بہن اپنا سوت بیچ کر ان پر خرچ کیا کرتی ۔ ایک دن اسے دیر ہو گئی ۔ سری نے دیری کا سبب پوچھا ۔ بہن نے جواب دیا ۔ کہ آج میرا سوت کسی نے نہیں خریدا ۔ وہ کہتے تھے ۔ ....
کہ اس میں ملاوٹ ہے ۔ اس دن سے سری نے اس کا کھانا کھانا چھوڑ دیا ۔ اس کے بعد ایک دن ان کی بہن ان کے پاس آئی ۔ تو ایک بڑھیا عورت کو گھر میں جھاڑو دیتے دیکھا ۔ اور دیکھا کہ وہ ہر روز دو روٹیاں سریؒ کے لئے لے آتی ہے یہ دیکھ کر ان کو بہن کو بہت رنج ہوا ۔ اور اس نے احمد بن حنبلؒ کے پاس جا کر اس کی شکایت کی ۔ احمد بن حنبل نے اس کا ذکر سری سے کیا ۔ تو انہوں نے فرمایا ۔ جب میں نے اس کا کھانا چھوڑ دیا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے لئے مسخر کر دیا ۔ کہ مجھ پر خرچ کرے ۔ اور میری خدمت کرے ۔

۵۹ - معروف کرخی کی کرامت

ہم سے محمد بن عبد اللہ الصوفی نے کہا ۔ علی بن ہارون[۱۲۸۷] نے ان سے کہا کہ علی بن احمد التمیمی نے ان سے بیان کیا ۔ کہ جعفر بن القاسم الخواص نے کہا ۔ کہ محمد بن منصور الطوسی[۱۲۸۸] فرماتے تھے ۔ کہ میں ابو محفوظ معروف کرخی کے پاس تھا ۔

تو انہوں نے میرے حق میں دعا کی۔ اور جب دوسرے دن پھر ان کے پاس آیا۔
تو ان کے چہرے پر نشان تھا۔ ایک شخص نے دریافت کیا۔ کہ اے ابو محفوظ
ہم کل آپ کے پاس تھے۔ اس وقت یہ نشان آپ کے چہرے پر نہ تھا۔ اس کی
کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ اپنے مطلب کی بات کرو۔ (یعنی اس سوال
کو چھوڑ دو۔ تمہارا اس سے کوئی مطلب نہیں) اس شخص نے کہا۔ آپ کو
آپ کے معبود کی قسم، ضرور بتلائیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔
کل میں نے یہاں نماز پڑھی۔ اور مجھے خواہش ہوئی۔ کہ خانہ کعبہ کا طواف
کروں۔ لہٰذا مکہ چلا گیا۔ اور وہاں کعبہ کا طواف کیا۔ پھر میں زمزم کی طرف گیا کہ
اس کا پانی پیوں۔ دروازہ پر پیر پھسل گیا۔ اور چہرے پر زخم آ گیا۔

۶۰۔ عتبۃ الغلام کی کرامت (۱۲۸۹)

کہا جاتا ہے۔ کہ عتبۃ الغلام بیٹھتے تو
فرماتے۔ اے فاختہ! اگر تو مجھ سے زیادہ
اللہ تعالیٰ کی اطاعت گذار ہے۔ تو آ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جا۔ چنانچہ فاختہ آ کر
ان کے ہاتھ پر بیٹھ جایا کرتی۔

۶۱۔ ابو علی رازی کی کرامت (۱۲۹۰)

ابو علی رازی سے حکایت ہے۔ وہ
فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن میرا گذر فرات پر ہوا۔
اور میرے دل میں تازہ مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ فوراً پانی نے ایک مچھلی
میری طرف پھینک دی۔ پھر ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں بھون
دیتا ہوں۔ میں نے کہا۔ بہتر۔ اس نے بھونا۔ اور میں نے بیٹھ کر کھایا۔

۶۲۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

کہتے کہ ابراہیم بن ادہمؒ اپنے
رفیقوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ کہ
شیر انہیں ملا۔ ساتھیوں نے کہا۔ اے ابو اسحٰق، اس شیر نے ہمارا راستہ روک
لیا ہے۔ ابراہیم نے آ کر اسے کہا۔ اے شیر، اگر تجھے ہمارے متعلق کوئی حکم دیا
گیا ہے۔ تو کر گذرو۔ ورنہ واپس چلے جاؤ۔ یہ سن کر شیر واپس چلا گیا۔ اور وہ بھی چلے گئے۔

ابراہیم خواص اور شیر

حامد اسود کہتے ہیں۔ کہ جنگل میں ابراہیم خواص کے ساتھ تھا۔ ہم نے رات ایک دوست کے گھر گذاری۔ اچانک ایک شیر آگیا۔ اور میں درخت پر چڑھ گیا۔ اور صبح تک وہیں رہا۔ رات بھر مجھے نیند نہ آئی۔ مگر ابراہیم خواص سو گئے۔ اور شیر سر سے لے کر پاؤں پاؤں تک انہیں سونگھتا رہا۔ اور پھر چلا گیا۔ دوسری رات ہم نے بستی میں جاکر ایک مسجد میں گذاری۔ وہاں ایک مچھر ان کے چہرہ پر بیٹھا۔ اور اس نے کاٹا۔ آپ نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے کہا، عجیب بات ہے۔ کل تو آپ شیر سے بھی نہیں گھبرائے۔ اور آج آپ نے ایک مچھر سے رونا شروع کردیا۔ فرمایا۔ کل ایسی حالت میں تھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہوں۔ مگر اب جو حالت تھی تو میں اپنے نفس کے ساتھ تھا۔

۴۰۶۔ عطاء ازرق کی کرامت

عطاء[129] ازرق بیان کرتے ہیں۔ کہ ان کی بیوی نے انہیں دو درہم دیئے جو اس نے سوت بیچ کر حاصل کئے تھے۔ اور عطا کو کہا۔ کہ ان سے آٹا خرید لائے جب گھر سے نکلے۔ تو ایک لڑکی کو روتے دیکھا۔ اس نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے بتلایا۔ کہ میرے آقا نے مجھے دو درہم کچھ خریدنے کو دئیے تھے۔ اور وہ مجھ سے گر گئے ہیں۔ اب میں ڈرتی ہوں کہ مجھے مارے گا عطاء نے دو درہم اسے دے دیئے اور چلے گئے۔ اور اپنے ایک دوست کی دکان پر بیٹھے رہے۔ جو ساگوان کی لکڑی چیر رہا تھا۔ انہوں نے اس سے تمام حال کہہ سنایا۔ اور یہ بھی بتایا۔ کہ انہیں اپنی بیوی کی بداخلاقی کا ڈر ہے۔ دوست نے کہا۔ اس تھیلے میں برادہ ڈال لو۔ شاید تمہیں تنور گرم کرنے میں اس سے فائدہ ہو۔ کیونکہ اس وقت میں کوئی اور مدد نہیں کر سکتا۔ یہ برادہ اٹھا لائے۔ اور گھر کا دروازہ کھول کر تھیلا وہاں پھینک دیا۔ اور پھر دروازہ بند کر دیا۔ اور خود مسجد میں چلے گئے۔ اور

وہاں عشاء کی نماز کے بعد تک ٹھہرے رہے۔ تاکہ سب گھر والے سو رہیں۔ اور ان کی بیوی ان کے ساتھ زبان درازی نہ کرے۔ اس نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ روٹی پکا رہی ہیں۔ اس نے پوچھا۔ کہ یہ روٹی کہاں سے آئی۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ تھیلے والے آٹے سے۔ کوئی اور آٹا نہ خرید کر دینا (یعنی یہ آٹا بہت عمدہ ہے۔ اسی قسم کا آٹا لایا کرو۔) اس نے کہا۔ انشاء اللہ تعالےٰ ایسا ہی کروں گا۔

۶۵۔ فقیروں کی کرامت

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہ منصور بن عبداللہ نے کہا۔ ابو جعفر بن برکات فرماتے ہیں۔ کہ میں فقراء کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ مجھے ایک درہم ملا۔ اور چاہا کہ یہ درہم ان فقراء کو دے دوں۔ پھر دل میں کہا۔ شاید مجھے اس کی ضرورت پڑ جائے۔ اس لئے فقیروں کو نہ دیا۔ پھر میری ڈاڑھ میں درد شروع ہُوا۔ تو میں نے دانت نکلوا دیا۔ دوسرے میں درد ہُوا۔ اس کو بھی نکلوا دیا۔ اس کے بعد غیب سے آواز آئی۔ کہ اگر تو یہ دینار انہیں نہ دے گا۔ تو تمہارے منہ میں ایک دانت بھی باقی نہ رہے گا۔

استادؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ ایک بڑی کرامت ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اس کو اللہ تعالےٰ خرقِ عادت کے طور پر بہت سے درہم دے دیتا۔

۶۶۔ عامر بن عبد قیس کی کرامت

ابو سلیمان داؔرانی فرماتے ہیں۔ کہ عامر بن عبد قیس شام کو روانہ ہوئے۔ اُن کے پاس ایک مشکیزہ تھا۔ جب چاہتے۔ اس میں سے وضو کے لئے پانی نکال لیتے

۶۷۔ ایک اور کرامت

عثمان بن ابی عاتکہ(۱۲۹۲) روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک جنگ میں رومیوں کے علاقہ میں تھے۔ تو والی نے ایک دستہ فوج کسی علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ اور ایک متعین دن تک ان کی میعاد مقرر کر دی۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ مقررّہ دن آگیا۔ مگر فوجی دستہ نہ آیا۔ ناگاہ ایسے وقت

(۱۲۹۲) میں جبکہ ابو مسلم نیزہ اپنے آگے زمین میں گاڑ کر نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک پرندہ نیزے کے سر پر آگیا اور کہا۔ دستۂ فوج صحیح سلامت ہے۔ مال غنیمت حاصل کر چکا ہے۔ اور فلاں دن فلاں وقت میں تمہارے پہنچ جائے گا۔ ابو مسلمؒ نے پرندے سے پوچھا۔ کہ تو کون ہے؟ خدا تجھ پر رحم کرے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میں مومنین کے دلوں سے غم دور کرنے والا ہوں۔ ابو مسلمؒ نے جاکر والی کو خبر کر دی۔ جب اس کا بتایا ہوا دن آگیا۔ تو فوج اسی طرح آپہنچی۔ جس طرح اس نے کہا تھا۔

۶۸۔ ایک آدمی کی کرامت

ایک صوفی سے روایت ہے کہ ہم کشتی میں تھے۔ ایک شخص جو ہمارے ساتھ تھا۔ اور بیمار تھا۔ مرگیا۔ ہم نے اس کی تجہیز تکفین کی اور اسے سمندر میں ڈالنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ سمندر خشک ہوگیا۔ اور کشتی نیچے بیٹھ گئی۔ ہم نے کشتی سے نکل کر اس کے لئے قبر کھودی اور اُسے دفن کر دیا۔ جب دفن سے فارغ ہوگئے تو پانی برابر ہوگیا۔ اور کشتی اٹھی اور ہم روانہ ہو گئے۔

۶۹۔ حبیبؒ عجمی کی کرامت

کہا جاتا ہے۔ کہ بصرہ میں لوگوں کو فاقہ کشی کی نوبت آئی۔ تو حبیب عجمی نے کچھ کھانا اُدھار خریدا۔ اور مسکینوں پر تقسیم کر دیا۔ پھر اپنی تھیلی لے کر اپنے سر کے نیچے رکھ لی۔ جب لوگ تقاضا کے لئے آئے تو اُنہوں نے تھیلی کو کھولا۔ تو وہ درہموں سے بھری پڑی تھی۔ ان سے اُنہوں نے لوگوں کے قرض ادا کر دئے۔

۷۰۔ ابراہیم بن ادہم کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم بن ادہم نے کشتی پر سوار ہونا چاہا۔ تو کشتی والوں نے کہا۔ کہ ہم ایک دینار لئے بغیر تمہیں سوار نہ کریں گے۔ اس پر انہوں نے کنارے پر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور کہا۔ خدایا! یہ لوگ مجھ سے ایک دینار مانگ رہے ہیں۔ اور وہ میرے پاس نہیں ہے۔ پھر دیکھا تو ریت دینا ہی دینار بن گئی۔

۷۱ - ابو معاویہ اسود کی کرامت

ہم سے محمد بن عبداللہ الصوفی نے کہا۔ کہ عبدالعزیز بن فضل نے ان سے کہا۔ کہ محمد بن احمد المروزی[۱۲۹۴] نے ان سے بیان کیا۔ کہ عبداللہ بن سلیمان فرماتے تھے۔ کہ ابو معاویہ بن اسود[۱۲۹۵] کے خادم ابو حمزہ نصر بن الفرج بیان کرتے ہیں۔ کہ ابو معاویہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ مگر جب پڑھنا چاہتے۔ اور قرآن مجید کو کھولتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بینائی دے دیتا تھا۔ اور جب قرآن مجید کو بند کر دیتے۔ تو بینائی جاتی رہتی۔

۷۲ - بشر حافی کی کرامت

احمد بن ھیثم متطب فرماتے تھے۔ کہ مجھے بشر حافی نے کہا۔ کہ معروف کرخی سے کہہ دینا۔ کہ میں نماز پڑھنے کے بعد آؤں گا۔ احمد کہتے ہیں کہ میں نے پیغام پہنچا دیا۔ اور ان کا انتظار کرنے لگا۔ ہم نے ظہر پڑھی۔ پھر مغرب، پھر عشاء، میں نے دل میں کہا۔ سبحان اللہ، بشر جیسا آدمی ایک بات کہے۔ اور پھر اسے پورا نہ کرے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے ان کا انتظار کیا۔ میں اس وقت مسجد کے گھاٹ پر تھا۔ کچھ رات گذر جانے کے بعد بشر آئے۔ ان کے سر پر مصلیٰ تھا۔ اور دجلہ کی طرف بڑھ کر پانی پر چلنے لگے۔ میں نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی۔ اور ان کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔ اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے میرے حق میں دعا کی۔ اور فرمایا۔ جو کچھ تم نے دیکھا۔ اسے چھپائے رکھنا۔ احمد کہتے ہیں۔ کہ میں نے اس بات کا ذکر ان کے مرنے کے بعد ہی کیا۔

۷۳ - ایک مجاہد کی کرامت

ہم سے ابو عبداللہ الشیرازی نے کہا۔ کہ ابو الفرج الودثانی نے ان سے کہا۔ کہ علی بن یعقوب نے دمشق میں کہا۔ کہ میں نے ابو بکر محمد بن احمد سے سنا۔ کہ قاسم الجرعی[۱۲۹۶] فرماتے تھے۔ کہ میں نے ایک شخص کو طواف میں دیکھا۔ اور وہ صرف

یہ الفاظ کہہ رہا تھا

خدایا! تو نے سب کی حاجتیں پوری کر دیں۔ مگر میری حاجت پوری نہ کی۔ میں نے اُسے کہا۔ کیا بات ہے کہ تو اس کے سوا کوئی دعا مانگتا ہی نہیں؟ اس نے کہا میں تجھے بتلاتا ہوں۔ ہم مختلف شہروں کے سات آدمی تھے۔ اور ہم جہاد کے لئے نکلے۔ رومیوں نے ہمیں قید کر لیا۔ اور ہمیں قتل کرنے کے لئے لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے سات دروازے کھل گئے اور ہر دروازے پر ایک حور کھڑی ہے۔ چنانچہ ہم میں سے ایک کو لے جا کر اس کی گردن اڑا دی گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک حور اُتری۔ اس کے ہاتھ میں رُومال تھا۔ اور اس نے اس شخص کی رُوح کو لے لیا۔ چنانچہ ایک ایک کر کے چھ آدمیوں کی گردنیں اُڑا دی گئیں۔ رومیوں میں سے ایک شخص نے ان سے مجھے مانگ لیا۔ (اور قتل سے بچ گیا) اسی حور نے کہا۔ اے بدقسمت! کون سی چیز تجھ سے چھوٹ گئی؟ اور آسمان کے دروازے بند ہو گئے؟ بھائی جو رتبۂ شہادت مجھ سے جاتا رہا۔ اس پر افسوس کر رہا ہوں۔

قاسم جرعی فرماتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ شخص ان سب سے افضل تھا کیونکہ اس نے وہ کچھ دیکھا۔ جو وہ نہیں دیکھ سکے۔ اور اس نے ان کے مرنے کے بعد اسی شوق میں عمل کیا۔

۷۹۔ ابوبکر کتانی کی کرامت

اور میں نے انہی سے سُنا۔ کہ ابوالنجم احمد بن الحسین کے ان سے خورستان میں کہا۔ کہ میں نے ابوبکر کتانی کو فرماتے سنا۔ میں مکہ کی طرف جا رہا تھا۔ اور قحط سالی کا زمانہ تھا۔ دیکھا کہ ایک بھری ہوئی تھیلی دیناروں سے چمک رہی ہے۔ میں نے چاہا۔ کہ اُسے اٹھاؤں۔ تاکہ مکہ جا کر فقراء پر تقسیم کر دوں۔ اسی پر غیب سے آواز آئی۔ اگر تو نے اسے لیا۔ تو تمہارا فقر چھین لیا جائے گا۔

۷۹۔ ابوتراب نخشبی کی کرامت

ہم سے محمد بن محمد بن عبداللہ صوفی

نے کہا۔ کہ انا سے احمد بن یوسف الخیاط نے کہا۔ کہ ابو علی رود باری نے ان سے بیان
کیا۔ کہ ابو العباس شرقی فرماتے تھے۔ کہ ہم ابو تراب نخشبی کے ساتھ مکہ جا رہے تھے
کہ آپ راستہ سے ہٹ کر ایک طرف کو ہو لئے۔ ان کے ایک مرید نے کہا۔ کہ
مجھے پیاس لگی ہے۔ آپ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ تو صاف پانی کا ایک چشمہ
پھوٹ پڑا۔ اس شخص نے کہا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ پیالہ میں ڈال کر پانی پیوں۔ پھر اپنا
ہاتھ زمین پر مارا۔ اور اسے سفید کانچ کا ایک پیالہ پکڑا دیا۔ یہ پیالہ نہایت ہی
خوبصورت تھا۔ اس نے پانی پیا، اور ہمیں بھی پلایا۔ اور وہ پیالہ مکہ تک ہمارے
ساتھ رہا۔ ایک دن ابو تراب نے ہم سے کہا۔ تمہارے ساتھی ان امور کے بارے
میں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کرم کرتا ہے۔ کیا کہتے ہیں۔ میں نے
عرض کیا۔ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں۔ جو ان پر ایمان نہ رکھتا ہو ابو تراب نے فرمایا جو
ان پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے میں نے تو تم سے سوال کیا ہے کہ جہاں تک تمہیں ان کے حالات کا علم ہے
ان کا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کہ مجھے معلوم نہیں۔ ابو تراب نے فرمایا۔
ہاں تمہارے ساتھی کہتے ہیں۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے دھوکا یا مکر ہوتا ہے۔
حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں۔ دھوکا تو اس صورت میں ہو۔ کہ انسان ان سے
سکون محسوس کرے۔ مگر جو شخص نہ تو آرزو کرے۔ اور نہ ان سے سکون
محسوس کرے۔ تو یہ ربّانی لوگوں کا مرتبہ ہے۔

۷۵۔ فتح موصلی کی کرامت

ہم سے محمد بن عبلة صوفی نے
کہا۔ کہ ابو الفرج الورثانی نے ان سے
کہا کہ محمد بن الحسین خلدی طرسوسی نے کہا۔ کہ ابو عبداللہ بن الجلاء فرماتے تھے
کہ ہم بغداد میں سری سقطی کے بالاخانہ میں تھے۔ جب کچھ رات گذر گئی۔ تو
انہوں نے صاف ستھری قمیص شلوار، چادر اور جوتا پہنا۔ اور اٹھ کر
باہر جانے لگے۔ میں نے پوچھا۔ اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب دیا
فتح موصلی کی عیادت کو جا رہا ہوں۔ جب بغداد کی سڑکوں پر چل رہے تھے

تو پہرہ داروں نے انہیں پکڑ لیا۔ اور قید کر دیا۔ جب صبح ہوئی۔ تو اور قیدیوں کے ساتھ انہیں بھی مارنے کا حکم دیا گیا۔ جب جلاد نے مارنے کو ہاتھ اٹھایا تو اس کا ہاتھ رُک گیا۔ اور وہ ہاتھ کو نہ ہلا سکا۔ جلاد کو مارنے کو کہا گیا۔ تو کہنے لگا۔ میرے سامنے ایک بوڑھا آدمی کھڑا مجھے کہہ رہا ہے۔ کہ اسے نہیں مارنا۔ لہٰذا میرا ہاتھ رُک جاتا ہے۔ اور حرکت نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے جب غور کیا۔ کہ کون شخص ہے۔ تو دیکھا' فتح موصلی تھے۔ لہٰذا انہوں نے اسے نہ مارا۔

۶۷۔ عبد الواحد بن زید کی کرامت

ہم سے شیخ عبد الرحمٰن سلمی نے کہا۔ کہ حارث خطابی نے ان سے کہا۔ کہ محمد بن الفضل نے ان سے بیان کیا۔ کہ علی بن مسلم نے ان سے کہا۔ کہ سعید بن یحییٰ بصری فرماتے تھے۔ کہ قبیلہ قریش میں سے کچھ لوگ عبد الواحد بن زید کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے آ کر کہا۔ کہ ہمیں تنگی اور محتاجی سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ اور یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاِسْمِکَ الْمُرْتَفِعِ الَّذِیْ تُکْرِمُ بِہٖ مَنْ شِئْتَ مِنْ اَوْلِیَاءِکَ وَ تُلْھِمُہُ الصَّفِیَّ مِنْ اَحِبَّائِکَ اَنْ تَاْتِیَنَا بِرِزْقٍ مِنْ لَّدُنْکَ تَقْطَعُ بِہٖ عَلَائِقَ الشَّیْطَانِ مِنْ قُلُوْبِنَا وَ قُلُوْبِ اَصْحَابِنَا ھٰؤُلَاءِ فَاَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ الْقَدِیْمُ الْاِحْسَانِ۔ اَللّٰھُمَّ السَّاعَۃَ السَّاعَۃَ۔

"یا اللہ تو! میں تم سے اس بلند نام کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں۔ جس کے ساتھ تو اپنے جس ولی کو چاہتا ہے۔ عزت بخشتا ہے۔ اور جسے تو اپنے برگزیدہ دوستوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ کہ تو اپنی طرف سے ہمیں رزق بھیجتا ہے جس کی وجہ سے ہمارے دلوں اور ہمارے ساتھیوں کے دلوں سے شیطانی تعلق منقطع ہو جاتے ہیں۔ تو ہی رحم کھانے والا، احسان کرنے والا ہے۔ جس کا احسان قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ یا اللہ تو! اسی وقت ہو۔ اسی وقت ہو۔"

وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے چھت کی کڑکڑاہٹ سنی۔ اس کے بعد درہم و دینار برسنے لگے۔ پھر عبد الواحد بن زید نے کہا۔ اور دل کو چھوڑ کر خدا سے مالداری چاہا کرو۔ چنانچہ انہوں نے وہ درہم و دینار لے لئے۔ اور عبد الواحد نے کچھ نہ لیا۔

۷۷۔ ایک صوفی کی کرامت

میں نے ابو عبد اللہ شیرازی سے سنا۔ کہ ابو عبد اللہ محمد بن علی الجوزی نے جندیسابور میں فرمایا۔ کہ میں نے کتانی کو سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے ایک صوفی کو دیکھا وہ ایک اجنبی شخص تھا۔ اور میں اسے پہچانتا نہ تھا۔ وہ کعبہ کی طرف آیا۔ اور کہا۔ خدایا! مجھے معلوم ہے۔ کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ان کی مراد طواف کرنے والوں سے تھی۔ جواب آیا کہ اس رقعہ کی طرف دیکھو، کتانی کہتے ہیں۔ کہ ایک رقعہ ہوا میں اڑا۔ اور پھر غائب ہو گیا۔

۷۸۔ ایک بچے کی کرامت

اور میں نے انہی سے سنا۔ کہ عبد الواحد بن بکر الورثانی نے ان سے کہا۔ کہ محمد بن علی الحسین مقری طرسوسی نے ان سے کہا۔ کہ ابو عبد اللہ بن الجلاء فرماتے تھے کہ ایک دن میری والدہ نے میرے والد سے مچھلی کی خواہش کی۔ میرے والد بازار گئے۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے مچھلی خریدی۔ اور ٹھہر گئے کہ کوئی اٹھانے والا مل جائے۔ آپ نے اپنے سامنے ایک بچے کو ایک اور بچے کے ساتھ کھڑا دیکھا۔ اس بچے نے کہا۔ چچا! آپ کسی اٹھانے والے کو دیکھ رہے ہیں۔ میرے والد نے فرمایا۔ ہاں! بچے نے مچھلی اٹھائی۔ اور ہمارے ساتھ چل پڑا۔ (راستہ میں) ہم نے اذان کی آواز سنی۔ بچے نے کہا۔ کہ مؤذن نے اذان دے دی ہے۔ میں وضو کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ راضی ہوں تو بہتر ہے۔ ورنہ یہ مچھلی لے لیں۔ بچہ مچھلی رکھ کر چلا گیا۔ میرے والد نے کہا۔ ہم پر زیادہ حق ہے۔ کہ ہم مچھلی کے بارے میں اللہ پر

بھروسہ کریں۔ ہم نے مسجد میں جاکر نماز پڑھی۔ اور اُس بچے نے بھی آکر نماز
پڑھی۔ جب باہر آئے تو دیکھا۔ کہ مچھلی وہیں کی وہیں پڑی ہے۔ بچے نے
پھر اُسے اٹھالیا۔ اور ہمارے ساتھ ہمارے گھر کی طرف چل پڑا۔ میرے والد
نے اس کا ذکر میری والدہ سے کیا۔ والدہ نے کہا۔ اسے کہیں کہ یہیں ٹھہرے
اور ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔ جب ہم نے اس سے کہا۔ تو کہنے لگا۔ میرا
تو روزہ ہے۔ ہم نے کہا۔ پھر شام کو آجانا۔ اس نے کہا۔ ایک بوجھ اٹھانے
کے بعد دوبارہ بوجھ نہیں اٹھایا کرتا۔ لیکن میں مسجد میں جاؤں گا۔ اور میں شام
تک وہیں رہوں گا۔ اس کے بعد آپ کے پاس آؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ جب
رات ہوئی۔ تو بچہ آگیا۔ اور ہم نے کھانا کھایا۔ جب فارغ ہوئے۔ تو ہم نے اُسے
قضاء کی حاجت کی جگہ بتا دی۔ پھر ہم نے دیکھا۔ کہ وہ علیحدگی چاہتا ہے۔ لہٰذا
ہم نے اُسے ایک کمرے میں رہنے دیا۔ جب کچھ رات گذر گئی۔ تو ہمارے
ایک رشتہ دار کی لڑکی خود چل کر آئی۔ حالانکہ وہ چلنے پھرنے سے عاری تھی
ہم نے اس سے اس کے متعلق پوچھا۔ تو بولی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔
کہ الٰہی! اس مہمان کے صدقے تو مجھے صحت دے۔ چنانچہ میں اٹھ کر کھڑی
ہوگئی۔ میری والدہ کہتی ہیں۔ ہم بچے کو دیکھنے گئے۔ مگر وہ کہیں نہ تھا۔ اور
دروازے اسی طرح بند تھے۔ یہ حال دیکھ میرے والد نے کہا۔
بعض چھوٹے بچے ہوتے ہیں۔ اور بعض بڑے۔

۷۹۔ عبد الواحد بن زید کی کرامت

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ ابو حارث خطابی نے
ان سے بیان کیا۔ کہ محمد بن الفضل نے ان سے کہا۔ علی بن المستنیم[۲۹۹] نے کہا۔ کہ سعید بن
یحییٰ بصری[۳۰۰] فرماتے تھے۔ کہ میں عبد الواحد بن زید کے پاس آیا۔ تو وہ سائے
میں بیٹھے تھے۔ میں نے کہا۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں۔ کہ وہ آپ
کو رزق دے۔ تو مجھے امید ہے۔ کہ وہ ضرور ایسا کرے گا۔ عبد الواحد نے

کہا۔ میرا رب اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہیں سے کنکریاں اٹھائیں۔ اور کہا خدایا! اگر تو انہیں سونا بنانا چاہے۔ تو بنا سکتا ہے۔ خدا کی قسم وہ کنکریاں ان کے ہاتھ میں سونا بن گئیں۔ انہوں نے انہیں میری طرف پھینک دیا۔ اور فرمایا۔ تو انہیں خرچ کر۔ دنیا میں کوئی بھلائی نہیں۔ سوائے ان نیکیوں کے، جو آخرت کے لئے کی جائیں۔

۸۰۔ ابو یعقوب سوسی کے ایک مرید کی کرامت

میں نے محمد بن عبداللہ صوفی سے سنا۔ کہ حسین بن احمد فارسی نے ان سے بیان کیا۔ کہ رقی نے ان سے کہا۔ کہ احمد بن منصور فرماتے تھے۔ میرے استاد ابو یعقوب سوسی نے مجھے بتلایا۔ کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا۔ تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ حالانکہ وہ تختے پر پڑا تھا میں نے کہا۔ بیٹا! میرا ہاتھ چھوڑ دے۔ میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں ہے یہ (موت) تو ایک گھر سے دوسرے گھر کو منتقل ہونے کا نام ہے۔ اس پر اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

۸۱۔ ابراہیم بن شیبان کے ایک مرید کی کرامت

اور میں نے انہی سے سنا۔ کہ ابوبکر احمد بن محمد الطرسوسی فرماتے تھے کہ میں نے ابراہیم بن شیبان کو فرماتے سنا کہ ایک ارادتمند مرید میری صحبت میں رہا۔ وہ مر گیا۔ مجھے اس کا بہت غم ہوا۔ میں خود اس کو غسل دینے لگا۔ مگر جب اس کے ہاتھ دھونے لگا۔ تو دہشت کے مارے بجائے اس کے کہ دائیں ہاتھ سے شروع کرتا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے شروع کیا۔ مگر اس نے بایاں ہاتھ چھڑا کر دایاں ہاتھ پکڑا دیا۔ اس پر میں نے کہا۔ بیٹا! تو سچا ہے۔ مجھ ہی سے غلطی ہوئی ہے۔

۸۲۔ ابو یعقوب سوسی کے ایک اور مرید کی کرامت

میں نے انہی سے سنا۔ کہ ابو النجم المقری البردعی شیرازی نے کہا۔ کہ انہوں

نے الدقی سے سُنا۔ احمد بن منصور[۱۳۰۲] فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابو یعقوب سوسی
کو فرماتے سنا۔ کہ مکہ میں ایک مرید میرے پاس آیا۔ اور کہا۔ اے استاد! میں
کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا۔ یہ دینار لے لیں۔ آدھے سے قبر کھدوائیں
اور آدھے سے کفن پہنائیں۔ چنانچہ جب دوسرا دن ہوا۔ اس نے آکر خانہ کعبہ
کا طواف کیا۔ اور پھر دُور ہٹ کر مر گیا۔ میں نے اُسے غسل دیا۔ اور کفن پہنایا
اور لحد میں رکھ دیا۔ تو اُس نے آنکھیں کھولیں۔ میں نے کہا۔ کیا موت کے بعد
زندگی؟ اس نے جواب دیا۔
میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر محب زندہ ہے۔

۸۳۔ سہل بن عبداللہ کی کرامت

میں نے شیخ ابو عبدالرحمن سلمی سے سنا۔ کہ محمد بن الحسن بغدادی نے
ان سے بیان کیا۔ کہ ابو علی بن وصیف مؤدب فرماتے تھے۔ ایک دن سہل
بن عبداللہ نے ذکر الٰہی پر وعظ فرمایا۔ اور فرمایا کہ حقیقی ذاکر اگر مُردوں کو زندہ
کرنا چاہے۔ تو زندہ کر سکتا ہے۔ اس وقت اس کے سامنے ایک بیمار
تھا۔ آپ نے اپنا پھیرا اور وہ تندرست ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

۸۴۔ عمرو بن عتبہ کی کرامت

میں نے ابو عبداللہ الشیرازی سے سنا۔ کہ ان سے علی بن ابراہیم بن[۱۳۰۳]
احمد نے بیان کیا۔ کہ عثمان بن احمد[۱۳۰۴] نے ان سے سنا۔ کہا۔ کہ حسین بن عمر[۱۳۰۵] فرماتے
تھے۔ کہ میں نے بشر بن حارث کو فرماتے سنا۔ کہ عمرو بن عتبہ[۱۳۰۶] جب نماز پڑھا
کرتے۔ تو بادل ان کے سر پر ہوتے۔ اور شیر ان کے گرد اپنی دُم ہلاتے ہوتے۔

۸۵۔ سری رحمہ اللہ کی کرامت

میں نے انہی سے سنا۔ کہ ابو عبداللہ بن مفلح نے اُن سے کہا۔ کہ المغازلی[۱۳۰۷] نے کہا
کہ جنید فرماتے تھے۔ کہ میرے پاس چار درہم تھے۔ جنہیں لے کر میں سری
کے پاس گیا۔ اور کہا میں یہ چار درہم آپ کے لئے لایا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔

بچے! تمہیں خوشخبری ہو۔ کہ تو نجات پائے گا۔ چار درہموں کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا۔ الٰہی! اس شخص کے ہاتھوں یہ درہم بھیجو۔ جو تمہارے ہاں نجات پانے والا ہے۔

۸۶ - ابراہیم بن ادہم کی کرامت

ہم سے ابراہیم بن احمد الطبری (۱۳۰۸) نے کہا۔ کہ احمد بن یوسف (۱۳۰۹) نے ان سے کہا۔ کہ احمد بن ابراہیم بن یحییٰ (۱۳۱۰) نے ان سے بیان کیا۔ کہ میرے والد نے مجھ سے کہا۔ کہ ابراہیم الیمانی فرماتے تھے۔ ہم ابراہیم بن ادہم کے ساتھ ساحل سمندر پر چلنے کے لئے نکلے۔ اور ایک جنگل میں پہنچے۔ جہاں بہت سی سوکھی لکڑیاں پڑی تھیں۔ اور ان کے قریب ایک قلعہ تھا۔ ہم نے ابراہیم بن ادہم سے کہا۔ اگر آج رات یہیں ٹھہر جائیں۔ تو یہ لکڑیاں جلالیں۔ انہوں نے فرمایا۔ بہتر ایسا ہی کر لو۔ ہم نے قلعہ سے آگ لے کر لکڑیاں جلائیں۔ ہمارے ساتھ روٹیاں تھیں۔ ہم نے انہیں نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ ہم میں سے ایک نے کہا۔ کیسے اچھے انگارے ہیں۔ اگر اس وقت گوشت ہوتا تو ان پر بھونتے۔ ابراہیم بن ادہمؒ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں بھنا ہوا گوشت کھلائے۔ ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ ایک شیر بارہ سنگھے کو بھگاتا ہوا آیا۔ جب ہمارے قریب پہنچ گیا۔ تو بارہ سنگھا گر پڑا۔ اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ ابراہیم بن ادہم اٹھے اور کہا اسے ذبح کر لو۔ اور اس کا گوشت بھونا اور شیر کھڑا دیکھتا رہا۔

ابراہیم خواص کی کرامت

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ ابو القاسم عبداللہ بن علی الشجری فرماتے ہیں۔ کہ حامد اسود فرماتے تھے۔ میں ابراہیم خواص کے ساتھ جنگل میں سات دن تک ایک ہی حالت میں رہا۔ ساتویں دن میں کمزور ہو کر بیٹھ گیا۔ ابراہیم نے میری طرف دیکھ کر کہا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی کہ کمزور ہو گیا ہوں

سمایا۔ کس چیز کی زیادہ خواہش ہے؟ پانی کی، یا کھانے کی؟ میں نے کہا پانی کی!
فرمایا، پانی تو تمہارے پیچھے ہے۔ میں نے جو مڑ کر دیکھا۔ تو ایک پانی کا چشمہ
تازہ دودھ کی طرح بہہ رہا ہے۔ میں نے پانی پیا اور وضو کیا۔ اور ابراہیم
دیکھتے رہے۔ اور اس کے قریب بھی نہ آئے۔ جب میں اُٹھنے لگا، تو چاہا
کہ کچھ پانی ساتھ لے لوں۔ مگر انہوں نے مجھے روک دیا۔ اور فرمایا۔ یہ ایسا
پانی نہیں ہے۔ جسے ہم زادِ راہ بنا سکیں۔ (۱۴۱۱)

۸۸۔ ابو الحسن نوری کی کرامت

میں نے ابو عبداللہ بن عبداللہ سے سنا کہ انہوں نے ابو عبداللہ الدباس البغدادی (۱۴۱۲)
سے سنا۔ کہ فاطمہ اخت ابی علی رودباری فرماتی تھیں کہ میں نے ابو الحسن نوری کی
خادمہ زیتونہ کو کہتے سنا۔ زیتونہ نوری کی خدمت کیا کرتی تھی۔ اور وہ
ابو حمزہ اور جنید کی خدمت کر چکی تھی۔ زیتونہ کہتی ہے۔ کہ ایک دن بہت سردی
تھی۔ میں نے نوری سے کہا۔ کیا کچھ لاؤں؟ آپ نے فرمایا۔ لے آؤ۔ میں
نے عرض کی آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا۔ روٹی اور دودھ۔ میں دودھ اور روٹی
اُن کے پاس لے گئی۔ ان کے سامنے کوئلے پڑے تھے۔ جنہیں وہ ہاتھ سے
الٹ پلٹ رہے تھے۔ اور وہ شعلے مار رہے تھے۔ آپ روٹی کھانے لگے۔
اور دودھ آپ کے ہاتھوں پر بہہ رہا تھا۔ اور ہاتھ کوئلوں سے سیاہ ہو
چکے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ خدایا! یہ تمہارے ولی کس قدر
گندے ہیں۔ کیا ان میں کوئی بھی صاف ستھرا نہیں۔

زیتونہ کہتی ہیں۔ کہ میں آپ کے پاس سے نکل کر آئی۔ تو ایک عورت
مجھ سے چمٹ گئی۔ اور کہنے لگی۔ میرے کپڑوں کی ایک گٹھڑی چوری ہو
گئی ہے۔ مجھے گھسیٹ کر لوگ پولیس کے پاس لے گئے۔ نوری کو جب خبر
ہوئی۔ تو نکل کر آئے۔ اور سپاہی کو کہا۔ اسے کچھ نہ کہو۔ یہ تو ایک ولی کی
عورت ہے۔ سپاہی نے کہا۔ میں کیا کروں۔ وہ عورت مدعی ہے۔ فرماتے ہیں

کہ ایک لڑکی وہی گٹھڑی لئے آپہنچی۔ نوری زیتونہ کو واپس لے آئے اور فرمایا۔ اب کبھی یہ نہ کہنا۔ کہ تمہارے ولی کس قدر گندے ہیں۔ زیتونہ کہتی ہیں۔ کہ میں نے کہا۔ کہ میں توبہ کرتی ہوں۔

۸۹۔ خواص کی ایک کرامت

میں نے محمد بن عبداللہ شیرازی سے سنا۔ کہ محمد بن الفارسی نے ان سے کہا۔ کہ ابوالحسن خیر النساج فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواص کو سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ سفر میں مجھے اس قدر پیاس لگی۔ کہ میں پیاس کے مارے گر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے پڑ رہے ہیں۔ آنکھ کھولی۔ تو دیکھا۔ کہ خوبرو انسان سفید گھوڑے پر سوار ہے۔ اس نے مجھے پانی پلایا۔ اور مجھے اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا۔ اس وقت میں حجاز میں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا۔ کیا دکھائی دیتا ہے۔ میں نے کہا، مدینہ اس نے کہا، اب اتر جاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام کہنا۔ اور کہنا۔ آپ کا بھائی خضر سلام عرض کرتا ہے۔

۹۰۔ نصر خراط کی کرامت

میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے سنا۔ کہ محمد بن الحسن بغدادی نے ان سے بیان کیا۔ کہ ابوالحدید سے میں نے سنا۔ کہ المنظفر الجصاص فرماتے تھے۔ کہ میں اور نصر خراط ایک رات ایک جگہ پر تھے۔ اور ہم نے آپس میں علمی مذاکرہ کیا۔ خراط نے کہا۔ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے۔ کہ وہ ابتدائے ذکر میں یہ معلوم کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے یاد کیا ہے۔ جصاص کہتے ہیں۔ کہ میں نے ان سے اختلاف کیا۔ تو کہنے لگے۔ اگر اس وقت یہاں خضر علیہ السلام ہوتے۔ تو میری بات کے صحیح ہونے کی گواہی دیتے۔ یہ کہتا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک بوڑھا آسمان اور زمین کے درمیان چلا آرہا ہے یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اور سلام کیا۔ اور کہا، یہ سچ کہتا ہے۔

اللہ ہاتم کا ذکر کرنے والا اس نے اللہ تم کا ذکر کرتا ہے۔ کہ اللہ اس کا ذکر کرتا ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں۔

۹۱۔ سہل بن عبداللہ کی کرامت

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سنا۔ کہ ایک شخص سہل بن عبداللہ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پانی پر چلتے ہیں سہل نے کہا۔ محلہ کے موذن سے پوچھ لو۔ وہ نیک آدمی ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ وہ شخص بیان کرتا ہے۔ کہ موذن سے دریافت کیا۔ تو اس نے کہا۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں۔ مگر چند ہی دن گذرے ہیں۔ کہ حوض پر وضو کرنے آئے تھے اور پانی میں گر پڑے تھے۔ اور اگر میں وہاں نہ ہوتا۔ تو پانی ہی میں رہتے۔

استاد ابو علی دقاق ؒ فرماتے ہیں۔ سہل کی درحقیقت وہی حالت تھی۔ جو لوگ بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے لہٰذا موذن اور حوض والا قصہ انہیں پیش آیا۔ تاکہ سہل کی حالت پر پردہ پڑا رہے۔ سہل صاحب کرامات تھے

۹۲۔ ابو الحسین جرجانی کی کرامت

اسی قسم کا وہ قصہ ہے۔ جس کی حکایت ابو عثمان مغربی کرتے ہیں (۱۳۱۵) وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ابو الحسین جرجانی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ واقعہ دیکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ ایک بار میں نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ دل میں خیال آیا۔ کہ کشتی پر سوار ہو جاؤں۔ پھر خیال آیا کہ لوگ مجھے پہچان جائیں گے لہٰذا شہرت کا ڈر ہوا۔ پھر ایک کشتی گذری۔ اور مجھے دکھائی دی۔ میں پانی پر چل کر اس کشتی تک پہنچ گیا۔ اور اس کے اندر چلا گیا۔ لوگ دیکھ رہے تھے۔ مگر کسی نے بھی یہ نہیں کہا۔ کہ یہ خرق عادت ہے یا نہیں۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ ولی خواہ مشہور ہی کیوں نہ ہو۔ مستور رہتا ہے۔

۹۳ - ابو علیؒ دقاق کی کرامت

یہ احوال ہم نے اپنی آنکھوں سے استاد ابو علیؒ دقاق کے مشاہدہ کیئے ہیں

انہیں خرقتہ البول (پیشاب جلن کے ساتھ ہونا) کی بیماری تھی۔ ایک گھنٹے میں انہیں کئی بار اٹھنا پڑتا۔ یہانتک کہ فرض نماز کی دو رکعتیں ادا کرنے کے لئے انہیں کئی بار تازہ وضو کرنا پڑتا۔ اور مجلس کو جاتے ہوئے راستے میں بوتل ان کے پاس ہوتی۔ بار ہا ایسا ہوتا۔ کہ راستہ میں آتے جاتے کئی بار ضرورت پڑجاتی مگر جب وعظ کے لئے کرسی پر بیٹھتے تو ان کو طہارت کی ضرورت نہ پڑتی۔ خواہ مجلس میں کتنا ہی طول کیوں نہ ہو جائے، ہم سالہا سال یہ بات دیکھتے رہے۔ مگر ان کی زندگی بھر کبھی خیال نہ آیا۔ کہ یہ خرق عادت ہے۔ ان کی وفات کے بعد یہ بات مجھے محسوس ہوئی۔

۹۴ - سہل بن عبداللہ کی کرامت (۱۳۱۶)

اسی قسم کی وہ کرامت ہے جو سہل بن عبداللہ کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ کہ آخر عمر میں وہ اپاہج ہو گئے تھے۔ مگر فرض نماز کے وقت انہیں طاقت حاصل ہو جاتی تھی۔ اور کھڑے ہو کر نماز ادا کیا کرتے۔ (۱۳۱۷)

۹۵ - عبداللہ وزّان کی کرامت

یہ بھی مشہور ہے، کہ عبداللہ وزّان اپاہج ہمیشہ بیٹھے رہتے۔ مگر سماع کے وقت جب ان پر وجد طاری ہوتا۔ تو وہ کھڑے ہو کر سنتے۔

۹۶ - ایک انسان کی کرامت

میں نے محمد بن عبداللہ صوفی سے سنا۔ کہ ابراہیم بن محمد مالکی نے ان سے بیان کیا۔ کہ یوسف بن احمد بغدادی (۱۳۱۸) نے ان سے کہا۔ کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے کہ میں اور ابو سلیمان دارانی حج کے لئے گئے۔ چلتے چلتے مجھ سے مشکیزہ گر گیا۔ میں نے ابو سلیمان سے کہا۔ کہ مشکیزہ گم ہو گیا، اور پاس پانی نہیں ہے۔

یہ سخت سردی کا زمانہ نہ تھا۔ ابو سلیمان نے دعا کی۔ اور کہا،
"اے خدا! جو گم شدہ چیز دل کو لوٹانے والا اور گمراہی سے ہدایت
دینے والا ہے۔ ہماری مشکیزہ واپس دے دو"
دیکھتے ہیں۔ کہ ایک شخص پکار رہا ہے کس کا مشکیزہ گم ہو گیا ہے؟
میں نے کہا۔ میرا۔ چنانچہ میں نے مشکیزہ لے لیا۔ ابھی ہم چل ہی رہے تھے۔ اور
ہم نے شدت کی سردی کی وجہ سے پوستینیں پہن رکھی تھیں۔ کہ ایک شخص دکھائی
دیا۔ جس نے دو پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اور اس سے پسینہ
ٹپک رہا تھا۔ ابو سلیمانؒ نے اس شخص سے کہا۔ آؤ، ہم اپنا کوئی کپڑا اتار کر
تمہیں دیں۔ اس نے جواب دیا۔ اے ابو سلیمان! کیا تو مجھے زہد کا مشورہ
دے رہا ہے۔ اور خود سردی محسوس کر رہا ہے۔ میں اس جنگل میں تیس
سال سے پھر رہا ہوں۔ مگر مجھے کبھی بھی لرزہ نہیں پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ
سردی کے موسم میں مجھے اپنی محبت کی گرمی، اور گرمی میں اپنی محبت کی
ٹھنڈک عطا کرتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

۹۷۔ خواص کی کرامت

تیں نے انہی سے سنا۔ کہ ابو بکر محمد بن علی
تکریتی نے ان سے بیان کیا۔ کہ محمد بن علی الکتانی
مکہ میں فرماتے تھے۔ کہ میں نے خواص کو فرماتے سنا۔ کہ ایک بار جنگل میں تھا۔
دوپہر کے وقت چل رہا تھا۔ ایک درخت کے پاس پہنچا۔ جس کے قریب پانی
تھا۔ جب وہاں اترا۔ تو ایک بہت بڑا شیر میری طرف آیا۔ (فاستسلمت)
میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ جب شیر میرے قریب آیا۔
تو دیکھا کہ وہ لنگڑا رہا ہے۔ وہ ہنہناتا ہوا میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔
اس نے اپنا ہاتھ میری گود میں ڈال دیا۔ میں نے جو دیکھا۔ تو اس ہاتھ میں ورم تھا۔
اور اس میں پیپ اور خون تھا۔ میں نے ایک لکڑی لے کر اس جگہ کو چیرا۔ جس
میں پیپ تھی۔ اور پھر ہاتھ پہ پٹی باندھ دی۔ اس کے بعد شیر چلا گیا۔ ایک گھنٹے

کے بعد شیر آیا اور اس کے ساتھ دو بچے دُم ہلاتے ہوئے آئے اور مجھے ایک مرغی لاکر دی۔

۹۸۔ محمد بن سماک کی کرامت

میں نے انہیں سے سنا۔ کہ ان سے احمد بن علی السائح نے بیان کیا۔ کہ محمد بن عبداللہ بن مطرف نے کہا۔ کہ محمد بن الحسن العسقلانی نے ان سے بیان کیا۔ کہ احمد بن ابی الحواری فرماتے تھے۔ کہ محمد بن سماک (۳۱۹) بیمار پڑ گئے اور ہم آپ کا قارورہ لے کر طبیب کے پاس گئے۔ طبیب عیسائی تھا۔ ابھی ہم حیرہ اور کوفہ کے درمیان تھے۔ کہ ہمیں ایک خوبرو آدمی خوشبو سے مہکتا ہُوا اور صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ملا۔ اس نے ہم سے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا۔ ہم فلاں طبیب کے پاس ابن سماک کا قارورہ دکھانے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا۔ سبحان اللہ! تم لوگ ایک ولی اللہ کے لئے دشمن کی مدد چاہتے ہو۔ قارورہ کو زمین پر دے مارو۔ اور ابن سماک کے پاس واپس چلے جاؤ۔ اور ان سے کہو۔ کہ جہاں درد ہو رہا ہے وہاں ہاتھ رکھو یہ آیت پڑھیں۔ "وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ"

(ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا ہے۔ اور حق کے ساتھ ہی یہ اترا ہے)

اس کے بعد وہ شخص غائب ہو گیا۔ اور ہم نے اُسے نہیں دیکھا۔ ہم نے واپس آکر ابن سماک سے سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے درد کے مقام پر ہاتھ رکھ کر وہی الفاظ پڑھے جو اس شخص نے بتلائے تھے۔ اُنہیں فوراً آرام آگیا فرمایا۔ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

۹۹۔ بایزید بسطامی کی کرامت

میں نے محمد بن الحسین سے سنا۔ کہ عبدالرحمٰن بن محمد فرماتے تھے کہ میں نے عمی البسطامی کو فرماتے سُنا۔ کہ ہم ابو یزید البسطامی کی مجلس میں بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا۔ ہمارے ساتھ اٹھو۔ تاکہ ہم ایک اللہ کے ولی کا استقبال کریں۔ چنانچہ ہم آپ کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب پھاٹک تک پہنچے۔

ولی کا استقبال

تو ابراہیم بن شیبہ ھروی آئے[۱۳۲۰]۔ ابو یزیدؒ نے کہا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ آپ کا استقبال کروں۔ ابراہیم بن شیبہ نے جواب میں کہا۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے بارے میں آپ کی سفارش قبول فرمالے۔ تب بھی یہ بڑی بات نہ ہوگی۔ یہ لوگ مٹی کے ٹکڑے ہیں۔ ابو یزید ان کا جواب سن کر حیران رہ گئے۔

استادؒ فرماتے ہیں۔ اس شفاعت کو معمولی سمجھنے میں ابراہیم کی کرامت ابو یزید کی اس کرامت کے مقابلے میں بڑی ہے۔ کیونکہ ان کو اس وقت فراست حاصل تھی۔ اور شفاعت کرنے کے لئے ایک سچی حالت پیدا ہوگئی تھی۔

۱۰۰۔ ذوالنون کی کرامت جو ان کی توبہ کی وجہ بنی

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ ابوبکر الرازی فرماتے تھے۔ کہ سالم مغربی نے ان سے پوچھا۔ کہ آپ کی توبہ کی کیا وجہ ہوئی۔ ذوالنون نے فرمایا۔ میں مصر سے نکل کر کسی بستی کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں سوگیا۔ پھر اٹھا اور آنکھیں کھولیں۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ اندھا چنڈول درخت پر سے گرا۔ اور زمین پھٹ گئی۔ اور اس میں سے دو آبخورے نکلے۔ ایک چاندی کا تھا۔ اور دوسرا سونے کا۔ ایک میں تل تھے۔ اور دوسرے میں گلاب کا پانی۔ چنڈول نے ایک میں سے کچھ کھایا۔ اور دوسرے میں سے پانی پیا۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا۔ میرے لئے اتنا کافی ہے اور میں اللہ کے دروازہ پر استقامت کے ساتھ بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے قبول کر لیا۔

۱۰۱۔ عبدالواحد بن زید کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ عبدالواحد بن زید کو فالج ہوگیا۔ نماز کا وقت آیا۔ تو انہیں وضو کرنے کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے آواز دی۔ "کوئی ہے" کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ کو وقت کے فوت ہو جانے کا ڈر ہوا۔ اور کہا۔ خدایا! میری مشکلیں کھول دے۔ تاکہ میں وضو کرلوں۔ پھر جیسی تمہاری مرضی ہو کرنا۔ وہ

فرماتے ہیں۔ وہ بالکل ٹھیک ہو گئے۔ اور وضو کر کے اپنے بستر پر چلے آئے
اور پھر اسی طرح ہو گئے

۱۰۲۔ ابو عبداللہ دیلمی کی کرامت

ایوب جمال (۱۳۲۱) بیان کرتے ہیں کہ سفر میں ابو عبداللہ دیلمی جب کسی منزل پر اترتے۔ تو گدھے کو پکڑ کر اس کے کان میں کہتے۔ میں تمہیں باندھنا چاہتا تھا۔ مگر اب نہیں باندھوں گا۔ اور تمہیں اس صحرا میں چھوڑتا ہوں کہ تو گھاس چرلے۔ جب ہم چلنے کا ارادہ کریں گے۔ تو چلے آنا۔ چنانچہ جب کوچ کا وقت آتا۔ تو گدھا بھی آ پہنچتا۔

۱۰۳۔ ابو عبداللہ دیلمی کی ایک اور کرامت

کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ دیلمی نے اپنی بیٹی کی شادی کی انہیں جہیز کے لئے پیسوں کی ضرورت ہوئی۔ آپ کے پاس کپڑا تھا۔ جسے لے کر آپ نکلتے تو وہ ایک دینار کو بک جایا کرتا۔ چنانچہ اب بھی کپڑا نکلا۔ تو دلال نے کہا۔ کہ یہ تو ایک دینار سے زیادہ قیمت کا ہے۔ گاہک اس کی قیمت بڑھاتے گئے۔ یہانتک کہ اس کی قیمت ایک سو دینار تک پہنچ گئی۔ جسے بیچ کر آپ نے بیٹی کا جہیز تیار کیا

۱۰۴۔ نصر بن شمیل کی کرامت

نصر بن شمیل (۱۳۲۲) فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک تہمد خریدا۔ مگر وہ چھوٹا نکلا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ کہ اسے ایک ہاتھ اور لمبا کر دے۔ وہ ہو گیا۔ نصر فرماتے ہیں۔ کہ اگر میں کہتا تو اور لمبا ہو جاتا۔

۱۰۵۔ عامر بن عبد قیس کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ عامر بن عبد قیس نے اللہ سے درخواست کی۔ کہ ان کے لئے موسم سرما میں وضو آسان ہو جائے۔ چنانچہ ان کے پاس جب پانی لایا جاتا تو اس میں سے بخارات نکلا کرتے۔ پھر درخواست کی۔ کہ ان کے دل سے عورت

کی خواہش نکل جائے۔ تو ان کی یہ حالت ہو گئی۔ کہ انہیں ان کی پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ پھر درخواست کی کہ نماز میں شیطان کو اس کے دل سے روک دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بات نہیں مانی۔

۱۰۹۔ بشر کے گھر میں خضر

بشر بن حارث فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں داخل ہوا۔ تو وہاں ایک شخص کو پایا۔ میں نے کہا تو کون ہے۔ کہ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں گھس آیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں تمہارا بھائی خضر ہوں۔ میں نے عرض کی۔ میرے حق میں دعا کریں۔ انہوں نے کہا۔ خدا اپنی اطاعت تمہارے لئے آسان کر دے۔ میں نے کہا اور دعا کریں۔ انہوں نے کہا۔ خدا اس اطاعت گذاری پر پردہ بھی ڈال دے

۱۰۷۔ ابراہیم خواص کی کرامت۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں۔ کہ ایک بار میں مکہ جا رہا تھا۔ کہ راستہ میں رات کے وقت ایک ویرانے میں چلا گیا۔ دیکھا تو وہاں ایک بڑا شیر تھا۔ میں ڈر گیا۔ تو غیب سے آواز آئی۔ ثابت قدم رہو۔ تمہارے گرد ستر ہزار فرشتے تمہاری حفاظت کے لئے موجود ہیں۔

۱۰۸۔ نوری کی کرامت

ہم سے محمد بن الحسین کہا۔ کہ ابو الفرج الورثانی نے ان سے بیان کیا۔ کہ ابو الحسن (م ۱۳۲۳) علی بن محمد الصوفی نے کہا۔ کہ جعفر الدبیلی فرماتے تھے۔ کہ نوری پانی میں گھسے۔ تو ایک چور آ کر ان کے کپڑے لے گیا۔ اس کے بعد پھر آیا۔ تو اس کے پاس وہ کپڑے تھے اور اس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا۔ نوری نے کہا۔ خدایا! میرے کپڑے مجھے واپس مل گئے ہیں۔ لہٰذا اس کا ہاتھ بھی اسے واپس دے دے۔ چنانچہ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔

۱۰۹۔ شبلی کی کرامت

شبلی رح فرماتے ہیں۔ کہ میں نے عہد کر لیا۔ کہ میں صرف حلال کی چیز کھاؤں گا۔ میں جنگلوں میں گھوما کرتا۔

وہاں میں نے ایک انجیر کا درخت دیکھا۔ اور کھانے کیلئے میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ درخت سے آواز آئی۔ اپنے عہد پر کار بند رہو۔ مجھے نہ کھاؤ۔ میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔

۱۱۰۔ ابو عبداللہ بن خفیف کی کرامت

عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں۔ کہ حج کو جاتے ہوئے میں بغداد پہنچا۔ میرے سر میں صوفیاء کی نخوت تھی۔ اور چالیس دن سے میں نے روٹی نہیں کھائی تھی۔ میں جنیدؒ کی زیارت کے لئے بھی نہ گیا۔ میں بغداد سے نکل آیا۔ اور زبالہ تک میں نے پانی نہ پیا۔ اور ابھی تک میرا وضو بھی قائم تھا۔ پھر میں نے ایک کنوئیں پر ایک ہرن کو پانی پیتے دیکھا۔ میں خود بھی پیاسا تھا جب کنوئیں کے قریب پہنچا۔ تو ہرن بھاگ گیا۔ دیکھا تو پانی کنوئیں کی تہ میں تھا۔ لہٰذا میں چل پڑا اور کہا۔

"اے مالک! اس ہرن جیسا بھی میرا مقام نہیں ہے" اس پر میری پشت پر سے آواز آئی۔ ہم نے تجھے آزمایا تھا۔ مگر تو نے صبر نہیں کیا۔ جا' جاکر پانی پی لے۔ واپس آیا تو دیکھا کہ کنواں پانی سے لبریز تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا چھاگل بھر لیا۔ جس میں سے میں پیتا رہا۔ اور وضو بھی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ اور پانی ختم نہ ہوا۔ جب میں نے کنوئیں میں سے پانی باہر نکالا تھا۔ تو میں نے ایک ہاتف کو کہتے سنا۔ کہ ہرن تو بغیر چھاگل کے اور بغیر رسی کے آیا تھا۔ اور تو چھاگل اور رسی لے کر آیا ہے۔ پھر جب میں حج کر کے واپس آیا۔ تو جامع مسجد میں گیا۔ جب جنیدؒ کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ تو فرمایا۔ اگر ایک گھنٹہ اور صبر کر لیتا۔ تو تمہارے پاؤں کے نیچے سے پانی پھوٹ کر نکل آتا۔

۱۱۱۔ ایک بدوی کی کرامت

میں نے حمزۃ بن یوسف السھمی جرجانی سے سنا۔ کہ ابو احمد بن عدی الحافظ (۱۳۲۴) نے

ان سے کہا۔ کہ احمد بن حمزہ نے مصر میں مجھ سے کہا۔ کہ عبد الوہاب (۱۳۲۵) جو صالحین میں سے تھے، فرماتے تھے۔ کہ محمد بن سعید (۱۳۲۶) بصری بیان کرتے ہیں۔ کہ جب بصرہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا۔ تو میں نے ایک بدوی کو ایک اونٹ لئے جاتے دیکھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ تو اونٹ گر کر مر گیا۔ اور پالان اور پالان کی لکڑیاں بھی گر پڑیں۔ میں چل کر وہاں پہنچا۔ تو بدوی یہ الفاظ کہہ رہا تھا۔

اے خدا! جو ہر قسم کا سبب پیدا کرنے والا ہے۔ اور ہر طالب کی آرزو بر لانے والا ہے۔ میرا اونٹ مجھے واپس دے دے۔ تاکہ وہ پالان کو اٹھائے۔ یکایک اونٹ اٹھ کر کھڑا ہوا اور پالان اس کے اوپر پڑا تھا۔

۱۱۲۔ شبل مروزی کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ شبل مروزی کو ایک روز گوشت کھانے کی خواہش ہوئی۔ آپ نے آدھے درہم کا گوشت خریدا۔ راستہ میں ایک چیل آئی۔ اور جھپٹ کر لے گئی۔ شبل نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلے گئے۔ جب گھر واپس پہنچے۔ تو ان کی بیوی نے انہیں گوشت پیش کیا۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے کہا۔ کہ دو چیلیں آپس میں جھگڑ پڑی تھیں۔ اور یہ گوشت ان سے گر پڑا تھا۔ یہ قصہ سن کر شبل نے کہا۔

سب تعریف اس خدا کی ہے۔ جو شبل کو نہیں بھولتا۔ اگرچہ شبل اسے اکثر بھول جاتا ہے۔

۱۱۳۔ ابو عبید بسری کی کرامت

ہم سے محمد بن عبد اللہ الصوفی نے بیان کیا۔ کہ ان سے عبد الواحد بن بکر الورثانی نے کہا۔ کہ محمد بن داؤد (۱۳۲۷) نے ان سے بیان کیا۔ کہ ابو بکر بن معمر فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابن ابی عبید بسری کو اپنے باپ ابو عبید بصری سے روایت کرتے ہوئے سنا۔ کہ ایک سال وہ جہاد کے لئے گئے تو راستہ میں گھوڑی جس پر وہ سوار تھے، مر گئی۔ ابھی وہ فوج کے دستہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا،

خدایا! یہ گھوڑی عاریۃً دے دے۔ یہانتک کہ بُسری واپس پہنچ جائیں۔ یکایک گھوڑی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جب جنگ کرکے واپس بُسری پہنچے۔ تو بیٹے کو کہا۔ کہ گھوڑی پر سے زین اُتار دو۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اسے پسینہ آیا ہوا ہے اگر زین اتار دوں۔ تو اسے ہوا لگ جائے گی۔ ابو عبید نے کہا۔ کہ یہ تو عاریۃً لی ہوئی ہے۔ بیٹا کہتا ہے۔ کہ میرا زین کا اتارنا تھا۔ کہ گھوڑی گری اور مرگئی۔

۱۱۴۔ ایک عورت کی کرامت

کہتے ہیں۔ کہ ایک کفن چور تھا۔ کہ عورت مرگئی۔ لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور کفن چور نے بھی اس کی نماز جنازہ اس خیال سے پڑھی کہ اس کی قبر معلوم ہوجائے۔ جب رات تاریک ہوگئی۔ تو اس نے اس کی قبر کھودی۔ تو عورت بولی۔

سبحان اللہ! ایک ایسا شخص جسے اللہ نے بخش دیا ہے ایک ایسی عورت کا کفن لے رہا ہے جسے اللہ نے بخش دیا ہے کفن چور نے کہا۔ فرض کرلیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا ہے۔ لیکن میں کہاں کا بخشا ہوا ہوں

عورت نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے میری نماز جنازہ پڑھی ہے۔ بخش دیا ہے۔ اور میری نماز جنازہ پڑھنے والوں میں سے تو بھی ایک شخص ہے۔

چور کہتا ہے۔ کہ میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ اور دوبارہ اس پر مٹی ڈال دی اس کے بعد اس نے توبہ کی۔ اور توبہ پر قائم رہا۔

۱۱۵۔ ذوالنون مصری کی کرامت

میں نے حمزہ بن یوسف سے کہا۔ کہ ابوالحسن اسمٰعیل بن عمرو بن کامل نے مصر میں ان سے کہا۔ کہ ابو محمد نعمان بن موسیٰ حیری حیرہ میں فرماتے تھے۔ کہ دو شخص لڑ پڑے۔ ایک سرکاری آدمی تھا۔ اور دوسرا عام رعایا میں سے، عامی نے حملہ کرکے سرکاری آدمی کا اگلا دانت توڑ دیا۔ سپاہی اس آدمی سے چمٹ گیا۔ اور کہا

کتاب تو حاکم کے پاس ہی اس کا فیصلہ ہوگا۔ راستہ میں ذوالنون کے پاس سے ان کا گذر ہوا۔ لوگوں نے کہا۔ شیخ کے پاس سے ہو لو۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئے۔ اور قصہ سنایا۔ آپ نے وہ دانت لیا۔ اور اپنا لب لگایا۔ اور منہ میں جس جگہ کا وہ دانت تھا۔ وہاں رکھ دیا۔ اس نے اپنے ہونٹ ہلائے۔ تو دانت نے اپنی جگہ پکڑ لی۔ وہ آدمی اپنے دانتوں کو تلاش کرتا رہ گیا۔ مگر اسے سب کے سب یکساں دکھائی دیئے۔

119۔ ایک شخص کی کرامت

ہم سے ابوالحسین محمد بن قطان نے بغداد میں کہا۔ کہ ان سے ابو علی اسمٰعیل بن محمد بن اسمٰعیل صفار نے کہا۔ کہ حسن بن عرفہ[۱۳۲۸] بن یزید نے ان سے بیان کیا۔ کہ عبداللہ بن ادریس الاودی[۱۳۲۹] نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے کہا۔ کہ ابو سبیرۃ[۱۳۳۰] النخعی فرماتے تھے۔ کہ ایک شخص یمن سے چلا۔ ابھی راستہ میں ہی تھا۔ کہ اس کا گدھا مر گیا۔ پھر اس نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر کہا۔ الٰہی۔ میں تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنے آیا تھا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ تو مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور مردوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔ آج مجھ پر کسی کا احسان نہ رہنے دے۔ میں تجھ سے یہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ تو میرے گدھے کو زندہ کر دے۔ گدھا اسی وقت کان جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

۱۱۷۔ ابوبکر ہمدانی کی کرامت

میں نے حمزہ بن یوسف سے سنا۔ کہ انہوں نے ابوبکر النابلسی[۱۳۳۱] سے سنا کہ ابوبکر الہمذانی[۱۳۳۲] فرماتے تھے کہ میں کئی دن تک حجاز کے جنگل میں رہا۔ ان دنوں میں کچھ نہ کھایا۔ پھر مجھے گرم پھلیوں اور باب طاق کی روٹی کی خواہش ہوئی۔ پھر میں نے کہا۔ کہ میں تو جنگل میں ہوں۔ اور میرے اور عراق کے درمیان بڑی مسافت ہے۔

لہٰذا مجھے یہ چیزیں کیسے میسر آسکتی ہیں۔ ابھی میں خیال ہی کر رہا تھا۔ کہ دور سے

ایک بدوی پکار رہا تھا۔ گرم پھلیاں اور روٹی۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا۔ کیا تمہارے پاس گرم پھلیاں اور روٹی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں اور اس نے ایک چادر جو اس کے اوپر تھی۔ کھولی۔ اور روٹی اور پھلیاں نکالیں اور کہا۔ کھاؤ۔ میں نے کھائیں۔ اس نے پھر کہا۔ کھاؤ۔ میں نے کھائیں۔ اس نے پھر کہا کھاؤ۔ اور میں نے کھالیں۔ جب اس نے چوتھی بار کہا۔ تو میں نے کہا تمہیں اس خدا کی قسم ہے۔ جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔ یہ تو بتاؤ۔ کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا۔ خضر ہوں۔ اور وہ غائب ہو گئے۔ اور میں نے پھر ان کو نہیں دیکھا۔

۱۱۱۸۔ ابو جعفر حداد کی کرامت

میں نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے سنا۔ کہ ابو عباس بن الخشاب بغدادی نے کہا۔ کہ محمد بن عبد اللہ فرغانی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ابو جعفر حداد کو فرماتے سنا۔ کہ میں ثعلبیہ آیا۔ جب کہ ویران ہو چکا تھا۔ اور سات دنوں سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ پھر قبہ میں داخل ہوا۔ کچھ خراسانی لوگ آئے۔ اور چونکہ تھکے ہوئے تھے۔ اس لئے قبہ کے دروازہ پر ہی لیٹ گئے۔ ایک بدوی جانور پر سوار ہو کر آیا۔ اور اس نے ان کے سامنے کھجوریں ڈال دیں۔ انہوں نے کھانا شروع کیا۔ اُنہوں نے نہ مجھے کچھ کہا۔ اور نہ ہی بدوی نے مجھے دیکھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہی بدوی پھر آیا اور کہا۔ کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ قبہ کے اندر ایک شخص ہے۔ چنانچہ بدوی اندر آیا۔ اور کہا تو کیسا انسان ہے؟ تو بولا کیوں نہیں؟ میں جب یہاں سے چلا گیا۔ تو ایک شخص نے مجھے راستہ میں روکا۔ کہ تو ایک شخص کو چھوڑ آیا جسے تو نے کھانے کو کھجوریں نہیں دیں۔ اب میرے آگے جانا بھی ممکن نہ تھا۔ اور راستہ بھی لمبا تھا۔ کیونکہ میں کئی میلوں سے لوٹ کر آیا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے میرے سامنے بہت سی کھجوریں ڈال دیں۔ اور چلا گیا۔ میں نے ان لوگوں کو بلایا اور ہم سب نے کھجوریں کھائیں۔

۱۱۹۔ احمد بن عطاء کی کرامت

میں نے حمزہ بن یوسف سے سنا۔ کہ ابو طاہر رقی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے احمد بن عطا کو فرماتے سنا کہ مکہ کے راستہ میں ایک اونٹ نے مجھ سے کلام کیا۔ میں نے کچھ اونٹ دیکھے۔ جن کے اوپر محمل پڑے تھے۔ اور انہوں نے اپنی گردنیں رات میں لمبی کر رکھی تھیں۔ اس پر میں نے کہا۔ پاک ہے وہ خدا، جو ان سے اس بوجھ کو اتارتا ہے۔ جو ان پر ہے۔ اس پر ایک اونٹ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور کہا۔ کہو۔ جل اللہ۔ (اللہ بہت بزرگ ہے) میں نے کہا۔ جل اللہ۔

۱۲۰۔ ابو زرعہ جلبی کی کرامت

میں نے محمد بن عبد اللہ صوفی سے سنا۔ کہ حسن بن[۱۳۴۵] احمد الفارسی نے ان سے کہا۔ رقی نے ان سے کہا۔ کہ ابو بکر بن[۱۳۴۶] معمر فرماتے تھے۔ کہ میں نے ابو[۱۳۴۷] زرعہ جلبی کو فرماتے سنا۔ کہ ایک عورت نے مجھ سے فریب کیا۔ اور کہا۔ کہ گھر میں آکر ذرا مریض کی خبر لے لیں۔ اندر آکر اس نے دروازے بند کر دیئے۔ مگر میں نے گھر میں کسی کو نہ دیکھا۔ میں بات کو بھانپ گیا۔ اور کہا۔ خدایا! اس عورت کو کالا کر دو۔ وہ کالی ہو گئی۔ اور حیران رہ گئی۔ لہذا اس نے دروازہ کھول دیا اور میں نکل آیا۔ میں نے پھر کہا۔ خدایا۔ اس کی پہلی حالت کر دو۔ چنانچہ وہ ویسی ہو گئی۔

۱۲۱۔ معروف کرخی کی کرامت

میں نے حمزہ بن یوسف سے سنا۔ کہ ابو محمد[۱۳۴۸] الغطریفی نے ان سے کہا۔ کہ السراج نے کہا کہ ابو سلیمان رومی فرماتے تھے۔ کہ میں نے خلیل صیاد کو فرماتے سنا۔ کہ میرا بیٹا محمد گم ہو گیا۔ اور مجھے اس کا بہت سخت غم ہوا۔ چنانچہ میں معروف کرخی کے پاس گیا۔ اور عرض کیا۔ اے ابو محفوظ! میرا بیٹا گم ہو گیا ہے۔ اور اس کی ماں کو اس کا بہت غم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی۔ دعا کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے واپس لے آئے۔ انہوں نے دعا کی۔ اللھم ان

السَّمٰوٰتِ سماءک وَالاَرضُ اَرْضُکَ وَمَابَینَھُمَا لَکَ اٰیتٍ بِمُحَمَّدٍ (خدایا! آسمان اور زمین دونوں تمہارے ہیں۔ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ بھی تیرا ہے۔ محمد کو لے آ۔)

خلیل کہتا ہے۔ کہ میں باب الشام پہنچا۔ تو بیٹا وہاں کھڑا تھا۔ میں نے اس کا نام لے کر پکارا۔ تو اس نے کہا، ہاں ابا جی۔ میں ابھی انبار میں تھا۔

استاد فرماتے ہیں۔ کہ کرامات کے متعلق حکایات بیشمار ہیں۔ اگر ہم اور حکایات بیان کریں۔ تو ہم اپنے مقصود سے باہر نکل جائیں گے۔ جتنی حکایات ذکر کر دیں۔ کافی ہیں۔

باب (٦)

اولیاء اللہ کے خواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی ان لوگوں کے لئے بشارت ہے۔)

کہتے ہیں۔ کہ اس آیت میں بشریٰ سے مراد اچھی خواب ہے۔ جسے آدمی دیکھتا ہے۔ یا اسے دکھائی جاتی ہے۔

ہم سے ابوالحسن الاہوازی نے کہا۔ کہ ان سے احمد بن عبید بصری نے کہا۔ کہ اسحٰق بن ابراہیم (ت۲۴۴ھ) منقری نے کہا۔ کہ منصور بن ابی مزاحم (ت۲۳۵ھ) نے ان سے کہا۔ کہ ابوبکر

بن عیاش نے عاصم اور انہوں نے ابو صالح سے روایت کی[1342]۔ کہ ابوالدرداء فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیتہ کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تم سے پہلے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں' اور پھر فرمایا۔ کہ بشریٰ سے مراد نیک خواب ہے۔ جسے آدمی دیکھے۔ یا اسے دکھائی جائے۔

ہم سے سید ابوالحسن محمد بن الحسین علوی نے بتایا۔ کہ ابو علی الحسن بن محمد بن زید نے کہا۔ کہ علی بن الحسین[1343] نے ان سے کہا۔ کہ عبداللہ بن الولید[1344] نے سفیان سے اور انہوں نے یحییٰ بن سعید سے اور انہوں نے ابوسلمہ سے روایت کی[1345]۔ کہ ابو قتادہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے" اور بری خواب شیطان کی طرف سے۔ جب تم میں سے کوئی شخص بری خواب دیکھے۔ تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی بائیں جانب تھتکارے اور اعوذ باللہ پڑھے۔ اس طرح یہ خواب اسے ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔

ہم سے ابوبکر محمد بن احمد بن عبدوس مزکی نے کہا۔ کہ ابواحمد حمزہ بن العباس[1346] بزاز نے ان سے کہا۔ کہ عیاش بن محمد بن حاتم نے ان سے کہا۔ کہ عبداللہ بن موسیٰ[1347] نے کہا۔ کہ اسرائیل[1348] نے ابواسحٰق[1349] سے روایت کی۔ کہ ابوالاحوص[1350] اور ابوعبیدہ[1351] نے کہا۔ کہ ابوعبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھے ہی دیکھا ہے۔ کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

حدیث کے معنی یہ ہیں۔ کہ یہ ایک سچی خواب ہے۔ اور اس کی تاویل بھی برحق ہے۔ اور یہ کہ خواب بھی ایک قسم کی کرامت ہوتی ہے۔

خواب کی حقیقت

خواب کی حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ وہ خیالات ہوتے ہیں۔ جو دل پر وارد ہوتے ہیں۔ اور حالات

ہوتے ہیں۔ جن کا تصور وہم میں اس وقت آتا ہے۔ جب نیند تمام شعور پر غالب نہ آچکی ہو۔ چنانچہ بیدار ہونے پر انسان یہ خیال کرتا ہے۔ کہ یہ ایک حقیقی خواب تھا۔ حالانکہ یہ صرف تصور اور خیالات ہوتے ہیں۔ جو دل میں قرار پا جاتے ہیں۔ اور جب ظاہری احساس زائل ہو جاتا ہے۔ تو یہ اوہام ان امور سے جو حواس خمسہ کے ذریعہ سے یا بدیہی طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ جدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ حالت خواب دیکھنے والے کے لئے قوی ہو جاتی ہے۔ اور بیدار ہونے پر یہ حالات جن کا تصور وہ ان حالات کے مقابلہ میں کرتا ہے۔ جن کا مشاہدہ کے ذریعے سے اسے احساس ہوتا ہے۔ یا وہ امور جو اسے بدیہی طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی سخت تاریکی کے وقت چراغ کی روشنی حاصل کر رہا ہو۔ مگر جب سورج نکل آئے۔ تو وہ چراغ کی روشنی پر غالب آجاتا ہے تو چراغ کی روشنی سورج کی روشنی کے مقابلہ میں مدھم پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا نیند کی حالت کی مثال اس شخص کی ہے۔ جس کے لئے دن کافی چڑھ چکا ہو۔ اس لئے کہ بیدار انسان ان امور کو یاد کر لیتا ہے۔ جو اُسے نیند کی حالت میں دکھائی دیئے ہوتے ہیں

خواب کی قسمیں

مزید برآں یہ باتیں اور یہ خیالات جو نیند کی حالت میں انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں۔ کبھی تو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور کبھی انسان کے اپنے ہی دل کی باتیں ہوتی ہیں۔ کبھی فرشتہ کی طرف سے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان حالات کو اس کے دل میں پیدا کر کے کچھ امور کی معرفت عطا کر دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

وَاَصْدَقُكُمْ رُؤْيَا اَصْدَقُكُمْ حَدِيْثًا۔

تم میں سے سب سے سچا خواب اس شخص کی ہوگی، جو تم میں سے

زیادہ سچ بولنے والا ہوگا۔

نیند کی قسمیں

یاد رکھیں۔ کہ نیند کی کئی قسمیں ہیں۔ (۱) غفلت کی نیند۔ (۲) عادت کی نیند۔ اور یہ عادت کی نیند ناپسند کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ مذموم سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ موت کی بہن ہے۔

ایک حدیث میں مروی ہے۔ اَلنَّوْمُ اخوالموت ۔" نیند موت کی بہن ہے"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَهُوَالَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (خدا) وہ ہے۔ جو رات کے وقت تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے۔ اور جو کچھ تم دن کو کرتے ہو۔ اسے جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نیز فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا (اللہ) نفسوں کو قبض کر لیتا ہے۔ موت کے وقت نیز ان نفسوں کو، جو مری نہیں ہوتیں۔ بلکہ نیند میں ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر نیند میں بھلائی ہوتی۔ تو جنت میں بھی ہوتی۔

کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضرت آدم پر نیند ڈال دی تو ان میں سے حوا کو نکالا۔ اور ہر قسم کی مصیبت جو ان پر آئی۔ حوا کے آنے سے آئی۔

میں نے استاد ابو علی دقاق رحؒ کو فرماتے سنا۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل سے کہا۔ یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے۔ کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ تو انہوں نے فرمایا، ابا جان! یہ اس شخص کی سزا ہے۔ جو اپنے محبوب سے غافل ہو کر، سو جائے۔ اگر آپ نہ سوتے۔ تو آپ کو ذبح کرنے کا حکم بھی نہ دیا جاتا۔

کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جھوٹا ہے۔ کیونکہ جب رات آتی ہے تو وہ مجھ سے (غافل ہوکر) سو جاتا ہے۔

اور نیند علم کی ضد ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شبلیؒ فرماتے ہیں۔ ایک ہزار سال کے اندر ایک بار بھی اونگھنا رسوائی کا سبب ہے۔ شبلیؒ نیز فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جھانک کر دیکھا۔ تو فرمایا۔ جو سو گیا وہ غافل ہوگیا۔ اور جو غافل ہوگیا وہ پردے میں آگیا۔

اس واقعہ کے بعد شبلیؒ آنکھوں میں نمک کا سرمہ لگاتے تھے۔ تاکہ انہیں نیند نہ آئے۔ اسی سلسلہ میں یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

عَجَبًا لِلْمُحِبِّ کَیْفَ یَنَامُ　　کُلُّ نَوْمٍ عَلَی الْمُحِبِّ حَرَامٌ

تعجب ہے کہ عاشق کیسے سو جاتا ہے! عاشق پر ہر قسم کی نیند حرام ہے۔

کہتے کہ مرید کا کھانا فاقہ کے وقت ہوتا ہے۔ نیند غلبہ کے وقت اور کلام ضرورت کے وقت؛

کہتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام بارگاہِ ربُّ العزۃ میں سو گئے۔ تو انہیں کہا گیا۔ کہ یہ حوا ہیں۔ تاکہ تمہیں اس کے پاس جاکر سکون حاصل ہو۔ یہ اس شخص کی سزا ہے۔ جو ہماری بارگاہ میں آکر سو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر تو بارگاہ رب العزۃ میں حاضر ہے تو تُو سو نہیں اس لئے کہ یہاں سونا بے ادبی ہے۔ اور اگر تو اس بارگاہ سے غائب ہے۔ تو تو اہلِ حسرت ہے۔ اور مصیبت والوں میں سے ہے۔ اور جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو۔ اُسے نیند نہیں آتی۔

اہلِ مجاہدہ کی نیند۔ اب رہے اہلِ مجاہدہ تو ان کے لئے نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ کے طور پر ہوتی ہے۔ اور جب کوئی بندہ سو جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر فخر کرتے ہیں۔ اور فرماتے

ہیں۔ میرے بندے کی طرف دیکھو۔ اس کی روح تو میرے پاس ہے۔ اور اس کا جسم بھی میرے سامنے ہے۔

استاد فرماتے ہیں۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ اس کی روح مقام مناجات میں ہے۔ اور اس کا جسم عبادت کی بساط پر۔

کہتے ہیں۔ کہ جو شخص باوضو سوتا ہے۔ اس کی روح کو عرش کا طواف کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ نیز اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا۔ ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے آرام کا سبب بنایا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سُنا۔ کہ ایک شخص نے ایک شیخ کے پاس آکر عرض کی۔ کہ مجھے بہت نیند آتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ جا، جاکر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر، کہ اس نے تمہیں صحت دی ہے۔ کیونکہ کئی ایک مریض اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ ان کی ایک بار آنکھ لگ جائے۔

کہتے ہیں کہ ابلیس کو معصیت کار آدمی کی نیند سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ سخت نظر نہیں آتی۔ وہ یہی کہتا رہتا ہے۔ کہ کب بیدار ہوگا۔ اور اٹھ کر خدا کی کب نافرمانی کرے گا۔

کہتے ہیں۔ کہ معصیت کار کی بہترین حالت یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ سو جائے۔ کیونکہ اگر وہ وقت اس کے حق میں نہیں ہوگا۔ تو اس کے خلاف بھی تو نہیں ہوگا۔

میں نے استاد ابو علی دقاق رح کو فرماتے سنا۔ کہ شاہ کرمانی نے بیداری کی عادت ڈالی۔ ایک بار ان پر نیند غالب آگئی۔ تو خواب میں انہوں نے حق سبحانہٗ کو دیکھا۔ اس کے بعد وہ سونے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ کسی نے ان سے اس کے متعلق کہا۔ تو فرمایا۔

رَاَیْتُ سُرُوْرَ قَلْبِیْ فِیْ مَنَامِیْ فَاَحْبَبْتُ التَّنَعُّسَ وَالْمَنَامَا۔

(میں نے خواب میں اپنے دل کا سرور دیکھا۔ تو مجھے نیند اور اونگھ پسند آگئی۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص کے دو شاگرد تھے۔ ان دونوں کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ ایک نے کہا۔ نیند بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس حالت میں انسان اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اور دوسرے نے کہا۔ کہ بیداری بہتر ہے کیونکہ اس حالت میں وہ اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ وہ دونوں فیصلہ کے لئے اس شیخ کے پاس آئے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ جس نے نیند کو فضیلت دی ہے۔ اس کے لئے موت زندگی سے بہتر ہے۔ اور جس نے بیداری کو نیند پر فضیلت دی ہے۔ اس کے لئے زندگی موت سے بہتر ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی۔ تو اس نے اس سے کہا۔ کہ بستر بچھا دو۔ لونڈی نے کہا۔ آقا! کیا آپ کا کوئی آقا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ اس نے پھر کہا۔ کیا وہ سوتا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ لونڈی نے کہا۔ کیا تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ تو تو سو جائے اور تمہارا آقا نہ سویا ہو۔

کہتے ہیں۔ کہ سعید بن جبیر کی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ اس نے باپ سے کہا۔ کہ آپ کیوں نہیں سوتے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ جہنم مجھے سونے نہیں دیتا۔
کہتے ہیں کہ مالک بن دینار کی بیٹی نے ان سے کہا۔ آپ کیوں نہیں سوتے تو فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی چھاپہ نہ مار دے۔

کہتے ہیں۔ کہ جب ربیع بن خیثم فوت ہوئے۔ تو ان کے پڑوسی کی لڑکی نے اپنے باپ سے کہا۔ کہ ابا جان! جو ستون ہمارے پڑوسی کے گھر میں تھا۔ وہ کہاں چلا گیا۔ تو اس نے کہا۔ وہ تو ہمارا ایک نیک ہمسایہ تھا۔ جو رات بھر عبادت میں کھڑا رہتا۔ بچی کو یہی خیال ہوا۔ کہ وہ ستون ہے کیونکہ وہ تو رات کے وقت ہی چھت پر چڑھا کرتی تھی۔ اور اسے کھڑا دیکھتی تھی۔

نیند کے فضائل

بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ نیند میں چند خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ جو بیداری میں نہیں پائی جاتیں۔ ان میں

سے ایک یہ ہے۔ کہ نیند میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور سلف صالحین کا دیدار ہوتا ہے۔ اور بیداری میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا دیدار بھی خواب میں ہو سکتا ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے

ابوبکر آجری کا خواب کہتے ہیں۔ کہ ابوبکر آجری نے حق سبحانہٗ کو خواب میں دیکھا۔ تو حق سبحانہٗ نے فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی۔ کہ الٰہی! امت محمدیہ کے تمام عاصیوں کو معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ یہ تو تمہاری درخواست کے بغیر میں کرنے والا ہوں۔ کوئی اپنی حاجت مانگ۔

کتانی کا خواب کتانیؒ کہتے ہیں۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو اندرونی اور حقیقی حالات کے خلاف ظاہر کرے۔ خدا اسے رسوا کر دیتا ہے،

کتانی کا ایک اور خواب نیز کتانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ تو میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! دعا کیجیے۔ کہ اللہ تعالیٰ میرا دل مردہ نہ کرے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر روز یہ دعا چالیس بار پڑھا کرو۔ (یاحیُّ یا قیوم لا الٰہ الا انت) اللہ تعالیٰ تمہارا دل زندہ کر دیں گے۔

امام حسن بن علیؓ کا خواب امام حسن بن علیؓ نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو خواب میں دیکھا۔ اور عرض کی۔ کہ میں انگوٹھی بنوانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا میں اس پر کیا نقش کندہ کراؤں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ انگوٹھی پر یہ حروف کندہ کراؤ (لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین)، اس لیے کہ انجیل کے خاتمہ کے یہی الفاظ ہیں۔

امام حسن اور عیسیٰ علیہ السلام ... انجیل کے آخری کلمات

ابویزید کا خواب روایت ہے۔ کہ ابویزیدؒ نے اللہ تعالیٰ کو خواب

میں دیکھا۔ تو عرض کی۔ خدایا! تمہاری طرف آنے کا کون سا راستہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نفس کو ترک کر دو۔ اور چلے آؤ۔

احمد بن خضرویہ کا خواب کہتے ہیں۔ کہ احمد بن خضرویہ نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اے احمد! ہر شخص مجھ سے کوئی چیز طلب کرتا ہے۔ مگر ابو یزید مجھ سے مجھ ہی کو طلب کرتا ہے۔

یحییٰ بن سعید قطان کا خواب یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا۔

تو میں نے عرض کی۔ الٰہی! میں کب تک تمہیں پکارتا رہوں گا۔ اور تو میری دعا قبول نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں۔

بشر بن حارث کا خواب بشر بن حارث فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کی۔ یا امیر المومنین، مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا۔

مالداروں کا ثواب کی خاطر فقیروں کی طرف جھکنا کیا ہی عمدہ ہے۔ مگر اس سے اچھی بات یہ ہے۔ کہ فقیر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے مالداروں پر اکڑے۔ میں نے عرض کی یا امیر المومنین! اور فرمائیے۔ تو فرمایا۔ تو مردہ تھا، پھر زندہ ہوگیا۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد مردہ ہو جائے گا۔ دنیائے فانی میں گھر کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ لہٰذا دار بقا میں اپنا گھر بنا۔

سفیان ثوری کا خواب کہتے ہیں کہ کسی نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا۔ پھر سوال کیا۔ کہ عبداللہ بن

مبارک کا کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جو بارگاہ رب العزۃ میں روزانہ دو بار جاتے ہیں۔

ابو سہل صعلوکی کی خواب میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا۔ کہ استاد ابو سہل صعلوکی نے ابو سہل زجاجی کو خواب میں دیکھا۔ ابو سہل زجاجی وعید ابدی کے قائل تھے۔ صعلوکی نے زجاجی سے پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا کیا۔ تو زجاجی نے کہا کہ یہاں تو معاملہ ہمارے گمان کے مقابلہ میں بہت آسان نکلا۔

حسن بن عاصم شیبانی کی خواب کسی نے حسن بن عاصم شیبانی (۱۳۵۴) کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا کیا۔ فرمایا۔ "از کریماں ہیچ ناید جز کرم" کریم سے سوائے کرم کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

کسی صوفی کی خواب کسی صوفی نے کسی صوفی کو خواب میں دیکھا۔ (اور اس کا حال پوچھا۔ تو کہا۔ انہوں نے ہم سے محاسبہ کرنے میں خوب چھان بین کی۔ مگر پھر احسان کر کے آزاد کر دیا۔

حبیب عجمی خواب میں کسی نے حبیب عجمی (۳۵۵) کو خواب میں دیکھا اور انہیں کہا۔ کیا تو حبیب عجمی ہے؟ حبیب نے جواب دیا۔ اب یہ بات نہیں رہی۔ میری عجمیت جاتی رہی۔ اور اللہ کی نعمت باقی رہ گئی۔

حسن بصری کا خواب کہتے ہیں۔ کہ حسن بصری ایک مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گئے۔ وہاں دیکھا۔ کہ حبیب عجمی امامت کر رہے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان کے پیچھے اس لئے نماز ادا نہ کی۔ کہ وہ عجمی ہونے کی وجہ سے کہیں اعراب غلط نہ پڑھ دیں۔ اسی رات انہوں نے خواب میں کسی کو سنا۔ کہ انہیں کہہ رہا ہے۔ تو نے اس کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھی۔

اگر اس کے پیچھے نماز پڑھ لیتا تو اللہ تعالیٰ تمہارے گذشتہ گناہ معاف کر دیتا۔

مالک بن انس خواب میں

کہتے ہیں۔ کہ کسی نے مالک بن انس کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے اس ایک کلمہ کی بدولت بخش دیا۔ جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ جنازہ دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ "سبحان الحی الذی لا یموت"

حسن بصری کے متعلق کسی کی خواب

جس رات حسن بصری کی وفات وفات ہوئی تو کسی شخص نے خواب میں دیکھا۔ کہ جیسے آسمان کے دروازے کھول دئے گئے ہیں۔ اور کوئی شخص پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے۔ کہ

حسن بصری بارگاہِ ربّ العزۃ میں پہنچا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہے

ابوبکر بن اشکیب کی خواب

میں نے ابوبکر بن اشکیب کو فرماتے سنا۔ کہ میں نے استاد سہل صعلوکی کو خواب میں اچھی حالت میں دیکھا۔ تو پوچھا۔ استاد! یہ حالت کیسے حاصل کی؟

اُنہوں نے جواب دیا۔ اپنے رب پر حُسنِ ظن رکھنے کی وجہ سے۔

جاحظ خواب میں۔

کہتے ہیں کہ کسی نے جاحظ (۲۵۶ھ) کو خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا۔ تو اُنہوں نے جواب دیا۔

اپنے ہاتھ سے صرف وہی باتیں لکھو۔ جن کو لکھ کر قیامت کے دن تمہیں خوشی ہو۔

جنیدؒ کی خواب

کہتے ہیں۔ کہ جنیدؒ نے ابلیس کو خواب میں ننگا دیکھا۔ تو پوچھا۔ کیا تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی؟

ابلیس نے جواب دیا۔ یہ لوگ، لوگ نہیں ہیں۔ لوگ درحقیقت تو وہ ہیں جو مسجد شونیزیہ میں ہیں۔ اُنہوں نے میرا جسم لاغر کر دیا ہے۔ اور جگر جلا دیا ہے جنیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں بیدار ہُوا تو مسجد شونیزیہ میں گیا۔ اور وہاں کچھ لوگوں کو دیکھا۔ کہ فکر و غور میں اپنے سروں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہیں انہوں نے مجھے دیکھ کر فوراً کہا۔

شیطان خبیث کی باتوں سے دھوکہ نہ کھانا۔

نصر آبادیؒ خواب میں نصر آبادی کی وفات کے بعد کسی نے انہیں مکہ میں خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا۔ مجھے شریفوں کی طرح عتاب کیا گیا۔ اس کے بعد مجھے پکار کر کہا گیا۔ اے ابو القاسم، کیا اتصال کے بعد جدائی چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ اے ذو الجلال! نہیں۔ چنانچہ ابھی مجھے لحد میں نہیں رکھا گیا تھا۔ کہ میں خدائے واحد سے جا ملا۔

ذو النون مصریؒ خواب میں کسی نے ذو النون مصریؒ کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے دنیا میں تین حاجتیں مانگا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ تو مجھے عطا کر دیں۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ باقی عطا کر دے گا۔ میں اس سے درخواست کیا کرتا تھا۔ مجھے ان دس اشیاء میں سے جو رضوان کے ہاتھ پر ہیں ایک عطا کرے۔ نیز یہ کہ بذاتِ خود دے۔ اور یہ کہ وہ مجھے اس عذاب کے مقابلہ میں جو مالک (داروغہ جہنم) کے ہاتھ میں ہے۔ دس گنا عذاب دے۔ نیز یہ کہ عذاب بھی بذاتِ خود دے (تیسرے یہ کہ وہ مجھے یہ خصوصیت عطا کرے کہ میں اس کا ذکر ابدی زبان سے کروں۔

شبلیؒ خواب میں کہتے ہیں۔ کہ شبلیؒ کے مرنے کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے

کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری دعا پر کسی دلیل کا مطالبہ نہیں کیا۔ ہاں البتہ ایک دن میں نے کہا تھا۔

جنت کے نقصان اور دوزخ میں داخل ہونے سے بڑا کوئی اور خسارہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا۔

میری ملاقات کے خسارہ سے بڑھ کر کون سا خسارہ ہو سکتا ہے۔

جنیدؒ خواب میں

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا۔ کہ جریری نے جنیدؒ کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا۔ اے ابو القاسم! کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ وہ ہمارے اشارات اور عبادات سب نیا میں ہو گئیں۔ ہمیں تو صرف تسبیحات نے فائدہ پہنچایا۔ جو ہم صبح کے وقت کہا کرتے تھے۔

نباجی کی خواب

نباجی کہتے ہیں۔ کہ ایک دن مجھے ایک چیز کی خواہش ہوئی۔ اس کے بعد رات کو خواب میں دیکھا۔ کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ کیا آزاد مرید کے لئے یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ غلاموں کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ جب کہ اپنے مولا سے جو وہ چاہتا ہے۔ لے لیتا ہے۔

(۳۵۵)

ابن جلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تحفیافت

ابن جلا کہتے ہیں۔ کہ جب میں مدینہ پہنچا۔ تو مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ چنانچہ میں قبر شریف کی طرف بڑھا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو آپ کا مہمان ہوں۔ یہ کہنے کے بعد مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک روٹی عطا کر رہے ہیں۔ چنانچہ ابھی آدھی روٹی کھائی تھی۔ کہ میں بیدار ہو گیا۔ اور آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

ایک صوفی کہتے ہیں۔ کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپ فرما

رہے ہیں۔ ابن عون کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ اُسے اللہؐ اور اس رسول سے محبت ہے

عتبۃ الغلام کا خواب

کہتے ہیں کہ عتبہ الغلام نے خواب میں ایک حور کو اچھی صورت میں دیکھا۔ تو اس نے عتبہ کو کہا۔ کہ میں تم پر عاشق ہوں۔ دیکھنا کوئی ایسا عمل نہ کر بیٹھنا۔ جو تمہارے اور میرے درمیان حائل ہو جائے یہ سُن کر عتبہ نے کہا۔ کہ میں نے دنیا کو ایسی تین طلاقیں دے دیں جن میں رجوع نہ ہو سکے۔ تا آنکہ میں تمہیں ملوں۔

ایک شیخ کا لطیفہ

میں نے منصور مغربی کو فرماتے سُنا۔ کہ انہوں نے شام کے علاقہ میں ایک بہت بڑے شیخ کو دیکھا۔ جن پر اکثر انقباض طاری رہتا۔ مجھے لوگوں نے بتایا۔ کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں۔ کہ وہ آپ سے کھل کر باتیں کریں۔ تو آپ پہلے سلام کریں۔ پھر کہیں کہ خدا آپ کو حور عین عطا کرے۔ وہ اس دعا سے آپ سے بہت خوش ہو جائیں گے۔ میں نے جو اس کا سبب پوچھا۔ تو لوگوں نے بتایا۔ کہ انہوں نے خواب میں کسی حور کو دیکھا ہے۔ جس کا اثر ان کے دل پر باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ میں گیا۔ اور حاضر ہو کر پہلے سلام کیا۔ اور پھر کہا۔ کہ خدا آپ کو حور عین عطا کرے۔ یہ سُن کر شیخ مجھ سے کھل گئے۔

ایوب سختیانی اور ایک جنازہ

کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی نے ایک معصیت کار کا جنازہ جاتے دیکھا۔ تو وہ ڈیوڑھی میں گھس گئے تاکہ انہیں اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھنی پڑ جائے۔ اس کے بعد کسی نے اس میت کو خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ کہ اللہؐ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ میت نے جواب دیا۔ کہ مجھے اللہؐ نے معاف کر دیا ہے۔ اور مجھے کہا۔ کہ ایوب سختیانی سے کہنا۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ۔ آپ فرما دیجئے۔ کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے۔ تو انہیں اس ڈر سے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائیں۔ اپنے پاس بند رکھتے۔

کسی شخص کا خواب

کہتے ہیں۔ کہ جس رات مالک بن دینار فوت ہوئے اسی رات کسی نے خواب میں دیکھا۔ کہ جیسے آسمانوں کے دروازے کھول دئے گئے ہیں ۔ اور کوئی کہہ رہا ہے ۔ کہ مالک بن دینار نے جنت میں سکونت اختیار کرلی۔

داؤد طائی کی وفات پر کسی کا خواب

ایک صوفی کہتے ہیں۔ کہ جس رات داؤد طائیؒ کی وفات ہوئی ہے۔ اس رات میں نے نور دیکھا۔ اور دیکھا۔ کہ کچھ فرشتے اوپر کو جا رہے ہیں اور کچھ نیچے کو آرہے ہیں۔ میں نے کہا یہ کونسی رات ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا۔ کہ یہ وہ رات ہے جس میں داؤد طائی کی وفات ہوئی ۔ اور ان کی آمد پر جنت کو آراستہ کیا جا رہا ہے

استاد ابوالقاسمؒ (قشیری) فرماتے ہیں۔ کہ میں نے استاد ابوعلی دقاقؒ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا۔ کہ اللہ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ کہ یہاں مغفرت کوئی بڑی بات نہیں ۔ جو لوگ یہاں پر ہیں۔ ان میں سب سے کم مرتبہ کا انسان فلاں شخص ہے ۔ جسے ایسے ایسے انعامات دے گئے ہیں۔ خواب میں ہی مجھے خیال آیا۔ کہ جس شخص کا انہوں نے ذکر کیا ہے ۔ اس نے تو ایک شخص کو ناحق قتل کیا تھا۔

کرز بن وبرہ کی وفات پر کسی کا خواب

کہتے ہیں۔ کہ جب کرز بن وبرہ کی وفات ہوئی۔ تو کسی نے خواب میں دیکھا۔ جیسے کہ لوگ قبروں سے نکل آئے ہیں۔ اور انہوں نے نئے اور سفید کپڑے پہن رکھے ہیں۔ کسی نے پوچھا۔ کہ کیا بات ہے؟ جواب ملا۔ کرز کی آمد کی وجہ سے اہل قبور کو نئے کپڑے پہنائے گئے ہیں۔

یوسف بن حسین خواب میں

کسی نے یوسف بن حسین کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا۔ مجھے معاف کر دیا۔ پھر پوچھا۔ کس وجہ سے معاف کر دیا؟ جواب دیا۔ اس لئے کہ میں نے کبھی جد و ہزل میں آمیزش نہیں کی تھی۔

عبداللہ زرّاد کا خواب

عبداللہ زرا کو خواب میں دیکھا گیا۔ اور پوچھا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا۔ پہلے تو مجھے ٹھہرا لیا۔ پھر میرا ہر وہ گناہ بخش دیا۔ جس کا میں نے دنیا میں اقرار کر لیا تھا۔ سوائے ایک کے جس کے اقرار سے میں شرما گیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پسینے میں ٹھہرائے رکھا۔ یہاں تک کہ میرے چہرے کا گوشت گر گیا۔ کسی نے سوال کیا۔ کہ یہ گناہ کونسا تھا؟ جواب دیا۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت انسان کی طرف نگاہ کی تھی۔ جس کے ذکر کرنے سے مجھے شرم آئی۔

ابو سعید شحّام کا خواب

میں نے ابو سعید شحّام کو فرماتے سنا کہ انہوں نے شیخ امام ابو الطیب سہل صعلوکی کو خواب میں دیکھا۔ اور کہا۔ اے شیخ! فرمایا شیخ کو چھوڑو۔ میں نے پھر کہا۔ وہ احوال جن کا میں مشاہدہ کیا ہے ان کا کیا ہوا۔ جواب دیا انہوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا۔ میں نے پھر پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان مسائل کی وجہ سے معاف کر دیا۔ جو بڑھیا عورتیں آ کر مجھ سے پوچھا کرتی تھیں۔

ابو بکر رشیدی کا خواب

میں نے ابو بکر رشیدی فقیہ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے محمد طوسی معلّم کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے مجھے فرمایا۔ کہ ابو سعید صفار مؤدب کو کہہ دو۔ (شعر)

وَكُنَّا عَلٰى اَنْ لَا نَحُوْلَ عَنِ الْهَوٰى ۔ فَقَدْ وَحَيَاةِ الْحُبِّ حُلْتُمْ وَمَا حُلْنَا

تَشَاغَلْتُمْ عَنَّا بِصُحْبَةِ غَيْرِنَا ۔ وَاَظْهَرْتُمُ الْهِجْرَانَ مَا هٰكَذَا كُنَّا

لَعَلَّ الَّذِيْ يَقْضِي الْاُمُوْرَ بِعِلْمِهٖ ۔ سَيَجْمَعُنَا بَعْدَ الْمَمَاتِ كَمَا كُنَّا

ہمارا معاہدہ تو یہ تھا۔ کہ ہم عشق سے نہ پھر جائیں گے۔ محبت کی زندگی کی قسم، آپ تو اس سے پھر گئے۔ مگر ہم نہیں پھرے۔

شاید کہ اللہ تعالیٰ جس کے علم سے تمام امور کا فیصلہ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد ہمیں پہلے کی طرح پھر اکٹھا کر دے گا۔

رشیدی فرماتے ہیں۔ کہ میں بیدار ہوا۔ اور ابو سعید صفار کو یہ پیغام پہنچا دیا
انہوں نے فرمایا۔ کہ ہر جمعہ کو ان کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتا تھا۔ اگر اس جمعہ کو نہیں گیا۔

کسی صوفی کا خواب

کسی صوفی سے حکایت ہے۔ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ ان کے گرد فقراء کی ایک جماعت ہے۔ وہ اس طرح تھے۔ کہ آسمان سے دو فرشتے اترے ایک کے ہاتھ میں طشت تھی۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا۔ اس نے طشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھدی۔ اور آپ نے ہاتھ دھوئے پھر آپ نے حکم دیا۔ تو فقراء نے بھی ہاتھ دھوئے اس کے بعد طشت میرے سامنے رکھی گئی۔ تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا۔ کہ اس کے ہاتھوں پر پانی نہ ڈالو۔ کیونکہ یہ ان میں سے نہیں ہے۔ اس پر میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ کیا آپ سے مروی نہیں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔

اَلْمَرْءُ مع من احب (انسان ان لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ جن سے اسے محبت ہوگی۔)۔ آپ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ میں بھی آپ سے اور ان فقراء سے محبت رکھتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اس کے ہاتھ پر بھی پانی ڈالو۔ کیونکہ یہ انہی میں سے ہے۔

کسی ایک صوفی کے متعلق ہدایت کی گئی ہے۔ کہ وہ ہر وقت "عافیت"۔ "عافیت" کہا کرتا تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا۔ اس دعا کا کیا مطلب ہے؟ تو اس نے بتایا۔ کہ میں ابتداء میں بوجھ اٹھانے (حمال) کا کام کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے کچھ آٹا اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے اسے آرام لینے کی خاطر رکھ دیا۔ اور میں کہا کرتا تھا۔ کہ اے خدا! اگر تو ہر روز بغیر تھکان کے دو روٹیاں دے دیا کرے۔ تو میرے لئے کافی ہیں۔ اچانک دیکھا تو دو شخص آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے بڑھا۔ کہ ان میں سے ایک نے میرے سر پر کوئی چیز ماری۔ جو وہ دوسرے کو مارنا چاہتا تھا۔

اس سے میرا چہرہ خون آلودہ ہو گیا۔ علاقہ کے تھانیدار نے آکر دونوں کو گرفتار کر لیا۔ جب اس نے مجھے بھی خون میں لتھڑا ہُوا دیکھا۔ تو مجھے بھی اس خیال سے گرفتار کر لیا۔ کہ لڑنے والوں میں شامل ہوں۔ اور مجھے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اور ایک مدت تک وہیں رہا۔ ہر روز مجھے دو روٹیاں مل جاتی تھیں۔ ایک رات میں نے خواب میں کسی کہنے والے کو سنا۔ تو نے بغیر تھکان کے ہر روز دو روٹیاں مانگی تھیں۔ اور تو نے عافیت نہیں مانگی تھی۔ میں نے بیدار ہونے پر عافیت۔ عافیت کہنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد کسی نے قیدخانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور کہا عمر حمال کہاں ہے؟ اور انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

کتانی حکایت کرتے ہیں۔ کہ ان کے پاس ایک آدمی تھا۔ جسے آنکھ میں سخت درد تھا۔ ہم نے اُسے کہا۔ کہ تو اس کا علاج کیوں نہیں کرتا؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں پختہ ارادہ کر چکا ہوں۔ کہ اس کا علاج نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ یہ (خود بخود) ٹھیک ہو جائے۔ وہ شخص کہتا ہے۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ کوئی مجھے کہہ رہا ہے۔ کہ اگر یہ عزم اہلِ دوزخ کے متعلق ہوتا۔ تو ہم انہیں دوزخ سے نکال لیتے۔

جنیدؒ کا خواب

جنیدؒ حکایت کرتے ہیں اُنہوں نے ایک خواب دیکھا کہ میں لوگوں کو وعظ کر رہا ہوں۔ تو ایک فرشتہ آکر کھڑا ہُوا۔ اور پوچھا۔ کہ وہ کون سا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے قریب ترین ہو؟ میں نے کہا۔ وہ عمل جو پوشیدہ طور پر کیا گیا ہو۔ مگر میزان میں پورا ہو۔ جنیدؒ کہتے ہیں۔ کہ یہ سُن کر فرشتہ یہ کہتا ہُوا واپس چلا گیا۔ کہ اللہ کی قسم، کہ یہ کلام توفیق یافتہ کلام ہے۔

ایک آدمی نے علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کو کہا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ تو اہلِ جنت میں سے ہے۔ اس نے کہا۔ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ شیطان کوئی بات چاہتا ہوں اور میں اس سے بچ نکلا ہوں۔ لہٰذا اس نے ایک آدمی کو بھیج دیا ہے۔ کہ وہ اس کی

وشیطان کی مدد کرے۔ (۱۳۶۴)

عطاء سلمی خواب میں

کہتے ہیں کہ کسی نے عطاء سلمی کو خواب میں دیکھا اور انہیں کہا کہ آپ طویل الحزن تھے (۱۳۶۵)۔ لہٰذا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم اس نے اس کے نتیجہ کے طور پر مجھے ایک لمبی راحت اور دائمی خوشی دے دی۔ پھر پوچھا کہ آپ کس درجہ میں ہیں۔

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ (الآیۃ)

اوزاعی خواب میں

کہتے ہیں کہ کسی نے اوزاعی (۱۳۶۶) کو خواب میں دیکھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے یہاں علماء کے درجہ سے بلند تر کوئی درجہ نہیں دیکھا۔ اس کے بعد محزونین کا درجہ آتا ہے۔

نیاجی کا خواب

نیاجیؒ کہتے ہیں۔ کہ مجھے خواب میں کہا گیا۔ کہ جو شخص اپنے رزق کے معاملہ میں اللہ پر بھروسا کرتا ہے۔ اس کا خلق اور اچھا ہو جاتا ہے اور اس کا نفس رزق خرچ کرنے پر راضی ہوتا ہے۔ اور نماز میں اس کے وساوس کم ہو جاتے ہیں۔

زبیدہ خواب میں

کہتے ہیں۔ کہ کسی نے زبیدہ (۱۳۶۷) کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا۔ اللہ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا۔ مجھے بخش دیا۔ پھر پوچھا۔ کیا اس لئے کہ تو نے مکہ کی طرف جانے والی سڑک پر بہت سا روپیہ خرچ کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس کا اجر تو کام کرنے والوں کو ملا۔ لیکن مجھے میری نیت کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔

سفیان ثوری خواب میں

کسی نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا۔ کہ اللہ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا۔ میں نے پہلا قدم صراط پر رکھا۔ اور دوسرا جنت میں۔

احمد بن ابی الحواری کا خواب

احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں ایک لڑکی دیکھی۔ کہ اس جیسی

خوبصورت لڑکی میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کا چہرہ نور سے چمک رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ تمہارا چہرہ کس قدر روشن ہے؟ اس نے کہا۔ وہ رات تم کو یاد ہے جس رات تم روئے تھے؟ میں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا کہ تمہارے آنسو مجھے لاکر دئے گئے۔ تو میں نے انہیں اپنے چہرے پر لگایا۔ ان سے میرا چہرہ ایسا ہوگیا۔

یزید رقاشی کا خواب (۱۳۶۸) کہتے ہیں۔ کہ یزید رقاشی نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اور اس نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو قراءت ہوئی آنسو کہاں ہیں؟

جنیدؒ کا خواب جنید کہتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ گویا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں تو ایک نے مجھ سے پوچھا۔ صدق کیا ہے؟ میں نے کہا۔ عہد کو پورا کرنا، دوسرے نے کہا۔ یہ سچ کہتا ہے۔ پھر دونوں اوپر کو چڑھ گئے۔

بشر حافی خواب میں کسی نے بشر حافی کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا برتاؤ کیا۔ جواب دیا۔ کہ مجھے بخش دیا۔ اور فرمایا۔ اے بشر! کیا تمہیں مجھ سے شرم نہیں آتی۔ کہ تو اس قدر مجھ سے ڈرتا تھا۔

ابو سلیمان دارانی خواب میں۔ کہتے ہیں کہ کسی نے ابو سلیمان دارانی کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا۔ کہ بخش دیا۔ لیکن مجھے کوئی چیز صوفیاء کے اشارات سے بڑھ کر نقصان دہ ثابت نہیں ہوئی۔

علی بن موفق کا خواب (۱۳۶۹) علی بن موفق فرماتے ہیں۔ ایک دن میں اپنے عیال اور اپنی محتاجی کے متعلق بہت متفکر ہو رہا تھا۔ تو خواب میں ایک رقعہ دیکھا۔ جس میں لکھا ہوا تھا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اے ابن الموفق! کیا تجھے محتاجی کا خوف ہے۔ جبکہ میں تمہارا رب ہوں۔ پھر جب رات کے آخر میں

تاریکی کا وقت تھا۔ اس وقت ایک آدمی ایک تھیلی لے کر میرے پاس آیا۔ جس میں پانچ ہزار دینار تھے۔ اور کہا۔ اے کمزور ایمان والے یہ لے۔

جنیدؒ کی خواب

جنیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں۔ حق سبحانہٗ نے مجھ سے پوچھا۔

یہ گفتگو جو تم کرتے ہو کیسے حاصل کی؟ میں نے عرض کی۔ یہ اس لئے ہے۔ کہ میں حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ اللہ تعالےٰ فرمایا۔ تو سچ کہتا ہے۔

ابو بکر کتانی کا خواب

ابو بکر کتانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک نوجوان کو خواب میں دیکھا۔ میں نے ایسا خوبصورت انسان کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کہ تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ ہر غمناک کے دل میں، پھر میں نے جو مڑ کر دیکھا۔ تو ایک سیاہ اور نہایت ہی وحشت ناک شکل کی عورت تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کہ تو کون ہے؟ کہنے لگی۔ کہ میں ہنسی ہوں۔ میں نے پھر سوال کیا۔ کہ تو کہاں رہتی ہے۔ بولی کہ ہر خوش رہنے والے اور اکڑنے والے کے دل میں، کتانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں بیدار ہوگیا۔ اور عہد کر لیا۔ کہ سوائے اس وقت کے جب کہ ہنسی غالب آجائے۔ کبھی نہ ہنسوں گا۔

ابو عبداللہ بن خفیف کا خواب

ابو عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ آپ فرما رہے تھے۔ کہ جس نے اللہ کی طرف جانے کا راستہ معلوم کر لیا۔ اور اس پر چلا اور پھر وہاں سے ہٹ گیا۔ تو اسے اللہ تعالیٰ ایسا عذاب دیں گے۔ کہ کبھی کسی کو نہ دیا ہو۔

شبلی خواب میں

کسی نے شبلی کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا۔

فرمایا۔ حساب میں اس قدر سختی کی۔ کہ میں مایوس ہو گیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے میری مایوسی دیکھی۔ تو مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔

ابو عثمان مغربی کا خواب ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک شخص کہہ رہا ہے اے عثمان! فقر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ خواہ یہ تل کے برابر کیوں نہ ہو۔

ابو سعید خراز اور بیٹے کی وفات کہتے ہیں کہ ابو سعید خرازؒ کا ایک بیٹا تھا۔ جو ان سے پہلے فوت ہو گیا تھا ابو سعید نے اُسے خواب میں دیکھا۔ تو کہا۔ بیٹا! مجھے کوئی نصیحت کرو۔ اس نے کہا۔ ابا جان!۔ بزدلی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔ پھر کہا۔ بیٹا۔ کچھ اور کہو۔ وہ بولا۔ اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان قمیص کو حائل نہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے تیس سال قمیص نہیں پہنی۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک صوفی اپنی دعا میں کہا کرتا تھا۔ کہ الٰہی! جو چیز تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مگر ہمیں فائدہ پہنچاتی ہے تو اُسے ہم سے نہ روکے رکھ۔ اُنہوں نے خواب میں دیکھا۔ کہ کوئی شخص کہتا ہے۔ اور تو بھی اس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے نقصان پہنچاتی ہو۔ اور نفع نہ پہنچاتی ہو۔

ابو الفضل اصفہانی کا خواب ابو الفضل (۱۳۰۷) اصفہانی سے حکایت ہے۔ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ تو درخواست کی۔ کہ یا رسول اللہ! دعا کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ میرا ایمان نہ سلب کرے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہ تو پہلے سے لکھ چکا ہے۔

ابو سعید خراز اور ابلیس حکایت ہے۔ کہ ابو سعید خراز نے شیطان کو خواب میں دیکھا۔ تو لاٹھی لے کر اسے مارنے لگے۔ تو کسی نے کہا۔ کہ شیطان لاٹھی سے نہیں گھبراتا۔ یہ تو اس نور سے گھبراتا ہے جو دل میں ہوتا ہے۔

ایک صوفی اور رابعہ

ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں رابعہ عدویہ کے حق میں دعا کرتا تھا۔ پھر میں نے اسے خواب میں دیکھا تو اس نے کہا۔ تمہارے تحفے نور کے تھالوں میں اور نور کے رومالوں میں ڈھانپے ہوئے پہنچتے ہیں۔

سماک بن حرب کا خواب

سماک بن حرب[(۱۴۷۱)] سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے بیان کیا۔ کہ میری بینائی جاتی رہی۔ تو ...... میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک شخص مجھے کہہ رہا ہے۔ کہ فرات پر جاؤ۔ اور اس میں غوطہ مار کر آنکھیں کھولو۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اور بینائی درست ہو گئی۔

کہتے کہ بشر حافی رح کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا۔ جب میں نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے مجھے خوش آمدید کہا۔ اور فرمایا بشر! جس دن میں نے تمہاری جان قبض کی تھی۔ تو جان تو قبض کرلی۔ مگر مجھے تم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا۔

باب (۷)

مریدوں کو وصیّت

استاد رح فرماتے ہیں۔ کہ جب ہم نے صوفیاء کے کچھ حالات بیان کر لئے اور ان کے مقامات کی تشریح بھی کر دی۔ تو چاہا۔ کہ اس رسالہ کو مریدوں کی وصیّت پر ختم کریں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اچھی توفیق دیگا۔ تاکہ ان نصائح پر عمل پیرا ہو سکیں۔ اور

اور ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اس بات سے محروم نہیں کرے گا۔ کہ ہم خود بھی ان پر عمل پیرا ہوں تاکہ کہیں یہ نصائح خود ہمارے خلاف دلیل نہ بن جائیں۔

مُرید کا پہلا قدم

جو شخص اس طریقہ پر چلنے کا ارادہ کرے۔ اس کے لئے سب سے پہلا قدم صدق دلی ہے۔ تاکہ اس کے طریقہ کی بنیاد صحیح اصل پر ہو۔ کیونکہ شیوخ فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ مقصود تک پہنچنے سے محروم رہے ہیں اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اُنہوں نے بنیادی چیزوں کا خیال نہیں رکھا تھا میں نے استاد ابو علیؒ کو اسی طرح فرماتے سنا ہے۔ لہذا اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صحیح اعتقاد کے ساتھ ابتدا کرنی چاہیئے۔ جو ہر قسم کے ظن و شبہ سے پاک۔ گمراہی اور بدعنوانی سے خالی ہو۔ اور وہ اعتقاد دلائل سے پیدا ہوا ہو۔

صوفی اور غیر صوفی میں فرق

مُرید کے لئے یہ امر قبیح ہے۔ کہ وہ صوفیا کے مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی طرف منسوب ہو۔ اور اگر کوئی صوفی صوفیاء کے طریقہ کو چھوڑ کر مختلف مذاہب میں سے کسی اور مذہب کی طرف منسوب ہو۔ تو اس کا سبب صوفیاء کے طریقہ سے جہالت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ صوفیاء کے مسائل کے دلائل دیگر مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہیں۔ اور ان کے مذہب کے اصُول دیگر مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں۔ دیگر لوگ یا تو نقل روایت کے مالک ہیں۔ یا عقل و فکر کے مالک۔ مگر اس گروہ کے شیوخ ان سب چیزوں سے بلند ہیں۔ کیونکہ جو چیز اوروں کے لئے غیب ہے وہ ان کے لئے ظاہر چیز ہے۔ اور جو معرفت کے امور لوگ حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ وہ ان کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے موجود ہوتے ہیں۔ لہذا یہ لوگ اہل وصال ٹھہرے۔ اور لوگ اہلِ استدلال صوفیاؒ کی مثال تو یہ ہے۔

لَيْلِيْ بِوَجْهِكَ مُشْرِقٌ ۞ وَظَلَامُهُ فِي النَّاسِ سَارِيْ

فَالنَّاسُ فِيْ سَدَفِ الظَّلَا ۞ مِ وَنَحْنُ فِيْ ضَوْءِ النَّهَارِ

میری رات تمہارے چہرہ کی بدولت روشن ہے۔ حالانکہ اس کی ظلمت لوگوں میں ساری ہے۔ چنانچہ لوگ تو تاریکی میں ہیں۔ اور ہم دن کی روشنی میں ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا۔ جس میں اس گروہ کا کوئی نہ کوئی ایسا شیخ نہ ہوا ہو۔ جسے علوم توحید اور قوم کی امامت حاصل نہ ہوئی ہو یہی نہیں بلکہ علماء میں سے ائمۂ وقت نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے اور انہیں باعث برکت سمجھا ہے۔ اگر انہیں کسی قسم کی فضیلت اور خصوصیت حاصل نہ ہوتی۔ تو معاملہ برعکس ہوتا۔

احمد بن حنبل اور شیبان راعی

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔ کہ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) امام شافعیؒ رحمہما اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ شیبان راعی ادھر کو آ نکلے۔ احمد نے امام شافعیؒ سے کہا۔ کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ اسے اس کی جہالت سے آگاہ کروں۔ تاکہ یہ کچھ علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دے۔ امام شافعیؒ نے انہیں اس سے منع کیا مگر یہ باز نہ آئے۔ چنانچہ انہوں نے شیبان سے کہا۔

آپ ایسے شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ جو کوئی نماز پڑھنی بھول گیا ہے اور اسے یہ بھی یاد نہ ہو۔ کہ اس نے کون سی نماز نہیں پڑھی۔ اب اُسے کیا کرنا چاہیے؟

شیبان نے جواب دیا۔ اے احمد! اس شخص کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ اسے سزا دی جائے تاکہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔

یہ جواب سُن کر احمدؒ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو امام شافعیؒ نے فرمایا۔

کیا میں نے تمہیں اس شخص کو چھیڑنے سے منع نہیں کیا تھا؟ (یہ حالت) اس شیبان کی ہے۔ جو ایک امی صوفی تھے۔ جب امی کی یہ حالت ہے

تو پھر ائمہ صوفیاء کی کیا کیفیت ہوگی۔

ابو عمران فقیہ اور شبلیؒ

حکایت ہے۔ کہ جامع منصور میں اکابر فقہاء میں سے ایک فقیہ کا حلقہ اور شبلیؒ کا حلقہ ساتھ ساتھ تھا۔ اس فقیہ کا نام ابو عمران تھا۔ (۱۳۷۶ھ) جب شبلی گفتگو فرماتے۔ تو اس فقیہ کا حلقہ منتشر ہو جاتا۔ ابو عمران کے شاگردوں نے شبلیؒ کو شرمندہ کرنے کی غرض سے ان حیض کے متعلق کوئی سوال کیا۔ شبلیؒ نے اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا۔ ابو عمران نے (بیساختہ) اٹھ کر شبلیؒ کے سر پر بوسہ دیا۔ اور کہا۔ اے ابو بکر! میں نے اس مسئلہ میں تم سے ایسے دس اقوال معلوم کئے ہیں۔ جنہیں میں نے کبھی نہ سنا تھا۔ جو کچھ آپ نے فرمایا۔ اس میں سے مجھے صرف تین اقوال معلوم تھے۔

ابو العباسؒ بن سریج اور جنیدؒ

کہتے ہیں۔ کہ ابو العباس بن سریج (۱۳۷۵) کا گذر جنیدؒ کی مجلس کے پاس سے ہوا۔ اور انہوں نے جنید کی گفتگو بھی سنی۔ کسی نے ان سے پوچھا۔ کہ آپ کا اس کلام کے متعلق کیا خیال ہے؟ فرمایا۔ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں۔ میں اسے نہیں سمجھ سکا۔ مگر اس کلام میں اس قدر دبدبہ پایا جاتا ہے۔ جو کسی باطل شخص کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔

عبد اللہؒ بن سعید اور جنیدؒ

کسی نے عبد اللہ بن سعید بن کلاب سے کہا۔ کہ آپ ہر شخص کے کلام پر جرح کیا کرتے ہیں۔ اور یہاں جنیدؒ نامی ایک شخص ہے۔ کیا تم اس پر بھی اعتراض کر سکتے ہو یا نہیں؟ چنانچہ عبد اللہ جنیدؒ کے حلقہ میں گئے اور ان سے توحید کے متعلق سوال کیا۔ اور انہوں نے ایسا جواب دیا۔ کہ عبد اللہ .... حیران رہ گئے۔ اور کلام دہرانے کی درخواست کی۔ جنید نے بات دہرائی۔ مگر عبارت بدل کر۔ اس پر عبد اللہ نے کہا۔ یہ تو کوئی اور

سی بات ہے۔ جو مجھے نہیں آتی۔ ذرا پھر دہرائیں۔ انہوں نے پھر عبارت
بدل کر بات کو دہرایا۔ عبداللہ نے کہا۔ جو آپ فرما رہے ہیں، وہ مجھے
یاد نہیں رہ سکتا۔ مجھے لکھا دیجیئے۔ اس پر جنیدؒ نے فرمایا۔ اگر آپ سلوک
کا راستہ طے کر چکے ہوں، تو میں لکھا دیتا ہوں۔ اس پر عبداللہ نے کھڑے
ہو کر ان کی فضیلت کا اعتراف کیا۔

لہٰذا جب اس گروہ کے اُصول صحیح ترین اُصول قرار پائے۔ اور ان
کے مشائخ اکبر الناس ٹھہرے۔ اور علماء اعلم الناس، تو جس مرید کا ان پر
ایمان ہوگا۔ اگر وہ اہلِ سلوک میں سے ہو۔ اور صوفیاء کے مقاصد کی طرف
بتدریج جانے کا خیال رکھتا ہو۔ وہ ان غیبی مکاشفات میں جو ان لوگوں کا
مابہ الامتیاز بات ہے شریک ہوگا۔ اور اُسے ان لوگوں کا محتاج نہ ہونا پڑیگا
جو اس گروہ سے خارج ہیں۔ اور اگر کوئی مُرید اتباع کے طریقہ کا ارادہ رکھتا ہو
اور مستقل حالت کا مالک نہ ہو۔ اور وہ یہ چاہتا ہو۔ کہ تقلید کے وطن میں
اس وقت تک ٹھہرا رہے۔ جب تک وہ خود اہلِ تحقیق میں سے نہ ہو جائے
تو اُسے اپنے اسلاف کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اور اسے ان ہی لوگوں کے طریقہ
پر چلتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ لوگ اوروں کے مقابلہ میں بہت بہتر ہوں
گے۔ میں تحقیق سے کہتا ہوں۔ کہ میں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی کو سنا۔ انہوں نے
ابوبکر رازی کو اُنہوں نے شبلی کو۔ وہ فرما رہے تھے:

مَا ظَنُّكَ بِعِلْمٍ عِلْمُ العُلَمَاءِ فِيهِ تُهْمَةٌ۔ ایسے علم
کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ جس کے مقابلہ میں علماء کا علم تہمت کے برابر ہو۔
میں نے انہی سے سنا۔ کہ اُنہوں نے محمد بن ابو علی بن محمد تحرمی کو سنا۔
اور انہوں نے محمد بن عبداللہ الفرغانی کو فرماتے سنا۔ کہ میں نے جنید کو
فرماتے سنا۔ کہ اگر مجھے علم ہوتا۔ کہ اس علم کے مقابلہ میں جس میں ہم اپنے
اصحاب اور بھائی بندوں سے گفتگو کرتے ہیں۔ دنیا میں کوئی اور علم افضل و

اشرف ہے۔ تو میں اس کے حاصل کرنے کی ضرور کوشش کرتا۔ اور میں اس کا ضرور قصد کرتا۔

۱۔ مرید کے لئے علم شریعت کا جاننا ضروری ہے۔

جب کوئی مرید اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اپنا عہد مضبوط اور استوار کرلے۔ تو اسے چاہیے، اس قدر علم شریعت جس سے وہ فرائض کی ادائیگی کرسکے۔ یا تو تحقیقی طور پر یا ائمہ سے پوچھ کر حاصل کرنا چاہیئے۔ اگر کہیں فقہائے کے فتووں میں اختلاف پائے۔ تو اسے ایسا طرز اختیار کرنا چاہیئے جس میں احتیاط پائی جاتی ہو۔ اسے ہمیشہ ایسے امور سے جن میں اختلاف پایا جاتا ہو، باہر رہنا چاہیئے۔ کیونکہ شریعت کے اندر "رخصت" صرف ان لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔ جو کمزور حاجتمند اور کام کاج والے لوگ ہوں۔ اور ان لوگوں کے لئے حق سبحانہٗ کے حقوق پر کاربند رہنے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صوفیا کے ہاں، کہا جاتا ہے۔ کہ جب کوئی فقیر درجۂ حقیقت سے اتر کر شریعت کی رخصتوں پر آجائے۔ تو سمجھ لو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاہدہ فسخ کر ڈالا، اور اپنا عہد و پیمان توڑ دیا۔

۲۔ مرید کے لئے شیخ کا پکڑنا لازمی امر ہے۔

چنانچہ بایزید بسطامی فرماتے ہیں۔ کہ جس کا کوئی استاد نہیں۔ اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔

ابو علی دقاق کا قول

میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا۔ کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کسی نے اُسے لگایا ہو۔ خود بخود اُگ آیا ہو۔ تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے۔ مگر یہ درخت پھل نہ دے گا۔ یہی حال مرید کا ہے۔ کہ جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو۔ جس سے ایک ایک سانس کر کے وہ اپنے راستہ کو اخذ کرے

تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوگا۔ اور اُسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔

۳۔ مرید سلوک سے پہلے توبہ کرے۔

یہ چیزیں کر لینے کے بعد جب وہ سلوک کا ارادہ کرے۔ تو اُسے ہر قسم کی لغزش سے توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسے تمام لغزشوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، چھوٹی ہوں یا بڑی، چھوڑ دینا چاہیئے۔

۴۔ خصوم کو راضی کرنا۔

مرید کے لئے دوسری ضروری بات یہ ہے کہ وہ، ان لوگوں کو جن سے اس کا کسی قسم کا بھی جھگڑا ہو، راضی کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ جس سے اس کے خصم راضی نہ ہوں گے۔ وہ راہِ طریقت میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا۔ صوفیاء کا یہی طریقہ رہا ہے۔

۵۔ دنیاوی تعلقات کو کم کئے جانا۔

اس کے بعد دنیاوی تعلقات اور مشاغل کو کم کرتے جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ طریقت، کی بنا ہی اس بات پر ہے کہ دل دنیاوی مشاغل سے خالی ہو۔

شبلی کا حصری کو حکم

شبلی حصری کو شروع میں فرمایا کرتے کہ ایک جمعہ کے بعد جب دوسرے جمعہ کو تم میرے پاس آنے لگے۔ تو اگر اس عرصہ میں تمہارے دل میں غیر اللہ کا خیال بھی آگیا ہو۔ تو پھر میرے پاس آنا تمہارے لئے حرام ہے۔

قطع علائق کس طرح ہو۔

جب مرید دنیاوی تعلقات سے علیحدگی اختیار کرنے لگے۔ تو سب سے پہلے اپنے مال سے تعلق توڑے۔ کیونکہ یہی ایک چیز ہے۔ جو اسے راہِ حق سے ہٹا کر ایک

طرف لے جاتی ہے۔ ہم نے کوئی مُرید ایسا نہیں دیکھا۔ کہ اس نے راہ طریقت میں قدم رکھا ہو۔ اور پھر دنیا کے ساتھ بھی تعلق باقی رکھا ہو۔ اور پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس حالت میں نہ چلا گیا ہو، جس سے وہ نکلا تھا۔

۲۔ مال سے علیحدگی کے بعد دوسری ضروری بات اپنے جاہ و جلال کو خیر باد کہنا ہے۔ کیونکہ اپنے جاہ و جلال پر نظر جمائے رکھنا اللہ سے قطع تعلق کر دینے کا بہت بڑا سبب ہے۔ اور جس وقت تک مرید کے نزدیک مخلوق کا ہر دلعزیز ہونا یا ان کی طرف سے دھتکارا جانا دونوں یکساں نہ ہوں اس وقت تک وہ کسی مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ (در حقیقت) لوگوں کا اُسے بنظر استحسان دیکھنا اور اس سلسلہ سے اپنا بے مائیگی کی وجہ سے اسے باعث برکت سمجھنا مرید کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں امر ہے۔ جبکہ ابھی تک مرید کی ارادت ہی درست نہیں ہوئی۔ پھر اسے باعث برکت سمجھنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جاہ و جلال کو خیر باد کہنا بہت ضروری ہے کیونکہ جاہ و جلال مرید کے لئے زہر قاتل کا کام کرتا ہے۔

۳۔ جب مرید اپنے مال اور جاہ کو خیر باد کہہ چکے۔ تو پھر اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے اور اللہ کے درمیان اپنے عقیدہ کو درست کرے۔

۴۔ شیخ کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے۔ ہر وہ بات جس کا حکم شیخ دے اسے اس کی ہرگز مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ابتداء میں مرید کے لئے شیخ کی مخالفت انتہائی نقصان دہ ہے اس لئے کہ اس کی ابتدائی حالت سے ہی اس کی تمام عمر کا پتہ چلتا ہے۔

۵۔ شیخ پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے مرید ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ مرید کے دل میں شیخ کے متعلق کسی قسم کا شک یا اعتراض پیدا نہ ہونا چاہیئے۔ اگر مرید کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے۔

کہ دنیا یا آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ یا یہ کہ شیخ کے علاوہ دنیا میں کوئی
اور شخص بھی ہے۔ تو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ارادت میں اس کا اقدام درست نہیں
کیونکہ اس کی کوشش تو یہ ہونی چاہیئے۔ کہ اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، نہ کہ
یہ کہ اُسے قدر و قیمت حاصل ہو۔ اور ان دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے
کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کو چاہ رہا ہو اور دوسرا دنیا و آخرت میں جاہ و جلال کا خواہاں ہو۔

۸۔ اپنے اسرار کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔

پھر یہ کہ اسے اپنے اسرار کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اپنے تکموں
سے بھی، البتہ اسے اپنے شیخ سے اپنے اسرار کو چھپا کر نہیں رکھنا چاہیئے۔
اور اگر اس نے اپنے شیخ سے ایک سانس بھی چھپائے رکھا۔ تو اس نے اس
کے حق صحبت میں خیانت کی۔ اگر بالفرض اس سے شیخ کے حکم کے خلاف
کوئی بات سرزد ہو گئی ہے۔ تو اُسے فوراً شیخ کے سامنے تسلیم کر لینا چاہیئے
اور پھر شیخ جس قسم کی سزا کا حکم دے۔ مثلاً سفر کرنے کا حکم، یا کوئی
اور حکم، تو اُسے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ شیخ کے لئے یہ
مناسب نہیں کہ وہ مرید کی لغزشوں کو درگذر کر دے۔ کیونکہ اس میں حقوق اللہ
کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور جب تک مرید ہر قسم کے تعلق سے علیحدگی اختیار نہ
کرے۔ اس وقت تک شیخ کو اسے کسی قسم کے ذکر کی تلقین نہیں کرنی چاہیئے
بلکہ شیخ کو چاہیئے۔ کہ پہلے مرید کو آزما لے۔ اور جب اس کا دل گواہی دے۔ کہ
مرید میں صحیح عزم پایا جاتا ہے۔ تب شیخ مرید پر یہ شرط لگا دے۔ کہ اُسے

۹۔ راضی برضائے الٰہی رہنا۔

اس طریقت میں جس قسم کے بھی تقدیر کے
تصرفات پیش آئیں۔ وہ ان پر راضی ہو۔ نیز یہ
کہ شیخ مرید سے اس بات کا عہد لے۔ کہ خواہ اُسے اس راہ میں کسی قسم کی تنگی۔
ذلت۔ فقر۔ بیماری یا دُکھ لاحق ہو۔ تب بھی وہ اس راہ سے نہیں ہٹے گا۔
اور اس کا دل تن آسانی کی طرف مائل نہ ہو گا۔ اور وہ مجبوری کے عالم یا فاقہ کے

غلبہ کے وقت " رخصت " کو اختیار نہ کرے۔ بلکہ عزیمت کو اختیار کریگا۔ نہ تن آسانی کو پسند کرے گا۔ اور نہ سستی کو اپنا شعار بنائے گا۔ کیونکہ مرید کا وقفہ (تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جانا) فترت سے بھی بدتر ہے۔

وقفہ اور فترہ میں فرق

فترہ اور وقفہ میں فرق یہ ہے کہ ارادت سے رجوع کرنا اور اس کا ترک دینا فترہ کہلاتا ہے اور سستی کے حالات کو لذیذ سمجھ کر راہِ طریقت کی رفتار میں وقفہ ڈالنا وقفہ کہلاتا اور جو مرید ابتداء امر میں ٹھہر گیا۔ وہ کوئی رتبہ نہ پا سکے گا۔

ذکر کی تلقین

جب شیخ نے مرید کو آزما لیا۔ تو پھر وہ اُسے جیسا کہ اس کی رائے ہو۔ کوئی ذکر تلقین کرے۔ چنانچہ پہلے زبان سے ذکر کرنے کا حکم دے۔ پھر دل اور زبان سے، اُسے ذکر ٹھیک طرح ادا کرنے کو کہے۔ پھر فرمائے۔ کہ تم ذکر پر ہمیشہ اس طرح پابند رہو۔ گویا کہ تو ہمیشہ اپنے دل سے اپنے رب کے پاس ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے۔ تمہاری زبان پر اس اسم کے سوا کوئی اور اسم جاری نہ ہو۔

ہر وقت با وضو رہنا۔

اس کے بعد شیخ مرید کو ہر وقت با وضو رہنے کا حکم دے۔ نیز یہ کہ وہ اس وقت سوئے۔ جب نیند کا غلبہ ہو۔ اور بتدریج اپنی غذا کو کم کرتا جائے۔ تاآنکہ اُسے غذا کم کھانے کی قوت حاصل ہو جائے۔ شیخ کے لئے مناسب نہیں کہ اُسے یک لخت اپنی عادت کے ترک کرنے کا حکم دے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔

ان المنبت لا ارضاً قطع ولا ظہراً ابقیٰ

جو شخص اپنے جانور کو زبردستی چلاتا رہتا ہے۔ تاآنکہ وہ چور ہو کر گر پڑتا ہے وہ شخص نہ تو مسافت طے کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی سواری بچ سکتی ہے

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

خلوت کی تلقین

اس کے بعد شیخ مُرید کو خلوت اور گوشہ نشینی کا حکم

دے۔ اور مرید کے لئے اس حالت میں ضروری ہے۔ کہ وہ گھٹیا قسم کے خیالات اور ان
خیالات کو جن سے دل اللہ سے ہٹتا ہے۔ دُور کرنے کی کوشش کرے۔
یاد رکھیں کہ ابتدا ارادت میں اس حالت میں خلوت کے دوران میں بہت کم ایسا
ہوتا ہے۔ کہ مرید کے اعتقاد میں وسوسے نہ آئیں۔ بالخصوص جب کہ مرید کا دل صاف
ہو۔ لیکن ہر مرید کو ابتداء ارادت میں یہ کیفیت پیش نہیں آتی۔ اور یہ حالت ان آزمائشوں
میں سے ہے۔ جن میں مرید مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا شیخ کے لئے ضروری ہے۔ کہ اگر
وہ مرید میں سمجھ بوجھ پائے۔ تو اُسے عقلی دلائل کی طرف رجوع کرنے کو کہے۔ کیونکہ
معرفت کا طالب علم کے ذریعے سے ان وساوس سے جو اس پر طاری ہوتے
ہیں۔ نجات پا جاتا ہے۔ اور اگر شیخ دیکھے کہ اس میں طریقت کے اندر قوت اور
ثابت قدمی پائی جاتی ہے۔ تو پھر اُسے صبر اور پیوستہ ذکر کرنے کا حکم دے
تاآنکہ اس کے دل میں مقبولیت کا نور چمک اُٹھے۔ اور وصول (الی الحق) کے سورج
اس کے باطن میں طلوع ہو جائیں۔ اور (انشاء اللہ) یہ بات عنقریب ہو کر رہے
گی۔ مگر یہ بات سوائے خاص افراد کے اوروں میں نہیں پائی جاتی۔ بالعموم یہی ہوتا
ہے۔ کہ ان کا علاج اس طرح کیا جاتا ہے۔ کہ انہیں آیات میں غور و خوض کرنے
کی طرف لوٹایا جائے۔ بشرطیکہ انہیں اسقدر علم اصول حاصل ہو۔ جس قدر کہ مرید کو
اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

مُرید کی مشکلات

یاد رکھیں کہ اس مقام میں مریدوں کو خاص طور پر
مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ
جب وہ چلہ کشی میں ہوتے ہیں۔ یا جب وہ سماع کی مجلس میں ہوتے ہیں۔ یا کسی
اور مقام پر۔ تو اس وقت ان کے دلوں میں بڑی بڑی اشیاء کا خیال پیدا ہوتا ہے
حالانکہ انہیں یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ ان اُمور سے منزہ و پاک ہے
اور اُنہیں ان خیالات کے باطل ہونے میں شک و شبہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ ساوس
دوام پکڑ کر ان کے لئے سخت اذیت کا باعث بنتے ہیں۔ اور یہ اس حد تک

پہنچ جاتے ہیں۔ کہ یہ سخت ترین دشنام بدترین قول، اور مکروہ ترین خیال بن جاتے کہ مُرید کو ان کا زبان پر لانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ کسی سے اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ یہ مشکل ترین چیز ہوتی ہے۔ جو ان پر واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے موقع .... پر ضروری ہے کہ ان وساوس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ذکر کو بدستور جاری رکھا جائے، اور اللہ سے عجز و نیاز سے درخواست کی جائے کہ وہ ان وساوس کو ان سے دُور کرے یہ وساوس شیطان کی طرف سے نہیں ہوتے۔ یہ صرف ہواجس نفس ہوتے ہیں۔ مگر جب بندہ ان کا مقابلہ اس طرح کرے۔ کہ ان کی پرواہ ہی نہ کرے۔ تو یہ ہواجس نفس منقطع ہو جاتے ہیں

آدابِ مُرید

آداب مُرید میں سے، بلکہ اس کی حالت کے فرائض میں سے ہے۔ کہ وہ اپنی خلوت کی جگہ سے نہ نکلے۔ اور (۲) پیشتر اس کے کہ وہ راہ طریقت میں مستحکم ہو۔ اور پیشتر اس کے کہ وہ اپنے دل کے ساتھ رب تک پہنچ جائے۔ اسے سفر نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ مُرید کے لئے بے موقعہ سفر کرنا زہر قاتل ہے اور اگر کوئی بے موقعہ سفر کرے۔ تو جن مراتب کی اس کے لئے اُمید کی جا سکتی تھی۔ وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی مُرید سے بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ تو ابتدائے ارادت میں اسے ثابت قدم بنا دیتے ہیں، اور جب کسی سے برائی چاہتے ہیں۔ تو اُسے اس کی پہلی حالت میں یا پہلے پیشہ میں لوٹا دیتے ہیں۔ اور جب کسی مرید کو آزمانا چاہتے تو اسے سفر میں دھکیل دیتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مرید اللہ تک پہنچنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

لیکن اگر مُرید نوجوان ہو تو اس کی طریقت یہی ہے۔ کہ ظاہری طور پر بذاتِ خود فقراء کی خدمت کرے۔ اور وہ طریقت میں ان فقراء میں سب سے کم مرتبہ والا ہوگا۔ اور اس قسم کے اور لوگ طریقت کے ظاہری رسوم پر اکتفا کریں گے۔ اور سفر میں لگے رہیں گے۔ اور زیادہ سے زیادہ جو چیز اُنہیں اس طریقہ پر حاصل ہوگی۔ وہ

چند حج ہوں گے۔ یا چند ایک مقامات کی زیارت ہوگی۔ اور ظاہری سلام کے ساتھ چند شیوخ کی ملاقات ہوگی۔ چنانچہ یہ ظاہری امور کا مشاہدہ کریں گے۔ اور اس طرح ظاہری سیر و سیاحت پر اکتفا کر بیٹھیں گے۔
ان لوگوں کے لئے ہمیشہ سفر میں رہنا ضروری ہے۔ تاکہ ان کی تن آسانی کسی ممنوع امر کے مرتکب ہونے کا باعث نہ بن جائے۔ اس لئے کہ جب نوجوان کو آرام اور تن آسانی میسر آجائے۔ تو اس کا فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔
اور جب کوئی مرید ابتداء ارادت میں فقراء اور اصحاب کی جماعت میں گھس جائے۔ تو یہ بات خود اس کے لئے سخت مضر ہے۔ اور کوئی اس بات میں مبتلا ہو جائے۔ تو اُسے شیوخ کا احترام اور اصحاب کی خدمت کرنی چاہیے اور کسی بات میں ان کی مخالفت نہ کرنی چاہیے۔ اور ایسے امور میں لگا رہنا چاہیے جن سے فقیر کو آرام و راحت حاصل ہو۔ اور کوشش کرنی چاہیے کہ کہیں شیخ کا دل اس سے اچاٹ نہ ہو جائے۔
نیز یہ کہ جب یہ فقراء کی صحبت میں ہو۔ تو یہ ہر وقت ان کی خاطر اپنے نفس کے ساتھ جھگڑے یہ نہ ہو کہ وہ اپنے نفس کی خاطر ان سے جھگڑے یوں سمجھے کہ ان میں ہر ایک کا اس پر ضروری حق ہے۔ اور اس کا ان پر کسی قسم کا حق نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مرید کسی کی مخالفت نہ کرے اور اگر اُسے معلوم ہو۔ کہ وہ حق پر ہے۔ تو وہ خاموش رہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ موافقت کا اظہار کرے۔ جس کسی مُرید میں ہنسی یا ضد یا جھگڑے کی عادت پائی جاتی ہو۔ اس سے کچھ بن نہ آئے گا۔
اور جب مرید فقراء کی جماعت میں ہو۔ خواہ سفر میں، خواہ حضر میں، تو اُسے ظاہر میں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، نہ کھانے میں، اور نہ روزہ رکھنے میں، اور نہ کسی سکون میں، اور نہ حرکت میں، اگر کرے تو دل میں اور باطن میں کرے۔ تاکہ اس کا دل اللہ کے ساتھ محفوظ رہے۔ اور جب وہ اُسے کسی بات کا حکم

دیں۔ مثلاً کھانے کا تو وہ ایک یا دو لقمے کھالے۔ مگر خواہش کے مطابق نہ کھائے ظاہری طور پر کثرت اوراد مُرید کے آداب میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ تو اپنے وسوسوں کو لگانے کی کوشش میں اور اپنے اخلاق کے علاج اور دل سے غفلت کو دور کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور نیک اعمال کی کثرت میں نہیں لگتے۔ مگر ذہنوں اور شتن ہوگدہ سے کسی صورت میں بھی چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔

اب رہا سوال کہ نفلی نمازوں کا اس میں اضافہ کیا جائے۔ تو اُن کے لئے دل سے ہمیشہ ذکر جاری رکھنا اس سے بہتر ہے۔

مُرید کو ہر کسی کی بات کو برداشت کرنا ہوگا۔

مُرید کی ساری پونجی یہی ہے۔ کہ وہ ہر کسی کی بات کو بطیب خاطر برداشت کرے اور جو کچھ اس سے پیش آئے۔ اسے رضامندی کے ساتھ قبول کرے۔ دُکھ اور فاقہ پر صبر کرے۔ کسی سے سوال نہ کرے اور اپنی ذات کی خاطر کسی سے نہ جھگڑے۔ خواہ بات چھوٹی ہو یا بڑی۔ جو مرید ان باتوں پر صبر نہ کر سکتا ہو۔ اُسے (طریق فقر چھوڑ کر) بازار میں بیٹھنا چاہیئے۔ کیونکہ جو مُرید انہی باتوں کی خواہش رکھتا ہو۔ جن کی عالم لوگ خواہش رکھتے ہیں۔ تو اسے اپنی خواہشات کو وہیں سے حاصل کرنا چاہیئے۔ جہاں سے وہ لوگ حاصل کرتے ہیں۔ یعنی ہاتھ کی محنت اور پسینہ کی کمائی سے۔

مرید کو جو مشاہدات ابتدا ارادت میں حاصل ہوں ان کی طرف دل نہ لگانا چاہیئے

جب مرید متواتر ذکر جاری رکھے۔ اور خلوت پذیر ہو تو اگر اسے اسی حالت میں ایسے امور حاصل ہوں۔ جو پہلے حاصل نہ تھے۔ خواہ خواب میں، خواہ بیداری میں، یا خواب اور بیداری کے بین بین مثلاً یہ کہ وہ یہ سُنے کہ کوئی شخص اُسے خطاب کر رہا ہے۔ یا کوئی اور خارق عادت بات مشاہدہ کرے۔ تو اسے اس کے ساتھ قطعاً مشغول نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی

اس پر مطمئن ہو جانا چاہیئے۔ اور نہ ہی اس قسم کے اور مشاھدات کا منتظر رہنا چاہیئے۔ اس لئے تمام امور حق تعالیٰ سے ہٹا دینے والے ہیں۔ اس لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے۔ کہ ان حالات کو اپنے شیخ کے سامنے بیان کرے تاکہ اس کا دل اس سے خالی ہو جائے۔ شیخ کو بھی چاہیئے۔ کہ اس کے راز کو محفوظ رکھے۔ اور دوسروں سے اسے چھپائے رکھے۔ مگر اس کی اپنی نگاہ میں ان باتوں کو اس کے سامنے حقیر اور معمولی بتائے۔ کیونکہ یہ امور تمام کے تمام آزمائش کے طور پر ہوتے ہیں۔ اور ان پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا دھوکہ ہوتا ہے۔ مرید کو ان سے اور ان کی طرف نگاہ رکھنے سے بچنا چاہیئے اور اپنی ہمت ان امور کی طرف لگانی چاہیئے۔ جو اس سے بلند تر ہوں۔

مشاھدات سے اُنس محسوس کرنا مرید کے لئے مضر ہے۔

یاد رکھیں کہ مرید کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں امر یہ ہے۔ کہ وہ ان امور پر جو اس کے باطن میں حق تعالیٰ کی طرف سے ڈالے جاتے ہیں۔ اُنس محسوس کرے۔ مثلاً حق تعالیٰ کا اسے اپنا قرب عطا کرنا اور اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کہ میں نے تجھے اس بات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ اور تمہارے ہم جنسوں سے تجھے ممتاز کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ان امور کو ترک کر دینے کا عزم کرے گا۔ تو اسے ان سے ہٹا کر مکاشفات حقیقت سے ہٹا دیا جائے گا۔ کتابوں میں ان امور کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔

شیخ کی تلاش میں ہجرت کرنا۔

مرید کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے۔ کہ اگر وہ اپنے شہر میں کسی ایسے شخص کو نہ پائے۔ جس سے وہ تربیت حاصل کر سکے۔ تو وہ ہجرت کر کے ایسے شخص کے پاس چلا جائے۔ جو مریدوں کی رہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس کے پاس رہے۔ اور اس کے در کو اس وقت تک نہ چھوڑے

جب تک کہ وہ خود اجازت نہ دے۔

مُرید کے لئے حج کرنے سے پہلے معرفتِ الٰہی کا حاصل کرنا ضروری ہے

یاد رکھیں کہ بیت اللہ کی زیارت سے پہلے اس گھر کے مالک کا جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر گھر کے مالک کی معرفت نہ ہوتی۔ تو اس گھر کی زیارت کرنا بھی فرض نہ ہوتا۔

ان لوگوں میں سے وہ نوجوان جو شیخ کے حکم کے بغیر حج کے لئے نکل جاتے ہیں۔ وہ محض حظِ نفس کی وجہ سے ایسا کر بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ رسمی طریقت پر چلتے ہیں۔ اور ان کے اس سفر کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ جس قدر ان کا سفر بڑھتا جائے گا۔ اسی قدر اس کے دل کی پریشانی بڑھتی جائیگی۔ اگر یہ لوگ اپنے حظوظِ نفسیہ کو ترک کر کے ایک قدم بھی آگے بڑھاتے تو یہ ان کے لئے ایک ہزار سفر سے بھی زیادہ سُود مند ہوتا۔

مرید شیخ کی خدمت میں نہایت احترام سے جائے

مُرید کی ایک شرط یہ ہے۔ کہ جب وہ شیخ کی زیارت کو جائے۔ تو نہایت احترام کے ساتھ اس کے پاس جائے۔ اور شرم وحیا سے اس کی طرف دیکھے۔ اور اگر شیخ کسی قسم کی خدمت کا اسے اہل خیال کرے۔ تو اُسے اس کو بہت بڑی نعمت شمار کرنا چاہیئے۔

شیخ معصوم نہیں ہوتا۔

مُرید کے لئے مناسب نہیں۔ کہ وہ اپنے شیخ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے۔ کہ وہ معصوم ہے۔ بلکہ اُسے ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور ان کے متعلق حُسنِ ظن رکھنا چاہیئے اور جن اُمور کی طرف وہ توجہ دے۔ ان میں سے اللہ کی مقرر کردہ حدود کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ محمود اور غیر محمود کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے اس کا علم اس کے لئے کافی ہوگا۔

مرید کے دل میں ساز و سامان کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہونی چاہیئے

جس مرید کے دل میں دنیا کے ساز و سامان کی تھوڑی سی بھی قدر و منزلت ہو۔ اور اس کے لئے "ارادت" کا نام دنیا مجازی ہو گا۔ (حقیقی نہ ہو گا۔) لہٰذا جب اس کے دل میں اس سرمایہ کے متعلق جس سے وہ علیحدگی اختیار کر رہا ہے اختیار باقی ہو گا۔ چنانچہ وہ یہ چاہے کہ وہ کسی خاص قسم کی نیکی پر لگائے۔ یا کسی مخصوص شخص کے ساتھ نیکی کرے۔ (دوسرے کے ساتھ نہ کرے) تو سمجھ لو۔ کہ یہ شخص اپنی حالت میں تکلف سے کام لے رہا ہے۔ اور خطرہ ہے۔ کہ جلد ہی دُنیا کی طرف رجوع کرنے لگ جائے گا۔ اس لئے کہ دنیاوی علائق کو ترک کرنے میں مرید کا ارادہ ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کرنا ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ نیکی کے کاموں میں کوشش کرے۔ مرید کے لئے یہ بات زیب نہیں دیتی۔ کہ وہ اپنی پونجی اور اندوختہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے باوجود کسی خاص پیشہ کا مقید رہے۔ اس کے نزدیک تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہونے چاہئیں۔ تاکہ وہ مال کی وجہ سے نہ تو کسی فقیر سے فخر کرے۔ اور نہ کسی کو تنگ کرے۔ خواہ وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔

فصل

اگر شیخ کا دل مرید کو قبول کر لے تو یہ اس کے لئے سعادت کا باعث

شیخ کے دل کا مرید کو قبول کر لینا مرید کی سعادت مندی کا بہترین ثبوت اور جسے کسی شیخ کے دل نے رد کر دیا۔ وہ یقیناً اس کا انجام دیکھ لے۔ خواہ کچھ مدت کے بعد ہی دیکھے۔ اور جو مرید اپنے شیخ کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے رسوا ہوا تو اس نے بدبختی کے علامات ظاہر کر دئیے۔ اور اس قسم کا شخص بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

فصل

مرید کو نوخیز بچوں کی صحبت سے بچنا چاہیئے

اس راہ میں سخت ترین آفت نوخیز بچوں کی صحبت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت میں مبتلا کر دیا۔ تو اس بات پر تمام شیوخ کا اتفاق ہے۔ کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل و خوار کر دیا۔ بلکہ اُسے اپنی ذات سے غافل کر دیا۔ خواہ اسے ہزار ہا کرامت کا اہل کیوں نہ بنا دیا ہو۔ اور فرض کرو۔ کہ وہ شخص شہداء کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہے۔ (تب بھی کوئی بات نہیں) کیونکہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ دل (اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف مشغول نہیں ہوا۔ اس سے بھی سخت بات یہ ہے۔ کہ مرید اُسے معمولی بات سمجھنے لگ جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّناً وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (نور)

تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک بڑی بات ہے۔ واسطی فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل و خوار کرنا چاہتا ہے تو اُسے ان بدبوؤں اور مرداروں کی طرف ڈال دیتا ہے۔

میں نے ابو عبداللہ الصوفی سے سُنا۔ کہ محمد بن احمد النجار نے کہا۔ کہ ابو عبداللہ الحصری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے فتح موصلی کو فرماتے سنا۔ کہ میں تیس ایسے شیوخ کی صحبت میں رہا ہوں۔ جو ابدال میں شمار ہوتے تھے۔ اور جب میں اُن سے جُدا ہونے لگا۔ تو ہر ایک نے یہی نصیحت کی۔ اور فرمایا۔ نوخیزوں کی صحبت اور ان سے میل جول رکھنے سے بچتے رہنا اور جو لوگ اس سلسلہ میں فسق کی حالت سے بلند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ تو روح کی آزمائش ہے۔ اور یہ کہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور جو کچھ لوگوں نے کہا ہے۔ یہ سب ان لوگوں کے وسوسے ہیں۔ جو صنعتِ خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے قائل ہیں۔ اور وہ اس سلسلہ میں بعض شیوخ کی حکایات بھی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے مناسب یہ تھا۔ کہ وہ ان شیوخ کے عیوب پر پردہ ڈالتے

یہ تمام قسم کے خیالات شرک اور کفر کے برابر ہیں۔ مُرید کو نوخیزوں کی صحبت اور اُن سے میل جول رکھنے سے بچنا ہی چاہیئے۔ اس لئے کہ تھوڑی سی یہ صحبت رُسوائی کے دروازے کھول دے گی۔ اور خُدا سے جُدا کر دے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس بُری قضا سے پناہ چاہتے ہیں۔

فصل

مُرید کو حسد سے بچنا چاہیئے۔

مُرید کی آفات میں سے ایک بات یہ بھی ہے۔ کہ اس کے اندر اپنے بھائیوں کے متعلق ایک مخفی حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس بات سے اثر پذیر ہوتا ہے کہ اس کے برادرانِ طریقت میں سے کسی ایک پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے۔ اور خود اس سے محروم ہے۔

یاد رکھو، تمام امور اللہ عزّ کی تقسیم ہیں۔ بندہ اس قسم کے حسد سے صرف اس وقت نجات پا سکتا ہے۔ جب وہ ذاتِ حق پر اکتفا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو مقدم کیا ہے۔ تو یہ اس کی سخاوت اور انعام کا تقاضا ہے۔ لہٰذا اے مرید، جب تو دیکھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کا مرتبہ بلند کر دیا ہے۔ تو تجھے اس شخص کا حاشیہ بردار ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادتمندوں میں ظریف الطبع لوگوں کا یہی دستور رہا ہے۔

فصل

مرید کا کام ایثار کرنا ہے۔

یاد رکھیں۔ کہ جب ایسا اتفاق ہو۔ کہ مرید کچھ لوگوں کے اندر ہے۔ تو اُسے سب کچھ ایثار کر دینا چاہیئے۔ اوروں کو خواہ وہ بھوکے ہوں۔ خواہ سیر اپنے سے مقدم جاننا چاہیئے۔ اور جو شخص بھی اپنے آپ کو شیخ بنائے ہوئے اس کی شاگردی کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ خود اس سے زیادہ علم کیوں نہ رکھتا ہو۔ یہ بات اسے اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب وہ اپنی قوت اور

چالاکی سے بیزار ہو۔ اور اس مرتبہ تک پہنچنا بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت اور احسان سے ہی ہو سکتا ہے۔

فصل

سماع میں مُرید کے آداب

اب رہا یہ سوال، کہ سماع میں مُرید کے کیا آداب ہونے چاہئیں۔ سو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ سماع میں مرید کی حرکات کا صحیح وسالم رہنا اپنے اختیار کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا جب اس پر حرکت کرنے کی کیفیت طاری ہو اور اس میں اپنی .... قوت باقی نہ رہی ہو۔ تو اس مرید کو حرکت کے غلبہ کی مقدار کے مطابق معذور سمجھا جائے گا۔ مگر جب یہ غلبہ زائل ہو جائے تو پھر مرید کو چاہیئے۔ کہ بیٹھ جائے۔ اور غلبہ ساکن ہو جائے۔ لیکن اگر وہ وجد کی لذت کی خاطر پھر بھی حرکت جاری رکھے۔ حالانکہ اس پر نہ حرکت کا غلبہ ہے۔ اور نہ اس کی ضرورت، تو یہ بات اس کے لئے درست نہیں۔ اور اگر وہ اسے اپنی عادت بنالے گا، تو یہ اوروں کے پیچھے رہ جائے گا۔ اور کسی قسم کے حقائق کا اُسے مکاشفہ نہ ہو گا۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا، کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔

مختصر بات یہ ہے کہ (سماع میں) خواہ مرید حرکت کرنے لگے۔ خواہ شیخ اس سے ان کے رتبہ میں کمی اور ان کی حالت میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اگر یہ حرکت رقت کے اشارہ یا ایسے غلبہ کی وجہ سے پیدا ہو۔ جس سے وہ عقل کھو بیٹھے تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی طرح اگر مرید کو شیخ نے حرکت کرنے کا حکم دیا ہو۔ (اور مرید حرکت کرے۔) تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شیخ ایسا ہو۔ جسے اس قسم کے مریدوں کو حکم کرنے کا حق حاصل ہے۔

لیکن جب فقراء اسے اس بات کا حکم دیں۔ کہ وہ حرکت کرنے میں ان کی موافقت کرے۔ تو اُسے کھڑے ہو جانے میں ان کا ساتھ دینا چاہیئے۔ نیز ان چیزوں

کے ادا کرنے میں جن سے کوئی چارۂ کار نہیں ہو سکتا۔ ایسے امور جن میں اسے اس بات کا خیال ہو۔ کہ کہیں ان کے دل اس سے متنفر نہ ہو جائیں۔ مزید براں اس کا صدق فقراء کو اس سے یہ درخواست کرنے سے باز رکھے گا۔ کہ وہ ان سے موافقت کرے۔ کیونکہ یہ تو خود بخود ان کی موافقت کرے گا۔

خرقہ اتار پھینکنے کے متعلق حکم یہ ہے

سماع میں خرقہ اتار پھینکنا۔

کہ جب مرید کسی چیز سے نکل آئے۔ تو پھر اسے دوبارہ اس چیز کی طرف قطعاً نہیں لوٹنا چاہیئے۔ ہاں اگر شیخ اس چیز کی طرف لوٹنے کا اسے حکم دے۔ تو وہ دل میں یہ خیال کرے۔ کہ میں اسے عاریتاً لے رہا ہوں، لے سکتا ہے۔ اور بعد میں شیخ کا دل برداشتہ کئے بغیر اسے پھر چھوڑ دے۔ جب ایسا اتفاق ہو جائے۔ کہ وہ ان لوگوں میں ہے۔ جنہیں خرقہ اتار پھینکنے کی عادت ہے۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ وہ پھر سے پہنتے ہیں، پس اس صورت میں اسے خرقہ پھینکنے میں ان کی موافقت کرنی چاہیئے۔ اور پھر جب وہ دوبارہ اٹھائیں۔ تو یہ اپنا خرقہ قوال کو دیدے۔ اور اگر یہ پھینکے ہی نہیں۔ تو جائز ہے کیونکہ اسے معلوم ہے۔ کہ یہ لوگ پھینکنے کے بعد لوٹا لیتے ہیں۔ بڑی بات تو در حقیقت ان کا خرقوں کا لوٹا لینا ہے۔ نہ کہ اس کا ان کی مخالفت کرنا بہر حال بہتر یہی ہے کہ یہ خرقہ پھینکنے میں ان کی موافقت کرے۔ اور پھر لوٹائے نہیں

مرید کے لئے اس صورت میں بھی درست نہیں۔ کہ قوال سے مکرر بول کو کہنے کا تقاضا کرے۔ اس لئے کہ اس کے حال کا صدق قوال کو تکرار پر مجبور کریگا۔ اور اوروں کو تقاضا کرنے پر مجبور کرے گا۔ جو اس حالت میں مرید سے برکت حاصل کرنا چاہے۔ اس نے مرید پر ظلم کیا۔ اس لئے کہ مرید میں قوت نہیں ہوتی۔ کہ وہ ریا کو روک سکے۔ لہذا مرید کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ جاہ پسندی کو ترک کر دے۔

فصل

اگر کوئی مرید جاہ یا (معلوم) دنیاوی مال و دولت یا نوخیزوں کی صحبت یا

عورت کی محبت یا معلوم کے ساتھ سکون و اطمینان محسوس کرنے میں مبتلا ہو جائے۔ اور وہاں کوئی ایسا شیخ بھی نہ ہو۔ جو اُسے اس کی حالت پر آگاہ کرے تاکہ وہ اس سے نجات پاسکے۔ اس وقت مرید کے لئے سفر کرنا اور اس جگہ سے ہٹ جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ اس کی حالت میں پریشانی پیدا ہو۔

مریدوں کے دلوں کے لئے ان کی بشریت کے محو ہو جانے سے پہلے جاہ کے حاصل ہونے سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان دہ نہیں۔

مرید کا علم اس کے مرتبہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

آداب مُرید میں سے یہ بھی ہے۔ کہ اس طریقہ میں اس کا علم اس کی منزل سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ جب وہ ان لوگوں کے حالات جان لے گا۔ اور پیشتر اس کے کہ وہ صوفیاء کے مسائل اور احوال کے ساتھ پورے طور پر متصف ہو جائے۔ ان کے مسائل اور احوال کو جاننے کی کوشش کرے تو اس کا معانی تک پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ اسی لئے تو مشائخ فرماتے ہیں۔ جب کوئی عارف معرفت کی باتیں کرے۔ تو تم اُسے جاہل کہو۔ کیونکہ منزلوں کی خبریں بتانا معارف سے کم درجہ رکھتا ہے اور جس کا علم منزل پر آجائے وہ شخص صاحب علم کہلائے گا۔ صاحب سلوک نہیں کہلائے گا۔

فصل

آداب مُرید میں سے ایک امر یہ بھی ہے۔ کہ وہ صدر بننے (مسند نشینی) کی خواہش نہ کرے۔ اور نہ ہی اس بات کے درپئے ہو۔ کہ کوئی اس کا شاگرد یا مُرید ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب کوئی مُرید مُراد بن گیا۔ حالانکہ ابھی تک اس کی بشریت فنا نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی اس کی آفتیں ساقط ہوئی ہیں۔ تو وہ شخص حقیقت سے حجاب میں ہو جائے گا۔ اس کے اشارات اور تعلیم کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

فصل

جب کوئی مرید فقراء کی خدمت کرے۔ تو فقراء کے خیالات اس کے پاس ان کے قاصد بن کر آئیں گے۔ لہٰذا جس بات کا حکم مرید کا باطن دے یعنی یہ کہ وہ ان کی خدمت کرنے میں خلوص سے پیش آئے۔ اور اس میں اپنی تمام طاقت خرچ کر دے۔ تو مرید کو اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔

مرید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب وہ فقراء کی خدمت کرنا اپنا طریقہ بنائے۔ تو پھر ان کی سختی پر صبر کرے۔ اور عہد کرے کہ وہ ان کی خدمت میں اپنی روح تک خرچ کر دے گا۔ اور پھر بھی اگر وہ اس کی باتوں کو پسند نہ کریں۔ تو وہ اپنی کوتاہی کا عذر پیش کرے گا۔ اور ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے اپنی غلطی کا اعتراف کرے گا۔ خواہ اُسے اپنی بےگناہی کا علم ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر وہ اس سے اور بھی سختی سے پیش آئیں۔ یہ ان سے اور زیادہ نیکی سے پیش آئے۔ اور ان کی اور زیادہ خدمت کرے۔

میں نے امام ابو بکر بن فورک کو فرماتے سُنا۔ کہ مثال ہے۔ کہ جب تو ہتھوڑے کی چوٹوں پر صبر نہیں کر سکتا۔ تو تو آہرن کیوں بنتا ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

ربما جئتہ لا سلفہ العذ ربعض الذنوب محنوب قبل التجنی

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گناہ کئے بغیر ہی میں اس کے پاس اپنے گناہوں کا عذر پیش کرنے کے لئے آ جاتا ہوں۔

فصل

تصوّف کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام سے اجتناب پر ہے۔

طریقت کی بناء آداب شریعت کی حفاظت اور حرام اور شبہ کی طرف ہاتھ پھیلانے سے بچنے۔ حواس کو ممنوع چیزوں سے بچانے، اور غفلت

ترک کرکے اپنے سانسوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شمار کرنے پر ہے۔ نیز یہ کہ مرید ضرورت کے وقت بھی ایک رائی بھر بھی ایسی چیز جس میں شبہہ ہو۔ حلال نہ سمجھے۔ چہ جائیکہ اختیار اور راحت کے وقت۔

مرید کا خاصہ یہ ہے۔ کہ شہوات کے ترک کرنے میں ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔ اس لئے کہ جس نے اپنی خواہشات کا ساتھ دیا۔ اس کے باطن کی صفائی جاتی رہی۔ مرید کے لئے بدترین خصلت یہ ہے۔ کہ وہ ایسی خواہش کی طرف رجوع کرے۔ جسے وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ترک کر چکا ہے۔

فصل

مرید ان عہدوں پر جو اس نے اللہ کے ساتھ کئے ہیں قائم رہے۔

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جو عہد وہ اللہ سے کر چکا ہے ان پر قائم رہے۔ کیونکہ طریقت میں عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے۔ جیسا اہل ظاہر کے نزدیک دین سے پھر جانا۔ (یعنی مرتد ہو جانا)۔ مرید کو جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا عہد نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ امور جو شریعت نے لازم قرار دئیے ہیں۔ مرید کی تمام قوت کو صرف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"ابتدعوها ما کتبناها علیهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعایتها" (رہبانیت کو) انہوں نے خود بخود گھڑ لیا تھا۔ حالانکہ ہم نے رہبانیت ان پر فرض قرار نہیں دی تھی۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنا ان پر فرض کیا تھا۔ مگر انہوں نے (اس خود ساختہ رہبانیت) کا جیسا کہ حق تھا۔ خیال نہ رکھا۔

فصل

مرید کا ایک خاصہ یہ بھی ہے۔ کہ امیدوں کو کم کرے کیونکہ وہ تو وقت کا

بیٹا ہوتا ہے۔ لہٰذا، اگر مرید کسی آئندہ چیز کی تدبیر کرے۔ اور جس حالت میں وہ اس وقت ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کی طرف امید لگائے رکھے یا کسی نئی چیز کی اُمید ہو۔ تو اس مرید سے کچھ نہ بن آئیے گا۔

فصل

مُرید کی شان یہ بھی ہے۔ کہ اس کے پاس دولت نہ ہو۔ خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ وہ فقراء کے درمیان ہو۔ کیونکہ دولت کی تاریکی وقت کے نُور کو بجُھا دیتی ہے۔

فصل

مُرید کی شان یہ بھی ہونی چاہیئے۔ بلکہ اس مذہب کے تمام سالکین کی یہ شان ہونی چاہئے۔ کہ وہ عورتوں کی نرم نرم باتوں کو قبول نہ کریں، چہ جائیکہ ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرے۔ ان کے شیوخ کا یہی طریقہ رہا ہے اس کی انہوں نے وصیت کی ہے۔ اور جس نے اس کو معمولی بات سمجھا۔ وہ عنقریب ایسے امور سے دوچار ہوگا۔ جو اُسے رُسوا کر دیں گے۔

فصل

مرید کو دنیا داروں سے دُور رہنا چاہیئے۔

مرید کی یہ بھی شان ہونی چاہیئے۔ کہ وہ دنیا داروں سے دُور رہے۔ کیونکہ ان کی صحبت تجربہ شدہ زہر قاتل ہے۔ اس لئے کہ دنیا دار تو اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ اور اُسے اُن سے نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَلا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا۔"

آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ لگیں جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل

کر رکھا ہے۔ زاھد لوگ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے مال اپنی تھیلیوں سے نکالتے ہیں۔ اور اہل صفا اللہ کی مدد سے تحقیق کر کے اخلاق اور معارف کو دل سے نکالتے ہیں۔

استاد امام القاسم عبدالکریم بن ہوازی قشیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مریدوں کو میری یہ وصیت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ انہیں (ان پر عمل پیرا ہونے کی) توفیق دے۔ اور یہ کہ اللہ ان وصیتوں کو ان کے لئے وبال نہ بنائے۔

ہم ۴۳۸ھ کے شروع میں اس رسالہ کے لکھانے سے فارغ ہو گئے تھے۔ ہم اللہ کریم سے دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ اس رسالہ کو ہمارے خلاف حجت اور وبال نہ بنائے۔ بلکہ یہ دعا کرتے ہیں۔ کہ یہ رسالہ ہمارے لئے وسیلہ اور عنایت کا سبب ہو۔ خدا کی طرف سے مہربانی ایک مالوف چیز ہے۔ اور وہ درگذر کرنے سے موصوف ہے

والحمد للہ حق حمدہٗ وصلواتہ وبرکاتہ ورحمتہ علی رسولہ سیدنا محمد النبی الامی وآلہ الطاہرین وصحبہ الکرام المنتخبین وسلم تسلیماً دائماً کثیراً

حواشی

(۱) یعنی گھر تو ابظاہر دیکھنے میں ویسے ہی ہیں، مگر ان میں وہ حسن و خوبی جو میری محبوبہ کے قبیلہ کی عورتوں میں تھی نہیں پائی جاتی۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی صوفی اور اُن کے کمالات اب کہیں دکھائی نہیں دیتے (۲) مجسمہ: ایک فرقہ ہے جس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے مگر وہ دیگر اجسام کی طرح نہیں ہے۔ اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر اجسام کی طرح ایک جسم ہے مشبہ وہ فرقہ ہے جو اللہ کو حوادثات کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ معطلہ وہ لوگ ہیں جو صفات باری تعالیٰ کی نفی کرتے ہیں۔ اُن کا مقصد یہ ہے کہ ان صفات کو مان لینے سے ہم تعدد قدماء کے قائل بن جائیں گے (۳) جنید۔ ملاحظہ ہو نمبر ۱۱ (۴) ابو محمد جریری ملاحظہ ہو۔ نمبر ۲۴۳ (۵) ابو عبد الرحمٰن سلمی ملاحظہ ہو مقدمہ (۶) عبد اللہ بن موسیٰ سلامی شاعر مشہور۔ انھوں نے حسین بن اسمٰعیل المحاملی اور ابو محمد بن صاعد وغیرہما سے روایت کی۔ حدیث کی تلاش میں بہت سفر کیے۔ ادیب اور شاعر تھے۔ ۳۷۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۴: ۱۴۸۔ ۱۴۹ اور ۱۰: ۱۴۸۔ طبقات صوفیہ: ۲۸)
(۷) شبلی ملاحظہ ہو۔ حاشیہ ۲۶۷ (۸) ابو حاتم صوفی۔ ان کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ کون ہیں کتاب میں متعدد مقامات پر ابو نصر سراج سے روایت کرنے والوں میں ابو حاتم سجستانی کا نام آیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو حاتم صوفی اور ابو حاتم سجستانی ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ابو حاتم سجستانی کون ہیں؟ ایک ابو حاتم سجستانی وہ ہیں جنھوں نے ۲۴۸ھ میں وفات پائی۔ (ابن خلکان ۲: ۱۵۲) قشیری ۳۷۶ھ میں پیدا ہوئے۔ لہٰذا یہ ابو حاتم سجستانی وہی نہیں ہو سکتے کوئی اور ہیں جن کے حالات معلوم نہ ہو سکے یہ ابو نصر سراج کے مرید تھے۔ حافظ الحدیث اور فقہ کے ماہر تھے۔ (۹) ابو نصر طوسی۔ ابو نصر عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ طوسی السراج انھیں طاؤس الفقراء کہا جاتا ہے۔ کتاب اللمع فی التصوف انہی کی تصنیف ہے۔

جسے نکلسن نے ۱۹۱۹ء میں شائع کیا ہے۔ اور اب قاہرہ سے مصری ایڈیشن عبدالباقی سرور نے شائع کیا ہے۔ اُن کی وفات ۳۷۸ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۵۵۔ کشف المحجوب: ۱۷۴۔ نفحات الانس: ۲۶۲-۲۶۳) (۱۰) رویم۔ رویم بن احمد البغدادی۔ ملاحظہ ہو ۲۱۲ (۱۱) ابن عباس عبداللہ بن عباس۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ حضرت عباس کے یہ سب سے بڑے لڑکے ہیں۔ اور خالد بن ولید کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ اُن کو ان کی وسعتِ علمی کی بنا پر "البحر" کہا جاتا ہے۔ اور ان کا لقب "حبرالامۃ" ہے۔ اُن کی پیدائش اس زمانہ میں ہوئی جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں شعب ابی طالب میں تھے۔ اور یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے لعابِ دہن کی گھٹی دی۔ انھوں نے ستر سال کی عمر میں ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی۔ (اسدالغابہ: ۳: ۱۹۲-۱۹۵) ابن اثیر نے انھیں حضرت عباس کا سب سے بڑا لڑکا بتایا ہے مگر ابن کثیر (البدایہ والنہایہ: ۸: ۲۹۵) فرماتے ہیں کہ یہ آخری بچے تھے۔

(۱۲) محمد بن الحسین سے مراد ابوعبدالرحمٰن سلمی ہیں۔ جن کا ذکر مقدمہ میں ہو چکا ہے (۱۳) محمد بن عبداللہ الرازی۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز بن شاذان رازی۔ انھیں "رحالہ" (بہت سفر کرنے والا) کہا جاتا ہے۔ سلمی نے اُن سے صوفیاء کی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ یہ ابن شاذان رازی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ ۳۴۰ھ میں نیشاپور آئے اور وہیں اتوار کے دن ۲۳ جمادی الآخر ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۹ المنتظم: ۷: ۱۳۴ اور نفحات الانس: ۲۱۹ و تاریخ بغداد: ۵: ۴۶۴)

(۱۴) ابوالطیب المراغی اُن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (۱۵) ابوالحسن علی بن احمد بوشنجی ملاحظہ ہو۔ (طبقات الصوفیہ: ۴۵۸) (۱۶) محمد بن محمد بن غالب۔ ابوبکر محمد بن محمد بن غالب۔ انھوں نے حسین بن منصور سے روایت کی ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے اختتام پر ان کی وفات ہوئی۔ (۱۷) ابونصر احمد بن سعید الاسفنجانی۔ کتاب میں الاسفنجانی ہی دیا ہے۔ مگر شہر کا صحیح نام اسفیجاب ہے۔ لہٰذا الاسفیجانی ہونا چاہیے۔ (۱۸) حسین

بن منصور جو حلاج کے نام سے مشہور ہیں۔ صوفیا میں اُن کے بارے میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض انھیں عالی مرتبہ اور عالم ربانی قرار دیتے ہیں۔ اور بعض اُن کو مردود سمجھتے ہیں۔ یہ دراصل فارس کے علاقہ میں بیضاء کے رہنے والے تھے۔ اور واسطہ اور عراق میں نشو ونما پایا۔ یہ جنید اور ابوالحسین نوری وغیرہ کی صحبت میں رہے۔ اور ۲۴ ذوالقعدہ ۳۰۹ھ منگل کے دن بغداد میں باب الطاق پر انھیں سولی چڑھا دیا گیا نورالدین شریبہ نے طبقات الصوفیہ کے حاشیہ پر اُن کے حالات کے مآخذ کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ تاہم انھوں نے کسی مآخذ کا ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو الفہرست: ۱۷۲ کشف المحجوب: ۱۸۹ ببعد۔ ابوبکر بن ابی اسحٰق کلاباذی نے اپنی کتاب التعرف لمذہب التصوف میں الکاذکر قال بعض کبراءھم کے الفاظ سے کیا ہے (۱۹) یوسف بن الحسین ابو یعقوب یوسف بن الحسین الرازی مراد ہیں۔ ملاحظہ طبقات الصوفیہ: ۱۸۵ (۲۰) ذوالنون مصری۔ ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۱۵ (۲۱) ابو عبداللہ بن خفیف ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۴۶۲ (۲۲) ابوالعباس سیاری ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۴۴۰۔ (۲۳) ابو علی دقاق ملاحظہ ہو، مقدمہ (۲۴) ابوبکر واسطی ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۳۰۲ اور حاشیہ ۲۵۷ (۲۵) منصور بن عبداللہ: منصور بن عبداللہ، نورالدین نے انھیں ابو علی الخالدی سمجھ کر حاشیہ لکھا ہے اور کتاب قرار دیا ہے (صفحہ ۳۰) حالانکہ خود سلمی انھیں ابوالحسن منصور بن عبداللہ الدیرتی لکھتے ہیں (صفحہ ۹۸) (۲۶) ابوالحسن العنبری ابوالحسن علی محمد بن عبداللہ العنبری الطوسی یہ بغداد میں آئے۔ اور وہاں محمد بن زنجویہ القشیری نیشاپوری سے روایت کی اور اُن سے حسین بن احمد بن دینار المعدل نے روایت کی (تاریخ بغداد، ۱۲: ۷۲) (۲۷) سہل بن عبداللہ تستری: ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ ۲۰۶ (۲۸) ابوالحسن نوری۔ ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۱۶۴ اور ۲۵ (۲۹) ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک ملاحظہ ہو مقدمہ (۳۰) ابو عثمان مغربی ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۴۷۹ (۳۱) واسطی: ابوبکر واسطی ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۳۰۲ (۳۲) محمد بن عبداللہ: ابوبکر محمد بن عبداللہ الرازی: طبقات الصوفیہ: ۱۸-۹ (۳۳) ابو جعفر صیدلانی: ابو جعفر محمد بن الصباح الصیدلانی۔ سید علی ہجویری (کشف المحجوب صفحہ ۲۱۴) میں فرماتے

ہیں۔ کہ یہ صوفیاء کے سرداروں میں سے تھے۔ اور ان کا میلان حسین بن منصور حلاج کی طرف بہت زیادہ تھا جامی (نفحات الانس ص ۱۶۳) فرماتے ہیں کہ یہ ابوالحسن صائغ متوفی ۳۳۰ سنہ ھ کے استاد تھے۔ اس لحاظ سے ان کی وفات تیا سائنہ ۳۳ سنہ ھ سے پہلے واقع ہونی چاہیئے۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔ (۱۴: ۱۴۱) کہ یہ ابن عطاء متوفی ۳۰۹ سنہ ھ کے ہمعصروں میں سے تھے۔ ابو سعید خراز متوفی ۲۷۷ کی صحبت میں رہے۔ لہذا ان کی وفات تخمیناً ۳۰۹ سنہ اور ۳۳۰ سنہ کے درمیان واقع ہونی چاہیئے خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ یہ کئی سال مکہ میں رہے۔ اور حصن میں وفات پائی۔ (مکہ میں یزید بن منصور کے گھر کی پچھلی جانب معجز نامی مقام کے پاس ایک گھاٹی ہے۔ جس کا نام حصن ہے) (معجم البلدان: ۷ : ۲۶۴) خطیب کے بیان کے مطابق یہ ابن الاعرابی متوفی ۳۴۱ سنہ کے بھی استاد تھے۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے۔ کہ سید علی ہجویری (کشف المحجوب: ۳۳۴) فرماتے ہیں۔

"ومن ابو جعفر صیدلانی را" دیدم با چہار ہزار اندر عراق پراگندہ کہ از حلاجیان بودند جملہ بر فارس بدیں مقالت لعنت می کردند"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ سید علی ہجویری جو ایک سو سال سے زائد عرصہ بعد میں ہوتے ہیں۔ ابو جعفر صیدلانی کو کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ البتہ عالم ارواح میں دیکھا ہو۔ تو ہو سکتا ہے۔ (۳۴) یہ قول رسالہ قشیریہ اور نفحات الانس میں ص۶ میں اس طرح دیا ہے۔ اور یہی درست ہے لیکن صفۃ الصفوۃ (۲ : ۲۴۵ - ۲۴۶) میں یہ قول اس طرح دیا ہے۔

من ظن انہ ببذل الجھد یصل فمتعن ومن ظن انہ بغیر بذل الجھد یصل فمتعن مگر اس طرح معنی درست نہیں ہوتے۔

(۳۵) واسطی: ابو بکر محمد بن موسیٰ الواسطی ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۳۰۲ - اور حاشیہ نمبر ۲۵۷ (۳۶) عبدالواحد بن علی السیاری نیشاپوری ابو العباس سیاری کے بھانجے ہیں ان کی وفات ۳۷۵ سنہ ھ میں ہوئی۔ طبقات الصوفیہ:

۳۰۹ نفحات الانس) (۳۷) القاسم بن القاسم: ابو العباس القاسم بن القاسم الیاری ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۴۴۰، احمد بن سیار کے نواسے تھے (۳۸) محمد بن الحسین الجوہری: ابو بکر محمد بن الحسین الجوہری بغداد کے رہنے والے تھے۔ اور ذوالنون مصری کے شاگرد تھے۔ ابو بکر واسطی باوجود جلالت قدر کے ان سے روایات کرتے ہیں۔ (نفحات الانس: ۱۲۷) خطیب بغدادی نے ایک سند میں انہیں محمد بن الحسن الجوہری لکھا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۱۵۳) حمزہ اصفہانی فرماتے ہیں۔ کہ یہ ابو بکر محمد بن الحسن بن علی بن یزید جوہری اصفہانی ہیں۔ انہوں نے یونس بن بن حبیب اور محمد بن عامر (م ۲۶۷ھ) سے روایت کی۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۲۴۰)

(۳۹) یعنی خود خالق افعال بنتے ہیں۔ خدا کو خالق افعال نہیں مانتے۔ جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ لہٰذا جب وہ خود خالق ٹھہرے۔ تو درپردہ ربوبیت کا دعویٰ ہو گیا۔ لہٰذا ان میں اور فرعون میں دعویٰ ربوبیت کرنے میں کوئی فرق نہ ہوا

(۴۰) عبدالواحد بن بکر: ابو الفرج عبدالواحد بن بکر الورثانی الصوفی۔ انہوں نے بہت سی احادیث لکھیں۔ شام میں احمد بن منصور شیرازی کے رفیق رہے۔ شیخ ابو بکر اسماعیلی کے زمانہ میں ۳۶۵ھ میں جرجان آئے اور وہیں اخبار احادیث اور حکایات سنیں۔ اور ان کی روایت کی۔ ان کی وفات حجاز میں ۳۷۲ھ میں ہوئی۔ (تاریخ جرجان: ۲۱۱ و طبقات الصوفیہ: ۲۷) (۴۱) ہلال بن احمد: ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے: (۴۲) ابو علی سعد باری: ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ، صفحہ ۴۵۴، اور حاشیہ نمبر ۴ ۲۷ (۴۳) ابو القاسم نصر آبادی ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۴۸۴ (۴۴) محمد بن الحسین سے یہاں مراد ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی ہیں۔ (۴۵) "تفرقہ" اور جمع کیلئے ملاحظہ ہو نمبر ۳۶ اور رسالہ: ۳۸ (۴۶) ابو اسحٰق اسفرائنی ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الاسفرائنی۔ ان کی وفات نیشاپور میں عاشورہ کے دن ۴۱۸ھ میں ہوئی۔ معجم البلدان: ۲: ۱۷۸۔ نیز ملاحظہ ہو مقدمہ (ابن خلکان: ۱: ۸ ، شذرات: ۳: ۲۱۰) البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۲۴)

(۴۷) محمد الفراء: ابوبکر محمد بن احمد بن حمدون الفراء: نیشاپور کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ ابو علی ثقفی، عبداللہ بن منازل ابوبکر شبلی وغیرہم کی کی صحبت میں رہے۔ ۳۷۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ طبقات الصوفیہ: ۵۰۷، نفحات الانس: ۱۸۵) (۴۸) ابوحسین فارسی: محمد بن احمد بن ابراہیم ابوالحسین الفارسی۔ یہ ابوبکر محمد اسحٰق الکلاباذی مصنف کتاب التعرف کے استاد تھے۔ ان کی وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۷۹) (۴۹) ابراہیم بن فاتک: ابوالفاتک کنیت۔ بعض ابوالقاسم بتاتے ہیں۔ ابراہیم بن فاتک بن سعید بغدادی اور بعض احمد بن فاتک کہتے ہیں۔ حسین بن منصور حلاج کے شاگرد اور خادم تھے۔ اور جنید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ جنید اُن کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۶۸ اور ۳۰۹ نفحات الانس ۱۵۱) (۵۰) احمد بن محمد بن علی البردعی: ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن ھارون البرذعی الحافظ۔ انہوں نے دمشق میں ابوالحسن علی بن مہرویہ قزوینی سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے ابوالحسین المیدانی اور مکی بن محمد وغیرہ نے (طبقات الصوفیہ: ۱۱۲ نفحات الانس: ۱۴۵) (۵۱) یحییٰ بن معاذ ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ ۱۰۷ (۵۲) ابوبکر رازی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز بن شاذان۔ واعظ تھے۔ اور اکثر سیاحت میں رہتے۔ اور صوفیاء کی حکایت کی روایت کرتے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے ان سے کثرت سے روایت کی ہے۔ ۳۴۰ھ میں نیشاپور آئے۔ اور وہیں اتوار کے روز ۲۳ر جمادی الاخریٰ ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۹ از تاریخ بغداد؛ ۵: ۴۶۴ اور میزان الاعتدال: ۳: ۸۵) (۵۳) ابو علی رودباری ابو علی احمد بن محمد القاسم الرودباری: ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۳۵۴ اور حاشیہ ۲۷۴ (۵۴) ابن شاہین۔ ابوجعفر احمد بن شاہین۔ بن سبخت انہوں نے کثرت سے حدیث کی روایت کی ہے۔ سلمہ لوین، ابومسعود اور ابان

بن الخصیب سے روایت کرتے ہیں۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔ (اخبار اصفہانی : ۱ : ۹۹) یہاں ابن شاہین سے ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان الواعظ مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ولادت ۲۹۷ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۳۸۵ھ میں تاریخ بغداد : ۲۶۵

(۵۵) جعفر بن نصیر: ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی الخواص، ملاحظہ ہو صفحہ طبقات الصوفیہ : ۴۳۴ (۵۶) امام جعفر صادق رح ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الصادق اپنے قول و فعل میں سچائی کی وجہ سے ان کا لقب الصادق پڑا۔ انہوں نے حدیث کی روایت اپنے باپ محمد۔ زہری، محمد بن المنکدر وغیرہم سے کی، اور ان سے ان کے بیٹے موسیٰ، یحییٰ بن سعید انصاری، شعبہ، مالک، ثوری وغیرہم نے کی۔ ان کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ : ۴۹۸) (۵۷) استاد ابوعلی سے مراد ابوعلی دقاق ہیں۔ ملاحظہ ہو مقدمہ۔ (۵۸) ابوالعباس بن خشاب البغدادی: ابوالعباس محمد بن الحسن بن سعید الخشاب المخرمی الصوفی۔ رسالہ قشیریہ میں کئی ایک جگہ ان کو محمد بن الحسین لکھا ہے۔ مگر صحیح محمد بن الحسن ہے۔ ابو جعفر محمد بن عبداللہ فرغانی اور ابوبکر شبلی سے انہوں نے بہت سی حکایات کی ہیں۔ پہلے نیشاپور میں مقیم ہو گئے تھے۔ پھر مکہ چلے گئے۔ اور وہیں ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔ بعض نے انہیں ابوالعباس محمد بن الحسین بن محمد بن سعید الصوفی، البغدادی المعروف بابن خشاب لکھا ہے وہ اصل بغداد کے تھے لیکن نیشاپور میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ نہایت ظریف اور کامل عقل و دین والے تھے۔ سنت کی نہایت تعظیم کرتے۔ اور اس بارے میں بڑے متشدد تھے۔ ایک عرصہ تک خراسان کے علاقوں میں رہے۔ اور کثرت سے حدیث سنی (طبقات الصوفیہ: ۲۹ اور تاریخ بغداد : ۲ : ۲۰۹) (۵۹) ابوالقاسم بن موسیٰ، محمد بن احمد اور انصاری کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (۶۰) محمد بن علی الحافظ۔ ابوعلی

محمد بن علی بن الحسین بن شاذان الحافظ الاسفرائنی - انہیں ابن السقاء کہا جاتا ہے۔ حافظ ابو عوانہ کے شاگرد تھے۔ شافعی فقہ کے عالم اور دیندار تھے۔ ان سے حاکم نے روایت کی ہے - یہ بیہقی کے استاد علی بن محمد السقاء کے والد ہیں۔ انہوں نے کثرت سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور صالحین کی صحبت میں رہتے تھے۔ ان کی وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی - (تذکرہ الحافظ: ۳ : ۱۹۶ - ۱۹۷) (۶۱) ابو معاذ قزوینی - ابو علی دلال اور ابو عبداللہ بن قہران ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (۶۲) ابراہیم خواص ابو اسحاق ابراہیم بن احمد الخواص (ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۲۸۴)

(۶۳) ابن عطاء - ابو العباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء الادمی ملاحظہ ہو - طبقات الصوفیہ: ۲۶۵) اور حاشیہ نمبر ۲۴۶ (۶۴) جعفر بن محمد - ابو محمد جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی الخواص ملاحظہ ہو - طبقات الصوفیہ ۴۳۴)

(۶۵) ابو اسحٰق ابراہیم بن ادہم - ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو - طبقات الصوفیہ ۲۷ اور وہ مصادر جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے نیز نفحات الانس: ۴۲ - ۴۴ - اور کشف المحجوب ۱۲۸ - ۱۳۰) -

(۶۶) سفیان ثوری: سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب بن رافع الثوری۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ اور کوفہ کے رہنے والے تھے اپنے زمانہ میں چوٹی کے عالم مانے جاتے تھے۔ ان کا حافظہ غضب کا تھا۔ جو کچھ سنتے یاد ہو جاتا۔ انہیں سلسلہ اماموں میں مانا جاتا ہے۔ ۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۲۷) (۶۷) فضیل بن عیاض ملاحظہ ہو۔ نمبر ۸۳ (۶۸) ابو الحسین علی بن محمد المصری اصل کتاب میں ابو الحسین ہی دیا ہے۔ مگر صحیح ابو الحسن ہے پورا نام ابو الحسن علی بن محمد بن الحسن الواعظ المصری۔ دراصل بغداد کے رہنے والے

تھے۔ مگر چونکہ ایک مدت تک مصر میں مقیم رہے۔ لہٰذا جب بغداد واپس آئے تو مصری مشہور ہو گئے۔ یہ ثقہ اور امین تھے۔ انہوں نے زھد میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جب یہ وعظ فرماتے تو مرد اور عورت سب ہی سننے کے لئے آجاتے۔ مگر چونکہ یہ ایک خوبصورت شخص تھے۔ اور وعظ میں بہت کشش ہوتی اس لئے اس خیال سے کہ کہیں عورتوں میں فتنہ بپا نہ ہو جائے۔ یہ اپنے چہرہ پر نقاب اوڑھ لیا کرتے۔ ان کی ولادت ۲۵۱ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۳۳۸ھ میں۔ (البدایہ : ۱۱ : ۲۲۲۔ طبقات الصوفیہ : ۲۹ : شذرات الذھب : ۲ : ۱۴۷) (۶۹) ابراہیم بن بشار۔ ابو اسحٰق۔ ابراہیم بن بشار بن محمد الخراسانی الصوفی۔ الرمادی یہ ابراہیم بن ادہم کے خادم اور سفیان بن عیینہ کے شاگرد تھے اور کہا کرتے۔ کہ ان کی ولاء معقل بن یسار کے ساتھ ہے۔ (تاریخ بغداد : ۶ : ۴۷) ان کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذھب : ۲ : ۵۹) (۷۰) محمد بن حامد ابو بکر محمد بن حامد ترمذی مراد ہے۔ یہاں پر حامد نے احمد بن خضرویہ سے قول کی روایت کی ہے۔ لہٰذا یہ ابو بکر محمد بن حامد ترمذی ہی ہو سکتے ہیں۔ کوئی اور مراد نہیں ہو سکتا۔ مگر نور الدین شریبہ نے طبقات الصوفیہ (صفحہ : ۳۷) کے حاشیہ میں پہلی غلطی تو یہ کی کہ یہاں پر ابو احمد محمد بن حامد بن محمد بن ابراہیم ابو احمد السلمی الخراسانی مراد لیا۔ اور کہہ دیا۔ کہ یہ سن کر احادیث کی روایت کیا کرتے تھے۔ حالانکہ خود طبقات الصوفیہ میں اس قسم کی سند میں وضاحت کے ساتھ ترمذی کا لفظ موجود ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۱۰۱ جہاں یوں دیا ہے۔ سمعت منصور بن عبد اللّٰہ یقول سمعت محمد بن حامد الترمذی یقول قال احمد بن خضرویہ اور محمد بن حامد ترمذی پر طبقات الصوفیہ میں مستقل ترجمہ دیا ہے۔ (ص ۲۸۰) نیز ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس : ۱۵۵ (۷۱) ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ : ۱۰۳ ابن کثیر نے ان کی وفات کا واقعہ اس طرح دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ : ۱۰ : ۱۴۵) ان کی وفات بحر روم کے ایک جزیرہ میں کفار سے جنگ کرتے ہوئے ہوئی۔

وہاں انہیں اسہال کی شکایت ہوگئی۔ چنانچہ بیس بار اجابت کے لیے جانا پڑا۔ ہر بار جب اجابت سے فارغ ہوتے وضو کرتے۔ جب موت کی غشی کا وقت آیا۔ تو کہا مجھے میری کمان اور تیر دو کمان کو ہاتھ میں لے کر تیر چلانا چاہتے ہی تھے۔ کہ روح پرواز کر گئی

(۷۲) فوجی سپاہی۔ رسالہ قشیریہ میں اس طرح دیا ہے۔ مگر حلیۃ الاولیاء (۷: ۳۷۸) اور صفۃ الصفوۃ (۴: ۱۲۹) دونوں میں یزید کا نام دیا ہے۔ مصنف شذرات الذہب (۱: ۲۵۵) اور دیگر مصنفین نے ابن ادہم کی تاریخ وفات ۱۶۲ھ دی ہے۔ اس زمانہ میں کئی ایک کا نام یزید تھا۔ مثلاً یزید بن خالد القسری یزید بن عمر بن ھبیرہ بن یزید بن حاتم، یزید بن اسید السلمی وغیرہ۔ مگر یہ کہ اس مقام پر کون سا یزید مراد ہے۔ میں اس کی تعیین نہیں کر سکا۔ (۷۳) المتوکل: اصل نام جعفر بن المعتصم بن الرشید بن محمد المہدی بن المنصور العباسی المتوکل علی اللہ لقب ۲۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے بھائی الواثق باللہ کی وفات پر ۲۳۲ھ میں خلیفہ بنے۔ اور ۲۴۷ھ میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کی مدتِ خلافت چودہ سال دس ماہ اور تین دن تھی۔ (۷۴) احمد بن محمد قشیری نے صرف اسی قدر دیا ہے۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء (۹: ۳۴۱۔ بعد) میں اسی سند میں احمد بن محمد بن مصقلہ دیا ہے اس طرح نام کی تعیین بھی ہوگئی۔ پھر ابو نعیم نے اخبار اصفہان (۱: ۱۲۸) میں اس کا نام یوں دیا ہے۔ احمد بن محمد بن مصقلہ بن مسلم بن عبد اللہ بن المستور التیمی۔ تیم الرباب میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابو علی اور نسبت الوازاری ہے۔ انہوں نے عراقیوں اور حجازیوں سے حدیث لکھی اور ۳۰۶ھ میں وفات پائی (۷۵) سعید بن عثمان۔ ابو عثمان سعید بن عثمان بن عیاش الخیاط۔ انہوں نے ذوالنون مصری سے روایت کی ہے۔ اور ان سے احمد بن محمد مذکور نے ان کی وفات ۲۹۴ھ میں ہوئی۔ طبقات الصوفیہ: ۲۰) (تاریخ بغداد: ۹: ۹۹) (۷۶) ابو بکر خطیب بغدادی نے اس قول کو حسین بن منصور الحلاج کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور وہاں اس طرح دیا ہے سمعت الحسین

بن منصور الحلاج یقول: علم الاوّلین والاخرین مرجعه الی اربع کلمات: حب الجلیل و بغض القلیل و اتباع التنزیل و خوف التحویل (تاریخ بغداد: ۸: ۱۱۴-۱۱۵) (۷۷) سعید بن احمد بن جعفر۔ سعید بن احمد بن محمد بن جعفر ابو عثمان النیساوری۔ یہ بغداد آئے اور وہاں لوگوں کو حدیث سنائی۔ حج سے واپسی پر جمادی الاولی ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۲۰ و تاریخ بغداد: ۹: ۱۱۱) (۷۸) محمد بن احمد بن محمد سہل:۔ ابو الفضل کنیت اور صیدنی نسبت۔ در اصل نیشا پور کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے ذو النون مصری کے شاگرد سعید بن عثمان بن عیاش الخیاط سے روایت کی۔ ثقہ راوی تھے۔ ان کی وفات محرم ۳۴۷ھ میں ہوئی (طبقات الصوفیہ: ۲۰ اور تاریخ بغداد: ۱: ۳۴۰) (المنتظم: ۶: ۳۸۹) (۷۹) ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن شاذان یہ وہی ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن عبد العزیز بن شاذان رازی ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو نمبر ۵۲

(۸۰) علی بن عمر الحافظ ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی الحافظ الدار قطنی یہ امام وقت اور یکتائی روزگار تھے۔ علم حدیث اور علم جرح و تعدیل میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اسماء رجال اور راویوں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ صدق اور امانت عدالت اور فقہ میں مشہور تھے۔ ان کی ولادت ۳۰۶ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۳۸۵ھ میں (طبقات الصوفیہ: ۱۵: اور تاریخ بغداد: ۱۲: ۳۴-۴۰) تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۸۶) (۸۲) ابن رشیق الحسین بن رشیق ابو محمد العسکری المصری۔ طبقات الصوفیہ میں الحسن بن رشیق المصری دیا ہے۔ جن کے متعلق نور الدین شریبہ بحوالہ میزان الاعتدال (۱: ۲۲۸) لکھتے ہیں۔ کہ حافظ عبد الغنی بن سعید نے انہیں قدرے کمزور شمار کیا ہے مگر ایک جماعت نے انہیں ثقہ بھی کہا ہے۔ دار قطنی نے ان کی اس بات کو اچھا نہیں سمجھا کہ یہ اپنی اصل میں تغیر و تبدل کرتے رہتے تھے۔ مگر نور الدین شریبہ سے غلطی ہوئی

تذکرۃ الحفاظ (۳ : ۱۵۹ - ۱۶۰) میں ان کا ترجمہ دیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ انہوں نے
ابو عبدالرحمن نسائی و ابو دجانہ احمد بن ابراہیم المعافری اور کثیر التعداد لوگوں سے
روایت کی۔ اور ان سے دارقطنی اور عبدالغنی بن سعید وغیرہ نے۔ پھر لکھتے ہیں۔
قال ابو القاسم بن طحان فی تاریخہ: روی عن خلق لا استطیع ذکرہم فما رائیت عالمًا اکثر
حدیثًا منہ۔ (انہوں نے اس قدر مخلوق سے روایت کی ہے کہ ان کا ذکر کرنے کی مجھ
میں طاقت نہیں۔ میں نے کسی عالم کو ان سے زیادہ حدیث والا نہیں دیکھا) ان
کی ولادت صفر ۲۸۳ھ میں ہوئی اور وفات جمادی الاخری ۳۷۰ھ میں۔
(شذرات: ۳: ۷۱) (۸۲) ابو دجانہ احمد بن ابراہیم المعافری مراد ہیں۔ جن
سے ابن رشیق نے روایت کی ہے۔ (۸۳) فضیل بن عیاض: ان کے حالات کے لئے
ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۱۲۰ نفحات الانس: ۳۸ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء:
۷۶ شرح التعرف: ۱: ۹۲ اور طبقات الصوفیہ: ۶ اور وہ مقامات
جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۸۴) ابو بکر محمد بن جعفر: ابو بکر محمد بن جعفر بن الحسین
البغدادی الوراق انہوں نے ابو جعفر الطحاوی اور حسن بن علی المعری سے حدیث سنی
اور ان سے ابو عبدالرحمن السلمی وغیرہ نے۔ نور الدین شریبہ نے ان پر کوئی حاشیہ
نہیں دیا۔ ان کی وفات ۳۷۰ھ میں مرو سے بخارا کو جاتے ہوئے جنگل میں ہوئی۔
تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۶۰) شذرات: ۳: ۷۴) (۸۵) الحسن بن عبداللہ
العسکری: ابو احمد الحسن بن عبداللہ بن سعید العسکری ان کی بہت سی تصانیف ہیں
انہوں نے عبدان اہوازی اور ابو القیم بغوی سے روایت کی ۳۸۲ھ میں ان
کی وفات ہوئی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۱۰۲) اخبار اصفہان میں ان کی
تاریخ وفات ۲۸۰ھ دی ہے۔ جو غلط ہے۔ اخبار اصفہان: ۱: ۲۷۲) (۸۶)
ابن اخی ابی زرعہ: ابو القاسم بن محمد بن عبدالکریم یہ ابو زرعہ عبیداللہ بن
عبدالکریم المخزومی الرازی الحافظ کے بھائی محمد بن عبدالکریم کے بیٹے ہیں۔
ابو زرعہ سے انہوں نے روایت کی ہے۔ ابو زرعہ کی وفات ۲۶۴ھ میں ہوئی

(تہذیب التہذیب: ۷: ۳۰ - ۳۳) (۸۷) محمد بن اسحٰق بن راہویہ: ابو الحسن محمد بن اسحٰق بن ابراہیم المعروف بہ ابن راہویہ - مرو میں پیدا ہوئے۔ اور نیشاپور میں نشو و نما پائی - اپنے باپ اسحٰق اور امام احمد بن حنبل وغیرہ سے حدیث سنی۔ قرامطہ نے انہیں ۲۹۴ھ میں حج سے واپس آتے ہوئے دیگر حاجیوں کے ساتھ قتل کیا۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۲۴۴ - ۲۴۹ و شذرات: ۲: ۲۱۹ - البدایہ: ۱۱: ۱۰۲)

(۸۸) ابو عمار: ابو عمار الحسین بن حریث بن الحسن یہ اصل میں مرو کے رہنے والے تھے۔ ان کی ولاء عمران بن حصین خزاعی سے ہے۔ یہ حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ اور وہاں فضل بن موسیٰ السینانی، عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن اسمٰعیل بخاری اور مسلم بن حجاج نیشاپوری نے۔ نسائی اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۴ھ میں حج سے واپسی پر قصر اللصوص میں ہوئی (تاریخ بغداد ۸ - ۳۶ - ۳۷: تہذیب التہذیب: ۲: ۲۳۳ - ۲۳۴)

(۸۹) الفضیل بن موسیٰ: اصل کتاب میں فضیل ہی دیا ہے۔ مگر صحیح الفضل بن موسیٰ ہے۔ پورا نام ابو عبداللہ الفضل بن موسیٰ السینانی ہے۔ سینان مرو کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے۔ انہوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عمار الحسین بن حریث وغیرہ نے۔ وکیع کہتے ہیں کہ یہ ثقہ اور صاحب سنت تھے۔ اور ابو نعیم کوفی انہیں ابن مبارک سے بھی زیادہ ثابت الحدیث خیال کرتے ہیں۔ ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۷۳ و تہذیب التہذیب: ۷: ۲۸۶ - ۲۸۷ اور شذرات: ۱: ۳۲۹)

(۹۰) فضیل کی توبہ کا یہی واقعہ تہذیب التہذیب: ۸: ۲۹۴ - ۲۹۵ پر بھی دیا ہے

(۹۱) ابیورد: خراسان میں سرخس اور نسا کے درمیان ایک شہر کا نام ہے جسے کیکاؤس نے بنایا تھا۔ عبداللہ بن عامر بن کریز نے ۳۱ھ میں اسے فتح کیا - (معجم البلدان: ۱: ۸۶ - ۸۷) (۹۲) سرخس یا سرخس خراسان میں ایک قدیم اور بہت بڑے شہر کا نام ہے۔ جو نیشاپور اور مرو کے عین درمیان میں واقعہ ہے

اس کا نام اپنے بانی کے نام پر پڑا۔

(۹۳) علی: علی بن فضیل بن عیاض۔ یہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں ان کی وفات سے بہت مدت پہلے فوت ہو گئے تھے۔ بعض نے انہیں ان کے باپ فضیل سے بھی افضل قرار دیا ہے۔ انہوں نے عباد بن منصور، عبد العزیز بن ابی رواد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے باپ اور ابن عُیینہ وغیرہ نے ان کی موت کا واقعہ یہ ہے۔ کسی نے قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھی۔ جس کے سننے سے انہیں غشی طاری ہو گئی اور اسی حالت میں ان کی وفات ہوئی (تہذیب التہذیب: ۷: ۳۰-۳۴۲)

(۹۴) معروف کرخی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۱: ۹۶ کتاب جامع کرامات الاولیا: ۲: ۲۶۶ کشف المحجوب: ۱۸۱ نفحات الانس: ۳۹ ترجمہ تذکرۃ الاولیا: ۲۲۹ طبقات الصوفیہ: ۸۳ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۹۵) ابن الجوزی نے بھی صفۃ الصفوۃ میں یہی دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

فمن کانت لہ الی اللہ حاجۃ فلیأت قبرہ ولیدع فانہ یستجاب لہ انشاء اللہ تعالیٰ (جس کی کوئی حاجت ہو وہ ان کی قبر پر آکر دعا مانگے۔ انشاء اللہ اس کی دعا قبول ہو گی۔) پھر لکھتے ہیں۔ کان ابراھیم الحربی یقول قبر معروف الترياق المجرّب۔ (معروف کی قبر تریاق مجرب ہے)

(صفۃ الصفوۃ: ۲: ۱۸۳) (۹۶) علی بن موسیٰ الرضا: ابو الحسن علی بن موسیٰ الرضا شیعوں کے آٹھویں امام۔ یہ مدینہ میں ۱۵۱ھ یا ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۳ھ میں طوس میں وفات پائی۔ مامون نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اپنے باپ رشید کی قبر کے پاس انہیں دفن کیا۔ ان کی وفات بخار سے ہوئی بعض زہر خورانی سے بتاتے ہیں۔ (شذرات الذہب: ۲: ۶) (۹۷) ابو بکر الحربی: ابو بکر محمد بن سعید الحربی الصوفی۔ یہ صوفیاء کے مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے سری سقطی کے اقوال کی حکایت کی ہے۔ اور ان سے ابو بکر محمد بن عبد اللہ

بن شاذان رازی نے (تاریخ بغداد : ۵ : ۳۱۰ نر البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۴۲)
(۹۸) علی بن محمد الدلال : ابوالحسن علی بن محمد بن علی الدلال۔ انہوں نے ربیع بن سلیمان مصری سے روایت کی۔ اور ان سے ابوالعباس بن بکرم نے (تاریخ بغداد : ۱۲ : ۱۷) (۹۹) محمد بن الحسین۔ ابوجعفر محمد بن الحسین البرجلانی۔ یہ ابوالشیخ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور کتاب الزھد والرقائق کے مصنف ہیں ان کی وفات ۲۳۸ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۲ : ۲۲۲) (۱۰۰) ابن سماک : ابوالعباس محمد بن صبیح الکوفی الزاھد۔ انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد اور دیگر اشخاص سے روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل، حسین بن جعفر وغیرہ کے ہارون الرشید کے پاس گئے اور اسے وعظ کیا۔ انہوں نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذھب : ۱ : ۳۰۳ صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۱۰۵ اور تاریخ بغداد : ۵ : ۳۶۸۔ ۳۷۳) یاد رہے۔ کہ ابن سماک کے نام سے اور لوگ بھی مشہور ہیں۔ مثلاً محمد بن عثمان بن احمد ابوالحسن الدقاق متوفی ۳۸۳ھ (تاریخ بغداد : ۳ : ۴۹) یہ ابن ابی عمرو السماک کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ان کے والد ابو عمرو عثمان بن احمد بن عبداللہ بن یزید الدقاق ان کی وفات ۳۴۴ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۱۱ : ۳۰۳ البدایہ ۱۱ :۔ ۲۲۹) اور احمد بن احمد بن الحسین الواعظ معروف بہ ابن السماک متوفی ۴۲۴ھ (تاریخ بغداد : ۴ : ۱۱۰ البدایہ : ۱۲ : ۳۵۔) عجیب اتفاق یہ ہے۔ یہ سب کے سب واعظ اور صوفی ہوئے ہیں (۱۰۱) عبدالرحیم بن علی الحافظ۔ طبقات الصوفیہ (۱۶۵) میں سلمی نے ان کا نام یوں دیا ہے۔ ابوالقاسم عبدالرحیم بن علی البزاز الحافظ۔ مگر خطیب بغدادی نے ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ہی ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں۔ (۱۰۲) محمد بن عمر بن الفضل : محمد بن عمر الفضل بن غالب بن سلمہ بن سام الجعفی ان کی کنیت ابو عبدالصمد ہے۔ انہوں نے احمد بن موسیٰ بن سردق طوسی سے روایت کی اور ان سے ابو نعیم اصفہانی وغیرہ نے۔ ان کی وفات ۳۹۱ھ میں ہوئی۔ ان کے متعلق دارقطنی کی رائے اچھی نہ تھی بعض نے

انہیں کذاب کہا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۳ : ۲۱) (۱۰۴) علی بن عیسیٰ: ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن فیروز الکلوذانی: انہوں نے بشر بن الحارث اور احمد بن ابی الحواری سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن عمر بن غالب الجعفی نے (تاریخ بغداد: ۱۲ : ۱۳) (۱۰۴) معروف کی موت بھی امام علی بن موسیٰ الرضا کو بچاتے ہوئے واقع ہوئی۔ جبکہ عوام نے ان پر حملہ بول دیا تھا۔

(۱۰۵) احناف کے ہاں نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے۔ مگر اس کی قضا کرنی پڑے گی لیکن شوافع کے ہاں اس کی کوئی قضا نہیں۔ (۱۰۶) ابوالحسن سری بن المغلس السقطی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۱۲۷ اشرح تعرف ۱: ۹۶، کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲ : ۲۱ – ۲۲ – ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۳۲ نفحات الانس: ۵۵: طبقات الصوفیہ: ۴۸ – ۵۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔: (۱۰۷) ابو عمر بن علوان: ابو عمرو عبدالواحد بن علوان۔ ان سے ابو نصر عبداللہ بن علی طوسی السراج روایت کرتے ہیں۔ کتاب اللمع میں ابو نصر نے ان سے بہت سی روایات کی ہیں۔ مگر نکلسن نے جس نے کتاب اللمع کو شائع کیا ہے۔ ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ یہ جنید کے مرید تھے۔ اور ایک رسالہ تصوف میں لکھا۔ (۱۰۸) علی بن محمد بن علی بن بشار بن سلمان ابو عمرو انماطی الصوفی یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ اور نوری اور جنید کی صحبت میں رہے ابوالعباس بن عطا (م ۳۰۹ھ) نے اپنی وفات پر وصیت کی تھی۔ کہ ان کی کتابیں انہیں دے دی جائیں چنانچہ ابن عطا کی کتاب جو انہوں نے فہم قرآنی کے متعلق لکھی تھی۔ ان ہی کے ذریعہ لوگوں میں پھیلی (تاریخ بغداد: ۱۲ : ۷۳)۔ تقریباً اس زمانہ میں ایک اور ابو عمر انماطی بھی تھے۔ جن کا نام محمد بن احمد بن محمد الانماطی المروزی ہے۔ ابن الجوزی اور خطیب لکھتے ہیں۔ کہ یہ ۳۴۲ھ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ اور وہاں ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم النیشاپوری سے حدیث کی روایت کی۔ ان سے احمد بن محمد العتیقی نے روایت کی۔ ان کی وفات ۳۴۳ھ میں ہوئی۔ (المنتظم: ۷ : ۲۰۰۔ اور تاریخ بغداد: ۱ : ۳۴۸)۔

(۱۰۹) عبداللہ بن یوسف: ملاحظہ ہو۔ مقدمہ (۱۱۰) ابوالحسن: ابن الجوزی نے جنید سے روایت کرنے والوں میں ایک احمد بن عبداللہ کا ذکر کیا۔ جس کی کنیت ابوالحسن بتائی ہے۔ اور وہ طرسوس کا واقعہ پیش کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ پتہ نہیں چلا۔ ملاحظہ ہو صفة الصفوۃ: ۲: ۲۱۲ - ۲۱۳ (۱۱۱) الجریری: ابومحمد احمد بن محمد بن الحسین الجریری ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۲۵۹۔

(۱۱۲) ابونصر بشر بن الحارث الحافی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۱۳۰ - ۱۳۲ نفحات الانس: ۵۰ اُ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۱۰۲- ۱۰۸ اور شرح تعرف: ۱: ۹۶ اور طبقات الصوفیہ: ۳۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ الفہرست: ۲۶۱ یہاں پر ابن ندیم نے ان کی کتاب الزهد کا ذکر کیا ہے۔ اور تہذیب التہذیب: ۱: ۴۴۴ - ۴۴۵) (۱۱۳) علی بن خشرم ابوالحسن علی بن خشرم بن عبدالرحمن بن عطاء بن ھلال بن ماہان بن عبداللہ المروزی۔ انہوں نے حفص بن غیاث اور دیگر اشخاص سے روایت کی۔ اور ان سے مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ نے، ثقہ تھے ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۵۷ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۷: ۳۱۶ - ۳۱۷) ۔ (۱۱۴) عبدالرحمن بن ابی حاتم، عبدالرحمن بن ابی حاتم۔ اور ابوحاتم کا نام محمد بن ادریس بن منذر ہے۔ یہ حافظ حدیث اور ثقہ تھے۔ انہوں نے تقریباً نوے سال کی عمر پائی۔ اور ۳۲۷ھ میں وفات پائی۔ ان کا باپ ۲۵۵ھ میں انہیں لے کر نکلا۔ اور انہوں نے ابوسعید الاشج اور دیگر اشخاص سے حدیث سُنی۔ ابواحمد الحاکم وغیرہ نے ان سے حدیث کی روایت کی۔ علوم کا ایک موجزن سمندر تھے۔ زاھد تھے اور ان کا شمار ابدالوں میں ہوتا تھا۔ ان کا ایک عجیب وغریب واقعہ یہ ہے۔ کہ ایک بار طوس کی دیوار گر گئی۔ اور کچھ عرصہ تک کسی نے اسے دوبارہ تعمیر نہ کیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔ جو شخص طوس کی دیوار تعمیر کرے گا۔ اس کے لئے میں اللہ کی طرف سے جنت کا ضامن ہوں۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک ہزار دینار صرف

کر کے دیوار تعمیر کرا دی۔ اور انہوں نے اسے ضمانت نامہ لکھ دیا۔ جب وہ شخص مر گیا۔ تو وہ ضمانت نامہ اس کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ مگر کسی طرح وہ رقعہ ابن ابن ابی حاتم کے پاس واپس پہنچ گیا۔ اور اس رقعہ پر لکھا تھا۔ ہم نے تمہارا عہد پورا کر دیا۔ مگر دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ (شذرات الذھب: ۲: ۳۰۸ - ۳۰۹)۔

(۱۱۵) شافعی: ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی اہل سنت کے چار مقتدر اماموں میں سے ایک ہیں۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔ انہوں نے سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اور دس برس کی عمر میں موطا امام مالک رحمۃ اللہ۔ اور پندرہ برس کی عمر میں فتویٰ دینے لگے۔ (شذرات الذھب: ۲: ۹) (۱۱۶) احمد بن حنبل: ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الذھلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے والد فوجی سپاہی تھے۔ اور ابھی احمد نے طلب علم شروع ہی کیا تھا۔ کہ ان کے والد کا ۱۷۹ھ میں انتقال ہو گیا۔ انہوں نے سفیان عیینہ اور یحییٰ بن سعید القطان سے حدیث سنی۔ اور ان سے عبدالرزاق بن ھمام وغیرہ نے۔ جب ان کے والد مرو سے نکل کر آئے تو اس وقت ان کی والدہ حاملہ تھیں۔ پھر بغداد پہنچ کر ان کی ولادت ہوئی۔ ان کے بیشمار فضائل ہیں۔ (۱۱۷) معافی بن عمران: ابو مسعود المعافی بن عمران الازدی یہ موصل کے علماء زہاد میں سے تھے۔ انہوں نے ابن جریج وغیرہ سے حدیث سنی۔ سفیان ثوری انہیں یاقوتۃ العلماء کہا کرتے تھے۔ اور عبداللہ بن مبارک انہیں رجل صالح کہہ کر پکارتے تھے۔ ابن الجوزی نے ان کا سال وفات ۱۸۴ھ دیا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۵۳) مگر ابن العماد فرماتے ہیں۔ کہ صحیح سال وفات ۱۸۵ھ ہے۔ (شذرات الذھب: ۱: ۳۰۸ اور تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۲۶۴) (۱۱۸)۔ المحاملی: قاضی ابو عبداللہ الحسین بن اسمٰعیل الضبی البغدادی۔ المحاملی ثقہ تھے۔ ابوبکر داؤدی فرماتے ہیں۔ کہ محاملی کی مجلس میں دس ہزار آدمی ہوا کرتے تھے۔

جو ان سے حدیث لکھتے تھے - ان کی وفات ۳۳۰ھ میں پچانوے برس کی عمر ہوئی۔ (شذرات : ۲ : ۳۲۶ ؛ البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۱۳ ؛ تاریخ بغداد : ۸ : ۱۹) (۱۱۹) الحسن المسوحی : ابو علی الحسن بن علی المسوحی ان کا شمار صوفیاء کے بڑے شیوخ میں ہوتا ہے ۔ انہوں نے بشر بن الحارث سے حکایت کی ہے اور ان سے جنید بن محمد، ابو العباس بن مسروق اور قاضی محاملی نے روایت کی ہے یہ ابو حمزہ ابو محمد جریری وغیرہ کے استاد تھے ۔ اور سری سقطی کے کبار اصحاب میں سے تھے ۔ بغداد میں صوفیاء کے علوم پر گفتگو کرنے کے لئے انہوں نے ہی سب سے پہلے حلقہ قائم کیا۔ (صفۃ الصفوۃ : ۲ : ۲۴۴ ؛ تاریخ بغداد : ۷ : ۳۶۶ ؛ حلیۃ الاولیاء : ۱ : ۳۲۲) (۱۲۰) خطیب بغدادی نے اس روایت کو قشیری ہی کی سند سے نقل کیا ہے ۔ (تاریخ بغداد : ۷ : ۳۷) اور آخر میں لکھتے ہیں (۷ : ۴۷) احمد بن یحییٰ الجلاء نے نہ بشر کو دیکھا ۔ اور نہ ہی ان کا زمانہ پایا ۔ البتہ ان کے باپ یحییٰ نے بشر کا زمانہ بھی پایا ہے ۔ اور ان کی صحبت میں بھی رہے ہیں ۔ (۱۲۱) ابو الفضل العطار اور ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے ۔ (۱۲۲) احمد بن علی دمشقی : ان کے حالات بھی نہ مل سکے ۔ (۱۲۳) عبد اللہ بن عثمان بن یحییٰ : اصل کتاب میں عبد اللہ ہی دیا ہے ۔ لیکن باقی تمام تذکرہ نگاروں نے انہیں عبید اللہ بن عثمان بن یحییٰ ابو القاسم الدقاق المعروف بابن جنیقا لکھا ہے ۔ یہ بغداد کے مشرقی حصہ میں رہتے تھے ۔ بقول خطیب بغدادی ان کی ولادت ۳۱۸ھ میں ہوئی ۔ انہوں نے الحسین بن محمد بن سعید المطبقی و قاضی ابو عبد اللہ المحاملی وغیرہ سے حدیث سنی ۔ اور ان سے ازہری، عتیقی اور محمد بن علی العلاف نے ۔ یہ صحیح الکتاب اور کثیر السماع تھے اور ان کی روایت معتبر شمار کی جاتی تھی ۔ ان کا بیشتر سماع ابو الحسن بن الغزات سے ہے ۔ اس لئے کہ ان دونوں میں بھائی چارہ قائم تھا ۔ محمد بن ابو الفوارس کہتے ہیں کہ یہ ثقہ اور اچھے اخلاق والے تھے ۔ ان کی وفات ۳۹۰ھ میں ہوئی ۔ (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۳۷۷ ؛ المنتظم : ۷ :

۲۱۰ ۔ البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۳۲۶) (۱۲۴) ابو عمرو بن السماک : ابو عمرو عثمان بن احمد بن عبداللہ بن یزید الدقاق المعروف بابن السماک ۔ یہ ثقہ صدوق اور صالح انسان تھے ۔ انہوں نے محمد بن عبید اللہ بن المنادی و حسن بن مکرم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے دار قطنی اور ابن شاہین وغیرہ نے، انہوں نے طویل کتابوں اور مصنفات کو خود لکھا۔ ان کی وفات ۳۴۴ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۱۱ : ۳۰۲ البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۲۹ المنتظم : ۶ : ۳۸۷)

(۱۲۵) محمد بن العباس : ابو عبداللہ محمد بن العباس بن الحسن بن ماہان المروزی جو اسکابلی کے نام سے مشہور ہیں یہ بغداد میں رہے ۔ اور وہاں عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی، عاصم بن علی اور ابراہیم بن موسیٰ الفراء سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عمرو بن السماک اور محمد بن مخلد وغیرہ نے، ان کی وفات ۲۷۶ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۳ : ۱۱۱) نورالدین شریبہ صہ ۵۴ نے ان پر کوئی نوٹ نہیں دیا۔ آگے چل کر ایک اور محمد بن العباس (طبقات الصوفیہ : ۱۳۰) العصمی پر نوٹ دیا ہے ۔ اور فہرست میں دونوں کو ایک ہی شخص ظاہر کیا ہے حالانکہ دونوں علیحدہ علیحدہ شخص ہیں۔ (۱۲۶) ابو بکر بن بنت معاویہ : ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے ۔ (۱۲۷) ابو بکر بن عفان : خطیب بغدادی نے بشر سے یہی روایت دی ہے ۔ جس کا راوی حسن بن عفان ہے ۔ لہٰذا یہ شخص ابو بکر حسن بن عفان ہے ۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق پتہ نہ چل سکا ۔ نورالدین نے (صفحہ : ۵۴) میزان الاعتدال کے حوالہ سے انہیں کذاب لکھا ہے ۔ مگر وہاں صرف ابو بکر بن عفان دیا ہے ۔

(۱۲۸) عمر بن سعید : طبقات الصوفیہ میں اس سند میں انہیں عمر بن سعید القراطیسی لکھا ہے ۔ مگر تاریخ بغداد میں سعید کی بجائے سعد دیا ہے ۔ انہوں نے ابو بکر بن ابی الدنیا سے روایت کی ہے ۔ تاریخ بغداد : ۱۰ : ۸۹) اور ان سے ابو بکر بن محمد بن الحسین آجری اور ابو الفتح محمد بن الحسین الازدی وغیرہ نے، ثقہ تھے

رتاریخ بغداد: ۱۱ : ۲۳۳ ر ۱۲۹) ابن ابی الدنیا: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا ۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابراہیم بن المنذر الحزامی وغیرہ سے حدیث سُنی۔ اور خلفاء کی اولاد کے مؤدب رہے۔ ان کی تنخواہ پندرہ دینار ماہوار تھی۔ یہ زیادہ تر زہد کی احادیث بیان کیا کرتے۔ ابن الجوزی لکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے حدیث کی روایت کی ہے ان کی وفات ۲۸۱ھ میں ہوئی۔ جب کہ ان کی عمر ستر سال سے تجاوز کر چکی تھی خطیب بغدادی اور ابن کثیر نے انہیں صدوق لکھا ہے۔ المنتظم: ۵ : ۱۴۸ تاریخ بغداد: ۱۰ : ۸۹ : البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۷۱) ر ۱۳۰) الحسین بن یحیٰی طبقات الصوفیہ میں رص ۱۸۳) انہیں الحسین بن یحیٰی الشافعی لکھا گیا ہے۔ مگر حلیۃ الاولیاء ر ۱۰: ۷۵) میں ان کا پورا نام ابو علی الحسین بن یحیٰی بن زکریا الفقیہ دیا ہے۔

ر ۱۳۱) حلیۃ الاولیاء ر ۱۰ : ۲۷۵ - ۲۷۵) میں ہے۔ کہ جنید کہتے ہیں۔ کہ میں اپنے پھوپھا کے گھر گیا۔ وہ مالدار تھے۔ اور جو مختلف قسم کے کھانے ان کے ہاں مل سکتے تھے۔ ہمارے ہاں نہ مل سکتے تھے۔ لہٰذا میں کئی قسم کے کھانے کھا کے آیا۔ پھر یہی واقعہ بیان کیا ہے۔ ر ۱۳۲) ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی۔ ان کے حالات کے لیئے ملاحظہ ہو تاریخ بغداد : ۸ : ۳۴۷ تا ۳۵۵، حلیۃ الاولیاء ۷ : ۳۳۵ تا ۳۶۷ شذرات الذہب : ۱ : ۲۵۶ : صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۷۴ تا ۸۲ : البدایہ والنہایہ : ۱۰ : ۱۴۵ تہذیب التہذیب : ۳ : ۲۰۳ ز ابن خلکان : ۲ : ۲۹ : ۳۱ کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۶ نفحات الانس : ۴۴ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۱۸۹ - ۱۹۴۔ شرح التعرف : ۱ : ۹۳ : تحفۃ الابرار جدول ثالث : ۲ ر ۱۳۳) ابو عمرو بن مطر طبقات الصوفیہ میں ابو عمرو بن مطر دیا ہے۔ مگر نور الدین شریبہ نے ان پر کوئی نوٹ نہیں دیا۔ ابو عمرو محمد بن جعفر بن محمد بن مطر المعدل النیشاپوری انہوں نے ابو عمر احمد بن مبارک المستملی وغیرہ سے روایت کی۔ یہ بڑے پرہیزگار اور

قانع شخص تھے۔ سنہ ۳۶۰ھ میں پچانوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (شذرات الذھب : ۳ : ۲۱) ۔ ان سے عبدالملک بن ابی عثمان الواعظ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ (المنتظم : ۷ : ۷۹) (۱۳۴) محمد بن المسیب : محمد بن المسیب الارغیانی الحافظ ۔ انہوں نے محمد بن رافع وغیرہ سے روایت کی ہے۔ ان کا دعویٰ تھا۔ کہ جہاں کہیں بھی روایت حدیث کا مرکز تھا۔ یہ وہاں پہنچے ہیں۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں۔ کہ عابد و زاہد تھے۔ یہ بہتّر برس کی عمر میں سنہ ۳۱۵ھ میں مرے۔ (شذرات الذھب : ۲ : ۲۷۱)

(۱۳۵) ابو حنیفہ (نعمان بن ثابت کوفی تابعی ہیں اور اہل سنت کے ایک فقہی مسلک کے امام ہیں۔ ولادت سنہ ۸۰ھ اور وفات سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی (شذرات : ۱ : ۲۲۷) ۔ (۱۳۶) محمد بن یوسف : ابو زرعۃ محمد بن یوسف الجنید الجنیدی الجرجانی الکشی ۔ انہوں نے ابو نعیم عبد الملک بن محمد بن عدی اور مکی بن عبدان وغیرہ سے روایت کی، انہوں نے سنہ ۳۹۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۳ : ۴۰۸) (شذرات الذھب : ۳ : ۱۳۴) ۔

(۱۳۷) علی بن حرب الموصلی : ابو الحسن علی بن حرب الطائی الموصلی، انہوں نے احمد بن حنبل وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ تھے۔ ان کی وفات موصل میں سنہ ۲۶۵ھ میں بانوے برس کی عمر میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ۱۱ : ۴۱۸) (۱۳۸) اسمٰعیل بن زیاد الطائی ۔ اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر تاریخ بغداد (۸ : ۳۵۴) میں یہی قصہ بیان ہوا ہے۔ اور وہاں علی بن حرب موصلی اسمٰعیل بن زبان سے روایت کرتے ہیں۔ مگر نہ تو اسمٰعیل بن زیاد کا کہیں پتہ چلا۔ اور نہ اسمٰعیل بن زبان کا (۱۳۹) ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن یحیٰی المزکی ۔ انہوں نے محمد بن اسحٰق بن خزیمہ وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے محمد بن ابی الفوارس وغیرہ نے ابو العباس الاصم وغیرہ محدثین اس کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۳۶۲ھ میں سترسٹھ کی عمر میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۶ : ۱۶۸ : المنتظم : ۷ : ۶۱ : شذرات الذھب

٣ : ٤ ز البدایہ والنہایہ : ١١ : ٢٧٤)

(١٤٠) القاسم بن احمد : ابو محمد القاسم بن احمد بن القاسم الکاتب المدینی۔ احمد کی کنیت ابو حامد ہے۔ اس لئے انہیں القاسم بن ابی حامد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ محمد بن الطاہر کے نانا ہوتے ہیں۔ انہوں نے احمد بن سلمان النجار سے روایت کی (ذکر اخبار اصفہان : ٢ : ١٦٤)۔ (١٤١) ابو علی شقیق بن ابراہیم البلخی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب : ١٣٨ ؛ نفحات الانس : ٥١ ز کتاب جامع کرامات الاولیاء : ٢ : ٤٢ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ١٦٩ ز تحفۃ الابرار جدول ششم ؛ ٥٢ اور طبقات الصوفیہ : ٦٠ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے ١٩٤ھ میں وفات پائی اور مذہباً حنفی تھے۔ ترکوں کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے۔

(١٤٢) علی بن عیسٰی بن ماہان : یہ خراسان کے حاکم تھے۔ ١٨٠ھ میں الرشید کو شک گذرا کہ یہ بغاوت پر آمادہ ہے۔ لہٰذا الرشید اس کے خلاف خود چل کر آیا۔ مگر علی بہت سے تحائف لے کر پیش ہوا۔ تو الرشید کا شک جاتا رہا۔ اور اسے اپنے عہدہ پر برقرار رکھا۔ پھر الرشید کی وفات پر امین کا طرفدار بن گیا۔ اور امین نے اسے بہت بڑا لشکر دے کر مامون کے خلاف جنگ کرنے کو بھیجا۔ علی مامون کو قید کرنے کے لئے چاندی کی بیڑیاں ساتھ لے کر گیا۔ مامون کی طرف سے طاہر بن الحسین الخزاعی مقابلہ کے لئے نکلے۔ جس میں علی بن عیسٰی بن ماہان مارا گیا یہ ١٩٥ھ کا واقعہ ہے۔

(١٤٣) ابو یزید طیفور بن عیسٰی البسطامی : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ١٣٢ ز نفحات الانس : ٥٩ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ١٥٢ ز کتاب جامع کرامات الاولیاء : ٢ : ٤٩ ز المنتظم : ٥ : ٢٨ اور طبقات الصوفیہ : ٦٧ : اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی وفات ٢٦١ھ میں تہتر سال کی عمر میں ہوئی۔ (١٤٤) ابو الحسن الفارسی :

درست ابوالحسین الفارسی ہے۔ ابوالحسین محمد بن احمد بن ابراہیم الفارسی ابو بکر محمد بن اسحاق الکلاباذی مصنف کتاب التعرف کا استاد تھا۔ ۳۷۵ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۷۹) (۱۴۵) الحسن بن علی: طبقات الصوفیہ (۴۴۱) میں انہیں الحسن بن علی بن حَیَّوَیۃ الدامغانی لکھا ہے۔ ان کے حالات نہ معلوم ہو سکے۔ نورالدین شریبہ نے بھی ان پر کوئی نوٹ نہیں دیا۔ (۱۴۶) عمّیٰ البسطامی: ابو عمران موسیٰ بن عیسیٰ المعروف بہ عمّیٰ البسطامی انہیں حلیۃ الاولیاء میں جابجا عمر لکھا ہے۔ جو کہ عمّیٰ کی تعریف ہے۔ (۱۴۷) طیفور البسطامی طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن عیسیٰ بن علی ابو یزید جنہیں بسطامی اصغر کہا جاتا ہے۔ اور صاحب ترجمہ کو بسطامی اکبر۔ یہ علی بن الحسن ترمذی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے ابو یعقوب یوسف بن محمد بن بندار الولائی (طبقات الصوفیہ: ۶۷) (۱۴۸) عبداللہ بن علی ابوالقاسم عبداللہ بن علی بن محمد بن عبداللہ البغدادی التصوفی یہ الخشوعی کے نام سے مشہور ہیں۔ سمرقند میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور اصحاب جنید۔ یوسف بن الحسین رازی وغیرہ سے کثرت سے حکایت کیا کرتے تھے۔ ان کی وفات ۳۸۳ھ میں ہوئی۔ تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۳) (۱۴۹) موسیٰ بن عیسیٰ: ابو عمران موسیٰ بن عیسیٰ المعروف عمّیٰ البسطامی (۱۵۰) ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری: ان کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۱: ۹۸ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۱۵؛ جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۳۵ نفحات الانس: ۶۹ کشف المحجوب: ۱۷۵ الفہرست: ۱۳۴ طبقات الصوفیہ: ۲۰۶: اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے (۱۵۱) محمد بن سَوّار البصری یہ سہل بن عبداللہ کے ماموں تھے۔ انہوں نے ابن عُیَینہ سے روایت کی۔ اور ان سے سہل نے (تہذیب التہذیب: ۹: ۲۰۹) (۱۵۲) ابوالفتح یوسف بن عبدالصمد: ابوالفتح یوسف بن عمر بن مسرور القواس ۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ مجاب الدعاء تھے۔ صالح اور ثقہ تھے۔ اپنے وقت میں نیکی کی وجہ سے

مشہور تھے۔ انہوں نے ایک رسالہ معاویہ بن ابی سفیان کے فضائل میں لکھا ہے
ان کی وفات ۳۴۵ھ میں پچاسی برس کی عمر میں ہوئی۔ ان کا شمار ابدال میں ہوتا
ہے۔ تاریخ بغداد ۱۴: ۳۲۵؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۱؛ المنتظم: ۷:
۱۸۷؛ شذرات الذھب: ۳: ۱۱۹) (۱۵۳) عبداللہ بن لؤلؤ: حلیۃ الاولیاء
(۱۰: ۲۱۱) میں انہیں عبیداللہ ابو القاسم الصنعانی لکھا ہے۔ پورا نام
ابوالقاسم عبیداللہ بن لؤلؤ بن جعفر السلمی ہے۔ اور ساجی کے نام سے مشہور
ہیں۔ انہوں نے عمر بن واصل مرید سہل بن عبداللہ تستری سے روایت کی ہے۔
خطیب لکھتے ہیں کہ ابو القاسم عبیداللہ نے سن ۳۰۰ھ میں بصرہ میں عمر بن واصل
سے حدیث سنی۔ نورالدین شریبہ نے ایک جگہ (ص ۱۸۴) اسے عبیداللہ بن
جعفر الصنعانی سمجھا ہے۔ اور دوسری جگہ (ص ۲۰۶) عبیداللہ ابو القاسم الصنعانی۔
(۱۵۴) عمر بن واصل بصری: یہ دراصل بصری تھے۔ مگر انہوں نے بغداد میں
سکونت اختیار کرلی تھی۔ انہوں نے سہل تستری سے روایت کی۔ اور ان سے
عبیداللہ بن لؤلؤ سلمی نے (تاریخ بغداد: ۱۱: ۲۲۱)۔
(۱۵۵) خواجہ گیسو دراز اس کی یوں تشریح فرماتے ہیں۔ (۱۰۶ - ۱۰۷)
ہر عملے کہ بندہ کند و بغیر اقتداء پیغمبر علیہ السلام و سلف صالح بودہ باشد
از فعل طاعت باشد یا معصیت نسبت حال او باشد و از لذت نفس بودہ
باشد و زندگی نفس بداں باشد مثلاً مردے صدقہ بدہد و آں بہوائے نفس
بودہ باشد مطلوب شاد باش و نام و آوازہ میان خلق یا از دادن خود را باز
دارد و آں سبب شحّے کہ در جبلت نفس است سبب آں بودہ باشد پس
لذت ان فی باشد و زندگی نفس ہم بداں بود (۱۵۶) نصیر بن احمد:
نصیر بن احمد بن نصیر بن عبدالعزیز ابو محمد الکندی الحافظ البغدادی جو نصرک
کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے ۲۲۳ھ میں پیدا
ہوئے۔ اور ۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳: ۲۹۳؛ اخبار اصفہان:

۲ : ۳۳۱) ۔(۱۵۷) عبد اللہ بن محمد الداری ۔ متن میں اسی طرح داری ہی دیا ہے ۔ مگر طبقات الصوفیہ میں الرازی دیا ہے ۔ اور وہی درست ہے ان کا پورا نام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الرازی ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ طبقات الصوفیہ : ۲۸۸ ۔ (۱۵۸) اسحٰق بن ابراہیم بن ابی حسان : ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم بن ابی حسان الانماطی ۔ بغدادی اور ثقہ ہیں ۔ انہوں نے احمد بن ابی الحواری سے روایت کی ۔ اور ان سے ابی عمرو بن السماک نے ۔ ان کی وفات ۳۰۲ھ میں ہوئی ۔ (تاریخ بغداد : ۶ : ۳۸۴) ۔

(۱۵۹) احمد بن ابی الحواری ملاحظہ ہو ۔ طبقات الصوفیہ : ۹۸ (۱۶۰) ۔ الحسین بن یحییٰ ۔ طبقات الصوفیہ صفحہ ۱۸۳ پر انہیں الحسین بن یحییٰ الشافعی لکھا ہے ۔ مگر نور الدین شریبہ نے ان پر کوئی حاشیہ نہیں لکھا ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حسین بن یحییٰ بن عیاش ابو عبد اللہ الاعور القطان ہو جو التمار کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں ۔ ان کی پیدائش ۲۳۹ھ میں اور وفات ۳۳۴ میں پچانوے برس کی عمر میں ہوئی ۔ (تاریخ بغداد ۸ : ۱۴۸) اور سلمی کے والد نے ۳۲۰ھ کے قریب وفات پائی ۔ اسی طرح سلمی کی ان سے ملاقات کا امکان ہو جاتا ہے ۔ (۱۶۱) ابو عمرو الحولستی کتاب میں اسی طرح دیا ہے ۔ شرح گیسو دراز میں حواستی دیا ہے اور دونوں غلط ہیں ۔ صحیح ابو عمرو الحولتی ہے ۔ حولة شام میں دو جگہوں کا نام ہے ایک حمص کے پرگنہ میں حمص اور طرابلس کے درمیان اور دوسرا دمشق کے پرگنہ میں بانیاس اور صور کے درمیان حارث کذاب جس نے عبد الملک بن مروان کے عہد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا ۔ حولہ ہی کا رہنے والا تھا ۔ غالباً یہاں ابو عمرو الحولتی سے مراد ابو عمرو الدمشقی ہیں جن کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی ۔ (طبقات الصوفیہ : ۲۷۷) (۱۶۲) محمد بن اسمٰعیل : ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل المغربی ابراہیم الخواص کے استاد اور علی بن رزین (م ۲۲۵ھ) کے شاگرد تھے استاد اور شاگرد دونوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی ۔ محمد بن اسمٰعیل کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی ۔

جبل طور پر اپنے استاد علی بن رزین کے پہلو میں دفن ہوئے (المنتظم: ۶: ۱۱۳)۔
(۱۶۳) ابو عبدالرحمن حاتم بن علوان: اصل کتاب میں علوان ہی دیا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ صحیح عنوان ہے۔ ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۹۱ اور شرح گیسو دراز ۱۱۲:۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۴۲: نفحات الانس: ۶۷: ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۱۰: تحفۃ الابرار: جدول ششم: ۳۸ طبقات الصوفیہ: ۹۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (۱۶۴) محمد بن اللیث: محمد بن اللیث بن محمد بن یزید۔ ابو بکر الجوہری۔ ثقہ تھے۔ ۲۹۷ھ میں ان کی وفات ہوئی بعض ۲۹۹ھ بتاتے ہیں۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۱۹۶)۔ (۱۶۵) حامد اللفاف: ابو علی حامد بن محمود بن حرب النیساپوری۔ نیساپور کے قرّاء کے سردار تھے ۲۶۶ھ میں وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۶۳)۔ (۱۶۶) خطیب بغدادی نے یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے دیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ بغداد: ۸: ۲۴۴ (۱۶۷) ابو زکریا یحییٰ بن معاذ رازی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۱۵۲ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۵۰ الفہرست: ۲۶۰ طبقات الصوفیہ: ۱۰۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ تمام مصادر میں ان کی تاریخ وفات ۲۵۸ھ دی ہے۔ مگر تعجب ہے۔ کہ ابن ندیم نے الفہرست: ۲۶۰) ان کی تاریخ وفات لفظوں میں یوں دی ہے۔ توفی سنۃ ست ومائتین (۲۰۶ھ) اس کے بعد ان کی ایک تصنیف کتاب المریدین کا ذکر کیا ہے۔ (۱۶۸) عبداللہ بن محمد بن احمد بن حمدان العکبری: اصل کتاب میں یہ نام اس طرح دیا ہے۔ مگر طبقات الصوفیہ: ۱۱ اور تاریخ بغداد ۱۰: ۳۷۱ میں اس کا صحیح نام ابو عبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری دیا ہے۔ عکبرا (بضم اولہ وسکون ثانیہ وفتح الباء الموحدۃ۔ وقد یمد ویقصر) صریفین کے قریب دجیل کے نواح میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے اور بغداد کے درمیان

دس فرسخ کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان : ۴ : ۲۴۲) یہ ابن بطہ کے نام سے مشہور ہیں
حنبلی فقیہ تھے۔ امام فاضل اور عالم حدیث تھے انہوں نے عبداللہ بن محمد
بغوی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ صالح شیخ اور مستجاب الدعوۃ تھے
مگر روایت حدیث میں انہیں معتبر نہیں سمجھا جاتا۔ خطیب بغداد نے اس پر مفصل
بحث کی ہے۔ ان کی وفات ۳۸۷ھ میں ہوئی۔ ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ :
۴ : ۱۵۱) نے انہیں شیخ صالح عالم عابد اور مستجاب الدعوۃ لکھا ہے (تاریخ بغداد :
۱۰ : ۳۷۱ - ۳۷۵ ز اور طبقات الصوفیہ : ۱۱) (۱۶۹) احمد بن محمد
بن السری : ابو بکر احمد بن محمد السری الکوفی۔ ابتدا میں ان کی حالت بالکل درست
تھی۔ مگر زندگی کے آخری ایام میں رافضی ہو گئے۔ اور اکثر ان کے ہاں صحابہ کی
برائی کی جاتی۔ ان کی وفات ۳۵۲ھ کے شروع میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ :
۱۰۹) ۔ (۱۷۰) احمد بن عیسٰی : احمد بن عیسٰی بن حسان ابو عبداللہ المصری
المعروف بالتستری تجارت کے لئے تستر جایا کرتے تھے۔ اس لئے تستری
مشہور ہو گئے۔ بغداد آئے اور وہاں مفضل بن فضالہ مصری سے حدیث
کی روایت کی۔ ان کی وفات ۲۴۳ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۴ : ۲۷۲ - ۲۷۵۔
(۱۷۱) الحسین بن علویہ : اصل کتاب میں حسین ہی دیا ہے۔ خواجہ گیسو دراز کی شرح
میں بھی حسین ہی دیا ہے۔ مگر صحیح حسن بن علی بن محمد بن سلیمان القطان المعروف بابن
علویہ ہے۔ انہوں نے عاصم بن علی اور دیگر لوگوں سے حدیث سنی اور ان سے ابو عمرو
بن السماک وغیرہ نے۔ ۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔
ثقہ تھے (المنتظم : ۶ : ۱۰۶ : تاریخ بغداد : ۷ : ۳۷۵) یاد رہے کہ ایک اور
ابن علویہ ہیں اور وہ حسین بن منصور بن ابراہیم ابو علی صوفی المعروف بابن
علویہ ہیں۔ (تاریخ بغداد : ۸ : ۱۱۱) (۱۷۲) محمد بن محمد الجرجانی : ابوالحسین
محمد بن محمد بن عبیداللہ بن عمرو بن زید الجرجانی۔ انہوں نے شام عراق اور
خراسان میں حدیث لکھی۔ کئی بار اصفہان آئے۔ اور وہیں ۳۵۵ھ میں وفات

پائی۔ قرآن حدیث اور تاریخ میں ماہر تھے۔ ابو محمد بن حبان نے اپنی کتاب میں اس
سے روایت کی ہے۔ (اخبار اصفہان : ۲ : ۲۹۲) محمد بن محمد الجرجانی ایک
اور صاحب بھی ہیں۔ جن کا پورا نام محمد بن مکی بن یوسف ابو احمد القاضی الجرجانی
ہے۔ مگر لوگوں نے انہیں ضعیف شمار کیا ہے (تاریخ بغداد : ۳ : ۲۶۲-۲۶۳ ۲
اخبار اصفہان: ۲ : ۲۰۸) اور ایک تیسرے بھی ہیں۔ جن کا نام ابو عبید اللہ
محمد بن محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن زید الجرجانی الواعظ ہے انہوں نے حسن
بن سفیان وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو نصر الاسماعیلی نے، انہوں نے
۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان : ۳۸۰) (۱۷۳) علی بن محمد: علی
بن محمد جو علی بن متویہ العابدہ کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ۲۸۳ھ میں وفات
پائی۔ (اخبار اصفہان : ۲ : ۸ - ۹) (۱۷۴) ابو احمد الحافظ۔ پورا
نام ابو احمد محمد بن اسحاق الحاکم النیساپوری الکرابیسی۔ صاحب تصانیف ہیں
کتاب الکنیٰ ان کی تالیف ہے۔ تقریباً بیس برس کی عمر میں حدیث کی تلاش میں
نکلے۔ چنانچہ عراق۔ جزیرہ اور شام میں حدیث سنی۔ شام اور طرطوس میں قاضی
بھی رہے۔ ۳۴۵ھ میں نیشاپور آئے۔ اور ۳۷۸ھ میں ترانوے سال کی عمر میں
وفات پائی۔ یاد رہے۔ کہ یہ وہ حاکم نہیں ہیں۔ جو مستدرک کے مؤلف ہیں۔
بلکہ یہ ان کے استاد ہیں۔ مستدرک کے مؤلف نے بعد میں وفات پائی۔
(شذرات الذہب : ۳ : ۹۳ : تذکرۃ الحفاظ: ۳ : ۱۷۴ : البدایہ
والنہایہ : ۱۱ : ۲۸۳) (۱۷۵) سعید بن عبد العزیز الحلبی:
ابو عثمان سعید بن عبد العزیز الحلبی الزاھد۔ انہوں نے دمشق میں رہائش اختیار
کر لی تھی۔ سری سقطی کی صحبت میں رہے۔ ابو نعیم۔ عبید بن ھشام الحلبی اور
احمد بن ابی الحواری وغیرہ سے روایت کی۔ ابو احمد حاکم کہتے ہیں۔ کہ یہ
صالحین میں سے تھے۔ ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب:
۲ : ۲۷۹) - (۱۷۶) ابو حفص عمر بن مسلمۃ الحداد: ان کے حالات

کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ۱۵۴ ز نفحات الانس ۹۰ کتاب جامع
کرامات الاولیاء : ۲ : ۲۱۸ : ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۲۶۸ اور طبقات
الصوفیہ : ۱۱۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ طبقات الصوفیہ
میں ان کا نام عمرو بن سلم اور عمرو بن سلمہ دیا ہے۔ اور موخر الذکر کو درست
قرار دیا ہے۔ شرح گیسو دراز میں ابو حفص بن عمر سلام دیا ہے، اور ابن
العماد نے عمر بن مسلم مگر درست وہی ہے۔ جو طبقات الصوفیہ میں دیا ہے
جامی نے ان کی تاریخ وفات ۲۶۴ھ میں ز ابن العماد نے ۲۶۵ھ اور طبقات
الصوفیہ میں ۲۷۰ھ دی ہے۔

(۱۷۷) ابو الحسن محمد بن موسیٰ : صحیح نام الحسین محمد بن موسیٰ بن ہارون
الصوفی ہے۔ انہوں نے ابراہیم بن عبد الصمد ہاشمی اور ابو ذر احمد بن
محمد بن محمد الباغندی سے روایت کی۔ اور ان سے عبد العزیز بن علی الازجی
نے، یہ شیخ فاضل دیندار اور ثقہ تھے۔ ابو زیاد کی سرائے میں اترا کرتے
تھے۔ (تاریخ بغداد : ۳ : ۲۴۶ - ۲۴۷) ۔ (۱۷۸) ابو علی الثقفی :
ابو علی محمد بن عبد الوہاب الثقفی النیشا پوری ۔ فقیہ اور امام تھے۔ انہوں
نے بڑھاپے میں موسیٰ بن نصر آبادی اور احمد بن ملاعب سے حدیث
سنی ۔ یہ حجاج بن یوسف ثقفی کی اولاد میں سے تھے۔ یہ تمام علوم کو چھوڑ کر
علم صوفیاء کی طرف لگ گئے۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ طبقات الصوفیہ :
۴۶۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔) (۱۷۹) ابو تراب
عسکر بن حصین نخشبی ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ۱۵۱
نفحات الانس : ۵۳ ز اور طبقات الصوفیہ : ۱۴۶ اور وہ مقامات
جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۸۰) ابو حاتم عطار مصری : انہوں
نے ابن سیرین سے حدیث سنی ۔ اور ان سے وکیع نے روایت کی۔ (طبقات
الصوفیہ : ۱۴۹) (۱۸۱) ابو عبد اللہ الفارسی : ابو عبد اللہ محمد

بن اسماعیل بن اسحٰق بن بحر الفارسی۔ یہ شافعی فقیہ تھے۔ انہوں نے ابو زرعہ دمشقی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے ابو الحسن دارقطنی وغیرہ نے؛ ان کی ولادت ۲۴۲ھ میں اور وفات ۳۲۵ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۲ : ۵۰)

(۱۸۲) ابو الحسین الرازی: ابو الحسین محمد بن اسماعیل بن موسیٰ بن ہارون الرازی المکتب' یہ بغداد میں محلہ قصر عیسیٰ بن علی میں رہتے تھے۔ انہوں نے ابو حاتم رازی اور یحییٰ بن عبدک سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابو علی بن شاذان وغیرہ نے۔ یہ غیر ثقہ اور ضعیف راوی تھے۔ ۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۲ : ۵۰ - ۵۳ اور المنتظم: ۷ : ۲۲)

(۱۸۳) یوسف بن الحسین: یوسف بن الحسین بن علی ابو یعقوب الرازی۔ یہ مشائخ صوفیہ میں سے تھے۔ انہوں نے بہت سفر کیا۔ ذوالنون کی صحبت میں رہے۔ بغداد آئے۔ اور احمد بن حنبل سے حدیث سنی۔ ان کی وفات ۳۰۴ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۴ : ۳۱۴-۳۱۹ اور المنتظم: ۶ : ۱۴۱)

(۱۸۴) ابو محمد عبد اللہ بن خبیق: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۶۸ : کشف المحجوب: ۱۶۰ : ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۸۲ اور طبقات الصوفیہ: ۱۴۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی تاریخ وفات کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ یہ یوسف بن اسباط کی صحبت میں رہے۔ جن کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی۔ اور فتح بن شخرف ان کی صحبت میں رہے۔ ان کی وفات ۲۷۳ھ میں ہوئی لہٰذا ان کی وفات ان دونوں سالوں کے درمیان ہوئی۔

(۱۸۵) یوسف بن اسباط الشیبانی یہ شیخ الحدید نامی بستی جو حلب اور انطاکیہ کے درمیان واقع ہے کے رہنے والے تھے۔ (معجم البلدان: ۳ : ۳۷۹) حبیب بن سنان۔ محل بن خلیفہ۔ ثوری۔ عامر بن شریح اور سری بن اسمٰعیل کو پایا۔ سفیان ثوری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے مسیب

بن واضح اور عبد اللہ بن خبیق الانطاکی نے یحییٰ بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے ان کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۶ اور صفۃ الصفوۃ ۴: ۲۳۵) ابن حجر نے ان کی وفات ۱۹۵ھ دی ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱۱: ۴۰۴) (۱۸۶) ابوالفرج الورثانی: ابو افرج عبد الواحد بن بکر الورثانی الصوفی، انہوں نے بہت سی تصانیف کیں۔ ۳۶۵ھ میں جرجان آئے۔ اور وہاں حدیث سنی۔ اور حدیث کی روایت بھی کی۔ حجاز میں ۳۷۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۲۱۱) (۱۸۷) فتح بن شخرف: ابو نصر فتح بن شخرف المروزی الکشی۔ یہ سیاح اور عابد تھے۔ بغداد میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ اور وہیں رجاء بن مرجی المروزی وغیرہ سے روایت کی۔ اوران سے شعیب بن محمد بن الراجیان وغیرہ نے ان کا انتقال بغداد کی مغربی جانب ۲۷۳ھ میں ہوا۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۳۸۴ ز صفۃ الصفوۃ ۲: ۲۲۷) (۱۸۸) احمد بن عاصم الانطاکی: ابو عبداللہ احمد بن عاصم الانطاکی، ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۶۵ ز کشف المحجوب: ۱۵۹: ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۲۸۰۔ طبقات الصوفیہ: ۱۳۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ تبع تابعین میں سے تھے۔ اور لمبی عمر پائی۔ فضیل بن عیاض کو بھی دیکھا ہے۔ (۱۸۹) ابو السری منصور بن عمار: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۹۴: کشف المحجوب: ۱۷۵: ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۷۷ اور طبقات الصوفیہ: ۱۳۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ کسی نے ان کی تاریخ وفات نہیں دی۔ ان سے علی بن الموفق نے روایت کی ہے۔ اور ان کی وفات ۲۶۵ھ میں ہوئی (المنتظم: ۵: ۵۲) لہٰذا ان کی وفات اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ اور منصور بن عمار نے المنکدر بن المنکدر سے روایت کی ہے۔ المنکدر کی وفات ۱۸۰ھ میں واقع ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۳۱) لہٰذا ان کی وفات ۱۸۰ھ اور ۲۶۵ھ کے درمیان

ہوئی ہوگی۔ مزید براں ان کی بشر بن غیاث ابو عبد الرحمٰن المریسی المعتزلی المتوفی
۲۱۸ھ سے خلق قرآن کے مسئلہ میں بحث ہوئی۔ اور سفیان عیینہ م ۱۹۸ھ نے
انہیں حدیث سنائی۔ اور انہوں نے انہیں وعظ کیا۔ لہٰذا ان کا زمانہ بھی قریب
قریب یہی زمانہ ہوگا۔ (۱۹۰) سلمان باروسی: کتاب میں سلمان
ہی دیا ہے۔ مگر درست جیسا کہ طبقات الصوفیہ میں دیا ہے۔ ابو الحسن مسلم
بن الحسن الباروسی ہے۔ نیساپور کے قدماء مشائخ میں سے تھے۔ حمدون قصار
کے استاد اور مجاب الدعوۃ تھے۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۲۳ اور نفحات
الانس: ۶۴)۔ (۱۹۱) عبد اللہ بن منازل ابو محمود الزاہد النیساپوری
یہ حمدون قصار کی صحبت میں رہے۔ اور صحیح سند سے احمد بن سلمہ نیساپوری
سے حدیث کی روایت کی۔ نیساپور کے بڑے مشائخ میں سے تھے ۳۳۱ھ
میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۳۳۰) (۱۹۲) ابو القاسم
جنید بن محمد: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۸۱؛
کشف المحجوب: ۱۶۱؛ تذکرۃ الاولیاء: ۲۸۴؛ شرح التعرف: ۱: ۱۰۱؛
تحفۃ الابرار۔ جدول ثالث: ۴ اور طبقات الصوفیہ: ۵۵ اور وہ
مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا داماد ابو بکر ہے جن کا ذکر
خطیب بغدادی نے کیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۸۸) (۱۹۳)
ابو ثور: ابو ثور ابراہیم بن خالد بن الیمان الکلبی (الفقیہ)۔ انہوں نے محمد بن ادریس
الشافعی، سفیان بن عیینہ اور وکیع وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابو داؤد
سجستانی اور مسلم بن الحجاج نیساپوری وغیرہ نے، یہ ثقہ اور دین کے اماموں میں سے
تھے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں حدیث اور فقہ کو اکٹھا کر دیا ہے۔ خطیب بغدادی
کہتے ہیں کہ پہلے یہ اہل عراق کے قول کے مطابق چلا کرتے تھے۔ مگر امام شافعی بغداد
آئے۔ اور یہ ان کے پاس آنے جانے لگے۔ تو اہل عراق کا قول ترک کر دیا۔ ان
کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۶۵) (۱۹۴) محمد بن علی القصاب:

ابو جعفر محمد بن علی القصاب الصوفی: یہ بغداد کے رہنے والے اور جنید کے استاد تھے۔ جنید فرمایا کرتے۔ کہ لوگ مجھے سری سقطی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ محمد قصاب میرا استاد ہے۔ ۲۷۵ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۶۲) (۱۹۵) الفرغانی: ابو جعفر محمد بن عبد اللہ الفرغانی الصوفی۔ دراصل فرغانہ کے رہنے والے تھے۔ مگر بغداد میں مقیم ہو گئے تھے۔ جنید کی صحبت میں رہے۔ اور ان کے کلام کی روایت کی۔ ان سے ابوالعباس محمد بن الحسین بن الخشاب البغدادی نے روایت کی ہے۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۶۰) (۱۹۶) اصل کتاب میں اس قول کی سند اسی طرح دی ہے۔ مگر شرح گیسو دراز اور حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۲۷۸) میں اس کی سند صرف اس قدر دی ہے حدثنا محمد بن الحسین قال سمعت ابا بکر الرازی یقول سمعت ابا محمد الجریری یقول سمعت الجنید۔ اور یہی درست بھی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ پہلی سند تو ابو محمد الجریری پر مکمل ہو جاتی ہے۔ اور پھر محمد بن الحسین سے ابو علی رودباری تک ایک اور سند اور قول ہے۔ جو درمیان میں سے رہ گیا ہے۔ اس لئے کہ ابو محمد جریری کی وفات ۳۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور رودباری کی ۳۲۲ھ میں لہٰذا اس قدر درمیانی سلسلہ نہیں ہو سکتا۔ (۱۹۷) ابو نصر الاصبہانی: میں نے اخبار اصبہان کی دونوں جلدیں ایک ایک نام کر کے دیکھ ڈالیں۔ مگر وہاں اگرچہ ابو نصر کنیت والے بہت سے لوگوں کا ذکر تھا۔ مگر کسی ایک کے نام کے ساتھ بھی اصبہانی نہیں لکھا۔ چنانچہ ایک ابو نصر ظفر بن احمد بن الحسن (۱: ۳۵۲) م ۳۸۲ھ ہیں۔ مگر ہیں ان کے نام کے ساتھ النیسا پوری کا لفظ واضح طور پر لکھا گیا۔ یہ اصبہان آگئے۔ پھر لکھا ہے۔ کہ من الصوفیہ الکبار۔ انہوں نے اصبہان میں ہی وفات پائی۔ اس کے برعکس جب کتاب الحلیۃ کی طرف نظر دوڑاتے ہیں۔ تو وہاں ابو نعیم کو ابو نصر محمد بن احمد بن ہارون سے روایت کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ (۱۰: ۲۷۵) اور سلمی بھی انہی محمد بن احمد بن ہارون سے روایت کرتے ہیں جہاں سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہاں پر یہی مراد ہوں گے۔

(۱۹۸) ابو العباس بن شریح۔ اصل کتاب میں اور شرح گیسو دراز میں اسی طرح شریح ہی دیا ہے۔ مگر درست سریج ہے۔ پورا نام ابو العباس احمد بن عمر بن سریج البغدادی ہے۔ یہ شافعیہ کے استاد اور صاحب تصنیف ہیں۔ "باز اشہب" کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی چار سو کے قریب تصانیف ہیں۔ اُنہیں امام شافعی رحمۃ اللہ کے تمام شاگردوں پر یہانتک کہ مُزَنی پر بھی فضیلت دی جاتی تھی۔ اُنہوں نے امام شافعی کا مذھب پھیلایا۔ ان کی وفات ستاون سال کی عمر میں ۳۰۶ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۲۴۷)

(۱۹۹) ابو بکر العطوی: ابو بکر محمد بن علی بن الحسن بن وھب العطوی۔ اُنہوں نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کی۔ اور ان سے محمد اسحٰق بن مندہ اصفہانی وغیرہ نے۔ ابن النحاس نے ان سے ۳۴۳ھ میں حدیث سُنی۔ یہ صدوق تھے (تاریخ بغداد: ۳: ۷۹) جامی نے ان کی تاریخ وفات ۳۴۵ھ دی ہے اور لکھا ہے۔ کہ ان کی وفات رملہ میں واقع ہوئی۔ (نفحات الانس: ۱۸۱) مگر وہاں عطوی کی بجائے عطوفی چھپا ہے۔ جو غلط ہے۔ (۲۰۰) ابو عثمان سعید بن اسمٰعیل حیری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۸۸ (کشف المحجوب: ۱۶۶: ترجمہ تذکرۃ الاولیا: ۳۱۵: جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۲۶ (شذرات الذھب: ۲: ۲۳ اور طبقات الصوفیہ: ۱۷۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ حیرہ جس کی طرف یہ منسوب ہوتے ہیں۔ وہ حیرہ نہیں ہے جو عراق میں کوفہ کے قریب تھا۔ بلکہ یہ نیشاپور کے ایک محلہ کا نام ہے۔ (معجم البلدان: ۲: ۳۳۱)

(۲۰۱) ابو عمرو بن حمدان: ابو عمرو محمد بن احمد بن حمدان: یہ نیشاپور کے محدث ہیں۔ زاھد اور ثقہ تھے۔ ان کا میلان تشیع کی طرف تھا مگر غالی نہ تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اکثر لوگوں نے ان کی تعریف کی ہے (طبقات الصوفیہ: ۱۷)

(۲۰۲) عبدالرحمٰن بن عبداللہ: اصل کتاب میں اور شرح گیسو دراز دونوں میں یہ نام اسی طرح دیا ہے۔ مگر میرے خیال میں یہ نام عبداللہ بن

محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن الرازی الشعرانی ہونا چاہیئے۔ عبداللہ ابو عثمان کی صحبت میں رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۴۵۱ نیز ملاحظہ ہو سلمی کی اس کے بعد کی روایت کہ وہاں بھی یہی عبداللہ بن محمد شعرانی روایت کرتے ہیں۔ (۲۰۳)
محمد بن احمد الملامتی: ابو بکر محمد بن احمد بن ابراہیم البلخی بغداد آئے۔ وہاں انہوں نے محمد بن عمر بن موسیٰ عقیلی سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن علی بن یعقوب نے (تاریخ بغداد: ۱۰: ۲۷۲) (۲۰۴) ابوالحسین الوراق: ابوالحسین محمد بن سعد الوراق یہ ابو عثمان نیشاپوری کے شاگرد تھے۔ فقیہ تھے۔ علم معاملات کے دقائق پر گفتگو کرتے تھے۔ انہوں نے ۳۱۹ھ میں وفات پائی (المنتظم: ۶: ۲۴) ایک اور ابوالحسن الوراق بھی ہیں۔ ان کا پورا نام ابوالحسین محمد بن احمد بن عبداللہ الوراق الزاہد ہے یہ جرجان کے رہنے والے تھے۔ ان کی وفات ۳۶۶ھ میں ہوئی۔ (تاریخ جرجان: ۳۹۷) (۲۰۵) احمد نوری: ابوالحسین احمد بن محمد النوری۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نفحات الانس: ۸۰ نیز کشف المحجوب: ۶۴ از ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۱۰ نیز طبقات الصوفیہ: ۱۶۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۰۶) ابوعبداللہ الصوفی: ابو بکر خطیب نے کئی ایک لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ اور وہ صوفی بھی کہلاتے تھے مگر یہاں مراد الحسین بن شجاع بن الحسن بن موسیٰ ابوعبداللہ الصوفی سے ہے۔ یہ ابن الموصلی کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے ابو بکر الشافعی اور ابو علی بن الصواف وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو بکر خطیب بغدادی کا نے۔ خطیب بغدادی ان کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ کتبنا عنہ وکان صدوقاً۔ ان کی وفات ۴۲۳ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۸: ۵۳) (۲۰۷)۔
ابواحمد مغازلی: ابواحمد المغازلی الصوفی۔ جلیل القدر صوفیاء میں سے تھے۔ ان سے جعفر الخلدی نے حکایت کی ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۲۱) — (۲۰۸)
ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ الجلاء: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس:

۱۱۲ : کشف المحجوب : ۱۶۹ ؛ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۱۹ ز تحفۃ الابرار جدول ششم : ۷ مگر وہاں ان کی کنیت ابو العباس دی ہے۔ جو غلط ہے اور طبقات الصوفیہ : ۱۷۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا۔ کہ آپ کے والد یحییٰ کو جلاء (صیقل گر) کیوں کہا جاتا ہے۔ تو فرمایا۔ صیقل گری کا ان کا پیشہ تو نہ تھا۔ مگر دلوں کو صیقل کیا کرتے تھے۔ اس لئے جلاء کہلائے۔ ان کی وفات ۳۰۶ھ میں ہوئی۔ (۲۰۹) ابو عبید البُسری : ابو عبید محمد بن حسان البُسری۔ بُسر حوران کی ایک بستی کا نام ہے۔ جس کی طرف یہ منسوب ہیں۔ نور الدین شربیہ صفحہ ۱۷۷) نے بُسرای دیا ہے۔ مگر وہ غلط ہے۔ ملاحظہ ہو۔ معجم البلدان : (۱ : ۴۲۰) یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ) لکھتے ہیں۔ و ینسب الیہا ابو عبید محمد بن حسان البُسری المحانی الزاھد۔ صاحب کرامات تھے۔ انہوں نے سعید بن منصور خراسانی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عبد الملک بن مروان دمشقی وغیرہ نے۔ ان کے بیٹے نجیب بن ابی عبید البسری نے ان سے ان کے اقوال کی حکایت ہے ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۲۱۶) لکھتے ہیں۔ و بُسرای فوق دمشق۔ مگر یاقوت کا قول زیادہ معتبر ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ حاشیہ نمبر ۲۲۵ (۲۱۰) یحییٰ الجلاء۔ یحییٰ بن عبد اللہ الجلاء خیار الناس میں سے تھے بشر بن الحارث کی صحبت میں رہے۔ اور ان کی صحبت میں ذوالنون رہے۔ ابو عبد اللہ بن الجلاء کہتے ہیں کہ میں نے ذوالنون سے پوچھا۔ کہ میرے باپ کا نام جلاء کیوں پڑا۔ کیا وہ صیقل گر تھے ذوالنون نے جواب دیا نہیں۔ ہم نے ان کا نام جلاء رکھا تھا کیونکہ جب وہ کلام فرماتے تو ہمارے دلوں کو صیقل کر دیتے تھے (صفۃ الصفوۃ : ۲ : ۲۳۲) جب مرنے کے بعد انہیں تختے پر لٹا کر غسل دینے لگے تو یہ ہنس رہے تھے لوگوں کو شبہ ہوا کہ کہیں زندہ تو نہیں ہیں۔ طبیب بلایا گیا۔ اس نے آکر نبض دیکھی اور کہا کہ مردہ ہیں۔ مگر جب پھر چہرہ کھولا گیا۔ تو ہنس رہے تھے۔ طبیب شرمندہ ہو کر کہنے لگا۔ مجھے بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مردہ ہیں یا زندہ۔ انہیں کوئی غسل

دینے لگتا۔ تو اس پر اس قدر ہیبت طاری ہوتی۔ کہ غسل دینا چھوڑ دیتا۔ آخرکار ان کی برادری کا ایک آدمی آیا۔ اور اس نے غسل دیا۔ ان کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ (المنتظم: ۵: ۱۷) (۲۱۱) ابو عمرو الدمشقی ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ الجلاءؒ اور ذوالنون کی صحبت میں رہے۔ اور ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۸۷ اور نفحات الانس: ۱۵۴)

(۲۱۲) ابو محمد رویم بن احمد: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نفحات الانس: ۹۶ ز کشف المحجوب: ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۱۴ اور طبقات الصوفیہ: ۱۸۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲) داؤد سے مراد ابو سلیمان داؤد بن علی اصبہانی ثم بغدادی ہے۔ انہیں داؤد ظاہری بھی کہا جاتا ہے۔ فقیہ اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ انہوں نے علم ابو ثور اور اسحٰق بن راہویہ سے حاصل کیا۔ انہوں نے ستر سال کی عمر میں ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ آپ بہت عابد و زاہد تھے۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۵۸ اور المنتظم: ۵: ۷۵) (۲۱۳) ابو عبداللہ محمد بن الفضل البلخی: ابو عبداللہ محمد بن الفضل بن العباس بن حفص البلخی۔ ان کے حالات ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۱۸ کشف المحجوب: ۱۷۷ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۳۲ ز تحفۃ الابرار حصہ دل ششم: ۸۱ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۱۶۷ اور طبقات الصوفیہ: ۲۱۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے قتیبہ بن سعید اور دیگر رواۃ سے کثرت سے حدیث سنی۔ (حلیۃ الاولیاء: ۲۳۲)

(۲۱۴) احمد بن محمد الفراء: اصل کتاب میں اس طرح دیا ہے۔ مگر درست محمد بن احمد الفراء ہے جیسا کہ شرح گیسو دراز صفحہ ۱۵۷ میں دیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو نمبر ۱۴۷ (۲۱۵) ابو بکر بن عثمان شرح گیسو دراز میں ابو بکر عثمان دیا ہے مگر ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ میرے خیال میں درست ابو بکر بن عثمان ہے جو مہدی

بن حفص کے داماد تھے۔ ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال : ۳ : ۳۴۹ -(۲۱۶) عبد اللہ الرازی : ابو محمد عبد اللہ بن محمد الشعرانی الرازی انہوں نے ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ : ۴۵۱) (۲۱۷) ابو بکر احمد بن نصر الزقاق الکبیر۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس : ۱۷۲۔ یاد رہے کہ زقاق لقب کے دو شخص ہیں۔ ایک زقاق کبیر اور دوسرا زقاق صغیر۔ دونوں کی کنیت ابو بکر ہے۔ زقاق کبیر زقاق صغیر کے استاد ہیں۔ قشیری نے ابو بکر زقاق کبیر کا نام احمد بن نصر دیا ہے اور جامی کے بیان سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ جامی نے زقاق صغیر کا بھی حال دیا ہے (حوالہ مذکور) مگر ان کا اصلی نام نہیں دیا طبقات الصوفیہ میں ان دونوں کا کوئی ترجمہ نہیں دیا۔ البتہ ضمناً ان کا ذکر آیا ہے۔ اور وہاں صرف ابو بکر زقاق کبیر لکھا ہے (صفحہ ۴۴۸) شعرانی (لواقح الانوار : ۱ : ۷۶) زقاق کبیر کا نام ابو بکر نصر بن احمد نصر الدقاق (بالدال) الکبیر لکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ جنید (م ۲۹۷ھ) کے معاصرین میں سے تھے اور مصر کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ جامی نے انہیں ابو بکر زقاق صغیر اور ابو بکر دقی (م بغداد ۳۵۰ھ) کا استاد لکھا ہے۔ سلمی نے بھی انہیں ابو بکر دقی کا استاد لکھا ہے (طبقات الصوفیہ: ۴۴۸) اسی طرح ابو الحسن علی بن بندار الصیرفی (م ۳۵۹ھ) کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بھی زقاق کی صحبت میں رہے۔ (طبقات الصوفیہ : ۵۰۱)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ ابو بکر زقاق جو جنید کے ہم عصر اور دقی کے استاد تھے کون سے زقاق ہیں؟ صغیر یا کبیر۔ نور الدین شریبہ زقاق کبیر کا نام محمد بن عبد اللہ بتلاتے ہیں۔ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۹۷) ابن الجوزی (المنتظم : ۶ : ۴۲) اور خطیب بغدادی (تاریخ بغداد : ۵ : ۴۴۲) میں ان کی وفات ۲۹۰ھ دی ہے۔ اور سب کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ یہ جنید (م ۲۹۷ھ) ابو الحسن نوری (م ۲۹۵ھ) اور ابو حمزہ کے ہمعصر ہوئے ہیں۔ مصادر میں ان کے لقب میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن کثیر (حوالہ مذکور) انہیں محمد بن عبد اللہ ابو بکر دقاق (بالدال) لکھتے ہیں۔ خطیب بغدادی نے انہیں محمد بن عبد اللہ ابو بکر زقاق لکھا ہے۔

صفۃ الصفوۃ: (۲: ۲۳۴) میں الرقاق (بالراء المہملہ) چھپا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ طباعت میں زاء کا نقطہ رہ گیا ہے۔ ابن کثیر میں الدقاق (بالدال المہملہ) جو دیا ہے غلط ہے۔ کیونکہ ابو بکر محمد بن عبداللہ الدقاق کی وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد: ۵: ۴۶۲) ابن الجوزی المنتظم: ۷: ۱۷۳) نے ان کی تاریخ وفات ۳۵۳ھ دی ہے۔ لہٰذا یہ جنید کے ہمعصر نہیں ہو سکتے۔ ابھی یہ سوال اسی طرح باقی ہے کہ احمد بن نصر اور محمد بن عبداللہ دونوں میں سے کون زقاق کبیر ہے اور کون صغیر۔ قشیری اور جامی دونوں نے احمد بن نصر کو زقاق کبیر کہا ہے۔ مگر جو واقعات محمد بن عبداللہ کے متعلق بالاتفاق بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ جنید کا زمانہ ہے۔ لہٰذا وہی زقاق کبیر ہونے چاہئیں۔ اس کا صرف ایک حل مجھے سوجھا۔ اور وہ یہ ہے کہ دونوں تقریباً ہمعصر ہوں۔ اور ایک ہی زمانہ میں رہے ہوں۔ لہٰذا احمد بن نصر استاد ہونے کی وجہ سے ابو بکر زقاق کبیر کہلائے۔ اور محمد بن عبداللہ زقاق صغیر۔ اگر جامی زقاق صغیر کا نام بھی لکھ دیتے تو یہ عقدہ جلد حل ہو جاتا۔ (۲۱۸) محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز۔ ابو بکر محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز بن شاذان الرازی المذکور ملاحظہ ہو۔ نمبر ۵۲ (۲۱۹) ابو عبداللہ عمرو بن عثمان مکی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۸۵ (ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۰۳ (کشف المحجوب: ۱۷۴ (تحفۃ الابرار جدول ۱: ۶ اور طبقات الصوفیہ: ۲۰۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۲۰) ابو عبداللہ نباجی: (نباج بکسر النون) کئی ایک مقامات کا نام ہے۔ ایک بصرہ اور مکہ کے درمیان ہے۔ ایک نباج بصرہ کے بادیہ میں ہے۔ ان کا اصلی نام سعید بن یزید ہے۔ ذوالنون (م ۲۴۵ھ) کے ہمعصر اور احمد بن ابی الحواری کے (م ۲۳۰ھ) کے استاد تھے۔ نفحات الانس: ۹۲ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۵۳)

(۲۲۱) ابو بکر محمد بن احمد ۔ ابو بکر محمد بن احمد بن ابراہیم البلخی یہ بغداد
آئے ۔ اور وہاں محمد بن عمرو بن موسیٰ العقیلی سے حدیث کی روایت کی ۔ اور
ان سے محمد بن علی واسطی نے ۔ (تاریخ بغداد : ۱ : ۲۷۲) (۲۲۲) سمنون بن حمزہ
ابو الحسن سمنون بن حمزہ الخواص المحب ۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ۔
نفحات الانس : ۱۰۲ ؛ کشف المحجوب : ۱۷۲ ؛ کتاب جامع کرامات الاولیاء
۲ : ۳۲ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۲۹ ؛ تحفۃ الابرار جدول ششم :
۷۴ اور طبقات الصوفیہ : ۱۹۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا
گیا ہے ۔ انہوں نے سنہ ۲۹۵ھ میں وفات پائی ۔ (۲۲۳) ابو احمد قلانسی :
مصعب بن احمد بن مصعب القلانسی الصوفی ۔ دراصل مرو کے تھے
مگر بغداد میں پیدا ہوئے ۔ اور وہیں نشو و نما پایا ۔ چونکہ قلانس (ٹوپیاں)
بنایا کرتے تھے ۔ اس لئے قلانسی کہلائے ۔ جنید اور رویم کے ہمعصر
تھے ۔ منبہ مصری کے استاد ۔ بہت زہد و تقویٰ والے تھے ۔ سنہ ۲۷۰ھ میں
حج کے لئے آئے ۔ اور وہیں حاجیوں کے چلے جانے سے تھوڑا عرصہ بعد
انتقال ہوا ۔ یعنی سنہ ۲۷۰ھ میں (تاریخ بغداد : ۱۳ : ۱۱۴) نفحات الانس :
۱۱۰)

(۲۲۴) سلمی نے لکھا ہے کہ ان کی وفات جنید کے بعد ہوئی ۔ (طبقات الصوفیہ :
۱۹۵) (۲۲۵) ابو عبید بسری ابو عبید محمد بن حسان البسری الحسانی الزاہد :
ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو معجم البلدان : ۱ : ۴۲۰ ؛ نفحات الانس :
۱۱۴ ؛ صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۲۱۶ ؛ لواقح الانوار : ۱ : ۷۶ بسر (بضم)
دمشق کے علاقہ میں ایک بستی کا نام ہے ۔ یہاں بڑے دشوار گذار راستے ہیں ۔
اور کہا جاتا ہے ۔ کہ یہاں الیسع علیہ السلام کی قبر ہے ۔ اس کی طرف ابو عبید محمد بن
حسان البسری منسوب ہوتے ہیں ۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۰۹ المنتظم
(۶ : ۱۱۱) میں ان کو ابو عبید اللہ البسری لکھا ہے ۔ حالانکہ یہ غلط ہے ۔

(۲۲۶) الدّقی : الدقی سے مراد محمد بن داؤد الدقی المتوفی بعد از ۳۵۰ھ ہیں۔ شرح گیسو دراز میں الرقی (بالراء) دیا ہے اور الرقی ابو اسحٰق ابراہیم بن مولد ہیں۔ یہ الدقی اور الرقی دونوں عبداللہ بن الجلاء کی صحبت میں رہے ہیں۔ (۲۲۷) احمد بن محمد البغوی : ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ (۲۲۸) محمد بن معمر: محمد بن معمر بن ناصح ابو مسلم الذهلی الادیب۔ ان کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ انہوں نے موسیٰ بن ہارون اور یوسف القاضی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی (اخبار اصبہان : ۲ : ۲۸۴ - ۲۸۵) (۲۲۹) ابو ذرعۃ الحسنی کتاب میں اس طرح دیا ہے۔ ابو زرعۃ چاہیئے۔ شرح گیسو دراز میں تین قراءتیں دی ہیں۔ الحسی الحسنی اور الجنبی۔ مگر معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کیا نسبت ہے ابو زرعہ بہت ہوئے ہیں ابو زرعہ رازی ابو زرعہ یمنی - ابو زرعہ کشی وغیرہ مگر یہاں ان میں سے کوئی بھی نام نہیں ہے یاقوت جبن یمن میں ایک قلعہ کا نام بتایا ہے۔ (معجم البلدان : ۲ : ۱۰۷) (۲۳۰) (؟)، شرح گیسو دراز میں اس عبارات کا ترجمہ اور شرح غلط دی ہے۔ محشی اور بھی غلط راہ پر چلا گیا ہے۔ (۲۳۱) ابو الفوارس شاہ شجاع کرمانی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۸۶ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۶۰ ؛ کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۳۷ ؛ اور طبقات الصوفیہ : ۱۹۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ شرح گیسو دراز میں ہے کہ قبر و لشیر کان۔ (۲۳۲) ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ طبقات الصوفیہ: ۱۸۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۳۳) محمد بن علی ترمذی : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، تذکرۃ الحفاظ: ۲ : ۱۹۷ نفحات الانس : ۱۱۹ ؛ کشف المحجوب : ۱۷۷ و ۲۶۵ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۲۳۵ ؛ تحفۃ الابرار جدول ششم : ۸۰ اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ : ۲۷۸ - ۳۷۹ اور طبقات الصوفیہ : ۲۱۷ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں حکیم ترمذی کہا جاتا ہے۔ پورا نام ابو عبد اللہ

محمد بن علی بن الحسن بن بشیر الزاهد الحافظ۔ انہوں نے اپنے باپ اور قتیبہ بن سعید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن منصور۔ حسن بن علی اور علماء نیسا پور نے۔ یہ نیسا پور میں ۲۸۵ھ (تذکرۃ الحافظ: ۲: ۱۹۷) میں آئے۔ کیونکہ جب انہوں نے ختم الاولیاء اور علل الشریعہ لکھی تو لوگوں نے انہیں ترمذ سے نکال دیا۔ یہ تقریباً اسی سال زندہ رہے۔ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ان کی وفات اسلام میں ان کی وفات تاریخ ۲۸۵ھ دی ہے۔ حالانکہ اس سال یہ ترمذ سے نکل کر نیشا پور آئے تھے۔ حاجی خلیفہ (کشف الظنون: ۲: ۴۲) نے زیر "نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول" لکھا ہے۔ کہ الحکیم الترمذی المتوفی شہید أ ۲۵۵ھ خمس وخمسین و مائتین حالانکہ یہ تاریخ بھی غلط ہے اس لئے کہ ان سے ابو محمد یحییٰ بن منصور نے روایت کی ہے۔ اور یحییٰ بن منصور نے ۳۵۱ھ میں وفات پائی اور استاد اور شاگرد میں ایک سو سال کا فرق نہیں ہو سکتا۔ حاجی خلیفہ نے یہی تاریخ ختم الانبیاء (درست ختم الاولیاء) کے تحت دی ہے۔ (کشف الظنون: ۱: ۲۵۲) ان کے متعلق حمزہ اصفہانی حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۲۳۳) لکھتے ہیں۔ صحب ابا تراب النخشبی م ۲۴۵ھ ولقی یحییٰ بن الجلاء (م ۲۵۸ھ) مگر طبقات الصوفیہ میں اس کے برعکس دیا ہے۔ لقی ابا تراب النخشبی وصحب یحییٰ بن الجلاء و احمد بن خضرویہ م ۲۴۰ھ۔ (۲۳۴ھ) ابو بکر محمد بن عمر وراق ترمذی الحکیم: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۲۴ نز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۳۷ نز کشف المحجوب: ۱۷۹: طبقات الصوفیہ: ۲۲۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے یہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی الضریر مؤلف صحیح ترمذی کے خالو ہیں۔ انہیں ترمذ کے لوگوں نے وہاں سے نکال دیا تھا۔ ابو بکر وراق۔ محمد بن علی ترمذی کے شاگرد تھے۔ نیز انہوں نے ابو عمران موسیٰ بن محمد بن محمد البلخی سے اور انہوں نے ابو بکر وراق سے روایت کی ہے۔ اور ان کی وفات ۳۴۷ھ میں ہوئی۔ (۲۳۵)

محمد بن محمد البلخی : ابوبکر محمد بن محمد بن احمد بن مجاهد الفقیہ البلخی ۔ بغداد آئے ۔ ثقہ اور صالحین میں سے تھے۔ ۳۲۷ھ میں انہوں نے وفات پائی (تاریخ بغداد : ۳ : ۲۱۸) (۲۳۶) ابو سعید احمد بن عیسیٰ خراز : اُن کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ۔ نفحات الانس : ۷۵ ز کشف المحجوب : ۱۸۰ ز تحفۃ الابرار جدول ششم : ۷ ز شرح تعرف : ۱ : ۱۰۲ : ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۰۶ ز اور طبقات الصوفیہ : ۲۲۸ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔ رسالہ قشیریہ میں ان کی وفات ۲۷۷ھ دی ہے ۔ طبقات الصوفیہ میں ۲۷۹ھ اور نفحات الانس میں ۲۸۶ھ ۔ ابن العماد نے بھی ۲۸۶ھ دی ہے ۔ مگر ابن الجوزی (المنتظم : ۵ : ۱۰۵) نے ۲۷۷ھ لکھا ہے ۔ "وقیل فی سنہ ست وثمانین"۔ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۵۸) نے ۲۷۷ھ کو درست قرار دیا ہے ۔ (۲۳۷) اصل کتاب میں "بشریٰ" ہی دیا ہے ۔ اسے بشر بن الحارث پڑھیں ۔

(۲۳۸) ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل مغربی : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ۔ نفحات الانس : ۹۱ ز کشف المحجوب : ۱۸۵ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۴۴ ز طبقات الصوفیہ : ۲۴۲ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے ۔ جامی لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک سو بائیس (۱۲۲) سال عمر پائی ۔ اور ان کے استاد ابوالحسین علی بن رزین نے بھی ایک سو بیس (۱۲۰) سال عمر پائی ۔ ابوالحسین عبدالواحد بن زید بصری کے شاگرد تھے ۔ اور وہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کے ۔ (۲۳۹) ابراہیم بن شیبان : ابو اسحٰق ابراہیم بن شیبان القرمیسینی ۔ قرمیسین عراق میں ایک شہر کا نام ہے یہ ابراہیم خواص (م ۲۹۱ھ) کی صحبت میں رہے ۔ اور الجبل کے علاقہ میں صوفیا کے شیخ تھے ۔ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال ابو عبد اللہ مغربی کی صحبت میں رہا ۔ ایک دن جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ تو وہ کھانا کھا رہے تھے ۔ مجھے فرمایا ۔ کہ قریب آجاؤ ۔ اور کھانا کھاؤ ۔ میں نے عرض کی ۔ کہ تیس سال مجھے آپ آپ کی صحبت میں گذر گئے ہیں مگر آپ نے کبھی کھانا کھانے کی دعوت نہیں دی ۔ آج کیا بات ہوئی ۔ کہ آپ نے مجھے

کھانے کی دعوت دی ؟ جواب دیا ۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا
ہے ۔ کہ تمہارا کھانا صرف متقی شخص ہی کھائے گا ۔ اور مجھ پر یہ بات ظاہر ہو گئی
ہے ۔ کہ تو متقی ہے ۔ ۳۳۷ھ وفات پائی ۔ (شذرات الذھب : ۲ : ۳۴۴)
(۲۴۰) علی بن رزین ۔ ابو الحسن علی بن رزین خراسانی ۔ یہ دراصل ترمذ کے رہنے
والے تھے ۔ ۲۲۵ھ میں وفات پائی ۔ اور کوہ طور پر دفن ہوئے ۔ اور ان کے پہلو
میں ان کا شاگرد ابو عبد اللہ مغربی مدفون ہوا ۔ صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۱۴۰ - ۱۴۱)
(۲۴۱) ابو العباس احمد بن محمد بن مسروق ان کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو نفحات الانس :
۹۰ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۴۳ : طبقات الصوفیہ : ۲۳۷ ۔ اور وہ مقامات
جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔ یہ حارث محاسی (م ۲۴۳ھ) سری سقطی (م ۲۵۱ھ
محمد بن منصور الطوسی (م ۲۵۴ھ بعض کے نزدیک ۲۵۶ھ میں بعمر ۸۸ سال) اور محمد
بن الحسین البرجلانی (م ۲۳۸ھ) کی صحبت میں رہے ۔ (۲۴۲) ابو الحسن علی بن سہل الاصبہانی
ابو الحسن علی بن سہل بن الازہر الاصبہانی ۔ اصفہان کے قدیم مشائخ میں سے ہیں ۔ ان
کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ۔ نفحات الانس : ۱۰۵ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء :
۳۲۹ ز طبقات الصوفیہ : ۲۳۳ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے
انہوں نے ۳۰۷ھ میں وفات پائی ۔ (اخبار اصفہان : ۲ : ۱۴) ۔ (۲۴۳) ابو
محمد احمد بن حسین الجریری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ۔ طبقات الصوفیہ :
۲۵۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔ (۲۴۴) ابو عبد اللہ
شیرازی ابن باکویہ الامام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن عبید اللہ الشیرازی الصوفی
آپ کبار شیوخ میں سے تھے ۔ محمد بن خفیف کے شاگرد ۔ انہوں نے بہت سفر
کیا ۔ اور کئی ایک شہروں میں حدیث لکھی ۔ انہوں نے احمد بن عدی اور قطیعی سے
روایت کی ۔ ۴۲۸ھ میں وفات پائی ۔ (شذرات الذھب : ۳ : ۲۴۲) یاد
رہے ۔ کہ ایک اور بھی ابو عبد اللہ شیرازی صوفی ہیں ۔ ان کا نام سطہر بن محمد بن ابراہیم
ہے ۔ لحافی کے نام سے مشہور ہیں ۔ انہوں نے ۵۱۹ھ میں وفات پائی ۔ تاریخ بغداد ، ۱۳ : ۴۲۰)

(۲۴۵) اسنة الهبیر یکہ کے راستہ اردو نامی ریت کو حبیر کہتے ہیں۔ جہاں زمانۂ جاہلیت میں جنگ ہوئی۔ اسی مقام پر ابن ابی سعید الجنابی القرمطی نے حاجیوں کا قتل عام کیا۔ اور کچھ حاجیوں کو قید کیا۔ (معجم البلدان: ۵ : ۳۹۲) یاقوت نے اس واقعہ کی تاریخ اتوار ۸ ار محرم ۳۱۲ھ لکھی ہے۔ مگر دیگر مؤرخین ۳۱۱ بتاتے ہیں۔ یاقوت کا بیان قیاساً درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ حج کے بعد نیا سال شروع ہو جاتا ہے۔ ابن العماد لکھتے ہیں کہ ۳۱۱ھ میں ابو طاہر سلیمان بن الحسن الجنابی القرمطی رات کے وقت سیڑھیوں کے ذریعہ سے سترہ سو سوار لے کر بصرہ میں داخل ہوا۔ اور قتلِ عام کیا (شذرات الذہب: ۲: ۲۶۱)

(۲۴۶) ابو العباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء الادمی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: شرح تعرف: ۱: ۱۰۳ ز نفحات الانس: ۱۴۱ ز کشف المحجوب: ۱۸۸ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۲۲۴ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۸ اور طبقات الصوفیہ: ۲۶۵ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۴۷) ابراہیم مارستانی۔ ابراہیم بن احمد ابو اسحق المارستانی۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ ان سے ابو محمد جزیری نے حکایت کی ہے۔ جنید کے دوست تھے۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۶)۔ (۲۴۸) ابو سعید القرشی۔ ابو سعید عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب بن نصیر القرشی الرازی الصوفی۔ آخری عمر میں بخارا چلے گئے۔ اور وہیں چورانوے سال ۳۸۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۳: ۱۰۳)

(۲۴۹) عبد الرحمٰن بن احمد الصوفی: ابو القاسم عبد الرحمٰن بن احمد بن ابراہیم الخباز الصوفی یہ قزوین کے رہنے والے تھے۔ حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ پھر دوبارہ حج سے واپسی ۴۰۹ھ میں آئے۔ ابو الحسن قطان سے جو روایات انہوں نے کی ہیں۔ انہیں اہلِ قزوین ضعیف سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ۴۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۳۰۳) (۲۵۰) ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد الخواص ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نفحات الانس: ۱۳۷ ز کشف المحجوب: ۱۹۳ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۳۸۰ ز شرح التعرف: ۱: ۱۰۵ تحفۃ الابرار جدول ششم: ۳ ز المنتظم ۶: ۴۵ اور

طبقات الصوفیہ : ۲۸۴ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے ۔ (۲۵۱) احمد بن علی
بن جعفر ابو القاسم احمد بن علی بن جعفر القزاز الجرجانی ۔ انہوں نے جراح بن اسمٰعیل
دہستانی سے روایت کی ۔ اور جرجان میں سکۃ الفرس میں سکونت پذیر تھے (تاریخ
جرجان : ۵۷) (۲۵۲) الازدی اصل رسالہ قشیریہ اور شرح گیسو دراز دونوں
میں " الازدی " ہی دیا ہے ۔ مگر درست الادمی ہے ۔ جیسا کہ طبقات الصوفیہ (صفحہ ۲۸۶)
میں ہے ۔ الادمی سے مراد ابو العباس بن عطاء الادمی ہیں ۔ (۲۵۳) ابو محمد عبد اللہ بن
محمد خراز : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۵۵ ؛ کتاب جامع
کرامات الاولیاء : ۲ : ۱۰۹ مگر وہاں خراز کی بجائے ان کا لقب حداد دیا ہے ۔ اور
وہ غلط ہے ۔ طبقات الصوفیہ : ۲۸۸ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔
(۲۵۴) ابو الحسن بنان بن محمد بن سعید الحمال : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو ۔
طبقات الصوفیہ : ۲۹۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔

(۲۵۵) ابو حمزہ بغدادی البزاز : ان کا نام محمد بن ابراہیم ہے ۔ ان کے حالات
کے لئے ملاحظہ ہو ۔ نفحات الانس : ۷۳ ؛ تاریخ بغداد : ۱ : ۳۹۰ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء :
۲۸۶ : طبقات الصوفیہ : ۲۹۵ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے ۔ جامی اور عطار
دونوں ان کی وفات ۲۸۹ھ بتاتے ہیں ۔ خطیب بغدادی ابو سعید زیادی کے قول
کو ترجیح دیتے ہوئے ان کی وفات ۲۶۹ھ میں بتاتے ہیں ۔ (تاریخ بغداد : ۱ : ۳۹۳)
(۲۵۶) ابو موسیٰ عیسیٰ بن ابان بن صدقہ القاضی پہلے اصحاب حدیث میں سے تھے ۔ پھر فقہ
کی طرف مائل ہوئے ۔ اور محمد بن الحسن الشیبانی سے فقہ پڑھی ۔ انہوں نے بصرہ میں ۲۲۱ھ
میں وفات پائی ۔ تاریخ بغداد : ۱۱ : ۱۵۷ ۔ ۱۶۰) خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ
ان کی ولاء عیسیٰ بن ابان سے تھی ۔ (۲۵۷) ابو بکر محمد بن موسیٰ الواسطی : ان کے حالات کے
لئے ملاحظہ ہو ۔ نفحات الانس : ۱۷۰ ؛ کشف المحجوب : ۱۹۴ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء :
۳۵۷ ؛ اور طبقات الصوفیہ : ۳۰۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔
ابو العباس القاسم السیاری متوفی ۳۴۲ھ ان کے شاگرد تھے ۔ رسالہ میں ان کی وفات

بعد از ۳۲۰ھ دی ہے۔ مگر جامی قبل از ۳۲۰ھ بتاتے ہیں۔

(۲۵۸) ابوالحسن بن الصائغ : ابوالحسن علی بن محمد بن الصائغ الدینوری: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۱۵۹ : ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۹۸ : کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۱۵۸ اور طبقات الصوفیہ ۳۱۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یاد رہے۔ کہ اسی نام کے ایک اور صوفی بھی گذرے ہیں۔ ان کا نام بھی علی بن محمد بن سہل بن الصائغ الدینوری ہے۔ مگر ان کی وفات ۲۹۷ھ میں ہوئی۔ (جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۱۵۸) ۔ (۲۵۹) ابراہیم بن داؤد الرقی۔ ابواسحق ابراہیم بن داؤد الرقی المعروف بہ ابراہیم قصار۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۱۶۱ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۲۴ اور طبقات الصوفیہ : ۳۱۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ اُنہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے جس وقت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو خلق قرآن کے مسئلہ میں ایذا دی جا رہی تھی۔ اس وقت یہ چھوٹی عمر کے تھے۔ اور اُنہوں نے ذوالنون مصری کو بھی دیکھا ہے۔ (نفحات الانس : ۱۶۳) (۲۶۰) ممشاد دینوری : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس : ۹۳ ؛ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۸۳ : کتاب جامع کرامات الاولیاء : ۲ : ۲۶۸ ؛ تحفۃ الابرار جدول چہارم : ۲ : اور طبقات الصوفیہ : ۳۱۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۶۱) خیر النساج : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس : ۱۳۵ : کشف المحجوب : ۱۸۲ : ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۳۴۰ تحفۃ الابرار جدول ثانی : ۸ اور طبقات الصوفیہ : ۳۲۲ اور وہ مقامات جن وہاں ذکر کیا گیا ہے (۲۶۲) ابوالحسن القزوینی۔ اصل کتاب میں اور شرح گیسو دراز دونوں میں ابوالحسن ہی دیا ہے۔ مگر درست ابوالحسین ہے۔ ان کا اصل نام احمد بن عمر بن العباس ہے۔ ۳۴۵ھ میں بغداد آئے۔ اور وہاں محمد بن عبد بن عامر وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ (تاریخ بغداد : ۴ : ۲۹۱) (۲۶۳) ابوالحسین مالکی۔ اصل نام احمد بن

سعید ہے۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ جنید (م ۲۹۷ھ) کی صحبت میں
رہے۔ ان کی وفات طرسوس میں ہوئی۔ چونکہ خیر نساج کی وفات کا واقعہ بیان کر
رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی وفات یقیناً ۳۲۲ھ کے بعد ہوئی ہوگی (تاریخ بغداد: ۴:
۱۷۲ اور نفحات الانس: ۱۷۰)۔

(۲۶۴) ابو حمزہ خراسانی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس:
۷۲ (ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۳۴۲ (شعرانی (لواقح الانوار: ۱: ۸۸) نے
ان کی تاریخ وفات ۳۰۹ھ دی ہے اور طبقات الصوفیہ: ۳۲۶ اور وہ مقامات
جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۶۵) ابو طیب العکی: ابو الطیب احمد بن مقاتل العکی البغدادی انہوں نے
بندار دینوری سے حکایت کرتے ہوئے شبلی کی وفات کا واقعہ بیان کیا ہے۔

(۲۶۶) ابو الحسن مصری: ان کا اصلی نام علی بن محمد بن احمد المصری، الواعظ ہے
اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے۔ مگر مدت تک مصر میں رہے۔ اور جب
بغداد واپس آئے۔ تو لوگوں نے انہیں مصری کہنا شروع کر دیا۔ ثقہ اور امین تھے
۳۳۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۷۵)۔ (۲۶۷) ابوبکر دلف
بن جحدر شبلی: بہت خوبصورت تھے۔ اور کئی ایک کتابیں لکھیں۔ ۳۳۸ھ
میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۲: ۷۵) ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:
نفحات الانس: ۱۷۴ (ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۷۱ (کشف المحجوب: ۱۹۵ (
کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۸ ۔ شرح التعرف: ۱: ۱۰۴ (تحفۃ الابرار، جدول
ثالث: ۴ اور طبقات الصوفیہ: ۳۳۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا
ہے: (۲۶۸) اسروشنۃ: (الف پر زبر اور پیش دونوں پڑھی جاتی ہیں)۔
سیحول اور سمرقند کے درمیان ایک شہر کا نام ہے۔ (معجم البلدان (۱۹۷) ۱: ۲۴۵ ۲۷
(۲۶۹) دماوند: یا دنباوند۔ ری کے قریب ایک بستی اور پہاڑ کا نام ہے۔ سعید
بن العاص نے حضرت عثمان کے عہد ۲۹ھ یا ۳۰ھ میں اسے فتح کیا۔ (معجم البلدان: ۲:

۴۷۵ - ۷۷۴) (۲۰۷) شرح گیسو دراز میں دیا ہے کہ اس کا اشارہ اس بات کی طرف ہے۔ کہ جب ان کی وفات کا وقت آپہنچا۔ اور غشی طاری ہوئی۔ تو حاضرین کو اشارہ کیا۔ کہ انہیں وضو کرائیں۔ وضو کرانے والے نے داڑھی کا خلال نہ کیا۔ مگر چونکہ یہ فعل ایک سنت فعل تھا۔ انہوں نے غشی کی حالت میں ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کا خلال کیا۔ لہٰذا جب ایسی حالت میں اتباع سنت کا یہ عالم تھا۔ تو صحت کی حالت میں کیا حال ہوگا۔ نیز ملاحظہ ہو کتاب اللمع صفحہ ۱۰۴ (۲۷۱) ابو محمد عبد اللہ بن محمد مرتعش ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۱۹۸ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۳۱ ز کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲ : ۱۰۴ ۔ تحفۃ الابرار جدول ششم: ۱۰ ز اور طبقات الصوفیہ: ۳۴۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۷۲) طلقاد باد: (میم پر پیش) نیشا پور کے ایک محلہ کا نام ہے (معجم البلدان: ۵ : ۱۹۳) (۲۷۳) شونیز (شین پر پیش) ، بغداد کی غربی جانب ایک قبرستان ہے جہاں صالحین کی ایک جماعت مدفون ہے۔ مثلاً جنید۔ جعفر خلدی اور رویم وغیرہ۔ اور وہاں صوفیاء کے لئے ایک خانقاہ بھی تھی۔ (معجم البلدان: ۳ : ۳۷۴) (۲۷۴) ابو علی احمد بن محمد رود باری: ان کے نام میں اختلاف کے متعلق ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ: ۳۵۴ : ان کے حالات کے لئے ملاحظہ نفحات الانس: ۱۹۳ ز کشف المحجوب: ۱۹۷ ز شرح التعرف ۱ : ۱۰۷ ز تحفۃ الابرار: جدول چہارم: ۴ : اور طبقات الصوفیہ: ۳۵۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۷۵) القاسم الدمشقی: طبقات الصوفیہ میں ان کا نام عبد اللہ بن محمد دیا ہے۔ اور ایک جگہ (صفحہ ۳۷۷) انہیں ابو القاسم عبد اللہ بن محمد الشامی لکھا ہے۔ نور الدین شریبہ نے بھی ان کا حال نہیں لکھا۔ اور مجھے بھی نہیں ملا۔ (۲۷۶) جہنم میں: رسالہ اور طبقات الصوفیہ میں لفظ سقر (جہنم) ہی دیا ہے۔ مگر شرح گیسو دراز میں (صفحہ ۲۰۴) لفظ شقوۃ (بدبختی) دیا ہے۔

(۲۷۷) ابو العباس بن سریج: ابو العباس احمد بن عمر بن سریج البغدادی المتوفی

۳۰۶ھ - یہ شافعیہ کے شیخ تھے۔ ستاون سال چھ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔ ان
کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۳۰) (۲۷۸) ثعلب لقب نام
احمد بن یحییٰ بن یزید الشیبانی یہ لغت اور عربی کے شیخ تھے۔ اُنہوں نے کئی ایک سے
حدیث سُنی۔ اور ان سے کئی ایک نے۔ اُنہوں نے قواریری سے ایک لاکھ حدیث
سنی۔ ان کا شمار مکثرین میں ہوتا ہے صالح اور متقی تھے۔ ۲۹۱ھ میں وفات
پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۲۰۷: البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۹۸) (۲۷۹)
ابراہیم حربی: ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم۔ ابو اسحٰق الحربی۔ یہ حربیہ کی طرف منسوب
ہیں۔ حربیہ باب حرب میں بشر حافی اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالےٰ کے مقبرہ
کے قریب بغداد میں ایک بہت بڑا محلہ کا نام ہے۔ حرب بن عبداللہ البلخی
(م ۱۴۷ھ) المعروف بہ راوندی ابوجعفر المنصور کی طرف سے بغداد کے کوتوال
تھے۔ ان کے نام سے یہ محلہ مشہور ہوا۔ (معجم البلدان: ۲: ۲۳۷) یہ دراصل
مرو کے رہنے والے تھے۔ ان کی والدہ بنی تغلب میں سے تھیں۔ اور ان کے بیشتر
ماموں عیسائی تھے خود فرماتے ہیں کہ مجھے حربی اس لئے کہا گیا۔ کہ میں حدیث سننے
کی غرض سے کرخ (بغداد کا ایک محلہ) کے لوگوں کی صحبت میں رہا۔ اور ان کے نزدیک
تمام وہ علاقہ جو قنطرۃ العتیقہ (پرانے پل) کے پار ہے۔ حربیہ کہلاتا ہے۔ لہٰذا
اُنہوں نے مجھے بھی حربی کہنا شروع کر دیا۔ یہ ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۵ھ
میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۶: ۲۷-۴۰ (المنتظم: ۶: ۲ ز معجم البلدان
: ۲: ۲۳۷ ز شذرات الذھب: ۲: ۱۹۰) (۲۸۰) ابو محمد عبداللہ بن منازل
ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۲۰۰ ز تحفۃ الابرار جدول
ششم: ۶۱: ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۲۲۸: ز اور طبقات الصوفیہ: ۳۶۶
اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔
(۲۸۱) ملامتیہ: صوفیاء کے ایک فرقہ کا نام ہے۔ سہروردی عوارف المعارف
(۱: ۵۹-۶۰) میں فرماتے ہیں۔ کہ ملامتی وہ ہے۔ جو نہ اپنی نیکیوں کو ظاہر کرے۔ اور نہ

اپنی برائیوں کو چھپائے۔ اس کی تشریح یہ ہے۔ کہ ملامتی کی رگ و پے میں اخلاص ہوتا ہے۔ اور وہ سچائی میں ثابت قدم ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اس کے حالات اور اعمال پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ (۲۸۲) عبداللہ المعلم: طبقات الصوفیہ میں ان کا پورا نام عبداللہ بن محمد بن فضلویہ المعلم (صفحہ ۱۲۷) دیا ہے۔ نورالدین شریبہ نے ان کے حالات نہیں دیئے۔ اور مجھے بھی نہیں ملے۔ (۲۸۳) ابو علی محمد بن عبدالوہاب ثقفی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۹۵ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۹۔ مگر وہاں ان کی تاریخ وفات غلط چھپی ہے۔ ۳۴۸ھ کی بجائے ۳۲۸ھ پڑھیں۔ تحفۃ الابرار جدول ششم: ۱۰ ؛ اور طبقات الصوفیہ: ۳۶۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲۸۴) ابو الخیر الاقطع: عباد بن عبداللہ ابو الخیر الاقطع التیناتی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ: ۱۱: ۲۲۸ ز المنتظم: ۳۷۶؛ معجم البلدان: ۲: ۶۸ ز نفحات الانس: ۲۰۰ تا ۲۰۵ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۳۶۲ ز اور طبقات الصوفیہ: ۳۷۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی نے المنتظم میں ان کی تاریخ وفات ۳۴۳ھ دی ہے اور یاقوت نے ۳۴۹ھ۔ ابن کثیر نے بھی ۳۴۳ھ ہی دی ہے۔ (۲۸۵) تینات: ساحل شام پر "مصیصہ" کے قریب ایک بندرگاہ کا نام ہے (معجم البلدان: ۲: ۶۸) (۲۸۶) ابوبکر محمد بن علی الکتانی، ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۷۲ شرح تعرف: ۱: ۱۰۰ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۱۰ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۴۶ ز اور طبقات الصوفیہ: ۳۷۳ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے: (۲۸۷) ابو یعقوب بن محمد نہرجوری: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۴۷ ز نفحات الانس: ۱۳۱ ز شرح تعرف: ۱: ۱۰۵ ز المنتظم: ۶: ۳۴۶ ز البدایۃ والنہایۃ: ۱۱: ۲۰۳ ز اور طبقات الصوفیہ: ۳۷۸۔ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے (۲۸۸) ابو عمرو مکی: رسالہ قشیریہ؛

غلط چھپا ہے۔ عمرو مکی چاہیئے۔ کیونکہ ان کا نام ابو عبداللہ عمرو بن عثمان مکی ہے ملاحظہ ہو۔
حاشیہ ۲۱۹ (۲۸۹) ابو یعقوب سوسی: ابو یعقوب بن ہمدان السوسی۔ استاد
ابو یعقوب نہر جوری قدماء مشائخ میں سے تھے۔ اور صاحب تصانیف ہیں۔ ابلہ میں وفات
پائی۔ (نفحات الانس: ۱۳۰) (۲۹۰) ابو الحسین احمد بن علی اصل کتاب میں اسی طرح
دیا ہے یہ شرح گیسو دراز میں ابو الحسن احمد بن علی ہے۔ مگر طبقات الصوفیہ میں سند
یوں آئی۔ سمعت ابا الحسین یقول سمعت احمد بن علی اور یہی درست معلوم ہوتا ہے
چنانچہ اگلے قول کی سند ملاحظہ ہو۔ ابو الحسن سے مراد محمد بن احمد بن ابراہیم ابو الحسین
الفاسی سے ہے۔ یہ ابو بکر محمد بن اسحق الکلاباذی مصنف کتاب التعرف کے
استاد تھے۔ ان کی وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۷۹) اور
احمد بن علی سے مراد ابو القاسم احمد بن علی بن جعفر القزاز الجرجانی سے ہے۔
انہوں نے الجراح بن اسماعیل سے روایت کی۔ یہ جرجان میں سکۃ الفرس میں قیام
کرتے تھے۔

(۲۹۱) ابو الحسن علی بن محمد المزین ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات
الانس: ۸۵ از: المنتظم: ۶: ۳۰۴) (کتاب جامع کرامات الاولیاء: ۲: ۸ از
تحفۃ الابرار جدول ششم: ۱۰: اور طبقات الصوفیہ: ۳۸۲ اور وہ مقامات
جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یاد رہے۔ کہ مزین لقب سے دو شخص مشہور ہیں۔
ایک مزین صغیر اور دوسرا کبیر۔ مزین صغیر کا ترجمہ کتاب میں آگیا ہے۔ اور
مزین کبیر کی کنیت ابو جعفر ہے۔ ان کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔ جس سال مزین
صغیر کی ہوئی۔ یعنی ۳۲۸ھ میں انہوں نے بھی مکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور وہیں
انتقال ہوا۔ صفۃ الصفوۃ: ۲: ۱۵۰ از المنتظم: ۶: ۳۰۵)

(۲۹۲) ابو علی بن الکاتب۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ
: ۱۱: ۲۲۸: نفحات الانس: ۱۹۹ ز اور طبقات الصوفیہ ۳۸۶ اور وہ مقامات
جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی نے ان کا نام حسن بن علی دیا ہے۔ اور ۳۴۳ھ

میں ان کی وفات بتائی ہے (المنتظم ۶: ۲۲۵) ابن کثیر نے بھی ۳۴۳ھ دیا ہے۔

(۲۹۳) ابوبکر مصری سے۔ یہاں مراد محمد بن ابراہیم ابوبکر مصری سے ہے۔ یہ ابوبکر دقی کے استاد اور زقاق کبیر کے شاگرد تھے۔ جلید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔ (نفحات الانس: ۱۸۳) اور نور الدین شریبہ نے غلطی سے یہاں ابوبکر محمد بن احمد بن محمد الحداد المصری سے مراد لی ہے۔ اگرچہ وہ بھی بڑے عبادت گذار اور جلیل القدر امام تھے۔ مگر یہاں صوفیاء اور ان کی صحبت کا ذکر ہو رہا ہے۔ عجیب اتفاق یہ ہے۔ کہ دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوئے ہیں۔ ابوبکر حداد نے ۳۴۳ھ میں وفات پائی۔ مگر نور الدین شریبہ نے سال وفات ۳۴۵ھ دیا ہے (طبقات الصوفیہ: ۳۸۶)۔

(۲۹۴) مظفر قرمیسینی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۲۰۸ طبقات الصوفیہ ۳۹۶ اور وہ مقامات جو وہاں دیئے گئے ہیں۔

(۲۹۵) شرح گیسو دراز میں اخس کی بجائے احسن ہے اور شرح بھی اسی طرح کی گئی ہے اور وہ سب غلط ہے

(۲۹۶) ابوبکر عبد اللہ بن طاہر ابہری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۱۷۹ شرح تعرف ۱: ۹۹ طبقات الصوفیہ ۳۹۱۔ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی نے ان کی تاریخ وفات ۳۲۹ھ دی ہے۔

(۲۹۷) ابہری نسبت ہے ابہر کی طرف۔ ابہر حجاز میں ایک پہاڑ کا نام ہے جس کی طرف ابوبکر ابہری منسوب ہیں (معجم البلدان ۱۔ ۸۲)۔

(۲۹۸) ابو الحسین بن بنان۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس ۲۰۹ طبقات الصوفیہ ۳۸۹۔ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۲۹۹۔ ابو اسحق قرمیسینی۔ قرمیسینی۔ قرمیسین معرب ہے کرماں شاہ کا۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ ترجمہ تذکرۃ الاولیاء۔ ۴۸۳ نفحات الانس۔ ۲۰۶۔ تحفۃ الابرار جدول ششم۔ ۱۱۔ المنتظم۔ ۳۹۰۔ البدایہ والنہایہ۔ ۱۱۔ ۲۳۴ اور طبقات الصوفیہ۔ ۴۰۲ اور وہ مقامات جن کا ذکر

وہاں کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی اور ابن کثیر دونوں نے اس کی تاریخ وفات ۳۴۵ھ دی ہے جامی نے ۳۳۷ھ دی ہے۔

(۳۰۰) اصل کتاب میں اسی طرح۔ ابو یزید ہی دیا ہے۔ اور شرح گیسو دراز میں بھی اسی طرح ہے مگر درست جیسا کہ طبقات الصوفیہ میں ہے ابو زید المروزی الفقیہ ہے ابو زید محمد بن عبداللہ المروزی الفقیہ۔ امام اور مذہب شافعی کے حافظ تھے اور اپنے زہد و ورع کی وجہ سے مشہور بغداد آئے اور وہاں حدیث کی روایت کی پھر مکہ میں رہے ان کی وفات مرو میں ۳۷۱ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد: ۱: ۳۱۴ شذرات الذہب ۳: ۷۶۔ المنتظم: ۷: ۱۱۲ نیز البدایہ والنہایہ: ۱۱۔ ۲۹۹)

(۳۰۱) ابوبکر حسین بن علی بن یزد انیار۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۷۸ اور طبقات الصوفیہ ۴۰۶ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۳۰۲۔ ارمینیہ۔ اصل کتاب اور شرح گیسو دراز دونوں میں ارمینیہ ہی دیا ہے۔ مگر درست جیسا کہ طبقات الصوفیہ ۴۰۶ میں ہے ارومیہ ہے جس سے اسم نسبت ارموی بنتا ہے چنانچہ جامی نے ابوبکر یزدانیار ارموی ہی لکھا ہے اور ارمینیہ کا اسم نسبت ارمنی خلاف قیاس آتا ہے معجم البلدان ۱: ۱۵۹۔ ۱۶۰)۔

(۳۰۳) ابوسعید بن الاعرابی۔ ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس ۲۱۱ تحفۃ الابرار جدول ششم: ۲۲ نیز طبقات الصوفیہ ۴۲۷ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۰۴) ابوعمر محمد بن ابراہیم الزجاجی نیشاپوری ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس۔ ۲۱۱ نیز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۳۵ نیز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء ۳۹۸ نیز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۱۲۔ اور طبقات الصوفیہ ۴۳۲۔ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ان کے والد ابو اسحاق ابراہیم بن یوسف بن محمد الزجاجی بھی صوفیاء میں سے ہوئے ہیں اور ابوحفص کے کبار اصحاب میں سے تھے ان کا طریقہ طریقۂ ملامت تھا۔ جامی نے ان کا ذکر کیا ہے (نفحات الانس ۲۱۲)۔

(۳۰۵) ابوعمرو بن نجید۔ ملاحظہ ہو ع ۳۱۱۔ ۸۵۔

(۳۰۶)۔ یہ الفاظ (الا فی اختفی) شرح گیسو دراز اور طبقات الصوفیہ دونوں میں نہیں ہیں مگر معنی ان کے بغیر صحیح نہیں بنتے۔

(۳۰۷) ابومحمد جعفر بن محمد بن نصیر: ابومحمد جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی الخواص۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس ۱۲۱؛ ز کشف المحجوب ۱۸۷؛ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء۔ ۳۶۱؛ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۳۷؛ ز البدایہ والنہایہ ۱۱: ۲۴۳ اور طبقات الصوفیہ: ۴۳۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۰۸) ابوالعباس سیاری۔ ابوالعباس قاسم سیاری۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۱۴۵؛ ز کشف المحجوب: ۱۹۸؛ ز ترجمہ تذکرۃ اولالیاء: ۱۰۴۔ اور طبقات الصوفیہ: ۴۴۰ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اپنے نانا سیار کی طرف منسوب ہیں اسی لئے سیاری کہلاتے یہ احمد بن سیار کے بھانجے اور عبدالواحد بن علی السیاری (م ۳۷۵ھ) کے ماموں ہوتے ہیں۔

۳۰۹۔ ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۱۸۳؛ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۷۱؛ ز المنتظم: ۷: ۵۶؛ ز تحفۃ الابرار جدول ششم ۱۲: اور طبقات الصوفیہ ۴۴۸ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے جامی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی ابن الجوزی اور ابن کثیر دونوں نے ان کی تاریخ وفات ۳۶۰ھ دی ہے اور جامی نے ۳۵۹ھ شعرانی اور ابن الجوزی دونوں نے انہیں الرقی (بالراء) لکھا ہے نورالدین شریبہ اور نکلسن نے اللمع میں الدقی (بضم الدال المہملہ) ضبط کیا ہے۔ میں معلوم نہیں کر سکا کہ یہ نسبت کیسی ہے۔

(۳۱۰) ابومحمد عبداللہ بن محمد رازی۔ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الرازی الشعرانی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۲۱۶ ز طبقات الصوفیہ: ۴۵۱ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۱۱) ابوعمرو اسمٰعیل بن نجید: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس:

۲۱۵ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۶۰ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۲۴ز مقدمہ "اللمع": ۱۸: البدایۃ والنہایۃ: ۱۱: ۲۸۸ اور طبقات الصوفیہ ۴۵۴ اور وہ مقامات جن کو وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔ یہ ابو عبدالرحمن محمد بن حسین سلمی کے نانا ہوتے ہیں چونکہ انہوں نے جنید کو بھی دیکھا ہے لہذا کافی لمبی عمر پائی ہے ۔

(۳۱۲) ابو عثمان سے مراد ابو عثمان حیری ہیں

(۳۱۳) اس قول میں لفظ "ولو لبعد حین" ہے مگر شرح گیسو دراز میں الا لبعد حین چھپا، اور اسی طرح شرح بھی کی گئی ہے جس کا اصل معنی اور قائل کی مراد سے کوئی تعلق نہیں ۔

(۳۱۴) ابوالحسن علی بن احمد بن سہل بوشنجی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۲۱۴ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۴۳۴ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۱۲ز اور طبقات الصوفیہ ۴۵۸ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔ بوشنج جس کی طرف یہ منسوب ہوتے ہیں پوشنگ کا معرب ہے ۔ پوشنگ ہراۃ کے نواح میں دس فرسنگ کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا معجم البلدان ۱۱: ۵۰۸ ۔

(۳۱۵) یہ قول اصل کتاب اور طبقات الصوفیہ (ص۴۶۰) میں اس طرح دیا ہے "ترک استعمال ماہو محرم علیک مع الحرام الکاتبین" حلیۃ الاولیاء (۱۰: ۳۷۹) میں یوں دیا ہے 'ترک استعمال ماہو محرم علیک مع اکرام الکاتبین " شرح گیسو دراز (ص۲۳) میں یوں دیا ہے ۔ "ترک استعمال ماہو محرم علیک وتعلم انک مع کرام الکاتبین وکذا" شرح گیسو دراز کی روایت کے مطابق معنی واضح ہو جاتے ہیں

(۳۱۶) ابو عبداللہ محمد بن خفیف شیرازی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس ۲۲۲ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱ ۲۹۹ ز کشف المحجوب: ۱۹۹ز تحفۃ الابرار جدول چہارم: ۳ مگر وہاں ان کی تاریخ وفات غلط دی ہے اور طبقات الصوفیہ: ۴۶۲ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے ۔

(۳۱۷) اصل کتاب میں اور شرح گیسو دراز میں اسی طرح "احدی وتسعین وثلاث مائۃ" دیا ہے ۔ مگر درست ۳۷۱ھ "احدی وسبعین وثلاثمائۃ" ہے جیسا کہ طبقات الصوفیہ میں ہے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ کاتب نے "سبعین" کی بجائے "تسعین" لکھ دیا ہے۔ جامی نے بھی ان کی تاریخ وفات غلط دی۔ وہ ۳۳۱ھ بتاتے ہیں۔ طبقات الصوفیہ میں یہ بھی دیا ہے کہ ان کی ملاقات حسین بن منصور سے ہوئی۔ اور حسین بن منصور کو ۳۰۹ھ میں پھانسی دی گئی۔ لہٰذا ان کی تاریخ پیدائش ۳۰۹ھ سے کم از کم دس پندرہ سال پہلے ہونی چاہیئے

(۳۱۸) ابو عبداللہ بن باکویہ الشیرازی: ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ الشیرازی۔ یہ محمد بن خفیف کی صحبت میں رہے۔ اور حدیث بھی حاصل کی۔ ان کی وفات ۴۲۸ھ میں ہوئی (شذرات الذھب: ۳: ۲۴۲) ان کا بیٹا علی بھی ابن باکویہ کہلاتا ہے۔ انہوں نے جوانی میں محمد بن خفیف کو دیکھا۔ اور قشیری سے ملاقات کی۔ ان کی وفات ۴۴۲ھ میں ہوئی (نفحات الانس: ۲۹۵)

(۳۱۹) ابو العباس کرخی (بالخاء المعجمہ) ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ میرے خیال میں یہ نام ابو العباس کرجی (بالجیم) ہے۔ ان کا پورا نام احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ ابو العباس القاضی الکرجی۔ انہوں نے احمد بن سلیمان عباوانی سے روایت کی۔ اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۴: ۳۶۸)

(۳۲۰) ابو الحسین بندار بن حسین ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ نفحات الانس: ۲۱۵ ز تحفۃ الابرار جدول ششم: ۳۰ ز المنتظم: ۷: ۲۲ ز طبقات الصوفیہ: ۴۶۷: اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳۲۱) ابو بکر طمستانی: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۱۸۴ ز اور طبقات الصوفیہ: ۱۷۴ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے

(۳۲۲) ابو عبداللہ شیرازی: ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الشیرازی الصوفی المعروف بہ ابن باکویہ الامام۔ یہ محمد بن خفیف کی صحبت میں رہے ہے۔ اور مختلف مقامات پر حدیث لکھی۔ ۴۲۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۳: ۲۴۲) یاد رہے۔ کہ محمد بن خفیف م ۳۷۱ھ جن کا حال پہلے گذر چکا ہے وہ بھی

ابو عبد اللہ شیرازی کہلاتے ہیں۔ ایک تیسری ابو عبد اللہ شیرازی بھی ان کا
نام المطہر بن محمد بن ابراہیم ابو عبد اللہ الشیرازی الصوفی ہے۔ مگر یہ اللحافی کے
نام سے مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۳۴۵ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳: ۲۲۰)
(۳۳۳) خواجہ گیسو دراز (م ۸۲۶) نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:
"چو از دل اندوہگین شد بسبب من الاسباب کہ آں سبب نسبت بمقصود او ندارد
عقوبتے در وقت او شد کہ صوفی را ہیچ عقابے بالاتر از پریشانی و تشتت دل
نیست۔"
(۳۳۴) ابو العباس احمد بن محمد دینوری: نفحات الانس: ۱۴۴ از الد طبقات
الصوفیہ: ۴۷۵ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔
(۳۳۵) ابو عثمان سعید بن عثمان مغربی ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔
ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۹۵ ز کشف المحجوب: ۱۹۹: البدایۃ والنہایۃ:
۱۱ ۳۰۲ ز المنتظم: ۷: ۱۲۲ اور طبقات الصوفیہ: ۴۷۹ اور وہ مقامات
جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قیرواں میں پیدا ہوئے اور کئی سال مکہ میں رہے۔
(۳۳۶) ابو القاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی۔ ان کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو۔ نفحات
الانس: ۲۱۸ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۹۹ ز کشف المحجوب: ۲۰۰ ز تحفۃ
الابرار جدول ششم: ۳: اور طبقات الصوفیہ ۴۸۴ اور وہ مقامات جن
کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔
(۳۳۷) جامی نے ان کی تاریخ وفات ۳۷۲ھ دی ہے۔
(۳۳۸) ابو الحسن علی بن ابراہیم الحصری البصری: ان کے حالات کے لئے ملاحظہ
ہو۔ نفحات الانس: ۲۱۹ ز ترجمہ تذکرۃ الاولیاء: ۳۹۳ ز کشف المحجوب: ۲۰۱ ز
البدایۃ والنہایۃ: ۱۱: ۲۹۸ ز المنتظم: ۷: ۱۱: تحفۃ الابرار جدول ششم:
۱۴ از طبقات الصوفیہ: ۴۸۹ اور وہ مقامات جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے
(۳۳۹) ابو عبد اللہ احمد بن عطاء رودباری ان کے حالات کے لئے

ملاحظہ ہو: نفحات الانس : ۲۴۸ ز المنتظم : ۷ : ۱۰۱ اور طبقات الصوفیہ : ۴۹۷ اور وہ مقامات جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی ولادت ۳۰۳ھ میں ہوئی اور وفات ۳۶۹ھ میں۔

(۳۴۰) ان کی والدہ کا نام فاطمہ ہے۔ جو ابو علی رودباری کی ہمشیرہ ہیں۔

(۳۴۱) ابو علی حسن بن علی الدقاق متوفی ۴۰۶ھ کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو مقدمہ صفحہ ۷۹

(۳۴۲) ابو عبد الرحمٰن سلمی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ صفحہ ۸۰

(۳۴۳) ابو الحسن علی بن جہضم : ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن الحسن بن جہضم الہمذانی۔ یہ شیخ حرم کہلاتے ہیں۔ تصوّف کی کتاب بہجۃ الاسرار ان ہی کی تصنیف ہے۔ انہوں نے ابو سلمہ القطان اور احمد بن عثمان الادمی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ اُنہوں نے لمبی عمر پائی ہے۔ یہ کوکبی اور جعفر خلدی (م ۳۴۸ھ) کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے ۴۱۴ھ میں وفات پائی۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، نفحات الانس : ۲۵۵ ز المنتظم : ۷ : ۴) ز شذرات الذہب ۳: ۲۰۰ ز البدایۃ والنہایۃ : ۱۲ : ۱۶ ز تحفۃ الابرار جدول ہشتم : ۱۵۔

(۳۴۴) ابو العباس قصار : ابو العباس احمد بن محمد بن عبد الکریم القصار۔ آمل وطبرستان کے شیخ تھے۔ اور محمد بن عبد اللہ ابو محمد جریری کے مرید تھے۔ صاحب کرامات اور قبلہ و غوث زمانہ تھے۔ (نفحات الانس : ۲۶۷-۲۶۸۔ کشف المحجوب : ۲۰۲)

(۳۴۵) ابو القاسم الصیرفی : ابو القاسم عبید اللہ بن ابی الفتح۔ واسمہ احمد۔ بن عثمان الصیرفی۔ انہوں نے کثرت سے حدیث سُنی۔ یہ صاحب صدق و امانت تھے۔ ہمیشہ قرآن مجید کا درس دیتے۔ ان کی ولادت ۳۵۵ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۴۳۵ھ میں (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۳۸۵)

(۳۴۶) ابو سعید مالینی اصل کتاب اور شرح گیسو دراز دونوں میں ابو سعید ہی دیا ہے۔ مگر درست ابو سعد احمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ انصاری المالینی

الصوفی ہے مالین ہراۃ سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک بستی کا نام ہے۔ انہوں نے
حدیث کی تلاش میں بہت سفر کیے۔ انہوں نے ابو عمرو بن نجید السلمی اور ابو بکر
اسماعیلی سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے ابو بکر خطیب اور ابو بکر احمد بن
الحسین البیہقی وغیرہ لا تعداد لوگوں نے کی۔ ان کی وفات مصر میں ۴۱۲ھ میں ہوئی۔
یہ طاؤس الوقت کے نام سے مشہور تھے (شذرات الذھب: ۳: ۱۹۵؛ ز
معجم البلدان: ۵: ۴۴؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۵۶؛ المنتظم: ۳۰۸؛ ز البدایہ والنہایہ:
۱۲: ۱۱؛ ز تاریخ جرجان: ۸۲)

(۳۴۷) کتاب التعرف میں ہے۔ کہ ایک متکلم نے ابو العباس بن عطاء سے
سوال کیا۔ کہ تم صوفی لوگوں نے ایسے الفاظ گھڑ رکھے ہیں۔ جن کے معانی لوگوں کو انوکھے
معلوم ہوتے ہیں۔ اور تم نے متعمل اور متعارف زبان کو ترک کر دیا ہے۔ یا تو تم ملمع سازی
کرتے ہو۔ یا اپنے مذہب کے عیوب چھپاتے ہو۔ اس پر ابو العباس نے جواب
دیا۔ کہ ہم نے ان معانی کو انوکھے الفاظ اس لئے پہنائے ہیں۔ کہ ہم کو غیرت
آتی ہے۔ کہ کہیں نا اہل لوگ انہیں نہ جان لیں۔ اور یہ معانی نایاب چیز ہوتے ہیں۔
(شرح تعرف: ۳: ۸۷)

(۳۴۸) وقت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۴۸۴؛ ز عوارف
المعارف: ۴: ۴۶۸

(۳۴۹) مقام کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۴۸۲ عوارف
المعارف ۴: ۲۸۱-۲۹۸

(۳۵۰) مجوسیت اس لئے فرمایا۔ کہ جب صوفی کی نظر اپنے افعال پر پڑے
تو گویا اس نے اپنے آپ کو خالق افعال سمجھا۔ حالانکہ خالق افعال اللہ تعالیٰ ہیں۔
نیز یہ کہ اس صورت میں بندہ اپنے آپ کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے اور خدا کو بھی،
حالانکہ قائم بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ لہٰذا دو کو قائم بالذات جانا۔ اور یہی
ثنویت یا مجوسیت ہے۔

(۳۵۱) قشیری نے آگے چل کر اس کی ایک در تشریح دی ہے۔ ملاحظہ ہو بحث "ستر و تجلی"۔

(۳۵۲) بحث قبض و بسط کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۴۸۸ نیز عوارف المعارف: ۴: ۴۴۲۔

(۳۵۳) ھیبت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب: ۴۹۰۔

(۳۵۴) خلاصہ یہ کہ ھیبت قبض سے پیدا ہوتی ہے۔ اور قبض خوف سے۔ اسی طرح انس بسط سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بسط رجا سے؛ کیونکہ جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اور اسے اپنی کوتاہی کا علم ہوگا۔ اس کا دل منقبض ہوگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ مشغول ہوگا۔ جس سے اس پر ھیبت طاری ہو جائے گی۔ اور جسے کسی نیکی کے حاصل کرنے کی امید ہوگی۔ اس کا دل منبسط ہوگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ مشغول رہے گا۔ جس سے اس کو انس حاصل ہوگا۔ (شرح زکریا الانصاری)

(۳۵۵) ابو مقاتل عکی۔ ابو الطیب احمد بن مقاتل العکی۔ اللمع کے انگریزی مقدمہ میں انہیں ابو الطیب احمد بن مقاتل عکی البغدادی لکھا ہے۔ اس سے زیادہ ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس وقت کا ہے۔ جب شبلی رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے شبلی کی وفات ۳۳۴ھ میں ہوئی۔ کتاب اللمع صہ ۱۰۴ پر بندار دینوری کی سند سے شبلی کی وفات کا ذکر ہے۔ یہ ۳۳۴ھ کے بعد تک زندہ تھے۔ مزید براں یہ ابوالحسن مصری متوفی ۳۳۸ھ سے روایت کرتے ہیں (رسالہ صہ ۲۷) پھر عکی سے دو شخص روایت کرتے ہیں۔ ابوالفرج ورثانی متوفی ۳۷۲ھ۔ (طبقات الصوفیہ صہ ۷۹) اور ابو النصر سراج طوسی م ۳۷۸ھ (طبقات الصوفیہ: صہ ۱۹۷ - ۲۶۰ - ۳۴۵) لہذا عکی کی وفات ۳۳۸ھ اور ۳۷۸ھ کے درمیان ہوئی۔

(۳۵۶) وجد و تواجد کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ عوارف المعارف: ۴: ۴۶۲

(۳۵۷) یہ شعر کتاب میں اسی طرح درج ہے۔ مگر درست اس طرح ہے۔

قَدْ تَجَاوَزْتُ دَعَائِی بَینُ خَزَرٍ ٭ ثُمَّ کُسِّرَاتُ الْعَیْنِ مِنْ غَیْرِ عَوْرٍ

(۳۵۸) ابو العباس عبداللہ بن خلیفہ المعتز عربی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔ اس نے ادب ابو العباس المبرد (م ۲۸۵ھ) اور ابو العباس ثعلب (م ۲۹۱ھ) سے حاصل کیا۔ ۲۹۶ھ میں انہیں صرف ایک شبانہ روز کے لئے مسند خلافت پر بٹھا دیا گیا۔ شذرات الذھب: ۲: ۲۲۱ - ۲۲۴ اور لٹریری ہسٹری آف دی عربز: ۳۲۵)

(۳۵۹) جہم دقی۔ یہ متاخرین مشائخ میں سے ہیں۔ یہاں انہیں ابوبکر دقی (م بعد از ۳۵۰ھ) کا ہمعصر قرار دیا ہے۔ (نفحات الانس: ۲۲۲) ایک اور صوفی بھی گذرے ہیں۔ جن کا نام جہم بن البختری ہے۔ وہ بشر بن الحارث (م ۲۲۷ھ) کے مرید تھے۔ (۳۶۰) ابو عبداللہ تروغندی (نون کے ساتھ) دیا ہے۔ مگر درست تروغبذی۔ تروغبذ طوس سے . . . . چار میل کے فاصلہ پر ایک بستی کا نام ہے۔ مکمل نام ابو عبداللہ محمد بن محمد بن الحسن التروغبذی ہے۔ طوس کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی وفات ۳۵۰ھ کے بعد ہوئی۔ (طبقات الصوفیہ: ۴۹۲)

(۳۶۱) جمع و فرق کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۳۲۴-۳۳۳-اور شرح التعرف: ۴: ۶۵ عوارف المعارف: ۴: ۲۵۴-

(۳۶۲) ابو سہل محمد بن سلیمان العجلی الصعلوکی النیشاپوری اپنے وقت کے امام تھے۔ ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ ولادت ۲۹۰ھ میں ہوئی (شذرات الذھب: ۳: ۶۹)

(۳۶۳) مختصر یہ کہ جو شخص کوئی فعل محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کرتا ہو۔ مگر ساتھ ہی وہ اس اطاعت کو اپنی طرف سے خیال کرتا ہو۔ تو یہ "تفرقہ" کہلائے گا۔ اور جس نے یوں سمجھا کہ یہ افعال اس سے محض عنایت ربانی کی وجہ سے صادر

ہوتے ہیں۔ تو اس نے ان افعال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشاہدہ کیا۔ یہ صورت "جمع" کہلائے گی۔ پھر جس نے عمل کرنے کے بعد نہ اپنی طرف دھیان کیا۔ اور نہ اپنے فعل کی طرف، بلکہ ان سب سے غافل ہوکر اللہ تعالیٰ ہی کے دھیان میں لگا رہا۔ تو یہ جمع الجمع ہوگا۔ (شرح زکریا انصاری)۔

(۳۶۴) اصل کتاب میں یہ شعر یوں ہے۔

وتحققتک فی سری فناجاک لسانی

(۳۶۵) فنا و بقاء کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ شرح التعرف: ۴: ۸۲: عوارف المعارف: ۴: ۴۴۰۔ ۴۴۹۔

(۳۶۶) غیبت اور حضور کی بحث کے لئے دیکھئے شرح التعرف: ۴: ۵۲ اور کشف المحجوب: ۳۱۹ ز عوارف المعارف: ۴: ۴۶۹۔

(۳۶۷) ابو یزید ربیع بن خیثم الثوری الکوفی اجلہ تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے عبد اللہ بن مسعود اور ابو ایوب انصاری اور عمرو بن میمون رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ ان کی وفات یزید بن معاویہ کے عہدِ خلافت میں ۶۳ھ میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۵۴ ز تاریخ الاسلام: ۳: ۱۵/۲۴۷/ ۳۶۵۔ تہذیب التہذیب: ۳: ۲۴۲)

(۳۶۸) عبد اللہ بن مسعود بن غافل۔ مشہور صحابی ہیں۔ اور سابقین اولین میں سے تھے۔ حضور کے خصوصی خادم رہے۔ انہوں نے مدینہ میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۳: ۲۵۶۔ ۲۶۰)

(۳۶۹) زین العابدین۔ علی بن الحسین الہاشمی کوفہ میں پیدا ہوئے۔ انہیں زیادہ عبادت گذار ہونے کی وجہ سے زین العابدین کہا گیا۔ وفات تک یہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے رہے۔ میدان کربلا میں یہ بیمار تھے۔ ان کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذہب: ۱: ۱۰۴)

(۳۷۰) ابو نصر المؤذن: ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ خطیب نے

ابو نصر احمد بن محمد بن ابراہیم المؤذن کا ترجمہ دیا ہے مگر یہ مراد نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ان کی وفات ۳۷۶ھ میں ستاسی ۸۷ برس کی عمر میں ہوئی یہی سنہ قشیری کا سال پیدائش ہے۔

(۳۷،۱) صحو اور سکر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح التعرف ۔ ۴: ۴۶-۵۲ اور کشف المحجوب : ۲۳ ۔ زعوارف المعارف ۴: ۴۶۵

(۳۷،۲) ذوق اور شرب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ۵۰۷ - ۵۰۸ زعوارف المعارف : ۴ : ۴۶۵

(۳۷،۳) تجلی کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ۵۰۴ ز اور تجلی اور استتار کی بحث کے لئے شرح تعرف : ۴ : ۷۱ عوارف المعارف : ۴ : ۴۵۹ - ۴۶۱

(۳۷،۴) اس حدیث پر قشیری پہلے بھی بحث کر چکے ہیں سلمی نے اس حدیث کی تشریح میں بندار بن الحسین کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر جو بادل چھا جاتے تھے وہ اس لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ آپ کے بعد اختلاف پیدا ہوگا۔ جس کی وجہ سے ان پر مصائب آئیں گے لہٰذا جب بھی آپ کو یہ بات یاد آتی تو آپ کے دل پر بادل چھا جاتے۔ اور آپ امت کے حق میں استغفار کرتے تھے (طبقات الصوفیہ: ۳۹۳

(۳۷،۵) محاضرہ اور مکاشفہ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کشف المحجوب : ۴۸۷ زعوارف المعارف : ۴ : ۴۷۰ .

(۳۷،۶) اصل کتاب میں : لوائح کی بجائے لوابتلی بہ اللفظ چھپا ہے ، وہ غلط ہے ۔

(۳۷،۷) سید علی ہجویری نے ان کی یوں تعریف کی ہے ۔ لوائح : اثبات مراد باز دوی نفی آن لوامع : اظہار نور بر دل با بقاء فوائد آن ۔ طوالع : انوار معارف بر دل (کشف المحجوب ۵۰۰) نیز ملاحظہ ہو عوارف المعارف : ۴ : ۴۷۱

(۳۷،۸) تلوین اور تمکین کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو عوارف المعارف ۴ : ۴۷۲ -

(۳۷،۹) حنظلہ نام کے کئی ایک صحابی ہیں ۔ مگر یہاں پر حنظلہ بن الربیع بن صیفی التمیمی مراد ہیں انہیں حنظلۃ الاسیدی اور حنظلۃ الکاتب بھی کہا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ یہ کاتب وحی تھے حنظلہ کی اس حدیث کی روایت ترمذی نے کی ہے ۔ ان کی وفات قرقیسیا میں ہوئی (اسد الغابہ ۲ : ۵۸)

پوری حدیث یوں ہے۔ ابوعثمان حنظلہ اسیدی سے روایت کرتے ہیں کہ حنظلہ روتے ہوئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے تو انہوں نے حنظلہ سے رونے کا سبب دریافت کیا تو حنظلہ نے عرض کی کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ کیونکہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور وہ ہم سے جنت اور دوزخ کا ذکر فرما کر ہمیں وعظ فرماتے ہیں۔ اس وقت یوں معلوم ہو رہا ہوتا ہے کہ دوزخ اور جنت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب وہاں سے لوٹ کر آتے ہیں تو اپنی بیویوں اور جائیدادوں میں یوں مشغول ہو جاتے ہیں کہ جنت اور دوزخ قطعاً یاد ہی نہیں آتے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میری بھی یہی حالت ہے۔ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے حنظلہ سے پوچھا کیا بات ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ! حنظلہ منافق ہو گیا۔ کیونکہ ہم جب آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت اور دوزخ یاد دلاتے ہیں گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں مگر جب واپس جاتے ہیں تو بیویوں اور جائیدادوں میں لگ جاتے ہیں اور سب کچھ بھول جاتے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر تم اسی حالت میں جس میں تم میرے پاس سے اٹھ کر جاتے ہو ہمیشہ رہو تو فرشتے تم سے تمہاری مجلسوں میں تمہارے راستوں میں اور تمہارے بستروں میں تمہارا مصافحہ کریں۔ مگر اے حنظلہ گھڑی گھڑی کی بات ہوتی ہے۔" (اسد الغابہ ۲: ۵۸)

(۳۸۰) ضرب ولید: ضرب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف ۳: ۱۶۵-۱۶۹

(۳۸۱) شریعت اور حقیقت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۴۹۸

(۳۸۲) نفس کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ عوارف المعارف: ۴، ۴۷

(۳۸۳) خواطر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۵۰۲ و شرح تعرف ۲: ۱۸۰ و عوارف المعارف: ۴: ۲۶۷-۲۸۱۔

(۳۸۴) علم الیقین۔ حق الیقین اور عین الیقین کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۴۹۷ و اور عوارف المعارف ۴: ۲۶۴

(۳۸۵) سید علی ہجویری فرماتے ہیں۔ الا اد حلول معانی بر دل (کشف المحجوب ۵۰۰)

(۳۸۶) رسالہ میں یہاں الاخلاق المعلومۃ چھپا ہے۔ مگر درست الاخلاق المعلولۃ ہے۔ جیسا کہ شرح گیسو دراز میں ہے۔

(۳۸۷) توبہ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۳: ۱۰۷-۱۱۰ ز المحجوب: ۳۷۸-۳۸۰ زاللمع فی التصوف: ۴۳-۴۴ ز قوت القلوب: ۱: ۱۷۸-۱۹۳ ز سراج القلوب: ۱: ۸-۱۴ ز احیاء العلوم: ۴: ۲-۵۹

(۳۸۸) احمد بن محمد بن خراز۔ رسالہ میں یہ آخری نام اس طرح خراز ہی دیا ہے۔ شرح گیسو دراز میں بھی اسی طرح ہے۔ مگر حاشیہ پر نسخہ کے طور پر "خرزاد" دیا ہے۔ خرزاد ہی درست ہے۔ پورا نام ابو بکر احمد بن محمد بن زکریا بن خرزاد القاضی الاہوازی ہے۔ یہ "سنینیری" کے نام مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۳۵۶ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد: ۵: ۱۵۷-۱۵۸)۔

(۳۸۹) ابو جعفر محمد بن فضل بن جابر بن شاذان السقطی۔ ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۲۸۸ھ میں ہوئی۔ تاریخ بغداد: ۳: ۱۵۳)

(۳۹۰) انس بن مالک بن النضر ابو حمزہ الانصاری الخزرجی خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ ایک سو سال سے زائد عمر پائی۔ ۹۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے ایک سو چھ بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ اور ۶۹ھ کے طاعون میں بقول بعض ان کے اسی بیٹے فوت ہوئے۔ تاریخ اسلام ج ۳: ۳۲۹-۳۴۳ ز اسد الغابہ: ۱: ۱۲۶-۱۲۷)

(۳۹۱) علی بن احمد بن عبدان الاہوازی ملاحظہ ہو مقدمہ صفحہ ۲

(۳۹۲) ابو الحسین احمد بن عبید الصفار: شرح گیسو دراز میں ان کی کنیت ابو الحسن دی ہے۔ اور یہی درست ہے۔ پورا نام ابو الحسن احمد بن عبید بن اسمٰعیل البصری الصفار۔ حافظ حدیث اور ثقہ ہیں۔ ابن العماد نے ان کی تاریخ وفات ۳۴۱ھ دی ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ علی بن احمد بن عبدان نے ان سے ۳۴۱ھ میں حدیث سنی۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۳ : ۸۷ ز شذرات الذھب : ۲: ۵۹ ۳ ز تاریخ بغداد: ۴: ۲۶۱)
یاد رہے کہ احمد الصفار ایک اور حافظ حدیث بھی ہیں۔ ان کا پورا نام ابو بکر احمد بن عبید بن احمد الصفار الرعینی الحمصی ہے۔ ان کی وفات ۳۵۲ھ میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۸۷) ابن العماد سے یہاں پہ لغزش ہوئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ابوالحسن الصفار کا پہلے ۳۴۱ھ کے تحت ذکر کیا ہے۔ پھر دوبارہ ۳۵۲ھ میں بھی ان کا ذکر کیا ہے (شذرات الذھب: ۳: ۱۱) حالانکہ ۳۵۲ھ ابوبکر صفار الرعینی کی وفات کا سال ہے۔

(۳۹۳) ابوصالح الحکم بن موسیٰ بن ابی زھیر القنطری۔ انہوں نے امام مالک بن انس کو دیکھا ہے ۲۳۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۸: ۲۲۶) ابن العماد نے انہیں "احد العباد" لکھا ہے (شذرات الذھب: ۲: ۷۵)

(۳۹۴) غسان بن عبید الازدی موصل کے رہنے والے تھے۔ تاریخ بغداد ۱۲: ۳۲۷)

(۳۹۵) ابی عاتکہ طریف بن سلیمان: رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں سلیمان لکھا ہے۔ مگر درست سلمان ہے۔ یہ ثقہ راوی نہیں ہیں۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۳۶۳) امام بخاری نے انہیں منکر الحدیث لکھا ہے (تاریخ کبیر: قسم ۲ جلد ۲: ۳۵۸-۳۵۹) اور ابن ابی حاتم نے انہیں "ذاھب الحدیث ضعیف الحدیث" لکھا ہے۔ (الجرح والتعدیل: ج ۲ قسم ۱: ۴۹۴)۔

(۳۹۶) ان کی مراد یہ ہے۔ کہ انہوں نے کئی بار اپنا پیشہ اس لئے چھوڑا کہ عبادت کی طرف مشغول رہیں۔ مگر کام کرنے لگ جاتے۔ چونکہ ان کی رغبت نیکی کی طرف تھی اس لئے پیشہ کو ترک کرنے کا خیال غالب آگیا۔ اور پیشہ چھوڑ دیا۔

(۳۹۷) محمد بن نصیر بن عبداللہ بن ابان ابوعبداللہ القرشی۔ ثقہ اور مامون ہیں ان کی وفات ۳۰۵ھ میں ہوئی۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۲۴۱)

(۳۹۸) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ الشیرازی الصوفی شائخ کبار میں سے ہیں ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذھب: ۳: ۲۴۲)

(۳۹۹) ابویعقوب بن زیزی۔ یہ ابراہیم خواص (م ۲۹۱ھ) کے ہمعصر تھے اور

دونوں میں چشمک رہتی تھی۔ (نفحات الانس : ۱۳۳)

(۴۰۰) محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ سے ابو حاتم سجستانی مراد ہیں۔

(۴۰۱) رابعہ بنت اسمٰعیل عدویہ بصریہ مشہور عابدہ ہیں۔ ان کی وفات القدس میں ہوئی۔ ان کی قبر طور کی مشرقی کی جانب تھی۔ ابن العماد (شذرات : ۱ : ۱۹۳) نے ان کی تاریخ وفات ۱۳۵ھ دی ہے۔ مگر ابن کثیر (البدایہ : ۱۰ : ۱۸۶ - ۱۸۷) نے ۱۸۵ھ لکھا ہے۔ (۴۰۲) اس حدیث کی تشریح پہلے بھی گذر چکی ہے۔ اس کی ایک تشریح اس بندہ حقیر کے نزدیک یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ الٰہی میں محو ہوتے لیکن منصب نبوت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کے لئے تشریع احکام کرنا بھی ضروری تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کو مشاہدہ الٰہی سے ہٹ کر بشری کیفیت کی طرف آنا پڑتا۔ اور یہی وہ غین (پردہ) ہے جسکی طرف آپ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں آنے کے لئے آپ کو مشاہدہ حق سے نیچے اُترنا پڑتا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حالت پہلی حالت کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے۔ اس لئے آپ اس ادنیٰ سے پھر اعلےٰ کو جانے کے لئے استغفار کرتے۔

(۴۰۳) الحسین بن علی : ابو احمد الحسین بن علی بن محمد بن یحییٰ التمیمی النیاپوری ان کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی۔ یہ حینک کے نام سے مشہور ہیں۔ البدایۃ میں حینک چھپا ہے (المنتظم : ۷ : ۱۲۷ شذرات الذھب : ۳ : ۸۴ البدایۃ والنہایۃ : ۱۱ : ۳۰۴)

(۴۰۴) محمد بن احمد ابو الحسن الواعظ البغدادی۔ یہ الجلاء کے شاگرد ہیں۔ (تاریخ بغداد : ۱ : ۳۸۳)

(۴۰۵) ابو محمد عبداللہ بن سہل الوراق الحربی (تاریخ بغداد : ۹ : ۴۷۳)۔

(۴۰۶) ابو الحسن علی بن عیسیٰ بن داؤد بن الجراح البغدادی الکاتب کئی بار المقتدر (م ۳۲۰ھ) پھر القاہر (۳۲۱ھ تا ۳۲۲ھ) کا وزیر رہا۔ ان کی حیثیت وزراء میں وہی تھی۔ جو خلفاء میں عمر بن عبد العزیز کی تھی۔ نوے سال زندہ رہے۔ اور ۳۳۴ھ میں وفات پائی (تذرات : ۳۲ ۳۳۶ ۳ المنتظم : ۶ : ۳۱۰) نے ان کا سنہ وفات ۳۳۵ھ لکھا ہے۔ البدایۃ النہایۃ :

۱۱: ۲۱۷: تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۴۴) (۴۰۷) مجاہدہ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حیات القلوب برحاشیہ قوت القلوب ج ۲: ۲۳۷ - ۲۳۹ (۴۰۸) العباس بن الفضل الاسفاطی، ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ انہوں نے ابن کاسب سے روایت کی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۸۳)

(۴۰۹) یعقوب بن حمید بن کاسب المدنی۔ ان کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی (تہذیب التہذیب ۱۱: ۳۸۳ - ۳۸۴ نیز شذرات الذہب: ۲: ۹۹)

(۴۱۰) ابو محمد سفیان بن عیینۃ اللالی الکوفی مکہ میں رہے۔ پیدائش ۱۰۷ھ اور وفات ۱۹۸ھ۔ بڑے پایہ کے محدث تھے (تہذیب التہذیب: ۴: ۱۱۷ - ۱۲۲ نیز تاریخ بغداد: ۹: ۱۷۴ - ۱۸۴)۔

(۴۱۱) علی بن زید بن جدعان ابو الحسن القرشی التیمی البصری الضریر۔ نابینا تھے۔ ۱۳۱ھ کی طاعون میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۵: ۲۸۳ - ۲۸۴)

(۴۱۲) ابو نضرۃ المنذر بن مالک بن قطعۃ العوقی العبدی عوق عبد قیس کا ایک بطن ہے۔ ۱۰۸ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۲۵)۔

(۴۱۳) ابو سعید۔ سعد بن مالک بن ثعلبہ الانصاری الخدری۔ خدرۃ اور خدارہ انصار کے دو بطن ہیں۔ انہوں نے ۷۴ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ: ۲: ۲۱۱ نیز ۵: ۲۸۹ - ۲۹۰)

(۴۱۴) حسین بن علویہ: رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں حسین بن علّویہ ہی دیا ہے۔ مگر درست حسن بن علّویہ ہے۔ پورا نام ابو محمد الحسن بن علی بن محمد القطان المعروف بابن علّویہ ہے۔ یہ ۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۹۸ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۷: ۳۷۵)

(۴۱۵) عبد العزیز النجرانی رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں النجرانی لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ نفحات الانس میں ہے درست بحرانی ہے۔ نفحات الانس: ۲۳۸)۔

(۱۶ ۴) خلوت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حیات القلوب : ۲ : ۹۳ - ۱۰۰ از

(۱۷ ۴) عبد العزیز بن معاویہ بن عبد اللہ ابو خالد الاموی البصری۔ انہوں نے ۲۸۴ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۴۵۲ ز تہذیب التہذیب : ۶ : ۳۵۸ - ۳۵۹ ز المنتظم : ۵ : ۱۷۴) ۔

(۱۸ ۴) عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبی الحارثی ابو عبد الرحمٰن المدنی ۔ امام مالک نے انہیں "خیر اہل الارض" کہا ہے ۔ ان کی وفات ۲۲۰ھ یا ۲۲۱ھ میں ہوئی ۔ (تہذیب التہذیب : ۶ : ۳۱ - ۳۲ ز کتاب الجرح التعدیل : ج ۲ قسم ۲ : ۱۸۱ ز تاریخ کبیر : ق - ج - ۳ : ۲۱۲) ۔

(۱۹ ۴) عبد العزیز بن ابی حازم سلمہ بن الدینار المحاربی ابو تمام المدنی الفقیہ سال پیدائش ۱۰۷ھ اور سال وفات ۱۸۴ھ ہے ۔ (التاریخ الکبیر : ق ۲ ج ۳ : ۲۵ تہذیب التہذیب : ۶ : ۳۳۳ - ۴ ۳۳ ز کتاب الجرح التعدیل : ج ۲ قسم ۲ : ۳۸۲ - ۳۸۳ ز)

(۲۰ ۴) بعجۃ ابن عبد اللہ بن بدر الجہنی ۔ اپنے باپ اور ابو ہریرہ سے روایت کی ۔ ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی ۔ امام بخاری نے ان کی وفات ۱۱۰ھ دی ہے تہذیب التہذیب : ۱ : ۴۷۳ ز تاریخ الاسلام : ۴ : ۹۳ تاریخ کبیر قسم ۲ ج ۱ : ۱۴۹ (۲۱ ۴) ابو ہریرہ الدوسی مشہور صحابی ہیں ۔ ان کی وفات ۷۸ سال کی عمر میں ہوئی ۔ (اسد الغابہ : ۵ : ۳۱۶ ز تاریخ الاسلام : ۲ : ۳۳۳ - ۳۳۹) ۔ (۲۲ ۴) ابو عبد اللہ مکحول الشامی جلیل القدر تابعی ہیں۔ ۱۱۳ھ میں وفات پائی ۔ (التاریخ الکبیر قسم ۲ ج ۴ : ۲۱ ز تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۲۸۹ - ۲۹۳ ز کتاب الجرح و التعدیل : ج ۴ قسم ۱ : ۴۰۷) ۔

(۲۳ ۴) ابو نصر یحییٰ بن ابی کثیر الیمامی ان کے باپ ابو کثیر کا نام دینار ہے اصل میں بصرہ کے رہنے والے تھے ۔ ان کی وفات ایک قول کے مطابق ۱۲۹ھ میں ہوئی ۔ اور دوسرے قول کے مطابق ۱۳۲ھ میں (کتاب الجرح و التعدیل :

ج ۴ قسم ۲ : ۱۴۱ - ۱۴۲ ؛ تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۲۶۸ - ۲۷۰) -

(۴۲۴) سعید بن حرب - درست شعیب بن حرب ہے -

(۴۲۵) مالک بن مسعود : رسالہ میں اسی طرح دیا ہے - مگر شرح گیسو دراز میں مالک بن مغول ہے جو درست اس لئے کہ یہ واقعہ کوفے کا ہے اور مالک بن مغول کوفی ہیں - پورا نام ابو عبد اللہ مالک بن مغول الکوفی البجلی ثقہ تھے ۱۵۹ھ میں وفات پائی - (التاریخ الکبیر : ج ۴ : قسم ۱ : ۳۱۴ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ : ۲۱۵ - ۲۱۶) -

(۴۲۶) ابو عثمان سعید بن ابی سعید النیساپوری - ۳۶۹ھ میں حج سے واپس آکر وفات پائی - (تاریخ بغداد : ۹ : ۱۱۱) -

(۴۲۷) ابو صالح شعیب بن حرب المدائنی ۱۹۶ھ میں وفات پائی - (تاریخ بغداد : ۹ : ۲۳۹ - ۲۴۲) (۴۲۸) ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن المبارک المروزی ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے - اور ترسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی - (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۱۵۲ - ۱۶۹ صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۱۰۹)

(۴۲۹) تقویٰ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو - حیاۃ القلوب ج : ۲ : ۲۴۹ و شرح التعرف ۳ : ۱۳۱ - ۱۳۴ - (۴۳۰) ابن عبد الاعلیٰ القرشی شرح گیسو دراز میں عبد الاعلیٰ القرشی بغیر " لفظ ابن " کے ہے - مگر درست عبد الاعلیٰ بن حماد بن نصر ابو یحییٰ النرسی (نون را اور س کے ساتھ) ہے - ان کے دادا کا اصلی نام نصر تھا - مگر نبطیوں نے بگاڑ کر نرس کہنا شروع کر دیا - اور یہی لقب بن گیا - انہوں نے ۲۳۷ھ میں وفات پائی - (التاریخ الکبیر : ق ۲ ج ۳ : ۴۷ ؛ الجرح والتعدیل : ج ۳ ق ۱ : ۲۹ ؛ تہذیب التہذیب : ۶ : ۹۳ - ۹۴)

(۴۳۱) یعقوب العمی رسالہ میں اسی طرح ہے - مگر شرح گیسو دراز میں یعقوب القمی ہے - جو درست ہے - پورا نام ابو الحسن یعقوب بن عبد اللہ بن سعد القمی الاشعری ۱۷۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۳۹۰ - ۳۹۱ و التاریخ الکبیر ق ۲

ج ۴ : ۳۹۱ زکتاب الجرح التعدیل : ج ۴ ق ۲ : ۲۰۹ ۔ ۲۱۰

(۴۳۲) لیث سے یہاں مراد ابو بکر لیث بن ابی سلیم بن زنیم القرشی ہے ان کی وفات کی تاریخ میں اختلاف ہے ۔ بعض ۱۴۸ھ بتلاتے ہیں ۔ اور بعض ۱۴۳ھ تہذیب التہذیب : ۸ : ۴۶۵ ۔ ۴۶۸ زکتاب الجرح والتعدیل : ق ۲ ج ۳ : ۱۷۷ ۔ ۱۷۸)

(۴۳۳) مجاہد بن جبر ابو الحجاج ۱۰۳ھ میں اسی سال کی عمر میں وفات پائی ۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ : ۳۱۹ اور شذرات الذہب : ۱ : ۱۲۵) ۔

(۴۳۴) احمد بن یونس انہوں نے ابو ہرمز نافع سے روایت کی ہے ۔

(۴۳۵) ابو ہرمز نافع بن ہرمز انہوں نے انس بن مالک سے روایت کی ہے اور ان سے یحیٰی بن سعید العطار الحمصی نے ۔ ابن ابی حاتم نے انہیں متروک الحدیث لکھا ہے (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۴ قسم ۲ : ۴۵۵ ۔ ۴۵۶)

(۴۳۶) طلق بن حبیب العزمی البصری انہوں نے عبداللہ بن عباس وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے طاؤس وغیرہ نے ۔ حجاج بن یوسف نے انہیں سعید بن جبیر کے ساتھ قید میں ڈال دیا تھا ۔ ۹۵ھ میں حجاج کی وفات کے بعد آزاد ہوئے اور واپسی پر واسطہ میں ان کا انتقال ہوا ۔ (تہذیب التہذیب : ۵ : ۳۱ ۔ ۳۲ ز کتاب الجرح والتعدیل : ج ۲ قسم ۱ : ۴۹۰)

(۴۳۷) ابو بکر محمد بن سیرین البصری اپنے وقت کے امام تھے ۔ ۷۷ سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۹ : ۲۱۴ ۔ ۲۱۶ ، شذرات الذہب : ۱ : ۱۳۸) ۔

(۴۳۸) امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ نے چھ صحابیوں کو دیکھا ۔ آپ اہل سنت کے چار اماموں میں سے سب سے پہلے امام ہیں ۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۱ : ۲۲۷ ۔ ۲۲۹ ز تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۴۴۹ ۔ ۴۵۲) ۔

(۴۳۹) عتبۃ الغلام : عتبۃ بن ابان بن صمعہ انہیں ان کی کوشش اور چستی

کی وجہ سے غلام کہا جاتا تھا۔ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے (صفۃ الصفوۃ: ۳: ۲۸۱ - ۲۸۵)۔ (۴۴۰) ابوالحسین البصری: ابوالحسن بصری درست ہے (شرح گیسو دراز) ان کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

(۴۴۱) بشر بن موسیٰ: ابو علی بشر بن موسیٰ الاسدی البغدادی ۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۷: ۸۶ - ۸۸ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱: ۳۶۷

(۴۴۲) ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن المبارک المخرمی انہوں نے ۲۵۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۲۹)۔

(۴۴۳) العباس یحییٰ بن ایوب الغافقی المصری (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ قسم ۲: ۱۲۷ - ۱۲۸)۔ (۴۴۴) عبید اللہ بن زحر الافریقی الکنانی الضمری۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۳۱۵ - ۳۱۶)۔

(۴۴۵) ابو عبد الملک علی بن یزید الالہانی الدمشقی۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۲۰۸ - ۲۰۹)۔ (۴۴۶) القاسم: ابو عبد الرحمٰن القاسم بن عبد الرحمٰن الشامی (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۱۱۳)۔

(۴۴۷) ابو امامہ: صدی بن عجلان الباہلی السہمی صحابی ہیں۔ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ یہ شام میں حمص میں رہے۔ اور ۸۱ھ یا ۸۶ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۳: ۱۶ ز ۵: ۱۳۸)۔ ۴۴۸ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ الفرغانی الصوفی۔ انہوں نے جنید کے کلام کی روایت کی ہے (تاریخ بغداد: ۵: ۴۵۰ - ۴۵۱)۔ (۴۴۸) ورع پر بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ حیاۃ القلوب: ۲: ۱۱۲ - ۱۱۸ (۴۴۹) ابو بکر محمد بن داؤد بن سلیمان بن جعفر الزاہد النیشاپوری ۳۰۰ھ سے پہلے بغداد آئے۔ آخر عمر میں نیشاپور چلے گئے اور وہیں ۳۴۲ھ میں وفات ہوئی (تاریخ بغداد: ۵: ۲۶۵ ز شذرات الذہب: ۲: ۳۶۰)۔

(۴۵۰) محمد بن الحسین بن قتیبہ رسالہ اور شرح گیسو دراز میں محمد بن الحسین لکھا ہے۔ مگر درست محمد بن الحسن ہے۔ پورا نام ابو العباس محمد بن الحسن بن قتیبہ العسقلانی ہے۔ ان کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی (شذرات الذہب: ۲: ۲۶۲) (۴۵۱) محمد بن یوسف الفریابی سے روایت کرنے والوں میں سے ایک یحیٰی بن عثمان بن سعید بن کثیر القرشی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں ناسخین کی غلطی سے یحیٰی بن عیزار لکھا گیا ہو۔ یحیٰی بن عثمان کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۵۵ - ۲۵۶) (۴۵۲) ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن واقد الضبی الفریابی ساحل شام پر قیساریہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ پھر حمص چلے گئے۔ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۵۳۵ - ۵۳۷ ، کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۱۱۹ التاریخ الکبیر ق ۱ ج ۱: ۲۶۴) (۴۵۳) سفیان سے مراد سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) ہیں۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (۴۵۴) اجلح بن عبد اللہ بن حجیۃ ابو حجیۃ۔ کہتے ہیں کہ ان کا اصلی نام یحیٰی ہے۔ اور اجلح لقب ہے۔ ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱: ۱۸۹ - ۱۹۰) (۴۵۵) ابو سہل عبد اللہ بن بریدالاسلمی المروزی۔ مرو کے قاضی تھے۔ ۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ایک سو سال کی عمر میں ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۱۵ھ چھپا ہے۔ صرف ۱۵ھ چاہیئے۔ (تہذیب التہذیب: ۵: ۱۵۷ - ۱۵۸) (۴۵۶) ابو الاسود ظالم بن عمرو بن سفیان۔ بعض ان کا نام عمرو بن عثمان بتاتے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے علم نحو پر بحث کی ہے۔ ۶۹ھ کی طاعون جارف میں پچاسی برس کی عمر میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۱۰) (۴۵۷) ابو ذر غفاری مشہور صحابی ہیں۔ اکثر کے نزدیک ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ ان کی والدہ کا نام رملہ ہے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں یہ پانچویں اسلام لانے والے تھے۔

۳۱ھ یا ۳۲ھ میں ربذہ کے مقام پر وفات پائی۔ اور عبداللہ بن مسعود نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔
(اسد الغابہ: ۵: ۱۸۶ - ۱۸۸) (۴۵۸) حذیفہ بن قتادۃ المرعشی۔ ان کا
شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۲-
۲۴۴) (۴۵۹) سلیمان الخواص (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۷ - ۲۴۸)۔

(۴۶۰) ابو جعفر محمد بن احمد بن سعید الرازی ابن وارہ کی صحبت میں رہے۔
(طبقات الصوفیہ: ۸)

(۴۶۱) ابو الشیخ عبداللہ بن مروان الحرانی ان سے ابو حاتم رازی نے ۳۱۳ھ
میں حدیث لکھی (تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۵۱ اور الجرح والتعدیل: ج ۲ ق ۲:
۱۶۶)۔ (۴۶۲) ابن غلوبۃ، درست ابن علّویہ ہے۔ یعنی حسین بن علّویۃ

(۴۶۳) یونس بن عبید: ابو عبداللہ یونس بن عبید البصری۔ ۱۳۹ھ
میں وفات پائی۔ بعض ان کی تاریخ وفات ۱۳۴ھ بتاتے ہیں (صفۃ الصفوۃ:
۳: ۲۲۲ - ۲۲۸، اور کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۲: ۲۴۲)۔

(۴۶۴) ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۹۴) نے بشر حافی رحمہ اللہ
کی ہمشیرگان کے لئے ایک الگ عنوان قائم کیا ہے۔ اور بتلایا ہے۔ کہ ان کی
تین بہنیں تھیں۔ مضغہ۔ مخہ اور زبدہ۔ سب سے بڑی مضغہ تھیں۔
خطیب بغدادی (تاریخ بغداد ۱۴: ۴۳۶) مضغہ بشر حافی (م ۲۲۷ھ)
کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھی۔ یہاں سوت کاتنے کا جو واقعہ ہے۔ وہ مخہ
کا واقعہ ہے۔ خطیب بغدادی (تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۳۷) اور ابن الجوزی
(صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۹۵) نے ان کا نام مخہ صراحۃً دیا ہے۔ تاریخ بغداد:
۱۴: ۴۱۱) اور ان کی اولاد میں ابو حفص عمر بن اخت بشر ہیں۔

(۴۶۵) رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں "مشاعل الطاہریہ" ہے۔
البدایہ والنہایہ (۱۰: ۲۹۸) میں مشاعل بنی طاہر ہے اور تاریخ بغداد
(۱۴: ۴۳۷) اور صفۃ الصفوۃ (۲: ۲۹۵) میں قمر ابن طاہر الطائف

و معہ مشکل ہے۔ یہ ابن طاہر عبد اللہ بن طاہر بن حسین ہیں۔ جو بعد میں خراسان اور اُس سے ملحقہ علاقوں کا گورنر بنا تھا۔ عبد اللہ بن طاہر نے سنہ ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ (۴۶۶) علی بن میمون الرقی العطار ابو الحسن مراد ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۲۰۶)

(۴۶۷) ابو یحیی مالک بن دینار البصری الزاهد المشہور سنہ ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذهب: ۱: ۱۷۳ صفۃ الصفوۃ: ۳: ۱۹۷ تا ۲۰۹ اور کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ قسم ۱: ۲۰۸)۔

(۴۶۸) احمد بن محمد بن یحیی الصوفی رسالہ میں اسی طرح ہے مگر شرح گیسو دراز صفحہ (۴۶۸) میں محمد بن احمد بن محمد بن یحیی الصوفی ہے جو درست ہے۔

(۴۶۹) ابو الحسن احمد بن محمد بن سالم الزاهد البصری۔ سالمیہ فرقہ انہی سے شروع ہوتا ہے۔ اور بالعموم ابن سالم کے نام سے مشہور ہیں۔ سنہ ۳۶۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذهب: ۳: ۳۶ اور مقدمہ انگریزی کتاب اللمع: ۱۹) (۴۷۰) حسن بصری: ابو سعید الحسن بن ابی حسن البصری۔ اہل بصرہ کے امام اور اپنے زمانہ کے بہترین شخص تھے۔ سنہ ۱۱۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذهب: ۱: ۱۳۶) (۴۷۱) عمر بن عبد العزیز: امیر المومنین ابو حفص عمر بن عبد العزیز بن مروان۔ چالیس سال کی عمر میں سنہ ۱۰۱ھ میں دیر سمان کے مقام پر انتقال ہُوا۔ ان کی مدت خلافت دو سال چھ مہینے اور کچھ دن تھی۔ (شذرات الذهب: ۱: ۱۱۹ - ۱۲۱)۔

(۴۷۲) کہمس بن الحسن القیسی۔ ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۳: ۲۴۴) نے ان کی کنیت ابو عبد اللہ بیان کی ہے۔ مگر جامی (نفحات الانس: ۸۵) ابو محمد بتاتے ہیں اور کہمس بن الحسین الهمدانی مکہ میں سنہ ۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ (حلیۃ الاولیاء: ۶: ۲۱۱ - ۲۱۵ ؛ التاریخ الکبیر ج ۴ ق ۱: ۲۳۹ ؛ تهذیب التهذیب ۸: ۴۵۰ ؛ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۱۷۰)

(۴۷۳) ابن کثیر البدایہ والنہایہ : ۱۰ : ۳۲۸) میں یہی واقعہ دیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ یہ واقعہ یمن میں پیش آیا تھا۔ (۴۷۴) ابو عمران ابراہیم بن یزید النخعی جلیل القدر امام اور عراق کے فقیہ ہیں۔ نخع قبیلہ مذحج کی ایک شاخ ہے۔ انہوں نے چھیالیس سال کی عمر میں ۹۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۱ : ۱۱۱)

(۴۷۵) ابوبکر دقاق: اس کنیت اور لقب کے کئی شخص ہوئے ہیں۔ دو کا نام محمد بن عبداللہ ہے۔ ایک ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ہارون بن یحییٰ الدقاق جو ابن الصابونی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳۸۳ھ میں وفات پائی۔ غالباً یہاں یہی مراد ہیں۔ (تاریخ بغداد : ۵ : ۴۶۵) دوسرے محمد بن عبداللہ بن خلف بن بخیت ابوبکر الدقاق العکبری۔ انہوں نے ۳۷۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۵ : ۴۶۱) تیسرے ابوبکر محمد بن طلحہ بن الحسن الدقاق ہیں۔ جو غلام الاوانی کے نام سے مشہور ہیں ۲۱۷ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۵: ۳۸۴) چوتھے ابوبکر محمد بن الحسن بن علی الدقاق ہیں جو ابن الکوفی کے نام سے مشہور ہیں۔ (تاریخ بغداد: ۲ : ۲۰۸) اور پانچویں ابوبکر محمد بن احمد بن دتویہ الدقاق۔

(۴۷۶) حسان بن ابی سنان البصری۔ یہ بصرہ کے بہت بڑے تاجر تھے ملاحظہ ہو۔ تہذیب التہذیب : ۲ : ۲۴۹ ز صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۵۴-۲۵۷ ز التاریخ الکبیر ج ۲ ق ۱ : ۳۳ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲ : ۲۳۶ ز حلیہ الاولیاء : ۳ : ۱۱۴ - ۱۲۰ - (۲۷۷) اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سلوک کی ابتدائی منزل پر تھے۔ اس لئے حسان نے انہیں اس سے بلند مرتبہ کی ترغیب دی (۴۷۸) کیونکہ اس میں اس بات کا احتمال تھا۔ کہ نہر کے کھودنے میں ظلم روا رکھا گیا ہو۔ اس بات میں ان کا کمال زہد پایا جاتا ہے۔ اور جو زہد کا عادی ہو۔ اس کے لئے ورع آسان ہے۔ (۴۷۹) عبدالواحد بن زید البصری الزاہد ۱۷۷ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب : ۱ : ۲۸۷ ز حلیۃ الاولیاء : ۶ : ۱۵۵ - ۱۶۵ ز کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ : ق : ۱ : ۲۰ ز التاریخ الکبیر:

ج ۳ - ق ۲ : ۶۲ ز صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۴۰ - ۲۴۴ ز)

(۴۸۰) ابو الفضل عباس بن المھتدی الصوفی، اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے۔ اور جنید کے ہمعصر تھے۔ ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ : ۲ : ۲۶۳ ز تاریخ بغداد : ۱۲ : ۱۵۲ ز المنتظم : ۶ : ۱۱۲)

(۴۸۱) زبیدہ کا حوض (برکۃ زبیدہ) اسے برکۃ ام جعفر بھی کہا جاتا ہے اور ام جعفر سے مراد زبیدہ بنت جعفر بن المنصور والدہ محمد الامین ہے۔ یہ حوض مکہ کے راستہ پر مُغیثۃ اور عُذیب کے درمیان واقع ہے۔ (معجم البلدان : ۱ : ۴۰۱) - (۴۸۲) زُھد کے لفظی معنی نفس کا دنیا میں کم رغبت کرنا ہیں۔ زھد کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ احیاء علوم الدین : ۴ : ۲۱۱-۲۳۷ ز کتاب اللمع ۴۶ - ۴۷ ز قوت القلوب : ۲ : ۴۲ - ۱۷ ز حیاۃ القلوب : ۲ : ۱۱۸ - ۱۳۶ ز شرح التعرف : ۳ : ۱۱۰ - ۱۱۳ (۴۸۳) حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی : ملاحظہ ہو مقدمہ صفحہ ۷۵ (۴۸۴) ابو الحسین عبید اللہ بن احمد بن یعقوب بن احمد المقری ابن البواب کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۳۶۲) (۴۸۵) ابو الحسن زید بن اسماعیل الصائغ البغدادی ملاحظہ ہو کتاب الجرح والتعدیل : ج ۱: ق ۲ : ۵۵۷ ز تاریخ بغداد : ۸ : ۴۴۷ - ۴۴۸ - (۴۸۶) ابو سہل کثیر بن ھشام الکلابی ۲۰۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۱۲ : ۴۸۲ - ۴۸۴ ز شذرات الذھب : ۲ : ۱۷ اگر وہاں ان کی وفات ۲۰۷ھ میں بتائی ہے۔ تہذیب التہذیب : ۸ : ۴۲۹ - ۴۳۰ ز کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ ق ۲ : ۱۸۵) (۴۸۷) الحکم بن ھشام : الحکم بن ھشام بن عبد الرحمن ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۱ ق ۲ : ۱۳۰ ز التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۲ : ۳۴۰ تہذیب التہذیب ۲ : ۴۴۳) (۴۸۸) ابو ایوب یحییٰ بن سعید بن ابان القرشی الاموی ۱۹۴ھ میں ۷۴ سال اور بقول بعض اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد : ۱۴ : ۱۳۲ -

۴۳۱ ز تہذیب التہذیب: ۱۱ : ۲۱۳ - ۲۱۴ ز شذرات الذھب: ۱ : ۳۴۱)
(۴۸۹) ابو فروۃ یزید بن سنان بن یزید التمیمی الجزری الرھاوی ۱۵۵ھ
میں انہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱ : ۳۳۵ - ۳۳۶ -
اور ۱۲ : ۲۰۲)(۴۹۰) ابو خلادیہ صحابی ہیں۔ مگر ان کے نام اور نسب کا
پتہ نہیں۔ ابن اثیر نے اس حدیث کو یوں ضبط کیا ہے۔ اذا رأیتم الرجل
المومن قد اوتی زھداً فی الدنیا و قلۃ منطق فاقتربوا منہ فانہٗ
یلقی الحکمۃ۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث کو بخاری نے اور سے روایت
کیا ہے۔ (اسد الغابہ: ۵ : ۱۸۱ - ۱۸۲ -)
(۴۹۱) احمد بن اسماعیل الازدی۔ غالباً احمد بن اسماعیل بن یوسف العابد مراد
ہیں۔ (اخبار اصفہان: ۱ : ۸۷ ۱۲۶ - (۴۹۲) الدورقی۔ دورق خوزستان
کے ایک شہر کا نام ہے۔ یہاں کی لمبی ٹوپیاں دورقیہ کہلاتی ہیں۔ اور پہننے والے
دورقی کہلائے۔ ان کا نام احمد بن ابراہیم بن کثیر ابو عبداللہ الدورقی ہے ۲۴۶ھ
میں وفات پائی۔ (معجم البلدان: ۲ : ۴۸۳ - تذکرۃ الحفاظ: ۲ : ۸۰ ز شذرات
الذھب: ۲ : ۱۱۰ - تاریخ بغداد: ۴ : ۶ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱:
۳۹ ز تہذیب التہذیب: ۱ : ۱۰)۔ (۴۹۳) وکیع بن الجراح ابو سفیان
الرؤاسی۔ ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶ھ میں چھیاسٹھ کی عمر میں وفات پائی۔
(صفۃ الصفوۃ: ۳ : ۱۰۴ ز شذرات الذھب ۱ : ۳۴۹ مگر وہاں ان کی تاریخ
وفات ۱۹۷ھ دی ہے۔ تاریخ بغداد: ۱۳ : ۴۶۶ - ۴۸۱)
(۴۹۴) ابو عثمان سعید بن احمد بن محمد بن جعفر النیسا پوری ۳۶۹ھ میں وفات
پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹ : ۱۱)۔ (۴۹۵) عباس بن عبداللہ بن احمد بن عصام
ابو الفضل المزنی البغدادی رمضان میں ۳۲۵ھ میں روایت کی (تاریخ بغداد: ۱۲:
۱۵۵ - (۴۹۶) ابو عمرو عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحٰق السبیعی ۱۸۱ھ میں وفات
پائی۔ (شذرات الذھب: ۱ : ۳۲۰ ز صفۃ الصفوۃ: ۴ : ۲۳۴ -)

(۴۹۷) ابو سعید احمد بن الحسین البرذعی بغداد میں حنفیہ کے استاد تھے۔
۳۱۷ھ میں انتقال ہوا۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۷۵)
(۴۹۸) محمد بن الحسن: محمد بن الحسن بن الصباح ابو الحسن الداؤدی البغدادی
الکاتب۔ (طبقات الصوفیہ: ۲۰۹) (۴۹۹) صمت (خموشی) کی بحث کے
لئے ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب: ۴۶۲-۴۷۰ ز احیاء العلوم: ۳: ۱۰۵ از
حیاۃ القلوب: ۲: ۲۵۲ ز (۵۰۰) ابوبکر محمد بن الحسین القطان۔ رسالہ
اور شرح گیسو دراز دونوں میں بن الحسین لکھا ہے۔ مگر درست محمد بن الحسن ہے
۳۳۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۲۳۲ ز) ایک دوسرے
ابوبکر قطان کا نام محمد بن الحسین بن شہریار ہے۔ ان کی وفات ۳۰۶ھ میں ہوئی۔
(تاریخ بغداد: ۲: ۲۳۲) (۵۰۱) احمد بن یوسف السلمی النیساپوری الحافظ ۲۶۴ھ
میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۱۴۷-۱۴۸) (۵۰۲) عبدالرزاق
بن ہمام ابوبکر الصنعانی۔ ۸۰ سال سے اوپر عمر پا کر ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔
(شذرات الذہب: ۲: ۲۷) (۵۰۳) غالباً معمر بن راشد ابو عروۃ المہلبی
مراد ہیں۔ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے ۱۵۴ھ میں وفات پائی۔
(کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۲۵۵-۲۵۷)
(۵۰۴) زہری: ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبدالملک بن شہاب
القرشی، الزہری، المدنی ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔
(تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۰۲-۱۰۶) (۵۰۵) ابوسلمہ۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن
عوف الزہری، المدنی ۹۴ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی (تہذیب
التہذیب: ۱۲: ۱۱۵-۱۱۸)۔
(۵۰۶) ابو علی بشر بن موسیٰ الاسدی ۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۹۸
سال کی عمر میں ۲۸۸ھ وفات پائی (تاریخ بغداد: ۷: ۸۶-۸۸: شذرات الذہب
۲: ۱۹۶) (۵۰۷) ابو جعفر محمد بن سعید بن سلیمان الاصبہانی ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔

والتاریخ الکبیر: ج ۱ ق ۱: ۹۵ اور اخبار اصبہان: ۲: ۱۷۵، تہذیب التہذیب:
۹: ۱۸۸، ز کتاب الجرح و التعدیل: ج ۳ ق ۲: ۲۶۵-)

(۵۰۸) علی بن زید۔ رسالہ میں علی بن زید ہی دیا ہے۔ شرح گیسو دراز
صفحہ ۴۸۶ میں علی بن ابی یزید ہے۔ مگر درست علی بن یزید ہے ان کا ذکر
پہلے ہو چکا ہے۔ (۵۰۹) غالباً مراد ابو عبدالرحمٰن القاسم بن عبدالرحمٰن الشامی
ہیں ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (۵۱۰) عقبہ بن عامر
بن عبس الجہنی ان کی کنیت میں اختلاف ہے۔ بعض ابو حماد بتاتے ہیں۔ صحابی ہیں
مصر کے حاکم بنے ۵۸ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ: ۳: ۴۱۷ و کتاب الجرح
والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۳۱۳) (۵۱۱) ابو محمد عبدالرحمٰن بن محمد بن یوسف
الرازی المعروف بہ الطائفی ۳۹۱ھ میں حدیث کی روایت کی۔ (تاریخ بغداد:
۱۰: ۳۰۱) (۵۱۲) ابو العباس محمد بن اسحٰق بن ابراہیم بن مہران السراج۔
نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل کے بھائی ہیں صاحب تصانیف
ہیں۔ انہوں ۹۹ سال عمر پاکر ۳۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۲۴۸-۲۵۲
ز شذرات الذہب: ۲: ۲۶۸ ز البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۱۵۳)۔

(۵۱۳) ابو بکر احمد بن الفتح بن موسیٰ الازرقی الوراق۔ (تاریخ بغداد: ۴:
۳۴۴) (۵۱۴) ابو بکر طمستانی فارسی۔ نیشاپور میں ۳۴۰ھ کے بعد وفات
پائی (طبقات الصوفیہ: ۴۷۱ - ۴۷۴) (۵۱۵) ابو عبدالرحمٰن معاذ
بن جبل الانصاری الخزرجی، ۳۸ سال کی عمر میں ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں وفات
پائی۔ (اسد الغابہ: ۴: ۳۷۶ - ۳۷۸)، (۵۱۶) ابو الحسن علی بن بکار
البصری الزاہد ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔ ابن الجوزی صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۲ نے
ان کی تاریخ وفات ۱۹۹ھ دی ہے (تہذیب التہذیب ۷: ۲۸۶ - ۲۸۷ ز
کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۱۷۶ ز التاریخ الکبیر: ج ۳ ق ۲: ۲۶۲-
نفحات الانس: ۱۲۰ - ۱۲۱ - صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۰ - ۲۴۲)۔

(۵۱۷) چار شخص ابن سماک کے نام سے مشہور ہیں۔ (۱) ابو العباس محمد بن صبیح الکوفی متوفی ۱۸۳ھ۔ (۲) ابو عمرو بن احمد بن عبید اللہ متوفی ۳۴۴ھ (۳) ابو جعفر بن السماک بغدادی۔ یہ سری سقطی کے استاد تھے (صفة الصفوة: ۲-۲۲۱-۲۲۲) اور ابو الحسین احمد بن الحسین بن احمد الواعظ المعروف بابن السماک۔ ۳۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۴۲۴ھ میں وفات پائی۔ (المنتظم: ۸: ۷۶۔ البدایة النہایة: ۱۲: ۳۵) یہاں غالباً یہی مراد ہیں (۵۱۸) ابو جعفر محمد بن نصر بن منصور الصائغ ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۳۱۸-۳۱۹) (۵۱۹) ابو عبد اللہ عبد الصمد بن یزید الصائغ۔ مرد ویہ ان کا لقب ہے۔ ۲۳۵ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۶: ۳۲۸-۳۲۹) (۵۲۰) خوف کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ شرح التعرف: ۳: ۱۲۸-۱۳۱ ز کتاب اللمع: ۶۰-۶۱ ز احیاء علوم الدین: ۴: ۱۵۲-۱۸۵ ز حیات القلوب: ۲: ۱۸۳-۱۹۹۔ (۵۲۱) تذکروں میں محمد بن یزید نام کے کئی اشخاص کا ذکر موجود ہے۔ پتہ نہیں، یہاں کون مراد ہیں۔ (۵۲۲) عبد الرحمن بن عتبہ بن عبد اللہ بن مسعود الکوفی المسعودی۔ ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۶: ۲۱۰-۲۱۲ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۲۵۰-۲۵۲ (تذکرة الحفاظ: ۱: ۱۸۵)
(۵۲۳) محمد بن عبد الرحمن بن عبید القرشی التیمی الکوفی مولیٰ آل طلحہ (تہذیب التہذیب: ۹: ۲۹۹-۳۰۰ ز کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۳۱۸) (۵۲۴) ابو محمد عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ التیمی المدنی۔ ۱۰۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۸: ۲۱۵ ز کتاب الجرح و التعدیل ج ۳ ق ۱: ۲۷۹)۔
(۵۲۵) ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن الحسن بن الشرقی حافظ ابو حامد کے بھائی ہیں۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۳۱۱)۔

(۵۲۶) عبداللہ بن ہاشم بن حیان العبدی ابو عبدالرحمٰن۔ طوس میں پیدا ہوئے ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: (۶: ۶۰) میں ان کی تاریخ وفات خمس وخمسین ومائتہ (۱۵۵ھ) دی ہے۔ جو غلط ہے (تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۹۳-۱۹۴) (۵۲۷) ابوسعید یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان البصری الاحول الحافظ۔ حافظ اور حجت تھے۔ ۱۹۸ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۱۶-۲۲۰ تاریخ بغداد: ۱۴: ۱۳۵) (۵۲۸) شعبہ بن الحجاج العتکی الازدی یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رجال حدیث پر بحث کی پھر یحییٰ القطان نے اور ان کے بعد احمد اور یحییٰ بن معین نے ۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۴: ۳۳۸-۴۶ ۳ ؛ تاریخ بغداد: ۹: ۲۵۵-)

(۵۲۹) ابوالخطاب قتادۃ بن دعامۃ السدوسی البصری الاعمی الحافظ آئمہ حدیث میں سے تھے۔ ۵۹ سال کی عمر میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۹۵-۲۹۷ ؛ تہذیب التہذیب: ۸: ۳۵۱-۳۵۶-)

(۵۳۰) ابو محمد عبداللہ بن محمد الرازی الشعرانی ثقہ تھے۔

وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۱۱۴ ؛ نفحات الانس: ۲۱۶)۔

(۵۳۱) اشکال کی صورت یوں ہے۔ کہ صوفیاء کا قول ہے۔ کہ صوفی اپنے وقت کا بیٹا ہوتا ہے۔ (الصوفی ابن وقتہ) وہ نہ ماضی کی طرف نگاہ کرتا ہے۔ نہ مستقبل کی طرف، اور خائف کی توجہ آنے والے وقت کی طرف ہوتی ہے۔ کیونکہ خوف کے معنی یہ ہیں کہ کسی آنے والی ناپسندیدہ بات سے دل میں انقباض ہو۔ یہ صفت صوفی کیلئے حجاب قرار پائی۔ (۵۳۲) ابوجعفر محمد بن علی بن یزداذ النہاوندی (تاریخ جرجان: ۳۰۴-۴۰۴) (۵۳۳) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف آتا ہے۔

(۵۳۴) ابوعبداللہ الحسین بن احمد بن محمد الصفار الہروی جو الشماخی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳۷۲ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد: ۸: ۸-۹-)

(۵۳۵) ابو عبداللہ محمد بن المسیب بن اسحق النیاپوری الارغیانی ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے ۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۴۵۵-۴۵۸ و شذرات الذھب: ۲: ۲۷۱-)

(۵۳۶) ہاشم بن خالد بن ابی جمیل الدمشقی (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۲: ۱۰۶)

(۵۳۷) ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الاصبہانی جو ابن اللبان کے نام سے مشہور ہیں۔ ۴۴۶ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۴۴-۱۴۵)

(۵۳۸) ابو عثمان سے مراد ابو عثمان سعید بن سلام المغربی (المتوفی ۳۷۳ھ) ہیں۔ (۵۳۹) ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الحافظ تقریباً ۹۰ سال کی عمر پاکر ۲۹۷ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۲۲۶)

(۵۴۰) قاسم بن محمد بن قاسم الاموی القرطبی دو بار مصر کا سفر کیا۔ ۲۷۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۱۷۰)

(۵۴۱) ابو زکریا یحیٰی بن یمان العجلی حفاظ حدیث میں سے تھے ۱۸۸ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۱۲۰-۱۲۴ و تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۰۶-۳۰۷ و کتاب الجرح التعدیل: ج ۴ ق ۲: ۱۹۹-)

(۵۴۲) ابو عبداللہ مالک بن مغول البجلی الکوفی ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۲۲-۲۳ و کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۲۱۵-۲۱۶ شذرات: ۱: ۲۴۷) (۵۴۳) عبدالرحمٰن بن سعید بن موھب۔ رسالہ اور شرح گیسو دراز دونوں میں موھب لکھا ہے۔ مگر درست وھب ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۶: ۱۸۶-۱۸۷ و کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲: ق ۲: ۲۳۹)

(۵۴۴) ام المومنین عائشہ الصدیقہ بنت الصدیق، آپ دینی مسائل کے علاوہ شعراء اخبار جاہلیت اور طب میں ماہر تھیں ۵۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات: ۱: ۶۱-۶۳ و تاریخ الاسلام: ۲: ۲۹۴-۲۹۸ و اسد الغابہ: ۵: ۵۰۱-۵۰۴)-

(۵۴۵) علی الرازی الزاہد۔ کتاب الجرح و التعدیل: ج ۳ ق ۱ : ۲۱۰۔)

(۵۴۶) بلعام بن باعور ایک یہودی عالم تھا. اس نے اسم اعظم کے وسیلہ سے
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کی اور گمراہ ہوگا۔

(۵۴۷) علیمؑ یا غلیمؑ جیسا کہ شرح گیسو دراز میں ہے۔ خواجہ گیسو دراز نے علیمؑ
کی بڑی مضحکہ انگیز تشریح دی ہے. چنانچہ فرماتے ہیں: "علیمؑ گویند شخص راکہ او
بجسے مبتلا شدہ باشد بحسب شہوتے در دست"

(۵۴۸) رجاء کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ کتاب اللمع : ۶۱ - ۶۲ ز
قوت القلوب: ۱: ۲۱۳ - ۲۲۵ ز حیات القلوب : ۲: ۲۰۱ - ۲۰۵ -

(۵۴۹) الحسن بن خالد بن باب القرشی۔ (کتاب الجرح و التعدیل: ج ۱ ق ۲:
۱۰) - (۵۵۰) ابو محمد العلاء بن زید الثقفی یہ متروک الحدیث ہیں (کتاب الجرح
والتعدیل : ج ۳ ق ۱: ۳۵۵ ز تہذیب التہذیب : ۸ : ۱۸۲ - ۱۸۳)

(۵۵۱) ابوسعید شہر بن حوشب الاشعری انہوں نے ۸۰ سال کی عمر میں
سنہ ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۴ : ۳۶۹ - ۳۷۲ ز شذرات
الذھب : ۱ : ۱۱۹)

(۵۵۲) ام الدرداء دو عورتیں ایک صغریٰ دوسری کبریٰ، کبریٰ کا نام خیرہ
بنت ابی حدرد زوجہ ابی الدرداء یہ صحابیہ ہیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کی ہے۔ انہوں نے ابوالدرداء کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ صغرا کا نام ھجیمہ بنت
یحیی الوصابیہ ہے (وصاب حمیر کا ایک قبیلہ ہے۔) یہ بھی ابوالدرداء کی بیوی ہیں۔
بعض ان کا نام جہیمہ بتاتے ہیں۔ صغریٰ صحابیہ نہیں ہیں۔ یہاں یہی مراد ہیں۔ کیونکہ شہر
بن حوشب نے ان ہی سے روایت کی ہے۔ ابوالدرداء کی وفات کے بعد حضرت
معاویہ نے ان سے شادی کرنی چاہی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴:
۲۶۶-۲۶۸ ز اسد الغابہ : ۵ : ۴۴۸ - ۴۴۹ و ۵۸۰ - ۵۸۱ -

(۵۵۳) ابوالدرداء ان کا نام عویمر بن عامر ہے۔ صحابی ہیں ۳۲ھ میں وفات

پائی۔ (اسد الغابہ: ۳: ۳۷۸ نز ۴: ۱۵۹ - ۱۶۰ نز ۵: ۱۸۵ - ۱۸۶)

(۵۵۴) ابولید یا ابو جعفر خلف بن الولید الجوہری مکہ کو منتقل ہو گئے۔ اور وہیں ۲۱۲ھ میں انتقال ہوا۔ تاریخ بغداد: ۸: ۳۲۰ - ۳۲۱ نز کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۳۷۱ نز۔) (۵۵۵) ابو عبداللہ مروان بن معاویہ الفزازی ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۳: ۱۴۹ - ۱۵۲ نز تہذیب التہذیب: ۱۰: ۹۶ - ۹۸ نز کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۲۷۲ - ۲۷۳)

(۵۵۶) ابو سفیان طریف رسالہ میں اس طرح دیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔ شرح گیسو دراز میں ابو سفیان بن طریف لکھا ہے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۴۹۲ - ۴۹۳ -) (۵۵۷) عبداللہ بن الحارث۔ اصل کتاب میں ابو سفیان طریف بن عبداللہ بن الحارث چھپا ہے۔ ابو سفیان طریف عن عبداللہ بن الحارث چاہیئے ابو الولید عبداللہ بن الحارث الانصاری۔ محمد بن سیرین کے بہنوئی تھے (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲: ق ۲: ۳۱ نز تہذیب التہذیب: ۵: ۱۸۱ - ۱۸۲)۔

(۵۵۸) الحسن بن صفوان۔ رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر شرح گیسو دراز میں الحسین بن صفوان ہے اور یہی درست ہے مکمل نام ابو علی حسین بن صفوان بن اسحٰق البرذعی ہے ۳۴۰ھ میں وفات پائی تاریخ بغداد: ۸: ۵۴ شذرات الذهب: ۲: ۲۵۶) (۵۵۹) ابن ابی الدنیا: ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا البغدادی الحافظ۔ صاحب تصانیف مشہورہ ۲۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۵۶۰) ابو سلیم بکر بن سلیم الصواب المدنی۔ ابو حازم مدنی اور دیگر رواۃ سے روایت کی۔ اور ان سے ابراہیم المقدور وغیرہ نے (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۱: ۳۸۶ - ۳۸۷ نز تہذیب التہذیب: ۱: ۴۸۳)۔

(۵۶۱) مالک بن انس بن مالک امام دار الہجرت یہ ثقہ امین اور فقیہ اور حجت تھے۔ پچاسی سال کی عمر میں ۱۷۹ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۵ تا ۹)

(۵۶۲) یحییٰ بن ایوب: ابو زکریا یحییٰ بن ایوب المقابری البغدادی۔ انہوں نے عبداللہ بن مبارک وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے عبداللہ بن احمد بن حنبل

وغیرہ نے زاہد و عابد تھے۔ صدوق تھے۔ ۱۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۳۴ھ
میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۸۸ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲:
۱۲۸) (۵۶۳) مسلم بن سالم: ابو فروۃ مسلم بن سالم النہدی الکوفی۔ انہوں نے کچھ
عرصہ جُہَیْنَہ میں قیام تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں جہنی بھی کہا جاتا ہے۔ ثقہ اور صالح الحدیث
ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۸۵ ز اور تہذیب التہذیب: ۱۰: ۱۳۰۔
۱۳۱) (۵۶۴) خارجہ بن مصعب: ابو الحجاج خارجہ بن مصعب الخراسانی
السرخسی الضبعی۔ انہوں نے زید بن اسلم سے روایت کی۔ اور ان سے ابو داؤد
طیالسی وغیرہ نے ۱۶۸ھ میں وفات پائی۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۲: ۳۷۵
شذرات الذھب: ۱: ۲۶۵ ز تہذیب التہذیب: ۳: ۷۶۔۸۷)
(۵۶۵) زید بن اسلم: ابو اسامۃ زید بن اسلم العدوی الفقیہ مولی
عمر انہوں نے ابن عمر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کی اولاد اور دیگر
رواۃ نے۔ ثقہ اور عالم تفسیر قرآن تھے۔ ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب
التہذیب: ۳: ۳۹۵ - ۳۹۷ ز شذرات الذھب: ۱: ۱۹۴ ز کتاب
الجرح والتعدیل ج ۱۔ ق ۲: ۵۵۵ ز التاریخ الکبیر ج ۲ ق ۱: ۱۸۷۔)
(۵۶۶) عطاء بن یسار: عطاء بن یسار المدنی الفقیہ ام المؤمنین میمونہ
کے آزاد کردہ غلام تھے۔ امام اور مدینہ کے قاضی تھے۔ انہوں نے کبار صحابہ
سے روایت کی ہے۔ چوراسی سال کی عمر میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی (شذرات
الذھب: ۱: ۱۲۵ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۳۳۸ تہذیب التہذیب:
۷: ۲۱۷ - ۲۱۸۔) (۵۶۷) ابو سہل صعلوکی: امام ابو سہل محمد بن سلیمان
العجلی الصعلوکی نسباً حنفی اور مذہباً شافعی تھے۔ خراسان میں شافعیہ کے شیخ
تھے۔ لغت۔ نحو۔ تفسیر۔ علم کلام وغیرہ علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے
۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے بیٹے ابو الطیب صعلوکی نے ان ہی سے علوم
حاصل کئے۔ ۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۳: ۶۹)۔

(۵۶۸) بالفاظ دیگر اس بات کے قائل نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ گناہ معاف بھی کر دیتے ہیں۔ (۵۶۹) ابو بکر بن اشکیب۔ رسالہ میں اسی طرح دیا ہے بشرح گیسو دراز میں ابو بکر بن الاسکاف دیا ہے۔ اور اس کا ترجمہ "ابو بکر پسر کفش گر" کیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔ ان کا نام احمد بن عمر بن احمد ابو بکر دلال ہے اور ابن الاسکاف کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ابو عمرو بن السماک سے حدیث سنی ثقہ تھے۔ اور شارع عتابین میں رہتے تھے۔ انہوں نے سنہ ۴۱۷ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۴: ۲۹۴) (۵۷۰) یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ اور متفق علیہ ہے (المغنی: ۱: ۲۶۵) (۵۷۱) یعقوب بن اسحٰق: ابو عوانہ یعقوب بن ابراہیم بن یزید الاسفرائینی مشہور حافظ حدیث اور مؤلف مسند ہیں۔ انہوں نے علم کی تلاش میں طویل سفر کئے اور علی بن حرب وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ ہیں۔ شافعیہ کے فقیہ ہیں سنہ ۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۲۷۴؛ البدایۃ والنہایۃ: ۱۱: ۱۵۹؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲؛ وفیات الاعیان: ۵: ۴۳۶-۴۴۷؛ معجم البلدان: ۱: ۱۷۸) (۵۷۲) علی بن حرب: ابو الحسن علی بن حرب الطائی الموصلی۔ مشہور محدث ہیں۔ اور مسند کے مؤلف ہیں انہوں نے ابن عیینہ سے حدیث سنی۔ نوے سال کی عمر میں سنہ ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ ان کا ایک بھائی احمد بن حرب ہے اس نے ان سے دو سال پہلے سنہ ۲۶۳ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۱۵۰؛ تاریخ بغداد: ۱۱: ۴۱۸) (۵۷۳) ابو معاویہ: ابو معاویہ سے مراد محمد بن خازم الضریر ہے چار سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ بیس سال تک اعمش کے ساتھ رہے۔ اور سنہ ۱۹۵ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۵: ۲۴۲-۲۴۹؛ شذرات الذھب: ۱: ۳۴۳) (۵۷۴) محمد بن عبید: ابو عبد اللہ محمد بن عبید بن ابی امیۃ الطنافسی یہ یعلی بن عبید کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یعلی ان سے سات سال بڑے ہیں انہوں نے اعمش وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن نمیر وغیرہ نے۔ ثقہ تھے سنہ ۱۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ (التاریخ الکبیر: ج ۱ ق ۱: ۱۷۳؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۰-۱۱؛ تہذیب التہذیب: ۹: ۳۲۷

۳۲۹ - شذرات الذهب: ۲ : ۱۴۱ (۵۷۵) الاعمش : ابو محمد سلیمان بن مہران الاسدی الکاہلی الکوفی الاعمش - کوفہ میں ۶۱ھ میں پیدا ہوئے حافظ حدیث اور قرآن کے ماہر تھے ثقہ اور صاحب سنت ہیں - ۸۸ سال کی عمر میں ۱۴۸ھ میں وفات پائی - (تہذیب التہذیب : ۴ : ۲۲۲ - ۲۲۶ ؛ شذرات الذہب : ۱ : ۲۲۰ - ۲۲۳ ؛ کتاب الجرح والتعدیل : ج ۲ : ق ۱ : ۱۴۶)

(۵۷۶) ابو صالح : ابو صالح ذکوان السمان جویریہ غطفانیہ کے آزاد کردہ غلام ہیں چونکہ یہ گھی کا کاروبار کرتے تھے - اس لیئے سمان کہلائے - ان کا شمار مدینہ کے کبار علماء میں ہوتا ہے - انہوں نے ابوہریرہ سے روایت کی - اور ان سے اعمش وغیرہ نے - ثقہ اور صالح الحدیث ہیں - تاریخ الاسلام : ۴ : ۲۱۹)

(۵۷۷) اس سند سے اس حدیث کی روایت مسلم نے کی ہے - (شرح زکریا الانصاری) - (۵۷۸) رباح قیسی : ابو المہاجر رباح بن عمرو القیسی الزاہد الکوفی - انہوں نے واصل بن سائب اور مالک بن دینار سے روایت کی - اور ان سے یزید ہارون وغیرہ نے - (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲ : ۵۱۱ - ۵۱۲ ؛ صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۷۸) (۵۷۹) عبد الوہاب بن عبد المجید ثقفی : ابو محمد عبد الوہاب بن عبد المجید الثقفی البصری - انہوں نے ایوب سختیانی وغیرہ سے حدیث سنی - اور ان سے محمد بن ادریس الشافعی وغیرہ نے - ثقہ ہیں - ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے - اور ۱۹۴ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۱ : ۸ - ۲۱ ؛ شذرات الذہب : ۱ : ۳۴۰ - ۳۴۱) (۵۸۰) ابراہیم الاطروش : ان کا حال کہیں معلوم نہیں ہو سکا - نفحات الانس میں جامی نے ابراہیم الاطروش کا ذکر کیا ہے (صفحہ ۷۴) مگر ساتھ ہی بحوالہ شیخ الاسلام لکھا ہے کہ یہ متاخرین میں سے ہیں - اور آگے چل کر ابراہیم الخواص کہا ہے - اور انہی کے اشعار بھی پیش کئے ہیں - حالانکہ ابراہیم خواص کی وفات ۲۹۱ھ میں ہوئی - یہاں ان کو معروف کرخی کا شاگرد بتایا گیا ہے - لہذا یہ متاخرین میں سے نہیں ہو سکتے -

(۵۸۱) ابو زکریا یحییٰ بن محمد الادیب: ابو زکریا یحییٰ بن محمد العنبری النیسا پوری۔ حافظ ادیب اور مفسر تھے۔ انہوں نے محمد بن ابراہیم بوشنجی وغیرہ سے روایت کی۔ چہتر سال کی عمر میں ۳۴۴ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۳۶۹)

(۵۸۲) یحییٰ بن اکثم: ابو محمد یحییٰ بن اکثم القاضی۔ جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ فقیہ مجتہد اور منصف تھے۔ اُنہوں نے جریر بن عبدالحمید وغیرہ سے روایت کی۔ ستر سال سے اوپر عمر پا کر ۲۴۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۱۰۱ از تاریخ بغداد: ۱۴: ۱۹۱)

(۵۸۳) حزن کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ حیاۃ القلوب: ۲: ۱۹۷-۱۹۹

(۵۸۴) احمد بن عیسیٰ: ابو عبداللہ احمد بن عیسیٰ المصری المعروف بابن التستری۔ اُنہوں نے ابن وھب سے حدیث سنی۔ .... اور ان سے شیخین نے ثقہ تھے ۲۴۳ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۱۰۲ از کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ا: ۶۴)

(۵۸۵) ابن وھب: ابو محمد عبداللہ بن وھب الفہری المصری۔ یہ اپنے زمانہ کے علامہ تھے۔ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۴۱ھ میں علم کی تلاش میں نکلے۔ امام مالک سے فقہ پڑھی۔ عبادت اور علم دونوں کے حامل تھے۔ ان کی بہت تصانیف ہیں۔ ۱۹۷ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۱: ۳۴۷-۳۴۸۔ از کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۱۸۹)۔

(۵۸۶) اسامۃ بن زید اللیثی: ابوزید اسامہ بن زید اللیثی انہوں نے سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کی صدوق تھے ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۲۳۴ از کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ا: ۲۸۴-۲۸۵)

(۵۸۷) محمد بن عمرو بن عطاء: ابو عبداللہ محمد بن عمرو بن عطاء بن عباس القرشی العامری۔ انہوں نے ابن عباس وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے زہری وغیرہ نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۱: ۱۴۴ از کتاب الجرح والتعدیل

ج ۴ ق ۱: ۲۹) (۵۸۸) ابو سعید القرشی: ابو سعید عبد اللہ بن محمد بن عبدالوہاب القرشی، الرازی، الصوفی۔ انہوں نے محمد بن ایوب بن الضریس سے روایت کی۔ آخر عمر میں بخارا چلے گئے تھے اور وہیں ۹۴ سال کی عمر میں ۳۸۲ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۱۰۳) (۵۸۹) سفیان بن عیینہ: ابو محمد سفیان بن عیینہ الھلالی حافظ حدیث تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ اگر مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز میں علم نہ ہوتا۔ تفسیر قرآن کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے ۹۱ سال کی عمر میں ۱۹۸ھ میں وفات پائی (شذرات: ۱: ۳۵۴ - ۳۵۵ تاریخ بغداد: ۹: ۱۷۴) ۔ (۵۹۰) محمد بن علی المروزی: ابو علی محمد بن علی بن حمزہ الحافظ، انہوں نے علی بن الحسین بن واقد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے نسائی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۳۵۲) ۔ (۵۹۱) احمد بن ابی روح۔ احمد بن ابی روح القرشی البغدادی۔ جرجان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے یزید بن ہارون وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے احمد بن حفص السعدی نے۔ یہ قوی نہیں ہیں (تاریخ بغداد: ۴: ۱۵۸ تاریخ جرجان: ۲۴) ۔

(۵۹۲) بھوک (جوع) کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۲۰۲۔ اور شرح گیسو دراز: ۵۵۸ - ۵۶۰۔ (۵۹۳) عبد اللہ بن ایوب: ابو محمد عبد اللہ بن ایوب بن زاذان الضریر المعروف بالقربی البصری۔ بغداد آئے اور وہاں ابو الولید طیالسی سے روایت کی۔ اور ان سے ابو سہل بن زیاد وغیرہ نے۔ ان سے روایت حدیث ترک کر دی گئی تھی۔ ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد: ۹: ۴۱۳) ۔

(۵۹۴) ابو الولید الطیالسی: ابو الولید ھشام بن عبد الملک الباھلی الطیالسی البصری، حافظ حدیث تھے۔ ان کا شمار حدیث کے ارکان میں ہوتا ہے۔ ۲۲۷ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۶۲ - ۶۳ وکتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۲: ۶۵ - ۶۶) (۵۹۵) ابو ہاشم عمار بن عمارۃ الزعفرانی البصری صاحب الزعفرانی۔ انہوں نے حسن بصری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے روح بن

عبادہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ تہذیب التہذیب ۷ : ۳۰۴-۳۰۵۔ کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱ : ۳۹۰-۳۹۱ (۵۹۶) زعفرانی : ابوہاشم عمار بن عمارہ کے استاد ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں دو شخصوں کا ذکر کیا ہے۔ جو زعفرانی ہیں۔ ابو علی الحسن بن محمد بن الصباح البغدادی الزعفرانی۔ درب زعفران کے رہنے والے متوفی ۲۶۰ھ (۲ : ۹۷) اور ابو سعید الحسین بن محمد بن علی الاصبہانی المعروف بالزعفرانی متوفی ۳۶۹ھ (۳ : ۱۵۷) مگر ان دونوں کا زمانہ ابوہاشم عمار بن عمارہ سے بعد کا زمانہ ہے۔ لہٰذا یہ دونوں یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں۔ (معجم البلدان : ۳ : ۱۴۱) زعفرانیہ کلواذی سے نیچے بغداد کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ الحسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی یہیں کے رہنے والے تھے۔ یہ بغداد میں مقیم ہوئے۔ چنانچہ درب الزعفرانی انہیں کی طرف منسوب ہے۔ اور بغداد کے بیشتر محدثین اسی درب کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ (۵۹۷) محمد بن عبداللہ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حضرت انس سے روایت کی۔ (التاریخ الکبیر ج ۱ : ق ۱ : ۱۲۸) (۵۹۸) امام بخاری نے التاریخ الکبیر (ج ۱ ق ۱ : ۱۲۸) میں اس حدیث کی روایت اسی طرح کی ہے۔ (۵۹۹) فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بتول اور جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد وفات پائی (تاریخ الاسلام : ۱ : ۳۶۰-۳۶۲) (۶۰۰) ابن سالم : ابوالحسن احمد بن محمد البصری (یہ ابوعبداللہ محمد بن سالم کے بیٹے ہیں۔) جنہوں نے ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ یہ سہل بن عبداللہ تستری کے مرید ہیں۔ اور سالمیہ فرقہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے ۳۶۰ھ میں وفات پائی۔ (مقدمہ انگریزی کتاب اللمع : ۱۹ از شذرات الذہب : ۳ : ۳۶) (۶۰۱) محمد بن بشر : ابوبکر محمد بن بشر الزبیری العکبری۔ انہوں نے بحر بن نصر خولانی وغیرہ سے روایت کی۔ ۸۴ سال زندہ رہے۔ اور ۳۲۳ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب : ۲ : ۲۲۴) (۶۰۲) الحسین بن منصور : الحسین بن منصور الحلاج جنہیں ۳۰۹ھ میں قتل کر دیا گیا تھا۔

(۶۰۳) داؤد بن معاذ: ابوسلیمان داؤد بن معاذ العتکی البصری۔ مخلد بن الحسین کے نواسے تھے بعض کہتے ہیں۔ کہ بھانجے تھے۔ ثقہ تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ایک سو سال سے زائد عمر پائی۔ تہذیب التہذیب: ۳: ۲۰۱ - ۲۰۲) (۶۰۴) مخلد بن الحسین: ابومحمد مخلد بن الحسین الازدی البصری۔ صالح اور عقلمندوں میں سے تھے۔ ثقہ تھے۔ ابو داؤد انہیں اپنے زمانہ کا عقلمند ترین انسان قرار دیتے ہیں سنہ ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔ (التاریخ الکبیر: ج ۴ ق ۱: ۴۳۷ تہذیب التہذیب: ۱۰: ۷۳) ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴) نے ان کی تاریخ وفات سنہ ۱۹۱ھ دی ہے۔ (۶۰۵) حجاج بن فرافصۃ: حجاج بن فرافصہ الباہلی البصری العابد۔ انہوں نے محمد بن سیرین وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ ابوحاتم نے انہیں "شیخ صالح" کہا ہے (تہذیب التہذیب: ۲: ۲۰۴) (۶۰۶) ابوبکر الغزالی یہ ابوعبداللہ المطبقی کے پڑوس میں رہتے تھے۔ ابراہیم بن عبدالرحیم بن دنوقا سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن احمد بن جمیع الصیداوی نے (تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۸۸)۔

(۶۰۷) نباج مکہ اور بصرہ کے درمیان حاجیوں کی ایک منزل کا نام ہے (معجم البلدان: ۵: ۲۵۵) (۶۰۸) ذات عرق۔ نجد اور تہامہ کی حد ہے اور اہل عراق کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ہے۔ (معجم البلدان: ۴: ۱۰۷)۔

(۶۰۹) عبدالعزیز بن عمیر یہ دراصل خراسان کے رہنے والے تھے مگر دمشق میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ احمد بن ابی الحواری ان سے حکایت کرتے ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۰۸ - ۲۰۹) (۶۱۰) محمد بن علی العلوی: محمد بن ابی اسمٰعیل علی بن الحسین العلوی۔ ہمدان میں پیدا ہوئے۔ اور بغداد میں نشوونما پایا۔ جعفر الخلدی وغیرہ سے حدیث لکھی اور فقہ شافعی علی بن ابی ہریرہ سے پڑھی۔ پھر شام چلے گئے۔ اور صوفیاء کی صحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ ان کا شمار کبار صوفیہ میں ہونے لگا۔ کئی بار حج کیا۔ سنہ ۳۹۵ھ میں وفات پائی۔

البدایہ النہایہ : ۱۱ : ۳۳۵) (۴) (۶۱۱) علی بن ابراہیم القاضی بدمشق ابوالحسن علی بن ابراہیم بن یوسف الآبندونی ۔ انہوں نے عمران ابن موسیٰ سختیانی سے روایت کی، اور ان سے ابوبکر آبندونی وغیرہ نے (تاریخ جرجان ۲۶۴) (۶۱۲) محمد بن علی بن خلف: ابو عبداللہ محمد بن علی بن خلف العطار الکوفی ۔ انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ محمد بن کثیر کوفی وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے محمد بن مخلد دوری وغیرہ نے ۔ ثقہ مامون اور عقلمند تھے ۔ تاریخ بغداد: ۳ : ۵۷)

(۶۱۳) محمد بن احمد بن سعید الرازی ابو جعفر محمد بن احمد بن سعید الرازی ۔ یہ ابن وارہ کے شاگرد ہیں اور سلمی کے استاد (طبقات الصوفیہ : ۸)

(۶۱۴) العباس بن حمزہ : ابو الفضل العباس بن حمزہ النیشاپوری الواعظ ۔ صاحب بیان و زبان ہیں ۔ ذوالنون کی صحبت میں رہے ، اور احمد بن ابی الحواری سے حدیث سنی ۔ ۲۸۸ھ میں وفات پائی ۔ (طبقات الصوفیہ: ۲۵) ۔

(۶۱۵) ابو القاسم جعفر بن احمد الرازی ۔ نورالدین شریبہ نے ان کے متعلق صرف اتنا دیا ہے ۔ کہ یہ سلمی کے استاد تھے ۔ (۶۱۶) ابو الخیر عسقلانی یہ بغداد آئے اور وہاں کچھ قیام کیا ، مشائخ کی صحبت میں رہے ۔ وہاں کسی گاؤں میں چلے گئے ۔ وہیں شادی کی اور وہیں وفات پائی ۔ (نفحات الانس: ۲۰۶)

(۶۱۷) ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بہ ابن حبان ابوالشیخ کی کنیت سے مشہور ہیں ۔ صاحب تصانیف اور ثقہ تھے ۔ پچانوے سال کی عمر پا کر ۳۶۹ھ میں وفات پائی ۔ انہوں نے سب سے پہلے ۲۸۴ھ میں حدیث سنی (اخبار اصفہان: ۲ : ۹۰ ؛ شذرات الذھب: ۳ : ۶۹)

(۶۱۸) ابراہیم بن محمد بن الحارث ۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری الکوفی کا حال دیا ہے ۔ تہذیب التہذیب: ۱ : ۱۵۱) ابن الجوزی نے بھی انہی کا حال دیا ہے (صفۃ الصفوۃ: ۴ : ۲۳۳) مگر ان کی وفات ۱۸۶ھ یا ۱۸۸ھ بتائی جاتی ہے ۔ اور ابن حبان کی پیدائش ہی

۲۷۴ھ میں ہوئی۔ لہٰذا ان سے روایت کرنا ممکن۔ (اخبار اصفہان ۱: ۱۸۸-۱۸۹) میں لکھا ہے۔ کہ یہ ابراہیم بن محمد بن الحارث بن میمون ابو اسحٰق المعروف بابن نائلہ ہیں۔ نائلہ ان کی والدہ کا نام ہے۔ انہوں نے سلیمان بن داؤد سے روایت کی ہے۔ اور ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔

(۶۱۹) سلیمان بن داؤد: ابن ابی حاتم نے سترہ اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ جن کا نام سلیمان بن داؤد ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں صرف آٹھ کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں سے ایک بھی یہاں مراد نہیں ہے۔ یہاں مراد سلیمان بن داؤد الشاذکونی المنقری ہیں۔ جنہوں نے جعفر بن سلیمان سے روایت کی ہے۔ یہ کذاب اور متروک الحدیث تھے (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲ ق ۱: ۱۱۴-۱۱۵) (۶۲۰) جعفر بن سلیمان ابو سلیمان جعفر بن سلیمان الضبعی البصری۔ انہوں نے مالک بن دینار وغیرہ سے روایت کی۔ ابن معین نے انہیں ثقہ کہا ہے مگر اوروں نے ان کی احادیث لکھنے سے منع کیا ہے۔ مائل بہ تشیع تھے ۱۷۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۲: ۹۵-۹۸ ز کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۱: ۴۸۱)

(۶۲۱) احمد بن منصور: ابو بکر احمد بن منصور بن محمد الوراق المعروف بالنوشری۔ محمد بن مخلد الدوری وغیرہ سے حدیث سنی۔ پیدائش ۳۰۰ھ اور وفات ۳۸۸ھ (تاریخ بغداد: ۵: ۱۵۵) (۶۲۲) مخلد: محمد بن المخلد ابو عبداللہ الدوری العطار صاحب فہم و علم تھے۔ وسیع روایت والے دین دار امانت دار اور عبادت گذار تھے۔ پیدائش ۲۳۳ھ اور وفات ۳۳۱ھ بعمر ننانوے سال آٹھ ماہ گیارہ دن۔ دور بغداد کی مشرقی جانب آخر شہر میں ایک محلہ کا نام ہے۔ جہاں یہ قیام کرتے تھے۔ تاریخ بغداد: ۳: ۳۱۰-۳۱۱)

(۶۲۳) ابو الحسین الحسن بن عمرو بن الجہم: ابو الحسین الحسن بن عمرو بن الجہم السبیعی بعض الشیعی کہتے ہیں۔ انہوں نے بشر حافی سے حکایات نقل کی ہیں۔ اور ان سے ابو عمرو بن السماک نے۔ ابن السماک کہا کرتے۔ یہ سبیعی نہیں۔ بلکہ شیعی ہیں۔ اور شیعی سے مراد

منصور کی پارٹی (شیعہ) ہے۔ ثقہ تھے ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۶۲۴) ابو نصر التمار: ابو نصر عبد الملک بن عبد العزیز التمار۔ عابد و زاہد تھے۔ اور ان کا شمار ابدال میں ہوتا تھا۔ مالک بن انس وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے احمد بن منیع وغیرہ نے۔ اصل میں نسا کے رہنے والے تھے۔ مگر ساری عمر بغداد میں گذاری۔ مسئلہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ ان کو سزا دی گئی۔ تو انہوں نے حکومت کی بات مان لی۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل ان سے روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ ابو داؤد انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۲۲۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۶۴ ز تاریخ بغداد: ۱۰-۴۲۰-۴۲۳۔ تہذیب التہذیب: ۶: ۴۰۶-۴۰۷، کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۳۵۸) (۶۲۵) خشوع اور تواضع کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح التعرف: ۳: ۱۲۵-۱۲۸ ز حیاۃ القلوب: ۲: ۱۹۹-۲۰۰ ز ۲۲۷-۲۲۹۔

(۶۲۶) علی بن الحسن رسالہ شرح زکریا انصاری اور شرح گیسو دراز سب میں علی بن حسن ہی دیا ہے۔ مگر ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن حماد کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ان سے حسن بن علی الحلوانی نے روایت کی ہے۔ ابو محمد الحسن بن علی الخلال المعروف بالحلوانی۔ حافظ اور ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد: ۷: ۳۶۵-۳۶۶۔ شذرات الذہب: ۲: ۱۰۰) (۶۲۷) یحییٰ بن حماد: ابو بکر یحییٰ بن حماد بن ابی زیاد الشیبانی۔ ابو عوانہ کے داماد تھے۔ انہوں نے ابو عوانہ اور شعبہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۹۹-۲۰۰ ز شذرات الذہب ۲: ۳۵ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۱۳۷-۱۳۸

(۶۲۸) شعبہ بن الحجاج العتکی الازدی۔ امیر المومنین فی الحدیث المتوفی ۱۶۰ھ انکا پہلے ذکر ہو چکا ہے (۶۲۹) ابان بن تغلب رسالہ، شرح زکریا انصاری اور شرح گیسو دراز تینوں میں ابان بن ثعلب بالثاء المثلثہ والعین المہملہ دیا ہے درست ابان بن تغلب ہے (بالتاء المثناۃ والغین المعجمہ) ہے۔ ابو سعد ابان

بن تغلب الربعی الکوفی ۔ انہوں نے فضیل بن عمرو الفقیمی وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے شعبہ وغیرہ نے ۔ یہ ان معدودے چند شخصوں میں سے ہیں ۔ جنہیں باوجود شیعہ ہونے کے ثقہ کہا گیا ہے ۔ انہیں روایات میں اہل الصدق میں سے شمار کیا گیا ہے سنہ ۱۴۱ھ میں وفات پائی) تہذیب التہذیب : ۱ : ۹۳ - ۹۴ - ز شذرات الذھب : ۱ : ۲۱۰ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱ : ۲۹۶ - ۲۹۷)

(۶۳۰) فضیل الفقیمی : ابو النصر فضیل بن عمرو الفقیمی التمیمی الکوفی الحسن بن عمرو الفقیمی کے بڑے بھائی ہیں ۔ انہوں نے ابراہیم النخعی وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے ان کے بھائی الحسن وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے ۔ سنہ ۱۱۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۸ : ۲۹۴ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲ : ۷۳)

(۶۳۱) ابراہیم النخعی : ابو عمران ابراہیم بن یزید النخعی ۔ جلیل القدر امام اور فقیہ عراق ہیں ۔ انہوں نے بچپن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے نخع قبیلہ مذحج کی ایک شاخ ہے ۔ انہوں نے چھیالیس کی عمر میں سنہ ۹۵ھ میں وفات پائی ۔ شذرات الذھب : ۱ : ۱۱)

(۶۳۲) علقمہ بن قیس : ابو شبل علقمہ بن قیس النخعی الکوفی یہ اسود بن زید اور عبدالرحمٰن بن زید کے چچا اور ابراہیم التیمی کے ماموں ہوتے ہیں ۔ انہوں نے کبار صحابہ مثلاً عمر بن الخطاب ، عثمان بن عثمان ، علی بن ابی طالب اور عبدالرحمٰن بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان سے ابراہیم بن یزید النخعی وغیرہ نے ۔ انہیں فقہ اور حدیث میں مقدم سمجھا جاتا تھا ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت میں مدائن آئے ۔ اور ان کے ساتھ خارجیوں کے خلاف نہروان کی جنگ میں شریک تھے جنگ صفین میں بھی شرکت کی ۔ ان کے طور اطوار عبداللہ بن مسعود سے مشابہت رکھتے تھے ۔ ان کی وفات سنہ ۷۲ھ میں ہوئی ۔ اور ۹۰ سال کی عمر پائی شذرات الذھب : ۱ : بعض میں ان کی تاریخ سنہ ۶۲ھ دی ہے ۔ تاریخ بغداد : ۱۲ : ۲۹۶ : ۳۰۰ ز التاریخ الکبیر : ج ۴ ق ۱ : ۴۱ یہاں ان کی تاریخ وفات سنہ ۶۱ھ دی ہے تذکرۃ الحفاظ :

: ا: ۴۵ - ۴۶ ز تاریخ الاسلام: ۳ : ۵۰ - ۵۲ ذہبی نے بھی ان کا سال وفات ۶۲ھ بتایا ہے۔ اور ۲۷ھ کو غلط قرار دیا ہے۔ تہذیب التہذیب: ۷: ۲۷۶ - ۲۷۸ یہاں ان کی کنیت ابو شبیل دی ہے۔ اور کتاب الجرح والتعدیل: ۳ ق ۱: ۴۰۴ - ۴۰۵ حلیۃ الاولیاء: ۹۸ - ۱۰۲ -)

(۶۳۳) علی بن مسہر: ابوالحسن علی بن مسہر الکوفی الحافظ۔ موصل کے قاضی تھے انہوں نے یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ سے روایت کی۔ صالح الحدیث ہیں ثقہ ہیں۔ آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ پھر بھی حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب ۱: ۳۲۵ ز تہذیب التہذیب: ۷: ۳۸۳ - ۳۸۴ ز ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۲۰۴) -

(۶۳۴) مُسلم الاعور: ابو عبداللہ مسلم بن کیسان الضبی الملائی، البراد، الکوفی الاعور، انہوں نے انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ اور ان سے علی بن مُسہر وغیرہ نے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ کہ آخر عمر میں ان کی عقل میں فتور آگیا تھا۔ اُنہیں متروک الحدیث اور ضعیف خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۵: ۳۰۱ ز تہذیب التہذیب: ۱۰: ۱۳۵ - ۱۳۶ ز التاریخ الکبیر ج ۴ ق: ۱: ۲۷۱ ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۹۲-۱۹۳)

(۶۳۵) بنی قریظہ اور بنی نضیر کی جنگ ۵ھ میں غزوہ خندق سے واپسی پر ہوئی۔ شذرات الذھب: ۱: ۱۱) (۶۳۶) حذیفہ سے یہاں مراد حذیفہ بن الیمان صحابی ہیں۔ ابو عبداللہ حذیفہ بن الیمان اور یمان لقب ہے حسیل بن جابر بن ربیعہ بن عمرو بن جروہ کا بعض کہتے ہیں کہ جروہ ہی کا نام یمان ہے۔ ابن العماد کہتے ہیں۔ کہ انہیں ابن الیمان اس لئے کہا گیا۔ کہ ان کے دادا قتل کر کے مدینہ بھاگ گئے تھے۔ اور وہاں بنی عبدالاشہل کے حلیف بن گئے تھے۔ اور بنی عبدالاشہل یمن کے رہنے والے ہیں۔ ان کا خاص وصف یہ تھا۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں تمام منافقین کے نام بتائے ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ حضرت عمر اس وقت تک

کسی میت کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تھے۔ جب تک حذیفہ اس میں شامل نہ ہوں۔
اس خوف سے کہ کہیں میت منافقین میں سے نہ ہو۔ ۳۶ھ میں انہوں نے وفات
پائی (شذرات الذہب ۱: ۴۴ ز صفۃ الصفوۃ ۱: ۲۴۹ - ۲۵۲ ز اسد الغابۃ
۱: ۳۹۰ - ۳۹۲ ز تاریخ الاسلام ۲: ۱۵۲ - ۱۵۳)

(۶۳۷) ابراہیم بن عبداللہ: ابو اسحٰق ابراہیم بن عبداللہ بن اسحٰق الاصبہانی
المعروف بالقصار۔ چونکہ یہ زاہد و پرہیزگار تھے۔ اس لئے لوگ ان سے مردوں
کو نہلوایا کرتے تھے۔ جس وجہ سے ان کا نام قصار پڑ گیا۔ عبادت گذار اور متبع سنت
تھے۔ ان کا ایک بیٹا ابو سعید تھا۔ جو ان کی زندگی ہی میں مرگیا تھا۔ انہوں نے
ایک سو تین سال کی عمر میں ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۶: ۱۲۷ ز
شذرات الذہب ۳: ۸۰ ز اخبار اصبہان ۱: ۲۰۱) (۶۳۸) ابو یوسف
محمد بن کثیر المصیصی الصنعانی ابن عماد انہیں حسن الحدیث لکھتے ہیں۔ مگر ابن ابی اور ابن حجر
دونوں اسے غیر ثقہ اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے ۲۱۶ھ میں وفات
پائی۔ (شذرات الذہب ۲: ۳۸ ز تہذیب التہذیب ۹: ۴۱۵ - ۴۱۷
ابن حجر نے ان کی کنیت ابو ایوب دی ہے۔ اور کتاب الجرح والتعدیل ج ۴
ق ۱: ۶۹ - ۷۰) (۶۳۹) ہارون بن حبان: ہارون بن حیان الرقی۔ انہوں نے
خصیف وغیرہ سے روایت کی۔ اور اسے محمد بن کثیر الصنعانی وغیرہ نے۔
کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۸۸) (۶۴۰) خصیف: رسالہ، شرح
زکریا انصاری اور شرح گیسو دراز میں حصیف دیا ہے۔ مگر میں نے درست متن
میں لکھ دیا ہے۔ ابو عون خصیف بن عبدالرحمٰن الجزری الحرانی۔ انہوں نے
حضرت انس کو دیکھا ہے۔ انہوں نے سعید بن جبیر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان
سے اسحٰق بن حیان نے۔ ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حجر لکھتے
ہیں۔ کہ انصاف کی بات یہ ہے۔ کہ ان کی جو روایت ثقہ لوگوں کی روایت سے
موافقت کرے۔ اسے قبول کر لیا جائے۔ اور جو نہ کرے۔ اسے ترک کر دیا جائے۔

انہوں نے ۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۱: ۲۰۶؛ تہذیب
التہذیب ۳: ۱۴۳ - ۱۴۴؛ التاریخ الکبیر ج ۲ ق ۱: ۲۰۸) (۶۴۱) سعید
بن جبیر: ابو عبداللہ سعید بن جبیر الکوفی الاسدی الوالبی۔ ائمہ اعلام میں سے
تھے۔ انہوں نے ابن عباس وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے خصیف وغیرہ نے۔
جب کوفہ کے لوگ ابن عباس سے مسائل پوچھنے کو آتے۔ تو آپ فرماتے تمہارے
ہاں سعید بن جبیر ہے۔ اس سے پوچھ لیا کرو۔ یہ سیاہ رنگ کے تھے۔ حجاج کے
خلاف بغاوت میں ابن الاشعث کا ساتھ دیا۔ مگر ابن الاشعث کو شکست ہوئی۔ تو
یہ چھپ گئے اور بارہ سال ادھر ادھر گھومتے پھرے۔ بالآخر حجاج کے قابو
میں آ گئے۔ اور اس نے انہیں ۹۵ھ میں قتل کرا دیا۔ ان کی عمر ۴۹ سال تھی۔ یہ آخری
شخص تھے۔ جنہیں حجاج نے قتل کیا۔ (تاریخ الاسلام ۴: ۲ - ۴؛ شذرات الذہب
۱: ۱۰۸ - ۱۱۰؛ حلیۃ الاولیاء ۴: ۲۷۲ - ۳۰۹؛ تہذیب التہذیب ۴:
۱۱ - ۱۴؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۹ - ۱۰؛ البدایہ والنہایہ ۹: ۹۶ -
۹۹؛ التاریخ الکبیر ج ۲ ق ۱: ۴۲۲؛ صفۃ الصفوۃ ۳: ۴۴ - ۴۶؛ تذکرۃ الحفاظ
۱: ۷۱ تا ۷۳) (۶۴۲) وھب: وھب سے یہاں مراد ابو عبداللہ
وھب بن منبہ الصنعانی سے ہے۔ کسریٰ نے کچھ لوگ یمن کو بھیجے تھے۔ یہ انہی کی اولاد
میں سے تھے۔ ان لوگوں کو جو ان ایرانیوں کی نسل میں سے ہوئے۔ "ابناء" کہا
جاتا ہے۔ یہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ وھب فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بہتر (۷۲) آسمانی کتابوں
کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی ایک چھوٹی سی تصنیف بھی ہے۔ جس میں انہوں نے حمیری
خاندان کی تاریخ بیان کی ہے۔ انہیں گذشتہ امتوں اور ان کے احوال معلوم کرنے
سے بہت شغف تھا۔ انہوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب:
۱: ۱۵۰؛ صفۃ الصفوۃ ۲: ۱۶۴ - ۱۶۷؛ البدایۃ والنہایۃ ۹: ۲۷۶ -
۳۰۲) (۶۴۳) زید بن ثابت: ابو خارجہ زید بن ثابت بن الضحاک الانصاری
کاتب وحی تھے۔ یہ ابھی چھ سال کے تھے۔ کہ ان کے والد بعاث کی جنگ میں مارے

گئے۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ حضرت ابن عباس ان کے گھر علم حاصل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ یہ بھی ان کی بہت تعظیم کرتے۔ چھپن سال کی عمر میں ۴۵ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہودیوں سے لکھنا سیکھا تھا۔ عمدہ کتابت کیا کرتے۔ اسی لئے کاتب وحی مقرر ہوئے
شذرات الذھب: ۱: ۵۴ ز تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۲۹ - ۳۰ ز اسد الغابہ: ۲: ۲۲۱ - ۲۲۳) (۶۴۴) عروۃ بن زبیر: ابو عبداللہ عروۃ بن الزبیر بن العوام۔ تابعی ہیں۔ اور عبداللہ بن زبیر کے بھائی ہیں۔ عبداللہ ان سے بیس سال بڑے تھے۔ ان کا شمار مدینہ کے سات فقہا میں ہوتا ہے ۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذھب: ۱: ۱۰۳ - ۱۰۴ ز تہذیب التہذیب: ۷: ۱۸۰ - ۱۸۵ ز تاریخ الاسلام: ۴: ۳۱ - ۳۴ ز تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۵۸ - ۵۹)۔

(۶۴۵) (۱) اس واقعہ کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۱۳۷۔

(۶۴۶) عبداللہ الرازی سے مراد ابو محمد عبداللہ بن محمد رازی سے ہے۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (۶۴۷) محمد بن احمد بن ہارون: ابو احمد محمد بن احمد بن ہارون بن بندار الاستر آبادی۔ یہ ہارون استر آبادی کے بڑے بھائی ہیں۔ انہوں نے ابو شعیب حرانی سے روایت کی ۳۴۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۳۹۵ - ۳۹۶) (۶۴۸) محمد بن العباس الدمشقی: ابو سعید محمد بن العباس الولید الدمشقی الخیاط۔ یہ جرجان آئے۔ انہوں نے ہشام بن عمار سے روایت کی۔ اور ان سے ابو بکر اسماعیلی وغیرہ نے ۲۹۰ھ کے بعد وفات پائی۔ (تاریخ جرجان: ۳۷۱) (۶۴۹) رجاء بن حیوۃ ابو المقدام رجاء بن حیوۃ الکندی الشامی الفقیہ یہ شریف اور کامل السیادت تھے۔ معاویہ وغیرہ سے روایت کی۔ مکحول انہیں سید اھل الشام کہا کرتے تھے۔ ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۴۹ - ۲۵۰ ز شذرات الذھب: ۱: ۱۴۵ ز صفۃ الصفوۃ: ۴:

۱۸۶ - ۱۸۷ ز تذکرۃ الحفاظ: ۱ : ۱۱۱) (۶۵۰) عبد اللہ بن محمد بن واسع یہ محمد بن واسع بن جابر الازدی
کے بیٹے ہیں۔ محمد بن واسع نے حضرت انس رضی اللہ سے حدیث سنی۔ مگر ان کی روایت
کی ہوئی احادیث صرف پندرہ ہیں۔ بڑے پرہیز گار تھے۔ ثقہ اور عابد و صالح ہیں
لوگ انکی زیارت سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے ان کے پاس آتے تھے۔ ان کے بیٹے عبد اللہ کا واقعہ
یہاں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے لیئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ الاسلام: ۵ : ۱۶۱ اور صفۃ الصفوۃ:
۳ : ۱۹۳ ، انہوں نے ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذھب: ۱ : ۱۶۱ -
۱۶۲ - ز تاریخ الاسلام ۵ : ۱۵۹ - ۱۶۲ ز صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۱۹۰ - ۱۹۵)۔
(۶۵۱) بلال: بلال بن رباح الحبشی۔ ابو بکر صدیق کا آزاد کردہ غلام۔ ان
کی والدہ کا نام حمامہ ہے۔ سابقین اولین میں سے تھے۔ اللہ کی راہ میں انہوں نے
سخت تکالیف جھیلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر شام چلے
گئے۔ وہاں پہنچکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا: بلال! یہ جفا کیسی؟
میری زیارت کو کیوں نہیں آتا؟ بیدار ہوتے ہی سواری لی۔ اور مدینہ آ گئے۔ بیان
کیا جاتا ہے۔ کہ جب انہوں نے مدینہ میں اذان دی۔ تو تمام شہر میں زلزلہ کی کیفیت
طاری ہو گئی۔ تمام صحابہ زار و قطار رونے لگے۔ انہوں نے دمشق میں ۱۸ھ یا ۲۰ھ
میں وفات پائی۔ ان کی عمر ساٹھ سال سے اوپر ہوئی۔ (شذرات الذھب: ۱ : ۳۱ ز
صفۃ الصفوۃ: ۱ : ۱۷۱ : تاریخ الاسلام : ۲ : ۳۱ - ۳۳ ز اسد الغابہ: ۱ : ۲۰۶ -
۲۰۹) (۶۵۲) ابو ذر: جندب بن جنادہ الغفاری المتوفی ۳۲ھ ان کا حال پہلے
بیان ہو چکا ہے۔ (۶۵۳) حسن بن علی: سبط رسول اللہ و ریحانتہ ابو محمد الحسن بن علی
بن ابی طالب رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے پچیس ۲۵ حج پیدل کئے ہیں۔ حالانکہ سواری ساتھ
ہوتی تھی۔ نہایت سخی تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ کے
حق میں دستبردار ہو گئے تھے۔ سینتالیس سال کی عمر میں ۵۰ھ میں یا ۴۹ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذھب: ۱ : ۵۵
۵۶ ز تاریخ الاسلام: ۲ : ۲۱۹ - ۲۲۰) جو واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے اس کیلئے ملاحظہ ہو شذرات الذھب: ۱ : ۵۶ -

(۶۵۴) معاذ: معاذ بن جبل مشہور صحابی ہیں۔ علماء صحابہ میں سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ایمان لائے۔ اور ۳۸ سال کی عمر پائی۔ ۱۸ھ میں انتقال ہوا۔ ان سے ۱۵۷ احادیث مروی ہیں۔ (تاریخ الاسلام: ۲: ۲۴ - ۲۵ و شذرات الذھب ۱: ۲۹: ۳۰ و ۶۳ و تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۸ - ۲۱ و اسد الغابہ: ۴: ۳۷۶ - ۳۷۸ و صفۃ الصفوۃ: ۱: ۱۹۵ - ۲۰۱) - (۶۵۵) مخالفت نفس اور اس کے عیوب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۲۱ - ۲۲ و احیاء العلوم: ۳: ۴۷ - ۷۷ و حیاۃ القلوب: ۲: ۲۴ - ۳۲ - (۶۵۶) تمتام: ابو جعفر محمد بن غالب بن حرب الضبی البصری الحافظ المعروف بہ تمتام ۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی۔ عفان بن مسلم وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے موسیٰ بن ہارون نے۔ کثیر الحدیث اور صدوق تھے۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۱۴۳ - ۱۴۶ - و شذرات الذھب: ۲: ۱۸۵ و المنتظم: ۵: ۱۶۹ و تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۷۴) - (۶۵۷) محمد بن معاویہ النیسا پوری: ابو علی محمد بن معاویہ النیسا پوری پہلے بغداد میں رہے۔ پھر مکہ چلے گئے۔ انہوں نے سلیمان بن بلال وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے یحییٰ الحمانی وغیرہ نے۔ یہ بذات خود ثقہ اور نیک آدمی تھے۔ مگر ان کو جیسا کہہ دیا جاتا اسی طرح کہہ دیتے۔ لہٰذا اگر کوئی انہیں یہ کہدیتا۔ کہ یہ تو آپ کی حدیث ہے۔ یہ قبول کر لیتے۔ اور اس کی روایت کرنے لگ جاتے۔ پھر ایک اور آتا۔ اور کہتا۔ کہ یہ یعلی رازی کی حدیث ہے۔ اور آپ بھی تو اس کے ساتھ تھے۔ لہٰذا اسی خیال پر یہ بھی اس حدیث کی روایت کرنے لگ جاتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بشیر علماء حدیث نے ان کی احادیث کو قابل قبول نہیں سمجھا۔ ان کی وفات ۲۲۹ھ میں مکہ میں ہوئی (تہذیب التہذیب: ۹: ۲۱۴ - ۲۱۵ و التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۱: ۲۴۵ - ۲۴۶ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۱۰۳ - ۱۰۴ و تاریخ بغداد: ۳: ۲۷۰ - ۲۷۴)

(۶۵۸) علی بن ابی علی بن عتبہ بن ابی لہب : انہوں نے محمد بن المنکدر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن ابی فدیک وغیرہ نے۔ ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱ : ۱۹۷)

(۶۵۹) محمد بن المنکدر : ابو عبداللہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ بن ہدیر التیمی۔ آئمہ اعلام میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ منکدر سے روایت کی ہے۔ اور منکدر صحابی ہیں۔ ان سے ان کے دونوں بیٹوں یوسف اور منکدر اور ان کے بھتیجے ابراہیم اور عبدالرحمٰن وغیرہ نے کی۔ معدن صدق اور ثقہ تھے۔ صالحوں کا ان کے ہاں اجتماع ہوتا۔ چہتر سال کی عمر میں ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۷۳ - ۴۷۵ ; کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۹۷- ۹۸ ; التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۱ : ۲۱۹- ۲۲۰ (۶۶۰) جابر بن عبداللہ : تین صحابیوں کا نام جابر بن عبداللہ ہے۔ مگر یہاں پر جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام سلمی انصاری سے مراد ہے۔ ان کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی صحابی ہیں، وہ غزوہ اُحد میں شہید ہوئے۔ یہ عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر اپنے والد کے ساتھ موجود تھے۔ اس وقت یہ بچے تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترہ جنگوں میں شرکت کی۔ بڑے عالم اور کثیر الروایات ہیں۔ مسجد نبوی میں ان کا حلقۂ درس ہوتا تھا۔ ۹۴ سال کی عمر میں ۷۸ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذہب : ۱ : ۸۴ ; اسد الغابہ : ۱ : ۲۵۶ - ۲۵۸ ; تاریخ الاسلام : ۳ : ۱۴۳-۱۴۵۔

(۶۶۱) اس واقعہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ صفۃ الصفوۃ : ۲ : ۲۸۴۔

(۶۶۲) الحسین بن یحیٰی : ابو علی الحسین بن یحیٰی بن زکریا الفقیہ الشافعی۔

(۶۶۳) لکام : بالضم و تشدید الکاف۔ کاف کو مخفف بھی پڑھا جاتا ہے انطاکیہ مصیصہ اور طرسوس کے پہاڑ کا نام ہے۔ (معجم البلدان : ۵ : ۲۲۔)

(۶۶۴) ابن طولون : امیر ابو العباس احمد بن طولون حاکم مصر و شام۔ یہ عادل شجاع اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ مگر اس میں ایک کمزوری یہ تھی۔ کہ

طبیعت میں طیش پایا جاتا تھا۔ چنانچہ کثیر التعداد لوگ اس کی تلوار سے اور اس کے قید خانہ میں مرے۔ حافظ قرآن تھا۔ اور نہایت عمدہ آواز سے قرآن پڑھتا تھا۔ ابن طولون نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ (ابن خلکان: ۱: ۱۵۵-۱۵۷)

(۶۶۵) ابو عبد اللہ المغربی: ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل المغربی۔ ابراہیم خواص کے استاد تھے۔ اور جبل طور پر رہا کرتے تھے۔ ان کے استاد علی بن رزین ہیں۔ اور استاد اور شاگرد دونوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔ ان کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی۔ ابراہیم بن شیبان فرماتے ہیں۔ کہ میں تیس سال ان کی صحبت میں رہا۔ ایک دن گیا تو آپ کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے مجھے بھی کھانے کو فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ مجھے آپ کی صحبت میں تیس سال ہو گئے ہیں۔ آپ نے مجھے آج تک کھانے کی دعوت نہیں دی۔ آج کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ کہ میرا کھانا صرف متقی شخص ہی کھائے گا۔ چنانچہ آج مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ تو متقی ہے۔ (شذرات الذھب: ۲: ۲۲۴-۲۲۵؛ صفۃ الصفوۃ: ۴: ۳۰۵-۳۰۶)۔

(۶۶۶) الحسین بن علی القرمیسینی۔ ان کے حالات نہ مل سکے۔

(۶۶۷) عصام بن یوسف البلخی عصام بن یوسف الزاھد البلخی انہوں نے عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد سے روایت کی۔ اور ان سے عاصم بن زمزم بلخی نے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲: ۲۶)

(۶۶۸) حسد کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ سراج القلوب: ۱: ۱۶۴-۱۶۸؛ از حیاۃ القلوب: ۲: ۳۲-۳۷؛ از احیاء العلوم: ۳: ۱۸۳-۱۹۶؛ از نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۲۱-۳۱)

(۶۶۹) اسمٰعیل بن الفضل: ابوبکر اسمٰعیل بن الفضل البلخی۔ یہ عبد الصمد بن الفضل کے بھائی ہیں۔ انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ محمد بن الحسن وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ تھے۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۶: ۲۹۰-۲۹۱)

(۶۷۰) یحیٰی بن مخلد: ابو زکریا۔ یحیٰی بن مخلد البغدادی یہ بغداد

میں محلہ دار القطن کے قریب رہتے تھے۔ ان سے ابو عبد الرحمن النسائی وغیرہ نے روایت کی۔ ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۲۰۷ - ۲۰۸ زتہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۸۷)

(۶۷۱) معبد الجہنی البصری۔ یہ بصرہ کے تابعین میں سے تھے ثقہ تھے۔ اور سچے تھے مگر اسلام میں یہ پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے تقدیر پر اعتراض کئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو تمام صفات سے معرا سمجھتے تھے۔ اور خلق قرآن کے قائل تھے (تہذیب التہذیب: ۱۰ ۲۲۵ - ۲۲۶ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۲۸۰)۔

(۶۷۲) ابی قلابہ: ابو قلابہ عبد اللہ بن زید الجرمی البصری۔ جلیل القدر تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے جلیل القدر صحابہ سے روایت کی۔ اور ان سے قتادہ وغیرہ نے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ ۱۰۴ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۲۱ - ۲۲۳ زصفۃ الصفوۃ: ۳: ۱۶۰ - ۱۶۱)۔

(۶۷۳) اصمعی: ابو سعید عبد الملک بن قریب الباہلی البصری الاصمعی۔ انہوں نے ابن عون وغیرہ سے روایت کی۔ خلفاء ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے ان کی تیس سے زائد تصانیف ہیں۔ عربی زبان کے مشہور لغت دان ہیں۔ انہوں نے ۸۸ سال کی عمر میں ۲۱۶ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۲: ۳۶ - ۳۸ زتاریخ بغداد: ۱۰: ۴۱۰)

(۶۷۴) رسالہ کے الفاظ یہ ہیں: ترکت الحسد فبقیت مگر شذرات میں یوں دیا ہے۔ ترکت الحسد فبقی الجسد۔

(۶۷۵) معاویہ: معاویہ بن ابی سفیان۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہوئے تو یہ خلیفہ بنے۔ خلافت بنو امیہ کے یہ بانی ہیں۔ حضرت عمر اور عثمان کی طرف سے بیس سال شام کے حاکم رہے۔ اور حضرت علی کی وفات کے بعد بھی بیس سال خلافت کی۔ ۶۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۱: ۶۵)۔

(۶۷۶) یہاں پر شرح گیسو دراز میں غلط عبارت چھپی ہے۔ اور خواجہ صاحب نے ترجمہ بھی اسی طرح غلط کیا ہے۔

(۶۷۷) المعتز : عبداللہ بن المعتز عربی زبان کے مشہور شاعر اور خلیفہ المعتز کا بیٹا ۲۹۶ھ میں قتل ہوا۔ (لٹریری ہسٹری آف دی عربز : ۳۲۵ اور شذرات الذہب : ۲ : ۲۲۱ - ۲۲۴) (۶۷۸) غیبت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۳۶ ؛ احیاء العلوم : ۳ : ۱۳۸ - ۱۵۱۔

(۶۷۹) علی بن الحسن : علی بن الحسن الہسنجانی ۔ عبداللہ بن حسن کے بھائی ۔ انہوں نے یحییٰ عبداللہ بن بکر وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے ابن ابی حاتم وغیرہ نے ۔ ثقہ اور صدوق تھے ۔ (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ ق : ۱ : ۱۸۱) ۔

(۶۸۰) اسحٰق بن عیسٰی . . . . . ابن بنت داؤد بن ابی ہند ابو ہاشم اسحٰق بن عیسٰی القشیری ابن بنت داؤد ابی ہند انہوں نے سفیان ثوری وغیرہ سے حدیث سنی ۔ اور ان سے اسحٰق بن بہلول التنوخی وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے ۔ انہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کرلی تھی ۔ اور مکہ کے خازن بھی رہے ۔ (تاریخ بغداد : ۶ : ۳۱۸ ؛ تہذیب التہذیب : ۱ : ۲۴۵ ؛ کتاب الجرح والتعدیل : ج ا ق ا : ۲۳۰) ۔

(۶۸۱) محمد بن ابی حمید : ابو ابراہیم محمد بن ابی حمید الانصاری المدنی الملقب بہ حماد انہوں نے موسیٰ بن وردان وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے سعید بن ابی ہلال وغیرہ نے یہ ثقہ نہیں ہیں ۔ تہذیب التہذیب : ۹ : ۱۳۲ - ۱۳۴ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق : ۲ : ۳ - ۲۳) ۔

(۶۸۲) موسیٰ بن وردان : ابو عمر موسیٰ بن وردان القرشی العامری البصری ۔ انہوں نے ابو ہریرہ وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے ان کے بیٹے سعید وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے ۱۱۷ھ میں وفات پائی ۔ (تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۳۷۶ - ۳۷۷ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۱۶۴) (۶۸۳) عوف : عوف بن ابی جمیلۃ العبدی الہجری البصری المعروف بالاعرابی ۔ انہوں نے ابن سیرین ، حسن بصری وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے شعبہ وغیرہ نے ۔ ثقہ ۔ امین ۔ صدوق اور کثیر الحدیث ہیں ان کے امین اور سچا ہونے میں کسی کو شک نہیں ۔ مگر شیعی اور قدری

تھے۔ ۱۸ سال کی عمر میں ۱۴۶ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲:
۱۵ ؛ تہذیب التہذیب: ۸: ۱۶۶ - ۱۶۷ ؛ شذرات الذھب: ۱: ۲۱۷ ؛
التاریخ الکبیر ج ۴ ق ۱: ۵۸) امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ یہ قتادہ سے دو سال
بڑے تھے۔ قتادہ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی۔ لہٰذا ان کی ولادت ۵۹ھ
میں ہونی چاہیئے۔ اور اکاسی سال کی عمر پائی۔ اس طرح ان کا سال وفات ۱۴۰ھ
ہوتا ہے۔ مگر ۱۴۶ھ پر سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا ان کی عمر چھیاسی سال کی ہونی چاہیئے
اور تہذیب التہذیب ... ستۃ وثمانون سنۃ چھپا ہے۔ غلط ہے۔
ست وثمانون سنۃ چاہیئے جیسا کہ تقریب میں ہے۔ (۶۸۴) ابن سیرین: محمد بن سیرین
ابوبکر۔ انہیں امام المعبرین کہا جاتا ہے۔ ان کی والدہ صفیہ ابوبکر صدیق کی آزاد
کردہ لونڈی تھیں۔ اور یہ خود انس بن مالک کے غلام تھے۔ انہوں نے بیس ہزار
درہم ادا کر کے اپنے کو آزاد کرایا۔ بزاز تھے۔ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔
ستر سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۱۳۸ -
۱۳۹) (۶۸۵) حجاج: حجاج بن یوسف الثقفی۔ شجاع مہیب اور فصیح اللسان
تھے۔ قتل کرنے میں قطعاً پس وپیش نہ کرتے تھے۔ چنانچہ کافی لوگ ان کے ہاتھوں
قتل ہوئے۔ پہلے حجاز کے گورنر ہوئے۔ پھر عراق وخراسان کے بیس سال گورنر رہے
جب عراق کے گورنر رہے۔ تو ان کی عمر اس وقت ۳۳ سال تھی۔ پچپن سال کی
عمر میں ۹۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب: ۱: ۱۰۶)۔
(۶۸۶) سفیان بن حسین: ابو محمد سفیان بن حسین بن الحسن الواسطی السلمی المعلم
انہوں نے ایاس بن معاویہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔
صدوق اور ثقہ ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں۔ کہ ان کی احادیث کو بطور دلیل پیش نہیں
کیا جا سکتا۔ ہارون کے عہد میں مہدی کے ساتھ رے میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب:
۴: ۱۰۷ - ۱۰۸ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۲۲۷ - ۲۲۸۔)
(۶۸۷) ایاس بن معاویہ: ابو واثلہ ایاس بن معاویہ المزنی اللیثی۔ ان کی ذکاوت

عربوں میں ضرب المثل تھی۔ انہوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی۔ ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ مگر صحاح ستہ میں ان کی کوئی روایت نہیں۔ انہوں نے اور ان کے باپ دونوں نے چھیانوے سال عمر پائی۔ اور انہوں نے ۱۲۲ھ میں رحلت فرمائی۔ (شذرات الذھب: ۱: ۱۶۰) (۶۸۸) سہل بن عثمان العسکری ابو مسعود سہل بن عثمان العسکری الحافظ انہوں نے حماد بن زید وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے مسلم وغیرہ نے۔ صدوق اور ثقہ ہیں۔ ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب: ۲: ۳۶ ز تہذیب التہذیب: ۴: ۲۵۵ - ۲۵۶ ز شذرات الذھب: ۲: ۸۷ ز کتاب الجرح والتعدیل ج: ۲ ق ۱: ۲۰۳)۔

(۶۸۹) ربیع بن بدر: ابو العلاء الربیع بن بدر التمیمی السعدی الملقب بہ عُلَیْلَہ۔ انہوں نے ابو الزبیر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے عبداللہ بن عوف بن ارطبان وغیرہ نے۔ اصل میں بصرہ کے رہنے والے تھے۔ بغداد آئے تو لوگوں نے ان سے حدیث لکھی۔ یہ ضعیف اور متروک الحدیث ہیں۔ ۱۷۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد: ۸: ۴۱۵ - ۴۱۷ - ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۴۵۵)

(۶۹۰) ابان: یہاں ابان سے مراد ابو اسمٰعیل ابان بن ابی عیاش فیروز البصری سے ہے۔ انہوں نے حضرت انس سے کثرت سے روایت کی ہے۔ اور ان سے ابو اسحٰق الفزاری وغیرہ نے۔ بذاتِ خود صالح آدمی تھے۔ مگر ان میں حافظہ کی خرابی پائی جاتی تھی۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں۔ کہ ابو زرعہ سے جب ان کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ ان کی حدیث متروک ہے۔ پھر سوال کیا۔ کہ کیا یہ جھوٹ بولتے ہیں؟ فرمایا۔ نہیں۔ مگر یہ ایک حدیث انس رض سے سنتے اور ایک حسن سے پھر اس کے بعد ان میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ کہ کونسی حدیث کس سے سنی ہے۔ مالک بن دینار انہیں طاؤس القراء کہتے ہیں۔ انہوں نے ۱۳۸ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۱: ۹۷ - ۱۰۱ ز کتاب الجروح والتعدیل ج ۱: ق ۱: ۲۹۵ - ۲۹۶)

(۶۹۱) ابن عدی اور ابو الشیخ کتاب ثواب الاعمال میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ حدیث حضرت

انس سے ضعیف سند سے روایت کی گئی ہے۔ (المغنی عن حمل الاسفار : ۳ : ۱۲۹)

(۶۹۲) ابو طاہر محمد بن اُسید المرقی : ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۶۹۳) ملاحظہ ہو۔ صفۃ الصفوۃ : ۲ : ۲۸۳ - ۲۸۴ جہاں اسی قسم کا واقعہ دیا ہے۔ جو ابراہیم الاجری سے پیش آیا۔

(۶۹۴) ابو جعفر البلخی فقہ میں مہارت کی وجہ سے انہیں ابو حنیفہ الصغیر کہا جاتا تھا۔ محمد بن عقیل بلخی سے روایت کی۔ بخارا میں ۳۶۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب : ۳ : ۴۱)

(۶۹۵) قناعت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو۔ احیاء علوم الدین : ۳ : ۲۳۲-۲۳۷ ز حیاۃ القلوب : ۱۶۳ - ۱۶۵ - (۶۹۶) ابو عمرو محمد بن جعفر بن مطر : ابو عمرو محمد بن جعفر بن محمد بن مطر المعدل النیشاپوری الزاھد۔ انہوں نے ابو عمر احمد بن المبارک المستملی وغیرہ سے روایت کی۔ بہت پارسا اور قانع شخص تھے۔ سنت کی متابعت میں سخت کوشاں تھے۔ پچانوے سال کی عمر پا کر ۳۶۰ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذھب : ۳ : ۳۱ ز البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۷۱)

(۶۹۷) محمد بن موسیٰ الحلوانی : ابو جعفر محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ الحلوانی۔ انہوں نے نصر بن علی وغیرہ سے روایت کی۔ صدوق اور ثقہ ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۸۵) مگر ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۵ : ۱۳۸) عبداللہ بن ابراہیم سے روایت کرنے والوں کے جو نام دئے ہیں۔ ان میں محمد بن موسیٰ حلوانی کی بجائے محمد بن موسیٰ حرشی دیا ہے۔ ابو جعفر محمد بن موسیٰ بن نفیع الحرشی الملقب بہ شاباش حافظ حدیث ہیں۔ انہوں نے خلیفہ بن خیاط وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے محاملی اور صفار وغیرہ نے۔ ثقہ اور حافظ ہیں۔ (تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۸۲ ز تاریخ بغداد : ۳ : ۲۴۰ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۸۴)۔ (۶۹۸) عبد اللہ بن ابراہیم الغفاری ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم الغفاری المدنی۔ یہ ابوذر غفاری کی اولاد میں سے تھے انہوں نے منکدر بن محمد بن منکدر سے روایت کی۔ اور ان سے سلمہ بن شبیب وغیرہ نے۔

منکر الحدیث ہیں۔ ثقات سے احادیث کی اُلٹ پلٹ کر کے روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب: ۵: ۱۳۷ - ۱۳۸)

(۶۹۹) المنکدر بن محمدؒ المنکدر: المنکدر بن محمد بن المنکدر القرشی التیمی المدنی۔ اُنہوں نے اپنے باپ محمد بن المنکدر اور دیگر رواۃ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ وغیرہ نے۔ حافظ نہ تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں۔ کہ یہ صالح انسان تھے۔ مگر حدیث کو سمجھنے میں اکثر غلطی کر جاتے تھے۔ ۱۸۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۰ : ۳۱۷ - ۳۱۸ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۴۰۶)

(۷۰۰) باپ۔ یعنی محمد بن المنکدر۔ ابو عبداللہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ۔ مشہور علماء میں سے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ المنکدر اور ابو ہریرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے دونوں بیٹوں یوسف اور منکدر نے۔ ان کے پاس صالحین کا اجتماع ہوتا تھا۔ خود معدنِ صدق تھے ۱۳۱ھ میں چھہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹ : ۴۷۳ - ۴۷۵ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴۔ ق ۱: ۹۷)۔

(۷۰۱) عبداللہ بن ایوب القرنی: رسالہ اور شرح گیسو دراز میں القرنی (نون کے ساتھ) دیا ہے۔ شرح زکریا انصاری میں المقرئی دیا ہے۔ مگر درست القربی ہے۔ جیسا کہ تاریخ بغداد میں ہے۔ ابو محمد عبداللہ بن ایوب بن زاذان الضریر المعروف بالقربی البصری۔ یہ بغداد آئے۔ اور وہاں ابو الولید الطیالسی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو سہل بن زیاد وغیرہ نے دار قطنی کہتے ہیں۔ کہ یہ متروک ہیں۔ ۲۹۲ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۹: ۴۱۳)

(۷۰۲) ابو الربیع الزہرانی: ابو الربیع سلیمان داؤد الزہرانی العتکی البصری: اُنہوں نے مالک بن انس وغیرہ سے حدیث سُنی۔ اور ان سے احمد بن حنبل نے۔ انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ثقہ تھے۔ ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۶: ۳۸ - ۴۰)

(۷۰۳) اسمٰعیل بن زکریا: ابو زیاد اسمٰعیل بن زکریا الخلقانی الملقب بہ شقوصا۔ یہ دراصل کوفہ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد وغیرہ سے حدیث سُنی۔ اور ان سے ابو الربیع زہرانی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۷۳ھ پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۶: ۲۱۵-۲۱۸، تہذیب التہذیب: ۱: ۲۹۷-۲۹۸) کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۱۷۰)

(۷۰۴) ابو رجاء محرز بن عبد اللہ الجزری۔ ہشام بن عبد الملک کے آزاد کردہ غلام۔ انہوں نے برد بن سنان وغیرہ روایت کی۔ اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ ابن حبان نے اُنہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱: ۵۶-۵۷ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۳۴۵) (۷۰۵) برد بن سنان: ابو العلاء برد بن سنان الدمشقی۔ انہون نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ان کا شمار جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے۔ اور ان سے سفیان ثوری وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۳۵ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۱: ۴۲۸-۴۲۹ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۴۲۲ تاریخ الاسلام ۵: ۲۳۱)

(۷۰۶) مکحول: ابو عبد اللہ مکحول: ابو عبد اللہ مکحول بن ابی مسلم۔ یہ فقیہ شام اور اہل دمشق کے شیخ ہیں۔ انہوں نے واثلہ بن اسقع وغیرہ سے روایت کی۔ ۱۱۳ھ وفات پائی (تاریخ الاسلام ۵: ۳-۶) (۷۰۷) واثلہ بن الاسقع: واثلہ بن الاسقع اللیثیؓ یہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ کہ یہ ایمان لائے اور پھر اس جنگ میں شریک ہوئے۔ ہشام بن عمار معروف بہ خیاط سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے واثلہ کو دیکھا وہ لوگوں کو احادیث لکھا رہے تھے۔ اور لوگ ان کے سامنے لکھ رہے تھے۔ ۹۸ سال کی عمر میں ۸۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام ۳: ۳۱۰-۳۱۱ شذرات الذہب ۱: ۹۵ اسد الغابہ ۵: ۷۷) (۷۰۸) عبد اللہ بن محمد الشعرانی الرازی اصل میں رے کے رہنے والے تھے۔ مگر نیشاپور میں نشو و نما پایا۔ جنید بن محمد

کی صحبت میں رہے۔ ۳۵۳ھ میں وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۴۵۱) - ۴۵۳)

(۷۰۹) اسحٰق بن ابراہیم بن حسان الانماطی درست ابراہیم بن ابی حسان ہے۔ ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم بن ابی حسان الانماطی - بغدادی اور ثقہ ہیں۔ انہوں نے احمد بن ابی الحواری سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عمرو بن السماک وغیرہ نے ۳۰۲ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۶: ۳۸۴ - ۳۸۵) (۷۱۰) ابو حازم: سلمۃ بن دینار الاعرج، التمار المدنی القاص، اپنے زمانہ میں مدینہ کے عابدوں اور زاہدوں میں سے تھے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۳۵ھ یا ۱۴۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۴: ۱۴۳ - ۱۴۴) (۷۱۱) نصر بن محمد: ابو الفضل نصر بن ابی نصر محمد بن احمد بن یعقوب العطار الطوسی - انہیں ابن ابی نصر طوسی بھی کہا جاتا ہے۔ حافظ اور ثقہ مشہور ہیں۔ تقریباً ۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے محمد بن الحسین القطان وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے حاکم اور ابو عبدالرحمٰن سلمی نے شبلی کی صحبت میں رہے۔ ۳۸۳ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۰۷ - ۲۰۸ ز شذرات الذہب: ۳: ۱۰۶) (۷۱۲) ابراہیم المارستانی ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد المارستانی اصل میں بغداد کے تھے۔ اور صوفیاء کے شیوخ میں سے تھے۔ اور جنید کے ساتھ گہرا دوستانہ تھا۔ ان سے ابو محمد الجریری نے حکایت کی ہے (تاریخ بغداد: ۶: ۶ ز حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۳۲۱)۔

(۷۱۳) محمد بن فرخان: ابو الطیب محمد بن فرخان الدوری - بغداد کے نواح میں کئی ایک جگہوں کا نام دُور ہے۔ یہاں مراد دُور سامرا سے ہے۔ انہوں نے ابو خلیفہ وغیرہ سے منکر احادیث کی روایت کی۔ اور تصوّف میں جنید کے اقوال کی حکایت کی ہے۔ انہوں نے جنید - ابن عطاء اور جریری سے ملاقات کی۔ ۳۵۹ھ سے تھوڑا عرصہ بعد وفات پائی۔ معجم البلدان: ۲: ۴۸۱ ز تاریخ بغداد: ۳: ۱۶۷ - ۱۶۹)۔

(۷۱۴) سامرّہ یا سامرّاء - دریائے دجلہ پر بغداد سے تیس فرسنگ اوپر ایک شہر کا نام ہے۔

(۷۱۵) عبدالوہاب: عبدالوہاب بن المندلث الضبی الفقیہ - یہ عبادت گذار

میں سے تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ وفات تک ساری عمر قرآن پڑھتے رہے ان کی وفات عامر الشونیزی کی مسجد میں ہوئی۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۱۳۳)

(۱۶۷) توکل کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۴۶؛ شرح التعرف: ۳: ۱۴۰ - ۱۴۴؛ قوت القلوب: ۲: ۲ - ۲۷؛ حیاۃ القلوب: ۲: ۱۳۶ - ۱۶۰؛ احیاء علوم الدین: ۴: ۲۳۸ - ۲۸۶ -

(۱۷۰) عبداللہ بن جعفر بن احمد الاصبہانی: ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن فارس — محدث اصفہان۔ یہ "رجل صالح" مانے جاتے تھے۔ انہوں نے محمد بن عاصم ثقفی وغیرہ سے روایت کی۔ ۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بقول حمزہ اصفہانی ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔ ابن العماد نے ان کی وفات ۳۴۶ھ دی ہے۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۸۰؛ شذرات الذھب: ۲: ۳۷۲)

(۱۸۰) یونس بن حبیب بن عبدالقاہر: ابو بشر، یونس بن حبیب بن عبدالقاہر العجلی الاصبہانی یہ مسند طیالسی کے راوی ہیں۔ ثقہ صالح اور صاحب جلالت تھے ۲۶۷ھ میں وفات پائی۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۳۴۵ - ۳۴۶؛ شذرات الذھب: ۲: ۱۵۳)

(۱۹۰) ابو داؤد الطیالسی: امام ابو داؤد سلیمان بن داؤد البصری الحافظ۔ مسند کے مصنف ہیں۔ اپنے حافظہ کی وجہ سے مشہور تھے۔ انہوں نے ایمن بن نابل وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے بہتر سال کی عمر میں ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ ابن العماد نے ۲۰۴ھ تاریخ وفات دی ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے حافظہ کے لئے حب بلاذر (بھلانواں) کھالیا تھا۔ جس سے انہیں جذام ہو گیا تھا۔ (شذرات الذھب: ۲: ۱۲؛ تہذیب التہذیب: ۴: ۱۸۲ - ۱۸۶؛ تاریخ بغداد: ۹: ۲۴ - ۲۹؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۱۱۱ - ۱۱۳؛ اخبار اصفہان: ۱: ۳۳۲ - ۳۳۳)

(۲۰۰) حماد بن سلمہ: ابو سلمہ حماد بن سلمہ بن دینار۔ انہوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے۔ ابدال کی نشانی یہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ چنانچہ انہوں نے ستر عورتوں سے شادی کی پھر بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب: ۳: ۱۱ - ۱۶؛ شذرات الذھب:

۱: ۲۶۲ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۱۴۰ - ۱۴۲ زصفۃ الصفوۃ: ۳: ۲۷۴-۲۷۵)

(۷۲۱) عاصم بن بہدلہ: ابوبکر عاصم بن بہدلۃ الاسدی القاری۔ جلیل القدر علماء میں سے تھے ابوعبدالرحمٰن السلمی اور زر بن حبیش سے قرآن پڑھا۔ اور ان سے روایت بھی کی۔ ان سے شعبہ وغیرہ نے روایت کی۔ ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ الاسلام: ۵: ۸۸ - ۹۰ زشذرات الذھب: ۱: ۱۷۵)۔

(۷۲۲) زر بن حبیش: ابومریم زر بن حبیش الاسدی الکوفی۔ انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے۔ اور بڑی لمبی عمر پائی ہے انہوں نے ابن مسعود وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے عاصم وغیرہ نے۔ عربی زبان کے ماہر تھے چنانچہ ابن مسعود ان سے عربی پوچھا کرتے تھے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پاکر ۸۱ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام: ۳: ۳۴۹ - ۳۵۰ زشذرات الذھب: ۱: ۹۱ زتہذیب التہذیب ۳: ۳۲۱ - ۳۲۲)

(۷۲۳) اس حدیث کی روایت ابن منیع نے اسناد حسن سے کی ہے اور ابن عباس کی روایت سے شیخین کا اس پر اتفاق ہے (المغنی عن حمل الاسفار: ۴: ۲۳۹) (۷۲۴) عکاشہ بن محصن: ابو محصن عکاشہ بن محصن الاسدی۔ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ آئے جنگ بدر میں شریک ہوئے، اور داد مردانگی دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر چوالیس سال تھی۔ حضرت ابوبکر کی خلافت میں مرتدین کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے (اسد الغابہ: ۴: ۲ - ۳)۔ (۷۲۵) ابوبکر محمد بن احمد البلخی: خطیب نے اس نام اور کنیت سے دو شخصوں کا ذکر کیا ہے ایک ابوبکر محمد بن احمد بن ابراہیم بن عبداللہ بلخی ہیں انہوں نے محمد بن عمرو موسیٰ عقیلی سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے قاضی ابوالعلا محمد بن علی واسطی نے (تاریخ بغداد: ۱: ۲۷۲) اور دوسرے ابوبکر محمد بن احمد بن محمد بن بختویہ بلخی ہیں انہوں نے بغداد آکر احمد بن محمد بن سہل البلخی القاضی سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن المظفر نے (تاریخ بغداد: ۱: ۳۳۸) (۷۲۶) اسمٰعیل بن مسعود الجحدری: ابومسعود اسمٰعیل بن مسعود الجحدری یہ صلت بن مسعود کے بھائی ہوتے ہیں۔ انہوں نے معتمر سے روایت کی اور ان سے ابوحاتم رازی نے صدوق ہیں ۲۴۸ھ میں وفات پائی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۲۰۰ زتہذیب التہذیب: ۱: ۳۳۰)۔

(۷۲۷) خالد بن یحییٰ: خالد بن یحییٰ الکندی۔ انہوں نے حماد بن ابی سفیان سے روایت کی۔ اور ان سے حسن نے۔ صدوق ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۳۶۲) (۷۲۸) مغیرہ بن ابی قرۃ سدوسی البصری انہوں نے انس بن مالک سے روایت کی۔ اور ان سے یحییٰ بن سعید قطان نے۔ ثقہ ہیں۔ یہ یزید بن مہلب کے لشکری تھے۔ اور سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں جرجان کی فتح میں ان کے ساتھ تھے۔ تہذیب التہذیب: ۱۰: ۲۶۸ زکتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۲۲۸)۔

(۷۲۹) (ا) محمد بن علی بن الحسین۔ محمد بن علی بن الحسین البلخی ان سے سلمی روایت کرتے ہیں (طبقات الصوفیہ: ۸-۱۰) جرجانی نے دو آدمیوں کا ذکر کیا ہے دونوں کا نام محمد بن علی بن الحسین ہے اور دونوں کی کینت ابو عبداللہ (ص ۳۶ و ۴۲) (۷۳۰) محمد بن احمد الفارسی: ابوالحسین محمد بن احمد بن ابراہیم الفارسی ابوبکر محمد بن اسحق الکلاباذی مصنف کتاب التعرف کے استاد ہیں ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۷۹) (۷۳۱) عبداللہ بن محمد۔ عبداللہ بن محمد سے مراد ابو محمد عبداللہ بن محمد الرازی الصوفی الشعرانی سے ہے۔ ۳۵۳ھ میں وفات پائی۔ (۷۳۲) ابوبکر البردعی: مکی بن احمد بن سعدویہ ابوبکر البردعی۔ انھوں نے حدیث کی تلاش میں بہت سفر کئے۔ ابن منیع سے حدیث سنی۔ ۳۵۴ھ میں وفات پائی (المنتظم: ۷: ۳۲) (۷۳۳) واقعہ یوں ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بہت بڑی آگ جلائی جس کی حرارت کا اثر دور دور تک پہنچ رہا تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لئے رسیوں سے جکڑ کر منجنیق میں ڈالا گیا۔ تاکہ انھیں منجنیق کے ذریعہ سے آگ میں ڈالا جائے۔ اس وقت جبرئیل نے آکر عرض کی کہ اگر کوئی حاجت ہو تو فرمایئے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم سے کوئی حاجت نہیں۔ (۷۳۴) سعید ابن احمد بن محمد: ابوعلی سعید بن احمد بن محمد البلخی۔ ان کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ (۷۳۵) محمد بن احمد بن سہل: ابوالفضل محمد بن احمد بن سہل النیشاپوری الصیرفی۔ انھوں نے سعید بن عثمان بن عیاش الخیاط سوجہ ذوالنون مصری کے مرید تھے۔ روایت کی ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۱۱) (۷۳۶) سعید بن عثمان الخیاط: ابوعثمان سعید بن عثمان بن عیاش الخیاط۔ انھوں نے ذوالنون مصری سے روایت کی۔ ۲۹۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۹۹) (۷۳۷) ابوعبداللہ القرشی۔ ایک ابوعبداللہ محمد بن الولید بن عبدالحمید القرشی ہیں۔ بصری اور ثقہ ہیں (تاریخ بغداد: ۳: ۳۲۹-۳۳۰) دوسرے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن القرشی الدمشقی ہیں۔ ثقہ مامون اور سنی تھے۔ ۳۵۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۳: ۲۷) غالباً یہاں یہی مراد ہیں۔ تیسرے ابوعبداللہ محمد بن نصیر بن عبداللہ القرشی ۳۰۵ھ میں وفات پائی۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۱۴۱) اور چوتھے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن سالم القرشی المعروف بہ ابن شادال (اخبار اصفہان: ۲: ۲۹۲)

(۷۳۸) محمد بن محمد بن غالب : ابو بکر محمد بن محمد بن غالب۔ انھوں نے منصور حلاج سے حکایت
کی ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے اختتام پر وفات پائی (طبقات الصوفیہ : ۳۱۰) (۷۳۹) ابن
ابی شیخ ابو العباس احمد بن محمد بن احمد بن زکریا التغلبی المعروف بہ ابن ابی شیخ الخلنجی۔ انھوں نے
ابو القاسم بغوی سے روایت کی ہے اور ان سے ابراہیم بن عمر مکی نے (تاریخ بغداد : ۴ : ۳۶۷)
(۷۴۰) ابو جعفر حداد : جامی فرماتے ہیں کہ ابو جعفر حداد دو ہیں۔ ایک کبیر اور دوسرا صغیر۔ کبیر
بغدادی ہے اور جنید اور رُویم کا ہمعصر اور صغیر ابو جعفر بن کبیر مصری ہیں اور وہ ابو جعفر کبیر کے شاگرد ہیں
یہ ابن عطا کی صحبت میں بھی رہے اور ابو تراب نخشبی کی زیارت کی۔ (نفحات الانس : ۱۲۵۔
۱۲۶ و تاریخ بغداد : ۱۴ : ۱۲ ۴ - ۴۱۳) (۷۴۱) ابو یعقوب اقطع بصری : جامی فرماتے
ہیں کہ ابو یعقوب اقطع بصرہ کے مشائخ میں سے تھے۔ اور جنید کے ساتھ ان کی خط کتابت تھی۔
مکہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ ابو الحسن مزین ابھی چھوٹے تھے کہ مکہ میں اقطع کی وفات کے
وقت حاضر تھے۔ (نفحات الانس : ۱۳۲)

(۷۴۲) محمد بن الحسین المخزومی۔ رسالہ بشرح زکریا انصاری اور شرح گیسو دراز سب ہیں
محمد بن الحسین المخزومی ہی دیا ہے۔ مگر صحیح محمد بن الحسن المخزمی ہے۔ پورا نام ابو العباس محمد بن الحسن
بن سعید بن الخشاب المخزمی الصوفی ہے۔ ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۲ : ۲۰۹)
(۷۴۳) احمد بن محمد بن صالح : ابو یحیٰی احمد بن محمد بن صالح بن عبد اللہ السمرقندی۔ انھوں نے
یحییٰ بن معاذ رازی کے شاگرد محمد بن محمود وغیرہ سے روایت کی۔ ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔
(تاریخ بغداد : ۵ : ۳۸) (۷۴۴) محمد بن عبدون : ابو بکر محمد بن عبدون بن عیسیٰ القطان۔ ابو الحسن
دار قطنی نے ان سے روایت کی ہے (تاریخ بغداد : ۲ : ۳۹۴) (۷۴۵) حسن خیاط : رسالہ۔
شرح زکریا انصاری اور گیسو دراز تینوں میں حسن خیاط دیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ درست
حسین الخیاط ہے۔ مکمل نام ابو علی الحسین بن محمد بن عبد الرحمٰن الخیاط ہے۔ یہ بشر کے شاگرد
تھے۔ اور اپنے استاد کی پیروی میں ننگے پاؤں (حافی) چلا کرتے تھے۔ یہ بشر حافی کے اقوال کی
حکایت کرتے ہیں۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۸ : ۹۲)
(۷۴۶) حبیب عجمی : ابو محمد حبیب الفارسی۔ مجاب الدعوہ اور صاحب کرامات تھے۔

ابوسلیمان دارانی ان سے حکایت کرتے ہیں (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۲۶ - ۲۴۰) (۷۴۷)
نصر بن ابی نصر العطار: ابو الفضل نصر بن ابی نصر محمد بن احمد بن یعقوب الطوسی العطار۔
(۷۴۸) محمد بن الحسین المخزومی: محمد بن الحسن المخزومی پڑھیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ (۷۴۹) خطیب
بغدادی نے اس واقعہ کو ابو حمزہ بغدادی کی طرف منسوب کیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱: ۹۱)
مگر کلا بازی نے قشیری کی طرح اس واقعہ کو ابو حمزہ خراسانی کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔
(شرح التعرف: ۴: ۱۷۷) (۷۵۰) شکر: شکر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار
القدسیہ: ۳: ۴۴ - ۴۶۔ شرح التعرف: ۳: ۱۳۷ تا ۱۴۰؛ زجاجات القلوب: ۲: ۲۲۴
تا ۲۲۷؛ احیاء العلوم: ۴: ۸۷ تا ۱۱۶ (۷۵۱) مجاب ابو محمد مجاب بن الحارث الکوفی۔
شریک وغیرہ سے روایت کی۔ ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ ۲۳۱ھ میں وفات
پائی (شذرات الذہب: ۲: ۱۷؛ تہذیب التہذیب: ۱۰: ۲۹۷ - ۲۹۸) (۷۵۲) یحییٰ
بن یعلی: ابو زکریا یحییٰ بن یعلی الاسلمی الکوفی القطوانی انھوں نے یونس بن خباب وغیرہ سے
روایت کی۔ اور ان سے ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ نے۔ ضعیف اور مضطرب الحدیث ہیں۔
(تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۰۴؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۱۹۶) (۷۵۳)
ابو خباب: رسالہ اور شرح ذکریا الانصاری میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر درست ابن خباب ہے
یعنی یونس بن خباب جن سے یحییٰ بن یعلی نے روایت کی ہے۔ ابن معین اور ابن شاہین نے
انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ انھیں ثقہ اور صدوق قرار دیتے ہیں۔ مگر
چونکہ غالی شیعہ اور حضرت عثمان کو برا بھلا کہا کرتے تھے اس لئے ان سے روایت نہیں کرنی
چاہیئے (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۴۳۷ - ۴۳۹؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲:
۲۳۸) (۷۵۴) عطاء: دو عطاء ہیں۔ دونوں تابعی اور دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ ایک عطاء بن یسار متوفی ۱۰۳ھ اور دوسرا عطاء بن رباح
(م ۱۱۴ھ) یہاں غالباً مراد انہی سے ہے۔ ابو محمد عطاء بن ابی رباح بن اسلم۔ مکہ میں پرورش
پائی۔ اور وہیں قرآن پڑھا۔ یہ سیاہ رنگ چپٹی ناک۔ شل اور لنگڑے تھے۔ پھر بعد میں اندھے
ہو گئے۔ اٹھاسی سال عمر پائی۔ اپنے زمانہ میں افضل ترین انسان سمجھے جاتے تھے۔ اکثر

خاموش رہتے، مگر جب کلام کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ انھیں تائید ایزدی ہو رہی ہے،
(شذرات الذہب: ۱: ۱۴۷-۱۴۸، تاریخ الاسلام: ۴: ۲۲۸ ز ۲۷۸ تا ۲۸۰)

(۷۵۵) عبید بن عُمیر: ابو عاصم عبید بن عمیر بن قتادۃ اللیثی المکی۔ واعظ اور مفسر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری انھیں صحابہ میں شمار کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ مسلم انھیں کبار تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔ اور ان سے عطاء بن ابی رباح وغیرہ نے۔ حضرت ابن عمرؓ کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ عطاء اور یہ دونوں حضرت عائشہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ بعض ان کی وفات سنہ ۶۴ھ میں بتاتے ہیں (تاریخ الاسلام: ۳: ۱۹۰-۱۹۱ ز اسد الغابہ: ۳: ۳۵۳) (۷۵۶) یقین کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیۃ: ۳: ۷۳-۷۴: شرح التعرف: ۳: ۱۴۸ تا ۱۵۱ ز قوت القلوب: ۱: ۱۷۳ تا ۱۷۸ ز حیاۃ القلوب: ۲: ۲۵۱-۲۵۳ ز

(۷۵۷) ابوبکر احمد بن محمود بن خرزاد الاہوازی: یہ اہواز کے قاضی تھے۔ اور سینیزی کے نام سے مشہور تھے۔ سینیز ساحل بحر فارس پر سیراف سے آتے ہوئے بصرہ کے قریب ایک شہر کا نام تھا۔ انھوں نے ابو مسلم الکجی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو الحسن دار قطنی وغیرہ نے اہواز میں سنہ ۳۵۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۵: ۱۵۷-۱۵۸: معجم البلدان: ۳: ۳۰۰-۳۰۱ ز) (۷۵۸) احمد بن سہل بن ایوب: ابو حامد احمد بن سہل الاسفرائنی۔ انھوں نے خلف بن عبد العزیز سے روایت کی اور ان سے ابو حاتم الرازی نے صدوق ہیں (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱ ق ۱: ۵۴) (۷۵۹) خالد بن یزید: ابو الولید خالد بن یزید العمری المکی، انھوں نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے اور ان سے علی بن حرب موصلی نے ابو زرعہ نے ان سے روایت کرنے کے بعد ان سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔ ذاہب الحدیث ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۳۶۰)

(۷۶۰) شریک بن عبد اللہ: ابو عبد اللہ شریک بن عبد اللہ النخعی الکوفی۔ انھوں نے زیاد بن علاقہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے وکیع وغیرہ نے سنہ ۱۵۵ھ میں واسط کے قاضی بنے۔

پھر کوفہ کے اور ۱۸۷ھ یا ۱۸۸ھ میں وفات پائی۔ آخر عمر میں اُن کے حافظہ میں خلل پیدا ہو گیا
تھا۔ اس لئے اُن کی آخری عمر کی روایت قابلِ اعتماد نہیں (تہذیب التہذیب ۴: ۳۴۳ تا ۳۴۴)
(۷۶۱) سلیمان التیمی ابوالمعتمر سلیمان بن طرخان التیمی البصری۔ انھوں نے انس بن مالک وغیرہ سے
روایت کی۔ اور اُن سے شعبہ وغیرہ نے۔ تابعی اور ثقہ تھے۔ ستانوے سال کی عمر میں ۱۴۳ھ
میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۴: ۲۰۱ - ۲۰۲) (۷۶۲) خیثمہ۔ خیثمہ بن عبدالرحمن
بن ابی سبرۃ۔ ان کے والد اور دادا دونوں صحابی ہیں۔ ان کے دادا ابوسبرۃ جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے
سبرہ اور عزیز ساتھ تھے۔ یہ ایک صالح کبیر القدر، سخی اور کریم تھے۔ ۱۳۷ھ میں وفات
پائی۔ (تہذیب التہذیب ۳: ۱۷۸ - ۱۷۹ ز تاریخ الاسلام ۳: ۲۴۷)
(۷۶۳) عامر بن عبد قیس: ابوعمرو۔ یا۔ ابوعبداللہ عامر بن عبداللہ جنہیں بالعموم عامر
بن عبد قیس کہا جاتا ہے۔ تابعی اور زاہد تھے، یہ صدر اول کے لوگوں میں سے ہیں حضرت
سے روایت کرتے ہیں۔ مگر روایت حدیث کو چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔
حضرت معاویہ کے عہد میں وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ ۳: ۱۲۶ - ۱۳۵۔ تاریخ
الاسلام ۳: ۲۵ - ۲۸۔) (۷۶۴) ابوجعفر الاصبہانی: ابوجعفر احمد بن جعفر احمد الاصبہانی
السمسار۔ یہ ابونعیم کے شیخ ہیں۔ یہ ثقہ نہیں ہیں ۳۴۶ھ میں وفات پائی (شذرات
الذہب ۲: ۳۷۲) (۷۶۵) علی بن سہل: ابوالحسن علی بن سہل بن محمد بن الازہر الصوفی۔
اصفہان کے چوٹی کے صوفیاء میں سے تھے۔ اور ابونعیم اصفہانی کے دادا محمد بن یوسف
البناء کے اصحاب میں سے تھے۔ پھر یہاں تک ترقی کی کہ ان کی خط و کتابت جنید بن محمد
اور ان کے معاصرین سے ہونے لگی ۳۰۷ھ میں وفات پائی (اخبار اصفہان ۲: ۱۴ ز
الاولیاء: ۱۰: ۴۰۴ - ۴۰۵ ز صفۃ الصفوۃ: ۴: ۶۶ - ۶۷۔)
(۷۶۶) ابونصر الاصبہانی: ابونصر محمد بن الحسن بن محمد بن سلیمان، شافعی فقیہ تھے۔ اور ثقہ
تھے۔ (اخبار اصفہان ۲: ۳۰۱) (۷۶۷) محمد بن عیسیٰ: محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ الاصفہانی
انہوں نے بغداد میں محمد بن معاویہ نیشاپوری سے روایت کی۔ اور ان سے اسحٰق بن محمد کیسانی نے۔

(تاریخ بغداد : ۲ : ۳۹۹) (۷۶۸) صبر: صبر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح التعرف : ۳ : ۱۱۳-۱۱۸ ؛ احیاء علوم الدین : ۴ : ۵۹-۸۰ ؛ قوت القلوب : ۱ : ۱۹۳-۲۱۲ ؛ حیاۃ القلوب : ۲ : ۲۱۶-۲۲۴ ؛ نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۸۳ (۷۶۹) احمد بن علی الخزاز : ابو جعفر احمد بن علی بن الفضیل الخزاز المقریٔ ۔ انھوں نے اُسید بن زید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن صاعد وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے ۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی ۔ (تاریخ بغداد : ۴ : ۳۰۳) (۷۷۰) اُسید بن زید : ابو محمد اُسید بن زید بن نجیح الجمال الکوفی ۔ انھوں نے حسن بن صالح وغیرہ سے اور ان سے احمد بن علی خزاز وغیرہ نے ۔ ضعیف الحدیث ہیں ۲۲۰ھ سے پہلے وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۱ : ۳۴۴-۳۴۵ ۔ تاریخ بغداد : ۷ : ۴۷-۴۸ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱ : ۳۱۸) (۷۷۱) مسعود بن سعد : ابو سعد بعض ابو سعید کہتے ہیں ۔ مسعود بن سعد الجعفی الکوفی ۔ یہ ربیع بن سعد کے بھائی ہیں ۔ انھوں نے یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے ابو خالد الاحمر وغیرہ نے ۔ ابن معین انھیں "من خیار عباد اللہ" کہتے ہیں ۔ ثقہ ہیں ۔ (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۴ ق ۱ : ۲۸۳ ؛ تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۱۱۷) (۷۷۲) الزیات : حمزہ بن حبیب بن عمارۃ الزیّات القاریٔ ابو عمارۃ الکوفی التیمی ۔ انھوں نے ابو اسحٰق سبیعی وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے ابن المبارک وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے ۔ بڑے عبادت گزار اور پرہیزگار تھے ۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۳ : ۲۷-۲۸ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲ : ۲۰۹-۲۱۰) (۷۷۳) احمد بن عمر : ابو الحسن احمد بن عمر بن یوسف بن موسیٰ بن جوصا ۔ انھوں نے کثیر بن عبید وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے طبرانی وغیرہ نے ارکان حدیث کے ایک رکن تھے ۔ ۳۲۰ھ میں وفات پائی ۔ (شذرات الذہب : ۲ : ۲۸۵) (۷۷۴) محمد بن مرداس : ابو عبداللہ محمد بن مرداس الانصاری البصری ۔ انھوں نے غندر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبدان اہوازی وغیرہ نے ۔ ابن حبان نے انھیں ثقہ شمار کیا ہے ۔ ۲۴۹ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۳۴ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۹۷) (۷۷۵) یوسف بن عطیہ بن ثابت الصفار الانصاری ۔ انھوں نے

نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اسحٰق بن راہویہ وغیرہ نے۔ روایت
میں اکثر غلطی کھا جاتے تھے۔ سنہ ۱۸۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۴۱۸۔
۴۱۹، ز کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۲۲۷) (۷۷۶) عطاء بن ابی میمونہ:
ابو معاذ عطاء بن ابی میمونہ۔ ابو میمونہ کا نام منیع ہے یہ بصری ہیں۔ انھوں نے حضرت
انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حماد بن سلمہ وغیرہ نے سنہ ۱۳۱ھ میں
وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۷: ۲۱۵-۲۱۶ کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق
۱: ۳۳۷) (۷۷۷) ابن شبرمہ: ابو شبرمہ عبد اللہ بن شبرمہ الضبی الکوفی۔ یہ قاضی
اور فقیہ تھے۔ شاعر ناسک اچھے خلق والے اور سخی تھے۔ انھیں ثقہ مانا جاتا ہے سنہ ۷۲ھ میں
پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۴۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۵: ۲۵۰-۲۵۱ ز۔
شذرات الذہب: ۱: ۲۱۵-۲۱۶) . . . .
. . . . (۷۷۸) محمد
بن اسمٰعیل البخاری: ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری۔ صحیح بخاری کے مؤلف ہیں۔ سنہ ۱۹۴ھ
میں پیدا ہوئے احمد بن حنبل وغیرہ سے روایت کی۔ اور حدیث کے علم میں شہرت پائی
جلیل القدر ائمہ حدیث میں سے ہیں سنہ ۲۵۳ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۲:
۱۳۴-۱۳۶۔ تاریخ بغداد: ۲: ۴) (۷۷۹) موسیٰ بن اسمٰعیل: ابو سلمہ موسیٰ بن اسمٰعیل
المنقری التبوذکی البصری۔ انھوں نے جریر بن حازم وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے
امام بخاری وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق تھے۔ سنہ ۲۱۳ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب:
۱۰: ۳۳۳ و شذرات الذہب: ۲: ۵۲) (۷۸۰) سوید بن حاتم: رسالہ اور شرح
زکریا انصاری میں اسی طرح دیا ہے مگر صحیح سوید بن ابراہیم الجحدری ابو حاتم الحناط البصری
انھوں نے حسن بصری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے موسیٰ بن اسمٰعیل وغیرہ نے۔ یہ
قوی نہیں ہیں سنہ ۱۶۷ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۲۳۷ ز تہذیب
التہذیب ۴: ۲۷۰) (۷۸۱) عبد اللہ بن عبید عن عمیر: رسالہ میں اسی طرح عن عمیر دیا
ہے۔ مگر درست عبد اللہ بن عبید بن عمیر ہے۔ جیسا کہ شرح زکریا انصاری میں ہے مکمل نام

ابو ہاشم عبداللہ بن عبید بن عُمیر بن قتادہ اللیثی المکی انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور ان سے جریر بن حازم وغیرہ نے۔ ثقہ اور صالح تھے سنہ ۱۱۳ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل، ج ۲ ق ۲: ۱۰۱ ؛ تہذیب التہذیب: ۵ : ۳۰۸) (۷۸۲) اپنے باپ سے یعنی عبید بن عمیر: ابو عاصم عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی المکی انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی اور وہ صحابی تھے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ وغیرہ نے، ثقہ تھے، سنہ ۶۸ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۷ : ۷۱) (۷۸۳) اپنے دادا سے یعنی عمیر بن قتادہ سے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور ان سے صرف اُن کے بیٹے عبید نے۔ یہ صحابی ہیں فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں شریک تھے (تہذیب التہذیب: ۸ : ۱۴۸-۱۴۹ ؛ اسد الغابہ: ۴ : ۱۴۶) (۷۸۴) مراقبہ مراقبہ کے اصلی معنی اپنے مقصود کو نگاہ میں رکھنے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں دل کی نگاہوں کو ہمیشہ اللہ کی طرف لگائے رکھنے اور اللہ تعالیٰ کے افعال و احکام کو نگاہ میں رکھنے کے۔ مراقبہ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳ : ۹۲ ؛ احیاء علوم الدین : ۴ : ۳۸۴-۳۹۱ ؛ حیاۃ القلوب: ۲ : ۲۰۵-۲۰۷ ؛ (۷۸۵) ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق: ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم الاسفرائنی الحافظ صحیح مسند کے مؤلف ہیں۔ انھوں نے یونس بن عبدالاعلیٰ سے روایت کی اور ان سے ابوعلی نیشاپوری وغیرہ نے۔ ثقہ اور جلیل القدر تھے، حافظ حدیث ہونے کے علاوہ شافعی فقیہ اور امام تھے۔ سنہ ۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲ : ۲۷۴) (۷۸۶) یوسف بن سعید بن مسلم: ابو یعقوب یوسف بن سعید بن مسلم الحافظ۔ یہ مصیصہ کے محدث تھے۔ انھوں نے حجاج اعور وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ، صدوق اور حافظ تھے۔ سنہ ۲۷۱ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲ : ۱۶۲ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۲۲۴) (۷۸۷) خالد بن یزید: یہاں مراد خالد بن عبداللہ بن یزید القسری سے ہے۔ انھوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ہشام بن خالد نے۔ ابو حاتم انھیں قوی شمار نہیں کرتے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ یہ سنہ ۱۰۶ھ میں عراق کے

گورنر بنے۔ ہشام بن عبدالملک نے ۱۲۵ھ میں معزول کردیا۔ اور ۱۲۶ھ میں قتل کردیا گیا۔ (تہذیب التہذیب : ۳ : ۱۰۱ - ۱۰۲) (۷۸۸) اسمٰعیل بن ابی خالد : اسمٰعیل بن ابی خالد الاحمسی انھوں نے اپنے والد اور دیگر صحابہ و تابعین سے روایت کی۔ اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔ حفاظ حدیث میں سے تھے۔ کوفی تابعی اور ثقہ ہیں۔ ۱۴۶ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۱ : ۲۹۱ - ۲۹۲ : شذرات الذہب : ۱ : ۲۱۶) (۷۸۹) قیس بن ابی حازم : ابو عبداللہ قیس بن ابی حازم۔ ان کے والد ابو حازم صحابی ہیں۔ انھوں نے اپنے باپ اور دیگر صحابہ و تابعین سے روایت کی اور ان سے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ نے۔ انھوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے آئے۔ مگر ابھی راستہ میں ہی تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔ اُن کا شمار قدمائے تابعین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک سو سال سے زائد عمر پائی۔ اُن کے سال وفات میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض ۸۴ھ بعض ۸۶ھ اور بعض ۹۷ھ بتاتے ہیں (تہذیب التہذیب : ۸ : ۳۸۶ - ۳۸۹۔ شذرات الذہب : ۱ : ۱۱۲) (۷۹۰) جریر بن عبداللہ البجلی : ابو عمرو جریر بن عبداللہ البجلی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف ۴۰ دن پہلے ایمان لائے۔ یہ بہت خوبصورت تھے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں "اُمتِ محمدیہ کا یوسف" کہا ہے۔ جنگ قادسیہ میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ۵۱ھ اور ایک قول کے مطابق ۵۴ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ : ۱ : ۲۷۹ - ۲۸۰)

(۷۹۱) ابو الحسین بن ہند : ابو الحسین علی بن ہند الفارسی القرشی۔ ایران کے کبار مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ جعفر حذاء اور جنید کی صحبت میں رہے (طبقات الصوفیہ : ۳۹۹ - ۴۰۱)

(۷۹۲) ابو القاسم البغدادی : ابو القاسم بکر بن شاذان البغدادی الواعظ الزاہد۔ یہ نیک و صالح تھے ۴۰۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۳ : ۱۷۴) کچھ اور لوگ بھی ہیں جو ابو القاسم بغدادی کہلاتے ہیں عبداللہ بن احمد بن علی ابو القاسم البغدادی متوفی ۳۹۰ھ (تاریخ بغداد : ۹ : ۳۹۵) یوسف بن محمد بن احمد (تاریخ بغداد : ۱۴ : ۳۲۷)

اور یوسف بن احمد بن محمد متوفی ۳۸۶ھ (تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۲۷)

(۷۹۳) رضا کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیۃ: ۳: ۹۸، احیاء علوم الدین: ۴: ۳۳۴ - ۳۴۵؛ حیاۃ القلوب: ۲: ۲۳۱ - ۲۳۶؛ شرح تعرّف: ۳: ۱۴۴ - ۱۴۸۔ (۷۹۴) الکریمی: رسالہ اور شرح زکریا انصاری دونوں میں کریمی (راء کے ساتھ) دیا ہے۔ مگر درست کُدَیمی (دال کے ساتھ) ہے۔ ابوالعباس محمد بن یونس البصری القرشی، یہ کُدیمی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ روح بن عبادہ کی بیوی کے پہلے خاوند سے بیٹے ہیں۔ انھوں نے ابو داؤد طیالسی وغیرہ سے روایت کی۔ علم کی تلاش میں بہت سفر کئے اور چالیس حج کئے حافظ حدیث اور کثیر الحدیث ہیں جنھوں نے انھیں کذاب اور واضع الحدیث کہا ہے مگر ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ کذاب نہیں ہیں اسیطرح خطیب بغدادی نے ان پر مفصل بحث کی اور انھیں قابل اعتماد قرار دیا ہے ۲۸۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۳: ۴۳۵ - ۴۴۵؛ البدایہ والنہایہ ۱۱: ۸۲؛ تہذیب التہذیب: ۹: ۵۳۹ - ۵۴۴؛ المنتظم: ۶: ۲۲ - ۲۳؛ تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۷۵؛ شذرات الذہب: ۲: ۱۹۴۔ کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق ۱: ۱۲۲) (۷۹۵) ابو عاصم العبادانی: ابو عاصم عبداللہ بن عبیداللہ العبادانی البصری انہوں نے فضل بن عیسیٰ الرقاشی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے علی بن المدینی وغیرہ نے۔ صدوق ثقہ اور صالح الحدیث ہیں (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۱۴۲ - ۱۴۳؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۱۰۰ - ۱۰۱) (۷۹۶) الفضل بن عیسیٰ الرقاشی: ابو عیسیٰ الفضل بن عیسیٰ بن ابان الرقاشی البصری الواعظ انھوں نے محمد بن المنکدر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عاصم العبادانی وغیرہ نے۔ ثقہ نہیں ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۸: ۲۸۳ - ۲۸۴ و کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۶۴ - ۶۵)

(۷۹۷) اسمٰعیل بن محمد الصفار: ابو علی اسمٰعیل بن محمد الصفار النحوی مبرد کے شاگرد ہیں ۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ حسن بن عرفۃ العبدی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے دارقطنی وغیرہ نے ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ انھوں نے چوراسی رمضان کے روزے رکھے یعنی دس سال کی عمر میں روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے (تاریخ البغداد: ۶:

۳۰۲ - ۳۰۴ ؛ البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۲۶) (۷۹۸) محمد بن یزید المبرد : ابو العباس محمد بن یزید المبرد بصری ۔ اپنے زمانہ میں اہل نحو کے امام تھے انہوں نے بہت سی تصانیف کی ہیں ابو عثمان مازنی اور ابو حاتم سجستانی کے شاگرد ہیں ۔ فصیح اور ثقہ تھے ۲۸۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۲ : ۱۹۰ - ۱۹۱) (۷۹۹) احمد بن علی : احمد بن علی سے مراد احمد بن علی بن جعفر ہیں جنکا پہلے ذکر ہو چکا ۔ (۸۰۰) الحسن بن علویہ : ابو محمد الحسن بن علی القطان المعروف بہ ابن علویہ انھوں نے عاصم بن علی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو عمرو بن السماک وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے ۔ پیدائش ۲۰۵ھ اور وفات ۲۹۶ھ (تاریخ بغداد : ۷ : ۳۷۵) حمزہ بن یوسف جرجانی نے ایک اور ابن علویہ کا ذکر کیا ہے انکا نام حسن بن علویہ اصفہانی ہے ۳۳۱ھ میں وفات پائی (تاریخ جرجان : ۱۴۸) (۸۰۱) عبد اللہ بن شترویہ : رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں شترویہ دیا ہے ۔ درست "شیرویہ" ہے مکمل نام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمن بن شیرویہ القرشی المطلبی ہے یہ حافظ حدیث تھے اسحق بن راہویہ وغیرہ سے حدیث سنی ۔ صاحب تصانیف اور ثقہ ہیں ۳۰۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۲ : ۲۴۶ ؛ تذکرۃ الحفاظ : ۲ : ۷۴۷ - ۷۴۸) (۸۰۲) بشر بن الحکم : بشر الحکم النیساپوری الفقیہ عبد الرحمن کے والد ہیں ۔ اسحق بن راہویہ سے ایک ماہ پہلے وفات پائی ۔ ثقہ ہیں ۔ انکا حافظہ بہت تیز تھا ۔ ۲۳۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۲ : ۸۹ ؛ کتاب الجرح والتعدیل : ج ۱ ق ۱ : ۳۵۵ ؛ تہذیب التہذیب : ۱ : ۴۴۷ - ۴۴۸) (۸۰۳) عبد العزیز بن محمد : ابو محمد عبد العزیز بن محمد الدراوردی المدنی ۔ انھوں نے یزید بن الہاد وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے شعبہ وغیرہ نے ۔ ثقہ اور حجت تھے ۱۸۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۶ : ۳۵۳ ۔ ۳۵۵ ؛ شذرات الذہب : ۱ : ۳۱۶ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲ : ۳۹۵ - ۳۹۶) (۸۰۴) یزید بن الہادی : ابو عبد اللہ یزید بن عبد اللہ اسامۃ بن الہاد اللیثی المدنی ۔ انھوں نے محمد بن ابراہیم تیمی وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے عبد العزیز دراوردی وغیرہ نے ۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے ۔ مدینہ میں ۱۳۹ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۳۳۹ - ۳۴۰ ؛ کتاب الجرح والتعدیل : ج ۴ ق ۲ : ۲۷۵ ؛ تاریخ الاسلام : ۵ : ۳۱۴ - ۳۱۵)

(۸۰۵) محمد بن ابراہیم : ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی ۔ ان کے دادا حارث مہاجرین اولین میں سے تھے ۔ انھوں نے ابو سعید خدری وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے

یزید بن الہادی وغیرہ نے ۔ ثقہ ہیں ۱۲۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۹ :
۵ - ۷ ; کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ ق ۲ : ۱۸۴ ; تاریخ الاسلام : ۴ : ۲۹۸ -
۲۹۹ ; شذرات الذہب : ۱ : ۱۵۷) (۸۰۶) عامر بن سعد : عامر بن سعد بن ابی
وقاص الزہری المدنی ۔ انھوں نے اپنے باپ سعد اور عباس بن عبد المطلب اور دیگر
صحابہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن ابراہیم التیمی وغیرہ نے ۔ ثقہ اور کثیر الحدیث
ہیں ۱۰۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۵ : ۶۳ - ۶۴ ; تاریخ الاسلام
: ۴ : ۱۳۰ ; کتاب الجرح والتعدیل : ج ۳ ق ۱ : ۳۲۱ : شذرات الذہب : ۱ :
۱۲۶) (۸۰۷) العباس بن عبد المطلب : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ۔ جنگ
حنین میں شرکت کی ۔ بہت بلند آواز تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سلع سے بچوں کو آواز دیا
کرتے جبکہ بچے غابہ میں ہوتے اور ان دونوں مقاموں کا درمیانی فاصلہ آٹھ میل کا ہے ۔
اور بچے آواز سن لیا کرتے تھے ۔ چھیاسی سال کی عمر میں ۳۲ھ میں وفات پائی ۔ یہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو سال بڑے تھے ۔ اور یہی عبد المطلب کے سب سے چھوٹے
بیٹے تھے ۔ لوگوں میں یہ غلط مشہور ہے کہ حضرت عبد اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے والد سب سے چھوٹے تھے (شذرات الذہب : ۱ : ۳۸ : تاریخ الاسلام : ۲ :
۹۸ - ۱۰۰ ; اسد الغابہ : ۳ : ۱۰۹ - ۱۱۲) (۸۰۸) ابو موسیٰ الاشعری : ابو موسیٰ
عبد اللہ بن قیس الاشعری ۔ صحابی ہیں ۔ یہ پہلے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے ۔ پھر فتح خیبر
کے وقت مدینہ آگئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں زبید کا حاکم مقرر کیا تھا ۔
پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی حاکم رہے ۔ ۴۹ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ : ۳ :
۲۴۵ - ۲۴۶ ; ۵ : ۳۰۸ - ۳۰۹) (۸۰۹) عتبۃ الغلام : عتبہ بن ابان بن صمعہ
انھیں عتبۃ الغلام ان کی چستی اور کوشش کی وجہ سے کہا جاتا ہے ۔ نہ کہ کم عمری کی وجہ
سے ۔ یہ فتیے تیار کیا کرتے تھے ۔ عبد الواحد بن زید کی مجلس میں رہتے تھے ۔ کسی جنگ میں
شہید ہوئے (صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۸۱ - ۲۸۵)
(۸۱۰) عبودیت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو : نتائج الافکار القدسیۃ : ۳ : ۱۰۷ ;

(۸۱۱) عبید بن شریک: عبید بن عبدالواحد بن شریک ابو محمد البزار۔ انھوں نے آدم بن ابی ایاس العسقلانی سے روایت کی۔ اور ان سے قاضی المحاملی وغیرہ نے۔ صدوق ہیں ۲۸۵ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۱: ۹۹-۱۰۰) (۸۱۲) یحییٰ: مراد یحییٰ بن معین سے ہے۔ جرح و تعدیل کے امام ہیں ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ یہ امام ربانی عالم حافظ اور ثبت تھے (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۸۰-۲۸۸) (۸۱۳) مالک سے مراد مالک بن انس ہیں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا (شذرات الذہب: ۱: ۲۸۹-۲۹۲) (۸۱۴) حبیب بن عبدالرحمن۔ رسالہ قشیریہ اور شرح ذکریا انصاری دونوں میں حبیب (بالحاء المہملہ) دیا ہے حالانکہ درست خبیب (بالخاء المعجمہ) ہے ابوحارث خبیب بن عبدالرحمن الانصاری الخزرجی۔ انھوں نے حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب سے روایت کی۔ اور ان سے امام مالک وغیرہ نے ثقہ اور صالح الحدیث ہیں ۱۳۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۳: ۱۳۶: تاریخ اسلام: ۵: ۶۶) (۸۱۵) حفص بن عاصم: حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب۔ انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی اور ان سے عمرو وغیرہ نے۔ بنی عدی کے سرداروں میں سے تھے۔ ان کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب التہذیب: ۲: ۴۰۲: تاریخ الاسلام: ۳: ۳۵۹-۳۶۰)

(۸۱۶) ابوزید: ابوزید محمد بن احمد بن عبداللہ بن محمد الفقیہ المروزی۔ یہ ائمہ میں سے تھے۔ مذہب شافعی کے حافظ تھے۔ اور زہد و ورع میں مشہور تھے ۳۷۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱: ۳۱۴ ز شذرات الذہب: ۳: ۷۶) (۸۱۷) محمد بن الحسین۔ رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے۔ محمد بن الحسن پڑھیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا (۸۱۸) مزنی: مزنی سے یہاں مراد ابو عبداللہ بکر بن عبداللہ المزنی سے ہے یہ بصرہ کے رہنے والے اور فقیہ تھے۔ زاہد و عابد تھے ۱۰۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۱: ۱۳۵ ز صفۃ الصفوۃ: ۳: ۱۷۱-۱۷۳) یاد رہے کہ ایک مزنی اور ہیں اور وہ ان سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کا نام ابو ابراہیم اسمٰعیل

بن یحییٰ مصری ہے۔ یہ امام شافعی کے شاگرد تھے۔ اور زاہد و عابد تھے۔ یہ نوّے سال کی عمر میں سنہ ۲۶۴ھ میں انتقال کر گئے (شذرات الذہب: ۲: ۱۴۸)

(۸۱۹) ابو علی جوزجانی: ابو علی الحسن بن علی جوزجانی۔ خراسان کے کبار مشائخ میں سے تھے اور صاحبِ تصانیف ہیں۔ علومِ ریاضت و مجاہدہ میں ان کا کلام مشہور ہے۔ محمد بن علی ترمذی اور محمد بن الفضل کی صحبت میں رہے۔ ان کے ہمعصر تھے (طبقات الصوفیہ: ۲۴۶-۲۴۸) (۸۲۰) ارادت کی بحث کیلئے ملاحظہ ہو۔ قوت القلوب: ۱: ۹۴-۱۰۰

(۸۲۱) الحکم بن اسلم: ابو معاذ الحکم بن اسلم التجیبی القرشی۔ انھوں نے شعبہ اور عبدالعزیز بن مسلم سے روایت کی اور ان سے ابو حاتم رازی نے۔ بصری قدری اور صدوق تھے۔ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۱۱۴) (۸۲۲) اسمٰعیل بن جعفر: ابوابراہیم اسمٰعیل بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری۔ یہ اہل مدینہ کے قاری تھے۔ انھوں نے حُمَید الطویل وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عمر الدوری وغیرہ نے۔ ثقہ صدوق اور قلیل الخطأ تھے سنہ ۱۸۰ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۱۶۲-۱۶۳؛ تاریخ بغداد: ۶: ۲۱۸-۲۲۱) (۸۲۳) حمید سے مراد حمید الطویل ہیں۔ ابو عبیدہ حمید الطویل بصری ہیں۔ ثقہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے حضرت انس بن مالک سے حدیث سنی، حماد بن سلمہ کے ماموں ہوتے ہیں۔ امام حافظ متقن اور عمدہ تھے۔ ستانوے سال عمر پائی اور سنہ ۱۴۳ھ میں دنیا سے کوچ کیا (شذرات الذہب: ۱: ۲۱۱-۲۱۲)

(۸۲۴) ابو بکر السباک: رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے مگر صحیح ابو بکر بن السباک ہے۔ پورا نام ابو بکر محمد بن ابراہیم بن احمد المعروف بہ ابن السباک المستملی الجرجانی انھوں نے ابو یعقوب بحری وغیرہ سے روایت کی۔ ابو نعیم محمد بن الحسن بن اسد الفامی م سنہ ۴۰۸ھ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انھوں نے ۳۹۹ھ میں وفات پائی (تاریخ جرجان: ۹: ۴)

(۸۲۵) یہاں ذوالنون کی حالت "فرید" کی حالت ہے اور بایزید کی "مراد" کی (۸۲۶) استقامت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۱۲۳-۱۲۵؛ حیات القلوب: ۲: ۲۱۶) (۸۲۷) ابو بشر یونس بن حبیب: ابو بشر یونس بن حبیب العجلی الاصبہانی بمسند

طیالسی کے راوی ہیں۔ ثقہ صالح اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ۲۶۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۵۴ از اخبار اصفہان: ۲: ۳۴۵ - ۳۴۶) (۸۲۸) ابوداؤد طیالسی: ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی۔ چوٹی کے حفاظ حدیث میں سے تھے۔ انھوں نے شعبہ وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے عباس دوری وغیرہ نے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ اپنے حافظہ پر اعتماد کرکے حدیث کی روایت کرتے تھے۔ اسی لئے کئی ایک احادیث کی روایت میں غلطی کھائی ہے۔ تقریباً اسی سال عمر پاکر ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۳۲۰ - ۳۲۱؛ شذرات الذہب: ۲: ۱۲)

(۸۲۹) سالم بن ابی جعد: سالم بن ابی الجعد الاشجعی الکوفی الفقیہ۔ ان کے دو اور بھائیوں کے نام یہ ہیں: عبداللہ۔ عبید۔ زیاد۔ عمران۔ مسلم۔ مگر سالم سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ انھوں نے ابن عباس اور ثوبان وغیرہ سے روایت کی۔ ان کے والد ابوالجعد کا نام رافع ہے۔ ان سے قتادہ اور اعمش وغیرہ نے روایت کی۔ ثقہ تھے۔ ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۳: ۳۶۹) (۸۳۰) ثوبان: ابوعبداللہ ثوبان بن بجدد۔ نواحی حجاز میں یہ قید کرکے لائے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خرید لیا۔ چنانچہ سفر و حضر میں یہ آپ کی خدمت کیا کرتے۔ آنحضرت نے انھیں آزاد کردیا تھا۔ اور فرمایا تھا۔ چاہو تو اپنے گھر چلے جاؤ اور چاہو تو میرے پاس رہو۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے پاس رہنا پسند کیا۔ حمص میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۱: ۲۴۹ - ۲۵۰؛ تاریخ الاسلام: ۲: ۲۷۳) (۸۳۱) اس عورت کا نام ریطہ بنت سعد بن تیم ہے۔ یہ بہت بے وقوف عورت تھی۔ اس نے ایک ہاتھ بھر چرخہ بنایا۔ اس کا تکلہ ایک انگشت کے برابر تھا۔ اور اتنا ہی بڑا اس کا حلقہ تھا۔ یہ اپنی لونڈیوں کو سوت کاتنے کا حکم دیتی جب شام ہوتی تو تمام سوت توڑ ڈالتی (نتائج الافکار القدسیہ: ۲: ۱۲۷)

(۸۳۲) ابوعلی شبوتی: ابوعلی محمد بن محمد بن عمر بن شبویہ المروزی۔ انھیں اپنے علاقہ کا لسان الوقت خیال کیا جاتا تھا۔ ابوالعباس سیاری کے مرید تھے۔ ابوعلی دقاق اور ابوسعید ابوالخیر ان کی صحبت میں رہا کرتے تھے (نفحات الانس: ۲۷۲ - ۲۷۳) (۸۳۳) ابوبکر

محمد بن حسین بن فورک ، ابو بکر محمد بن الحسن بن فورک پڑھیں (۸۳۴) مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ
باب استفعال میں سے ہے اور باب استفعال میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں۔

(۸۳۵) ابو العباس الفرغانی: ابو العباس حاجب بن مالک بن اُرکین الفرغانی بغداد آئے۔
اور وہاں ابو عمر حفص بن عمر الدوری وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے القاسم بن
علی بن جعفر الدوری وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۳۰۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۸:
۲۷۱ - ۲۷۲: اخبار اصبہان ۱: ۳۰۲ - ۳۰۳) (۸۳۶) اخلاص کی بحث کے لئے
ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ ۳: ۱۳۱: شرح تعرف ۳: ۱۳۴ - ۱۳۶ از حیاۃ
القلوب ۲: ۲۱۲ - ۲۱۵: احیاء علوم الدین ۴: ۳۶۴ - ۳۷۴ (۸۳۷) جعفر
بن محمد الفریابی: ابو بکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الترکی الفریابی۔ یہ دینور کے قاضی
تھے۔ امام، حافظ اور نقاد تھے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے ۲۱۴ھ
میں حدیث سنی۔ چورانوے سال عمر پا کر ۳۰۱ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب
۲: ۲۳۵ - تذکرۃ الحفاظ ۲: ۲۳۶ - ۲۳۷ - تاریخ بغداد ۷: ۱۹۹ - ۲۰۲)

(۸۳۸) ہانی بن عبد الرحمن بن ابی عبلہ۔ یہ ابراہیم بن ابی عبلہ کے بھتیجے ہیں (۸۳۹) ابراہیم
بن ابی عبلہ۔ ابو اسمٰعیل ابراہیم بن ابی عبلہ انھوں نے انس بن مالک اور عقبہ بن وساج سے
روایت کی اور ان سے مالک اور ان کے بھتیجے ہانی بن عبد الرحمن بن ابی عبلہ نے۔ ثقہ اور
صدوق ہیں خطیب کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور اہل شام کے تابعین میں سے ہیں۔ فاضل ادیب
اور شاعر تھے۔ ۱۵۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۱: ۱۴۲ - ۱۴۳: کتاب الجرح
والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۱۰۵) (۸۴۰) عطیہ بن وشاح: صحیح نام عقبہ بن وشاح ہے۔
عقبہ بن وشاح بن حصن الازدی الیُرسانی البصری نے شام میں رہائش اختیار کر لی تھی انھوں
نے حضرت انس سے روایت کی اور ان سے ابراہیم بن ابی عبلہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۸۲ھ
میں زاویہ کی جنگ میں شہید ہوئے (تہذیب التہذیب ۷: ۲۵۱ - ۲۵۲ و کتاب الجرح
والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۳۱۵ - تاریخ الاسلام ۴: ۳۷)

(۸۴۱) علی بن سعید: علی بن سعید الثغری سلمی کے استاد ہیں (۸۴۲) احمد بن محمد بن زکریا

: ابوالعباس احمد بن محمد بن زکریا النسوی - بغداد آئے اور وہاں حدیث کی روایت کی۔ ثقہ ہیں۔
۳۹۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۵: ۱۵۹) (۸۴۳) علی بن ابراہیم الشقیقی صحیح علی بن ابراہیم
الشقفی ہے (طبقات الصوفیہ ۱۹۶) (۸۴۴) ابو یعقوب شریطی۔ صوفی بصری ہیں۔ انھیں بہت
سے علوم میں مہارت حاصل تھی۔ حدیث میں بصیرت حاصل تھی۔ داؤد بن علی الاصبہانی کے عہد
میں بغداد آئے۔ ابو تراب نخشبی کی صحبت میں رہے۔ اور لوگوں میں انکی بڑی قدر و منزلت تھی۔
(تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۰۸ - ۴۰۹) (۸۴۵) علی بن عبد الحمید ابوالحسن علی بن عبد الحمید الغضائری
انھوں نے حلب سے چالیس پیدل حج کئے۔ یہ سری سقطی کی اقوال کی حکایت کرتے ہیں ۳۱۳ھ
میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۱۲: ۲۹ ز شذرات الذہب ۲: ۲۶۶ - صفۃ الصفوۃ:
۴: ۲۱۵ : البدایہ والنہایہ ۱۱: ۱۵۳) (۸۴۶) علی بن بندار الصوفی الصیرفی۔ ابوالحسن۔ یہ
کثیر التعداد صوفیاء کی صحبت میں رہے۔ اور کئی ایک کی زیارت کی۔ مثلاً ابو عثمان، محفوظ وغیرہ۔
انھوں نے بہت سی احادیث لکھیں۔ اور ان کی روایت بھی کی۔ ثقہ تھے۔ ۳۵۹ھ میں وفات
پائی (طبقات الصوفیہ ۱: ۵۰۱ - ۵۰۴ ز لواقح الانوار شعرانی ۲: ۱۴۶ - البدایہ و النہایہ:
۱۱: ۲۹۸ ز المنتظم: ۷: ۵۲) (۸۴۷) صدق کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار
القدسیہ ۳: ۱۳۷ ز حیات القلوب: ۲: ۲۰۷ - ۲۱۲ - احیاء العلوم الدین: ۴: ۳۷۴
- ۳۸۰) (۸۴۸) منصور: منصور سے مراد ابو عتاب منصور بن المعتمر السلمی ہیں۔ انھوں نے ابو وائل سے روایت کی
اور ان سے شعبہ وغیرہ نے ۱۳۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۳۱۳ - ۳۱۵ ز تاریخ الاسلام ۵: ۳۰۵
- ۳۰۶) (۸۴۹) ابو وائل شقیق بن سلمۃ الاسدی الکوفی۔ انھوں نے آنحضرتؐ کا زمانہ پایا ہے۔ مگر دیدار سے محروم رہے انھوں
نے ابن مسعود اور دیگر صحابہ سے روایت ہے اور ان سے منصور وغیرہ نے۔ انھوں نے الحجاج کے واقعہ کے بعد ۸۲ھ میں
وفات پائی (تہذیب التہذیب ۴: ۳۶۱ - ۳۶۳) (۸۵۰) قناد: اس لقب کے تین آدمی ہیں۔ ابو اسمٰعیل
ابراہیم بن عبد اللہ القناد۔ عمرو بن حماد القناد المتوفی ۲۲۲ھ (تہذیب التہذیب: ۸: ۲۲
۲۳) اور ابو یحییٰ محمد بن عبد الوہاب القناد السکری۔ یہاں یہی مراد ہیں۔ یہ دراصل اصفہان کے
رہنے والے تھے۔ انھوں نے امام ابو حنیفہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے احمد بن اسد
البجلی وغیرہ نے۔ اہل کوفہ کے فاضلوں میں سے تھے۔ اور بڑے پرہیزگار تھے ۲۱۲ھ میں وفات پائی

(تہذیب التہذیب : ۹ : ۳۲۰ - ۳۲۱ ؛ اخبار اصفہان : ۲ : ۲۰۳)

(۸۵۱) اس واقعہ کا صدق سے یہ تعلق ہے کہ اس بڑھیا کا چھینا صدق دل سے تھا جو اس نے پورا کر دکھایا (۸۵۲) ابو عمرو الزجاجی : ابو عمرو محمد ابراہیم الزجاجی النیشاپوری متوفی ۳۴۸ھ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے (نفحات الانس : ۲۱۱ - ۲۱۲ ؛ حلیۃ الاولیاء : ۱۰ : ۳۷۶) (۸۵۳) ابو الحسین بن مقسم : درست ابو الحسن بن مقسم ہے مکمل نام ابو الحسن احمد بن بن محمد بن الحسین بن یعقوب بن مقسم المقرئ العطار یہ ثقہ نہیں ہیں۔ بعض نے کذاب تک کہا ہے۔ سال پیدائش ۲۹۶ھ اور سال وفات ۳۸۰ھ (تاریخ بغداد : ۴ : ۴۲۹)

(۸۵۴) ابراہیم بن دوحہ۔ جامی نے انھیں ابراہیم رباطی لکھا ہے۔ یہ ابراہیم ستنبہ کے مرید تھے۔ انہی سے انھوں نے طریق توکل سیکھا (نفحات الانس : ۴۷) (۸۵۵) ابراہیم بن ستنبہ ابو اسحق ابراہیم بن ستنبہ ہروی۔ یہ ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں رہے۔ اور ابو یزید کے معاصرین میں سے تھے۔ دراصل کرمان کے رہنے والے تھے۔ مگر ہرات میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور ان کی قبر قزوین میں ہے (نفحات الانس : ۴۵ - ۴۷ ؛ حلیۃ الاولیاء : ۱۰ : ۴۳ - ۴۴) (۸۵۶) فتح موصلی : اس نام کے دو شخص ہیں ایک ابو محمد فتح بن محمد بن وشاح الازدی الموصلی متوفی ۱۷۰ھ (صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۱۵۳ - ۱۵۵ ۔ تاریخ بغداد : ۱۲ : ۳۸۳) اور دوسرا ابو نصر فتح بن سعید الموصلی یہ بشر حافی کے ہمعصر تھے۔ ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ دونوں بڑے پایہ کے صوفی تھے۔ (صفۃ الصفوہ : ۴ : ۱۵۵ - ۱۶۱ تاریخ بغداد : ۱۲ : ۳۸۱ - ۳۸۳)

(۸۵۷) حیاء کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۴۴ ؛ حیاۃ القلوب : ۲ : ۲۱۶ - ۲۰۷) (۸۵۸) ابراہیم بن محمد بن الہیثم : ابو القاسم ابراہیم بن محمد بن الہیثم القطیعی۔ یہ بغداد میں عبید العجلی کے پڑوس میں قطیعۂ عیسی بن علی میں رہا کرتے تھے۔ انھوں نے منصور بن ابی مزاحم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو عبد اللہ المحاملی وغیرہ نے۔ ثقہ اور بیدار مغز تھے۔ ۳۰۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۶ : ۱۵۴ - ۱۵۵ ؛ معجم البلدان : ۴ : ۳۷۷) (۸۵۹) موسی بن حیان : موسی بن حبان البندار۔ انھوں نے ابو عمر حفص بن عمر الحوضی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اسمٰعیل بن الفضل وغیرہ نے۔ ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ بغداد : ۱۳ : ۴۶) (۸۶۰) المقدسی: رسالہ میں اسی طرح سین کے ساتھ دیا ہے مگر صحیح
المقدمی (میم کے ساتھ) ہے۔ ان کا نام ابو محمد القاسم بن یحیی بن عطاء بن مقدم الہلالی المقدمی
ہے۔ انھوں نے عبیداللہ بن عمر العمری وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے اُن کے بھتیجے مقدم
بن محمد بن یحیی وغیرہ نے۔ ثقہ اور مستقیم الحدیث تھے۔ ۱۹۷ھ میں وفات پائی (التہذیب
التہذیب : ۸ : ۳۴۰ - ۳۴۱) (۸۶۱) عبیداللہ عمر: ابو عثمان عبیداللہ بن عمر بن حفص
بن عاصم بن عمر بن الخطاب العدوی العمری۔ یہ سات قاریوں میں سے تھے۔ انھوں نے
نافع وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے القاسم بن یحیی بن عطاء بن مقدم وغیرہ نے۔ یہ ثبت۔
حافظ اور کثیر الروایت ہیں۔ ثقہ تھے۔ علم۔ فضل۔ عبادت اور حافظہ کے اعتبار سے اشراف
قریش میں شمار ہوتے۔ ۱۴۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۷ : ۳۹ تا ۴۰) (۸۶۲)
نافع : ابو عبداللہ نافع العدوی المدنی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے انھیں ایک جنگ میں حاصل
کیا تھا۔ انھوں نے عبداللہ بن عمر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے اُن کی اولاد اور عبداللہ
بن دینار وغیرہ نے۔ امام اور مشہور فقیہ تھے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب :
۱۰ : ۴۱۲ - ۴۱۴ ؛ تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۹۴ ؛ تاریخ الاسلام : ۵ : ۱۰ - ۱۱) (۸۶۳)
ابو احمد محمد بن عبدالوہاب : ابو احمد محمد بن عبدالوہاب العبدی الفراء الحافظ النیساپوری
انھوں نے یعلی بن عبید وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابو عثمان عمرو بن عبداللہ البصری وغیرہ
نے۔ ثقہ ہیں۔ حاکم انھیں اتقن المشائخ کہتے ہیں۔ انھوں نے علم ادب اصمعی سے پڑھا۔
پچانوے[۹۵] سال کی عمر میں ۲۷۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۹ : ۳۱۹ - ۳۲۰ ؛
تذکرۃ الحفاظ : ۲ : ۱۵۸ - ۱۵۹) (۸۶۴) یعلی بن عبید : ابو یوسف یعلی بن عبید الطنافسی
الکوفی۔ انھوں نے اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے اُن کے بھانجے علی بن محمد
الطنافسی وغیرہ نے۔ صالح ثقہ اور صحیح الحدیث ہیں۔ سال پیدائش ۱۱۷ھ اور سال وفات
۲۰۹ھ ہے (شذرات الذہب : ۲ : ۲۳ ؛ تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۴۰۲ - ۴۰۳ ؛ تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۳۰۵ - ۳۰۶) (۸۶۵)
ابان بن اسحٰق : ابان بن اسحٰق الاسدی الکوفی النحوی۔ انھوں نے محمد بن صباح بن محمد الاحمسی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد
بن عبید الطنافسی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب : ۱ : ۹۳ ؛ کتاب الجرح والتعدیل : ۱ : ۲۹۹ ؛ التاریخ الکبیر

ح اق ا : ۳ ۵۴م) (۸۶۶) الصباح بن محمدؒ : صباح بن محمد بن ابی حازم البجلی الاحمسی الکوفی.
انھوں نے مرۃ الہمذانی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابان بن اسحٰق الاسدی الہمذانی وغیرہ
نے۔ ان کی جو حدیث یہاں دی ہے اس کی روایت ترمذی نے کی ہے۔ مگر ساتھ ہی اُسے
"غریب" قرار دیا ہے۔ عقیلی کہتے ہیں ان کی احادیث میں وہم پایا جاتا ہے (تہذیب التہذیب
۴ : ۴۰۸ - ۴۰۹) (۸۶۷) مرۃ الہمدانی : ابو اسمٰعیل مرۃ بن شراحیل الہمذانی السکسکی
جو اپنی عبادت کی وجہ سے مرۃ الطیب اور مرۃ الخیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ انھوں نے
ابن مسعود وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے صباح بن محمد وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ تابعی ہیں
حجاج کے عہد میں الجماجم کے واقعہ کے بعد وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۱۰ :
۸۸ - ۸۹ ؛ تاریخ الاسلام : ۳ : ۳۰۳) (۸۶۸) ابو نصر الوزیری : رسالہ اور شرح انصاری
دونوں میں الوزیری ہی دیا ہے۔ سُلمی جس ابو نصر سے حکایت کرتے ہیں اس کا نام محمد بن احمدؒ
ہے۔ ابو نصر محمد بن احمد الوزیری کا کہیں پتہ نہ چلا۔ البتہ ابو نصر محمد بن احمدؒ المروزی
اسی زمانہ میں ہوئے ہیں۔ یہ ۳۵۴ھ میں بغداد آئے تھے۔ (تاریخ بغداد : ۱ : ۳۱۸)
(۸۶۹) محمد بن عبد اللہ بن محمدؒ : ابوبکر محمدؒ بن عبد اللہ بن محمد القطان۔ انھوں نے محمد بن جریر
الطبری وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو محمد الخلال وغیرہ نے۔ باوجود رافضی ہونے کے
ثقہ اور صحیح السماع ہیں ۳۸۳ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۵ : ۴۶۵) ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن محمد ایک اور صاحب
بھی ہیں یہ مالکی فقیہ تھے اور مالکی فقہ میں ان کی تصانیف بھی ہیں۔ چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی (البدایہ
والنہایہ ۱۱ : ۳۰۴) (۸۷۰) الغلابی ابو امیہ الاحوص بن مفضل الغلابی۔ غلاب ایک عورت کا نام ہے اور وہ خالد بن الحارث
بن اوس بن نابغہ کی والدہ ہے۔ انھوں نے محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب وغیرہ سے روایت کی۔ بصرہ، واسط اور اہواز
کے قاضی رہے۔ باوجود کم علم ہونے کے ان کی نیکی کی وجہ سے لوگ انکی عزت کرتے تھے اور اُن کی کم علمی پر پردہ
پڑا رہا۔ ان کی وفات قید خانہ میں ہوئی ۳۰۰ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۵ : ۵۰ - ۵۲) (۸۷۱)
محمد بن مخلد : ابو عبد اللہ محمد بن مخلد بن حفص الدوری العطار۔ انھوں نے ابو السائب سلم
بن جنادہ وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو العباس بن عقدہ وغیرہ نے۔ یہ اہل فہم
میں سے تھے۔ ان کے علم پر لوگوں کو اعتماد تھا۔ وسیع الروایت اور عبادت۔ دیانت اور

امانت کی وجہ سے مشہور تھے۔ انکی پیدائش المحاملی کی پیدائش سے ایک سال پہلے ہوئی۔ المحاملی کی پیدائش
سنہ ۲۳۵ھ میں ہوئی خود اپنا سال پیدائش ۲۳۳ھ بتاتے ہیں۔ ۳۳۱ھ میں، ستانوے (۹۷) سال عمر پا کر وفات
پائی (تاریخ بغداد: ۳: ۳۱۱۔ شذرات الذہب: ۲: ۳۳۱۔
(۸۷۲) محمد بن احمد بن یعقوب: ابوبکر بن محمد احمد بن یعقوب بن شیبہ السدوسی۔ انھوں نے
سات سال کی عمر میں سنہ ۲۶۶ھ میں اپنے دادا سے مسند العشرۃ اور مسند العباس سنی۔ ثقہ تھے۔ سنہ ۳۳۱ھ
میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۳۲۹؛ تاریخ بغداد: ۱: ۳۷۳-۳۷۵)
خطیب بغدادی (۱: ۳۷۵) نے ایک اور شخص محمد بن احمد بن یعقوب ابوعبید اللہ الوزیر
کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے سنہ ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔ مگر یہاں مراد ابونصر محمد بن احمد بن یعقوب
طوسی سے ہے۔ جیسا کہ طبقات الصوفیہ صفحہ ۲۰۵ میں ہے۔ (۸۷۳) محمد بن عبد الملک:
محمد بن عبد الملک بن یزید الصوفی البغدادی۔ انھوں نے ظاہری علوم کی تحصیل کی۔ اور بکثرت
حدیث لکھی۔ مگر ایک روز ابوحمزہ محمد بن ابراہیم الصوفی کے حلقہ میں آئے۔ جبکہ وہ علوم
الحقائق بیان کر رہے تھے۔ لہٰذا انھوں نے مجالس حدیث کو چھوڑ کر انہی کی مجلس اختیار
کر لی۔ اور مرتے دم تک ان کے ساتھ رہے۔ (تاریخ بغداد: ۲: ۳۴۸) (۸۷۴) حسن بن حداد:
حسن حداد پڑھیں۔ ابوعلی الحسن بن یوسف بن یعقوب الحداد۔ انھوں نے یونس بن عبد الاعلیٰ
وغیرہ سے روایت کی۔ مصر عتیق کی جامع مسجد کے امام تھے۔ سنہ ۳۳۲ھ میں وفات پائی۔
(المنتظم: ۶: ۳۳۷-۳۳۸) (۸۷۵) احمد بن صالح: ابو یحییٰ احمد بن محمد بن صالح
السمرقندی۔ انھوں نے یحییٰ بن معاذ رازی کے شاگرد محمد بن محمود وغیرہ سے روایت
کی۔ سنہ ۳۴۰ھ میں بغداد آئے۔ (تاریخ بغداد: ۵: ۳۸) (۸۷۶) محمد بن عبدالملان: ابوبکر
محمد بن عبدون بن عیسیٰ القطان۔ انھوں نے ابوالحسن دارقطنی سے روایت کی۔ (تاریخ
بغداد: ۲: ۳۹۴) (۸۷۷) ابوالعباس المؤدب: احمد ابوالعباس المؤدب۔ مشائخ
صوفیہ میں سے ہیں۔ انھوں نے سری سقطی کے اقوال کی حکایت کی ہے (تاریخ بغداد: ۵: ۲۲۹
۲۳۰) (۸۷۸) عبد اللہ بن الحسین: عبد اللہ بن الحسین بن ابراہیم الصوفی۔ یہ سلمی کے استاد ہیں۔
(۸۷۹) مقداد: مقداد بن عمرو جو بالعموم مقداد بن الاسود کے نام سے مشہور ہیں۔

اسود بن عبد یغوث نے انہیں متبنیٰ بنا لیا تھا۔ اس لئے ان کی طرف منسوب ہو گئے۔ یہ صحابی ہیں۔ اور سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ مکہ میں یہ ان سات مسلمانوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ انھوں نے ستر سال کی عمر میں حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں وفات پائی (اسد الغابہ ۴: ۴۰۹-۴۱۱) (۸۸۰) عبد اللہ بن احمد بن جعفر: ابو محمد عبد اللہ بن ابی حامد احمد بن جعفر الشیبانی النیشاپوری۔ یہ بہت بڑے مالدار تھے۔ انھوں نے اپنی دولت علم اور اہلِ علم پر خرچ کی۔ چونکہ اپنے بالوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے، اور منڈاتے نہ تھے اس لئے شعرانی کہلائے۔ پیدائش ۳۰۲ھ اور وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ۹: ۳۹۱-۳۹۲) (۸۸۱) زنجویہ اللباد: ابو محمد زنجویہ بن محمد الحسن بن عمر الزاہد اللباد۔ یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ اور بڑے عبادت گذار تھے مشائخ ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔ (۸۸۲) علی بن الحسین الہلالی۔ درست علی بن الحسن بن موسیٰ الہلالی ابو الحسن بن عیسیٰ الدارابجردی ہے۔ ثقہ اور مامون تھے انھیں ارغیان کے ایک گاؤں میں ۲۹۹ھ میں بھیڑیا کھا گیا تھا (طبقات الصوفیہ: ۱۲) (۸۸۳) ابراہیم بن الاشعث: یہ فضیل بن عیاض کے خادم تھے۔ انھوں نے عیسیٰ بن غنجار سے روایت کی اور ان سے عبدہ بن عبد الرحیم المروزی نے (طبقات الصوفیہ: ۶) (۸۸۴) محمد بن صالح بن النطاح: ابو عبد اللہ یا ابو جعفر محمد بن صالح بن مہران جو ابن النطاح کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بصری ہیں۔ بغداد آئے اور یوسف بن عطیہ الصفار وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے احمد بن علی الخزاز وغیرہ نے یہ تاریخ اور نسب دان تھے۔ اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے دولتِ عباسیہ کی تاریخ لکھی۔ ۲۵۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۵: ۳۵۷-۳۵۸ و تہذیب التہذیب ۹: ۲۲۷) (۸۸۵) نعیم بن مورع بن توبہ: نعیم بن مورع بن توبہ العنبری۔ یہ العباس العنبری کے چچازاد بھائی ہیں۔ انھوں نے ہشام بن حسان سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن عمر بن علی المقدمی نے۔ یہ قوی نہیں ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۴۶۴) (۸۸۶) اسماعیل المکی: ابو اسحٰق اسمٰعیل بن مسلم المکی البصری۔ انھوں نے مکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس لئے مکی کہلائے۔ فقیہ اور مفتی تھے انھوں

نے عمرو بن دینار وغیرہ سے روایت کی. اور اُن سے اعمش وغیرہ نے۔ صدوق تھے مگر غلطی کھا جاتے تھے۔ اسی لئے انھیں کمزور سمجھا گیا ہے (تہذیب التہذیب ۱: ۳۳۱-۳۳۳) (۸۸۷) عمرو بن دینار: ابو محمد عمرو بن دینار المکی الجمحی۔ علمار امت میں سے تھے۔ انھوں نے ابن عباس وغیرہ سے روایت کی. اور ان سے قتادہ وغیرہ نے۔ عالم. صدوق. ثقت اور کثیر الحدیث ہیں۔ اپنے زمانہ میں اہلِ مکّہ کے مفتی تھے. ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۸: ۲۸-۳۰۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۰۶-۱۰۷) (۸۸۸) طاؤس: ابو عبدالرحمٰن طاؤس بن کیسان الیمانی الجندی۔ یہ ابناء میں سے تھے. انھوں نے ابن عبّاس وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے زہری وغیرہ نے۔ انھیں علم وعمل میں سردار سمجھا جاتا تھا. اہلِ یمن کے شیخ اور مفتی تھے۔ کئی ایک حج کئے۔ اور حج کے دوران میں ہی ۱۰۶ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۹۳-۹۴؛ تاریخ الاسلام: ۴: ۱۲۶-۱۲۹) (۸۸۹) حارثہ. حارثہ سے یہاں مراد حارثہ بن نعمان انصاری خزرجی ہیں. یہ فضلار صحابہ میں سے تھے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے. غزوہ حنین میں ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے۔ اپنی والدہ کی بہت خدمت کیا کرتے. نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے دیکھا تھا. (اسد الغابہ: ۱: ۳۵۸-۳۵۹) (۸۹۰) ابو محمد المراغی: ابو محمد جعفر بن محمد بن الحارث المراغی۔ یہ ابو عبدالرحمٰن سلمی کے استاد ہیں. انھوں نے حدیث کی تلاش اور جمع کرنے کی غرض سے بہت سفر کئے۔ نیشاپور میں رہائش اختیار کرلی تھی. اور دمشق اور دیگر مقامات میں کثیر التعداد لوگوں سے حدیث سنی. ۳۵۶ھ میں وفات پائی. (معجم البلدان: ۵: ۹۳) (۸۹۱) یہ قول حضرت جنید بغدادی کا ہے. اُن سے کسی نے سوال کیا تھا کہ بعض اہل معرفت کہتے ہیں کہ ہم تو واصل ہو چکے لہٰذا اب ہمارا عمل ترک کر دینا بھی نیکی میں شمار ہوگا۔ اس پر انھوں نے فرمایا تھا: یہ لوگ یقیناً واصل ہوگئے ہیں. مگر واصل باللہ نہیں واصل جہنم ہو گئے ہیں (شرح زکریا انصاری: ۳: ۱۵۲) (۸۹۲) منصور الفقیہ: ابو الحسن منصور بن اسمٰعیل بن عمر التمیمی الفقیہ الضریر۔ دراصل راس عین کے رہنے والے تھے. مذہب شافعی کے فقیہ تھے۔ اور اُن کی کئی ایک تصانیف ہیں. مثلاً ہدایہ۔ المسافر۔ الواجب. المستعمل

عمدہ شعر کہا کرتے تھے مگر ہجو میں بہت فحش گوئی کرتے۔ ۳۰۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب : ۲ : ۲۴۹-۲۵۰)

(۸۹۳) یوسف بن موسیٰ۔ ابو یعقوب یوسف بن موسیٰ القطان المروزی۔ یہ خراسان کے چوٹی کے محدثین میں سے تھے۔ انھوں نے حدیث کی تلاش میں دُور دُور کا سفر اختیار کیا۔ اسحٰق بن راہویہ وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابو بکر شافعی وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۹۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۴ : ۳۰۸-۳۰۹) (۸۹۴) ذکر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف : ۳ : ۱۵۱-۱۶۰ : احیاء علوم الدین : ۱ : ۳۰۱-۳۰۴ ؛ قوت القلوب : ۱ : ۴-۵ ؛ حیاۃ القلوب : ۲ : ۱۰۶-۱۱۱ : نتائج الافکار القدسیہ ۳ : ۱۵۴-۱۵۵- (۸۹۵) ابو علی الحسین بن صفوان البردعی۔ بردعہ اذربیجان میں ایک شہر ہے اسی کی طرف یہ منسوب ہوتے ہیں۔ ابو بکر بن ابی الدنیا کے شاگرد ہیں۔ ۳۴۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ صدوق ہیں (تاریخ بغداد : ۸ : ۵۴ ؛ شذرات الذہب : ۲ : ۳۵۶) (۸۹۶) ابو بکر عبد اللہ بن محمد ابی الدنیا : ابو بکر عبد اللہ بن محمد القرشی جو ابن ابی الدنیا کے نام سے مشہور ہیں۔ زہد اور رقائق میں ان کی تصانیف ہیں۔ انھوں نے سعید بن سلیمان الواسطی وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے حارث بن ابی اسامہ وغیرہ نے۔ صدوق ہیں۔ پیدائش ۲۰۸ھ میں اور وفات ۲۸۱ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۸۹-۹۱) (۸۹۷) ہارون بن معروف : ابو علی ہارون معروف بہ الضریر المروزی۔ انھوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ابن مبارک وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابن ابی الدنیا وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۲۳۱ھ میں وفات پائی اور ستر سال کی عمر پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۱۱-۱۲ ؛ شذرات الذہب : ۲ : ۷۱ ؛ تاریخ بغداد : ۱۴ : ۱۴-۱۵) (۸۹۸) انس بن عیاض : ابو حمزہ انس بن عیاض اللیثی المدنی۔ انھوں نے شریک بن ابی نمر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن وہب وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ مگر غلطی کھا جاتے ہیں۔ ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۱ : ۳۷۵-۳۷۶) (۸۹۹) عبد اللہ بن سعید بن ابی ہند : ابو بکر

عبداللہ بن سعید بن ابی ہند الفزاری المدنی۔ انھوں نے زیاد بن ابی زیاد وغیرہ سے روایت
کی اور اُن سے ابو ضمرہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔ (
تہذیب التہذیب: ۵: ۲۳۹) (۹۰۰) زیاد بن ابی زیاد: ابو محمد زیاد بن ابی زیاد
الجصاص الواسطی۔ دراصل بصرہ کے رہنے والے تھے حضرت انس وغیرہ سے روایت
کی اور اُن سے ہشیم وغیرہ نے۔ ابن حبان نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب
۳: ۳۶۸، تاریخ بغداد: ۸: ۴۷۴) (۹۰۱) ابو بحریہ: ابو بحریہ عبداللہ بن
قیس الکندی التراغمی الحمصی۔ انھوں نے جابیہ کے مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ،
کا خطبہ سُنا۔ انھوں نے ابو الدرداء وغیرہ سے روایت کی ہے اور اُن سے اُن کے
بیٹے بحریہ وغیرہ نے۔ یہ فاضل، ناسک اور مجاہد تھے۔ امیر معاویہ اور دیگر خلفاء بن
اُمیہ اُن کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ ان کا ولید بن عبد الملک کے عہد میں انتقال ہوا (تاریخ
الاسلام: ۴: ۷۲) (۹۰۲) ابو الدرداء۔ عویمر بن عامر الانصاری الخزرجی۔ یہ فاضل
صحابہ اور فقہاء صحابہ میں سے تھے۔ انھوں نے اُحد اور دیگر جنگوں میں شرکت کی ۳۴ھ
میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۴: ۱۵۹-۱۶۰، ۵: ۱۸۵-۱۸۶) (۹۰۳)
یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم۔ ابو یوسف یعقوب بن اسحق بن ابراہیم المروزی۔ انھوں نے داؤد
بن رشید وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے المفضل بن سلمہ بن عاصم نے۔ یہ "لا بأس بہ" کے
درجہ میں ہیں (تاریخ بغداد: ۱۴: ۲۹۱) (۹۰۴) الدبری: دَبَر (بفتحتین)، صنعاء یمن کے
اطراف میں ایک بستی کا نام ہے۔ ابو یعقوب اسحق بن ابراہیم الدبری الصنعانی یہیں کے
رہنے والے تھے۔ انھوں نے عبدالرزاق بن ہمام سے روایت کی ہے ۲۳۸ھ میں وفات
پائی۔ (معجم البلدان: ۲: ۴۳۷) (۹۰۵) عبدالرزاق سے مراد عبدالرزاق بن ہمام ہیں۔
اُن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے (۹۰۶) ثابت سے مراد ثابت بن اسلم بُنانی سے ہے۔ ائمہ
تابعین میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے اور بصری ہیں۔ صائم الدہر تھے، اور رات دن
میں ایک بار قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ ثقہ اور مامون تھے۔ انھوں نے انس رضی اللہ سے
روایت کی۔ ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۲: ۲-۴، تاریخ الاسلام

: ۵ : ۵۰ - ۵۲ و صفة الصفوة : ۳ : ۱۸۴) (۹۰۷) معاذ : یہاں معاذ سے مراد ابو المثنیٰ معاذ بن معاذ التمیمی الحافظ البصری ہیں۔ انھوں نے حمید الطویل وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ان کے دونوں بیٹوں عبید اللہ اور مثنیٰ وغیرہ نے۔ ثقہ اور ثبت ہیں ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۱۹۴-۱۹۵) (۹۰۸) حمید سے مراد حمید الطویل سے ہے۔ ۱۴۳ھ میں پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۳ : ۳۸-۴۰) (۹۰۹) عبد الرحمن بن بکر میں ان کی تعیین نہیں کر سکا۔ ایک عبد الرحمن بن بکر بن الربیع بن مسلم ہیں جنھوں نے اپنے دادا ربیع بن مسلم وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ابو حاتم اور ابو زرعہ نے۔ صدوق تھے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲ : ۲۱۷) اور دوسرے عبد الرحمن بن بکر الطبری الآملی ہیں۔ انھوں نے شریک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو حاتم اور ابو زرعہ نے۔ صدوق ہیں (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۲ ق ۲ : ۲۱۷)

(۹۱۰) ابو علی بن صفوان : ابو علی حسین بن صفوان البرذعی۔ ان کا انتقال ۳۴۰ھ میں ہوا۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (تاریخ بغداد : ۸ : ۵۴) (۹۱۱) الحسین بن ابی الدنیا : رسالہ میں اسی طرح دیا ہے مگر درست جیسا کہ شرح انصاری میں ہے ابن ابی الدنیا ہے (بغیر حسین کے)۔ ابن ابی الدنیا نے الہیثم بن خارجہ سے روایت کی ہے۔ ان کا اصلی نام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید القرشی المعروف بابن ابی الدنیا م ۲۸۱ھ۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۸۹ تا ۹۱) (۹۱۲) الہیثم بن خارجہ : ابو احمد الہیثم بن خارجہ الخراسانی الحافظ انھوں نے مالک اور لیث وغیرہ سے روایت کی۔ ان سے بخاری وغیرہ نے۔ امام احمد ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ یہ زہد کی طرف مائل ہوتے۔ مگر اصحاب الحدیث کے ساتھ مداخلافی سے پیش آتے ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۹۳-۹۴۔ تاریخ بغداد : ۱۴ : ۵۸) (۹۱۳) اسمٰعیل بن عیاش : ابو عتبہ اسمٰعیل بن عیاش بن سلیم العنسی۔ انھوں نے محمد بن زیاد الالہانی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے حسن بن عرفہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۸۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۶ :

۲۲۱-۲۲۸ - تہذیب التہذیب : ۱ : ۳۲۱ - ۳۲۶) (۹۱۴) عمر بن عبد اللہ : عمر بن عبد اللہ بن عروۃ بن الزبیر بن العوام الاسدی المدنی ۔ انھوں نے اپنے باپ اور دادا سے روایت کی ۔ اور ان سے ابن جریج وغیرہ نے ۔ یہ مدینہ کے رہنے والے تھے ۔ بڑی شان والے تھے ۔ قلیل الحدیث ہیں ۔ (تہذیب التہذیب : ۷ : ۴۶۹) (۹۱۵) خالد بن عبد اللہ بن صفوان ۔ رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے ۔ صحیح خالد بن عبد اللہ بن صفوان ہے یہ خالد بن عبد اللہ بن محرز المازنی البصری ہیں انھوں نے اپنے چچا صفوان سے روایت کی ہے ۔ اور ان سے سلیمان التیمی وغیرہ نے ۔ ثقہ تھے (تہذیب التہذیب : ۳ : ۱۰۱ - کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲ : ۳۳۹) اور صفوان ؛ صفوان بن محرز بن زیاد المازنی ہیں ۔ انھوں نے ابن عمر وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے ابو صخرہ جامع بن شداد وغیرہ نے ۔ ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے قرآن کے گھر میں رہنے والے جن بھی اُن کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ۔ بصری اور تابعی ہیں ۔ ثقہ ہیں ۷۴ھ میں عبد الملک کے عہد میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۴ : ۴۳۰ ، تاریخ الاسلام : ۴ : ۱۴ - ۱۵) (۹۱۶) عبد اللہ بن موسیٰ السلامی : ابو الحسن عبد اللہ بن موسیٰ بن الحسن السلامی ۔ انھوں نے الحسین بن اسمٰعیل المحاملی وغیرہ سے روایت کی ۔ انھوں نے حدیث کی تلاش میں بہت سفر کئے ۔ ادیب اور شاعر تھے ۔ ۳۷۴ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۰ : ۱۴۸ ، ۱۴۹)

(۹۱۷) فارس ۔ ابو الطیب فارس بن عیسیٰ الصوفی ۔ یہ جنید اور ابن عطا کی صحبت میں رہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں اثر رکھا تھا اور اہل حقائق کے متحققین میں سے تھے ۔ (۲) اس مقام کو صوامع الذکر کہتے ہیں ۔ اور یہ وہ معنوی مواقع ہوتے ہیں جو ذاکر کو اپنے ذکر میں انتشار پیدا ہونے سے بچاتے ہیں ۔ اور کلی طور پر اس کی ہمت بندھاتے ہیں ۔ اسے صورۃ الارادہ بھی کہا جاتا ہے (نتائج الافکار القدسیۃ : ۲ : ۱۶۳)

(۹۱۸) حسن سے مراد حسن بصری سے ہے (شرح زکریا انصاری) (۹۱۹) رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح حامد الاسود ہی دیا ہے ۔ ان کے حالات کا کہیں پتہ نہ چل سکا ۔

نفحات الانس میں جامی نے ابو حامد الاسود کا ذکر کیا ہے۔ جو زنجی کے نام سے مشہور تھے۔ یہ ابو علی رود باری کے استادوں میں سے تھے۔ اور جب وجد کی حالت میں ہوتے تو ان کا چہرہ سفید ہو جاتا تھا۔ اور وجد کی حالت ختم ہونے پر پھر وہ سیاہ فام ہو جاتے،
(نفحات الانس: ۱۶۱) قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حامد الاسود ہی ہیں۔ کیونکہ کتاب میں حامد اسود کو ابراہیم خواص متوفی ۲۹۱ھ کا مرید بتایا گیا ہے۔ اور نفحات الانس نے ابو حامد اسود کو ابو علی رود باری متوفی ۳۲۲ھ کا استاد کہا ہے۔ لہٰذا زمانہ تو ایک ہی ہوا مگر یہ بات حل نہیں ہوئی کہ درست حامد ہے یا ابو حامد۔

(۹۲۰) فتوت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۱۶۷

(۹۲۱) یعقوب بن حمید بن کاسب: دراصل مدینہ کے تھے مگر مکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے زکریا بن منصور وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ اکثر محدثین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے اگرچہ بعض نے کمزور بھی کہا ہے ۲۴۱ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۸۳-۳۸۵ ز شذرات الذہب: ۲: ۹۹)

(۹۲۲) ابن ابی حازم: عبدالعزیز بن ابی حازم سلمہ بن دینار المحاربی ان کی کنیت ابو تمام ہے۔ مدنی اور فقیہ ہیں۔ انھوں نے سہیل بن ابی صالح وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن مہدی وغیرہ نے۔ یہ حدیث کی تلاش میں نہیں رہے صرف اپنے باپ کی کتابوں سے مدد لیتے تھے۔ مگر امام مالک کے بعد مدینہ میں ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا۔ ثقہ اور صدوق ہیں ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۸۴ھ میں سجدے کی حالت میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۶: ۳۳۳-۳۳۴ ز شذرات الذہب: ۱: ۳۰۶)

(۹۲۳) عبداللہ بن عامر الاسلمی: ابو عامر عبداللہ بن عامر الاسلمی المدنی۔ انھوں نے ابو الزناد وغیرہ سے روایت اور ان سے عبدالعزیز بن ابی حازم وغیرہ نے۔ قاری تھے اور مدینہ میں رمضان میں تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ انھوں نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے۔ اکثر محدثین نے انھیں ضعیف شمار کیا ہے ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۵: ۲۷۵-۲۷۶)

(۹۲۴) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج:

ابو داؤد عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے۔ ان سے زہری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ثقہ ہیں۔ زندگی کے آخر میں مصر چلے گئے تھے اور مسافرت کی حالت میں اسکندریہ میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام ۴: ۲۷۵ زکتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۲۹۷ زشذرات الذہب ۱: ۱۵۳) (۹۲۵) زید بن ثابت: زید بن ثابت انصاری خزرجی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ بعاث کی جنگ کے وقت اُن کی عمر چھ سال تھی۔ اسی جنگ میں اُن کا باپ ثابت مارا گیا تھا۔ غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں چھوٹا سمجھ کر جنگ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔ بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ کاتب وحی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انھوں نے سریانی زبان سیکھ لی تھی۔ علم فرائض کے سب سے زیادہ ماہر تھے۔ ۴۵ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ ۲: ۲۲۱-۲۲۳ زشذرات الذہب ۱: ۵۴) (۹۲۶) محمد بن نصیر بن منصور الصائغ: محمد بن نصر بن منصور الصائغ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پڑھیں۔ صدوق ہیں۔ ۲۹۶ھ میں وفات پائی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (تاریخ بغداد ۳: ۳۱۸-۳۱۹) (۹۲۷) ابن مردویہ الصائغ: اصل رسالہ میں اسی طرح دیا ہے شرح انصاری میں محمد بن مردویہ الصائغ دیا ہے اور یہ سب غلط ہے صحیح مردویہ الصائغ ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ان کا مکمل نام ابو عبد اللہ عبد الصمد بن یزید ہے اور مردویہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ فضیل کے مرید خاص تھے۔ اور اُن کے اقوال کی حکایت کرتے ہیں۔ ثقہ اور اہل سنت واہل ورع میں سے تھے ۲۳۵ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۱۱: ۴۰ و تہذیب التہذیب ۶: ۳۲۸-۳۲۹) (۹۲۸) فضل (فضیل) رضی جیسا کہ شرح انصاری میں ہے (۹۲۹) علی بن عمر الحافظ: ابو الحسن علی بن احمد البغدادی الدارقطنی۔ دارقطن بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے حافظ کبیر ہیں اور بالعموم دارقطنی کے نام سے پکارے جاتے ہیں اپنے وقت کے شیخ الاسلام اور امیر المومنین فی الحدیث مانے جاتے تھے۔ اپنے عہد میں حافظہ فہم ور ورع کے اعتبار سے لاثانی تھے۔ قراءات اور نحو میں امام تھے۔ ان کی کئی ایک

تصانیف ہیں ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۸۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب :
۳ : ۱۱۶ - ۱۱۷ ؛ تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۱۸۶ - ۱۹۰ ؛ تاریخ بغداد : ۱۲ : ۳۴ - ۴۰
؛ البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۳۱۷ ؛ المنتظم : ۷ : ۱۸۳ - ۱۸۴) (۹۳۰) ابوسہل بن زیاد :
ابوسہل احمد بن محمد بن عبد اللہ القطان : ثقہ اور حافظ تھے۔ اکثر قرآن مجید کی تلاوت
کرتے رہتے۔ اور قرآن مجید سے نفیس نکات استنباط کرتے۔ چنانچہ انھوں نے معتزلہ
کے کفر پر اس آیت سے استنباط کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا
فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا۔

انھوں نے اکانوے سال کی عمر میں ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ
: ۱۱ : ۲۳۸ ؛ المنتظم : ۷ : ۳ ؛ تاریخ بغداد : ۵ : ۴۵ - ۴۶) (۹۳۱) عبد اللہ
بن احمد بن حنبل : ابوعبدالرحمن عبد اللہ بن الامام احمد بن حنبل الذہلی الشیبانی۔ علم
حدیث میں امام تھے۔ انھوں نے اپنے باپ احمد بن حنبل سے روایت کی ہے۔ انہی
نے اپنے والد کی مسند کو مرتب کیا تھا۔ ثقہ اور رغبت اور ذی فہم تھے ۲۱۳ھ میں
پیدا ہوئے اور ۲۹۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۲ : ۲۰۳ - ۲۰۴ ؛
تاریخ بغداد : ۹ : ۳۷۵ - ۳۷۶ ؛ تہذیب التہذیب : ۵ : ۱۴۱ - ۱۴۳)

(۹۳۲) واقعہ اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے کھانا تیار کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ والہ وسلم کی خدمت میں دعوت دینے کے لئے آیا۔ اس شخص نے اشاروں میں آپ
کو دعوت دی۔ آپ نے بھی اشارہ میں کہا کہ یہ بھی یعنی عائشہؓ بھی، مگر وہ شخص خاموش
رہا۔ اس نے پھر آپ کو اشارہ سے کہا اور آپ نے پھر حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ
کرکے کہا کہ یہ بھی (شرح زکریا انصاری : ۳ : ۱۷۳) (۹۳۳) علی القوال : علی القوال
الصغیر یہ ابوعثمان مغربی اور نصرآبادی کا قوال تھا۔

(۹۳۴) ابوعلی الفارسی : ابوعلی الحسن بن علی بن عبد اللہ بن محمد بن سہل الفارسی۔ مرو
کے رہنے والے تھے۔ حج کو جاتے ہوئے بغداد آئے۔ اور وہاں ابوصخر محمد بن مالک

اسعدی سے روایت کی اور ان سے محمد بن طلحہ النعالی نے (تاریخ بغداد : ۷ : ۳۸۹ - ۳۹۰)

(۹۳۵) فراست کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف : ۴ : ۱۲۰ (نتائج الافکار القدسیہ

: ۳ : ۱۷۴) (۹۳۶) احمد بن علی بن الحسین : ابوبکر احمد بن علی الرازی الفقیہ الحنفی : اپنے وقت

کے امام تھے زہد و ورع میں مشہور تھے۔ جوانی میں بغداد آئے۔ اور ابوالحسین کرخی الحنفی سے

فقہ پڑھی۔ ہوتے ہوتے اس فن میں رئیس شمار ہونے لگے۔ انھیں قاضی القضاۃ کے عہدہ کی

پیشکش کی گئی۔ مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔ صاحب تصانیف ہیں۔ ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔ (

المنتظم : ۷ : ۱۰۵ - ۱۰۶ ؛ البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۹۷) یاد رہے کہ ایک اور صاحب

ابوبکر احمد بن علی رازی بھی ہیں۔ یہ حافظ حدیث تھے۔ ثقہ تھے۔ انھوں نے ۴۳۰ھ سے

پہلے وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۲۷۱) مگر یہ یہاں مراد نہیں ہیں۔ (۹۳۷) محمد بن احمد

بن السکن : ابوبکر محمد بن احمد بن السکن القطیعی المعروف بہ ابوخراسان۔ انھوں نے ابو عاصم

الضحاک بن مخلد وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابوبکر بن ابی داؤد وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔

۲۶۸ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱ : ۳۰۵) (۹۳۸) موسیٰ بن داؤد : ابوعبداللہ

موسیٰ بن داؤد الضبی الکوفی الحافظ۔ انھوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ انھوں

نے مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ طرسوس

کے قاضی ہو کر گئے اور وہیں وفات پائی۔ ثقہ، مامون اور صاحب تصانیف ہیں۔ ۲۱۷ھ

میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۳ : ۳۳ - ۳۴ ؛ شذرات الذہب : ۲ : ۳۸) (۹۳۹)

محمد بن کثیر الکوفی : ابواسحٰق محمد بن کثیر الکوفی۔ انھوں نے عمرو بن قیس وغیرہ سے روایت

کی۔ اور ان سے علی بن المدینی وغیرہ نے۔ دوری کہتے ہیں کہ یہ شیعی تھے۔ مگر ان کی حدیث کی روایت

میں کوئی حرج نہیں۔ کچھ محدثین نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۱۸ /

۴۱۹ ؛ تاریخ بغداد : ۳ : ۱۹۱ - ۱۹۳) (۹۴۰) عمرو بن قیس : ابوعبداللہ عمرو بن قیس

الملائی الکوفی۔ انھوں نے عکرمہ مولی ابن عباس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے سفیان

ثوری وغیرہ نے۔ بغداد آئے اور وہیں وفات پائی۔ کوفی ہیں۔ ثقہ ہیں۔ عبادت گذار ہیں۔

سفیان ثوری ان کے پاس برکت حاصل کرنے کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ چادریں بیچا کرتے تھے۔

اس لیے ملائی کہلائے ۲۷۶ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۸: ۹۲-۹۳؛
تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۶۳-۱۶۶) (۹۴۱) عطیہ سے یہاں مراد عطیہ بن سعد بن جنادۃ العوفی
ابوالحسن الکوفی ہیں انھوں نے ابو سعید خدری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے اُن کے
بیٹے حسن وغیرہ نے۔ ابو حاتم انھیں ثقہ قرار دے کر لکھتے ہیں کہ اُن کی حدیث لکھی جاسکتی
ہے۔ کہاجاتا ہے کہ حجاج نے انھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لعنت کرنے کو کہا اور
چار سو کوڑے بھی لگائے مگر یہ نہ مانے۔ شیعی تھے۔ ذہبی یہ واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے
ہیں "رحمہ اللہ ولا رحم الحجاج" ایک روایت کے مطابق ۱۱۱ھ میں وفات
پائی۔ اور دوسری روایت کے مطابق ۱۲۷ھ میں (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۸۰؛ تہذیب
التہذیب: ۷: ۲۲۴-۲۲۶)

(۹۴۲) امام شافعی: محمد بن ادریس الشافعی ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے
ذکر ہو چکا ہے (شذرات الذہب: ۲: ۹) (۹۴۳) محمد بن الحسن الشیبانی۔ فصیح و بلیغ
امام لغت اور فقہ تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ کہوں کہ قرآن امام محمد بن الحسن
کی زبان میں اُترا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ پہلے امام ابوحنیفہ کے شاگرد رہے۔ پھر اُن
کے بعد امام ابو یوسف کے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ انھوں نے اٹھاون سال کی عمر میں
۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۱: ۳۲۱؛ تاریخ بغداد: ۲: ۱۷۲-
۱۸۲) (۹۴۴) ابوالقاسم المنادی: الفضل بن جعفر بن محمد ابوالقاسم بن المنادی۔ یہ ابوالحسین
احمد کے بھائی ہیں۔ انھوں نے اپنے دادا ابو جعفر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے
ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی وغیرہ نے۔ انھوں نے سینتالیس سال کی عمر میں ۲۹۶ھ میں وفات
پائی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۳۷۴)

(۹۴۵) زکریا شختنی: رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے۔ زکریا انصاری
لکھتے ہیں کہ شختن نیشاپور کے ایک گاؤں کا نام ہے (۳: ۱۲۸) طبقات الصوفیہ (ص ۱۱۱)
میں محمد بن بحر الشنجینی برادر زکریا دیا ہے۔ مجھے معجم البلدان میں شنجین اور نہ ہی شختن ملا۔ ان
کے حالات نہ مل سکے۔

(۹۴۶) ابوالحسن نوری: ابوالحسین نوری پڑھیں۔ (۹۴۷) ابو عبداللہ تروغندی۔ رسالہ اور شرح دونوں میں تروغندی۔ غین اور نون کے ساتھ دیا ہے۔ مگر صحیح تروغبدی ہے۔ غین اور باء کے ساتھ۔ تروغبدی نسبت ہے تروغبذ کی طرف جو طوس سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر ایک بستی کا نام ہے (معجم البلدان: ۲: ۲۸) تروغبذی کا نام ابو عبداللہ محمد بن محمد بن الحسن ہے۔ یہ طوس کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ ابو عثمان حیری کی صحبت میں رہے صاحب کرامات تھے۔ ۳۵۰ھ میں وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۴۹۴ - ۴۹۶۔ ز لواقح الانوار: ۱: ۱۰۶) (۹۴۸) اس واقعہ کا ذکر خطیب بغدادی نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ بغداد: ۲: ۲۴۸ - ۲۴۹

(۹۴۹) کتاب الصیھوۃ فی نقض الدہور: یہ ابو عبدالرحمن محمد بن حسین سلمی کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے دہریہ کا رد کیا ہے جو دنیا کو قدیم مانتے ہیں (شرح زکریا انصاری: ۳: ۱۸۱) نورالدین شریبہ نے سلمی کی تصانیف میں اس کتاب کا ذکر نہیں کیا (۹۵۰) ابوالحسین القرافی۔ علی بن عثمان بن نصیر القرافی۔ قرافہ مصر میں ایک گاؤں ہے۔ دمیاط میں رہا کرتے تھے۔ ابو الخیر تیناتی اور ابوالحسن الصائغ الدینوری کے شاگرد تھے۔ ایک سو دس سال عمر پا کر ۳۸۰ھ میں وفات پائی (نفحات الانس: ۲۱۷ ز تحفۃ الابرار۔ جدول ۶: ۱۳)

(۹۵۱) ابوالخیر تیناتی: تیناست انطاکیہ کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ دراصل مغرب کے رہنے والے تھے۔ انہیں ابوالخیر الاقطع بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا اصلی نام عباد بن عبداللہ ہے چونکہ ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ اس لئے الاقطع کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ انطاکیہ کے پہاڑوں میں رہا کرتے تھے اور وہاں جو مباح چیزیں ملجاتیں کھا لیا کرتے۔ انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پہاڑ کے پھلوں میں سے صرف وہی پھل کھائیں گے جو ہوا سے گر جائیں گے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ کئی دن تک کوئی پھل نہ گرا۔ ایک دن ناشپاتی کا درخت دیکھا۔ ناشپاتی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مگر نہ توڑی۔ ہوا کے جھونکے سے ایک ناشپاتی اس کی طرف جھک گئی۔ تو انہوں نے ایک لے لی۔ اتفاقاً ڈاکوؤں نے کہیں ڈاکہ ڈالا تھا۔ اور وہاں مال تقسیم کرنے کے لئے ٹھہر گئے تھے۔ حاکم کو اطلاع ملی تو ان سب کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہو گئے۔ ان سب کے ہاتھ اور پاؤں

کاٹ دیئے گئے۔ ان کا ایک ہاتھ ابھی کٹا تھا اور پاؤں کاٹنے لگے تھے کہ ایک شخص نے انھیں پہچان لیا۔ اور کہا یہ تو ابو الخیر ہیں۔ اس پر اُس نے ان سے معافی چاہی اور انھوں نے معاف کر دیا۔ اور فرمایا مجھے معلوم ہے کہ میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ ۳۴۹ھ میں وفات پائی (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۵۶ - ۲۵۷ و معجم البلدان ۲: ۶۸)

(۹۵۲) قرامطہ کا یہ حملہ ۳۱۷ھ میں ابو طاہر سلیمان بن حسن بن بہرام الجنابی القرامطی کی قیادت میں ہوا۔ انھوں نے ایک ہفتہ تک مکہ میں قتل و غارت کا عالم برپا رکھا۔ اور ایک لاکھ اونٹوں پر لوٹ مار کا مال لاد کر روانہ ہو گئے۔ جاتے جاتے حجر اسود بھی ساتھ لے گئے۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۷۴) (۹۵۳) ابو علی بن الکاتب: ابو علی الحسن بن احمد المعروف بہ ابن الکاتب۔ مصر کے کبار صالحین اور مشائخ میں سے تھے۔ ابو علی رود باری کی صحبت میں رہے ۳۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۹۴ - ۲۹۵) (۹۵۴) ابن الجوزی نے اس واقعہ کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۸۳

(۹۵۵) محمد بن داؤد: ابو بکر محمد بن داؤد بن سلیمان النیشاپوری شیخ الصوفیۃ حافظ اور ثقہ ہیں۔ انھوں نے کثرت سے حدیث روایت کی ۳۴۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۳۶۵)

(۹۵۶) محمد بن حسین بسطامی: ابو عمر محمد بن الحسین بن محمد البسطامی الفقیہ الشافعی نیشاپور کے قاضی اور شافعیہ کے شیخ تھے۔ انھوں نے کثرت سے حدیث سنی۔ پہلے وعظ کی مجلس منعقد کیا کرتے۔ پھر درس مناظرہ اور فتویٰ کی طرف لگ گئے۔ پھر ۳۸۸ھ میں نیشاپور کے قاضی بنے۔ انھیں علم و جاہ میں سہل صعلوکی کی طرح سمجھا جاتا۔ پھر باہمی رشتہ ہو گیا۔ ۴۰۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۳: ۱۸۷) (۹۵۷) محمد بن الحسین البغدادی: محمد بن الحسن البغدادی پڑھیں۔

(۹۵۸) خلق کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج افکار القدسیہ: ۳: ۱۸۵ و احیاء القلوب: ۲: ۲۲۹ - ۲۳۱ و احیاء علوم الدین: ۳: ۴۸ - ۶۱ (۹۵۹) ہشام

بن محمد بن غالب۔ رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی دیا ہے۔ شرح انصاری
میں ہے کہ ایک نسخہ میں ہشام کی بجائے تمتام دیا ہے۔ مگر پھر بھی تصحیح نہیں کہہ سکتے
صحیح تمتام محمد بن غالب (تمتام اور محمد کے درمیان ابن کا لفظ نہیں ہونا چاہیئے
کیونکہ محمد بن غالب بن حرب کا لقب "تمتام" ہے) پورا نام ابوجعفر محمد بن غالب بن حرب
الضبی التمار المعروف بہ تمتام۔ پیدائش ۱۹۳ھ اور وفات ۲۸۳ھ میں ہوئی
(تاریخ بغداد: ۳: ۱۴۳-۱۴۶ و تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۷۲)

(۹۶۰) معلی بن مہدی الموصلی دراصل بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر موصل میں رہائش
اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے ابوعوانہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے علی بن الحسین بن الجنید
وغیرہ نے۔ ابوحاتم رازی نے ان کا زمانہ پایا ہے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۳۳۵)

(۹۶۱) بشار بن ابراہیم النمیری۔ رسالہ اور شرح انصاری میں نمیری ہی دیا ہے مگر درست ابوعمل
بشار بن ابراہیم النمری ہے۔ انھوں نے غیلان بن جریر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے معلی
بن مہدی البصری وغیرہ نے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۴۱۶) (۹۶۲) غیلان
بن جریر المعولی۔ بصری ہیں۔ انھوں نے حضرت انس وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے
قتادہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۱۲۹ھ میں وفات پائی (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق
۲: ۵۲-۵۳ و تاریخ الاسلام: ۵: ۱۲۱)

(۹۶۳) واصفی: واسطی پڑھیں۔ جیسا کہ شرح انصاری میں ہے (۹۶۴) الحسین
بن احمد بن جعفر۔ الحسین بن احمد بن جعفر ابوعبداللہ الرازی متوفی ۳۱۷ھ (طبقات الصوفیہ
: ۳۱۹) (۹۶۵) عبداللہ بن محمد رازی: ابومحمد عبداللہ بن محمد الرازی الشعرانی متوفی ۳۵۳ھ

(۹۶۶) احنف بن قیس بن معویہ ابوبحر التمیمی۔ کبار تابعین اور اشراف تابعین میں سے
ہیں۔ ان کا اصل نام ضحاک یا صخر تھا۔ مگر چونکہ پاؤں میں کجی تھی۔ اس لئے احنف کہلائے۔
اور یہی نام مشہور ہو گیا۔ ان کے حلم کی مثال دیجاتی ہے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ یہ اور
ان کی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان لائی۔ مگر آپ کی خدمت میں
حاضر نہ ہو سکے۔ ثقہ، مامون اور قلیل الحدیث ہیں۔ بقول ذہبی ان کی وفات ۷۱ھ میں
ہوئی۔ اور بقول ابن العماد ۷۲ھ میں (شذرات الذہب: ۱: ۷۸، صفۃ الصفوۃ:

۲: ۱۷۳ و تاریخ الاسلام: ۳: ۱۲۹ - ۱۳۳) (۹۶۷) قیس بن عاصم: ابو علی قیس بن عاصم المنقری ۹ھ میں بنی تمیم کے وفد کے ساتھ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔ آنحضرت ؐ نے انھیں "سید اہل الوبر" کا خطاب دیا یہ بڑے عقلمند تھے۔ اور اپنے حلم کی وجہ سے مشہور تھے۔ اسلام لانے سے پہلے ہی شراب نوشی ترک کر رکھی تھی (اسد الغابہ: ۴: ۲۱۹ - ۲۲۱) (۹۶۸) اویس قرنی: اویس بن عامر بن جزء المرادی القرنی الزاہد۔ یہ سید التابعین ہیں۔ ۳۷ھ میں صفین کی جنگ میں حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اپنی والدہ کے بہت خدمت گذار تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں عشق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا تھا کہ اویس سے درخواست کریں کہ وہ امت کے لئے دعا کریں (تاریخ الاسلام: ۲: ۱۷۳ - ۱۷۵: ۱: ۲۳۰ و حلیۃ الاولیاء: ۲: ۷۹ - ۸۷۔ شذرات الذہب: ۱: ۴۶)

(۹۶۹) یحییٰ بن زیاد الحارثی: یحییٰ بن زیاد بن عبید اللہ بن عبد اللہ الحارثی۔ یہ شاعر اور ادیب تھے۔ انکی پھوپھی ریطہ بنت عبید اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کی بیوی تھیں۔ انہی سے السفاح پیدا ہوئے۔ لہٰذا یحییٰ بن زیاد ابوالعباس سفاح کا پھوپھی زاد بھائی ہوا ان کی ایاس بن مطیع۔ حماد عجرد اور والبۃ بن الحباب کے ساتھ دوستی تھی۔ سفاح اور مہدی کی تعریف میں اُن کے مدحیہ قصائد ہیں (تاریخ بغداد: ۱۴: ۱۰۶ - ۱۰۷) (۹۷۰) عبد اللہ خیاط: ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن حمید الخیاط المعروف بہ امام۔ انہوں نے عاصم بن علی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو بکر اسماعیلی وغیرہ نے۔ ۲۹۹ھ تک زندہ تھے (تاریخ بغداد: ۱۰: ۱۰۲ - ۱۰۳) (۹۷۱) معاذ بن المثنیٰ: ابو المثنیٰ معاذ بن ابو المثنیٰ العنبری۔ بغداد میں رہے۔ محمد بن کثیر العبدی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن علی ابار وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۸۸ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۳: ۱۳۶ - ۱۳۷) (۹۷۲) یحییٰ بن معین: ابو زکریا یحییٰ بن معین المری انھوں نے عبد اللہ بن مبارک وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ امام حافظ عالم ربانی اور ثبت تھے۔ امام احمدؒ ان کی بہت تعظیم کیا کرتے۔ کبھی

ان کا نام نہ لیتے صرف کنیت سے پکارتے۔ ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۳ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۴: ۷۷۱ - ۷۸۷ و شذرات الذہب ۲: ۷۹، ۷۷) (۹۷۳) مروان الفزاری: ابوعبداللہ مروان بن معاویہ الفزاری الکوفی الحافظ۔ ابواسحٰق فزاری کے چچازاد بھائی ہیں۔ مکہ اور دمشق میں رہے۔ انھوں نے یزید بن کیسان وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے احمد بن محمد بن حنبل وغیرہ نے۔ ثبت، حافظ اور ثقہ تھے۔ ان کی موت ۱۹۳ھ میں اچانک واقع ہوئی (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۹۶ - ۹۸) (۹۷۴) یزید بن کیسان ابواسمٰعیل یزید بن کیسان الیشکری الکوفی انھوں نے ابوحازم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مروان وغیرہ نے۔ صدوق اور ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۵۶) (۹۷۵) ابوحازم: ابوحازم سلمان الاشجعی الکوفی۔ یہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یزید بن کیسان وغیرہ۔ ثقہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پانچ سال ابوہریرہ کی صحبت میں رہے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں فوت ہوئے (تاریخ الاسلام: ۴: ۷۴ و تہذیب التہذیب: ۴: ۱۴۰) (۹۷۶) جود و سخا کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۳: ۱۹۵ و احیاء علوم الدین: ۳: ۲۳۷ تا ۲۴۲ و سراج القلوب: ۱: ۹۱ - ۹۳) (۹۷۷) الحسن بن العباس: ابوعلی الحسن بن العباس بن ابی مہران المقرئی الرازی المعروف بہ الجمال۔ بغداد میں رہے۔ اور وہاں سہل بن عثمان العسکری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے یحیٰی بن محمد بن صاعد وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ دارالقطن کی غربی جانب رہا کرتے تھے۔ پھر کرخایا چلے گئے۔ اور وہیں ۲۸۹ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۷: ۳۹۷) (۹۷۸) سہل: ابومسعود سہل بن عثمان بن فارس الکندی العسکری الحافظ۔ انھوں نے ری میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ یزید بن زریع وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے مسلم وغیرہ نے۔ صدوق اور ثقہ تھے۔ ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۴: ۲۵۵ - ۲۵۶، کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲ ق ۱: ۲۰۳) (۹۷۹) سعید بن مسلم بن بانک المدنی۔ ابومصعب انھوں نے سالم بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے قعنبی وغیرہ نے، صالح اور ثقہ تھے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۱: ۶۴ و تہذیب التہذیب: ۴: ۸۲ - ۸۳) (۹۸۰) ابوسعید یحیٰی بن سعید الانصاری مراد ہیں۔ انھوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے سفیان ثوری وغیرہ نے۔ قاضی اور مفتی تھے۔ ہاشمیہ میں ۱۴۳ھ میں

وفات پائی۔ ثقہ، کثیر الحدیث اور ثبت تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۱۴۷-
۱۴۹ و تہذیب التہذیب ۱۱: ۲۲۱-۲۲۴) (۹۸۱) محمد بن ابراہیم ابو عبداللہ
محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی۔ انھوں نے علقمہ بن وقاص وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے
یحیی بن سعید انصاری وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ اور کثیر الحدیث تھے۔ سنہ ۱۲۰ھ میں وفات ہوئی
(تہذیب التہذیب ۹: ۵-۷، وکتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲: ۸۴) (۹۸۲) علقمہ۔
علقمہ سے مراد علقمہ بن وقاص ہیں۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ اور
دیگر صحابہ سے روایت کی۔ ان سے محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی وغیرہ نے۔ تابعی اور ثقہ تھے۔
یہ قلیل الروایۃ ہیں (تاریخ الاسلام ۳: ۱۹۳ و تہذیب التہذیب ۷: ۲۸۰-۲۸۱ و
کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۴۰۴)

(۹۸۳) اسماء بن خارجۃ: اسماء بن حارثہ پڑھیں۔ یہ صحابی ہیں اور اصحاب صفہ
میں سے تھے۔ اُن کی وفات بصرہ میں امیر معاویہ کے عہد میں زیاد کی گورنری کے زمانہ
میں ہوئی۔ اور زیاد کی وفات سنہ ۵۳ھ میں ہوئی (اسد الغابہ ۱: ۷۸-۷۹ و کتاب
الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۳۲۵) (۹۸۴) مورق العجلی: ابو المعتمر مورق المشمرج
العجلی۔ انھوں نے حضرت عمرو وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے قتادہ وغیرہ نے۔ ثقہ
اور عابد تھے۔ عراق میں عمر بن ہبیرہ کے عہد میں سنہ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب
۱۰: ۳۳۱-۳۳۲ و صفۃ الصفوۃ ۳: ۱۷۳-۱۷۵) (۹۸۵) منبج: شام میں
قدیم شہر ہے۔ اور یاقوت کے خیال میں یہ رومی لفظ ہے۔ (معجم البلدان ۵: ۲۰۵)
(۹۸۶) حکم بن مطلب الحکم بن المطلب بن عبداللہ بن المطلب بن حنطب المخزومی المدنی یہ اشراف میں سے
تھے۔ اور منبج میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے
اور ان سے ان کے بھائی عبدالعزیز وغیرہ نے۔ دار قطنی انھیں معتبر قرار دیتے ہیں۔
بہت سخی تھے۔ شعراء نے اُن کی مدح میں قصائد کہے ہیں (تاریخ الاسلام ۵: ۲۲۶)
(۹۸۷) غلام الخلیل: ابو عبداللہ احمد بن محمد بن غالب الباہلی البصری المعروف بہ
غلام الخلیل۔ انھوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ قرۃ بن حبیب وغیرہ سے

روایت کی اور ان سے محمدؒ بن مخلد وغیرہ نے۔ انھوں نے احادیث مناکیر کی روایت
کی ہے۔ مگر من گھڑت باتیں کرنے والے نہ تھے۔ صالح تھے۔ فصیح و بلیغ تھے۔ اور
عالم تھے۔ ۲۷۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی نماز جنازہ میں کثیر التعداد لوگوں نے شرکت کی
(المنتظم: ۵: ۹۵ - ۹۶ و تاریخ بغداد: ۵: ۷۸ - ۸۰) (۹۸۸) ابوثور: ابوثور
ابراہیم بن خالد الکلبی الفقیہ - انھوں نے سفیان بن عُیینہ وغیرہ سے روایت کی اور
اُن سے ابوداؤد سجستانی وغیرہ - ثقہ اور ائمہ دین میں سے تھے۔ کئی ایک کتابوں کے
مصنف ہیں۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد: ۶: ۶۵ - ۶۹) (۹۸۹)
علی بن فضیل: علی بن فضیل بن عیاض التمیمی الیربوعی۔ انھوں نے عباد بن منصور وغیرہ سے
روایت کی اور اُن سے ان کے باپ نے اور دیگر اصحاب نے۔ ان پر خوف غالب
تھا۔ نہایت پرہیزگار تھے۔ اپنے والد کی زندگی میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۷:
۴۷۳) (۹۹۰) جبلہ بن سُحیم: جبلہ بن سُحیم التیمی - ابوسریرہ الکوفی۔ انھوں نے ابن عمر
وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابواسحٰق سبیعی وغیرہ نے۔ ثقہ اور صالح الحدیث ہیں۔
سنہ ۱۲۵ھ یا سنہ ۱۲۶ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۲: ۶۱ - ۶۲) (۹۹۱) عبیداللہ
بن ابی بکرۃ: عبیداللہ بن ابی بکرۃ - ابوبکرۃ کا نام نُفیع بن الحارث ہے۔ یہ معاویہؓ کی طرف
سے فساد کی آگ بجھانے کے لئے اصفہان آئے۔ اور وہاں سے سجستان گئے۔ اور چار
کروڑ درہم حاصل کئے۔ ایک ماہ گذرنے پر سب کچھ خرچ بھی ہو گیا اور پھر قرض مزید
لیا۔ یوسف بن عمر کے عہد میں سنہ ۱۲۰ھ میں اصبہان کے حاکم بنے (اخبار اصبہان: ۲: ۹۹:
۱۰۰) (۹۹۲) قیس بن سعد بن عبادۃ - ابوالفضل قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری
الخزرجی۔ فضلاء صحابہ اور زیرک لوگوں میں سے تھے۔ سخی تھے اور جنگ کی چالوں سے
خوب واقف تھے۔ ان کی سخاوت کے بہت سے قصے ہیں۔ حضرت علی کی طرف سے
پہلے مصر کے حاکم مقرر ہوئے۔ پھر معزول کر دیئے گئے۔ سنہ ۵۹ھ میں وفات پائی (اسد الغابۃ:
۴: ۲۱۵) (۹۹۳) عبداللہ بن جعفر: عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب الہاشمی - انھوں
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے ان کے

بیٹوں معاویہ اسحٰق اور اسمٰعیل وغیرہ نے اپنی سخاوت کی وجہ سے مشہور تھے۔ نوّے سال کی عمر میں ۸۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۵ : ۱۷۰-۱۷۱) (۹۹۴) مطرف بن شخیر : ابوعبداللہ مطرف بن عبداللہ بن الشخیر۔ جب گھر میں داخل ہوتے تو ان کے گھر کے برتن ان کے ساتھ تسبیح بیان کرتے۔ حسن بصری سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ ان کا یہ قول صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۱۴۸ پر دیا ہے ۸۶ھ کے بعد وفات پائی (صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۱۴۴-۱۴۹) (۹۹۵) ابوسہل صعلوکی : ابوسہل محمد بن سلیمان العجلی الصعلوکی۔ نسباً حنفی مگر مذہباً شافعی تھے۔ یکتائے روزگار تھے ان کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ۳۶۹ھ میں وفات پائی (نفحات الانس : ۲۸۷-۲۸۸ و شذرات الذہب : ۳ : ۶۹-۷۰)

(۹۹۶) لیث بن سعد : ابوالحارث لیث بن سعد۔ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت سخی تھے۔ ان کی سخاوت کے قصے مشہور ہیں۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے ۱۷۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۱ : ۲۸۵-۲۸۶ و صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۲۸۱-۲۸۵ و تاریخ بغداد : ۱۳ : ۳-۱۴) یہاں جو قصہ بیان کیا گیا ہے۔ خطیب نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو تاریخ بغداد : ۱۳ : ۸ (۹۹۷) اشعث : شرح زکریا انصاری میں ہے کہ یہ اشعث بن قیس ہیں۔ اشعث بن قیس صحابی ہیں۔ ردّہ میں مرتد ہوئے پھر توبہ کی اور ابوبکر صدیق کی ہمشیرہ سے شادی کی۔ بہت سخی تھے اور عمرو بن معدیکرب کے ساتھی تھے۔ ۴۰ھ میں کوفہ میں وفات پائی (شذرات الذہب : ۱ : ۴۹ و انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ : ۶۹۶-۶۹۷) (۹۹۸) ابراہیم بن جنید : ابواسحٰق ابراہیم بن جنید الختلی۔ یہ یحییٰ بن معین کے شاگردوں میں سے تھے۔ سامرا میں رہائش کی اور زہد اور رقائق میں تصانیف کیں۔ ثقہ تھے ۲۶۰ھ کے قریب فوت ہوئے۔ (طبقات الصوفیہ : ۸۴) (۹۹۹) عبداللہ بن عامر بن کریز : عبداللہ بن عامر بن کریز القرشی۔ یہ حضرت عثمان کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ حضرت عثمان کے عہد میں یہ بصرہ کے حاکم رہے۔ یہ ۲۹ھ کی بات ہے۔ اس وقت ان کی عمر چوبیس سال تھی۔ وہاں سے انھوں نے بہت سی فتوحات کیں۔ ان کا شمار عرب کے مشہور

سیخوں میں ہوتا ہے بـ ۵۷ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ ۳: ۱۹۱-۱۹۲)
(۱۰۰۰) ابو احمد حمزہ بن العباس البزاز: ابو احمد حمزہ بن محمد بن العباس الدہقان
انھوں نے محمد بن غالب تمتام وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے دارقطنی وغیرہ
نے۔ ثقہ تھے ۳۴۷ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد ۸: ۱۸۳ و شذرات الذہب
۲: ۳۷۵) (۱۰۰۱) عبد اللہ بن مسلم: رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے
مگر عبد اللہ بن مسلم نامی کوئی شخص نہیں جس سے محمد بن غالب بن حرب نے روایت
کی ہو۔ اسے عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبی پڑھیں ۲۲۱ھ میں وفات پائی (تہذیب
التہذیب ۶: ۳۱-۳۲) (۱۰۰۲) محمد بن الفرات: اصل کتاب اور شرح انصاری
میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر مجھے یہ نام غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ محمد بن الفرات نے
ابراہیم الہجری سے روایت نہیں کی۔ (۱۰۰۳) ابراہیم ہجری: ابراہیم بن مسلم العبدی
ابو اسحٰق الکوفی المعروف بہ الہجری۔ انھوں نے ابو الاحوص وغیرہ سے روایت
کی اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔ ان کو صرف اس لئے ضعیف کہا گیا ہے کہ یہ
موقوف حدیثوں کو مرفوع کر دیتے تھے (تہذیب التہذیب ۱: ۱۶۵-۱۶۶
(۱۰۰۴) ابو الاحوص: ابو الاحوص عوف بن مالک بن نضلۃ الجشمی الکوفی۔ انھوں
نے عبد اللہ بن مسعود وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مسروق وغیرہ نے۔ ثقہ
ہیں۔ خارجیوں نے انھیں قتل کر دیا تھا (تاریخ الاسلام ۳: ۳۱۴) (۱۰۰۵) عبد اللہ
سے مراد عبد اللہ بن مسعود ہیں۔ (۱۰۰۶) علی بن الحسن بن بنان: رسالہ اور شرح دونوں
میں "بنان" دونوں کے ساتھ دیا ہے۔ درست "بیان" ہے۔ باء اور یاء کے ساتھ۔
ابو الحسن علی بن الحسن بن بیان المقرئ المعروف بالباقلانی۔ انھوں نے عبد اللہ بن رجاء
وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابو سہل بن زیاد وغیرہ نے۔ یہ بغداد کے رہنے
والے اور ثقہ تھے۔ تمتام کے ہمسایہ تھے۔ ۲۸۴ھ میں انتقال ہوا (تاریخ بغداد
۱۱: ۳۷۵) (۱۰۰۷) عبد اللہ بن رجاء: ابو عمرو عبد اللہ بن رجاء الغدانی،
انھوں نے عکرمۃ بن عمار وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔
صدوق اور ثقہ تھے۔ بخاری نے ان سے پندرہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۲۱۹ھ میں

وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۵: ۲۰۹-۲۱۰ و شذرات الذہب: ۲: ۴۷) (۱۰۰۸) حرب بن شداد: ابو الخطاب حرب بن شداد الیشکری البصری العطار۔ بعض القطان اور بعض القصاب کہتے ہیں۔ انھوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی، اور اُن سے ابوداؤد طیالسی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں ۱۶۱ھ میں وفات ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ۲: ۲۲۴ و شذرات الذہب: ۱: ۲۵۱) (۱۰۰۹) یحییٰ بن ابی کثیر: ابو نصر یحییٰ بن ابی کثیر الطائی الیمامی۔ انھوں نے ابوسلمہ وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے حرب بن شداد وغیرہ نے۔ ثقہ تھے اور اصحاب الحدیث میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۲۹ھ میں وفات ہوئی (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۲۶۸-۲۷۰) (۱۰۱۰) ابوسلمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ بعض عبداللہ بتاتے اور بعض اسمٰعیل۔ انھوں نے ابوہریرہ اور دیگر صحابہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ نے۔ ثقہ فقیہ اور کثیر الحدیث تھے۔ بہتّر سال کی عمر میں ۹۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۱۱۵-۱۱۸)

(۱۰۱۱) عباس زوزنی: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے مگر درست ابو العباس زوزنی ہے۔ مکمل نام ابو العباس الولید بن احمد بن محمد الولید الزوزنی ہے۔ انھوں نے حدیث کی تلاش میں سفر کیے۔ اور ابو محمد بن ابی حاتم وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے حاکم اور ابو عبدالرحمٰن السلمی وغیرہ نے۔ ان کا شمار علماء صوفیہ اور عابدوں میں ہوتا ہے۔ ۳۷۶ھ میں وفات پائی (معجم البلدان: ۳: ۱۵۸ و تاریخ اصبہان: ۲: ۳۳۵) (۱۰۱۲) ابو زید الفقیہ المروزی: ابو زید محمد بن احمد بن عبداللہ بن محمد الفقیہ المروزی۔ ائمہ مسلمین میں سے تھے۔ مذہب شافعی کے حافظ تھے اور زہد و ورع کے اعتبار سے مشہور تھے۔ آخری عمر میں مکہ میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ ۳۷۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱: ۳۱۴ و البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۹۹ و شذرات الذہب: ۳: ۷۶: المنتظم: ۷: ۱۱۲) (۱۰۱۳) محمد بن حسان: ابو عبید محمد بن حسان البُسری۔ بُسری نسبت ہے بُسر کی طرف جو کہ حوران کی ایک بستی ہے۔ ابو عبید بسری قدیم

مشائخ شام میں سے ہیں۔ یہ ابو تراب نخشبی کی صحبت میں رہے۔ ۲۴۵ھ میں وفات پائی (نتائج الافکار القدسیہ : ۱ : ۱۶۱) (۱۰۱۴) ابن الجوزی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفتہ الصفوۃ : ۴ : ۳۱۴)

(۱۰۱۵) اس واقعہ کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف : ۴ : ۱۸۸ (۱۰۱۶) قصہ یوں ہے کہ ایک بدوی نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر پیشاب کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے۔ بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد کے احترام سے ناواقف تھا۔ صحابہ کو یہ بات ناگوار ہوئی انھوں نے بدوی کو پیشاب کرنے سے روکنا چاہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو منع فرمایا اور حکم دیا کہ مسجد میں پانی بہا دیا جائے۔

(۱۰۱۷) ابوالحسن خرقانی : ابوالحسن علی بن جعفر خرقانی۔ یگانۂ روزگار اور غوثِ وقت تھے۔ تصوف میں ان کی نسبت بایزید بسطامی سے ہے، حالانکہ بایزید بسطامی ان سے کافی مدت پہلے وفات پا چکے تھے۔ انھیں اُن سے روحانی فیض حاصل تھا۔ ۴۲۵ھ میں وفات پائی (نفحات الانس : ۲۷۵ - ۲۷۶) یاقوت حموی فرماتے ہیں۔ خَرَقان بالتحریک استرآباد کے راستہ بسطام کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے۔ جہاں ابوالحسن علی بن احمد (جامی نے جعفر دیا ہے) کی قبر ہے۔ یہ صاحب کرامات ہیں۔ انھوں نے ۷۳ سال کی عمر ۴۲۵ھ میں وفات پائی (معجم البلدان : ۳ : ۳۶۰) (۱۰۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت باوجود عظیم ترین ہونے کے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت کے سامنے ہیچ ہے مگر پھر بھی ایک مسلمان کو اس قسم کے الفاظ کہنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ چونکہ اچھے نہیں اس لئے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے اس قسم کے الفاظ نہیں کہنے چاہیئں (شرح انصاری : ۳ : ۲۰۷) (۱۰۱۹) ولایت کی بحث کیلئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۲۰۸ - ۲۰۹ و شرح تعرف : ۳ : ۱۹ - ۲۳ و حیات القلوب : ۲ : ۲۸۶ - ۲۸۸ (۱۰۲۰) عبدالرحمن بن عدی الحافظ : ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی الحافظ الکبیر۔ یہ ابن القطان کے نام سے مشہور ہیں۔ کتاب الکامل

فی الجرح والتعدیل" کے مصنف ہیں یہ اپنے زمانہ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے ۲۹۰ھ میں حدیث سننا شروع کی۔ پہلا سفر ۲۹۶ھ میں اختیار کیا۔ بہلول بن اسحٰق الانباری وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابوالعباس بن عقدہ وغیرہ نے۔ حافظ اور ثقہ تھے اور یکتائے روزگار تھے۔ ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۴۳-۱۴۵ و تاریخ جرجان: ۲۲۵-۲۲۷ و شذرات الذہب: ۳: ۵۱ و البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۸۳) (۱۰۲۱) ابوبکر محمد بن ہارون بن حمید: ابوبکر محمد بن ہارون بن حمید البیع المعروف بہ ابن المجدّر انھوں نے بشر بن الولید الکندی وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن سے محمد بن خلف بن حیان وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ان میں امیر المومنین علی بن ابی طالب سے انحراف پایا جاتا تھا۔ یعنی خارجی میلانات پائے جاتے تھے۔ ۳۱۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۳۵۷) (۱۰۲۲) محمد بن ہارون المقرئی: محمد بن ہارون المقرئی جو السّواق کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے یحییٰ بن ایوب وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ابوالقاسم النحاس المقرئی نے (تاریخ بغداد: ۳: ۳۵۵-۳۵۶) (۱۰۲۳) حماد الخیاط: ابوعبداللہ حماد بن خالد الخیاط القرشی۔ دراصل مدینہ کے تھے مگر بغداد میں رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ اور وہاں مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ اُمی تھے۔ لکھنا نہیں جانتے تھے مگر پڑھ لیتے تھے (تاریخ بغداد: ۸: ۱۴۹-۱۵۱ و تہذیب التہذیب: ۳: ۷-۸) (۱۰۲۴) عبدالواحد بن میمون۔ ابوحمزہ عبدالواحد بن میمون المدینی۔ انھوں نے عروۃ بن الزبیر سے روایت کی ہے۔ ان سے حماد بن خالد خیاط وغیرہ نے روایت کی۔ معروف الحدیث بھی ہیں۔ اور منکر الحدیث بھی (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۲۴ و التاریخ الکبیر: ج ۳ ق ۲: ۵۸) (۱۰۲۵) عروۃ: عروہ سے مراد ابوعبداللہ عروۃ بن الزبیر بن العوام القرشی المدنی ہیں۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔ اور اُن سے اُن کے بیٹوں اور پوتوں اور دیگر اشخاص نے۔ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے فقہ دین حاصل کی۔ حافظ حدیث تھے۔ ثبت تھے۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (تذکرۃ الحفاظ: ۱:

۵۸-۵۹ : تاریخ الاسلام : ۴ : ۳۱-۴۳ و تہذیب التہذیب : ۷ : ۱۸۰-۱۸۵)

(۱۰۲۶) ابو بکر صیدلانی : جامی فرماتے ہیں کہ یہ جلیل القدر مشائخ میں سے تھے، شبلی ان کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ پھر وہی واقعہ دیا ہے جو یہاں ابو بکر طمستانی کے متعلق دیا ہے (نفحات الانس : ۱۷۹- جامی نے ابو بکر طمستانی کا الگ حال دیا ہے (ص ۱۸۲) مگر وہاں یہ واقعہ نہیں لکھا۔

(۱۰۲۷) بالفاظ دیگر ولی کسقدر بھی بلند ہو جائے، درجۂ ثبوت تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۰۲۸) دعاء کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: نتائج الافکار القدسیہ : ۳ : ۲۱۸-۲۱۹ : احیاء العلوم الدین : ۱ : ۳۱۱-۳۱۷)

(۱۰۲۹) محمدؒ بن احمدؒ العودی : رسالہ اور شرح دونوں میں العودی ہی دیا گیا ہے۔ مگر میرے خیال میں یہ ابو الحسن محمدؒ بن احمدؒ انصاری العیدی القاضی ہیں۔ انھوں نے المعافی بن سلیمان سے حدیث سنی اور ان سے الحسین بن اسمٰعیل المحاملی نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۱ : ۲۸۱-۲۸۲)

(۱۰۳۰) کامل : کامل سے مراد ابو یحییٰ کامل بن طلحۃ الجحدری البصری ہیں۔ انھوں نے بغداد میں سکونت کر لی تھی۔ عبداللہ بن لہیعہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے حنبل بن اسحٰق وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۳۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۱۲ : ۴۸۵-۴۸۷ و تہذیب التہذیب : ۸ : ۴۰۸-۴۰۹)

(۱۰۳۱) ابن لہیعہ یا لہیعہ : عبداللہ بن لہیعہ بن عقبۃ الحضرمی المصری الفقیہ۔ ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔ انھوں نے اعرج وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ آخر عمر میں ان کی عقل میں فتور آ گیا تھا۔ اس لئے ان کی روایت میں بھی خلل پیدا ہو گیا اس وجہ سے بعض نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ مزید براں ۱۷۰ھ میں ان کی کتابیں جل گئی تھیں۔ ان کی ولادت ۹۶ھ میں ہوئی اور وفات ۱۷۴ھ میں (تہذیب التہذیب : ۵ : ۳۷۳-۳۷۹ و شذرات الذہب : ۱ : ۲۸۳-۲۸۴)

(۱۰۳۲) خالد بن یزید : خالد بن یزید مولی ابن ابی الصبیغ الاسکندرانی المصری۔ انھوں نے سعید بن ابی ہلال وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن لہیعہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں (کتاب الجرح والتعدیل

ج ا ق ۲: ۳۵۸) (۱۰۳۳) سعید بن ابی ہلال: ابوالعلاء سعید بن ابی ہلال اللیثی المصری۔ دراصل مدینہ کے بتائے جاتے ہیں۔ انھوں نے مرسل طور پر حضرت انس سے روایت کی۔ اور ان سے خالد بن یزید مصری وغیرہ نے ۷۰ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳ھ یا ۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۴: ۹۴، ۹۵)

(۱۰۳۴) ابو عمرو عثمان بن احمد البغدادی الدقاق المعروف بہ ابن السماک۔ مسند بغداد میں۔ اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ ان کی تصانیف ہیں ۳۴۴ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۲: ۳۶۶ و تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۰۲۔ ۳۰۳) (۱۰۳۵) بشر بن عبد الملک: ابو یزید بشر بن عبد الملک الکوفی۔ ساکن بصرہ۔ انھوں نے عون بن موسیٰ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو حازم اور ابو زرعہ نے شیخ ہیں (کتاب الجرح والتعدیل: ج ا ق ا: ۳۶۲)

(۱۰۳۶) سعد، کئی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم کا نام سعد ہے۔ شاید یہاں مراد سعد بن عبادہ یا سعد بن معاذ سے ہے۔ سعد بن عبادہ نے ۱۱ھ میں وفات پائی۔ اور سعد بن معاذ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ ان کی موت پر عرش ہل گیا تھا۔ (اسد الغابہ: ۲: ۲۹۶۔ ۲۹۹ و ۳: ۲۸۳۔ ۲۸۵)

(۱۰۳۷) یعقوب بن اللیث: یعقوب بن اللیث الصفار۔ خاندان صفاریہ کا بانی۔ اس کے بعد اس کا بھائی عمرو بن اللیث بادشاہ بنا۔ یہ ٹھٹھیار تھے۔ بڑے بہادر تھے۔ سجستان میں صالح بن النضر خارجیوں کے خلاف جنگ کرنے پر مقرر ہوئے تھے۔ یہ بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔ رفتہ رفتہ یہ بادشاہ بن گئے۔ یعقوب کی موت قولنج سے ہوئی۔ طبیب نے حقنہ کرانے کو کہا مگر یہ راضی نہ ہوا۔ ۲۶۵ھ میں جندیسا پور میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۵۰۔ ۱۵۱ و ابن خلکان: ۵: ۴۴۴۔ ۴۷۶) (۱۰۳۸) صالح مری: ابو بشر صالح بن بشیر القاری المعروف بہ المری۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ حسن بصری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے شجاع بن ابی نصر البلخی وغیرہ نے۔ صالحین میں سے تھے۔ ۱۷۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۳۰۵۔ ۳۱۰ و صفۃ الصفوۃ:

۳: ۲۶۵ - ۲۶۶ (۱۰۳۹) ابی نافع: رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر شرح انصاری میں عقبہ بن نافع ہے۔ عقبہ بن نافع بن عبد قیس القرشی الفہری الامیر۔ جب مصر فتح ہوا تو عمرو بن العاص نے ایک فوج اردگرد کے علاقوں کو فتح کرنے کے لئے روانہ کی۔ اور عقبہ کو بھی ان میں بھیجا۔ مسلمان نوبہ کے علاقہ میں گئے اور سخت جنگ ہوئی۔ نوبیوں نے خوب تیراندازی کی۔ جس کی وجہ سے اکثر لوگوں کی آنکھیں پھوٹ گئیں۔ یہ مستجاب الدعاء تھے۔ یزید نے انھیں ۶۲ھ میں افریقہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ (تاریخ الاسلام:

۴۹۳: ۵۰۰ - ۵۰) (۱۰۴۰) محمد بن خزیمہ: ابو بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ السلمی النیساپوری الحافظ شیخ الاسلام تھے اور صاحب تصانیف ہیں۔ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علی بن حجر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ حافظ حدیث اور ثبت ہیں۔ مزنی سے فقہ پڑھی۔ اپنے زمانہ میں معدوم النظیر تھے۔ ۳۱۱ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب:

۲: ۲۶۲-۲۶۳) (۱۰۴۱) عبد الرحمٰن بن احمد: ابو عبد اللہ عبد الرحمٰن بن احمد المعروف بہ ابن الختلی۔ انھوں نے اپنے باپ سے حدیث سنی اور ان سے ابو الحسن دارقطنی وغیرہ نے۔ یہ صاحب حدیث ثقہ۔ اور اپنے حافظہ کے لحاظ سے مشہور تھے۔ کئی ماہ تک بغیر کتابوں کے حدیث کی روایت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی کتابیں آگئیں۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۲۹۰) اسی زمانہ کے ایک اور شخص بھی ہیں جن کا نام ابو بکر عبد الرحمٰن بن احمد بن سعید الانماطی المروزی ہے۔ یہ حج کرنے کی نیت سے ۳۰۸ھ میں بغداد آئے۔ اور یحییٰ بن ماسویہ وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ اور حافظ تھے ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۲۹۶ - ۲۹۷) (۱۰۴۲) تقی بن مخلد: رسالہ اور شرح میں اسی طرح تا کے ساتھ دیا ہے۔ مگر درست بقی بن مخلد ہے۔ پورا نام ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد الاندلسی الحافظ الکبیر۔ انھوں نے مسند تالیف ہے جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہے۔ اسمیں انھوں نے ایک ہزار چھ سو صحابیوں سے روایت کی ہے۔ ابن حزم نے اس مسند کو مسند امام احمد بن حنبل پر ترجیح دی ہے مگر ابن کثیر نے ان سے اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے حدیث کی تلاش میں بہت سفر کئے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی حدیث سنی۔ عابد صالح زاہد اور مجاب الدعوۃ تھے۔ یہاں جو واقعہ دیا ہے اس کا ذکر ابن کثیر اور ابن الجوزی دونوں نے کیا ہے (المنتظم ۵: ۱۰۰-۱۰۱۔ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۵۶-۵۷ و

شذرات الذہب: ۲: ۱۶۹ و تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۸۴-۱۸۵) تذکرۃ الحفاظ
میں ان کی تاریخ وفات غلط دی ہے۔ وہاں ۷۰۶ھ دیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے
ان کی تاریخ ولادت ۷۰۱ھ دی گئی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج
۱: ۹۵۶-۹۵۷۔ انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ ان کی تفسیر کو ابن جریر کی تفسیر پر
ترجیح دی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ صرف مسند کے متعلق ذکر آیا ہے کہ اسے مسند
احمد پر ترجیح دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ (حوالۂ مذکور)

(۱۰۴۳) فقیر کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو قوت القلوب: ۲: ۱۹۲-۲۰۱ و
احیاء علوم الدین: ۳: ۲۵۸ و شرح تعرف: ۳: ۱۱۸-۱۲۵ و نتائج الافکار
القدسیہ: ۳: ۲۲۹-۲۳۰) (۱۰۴۴) ابو بکر محمد بن جعفر بن محمد بن الہیثم الانباری:
ابو بکر محمد بن جعفر بن محمد بن الہیثم بن عمران البندار۔ دراصل انبار کے رہنے والے تھے
۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے جعفر بن محمد الصائغ وغیرہ سے حدیث سنی صحیح السماع ہیں ۳۶۰ھ میں اچانک وفات ہوئی (المنتظم
۷: ۵۵ و البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۷۰) (۱۰۴۵) جعفر بن محمد الصائغ: جعفر بن محمد بن شاکر الصائغ۔ انہوں نے ابو نعیم
سے روایت کی۔ ثقہ اور مامون ہیں ۲۷۹ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ شذرات الذہب: ۲: ۱۷۴ و المنتظم
۵: ۱۴۰) (۱۰۴۶) قبیصہ ابو عامر قبیصہ بن عقبہ السوائی الکوفی۔ یہ سفیان بن عقبہ کے بھائی ہیں۔ سفیان ثوری وغیرہ
سے حدیث سنی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ صالح، ثقہ تھے ۲۱۵ھ یا ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ بغداد: ۱۲: ۴۷۳-۴۷۶ و شذرات الذہب: ۲: ۳۵ و تہذیب
التہذیب: ۸: ۳۴۷-۳۴۹) (۱۰۴۷) سفیان سے مراد سفیان ثوری ہیں۔
(۱۰۴۸) محمد بن عمرو علقمہ: ابو عبد اللہ محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص اللیثی۔ انہوں
نے ابو سلمہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے موسیٰ بن عقبہ وغیرہ نے۔ صالح الحدیث
ہیں۔ ۱۴۴ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۳۷۵-۳۷۷) (۱۰۴۹)
ابراہیم بن احمد بن محمد رجاء الغزاری: رسالہ اور شرح دونوں میں الغزاری دیا ہے۔
مگر درست الابزاری ہے۔ ابزار نیشاپور سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک بستی کا
نام ہے۔ ابراہیم بن احمد بن محمد رجاء الابزاری الوراق یہیں کے رہنے والے تھے۔

انھوں نے طلبِ حدیث میں بہت سفر کیے۔ چنانچہ ابوالقاسم البغوی اور محمد بن محمد الباغندی سے روایت کی۔ اور ان سے ابوعبداللہ الحاکم اور ابوعبدالرحمٰن سلمی وغیرہ نے۔ انھوں نے بہت احادیث جمع کیں۔ اور لمبی عمر پائی (معجم البلدان: ۱: ۲ ، ۷) (۱۰۵۰) عبداللہ بن جعفر بن احمد بن خشیش البغدادی: ابوالعباس عبداللہ بن جعفر بن احمد بن خشیش الصیرفی۔ انھوں نے یوسف بن موسیٰ القطان وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے محمد بن عبید اللہ بن الشخیر وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۳۱۸ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۹: ۴۲۸) (۱۰۵۱) عثمان بن معبد: عثمان بن معبد بن نوح۔ انھوں نے عمر بن ابی سلمۃ التنیسی وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابوبکر بن ابی الدنیا وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ آخر عمر میں بہرے ہو گئے تھے۔ ۲۶۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۱: ۲۹۰) (۱۰۵۲) عمر بن راشد: ابوحفص عمر بن راشد المدینی۔ انھیں الجاری بھی کہا جاتا ہے جار ساحلِ مدینہ کا نام ہے۔ یہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ کذاب مشہور تھے۔ موضوع احادیث کی روایت کرتے۔ (تہذیب التہذیب: ۷: ۴۴۶ و کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۱: ۱۰۸)

(۱۰۵۳) ابوبکر بن سمعان: ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ میرے خیال میں یہاں ابوبکر بن ابی سعدان ہونا چاہیے۔ ابوبکر احمد بن محمد بن محمد بن ابی سعدان البغدادی یہ جنید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ علم وفضل اور فصاحت و بیان میں لاثانی تھے۔ (طبقات الصوفیہ: ۴۲۰ و تاریخ بغداد: ۴: ۴۶۱) (۱۰۵۴) ابراہیم القصار: ابواسحٰق ابراہیم بن داؤد الرقی القصار۔ شام کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ جنید اور ابن الجلاء کے معاصر تھے۔ ان کی عمر بہت لمبی ہوئی۔ ۳۲۶ھ میں وفات پائی کمر طبقات الصوفیہ: ۳۱۹۔ نفحات الانس: ۱۶۱ و صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۶۹) اور وہ مواضع جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہی مراد ہیں مگر یاد رہے کہ اور شخص بھی ہیں جن کا نام ابراہیم بن حکیم القصار ہے۔ انھوں نے عبید اللہ بن عمر القواریری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن مخلد نے (تاریخ بغداد: ۶: ۵۶-۵۷) تیسرے

ایک اور ہیں۔ ابو اسحق ابراہیم بن عبد اللہ بن اسحق الاصبہانی المعروف بہ القصار۔
بڑے عبادت گذار زاہد اور پرہیز گار تھے۔ انھیں قصار اس لئے کہا گیا کہ یہ مردوں
کو غسل دیا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک سو تین کی عمر پا کر ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔
(تاریخ بغداد: ۶: ۱۲۷ و اخبار اصبہان: ۱: ۲۰۱) (۱۰۵۵) ربیع بن خثیم
اس نام کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ خُثَیم (خائے مضمومہ پھر ثاء مثلثہ مفتوحہ) بر وزن
فُعَیل مصغراً اور دوسرا خَیثَم (خاء مفتوحہ پھر یا پھر ثاء مثلثہ مفتوحہ) بر وزن فَعیَل۔
ربیع بن خثیم جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی کنیت ابو یزید ہے۔ زاہد اپنے زمانہ کے
علماء میں شمار ہوتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود کے خاص شاگرد تھے۔ اُن کے پاس اس وقت
بھی چلے جاتے جبکہ کسی اور کو جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی چنانچہ ایک بار حضرت
عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے دیکھ
لیتے تو ضرور تجھ سے محبت کرتے۔ ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب
التہذیب: ۳: ۲۴۲ و تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۵۴ - ۵۵ و تاریخ الاسلام: ۳:
۱۵ - ۱۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۳۶۵ - ۳۶۸ و کتاب الجرح والتعدیل ج ا ق ۲:
۴۵۹ و صفۃ الصفوۃ: ۳: ۳۱ - ۳۶ و حلیۃ الاولیاء: ۲: ۱۰۵ - ۱۱۸)
(۱۰۵۶) احمد بن علی: احمد بن علی بن الحسن بن شاذان المقری النیشاپوری المعروف
بہ ابن حسنویہ۔ یہ ابو عبد اللہ الحاکم اور ابو عبد الرحمن السلمی دونوں کے استاد تھے۔
(مقدمہ طبقات الصوفیہ: ۲۰) (۱۰۵۷) الحسن بن علویہ: ابو محمد الحسن بن علی بن محمد القطان
المعروف بہ ابن علویہ۔ انھوں نے عاصم بن علی وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن سے
ابو عمرو بن السماک وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۸ھ میں وفات
پائی (تاریخ بغداد: ۷: ۳۷۵) ایک اور صاحب ہیں جنکا نام حسن بن علویہ الدامغانی ہے اور جنہوں نے ۳۳۱ھ میں وفات پائی
(تاریخ جرجان: ۴۸۰) (۱۰۵۸) ابن الکریبی: ابو جعفر بن الکریبی الصوفی جنید کے معاصر اور بغداد کے صوفیاء میں سے
تھے۔ مخلوق سے بھاگتے تھے۔ انھوں نے جنید سے پہلے وفات پائی۔ جنید انکی وفات کے وقت موجود تھے
(تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۱۳ - ۴۱۵) (۱۰۵۹) عبد اللہ بن محمد الدمشقی: ابو القاسم

عبداللہ بن محمد الدمشقی ۔ یہ ابو عبدالرحمن السلمی کے استاد ہیں۔ نورالدین شریبہ نے
اُن کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (۱۰۶۰) ابراہیم بن المولد: ابوالحسن ابراہیم بن احمد بن محمد
المولد الرقی۔ زاہد صوفی اور واعظ تھے۔ انھیں شیخ الصوفیہ سمجھا جاتا تھا۔ جنید
کے شاگرد تھے۔ سلمی نے اُن کی کنیت ابواسحٰق لکھی ہے۔ ۳۴۲ھ میں وفات
پائی (طبقات الصوفیہ: ۴۱۰ اور وہ مواضع جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔)
(۱۰۶۱) ہلال بن محمد: ابوالفتح ہلال بن محمد الحفار۔ انھوں نے اسمٰعیل بن محمد الصفار وغیرہ
سے حدیث سنی۔ صدوق تھے۔ بغداد کی مشرقی جانب رہا کرتے تھے۔ اُن کی پیدائش
۳۲۲ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۴۱۴ھ میں (تاریخ بغداد: ۱۴: ۷۵، المنتظم: ۸:
۵ اور البدایہ والنہایہ: ۱۲: ۱۷) (۱۰۶۲) النقاش: ابوبکر محمد بن الحسن بن محمد الموصلی
البغدادی النقاش۔ یہ قاری۔ معتبر اور اپنے زمانہ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔
۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اسحٰق المسلی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے عبدالعزیز فارسی
وغیرہ نے۔ کثیر الحدیث اور صاحب تصانیف ہیں۔ ۳۵۱ھ میں وفات پائی (تذکرۃ
الحفاظ: ۱۱۵ - ۱۱۶)

(۱۰۶۳) علی بن بندار الصیرفی: ابوالحسن علی بن بندار الصیرفی ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔
ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (طبقات الصوفیہ: ۵۰۱ - ۵۰۴) (۱۰۶۴) محفوظ:
محفوظ بن محمود النیشاپوری۔ یہ ابوحفص نیساپوری کی صحبت میں رہے۔ ابوحفص کی
وفات کے بعد ابوعثمان کی صحبت میں رہے۔ یہ نیشاپور کے جلیل القدر مشائخ میں شمار
ہوتے تھے۔ ۳۰۳ھ یا ۳۰۴ھ میں وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۲۷۳، ۲۷۴)
(۱۰۶۵) ابواسحٰق الفزاری: ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری الکوفی۔ انھوں
نے مصیصہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حمید الطویل وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے
معاویہ بن عمرو الازدی وغیرہ نے۔ یہ ائمہ حدیث میں سے تھے۔ اور ثقہ اور مامون تھے
یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں اصطرلاب بنائی۔ ۱۸۵ھ یا ۱۸۶ھ میں
وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱: ۱۵۱ - ۱۵۳) (۱۰۶۶) مخلد بن حسین: ابومحمد

مخلد بن الحسین ۔ دراصل بصرہ کے تھے۔ مگر مصیصہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ انھوں نے اوزاعی وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے اُن کے نواسے داؤد بن معاذ العتکی اور ابو اسحٰق الفزاری وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۱۹۱ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۷۲ - ۷۳؛ ابن حجر نے اُن کی تاریخ وفات ۱۹۱ھ دی ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۰؛ شذرات الذہب: ۱: ۳۲۹ - مگر ابن العماد نے ان کا نام مجالد بن الحسین دیا ہے)

(۱۰۶۷) مزین: ابو الحسن علی بن محمد المزین مراد ہیں۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۰۶۸) الحسین بن یوسف القزوینی: ابو علی الحسین بن یوسف القزوینی۔ یہ سلمی کے استاد ہیں۔ مگر نور الدین نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ (۱۰۶۸) محمدؒ بن واسع: ابو عبد اللہ محمدؒ بن واسع بن جابر البصری۔ انھوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے ہشام بن حسان وغیرہ نے۔ عابد اور ثقہ ہیں۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۹: ۴۹۹ - ۵۰۰؛ صفۃ الصفوہ: ۳: ۱۹۰ - ۱۹۵)

(۱۰۶۹) ابو بکر مصری: ابو بکر محمدؒ بن احمد بن محمد المعروف بہ ابو بکر بن الحداد المصری جلیل القدر امام ہیں۔ بہت عبادت کیا کرتے تھے۔ حدیث۔ نحو۔ لغہ اور تاریخ کے عالم تھے۔ محمدؒ بن طغج الاخشید کے عہد میں ۳۲۴ھ میں مصر کے قاضی ہوئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔ (طبقات الصوفیہ: ۳۸۶)

(۱۰۷۰) عبد الواحد بن احمدؒ: ابو الفتح عبد الواحد بن احمدؒ بن مسرور۔ البلخی الحافظ۔ انھوں نے مصر میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ حسین بن محمدؒ المطبقی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حافظ عبد الغنی الازدی وغیرہ نے۔ ۳۷۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۳: ۹۲) (۱۰۷۱) ابو عبد اللہ الحصری: رسالہ اور شرح میں الحصری ہی دیا ہے۔ مگر نفحات الانس (ص ۱۳۲) میں ابو عبد اللہ الحضرمی دیا ہے۔ یہ محمد المرتعش کے استاد تھے۔ اور مسائل تصوف کا استنباط قرآن مجید سے کرتے تھے۔ (۱۰۷۲) ابو جعفر حداد: ابو جعفر حداد دو ہیں۔ ایک کبیر اور دوسرا صغیر۔ کبیر استاد اور صغیر

شاگرد تھا۔ ابوجعفر صغیر کا نام ابوجعفر بن بکیر الحداد الصغیر المصری ہے۔ ابوجعفر کبیر بغداد کے رہنے والے تھے۔ اور جُنید اور رُوَیم کے ہمعصر تھے (نفحات الانس: ۱۶۵؛ تاریخ بغداد: ۱۴: ۴۱۲) (۱۰۷۳) محمدؒ بن محمدؒ احمدؒ: ابواحمد الحاکم محمد بن محمد احمدؒ بن اسحٰق النیشاپوری الکرابیسی الحافظ۔ ثقہ اور مامون تھے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ اور ان کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ ابن خزیمہ وغیرہ سے روایت کی۔ شاش اور طوس کے قاضی رہے۔ پھر نیشاپور واپس آگئے۔ اور مسجد میں رہتے۔ اور عبادت اور تصنیف میں لگے رہتے۔ ترانوے[۹۳] سال عمر پاکر ۳۷۸ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۹۳) (۱۰۷۴) تصوف کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۱: ۴۹-۴۰؛ کتاب اللمع: ۱۰-۲۰-۲۲-۲۴-۲۵؛ کشف المحجوب ۴۴۹-۴۷۴؛ حیاۃ القلوب: ۱: ۲۶۰-۲۷۱؛ احیاء علوم الدین ۳: ۲۲-۲۵؛ عوارف المعارف: ۱: ۲۶۳-۳۴۵ (۱۰۷۵) الحسین بن جعفر: ابوعبداللہ الحسین بن جعفر التنوخی القاری۔ انھوں نے اپنے دادا محمدؒ بن احمد بن اسحٰق سے روایت کی۔ اور ان سے علی بن المحسن التنوخی نے۔ اس نے ان سے ۳۷۶ھ میں حدیث سنی انکی پیدائش ۳۳۱ھ کی ہے یہ اپنی خوش الحانی اور عمدہ قرأت کی وجہ سے مشہور تھے (تاریخ بغداد ۸: ۲۷) (۱۰۷۶) ابوبکر بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ صدوق، صالح اور صاحب قرآن تھے۔ بڑے عبادت گذار تھے۔ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۳۴-۳۷؛ تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۷۱-۳۸۵؛ صفۃ الصفوۃ: ۳: ۹۷) (۱۰۷۷) یزید بن ابی زیاد: ابوعبداللہ یزید بن ابی زیاد القرشی الہاشمی۔ انھوں نے ابراہیم نخعی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے اسمٰعیل بن ابی خالد اور ابوبکر بن عیاش وغیرہ نے۔ انھیں قوی شمار نہیں کیا جاتا مگر باوجود ضعف کے ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کوفہ کے شیعہ میں سے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت انکی عمر ۱۴ یا ۱۵ سال تھی۔ ۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ صدوق تھے مگر بڑھاپے میں انکا حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔ چنانچہ جو کچھ کوئی

اچھے ذہن میں ڈال دیتا وہی بیان کر دیتے تھے یہی وجہ۔۔۔ اُن کے ضعف کی ہوئی۔ لہٰذا ضعف حافظہ سے پہلے جن لوگوں نے ان سے حدیث سنی ہے وہ صحیح ہے ولادت ۱۸۷ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۲۹-۳۳۱)

(۱۰۷۸) ابو جحیفہ: ابو جحیفہ وہب بن عبد اللہ بن مسلم العامری السوائی۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ انھیں صغار صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت یہ ابھی نابالغ تھے۔ حضرت علی نے انھیں بیت المال پر مقرر کر رکھا تھا۔ اور یہ حضرت علیؓ کے منبر کے پاس کھڑے رہتے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے اور اس کی روایت بھی کی ہے۔ ۷۲ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ: ۵: ۹۵-۹۶ و ۱۵۷)

(۱۰۷۹) عبد الواحد بن محمد الفارسی: ابو عمر عبد الواحد بن محمد البزاز الفارسی دراصل رومی تھے۔ انھوں نے القاضی المحاملی وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن سے ابو بکر خطیب وغیرہ نے۔ ثقہ اور امین تھے۔ اور درب زعفرانی میں رہا کرتے تھے۔ ۳۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۱۰ھ میں اچانک وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۱: ۱۳-۱۴)

(۱۰۸۰) ابو علی الوراق: ابو علی اسمٰعیل بن العباس بن عمر الوراق ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ زبیر بن بکار وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے دارقطنی نے۔ ثقہ تھے۔ ۳۲۳ھ میں حج سے واپسی پر راستہ میں ہی وفات ہوئی۔ اور انھیں بغداد لایا گیا۔ (المنتظم: ۶: ۲۷۸ و تاریخ بغداد: ۶: ۳۰۰) ایک اور صوفی کی بھی یہی کنیت ہے۔ اور شاید یہی یہاں مراد ہوں۔ ان کا نام محمد بن الخضر ابو علی الوراق ہے۔ انھوں نے عبد اللہ بن خیاط سے جو بشر بن الحارث کے شاگرد تھے۔ روایت کی ہے (تاریخ بغداد: ۵: ۲۴۲)

(۱۰۸۱) محمد بن علی القصاب: ابو جعفر محمد بن علی القصاب الصوفی۔ یہ جنید کے استاد تھے۔ ان کی وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔ جنید خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ لوگ مجھے سری کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ میرا استاد محمد بن علی قصاب ہے۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۶۲)

(۱۰۸۲) علی بن عبد الرحیم الواسطی: ابو الحسن علی بن عبد الرحیم الواسطی القناد الصوفی۔ ائمہ صوفیہ میں سے تھے۔ انھوں نے کئی ایک مشائخ کی ملاقات

کی۔ اور تجرید کے طور پر سفر کئے۔ انھوں نے حسین بن منصور الحلاج کے اقوال کی حکایت
کی ہے (طبقات الصوفیۃ: ۱۶۵) (۱۰۸۳) چنانچہ اگر تم سے لغزش ہو جائے تو وہ
اس کا عذر ڈھونڈ نکالیں گے۔ اور تجھے برا نہیں کہیں گے۔ اور اگر تم سے نیکی سرزد ہو
تو اس خیال سے کہ تم غرور میں مبتلا نہ ہو جاؤ وہ تمہاری تعریف نہ کریں گے۔ مزید براں
ان کے ہاں نیکی کے اعلیٰ ترین مدارج ہونے کی وجہ سے کم درجہ کی نیکی کسی شمار میں نہیں ہوتی
(شرح زکریا انصاری: ۴: ۹) (۱۰۸۴) ادب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نتائج الافکار
القدسیہ: ۴: ۱۳ و کشف المحجوب: ۴۴۳ - ۴۴۵ و کتاب اللمع: ۱۴۱-۱۴۴ و عوارف
المعارف: ۳: ۱۱۰ - ۱۲۳ (۱۰۸۵) غنام: رسالہ اور شرح دونوں میں "غنام" دیا ہے
مگر یہ "تمتام" کی تحریف ہے ابو الحسن الصفار تمتام سے روایت کرتے ہیں اور تمتام عبد الصمد
بن النعمان سے (تاریخ بغداد: ۳: ۱۳ - ۱۴۴) ان کا اصل نام ابو جعفر محمد بن غالب بن
حرب ہے (۱۰۸۶) عبد الصمد بن النعمان ابو محمد عبد الصمد بن النعمان البزاز النسائی۔ دراصل کوفہ کے تھے۔ مگر بغداد
میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ عیسیٰ بن طہمان وغیرہ سے حدیث کی روایت کی۔ اور ان سے
محمد بن غالب تمتام وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۲۱۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد:
۱۱: ۳۹ - ۴۰ و شذرات الذہب: ۲: ۳۶) (۱۰۸۷) عبد الملک بن الحسین:
ابو مالک عبد الملک بن الحسین النخعی الواسطی۔ یہ ابو ذر کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں
نے عبد الملک بن عمیر اور دیگر رواۃ سے روایت کی اور ان سے وکیع وغیرہ نے۔ یہ
ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۲۱۹) (۱۰۸۸) عبد الملک بن عمیر: ابو عمرو
عبد الملک بن عمیر بن سوید القرشی المعروف بہ القبطی۔ انھوں نے حضرت علی اور ابو موسیٰ
کو دیکھا۔ اشعث بن قیس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے موسیٰ وغیرہ
ثقہ اور صالح الحدیث ہیں۔ موت سے پہلے ان کے حافظہ میں تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ ایک سو
تین سال کی عمر پا کر ۱۳۶ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۶: ۴۱۱ - ۴۱۳ و
تاریخ الاسلام: ۵: ۲۷۱ - ۲۷۲) (۱۰۸۹) مصعب بن شیبۃ الحجبی۔ انھوں نے اپنے
باپ اور اپنی پھوپھی صفیہ بنت شیبہ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے زرارہ

وغیرہ نے۔ ان کو بعض نے ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب ۱۰ : ۱۶۲ و تاریخ الاسلام : ۴ : ۳۰۳) (۱۰۹۰) سعید بن المسیب : ابو محمد سعید بن المسیب القرشی المخزومی المدنی۔ بالاتفاق عالم اہل مدینہ مانے گئے ہیں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے دو یا چار سال گزر چکے۔ پر ان کی ولادت ہوئی کئی ایک صحابہ کی زیارت کی اور ان سے حدیث کی روایت کی اور ان سے زہری وغیرہ نے۔ تیل کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اور عطیہ قبول نہ کرتے۔ خوابوں کی تعبیر کرنے میں انھیں خاص ۔۔۔ ملکہ حاصل تھا۔ ان کے سال وفات میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر ائمہ حدیث ۱۰۵ھ بتاتے ہیں (تاریخ الاسلام : ۴ : ۴-۷ و تہذیب التہذیب : ۴ : ۸۴-۸۸)

(۱۰۹۱) احمد بن محمد البصری : احمد بن محمد زیاد البصری المعروف بہ ابو سعید ابن الاعرابی مکہ میں رہے۔ اور شیخ حرم ہو گئے۔ جنید اور نوری کی صحبت میں رہے۔ تصوف میں کتابیں لکھیں۔ ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۲۲۶ و شذرات الذہب ۲ : ۳۵۴-۳۵۵ و تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۶۶-۶۷) (۱۰۹۲) الجلاجلی البصری : ابو السری موسیٰ بن الحسن الانصاری۔ دراصل نسا کے رہنے والے تھے۔ عبد اللہ بن بکر السہمی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے محمد بن مخلد الدوری وغیرہ نے۔ یہ قعنبی کے راوی خاص ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ قعنبی نے انھیں نماز تراویح پڑھانے کو کہا انھیں ان کی آواز پسند آئی تو فرمایا۔ تمہاری آواز تو ایسی ہے جیسے گھنٹیاں (جلاجل) بج رہی ہوں۔ اسی وجہ سے جلاجلی لقب پڑ گیا۔ ۲۸۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۱۳ : ۴۹-۵۰) (۱۰۹۳) ولید بن عتبہ : ابو العباس الولید بن عتبہ الاشجعی الدمشقی۔ انھوں نے ولید بن مسلم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن ابی الحواری وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ چونسٹھ سال کی عمر میں ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۱۴۱-۱۴۲) (۱۰۹۴) اس قول کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع : ۱۴۲-۱۴۳ و اور کشف المحجوب : ۴۴۴) (۱۰۹۵) اس وقت آپ ایک باغ میں کنوئیں پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے پاؤں کنوئیں میں لٹکائے ہوئے تھے۔ اور اپنی ران سے تھوڑا سا کپڑا کھول رکھا تھا۔ (شرح زکریا انصاری : ۴ : ۲۰) (۱۰۹۶) ابو الطیب بن فرحان : رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں فرحان (جا بجا مہملہ

کے ساتھ) دیا ہے۔ مگر طبقات الصوفیہ: ۲۳۱ میں فرغانی (خاء معجمہ کے ساتھ) دیا ہے۔
(۱۰۹۷) صوفیاء کے احکام سفر کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع ۱۸۹-۱۹۰؛ کشف المحجوب: ۴۴۹-۴۵۲؛ قوت القلوب: ۲: ۴۰۴-۲۰۸؛ احیاء علوم الدین ۲: ۲۴۳-۲۶۶؛ عوارف المعارف: ۲: ۹۵-۱۵۸:) (۱۰۹۸) محمد بن الفرج الازرق: ابوبکر محمد بن الفرج الازرق۔ انھوں نے حجاج بن الاعور وغیرہ سے روایت کی۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ ان کی احادیث صحیح اور مستقیم ہیں۔ ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔ صدوق ہیں۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۸۰؛ تاریخ بغداد: ۳: ۱۵۹-۱۶۰) (۱۰۹۹) حجاج: ابومحمد حجاج بن محمد الاعور المصیصی۔ پہلے بغداد رہے۔ پھر مصیصہ چلے گئے۔ انھوں نے ابن جریج وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے ابو خالد الاحمر وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں۔ آخر عمر میں جب بغداد لوٹ آئے تھے تو ان میں تغیر واقع ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب یحیٰی بن معین ان کے پاس آئے اور انھیں دیکھا کہ عقل میں فتور آ چکا ہے۔ تو انھوں نے ان سے روایت حدیث سے لوگوں کو روکا۔ ۲۰۶ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۲: ۲۰۵-۲۰۶؛ تاریخ بغداد: ۸: ۲۳۶-۲۳۸) (۱۱۰۰) ابن جریج: عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی۔ عطاء بن ابی رباح اور ابوالزبیر وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے حجاج بن الاعور وغیرہ نے۔ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں کتاب تصنیف کی۔ ثقہ تھے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۰: ۴۰۰-۴۰۷؛ تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۱۶۰؛ تہذیب التہذیب: ۶: ۴۰۲-۴۰۶) (۱۱۰۱) ابوالزبیر: ابوالزبیر بن محمد مسلم الاسدی المکی۔ انھوں نے سعید بن جبیر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے عطاء وغیرہ نے۔ یہ کامل عقل والے اور حافظہ والے تھے۔ صالح اور ثقہ تھے۔ ۱۲۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۹: ۴۴۰-۴۴۳) (۱۱۰۲) علی الازدی: ابوعبداللہ علی بن عبداللہ الازدی الکوفی البارقی۔ انھوں نے ابوہریرہ اور ابن عمر سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابوالزبیر وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ رمضان میں ہر رات قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۷: ۳۵۸-۳۵۹؛ تاریخ الاسلام: ۴:

۳۹ ؛ التاریخ الکبیر : ج ۲ ق ۲ : ۲۸۲) (۱۰۳) محمد بن اسمٰعیل الفرغانی : ابوبکر محمد بن اسمٰعیل
الفرغانی الصوفی ۔ یہ ابوبکر الرقی کے استاد تھے ۔ عابدین میں سے تھے ۔ ان کا کوئی گھر نہ تھا ۔
مسجد میں پڑے رہتے تھے ۔ ۳۳۱ھ میں وفات پائی ۔ (شذرات الذہب : ۲ :
۳۲۹ ؛ نکلسن نے کتاب اللمع کے دیباچہ میں صرف محمد بن اسمٰعیل دیا ہے ۔ اور لکھا ہے کہ
یہ ابوبکر کتانی کے معاصر تھے ۔ اور وفات تقریباً ۳۲۲ھ بتائی ہے ۔ حالانکہ درست
ابن عماد کا قول ہے ۔ نکلسن کو غلطی اس وجہ سے لگی ہے کہ محمد بن اسمٰعیل خیر نساج کا بھی
نام ہے ۔ اور خیر نساج کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی ہے ۔ مگر یہاں تو محمد بن اسمٰعیل فرغانی
مراد ہیں ۔ جن سے ابونصر سراج حکایت کرتے ہیں ۔ چنانچہ کتاب اللمع میں یہی واقعہ
نقل کیا ہے (کتاب اللمع : ۱۸۹) (۱۰۴) عیسیٰ القصار ۔ ابونصر سراج ان سے حکایت
کرتے ہیں مگر نکلسن نے ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا ۔ یہاں تک کہ اسناد کی فہرست میں بھی
ان کا ذکر نہیں کیا ۔ کتاب اللمع میں انھیں عیسیٰ القصار الدینوری لکھا ہے خطیب بغدادی
نے اسی زمانہ کے ایک ابوالقاسم عیسیٰ بن عبدالرحیم الدینوری القطان کا ذکر کیا ہے ۔
(تاریخ بغداد : ۱۱ : ۱۷۶) تاریخ جرجان (صفحہ ۴۸۹) میں ابوموسیٰ عیسیٰ بن احمد الاسترابازی
الملقب بعیسیٰ القصا (بغیر را) دیا ۔ عیسیٰ القصار کا پتہ نہ چل سکا ۔

(۱۰۵) عبداللہ مروزی : ابومحمد عبداللہ بن احمد بن شبویہ الرباطی المروزی ۔ صوفیہ
کے اکابر شیوخ میں سے ہیں ۔ ابوتراب نخشبی کے ساتھ انھوں نے سفر کیا ۔ اور جنید ان
کی بہت تعریف کیا کرتے تھے ۔ علوم ظاہریہ اور علوم حقائق سے باخبر تھے ۔ خطیب
بغدادی نے عبداللہ مروزی کا یہ واقعہ ابواحمد مصعب بن احمد بن مصعب (القلانسی)
کے متعلق بیان کیا ہے (تاریخ بغداد : ۹ : ۳۷۴) (۱۰۶) مزین کبیر : ابوالحسن مزین دو
ہیں ۔ ایک صغیر اور دوسرا کبیر ۔ کبیر استاد اور صغیر شاگرد ہے ۔ دونوں خالہ زاد بھائی
تھے ۔ اور دونوں بغداد کے رہنے والے تھے ۔ علی بن محمد نام تھا ۔ کبیر بغداد میں ۳۲۷ھ
میں مرے اور وہیں دفن ہوئے ۔ اور صغیر مکہ میں مرے ۔ اور وہیں دفن ہوئے ؛ نکلسن کہتے
ہیں کہ سمعانی کے قول کے مطابق مزین کبیر مکہ میں دفن ہوئے (مقدمہ انگریزی کتاب اللمع :

۲۹ و نفحات الانس : ۱۵۸ - ۱۵۹) (۱۱۰۷) ابو عبداللہ نصیبی : کتاب اللمع (صفحہ ۱۹)
میں یہی قول نقل کیا ہے۔ مگر نکلسن نے بھی ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (۱۱۰۸) رسالہ میں یہاں
قرعاً "مطبوخاً" پکا ہوا کدو" دیا ہے۔ مگر شرح انصاری میں مطروحاً دیا ہے۔ میں نے
اسی کا ترجمہ دیا ہے۔

(۱۱۰۹) صحبت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۳۱ و
کشف المحجوب: ۴۲۲ - ۴۴۹ و کتاب اللمع : ۱۷۶ - ۱۷۹ و عوارف المعارف: ۴:
۱۶۵ - ۱۹۷ (۱۱۱۰) یحییٰ بن محمد الجبانی : ابو محمد یحییٰ بن محمد بن صاعد - یہ حفاظ حدیث
میں سے تھے۔ حدیث کی تلاش میں بہت سے سفر کئے۔ ۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال
کی عمر میں ۲۳۹ھ میں حدیث لکھنی شروع کی۔ اور نوے سال کی عمر میں ۳۱۸ھ میں وفات
پائی (تاریخ بغداد: ۱۴: ۲۳۱ - ۲۳۴) (۱۱۱۱) عثمان بن عبداللہ القرشی : ابو عمرو
عثمان بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان القرشی الاموی - یہ اکثر سیاحت میں رہتے۔ انھوں
نے مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن حاتم فامی وغیرہ نے۔ یہ
ضعیف ہیں۔ نیشا پور میں رہے اور وہیں وفات ہوئی (تاریخ بغداد: ۱۱: ۲۸۲ - ۲۸۳)
(۱۱۱۲) عبدالرحمٰن بن حمدان: ابو محمد عبدالرحمٰن بن حمدان الہمدانی الجلاب ہمدان ائمہ سنت
میں سے تھے۔ حدیث کی تلاش میں بہت سفر اختیار کئے۔ ابو حاتم رازی وغیرہ سے روایت
کی۔ ۳۴۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۳۶۲)

(۱۱۱۳) محمد بن احمد العبدی: ابو احمد محمد بن احمد بن الحسین الرباطی الجرجانی العبدی۔ یاد
رہے کہ ایک شخص محمد بن احمد العبدی کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ان کی کنیت ابو الحسن ہے
اور ان کی وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی۔ اور جن محمد بن احمد العبدی کا یہاں ذکر ہو رہا ہے یہ
اور ہیں۔ یہ حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی کے استاد ہیں۔ ان کا قیام شیخ ابوبکر اسمٰعیلی کے
گھر ہی تھا۔ انھوں نے ابو خلیفہ وغیرہ سے روایت کی۔ بخاری کی صحیح کی طرز پر انھوں
نے بھی صحیح تصنیف کی۔ یہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ۳۷۷ھ میں وفات ہوئی۔
(تاریخ جرجان: ۳۸۷ - ۳۸۹) (۱۱۱۴) ابو عوانہ : یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم الاسفرائنی
نیشا پوری۔ مسلم کی صحیح کی طرز پر انھوں نے ایک صحیح تالیف کی ہے۔ ثقہ اور حافظ ہیں۔ انھوں

نے یونس بن عبد الاعلیٰ وغیرہ سے حدیث سنی۔ ۳۱۶ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب
۱۱: ۴۴۰-۴۴۱) (۱۱۱۶) خلف بن تمیم ابو الاحوص شرح اور رسالہ دونوں میں اسی
طرح دیا ہے۔ مگر یہ غلط ہے، درست خلف بن تمیم عن ابی الاحوص ہے۔ ابو عبد الرحمن
خلف بن تمیم التمیمی الکوفی۔ یہ مصیصہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انھوں نے ابو الاحوص وغیرہ
سے روایت کی ہے اور ان سے الحسین بن ابی السری العسقلانی وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں۔
عبادت گذار تھے۔ ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں رہے۔ ۲۰۶ھ یا ۲۱۳ھ میں وفات پائی
(التہذیب التہذیب ۳: ۱۴۸-۱۴۹) (۱۱۱۷) محمد بن النضر الحارثی: ابو عبد الرحمن
محمد بن النضر الحارثی۔ کوفہ کے عبادت گذار ترین شخص تھے۔ یہ عبادت میں زیادہ مشغول
رہنے کی وجہ سے روایت حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ انھوں نے چند ایک
احادیث مرسل طور پر روایت کی ہیں (صفتہ الصفوۃ ۳: ۹۳-۹۴) (۱۱۱۸) توحید
کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: نتائج الافکار القدسیہ ۴: ۳۷-۳۸؛ شرح تعرف
۴: ۱۳۰-۱۳۵؛ کشف المحجوب: ۳۵۶، ۳۶۷؛ کتاب اللمع: ۲۸-۳۵۔
(۱۱۱۹) الحجبی عبد اللہ بن عبد الوہاب: ابو محمد عبد اللہ بن عبد الوہاب الحجبی البصری۔ انھوں
نے مالک اور حماد بن زید وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔
ثقہ اور صدوق تھے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۵: ۳۰۴-
۳۰۵) (۱۱۲۰) حماد بن یزید: حماد بن زید پڑھیں۔ ابو اسمٰعیل حماد بن زید الازدی
الجہضمی البصری، یہ نابینا تھے۔ انھوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان
سے ابن المبارک وغیرہ نے۔ ثبت۔ ثقہ۔ حجت اور کثیر الحدیث ہیں۔ ۹۸ھ میں
پیدا ہوئے۔ اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۳: ۹-۱۱) (۱۱۲۱)
محمد بن سیرین: ابو بکر محمد بن سیرین الانصاری البصری۔ اپنے وقت کے امام تھے۔ انھوں
نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے شعبی وغیرہ نے۔ ۳۴ھ میں پیدا
ہوئے۔ تابعی اور ثقہ ہیں۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۹: ۲۱۵-
۲۱۶)۔ (۱۱۲۲) آسان عبارت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ ہر لحاظ
سے واحد ہے۔ اس کی ذات میں کسی قسم کی کمی یا بیشی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اگر کمی یا

بیشی ہو تو پھر وہ چیز اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں. کوئی اور شئ ہے۔

(۱۱۲۳) احمد بن محمد بن زکریا: ابو العباس النسوی ۳۹۶ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۵: ۹) (۱۱۲۴) عبداللہ بن صالح: ابو محمد عبداللہ بن صالح البخاری حسن بن علی الحلوانی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے محمد بن جیش الناقد نے. ۳۰۵ھ میں وفات پائی. (تاریخ بغداد: ۱۰: ۴۸۲-۴۸۳) (۱۱۲۵) یعنی وہ شخص جس کی کیفیت اور حالت توحید کی ہو اور دل سے اس کیفیت کو حاصل کر کے بیان کرے۔

(۱۱۲۶) فارس: ابو الطیب فارس بن عیسیٰ ـ جنید اور ابو العباس بن عطا کی صحبت میں رہے۔ یہ علوم حقائق کے متحققین میں سے تھے. ۳۴۰ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۳۹۰) (۱۱۲۷) احمد بن سعید البصری ابو العباس احمد بن سعید الفقیہ المعدانی، حافظ حدیث، فقیہ اور فاضل تھے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ پیدائش ۲۹۱ھ اور وفات ۳۷۴ھ میں ہوئی (طبقات الصوفیہ: ۱۳۰) (۱۱۲۸) محمد بن احمد الاصبہانی: ابو الحسین محمد بن محمد الاصبہانی الاسواری انھوں نے ابراہیم بن عبداللہ القصار وغیرہ سے حدیث سنی. سفر کئے. اور احادیث جمع کیں. ۳۴۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۳۶۵) ابو العباس محمد بن احمد الاصبہانی ایک اور صاحب بھی ہیں. ثقہ تھے. ان کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی. (تاریخ بغداد: ۱: ۲۷۰-۲۷۱ و المنتظم: ۷: ۴۵)

(۱۱۲۹) علی بن محمد القزوینی: ابو الحسن علی بن محمد بن مہرویہ القزوینی. بغداد آئے۔ وہاں یحییٰ بن عبدک القزوینی وغیرہ سے حدیث بیان کی. اور ان سے عمر بن محمد بن سنبک نے. معمر تھے اور صدوق تھے. ۳۳۳ھ میں بغداد حدیث کی روایت کی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۶۹-۷۰) (۱۱۳۰) دنیا سے جاتے وقت صوفیاء کی حالت کے بیان کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۲۰۹-۲۱۱ (۱۱۳۱) ابو الحسن علی بن محمد بن عقبہ الشیبانی: ابو الحسن علی بن محمد بن عقبۃ الشیبانی الکوفی. بغداد آئے اور وہاں الخضر بن ابان ہاشمی وغیرہ سے روایت کی. اور ان سے ابو الحسن بن ازرقویہ نے. ثقہ اور امین تھے. عدالت میں گواہی دیا کرتے تھے. تہتر سال گواہی دی. ۳۴۳ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۷۹-۸۱ و شذرات الذہب: ۲: ۳۶۵-۳۶۶)

(۱۱۳۲) ابوالعباس الاصم: ابوالعباس محمد بن یعقوب بن یوسف الاصم الاموی النیشاپوری المؤذن الوراق۔ یہ اچھے اخلاق والے تھے۔ اُجرت پر کتابت کیا کرتے تھے۔ انھیں مسند خراسان اور مسند العصر کہا جاتا ہے۔ آخر عمر میں بہرے ہو گئے تھے: ننانوے سال عمر پائی۔ اُن کی صداقت اور صحت سماع پر کسی کو اختلاف نہیں ۳۴۶ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۲: ۳۷۳-۳۷۴ ؛ البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۲۳۲) (۱۱۳۳) سوار: ابوعبداللہ سوار بن عبداللہ بن سوار التیمی البصری۔ رصافہ کے قاضی تھے اور عمدہ شعر کہتے تھے ۲۴۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۱۰۹ ؛ تہذیب التہذیب: ۴: ۲۶۸) (۱۱۳۴) جعفر سے مراد ابوسلیمان جعفر بن سلیمان الضبعی البصری سے ہے۔ انھوں نے ثابت البنانی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ امی اور مائل بتشیع تھے۔ ان کی احادیث میں کسی قسم کا طعن نہیں محض مذہب کی وجہ سے مطعون ہوئے۔ ۱۷۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۲: ۹۵-۹۸) (۱۱۳۵) ثابت سے مراد ثابت بن اسلم البنانی البصری سے ہے۔ ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے (تہذیب التہذیب: ۲: ۲-۴) (۱۱۳۶) ابوالعباس دینوری: ابوالعباس احمد بن محمد الدینوری مراد ہیں۔ (۱۱۳۷) احمد بن نصر: ابوعمرو احمد بن نصر الخفاف الزاہد الحافظ۔ یہ نیشاپور کے شیخ تھے۔ انھوں نے اسحٰق بن راہویہ سے حدیث سنی۔ ان کے زمانہ میں خراسان میں اُن سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہ تھا۔ انھیں زین الاشراف کہا جاتا تھا۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جب عمر بڑی ہو گئی اور اولاد کی توقع نہیں اپنی تمام جائیداد خیرات کر دی ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۲: ۲۳۱-۲۳۲) ذہبی نے ایک احمد بن نصر کا ذکر کیا ہے۔ احمد بن ابی اللیث نصر بن محمد الحافظ ابوالعباس النصیبی المصری۔ یہ تقشف کی زندگی گذارتے اور صالحین کی صحبت میں رہتے تھے۔ حافظہ کے اعتبار سے نادرۂ روزگار تھے۔ انھوں نے محمد بن یعقوب الاصم وغیرہ سے حدیث سنی ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۰۶-۲۰۷) نیز ملاحظہ ہو نفحات الانس: ۲۰۸) (۱۱۳۸) بنت میمونہ: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں بنت میمونہ ہی دیا ہے ایسا کوئی نام نہیں ہے۔ بنت میمون

ہے جو میمون بن خالد الحضرمی کی طرف منسوب ہے۔ میمون الحضرمی العلاء الحضری کے بھائی تھے۔ انھوں نے جاہلیت میں مکہ سے اوپر کی طرف یہ کنواں کھودا تھا۔ (معجم البلدان: ۱: ۳۰۲) مگر یہاں یہ کنواں مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں مزین کبیر مکہ سے مدینہ روانہ ہو چکے ہیں اور راستہ میں وہ اس مقام پر پہنچے ہیں۔ لہٰذا یہ بئر معونہ ہونا چاہیے۔ یہ کنواں بنی سلیم کا تھا اور مدینہ سے مکہ کے راستہ میں تھا۔ یہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں واقعہ پیش آیا جو رجیع کے نام سے مشہور ہوا۔ (معجم البلدان: ۱: ۳۰۲) (۱۱۳۹) تہامی نے اپنے بیٹے کا مرثیہ کہا ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے:

جَاوَرْتُ اَعْدَائِی وَجَاوَرَ رَبَّهُ ❊ شَتَّانَ بَیْنَ جِوَارِہٖ وَجِوَارِی

(۱۱۴۰) ابن سہل: ابوالحسن علی بن سہل الاصبہانی م ۳۰۷ھ (تاریخ اصبہان ۲: ۱۴۔ صفۃ الصفوۃ ۴: ۔ حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۴۰۴) (۱۱۴۱) ابوالحسین حمصی: رسالہ اور شرح زکریا دونوں میں ابوالحسین حمصی دیا ہے اور یہ غلط ہے۔ درست ابوالحسن علی بن عبداللہ بن الحسن بن جہضم الہمذانی ہے۔ یہ حرم مکہ میں شیخ صوفیہ تھے۔ بہجۃ الاسرار فی التصوف انہی کی تصنیف ہے۔ انھوں نے ابوسلمۃ القطان وغیرہ سے روایت کی۔ اور لوگوں نے اُن سے کثرت سے روایت کی انھوں نے لمبی عمر پائی۔ ان پر وضع حدیث کا الزام دیا جاتا ہے ۴۱۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۲۰۰ - ۲۰۱ و تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۲۴۴ و البدایہ والنہایہ ۱۲: ۱۲۱ و المنتظم: ۸: ۱۴ و نفحات الانس: ۲۵۵)

(۱۱۴۲) معرفت کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: شرح تعرف: ۴: ۱۲۱ - ۱۳۰ و کشف المحجوب: ۴۹۸: حیات القلوب: ۲: ۲۵۴ - ۲۵۶: اور نتائج الافکار القدسیہ ۴: ۶۰ - ۶۱) (۱۱۴۳) عباد بن کثیر: عباد بن کثیر الثقفی البصری انھوں نے ایوب السختیانی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابراہیم بن طہمان وغیرہ نے۔ مکہ میں رہتے تھے۔ اور نیک آدمی تھے۔ مگر ضعیف الحدیث ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حدیث کو محفوظ نہ کر سکتے تھے۔ اپنے زہد اور تقشف کی وجہ سے مشہور تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۵: ۱۰۰ - ۱۰۱) (۱۱۴۴) حنظلہ بن ابی سفیان: حنظلہ بن ابی سفیان الجمحی المکی۔ انھوں نے قاسم بن محمد وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے ثوری وغیرہ نے۔ بہت ہی ثقہ تھے۔ حجت تھے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۳: ۶۰ - ۶۱) (۱۱۴۵)

القاسم بن محمدؒ : ابو محمدؒ القاسم بن محمدؒ ابی بکرؓ الصدیق۔ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے
روایت کی۔ اور ان سے حنظلہ بن ابی سفیان وغیرہ نے۔ یہ ثقہ رفیع عالم فقیہ امام
پرہیزگار اور کثیر الحدیث تھے۔ اپنے باپ محمدؒ کے قتل کے بعد یہ یتیم رہ گئے تھے۔
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی پرورش کی تھی۔ ستّر سال کی عمر میں سنہ ۱۰۸ھ میں
یا سنہ ۱۱۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۸ : ۳۳۳ - ۳۳۵) (۱۴۶) احمدؒ
بن محمد بن زید۔ احمد بن محمدؒ بن زیاد پڑھیں۔ (۱۴۷) محمدؒ بن محمدؒ بن عبد الوہاب :
ابو زرعۃ محمدؒ بن محمدؒ بن عبد الوہاب القاضی المعروف بہ ابن ابی عصمہ۔ عکبرا کے رہنے
والے تھے۔ انھوں نے ابو القاسم البغوی سے روایت کی۔ اور ان سے عبد العزیز بن علی
الازجی نے (تاریخ بغداد : ۳ : ۲۲۷) (۱۴۸) یعنی حق سبحانہ جب کسی کے دل کی بستی
میں داخل ہو گئے تو وہاں کے عزیز باشندے یعنی خواہشات دنیاوی ذلیل وخوار ہو
کر بھاگ جاتے ہیں۔

(۱۴۹) ابو عمر الانطاکی : ابو عمرو عثمان بن عبد اللہ بن خرزاد الانطاکی الحافظ ارکانِ
حدیث میں سے تھے۔ ثقہ اور ثبت تھے۔ سنہ ۲۸۱ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب :
۲ : ۱۷۷) مگر میرے خیال میں یہاں ابو عمرو الانطاکی ناسخین کی غلطی سے لکھا گیا۔ درست
ابو عمرو الانماطی ہے، کیونکہ اس سند سے جنید کے اقوال نقل کرنے والا ابو عمرو الانماطی
ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو طبقات الصوفیہ : ۱۵۰، ۱۵۸، ۱۶۱) (۱۵۰) محبت کی بحث
کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف : ۴ : ۲ - ۱۷ ؛ کشف المحجوب : ۴۰۰ - ۴۰۴ ؛ نتائج
الافکار القدسیہ : ۴ : ۸۷ ؛ حیاۃ القلوب : ۲ : ۱۶۵ - ۱۷۷ ؛ قوت القلوب :
۲ : ۲۱۳ - ۲۳۷ ؛ احیاء علوم الدین : ۴ : ۲۸۶ - ۳۰۳ ؛ کتاب اللمع : ۵۷ -
۵۹) (۱۵۱) ہمام بن منبہ : ابو عقبہ ہمام بن منبہ بن کامل الیمانی الصنعانی الابناوی۔
انھوں نے ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھائی وہب
بن منبہ وغیرہ نے۔ یہ جہاد میں جاتے اور اپنے بھائی وہب بن منبہ کے لئے کتابیں خریدا
کرتے تھے۔ انھوں نے ابو ہریرہ کی خدمت میں بیٹھ کر ایک ہی سند سے ۱۴۰ احادیث

سنیں۔ معمر سے اُن کی ملاقات اس وقت ہوئی جب یہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور اُن کی آنکھوں کے پپوٹے لٹک گئے تھے۔ ۱۳۱ھ یا ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔ تابعی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۶۷) (۱۵۲) عبداللہ بن ایوب: عبداللہ بن ایوب المخزومی انہوں نے حکم بن مروان وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے ابن ابی حاتم نے۔ صدوق ہیں (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۲ ق: ۱) (۱۵۳) الحسن بن یحییٰ: ابو عبد الملک الحسن بن یحییٰ الخشنی۔ انہوں نے زید بن واقد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے الہیثم بن خارجہ وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ نیک آدمی تھے مگر حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے اس لئے اکثر غلطی کھا جاتے۔ لہٰذا ان کا ترک کر دینا ضروری قرار دیا گیا (تہذیب التہذیب: ۲: ۳۲۶۔ ۳۲۷) (۱۵۴) صدقۃ الدمشقی: ابو العباس صدقۃ بن خالد الاموی مولی ام البنین جو معاویہ یا عمر بن عبد العزیز کی بہن تھیں۔ انھوں نے زید بن واقد وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے الہیثم بن خارجہ وغیرہ نے۔ ثقہ اور صالح الحدیث ہیں۔ ۱۷۰ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۴: ۴۱۴ ۴۱۵) (۱۵۵) بخاری نے باب التواضع جز ۷ میں اس حدیث کی روایت ابو ہریرہ سے کی ہے (نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۷۹)

(۱۵۶) یحییٰ سے مراد یحییٰ بن سعید القطان سے ہے (۱۵۷) مالک سے مراد مالک بن انس سے ہے۔ (۱۵۸) سہیل بن ابی صالح: صحیح سہیل بن ابی صالح ہے۔ ابو یزید سہیل بن ابی صالح۔ انھوں نے اپنے باپ ابو صالح السمان اور عبداللہ بن دینار وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن سے مالک وغیرہ نے۔ صدوق ہیں۔ مسلم نے انھیں قابل احتجاج سمجھا ہے۔ ۱۴۰ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام: ۵: ۶۱، تہذیب التہذیب ۴: ۲۶۳۔ ۲۶۴) (۱۵۹) ان کے والد یعنی ابو صالح: ابو صالح ذکوان السمان الزیات المدنی۔ حضرت عثمان کے عہد میں اُن کے محاصرہ کے وقت وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ابو ہریرہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے اُن کی اولاد نے۔ ثقہ ہیں۔ یہ مؤذن تھے۔ ایک دن امام نے دیر کر دی۔ تو انھیں امام بنا دیا گیا۔ انہوں نے رقت اور بکا کی وجہ سے مشکل نماز پوری کی۔ ۱۰۱ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب:

۳: ۲۱۹-۲۲۰ و تاریخ الاسلام : ۴: ۲۱۹-۲۲۰) (۱۱۶۰) ابوسعید الارجانی :
ارجان شیراز اور اہواز دونوں سے ساٹھ فرسنگ کے فاصلہ پر ایک زرخیز شہر
ہے۔ (معجم البلدان : ۱: ۱۴۳) یہ سلمی کے استاد ہیں۔ نور الدین نے ایک ابوسعید
نخعی کا سلمی کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے (مقدمہ طبقات الصوفیہ : ۴۶) شاید وہی
مراد ہیں۔ ان کا نام احمد بن محمد بن رمیح ہے۔

(۱۱۶۱) محمد بن احمد بن القاسم : خطیب بغدادی نے چار شخصوں کا یہی نام بتایا
ہے (تاریخ بغداد : ۱: ۳۲۹-۳۳۳) جن میں سے ایک ابوعلی رودباری دوسرے
کردیمی، تیسرے نیشاپوری اور چوتھے المحاملی ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی یہاں مراد نہیں۔
یہاں مراد ابواحمد محمد بن احمد بن الحسین القاسم بن الغطریف بن الجہم العبدی الجرجانی
سے ہے۔ یہ شیخ ابوبکر اسمٰعیلی کے گھر میں مقیم تھے۔ انھوں نے ابوخلیفہ اور دیگر رُواۃ
سے روایت کی ہے۔ نیز صوفیاء سے بھی روایت کی ہے۔ انھوں نے بخاری کے تتبع
میں صحیح تصنیف کی۔ یہ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔ مگر ان کی بعض احادیث پر گرفت
کی گئی ہے ۳۷۷ھ میں وفات پائی (تاریخ جرجان : ۳۸۷-۳۸۹) (۱۱۶۲) ہیصم بن
ہمام : ابوالعباس ہیصم بن ہمام بن یوسف الخثعمی الآملی۔ انھوں نے جرجان اور رباط دہستان
میں روایت کی۔ اور ان سے ابواحمد الغطریفی وغیرہ نے۔ ۲۹۳ھ میں وفات پائی (تاریخ
جرجان : ۴۸۱) (۱۱۶۳) ابراہیم بن الحارث : ابواسحٰق ابراہیم بن الحارث العبادی۔ یہ
شام کی سرحد پر آباد ہو گئے تھے۔ انھوں نے عبدالرحمٰن بن عفان صوفی سے روایت
کی۔ اور ان سے محمد بن ابی موسیٰ الانفاکی وغیرہ نے۔ یہ امام احمد بن حنبل کے کبار اصحاب
میں سے تھے۔ امام احمد ان کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد : ۶: ۵۵-۵۶)
(۱۱۶۴) عبدالرحمٰن بن عفان : ابوبکر عبدالرحمٰن بن عفان الصوفی۔ انھوں نے فضیل بن عیاض
وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابراہیم بن الحارث العبادی وغیرہ نے۔ انھیں کذاب
کہا جاتا ہے (تاریخ بغداد : ۱۰: ۲۶۴-۲۶۵) (۱۱۶۵) محمد بن ایوب : محمد بن ایوب
بن عمران جرجانی مسجد عبدالقیس کے مؤذن اور امام تھے۔ انھوں نے ابوالقاسم البغوی

وغیرہ سے روایت کی اور اُن سے قاضی ابونعیم النعیمی وغیرہ نے (تاریخ جرجان: ۵۰۰)

(۱۱۶۶) یحییٰ بن حبیب: ابوعقیل یحییٰ بن حبیب الاسدی الجمال الکوفی۔ سامراء میں رہتے تھے۔ صدوق ہیں (تاریخ بغداد: ۱۴: ۲۱۳-۲۱۴ و تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۹۵: کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ق ۲: ۱۳۷) (۱۱۶۷) مرحوم بن عبدالعزیز: ابومحمد مرحوم بن عبدالعزیز العطار الاموی۔ انہوں نے اپنے باپ اور چچا عبدالحمید سے روایت کی۔ اور ان سے اُن کے بیٹے عنبس وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔ چوراسی سال کی عمر پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۰: ۸۵) (۱۱۶۸) شوق کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۰۵-۱۰۶ و کتاب اللمع: ۶۳-۶۴ و حیاۃ القلوب: ۲: ۱۷۷-۱۷۸ و احیاء علوم الدین: ۴: ۳۱۴-۳۱۸ (۱۱۶۹) حماد بن زید: حماد بن زید پڑھیں۔ (۱۱۷۰) عطاء بن السائب: ابوالسائب عطا بن السائب الثقفی: انہوں نے اپنے باپ السائب اور انس وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے حماد وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں، آخر عمر میں اُن کی روایات میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ حماد بن زید نے ان سے روایت اضطراب و تغیر سے پہلے کی ہے۔ ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۷: ۲۰۳-۲۰۷ و تاریخ الاسلام ۵: ۲۷۷-۲۷۸) (۱۱۷۱) باپ: السائب بن مالک الثقفی۔ تابعی اور ثقہ ہیں، انہوں نے سعد وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے اُن کے بیٹے عطاء وغیرہ نے (تہذیب التہذیب: ۳: ۴۵۰ و تاریخ الاسلام: ۳: ۳۶۹) (۱۱۷۲) عمار بن یاسر: ابوالیقظان عمار بن یاسر العنسی۔ یہ اور ان کے والد قدیم اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ ان کی والدہ سمیۃ بھی مسلمان تھیں۔ ابوجہل نے انھیں قتل کیا تھا۔ اور یہ اسلام میں پہلی شہید تھیں۔ مہاجرین میں سے صرف یہی شخص تھے جن کے والدین مسلمان تھے۔ ان سے پہلے تیس سے کچھ اوپر لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ انھیں اور اُن کے والدین کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گذرتے تو صبر کی تلقین فرماتے۔ اُن کے مناقب بہت ہیں۔ ۳۷ھ میں جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی

عمر چورانوے (۹۴) سال تھی۔ (اسد الغابہ: ۴: ۴۳-۴۷ و تہذیب التہذیب: ۷: ۴۰۸-۴۱۰)
(۱۷۳) عبداللہ بن مبارک: عبداللہ بن منازل پڑھیں۔ جیسا کہ شرح میں ہے (۴: ۱۱۷)
محمد بن عبد اللہ الخزاعی: ابو العباس محمد بن عبد اللہ بن طاہر الخزاعی خاندانی حاکم اور المتوکل
کے عہد میں بغداد کے حاکم تھے۔ ادیب اور شاعر تھے۔ ۲۵۳ھ میں وفات پائی۔ اسی رات
چاند گرہن ہوا۔ (تاریخ بغداد: ۵: ۴۱۸-۴۲۲) (۱۷۵) عبداللہ الانصاری: ابو محمد عبداللہ
بن محمد بن عمارۃ الانصاری المعروف بہ ابن القداح۔ دراصل مدینہ کے رہنے والے تھے۔
مگر بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ علم الانساب کے ماہر تھے۔ اور نصب الانصار میں
ان کی ایک کتاب ہے (تاریخ بغداد: ۱۰: ۶۲) (۱۷۶) سلمان۔ سلمان فارسی رضی اللہ
عنہ۔ انہیں سلمان الخیر اور ابو عبد اللہ ابن الاسلام کہا جاتا ہے۔ دراصل اصفہان کے
تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری پر ایمان لائے۔ انھوں نے خود
اپنی کہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی۔ اور ان کے اسلام لانے کی روایت کئی طریقہ
سے ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اڑھائی سو سال زندہ رہے۔ مگر ابن حجر کہتے ہیں کہ ذہبی نے
اپنے اس قول سے رجوع کیا ہے کہ یہ تین سو سال زندہ رہے۔ ان کی عمر اسی سال سے ..
متجاوز نہیں ہوئی۔ اس حدیث کا ذکر ابن الاثیر (اسد الغابہ: ۲: ۳۳۱) نے بھی کیا ہے،
(تہذیب التہذیب: ۴: ۱۳۷-۱۳۹: اسد الغابہ: ۲: ۳۲۸-۳۳۲) (۱۷۷) عبداللہ
بن جعفر: ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس ۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۴۶ھ میں
میں وفات پائی۔ نیک اور پارسا تھے۔ انھوں نے ابو مسعود احمد بن الفرات وغیرہ سے
روایت کی۔ (اخبار اصفہان: ۲: ۸۰) (۱۷۸) محمد بن جعفر الامام: رسالہ میں اسی طرح دیا
ہے۔ شرح زکریا انصاری میں صرف محمد بن جعفر ہے مگر درست ابو بکر محمد بن جعفر بن محمد بن حفص
الربعی الحنفی ہے جو ابن الامام کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے دمیاط میں سکونت اختیار کر لی تھی
ثقہ تھے۔ ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۰۳ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۲: ۱۳۰-
۱۳۱) (۱۷۹) اسحق بن ابراہیم: ابو یعقوب اسحق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی المعروف بہ ابن راہویہ
المروزی۔ انھوں نے نیشاپور میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ان کا شمار ائمہ میں ہوتا ہے۔ ۱۶۱ھ

یا ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے ثقہ اور مامون تھے۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ تابعین میں ہوتے تو وہ بھی ان کے علم فقہ اور حافظہ کو تسلیم کرتے۔ ہشتر سال کی عمر ۲۳۷ھ یا ۲۳۸ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱: ۲۱۶ - ۲۱۸ و شذرات الذہب: ۲: ۸۹ و تاریخ بغداد: ۶: ۳۴۵، ۳۵۵ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۲۰۹ - ۲۱۰ و تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۹ - ۲۱ و التاریخ الکبیر ج ۱ ق ۱: ۳۷۹ و ۳۸۰ و ابن خلکان ۱: ۱۷۹ - ۱۸۰ و البدایہ والنہایہ: ۱۰: ۳۱۷)

(۱۱۸۰) اس باب کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع: ۲۰۴ - ۲۰۵ و نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۱۴ - ۱۱۶) (۱۱۸۱) ابو سالم القزاز: رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح انصاری میں دیا ہے۔ کہ ایک نسخہ میں ابو سلیم ہے اور ایک اور نسخہ میں ابو سلمۃ القزاز مگر درست جیسا کہ شذرات الذہب میں ہے۔ ابو سلیمان محمد بن یحییٰ بن المنذر القزاز البصری ہے۔ انھوں نے ایک سو سال کے قریب عمر پائی۔ یزید بن بیان وغیرہ سے روایت کی۔ اور ۲۹۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۲: ۲۰۶) (۱۱۸۲) یزید بن بیان: ابو خالد یزید بن بیان العقیلی البصری المعلم۔ نابینا اور مسجد مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر میں مؤذن تھے۔ انھوں نے ابو الرحال سے روایت کی ہے اور ان سے محمد بن یحییٰ بن المنذر القزاز نے۔ بعض نے ان کی تعریف کی ہے۔ اور بعض نے ناپسند کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۱۶ - ۳۱۷ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۲۵۴)

(۱۱۸۳) ابو الرجاء: رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح میں ابو الرجال دیا ہے (جیم معجمہ کے ساتھ) مگر درست ابو الرحال (حاء مہملہ کے ساتھ) ہے ان کا اصلی نام محمد بن خالد ہے۔ انھوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی اور ان سے یزید بن بیان العقیلی وغیرہ نے قوی نہیں ہیں۔ ان سے صرف ایک یہی حدیث مروی ہے (تہذیب التہذیب: ۱۲: ۹۵)

(۱۱۸۴) ابو عبد اللہ الدینوری: ابو عبد اللہ محمد بن عبد الخالق الدینوری، جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ وادی القریٰ میں قیام کیا پھر واپس دینور گئے۔ اور وہیں وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۵۱۵ - ۵۱۷ و نفحات الانس: ۲۵۲ - ۲۵۳) (۱۱۸۵) الحسن

الدامغانی: الحسن بن علویہ الدامغانی ۴۳۱ھ میں وفات پائی (تاریخ جرجان : ۱۴۸)

(۱۱۸۶) عمی البسطامی: موسیٰ بن عیسیٰ المعروف بہ عمی البسطامی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(۱۱۸۷) عبداللہ رازی سے مراد ابومحمد عبداللہ بن محمد الشعرانی الرازی ہیں۔ ۳۵۳ھ میں وفات پائی (طبقات الصوفیہ: ۴۵۱) (۱۱۸۸) سماع پر بیشتر صوفیاء نے بحث کی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو نتائج الافکار القدسیہ: ۴: ۱۲۲-۱۲۳ و کتاب اللمع: ۲۶۷-۳۰۰ و عوارف المعارف: ۲: ۲۲۰-۲۹۵ و احیاء علوم الدین: ۲: ۲۶۶-۳۰۲ و کشف المحجوب: ۵۰۸-۵۳۵ و شرح تعرف: ۴: ۱۹۵-۲۰۲ و ان کے علاوہ قشیری نے سماع پر ایک الگ رسالہ لکھا ہے۔ نورالدین شریبہ نے سلمی کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، جو سماع پر لکھی گئی (مقدمہ ص ۴۰)

(۱۱۸۹) مثلاً غزوہ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ✧ أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

نیز فرمایا، هَلْ أَنْتِ إِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيتِ ✧ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ

(۱۱۹۰) الحارث بن ابی اسامۃ: ابومحمد الحارث بن محمد بن ابی اسامۃ التمیمی ۱۸۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابوالنضر ہاشم بن القاسم وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابوعمرو بن السماک وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ چھیانوے سال عمر پاکر ۲۸۲ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۸: ۲۱۸-۲۱۹) (۱۱۹۱) ابوالنضر: ابوالنضر ہاشم بن القاسم الکنانی: انہوں نے شعبہ وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے حارث بن ابی اسامہ وغیرہ نے۔ قیصر ان کا لقب تھا۔ یہ ابناء میں سے تھے۔ اور بغداد میں رہتے تھے۔ ثقہ اور صاحب سنت تھے۔ ۲۰۷ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۴: ۶۳-۶۶ و تہذیب التہذیب ۱۱: ۱۸-۱۹ و تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۲۷ و کتاب الجرح والتعدیل: ج ۴ ق: ۱۰۵) (۱۱۹۲) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی والدہ اسماء بنت عمیس اور دیگر صحابہ سے روایت کی، اور ان سے ان کے بیٹوں نے۔ یہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد شہید ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ یہ بڑے سخی تھے بشعراء نے ان کی مدح کہی ہے۔ چنانچہ انھیں قطب السخاء کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے وقت اُن کی عمر دس سال تھی ۱۰۸ھ میں اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۵۰۱۷۰-۱۷۱)
(۱۹۳) محمد بن بکر البُرسانی: ابو عثمان محمد بن بکر البُرسانی البصری۔ بُرسان قبیلۂ ازد کی ایک شاخ ہے۔ انھوں نے شعبہ وغیرہ سے حدیث سنی اور اُن سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۲: ۹۲-۹۴ و تہذیب التہذیب ۹: ۷۷-۷۸ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۲: ۲۱۲ و شذرات الذہب ۲: ۷)
(۱۹۴) ہشام بن عروۃ: ہشام بن عروۃ بن زبیر الاسدی ابو المنذر۔ انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو دیکھا۔ اور انھوں نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اور دعا بھی کی تھی۔ انھوں نے اپنے باپ عروہ اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے۔ اور اُن سے ایوب سختیانی وغیرہ نے۔ یہ ثقہ۔ ثبت۔ کثیر الحدیث اور امام تھے۔ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۶ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۱: ۴۸-۵۱ و تاریخ بغداد ۱۴: ۳۷) (۱۹۵) اپنے باپ سے مراد عروہ بن زبیر ہیں۔ انھوں نے اپنے باپ زبیر بن العوام اور اپنی خالہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت کی۔ اور اُن سے اُن کی اولاد نے۔ اور دیگر رُواۃ نے۔ یہ ثقہ۔ ثبت فقیہ۔ عالم مامون اور کثیر الحدیث تھے۔ اُنھوں نے علمِ حدیث حضرت عائشہ سے حاصل کیا۔ ۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۹۱ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۷: ۱۸۰-۱۸۵)
(۱۹۶) بعاث کی جنگ تقریباً ۶۱۵ء میں اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی۔ اس دن اوس نے اپنے حلفاء، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے مل کر خزرج کو شکستِ فاش دی تھی (لٹریری ہسٹری آف دی عربز: ۱۷۰) (۱۹۷) الاجلح: الاجلح سے مراد ابو حجیۃ یحییٰ بن عبد اللہ الکندی سے ہے۔ انھوں نے ابو الزبیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔ صالح الحدیث ہیں۔ مگر اکثر غلطی کھا جاتے تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲: ۱۶۳-۱۶۴) (۱۹۸) ابو الزبیر محمد بن مسلم الاسدی۔ انھوں نے جابر وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے عطاء وغیرہ نے۔ ثقہ اور صالح الحدیث ہیں ۱۲۶ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ۹: ۴۴۰-۴۴۳ و تاریخ الاسلام ۵: ۱۵۲-۱۵۴۔ ذہبی نے ان کی تاریخ وفات ۱۲۸ھ دی ہے اور لکھا ہے کہ یہ نوّے سال زندہ رہے) (۱۹۹) سلمۃ بن سعید بن عطیۃ البصری انھوں نے

معمر وغیرہ سے روایت کی. اور ان سے حباب بن محمد الجحی وغیرہ نے اپنے زمانہ کے بہترین
شخص اور ثقہ تھے (تہذیب التہذیب: ۴: ۱۴۵) (۱۲۰۰) علقمہ بن مرثد: علقمہ بن مرثد
الحضرمی ابو الحارث الکوفی. انھوں نے سعید بن عبیدہ وغیرہ سے روایت کی. اور ان
سے شعبہ وغیرہ نے. ثقہ. ثبت اور صالح الحدیث ہیں. خالد قسری کے عہد کے آخری ایام
میں وفات پائی. (تہذیب التہذیب: ۸: ۲۷۹ از کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۴۰۶)
رسالہ میں علقمہ بن مرثد بن زاذان دیا ہے. غلط ہے. اسے عن زاذان پڑھیں (۱۲۰۱)
زاذان: ابو عبداللہ زاذان الضریر البزار کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
جابیہ میں خطبہ دیا. تو یہ اس وقت موجود تھے. انھوں نے عمرؓ اور دیگر صحابہ سے روایت
کی اور ان سے ابو صالح سمان وغیرہ نے. یہ بہت باتیں کیا کرتے تھے. ثقہ ہیں. کوفی اور
تابعی ہیں (تہذیب التہذیب: ۳: ۳۰۲ - ۳۰۳) (۱۲۰۲) البراء بن عازب: البراء
بن عازب ابو عمارہ الاوسی المدنی. صحابی ابن الصحابی ہیں. انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ و
سلم اور صحابہ سے روایت کی ہے. اور ان سے عبداللہ بن زید خطمی وغیرہ نے. بدر
کی جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی تھی. اس
لئے کہ یہ چھوٹے تھے. سنہ ۷۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۱: ۴۲۵ - ۴۲۶ و
اسد الغابہ: ۱: ۱۷۱ - ۱۷۲)
(۱۲۰۳) ابو ربیع: ابو الربیع سلیمان بن داؤد العتکی الزہرانی البصری الحافظ. انھوں نے
مالک وغیرہ سے روایت کی. اور ان سے بخاری وغیرہ نے. صدوق اور ثقہ ہیں سنہ ۲۳۴ھ میں
وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۴: ۱۹۰ - ۱۹۱) (۱۲۰۴) عبدالسلام بن ہاشم: ابو عثمان
عبدالسلام بن ہاشم البزار الاعور. انھوں نے حنبل بن عبداللہ سے روایت کی اور ان سے
عثمان بن طالوت نے. یہ قوی نہیں ہیں. (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ق ۱: ۱۷) (۱۲۰۵)
عبداللہ بن محرر (آخر میں دو راء معجمہ ہیں) عبداللہ بن محرر العامری الجزری الحرانی قاضی الجزیرۃ
انھوں نے قتادہ وغیرہ سے روایت کی. اور ان سے ثوری وغیرہ نے. ضعیف اور متروک

الحدیث ہیں۔ نیک اور عبادت گذار تھے۔ مگر نادانستہ جھوٹ کہہ جاتے تھے۔ ابو جعفر کے
عہد میں ۱۵۰ھ اور ۱۶۰ھ کے درمیان فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب : ۵: ۳۹۰
۳۹۱ و صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۱۷۸) (۱۲۰۶) محمد بن یونس الکدیمی : محمد بن یونس الکدیمی
بڑھیں۔ ۲۸۶ھ میں فوت ہوئے۔ ابو العباس محمد بن یونس القرشی الحافظ۔ سو سال سے اوپر
عمر پائی۔ ان کا پہلے ذکر آچکا ہے (شذرات الذہب : ۲: ۱۹۴) (۱۲۰۷) ضحاک بن مخلد
ابو عاصم : ابو عاصم النبیل الضحاک بن مخلد الشیبانی۔ بصرہ کے محدث تھے۔ انھوں نے یزید
بن ابی عبید وغیرہ سے روایت کی۔ بڑے وسیع علم اور حافظہ والے تھے۔ ان سے بخاری
وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ثقہ ہیں۔ ۲۱۲ھ میں نوے سال کی عمر پا کر وفات پائی۔ (
شذرات الذہب : ۲: ۲۸ و تہذیب التہذیب ۴: ۴۵۰۔ ۴۵۳) (۱۲۰۸)
شبیب بن بشر البجلی : ابو بشر شبیب بن بشر البجلی۔ بصری ہیں۔ انھوں نے حضرت انس
سے روایت کی ہے۔ اور ان سے اسرائیل وغیرہ نے۔ ابن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔
ابن حجر نے ان کو الحلبی الکوفی لکھا ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل : ج ۲ ق ۱ : ۳۵۷،
۳۵۸ و تہذیب التہذیب : ۴: ۳۰۶) (۱۲۰۹) زکریا انصاری نے اس حدیث کو
موضوع قرار دیا ہے (شرح زکریا انصاری : ۴: ۱۲۷)

(۱۲۱۰) اسمٰعیل بن علیۃ : اسمٰعیل بن ابراہیم ابو البشر الاسدی جو ابن عُلیۃ کے نام سے
مشہور ہیں۔ دراصل کوفہ تھے۔ مگر بصرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انھوں نے عبدالعزیز بن صہیب
وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن جریج وغیرہ نے۔ ہارون رشید کے عہد میں فوجداری
مقدمات کی سماعت کیا کرتے تھے۔ عُلیۃ ان کی والدہ تھیں۔ جن کا مذاکرہ فقہاء و علماء سے
رہتا تھا۔ اسمٰعیل ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثقہ۔ ثبت اور حجت تھے۔ ابھی جوان ہی تھے کہ
ان کا شمار بصرہ کے عُبّاد میں شمار ہونے لگ گیا تھا۔ ۱۹۳ھ میں بغداد میں وفات پائی۔
(تاریخ بغداد : ۶: ۲۲۹۔ ۲۴۰ و شذرات الذہب : ۱: ۳۳۳) (۱۲۱۱) شعبہ فرماتے
ہیں کہ اس ڈر سے کہ کہیں لوگ اس غلط تاویل نہ کر لیں۔ ایوب نے مجھے اس حدیث کی

روایت سے منع کر دیا تھا (نتائج الافکار القدسیہ : ۴ : ۱۲۹) (۱۲۱۲) ابن ملحان : ابن حجر نے ان کا نام عبداللہ بن قتادہ القیسی دیا ہے مگر عبداللہ بن قتادہ کا حال نہیں دیا۔ (تہذیب التہذیب : ۱۲ : ۳۱۱) (۱۲۱۳) یحییٰ بن بکیر : یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر القرشی ابوزکریا الحافظ انھیں اپنے دادا بکیر کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ انہوں نے لیث وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ ۱۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔ بعض نے انھیں ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۲۳۷۔ ۲۳۸ و شذرات الذہب : ۲ : ۷۱ و تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۸ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲ ۱۶۵) (۱۲۱۴) لیث سے مراد لیث بن سعد ہے۔ ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (اخبار اصفہان : ۲ : ۱۶۸) (۱۲۱۵) عُقیل : عُقیل بن خالد بن عُقیل ابو خالد الاموی۔ انھوں نے اپنے باپ اور دیگر رواۃ سے روایت کی۔ اور ان سے لیث بن سعد وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں۔ ۱۴۱ھ یا ۱۴۴ھ میں وفات ہوئی (تہذیب التہذیب : ۷ : ۲۵۵۔ ۲۵۶ و شذرات الذہب : ۱ : ۲۱۶ : ابن العماد نے ان کا نام عقیل بن خلد الایلی دیا ہے۔ اور ۱۴۴ھ میں وفات دی ہے) (۱۲۱۶) ابنِ شہاب : ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب القرشی الزہری الحافظ۔ یہ مدینہ کے رہنے والے اور چوٹی کے عالم تھے۔ عبداللہ بن عمر اور دیگر لوگوں سے روایت کی۔ اور ان سے عقیل وغیرہ نے۔ ثقہ۔ فقیہ۔ کثیر الحدیث اور عالم تھے۔ ۱۲۳ھ میں بہتر سال کی عمر میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۴۵۔ ۴۵۱ و شذرات الذہب : ۱ : ۱۶۲ و تاریخ الاسلام : ۵ : ۱۳۶۔ ۱۵۲ و تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۱۰۲۔ ۱۰۶ و البدایہ والنہایہ : ۹ : ۳۴۰۔ ۳۴۸ و التاریخ الکبیر : ج ۱ ق ۱ : ۲۲۰۔ ۲۲۱ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ : ۷۱۔ ۷۷) (۱۲۱۷) ابوسلمۃ : ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف المدنی۔ بہتر سال کی عمر میں ۹۴ھ یا ۱۰۴ھ میں وفات ہوئی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے (تہذیب التہذیب : ۱۲ : ۱۱۵۔ ۱۱۸)

(۱۲۱۸) ابوالفرج الشیرازی : طبقات صفحہ ۳۵۲ میں ابوالفرج بن الصائغ دیا اور سلمیٰ ان

سے حکایت کرتے ہیں مگر نورالدین نے ان کا حال نہیں دیا۔ (۱۲۱۹) عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن
ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن الرازی الصوفی متوفی ۳۵۳ھ۔ ان کا حال پہلے گزر چکا ہے۔
(۱۲۲۰) اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مرید ابھی ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے
سماع میں حظوظ نفسانی کا دخل باقی رہتا ہے۔ برخلاف کامل لوگوں کے کہ اس میں یہ بات
نہیں ہوتی۔ (۱۲۲۱) علی بن عبداللہ البغدادی: نورالدین شیرسی لکھتے ہیں کہ یہ ابوالحسن علی بن عبداللہ
بن محمد البغدادی ہیں۔ قاری تھے ان سے ابوالحسن عبدالباقی بن الحسن بن احمد بن محمد بن عبدالعزیز
جو دراصل خراسان کے رہنے والے اور دمشق میں پیدا ہوئے نے قراءت کی روایت کی
ہے۔ اور ابوالحسن خراسانی کی وفات بعد از ۳۸۰ھ ہوئی (طبقات الصوفیہ: ۱۶۷)
مگر میرے خیال میں ابوالحسن علی بن عبداللہ بن ابراہیم الہاشمی العباسی البغدادی العیوی
مراد ہیں۔ یہ مدینۃ المنورۃ کے قاضی تھے۔ انھوں نے ابوجعفر بن البختری وغیرہ سے روایت
کی۔ اور ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۲۰۳) (۱۲۲۲) ذوالنون
اور ان کے ایک مرید کا اسی قسم کا واقعہ ہے۔ ملاحظہ ہو ابن خلکان: ۱: ۲۸۱ اور
تاریخ بغداد: ۸: ۳۹۷۔ (۱۲۲۳) عبدالواحد بن علوان: ابو عمرو عبدالواحد بن علوان۔
یہ ابونصر طوسی کے استاد ہیں۔ (۱۲۲۴) ابوالحسین درّاج: ابوالحسین سعید بن الحسین الدراج
الصوفی۔ صوفیاء کے ہاں ان کا بہت مرتبہ ہے۔ ابراہیم خواص کی صحبت میں رہے۔ ۔۔۔
۔۔۔ ان کے دو اور بھائی تھے۔ اور وہ بھی مشائخ صوفیہ میں سے ہوئے ہیں۔ بکیر
الدراج اور ابوالحسین الدراج فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھ میں عیب نکالنا
اور میں تجھ میں عیب نکالوں گا۔ مگر کئی سال گزر گئے۔ ہم میں سے کوئی بھی دوسرے کا عیب
نہ پکڑ سکا۔ ابوالحسین درّاج کی وفات ۳۲۰ھ یا اس سے کچھ سال بعد ہوئی (تاریخ
بغداد: ۹: ۱۰۵-۱۰۶ اور تاریخ بغداد: ۷: ۱۲) (۱۲۲۵) اس حکایت کو امام
غزالی نے بھی دیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین: ۲: ۲۹۷-۲۹۸) (۱۲۲۶)
اس حکایت کا ذکر سید علی ہجویری اور ابونصر سراج دونوں نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو
کشف المحجوب: ۵۳۳ اور کتاب اللمع: ۲۸۶)

(۱۲۲۷) رسالہ اور شرح دونوں میں ابوسلمان دیا ہے۔ مگر کتاب اللمع میں اسی حکایت میں (ص ۲۸۹) ابو حلمان الصوفی دیا ہے۔ ان ہی کی طرف فرقہ حلمانیہ منسوب ہوتا ہے۔ جو حلولیہ کی ایک شاخ ہے۔ (کتاب اللمع مقدمہ انگریزی: ۲۶)

(۱۲۲۸) ابوالحسن علی بن محمد الصوفی: رسالہ میں اور شرح میں اس طرح دیا ہے۔ کتاب اللمع میں ابوالحسن علی بن محمد الصیرفی دیا ہے۔ پھر نکلسن نے (مقدمہ انگریزی: ۲۰) لکھا ہے کہ یہ ابوالحسن علی بن بندار بن الحسین الصیرفی ہیں۔ جو رُویم کی صحبت میں رہے۔ اور جن کی وفات ۳۵۹ھ میں ہوئی۔ راقم حروف کہتا ہے کہ یہاں مراد ابوالحسن علی بن محمد بن بشار الزاہد البغدادی سے ہے۔ یہ حنابلہ کے شیخ تھے انھوں نے حدیث صالح بن احمد بن حنبل سے حاصل کی، یہ صاحب کرامات تھے۔ ۳۱۳ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۲۶۷ و تاریخ بغداد: ۲: ۶۶-۶۷ و المنتظم: ۶: ۱۹۸) (۱۲۲۹) علی بن موفق: علی بن موفق العابد۔ انھوں نے منصور بن عمار وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور اُن سے احمد بن مسروق طوسی وغیرہ نے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ساٹھ حج کیے، جن میں سے تیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھے۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ نکلسن نے اُن کی تاریخ وفات ۲۴۵ھ دی ہے۔ جو غلط ہے۔ اور مزید ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۲: ۲۱۸۔ نفحات الانس: ۱۱۰ و تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۱۰-۱۱۲: مقدمہ انگریزی کتاب اللمع: ۲۹) (۱۲۳۰) علی بن طاہر: ابوالحسن علی بن طاہر الواہبی انھوں نے نعیم وغیرہ سے روایت کی۔ ۳۰۲ھ میں وفات پائی (تاریخ جرجان: ۲۷۹) (۱۲۳۱) عبداللہ بن سہل: ابو محمد عبداللہ بن الوراق الحربی۔ انھوں نے ابراہیم الترجمانی سے روایت کی اور اُن سے ابوالحسین بن المنادی نے (تاریخ بغداد: ۹: ۴۷۳)

(۱۲۳۲) عون بن عبداللہ: ابو عبداللہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی الکوفی الزاہد انھوں نے اپنے باپ اور چچا سے روایت کی ہے۔ صحابہ سے ان کی روایت مرسل ہوتی ہے۔ اور اُن سے اُن کے بھائی حمزہ وغیرہ نے۔ یہ کوفہ کے عابدوں میں سے تھے۔ پہلے "ارجاء" کے قائل تھے۔ بعد میں توبہ کرلی۔ جب حدیث بیان کرتے تو زار و قطار رویا کرتے تھے۔ بخاری نے ان کی تاریخ وفات ۱۱۰ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان دی ہے۔ ثقہ اور تابعی تھے۔ (تہذیب

التہذیب ۸ : ۱۷۱ - ۱۷۳ ؛ تاریخ الاسلام ۴ : ۲۸۷ - ۲۸۸) خطیب بغدادی (تاریخ بغداد ۱۲ : ۲۹۲) نے عون بن عبداللہ بن عون بن عتبہ بن مسعود الکوفی کا ذکر کیا ہے۔ یہ مہدی کے زمانہ میں بغداد کے قاضی بنے۔ اور ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔ مگر یہ یہاں مراد نہیں ہیں۔ (۱۲۳۳) حفص بن عمر : ابو عمر حفص بن عمر المضریر البصری۔ صدوق ہیں (شذرات الذہب ۲ : ۸۴) (۱۲۳۴) ہارون ابو حمزہ۔ رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ شرح انصاری میں ہارون بن حمزہ دیا ہے انکا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ ابو حمزہ ہارون بن المغیرہ الرازی البجلی۔ انھوں نے عنبسہ بن سعید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن حمید وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق ہیں (تہذیب التہذیب ۱۱ : ۱۲ - ۱۳ ؛ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۲ : ۹۵ - ۹۶) (۱۲۳۵) العذافر : رسالہ میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر شرح میں العذافری دیا ہے۔ (۱۲۳۶) ابو الحارث الاولاسی : اولاس طرسوس سے بحر شام کو جاتے ہوئے ساحل بحر پر ایک قلعہ ہے جس کے اندر ایک اور قلعہ ہے جسے حصن الزہاد کہتے ہیں (معجم البلدان ۱ : ۲۸۲) اولاسی کا نام فیض بن خضر ہے۔ یہ بچپن میں گویے تھے۔ ایک بار ان کا گذر ایک مریض پر ہوا۔ جو راستہ پر پڑا تھا۔ اس نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا : انار۔ یہ انار لے آیا۔ اس مریض نے کہا خدا تمہیں توبہ نصیب کرے۔ رات ہونے سے پہلے ہی ان کی حالت بدل چکی تھی۔ ابراہیم بن سعد علوی کی صحبت میں رہے۔ اور طرسوس میں ۲۹۷ھ میں وفات پائی (المنتظم ۶ : ۹۳ ؛ صفۃ الصفوۃ ۴ : ۲۵۵ - ۲۵۶ ؛ نفحات الانس : ۴۴) (۱۲۳۷) کرامات الاولیاء پر بحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اللمع : ۳۱۵ - ۳۳۰ ؛ شرح تعرف ۳ : ۲ - ۱۹ ؛ نتائج الافکار القدسیہ ۴ : ۱۴۶ - ۱۴۷ ؛ حیات القلوب ۲ : ۲۸۷ - ۲۸۹) (۱۲۳۸) ابو اسحٰق اسفرائنی : ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الاسفرائنی ۴۱۸ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔ اور ان کا حال پہلے گذر چکا ہے (معجم البلدان ۱ : ۱۷۸ ؛ شذرات الذہب ۳ : ۲۰۹)

(۱۲۳۹) ابو بکر اشعری : ابو بکر محمد بن الطیب بن محمد القاضی المعروف بابن ابا قلانی۔ یہ اشعری مذہب کے عالم تھے۔ دراصل بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ابوبکر بن مالک القطیعی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو جعفر محمد بن احمد السمنانی نے

ثقہ تھے، علم کلام کے بڑے ماہر تھے۔ اور انھوں نے معتزلہ جہمیہ وغیرہ فرقوں کے رد میں تصانیف کی ہیں۔ روزانہ عشاء کے بعد پینتیس ورقے تصانیف کے لکھا کرتے تھے۔ ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۵: ۳۷۹-۳۸۳ و شذرات الذہب: ۳: ۱۶۸-۱۷۰ و المنتظم: ۷: ۲۶۵ و البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۳۵۰-۳۵۱) (۱۲۴۰) یعنی جب ان صحابیوں کو اپنے جنتی ہونے کا یقینی طور پر علم ہو گیا۔ مگر پھر بھی وہ بے خوف نہیں ہوئے۔ اسی طرح اگر ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو جائے تو کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ (۱۲۴۱) ابوالحسن اشعری: ابوالحسن علی بن اسمٰعیل بن ابی بشر البصری۔ صاحب تصانیف ہیں۔ انھوں نے علم حدیث زکریا ساجی سے حاصل کیا۔ اور ابو علی جبائی سے علم جدل و نظر انھوں نے معتزلہ کے رد میں تصانیف کی ہیں۔ بڑے قانع اور پرہیزگار تھے۔ ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۳۰۳-۳۰۵ و البدایہ والنہایہ: ۱۱: ۱۸۷ و انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱: ۴۹۴-۴۹۵ و تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۴۶-۳۴۷) (۱۲۴۲) عمار بن رجاء: عمار بن رجاء الاستر آبادی۔ انھوں نے احمد بن ابی ظبیہ اور وہب بن جریر وغیرہ سے روایت کی۔ صدوق تھے، (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳: ق ۱: ۳۹۵) (۱۲۴۳) وہب بن جریر بن حازم۔ ابوالعباس وہب بن جریر بن حازم الازدی البصری الحافظ۔ انھوں نے اپنے باپ جریر بن حازم سے کثرت سے روایت کی ہے۔ ۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۲: ۱۶ و تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۶۱-۱۶۲) (۱۲۴۴) باپ یعنی جریر بن حازم الازدی ابوالنضر انھوں نے ابن سیرین وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے وہب اور حسین بن محمد المروزی نے جب آخر عمر میں ان کی عقل میں فتور آ گیا تو ان کے بیٹوں نے انہی لوگوں سے ملنے سے منع کر دیا تھا۔ تاکہ کوئی ان سے حدیث نہ سن سکے لہٰذا ان کی ساری روایت اچھی حالت کے زمانہ کی ہے۔ ثقہ تھے۔ ۱۷۰ھ میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۲: ۶۹-۷۲) (۱۲۴۵) ابو امیہ: محمد بن ابراہیم بن مسلم ابو امیۃ الثغری الطرسوسی۔ انھوں نے احمد بن اسحٰق الحضرمی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو عوانہ وغیرہ۔ نے یہ ثقہ اور امام تھے۔ طرسوس

میں ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۹: ۱۵-۱۶ و تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۴۴)
(۱۲۴۶) الحسین بن محمد المروزی ابو احمد الحسین بن محمد بن بہرام التمیمی المروزی۔ بغداد میں آباد ہو
گئے تھے۔ انھوں جریر بن حازم وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔
ثقہ اور صدوق ہیں۔ ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۲: ۳۶۶-۳۶۷ و
شذرات الذہب: ۲: ۳۰) (۱۲۴۷) محمد بن عوف: ابو جعفر بن عوف بن سفیان الطائی
الحمصی۔ ائمہ حدیث میں سے تھے۔ انھوں نے محمد بن یوسف الفریابی وغیرہ سے حدیث سنی۔
۲۷۲ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۱۶۳ و تہذیب التہذیب: ۹: ۳۸۳
۳۸۴: تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۱۴۴-۱۴۵) (۱۲۴۸) یزید بن عبد الصمد الدمشقی: ابو القاسم
یزید بن عبد الصمد الدمشقی۔ انھیں محدث دمشق کہا جاتا تھا۔ ابو مسہر وغیرہ سے حدیث سنی۔
ثقہ اور حدیث میں صاحب بصیرت تھے۔ ۲۷۷ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲:
۱۷۰) (۱۲۴۹) عبد الکریم بن القاسم الدیر عاقولی رسالہ میں اسی طرح دیا ہے مگر شرح
میں عبد الکریم بن الہیثم الدیر عاقولی دیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔ انھوں نے ابو نعیم
اور ابو الیمان وغیرہ سے روایت کی۔ حدیث کی تلاش میں سفر کئے۔ اور حدیث جمع کی۔
ثقہ اور مامون تھے۔ ۲۷۸ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۲: ۱۷۲ و اللباب
۱: ۴۳۷) (۱۲۵۰) ابو الیمان: ابو الیمان الحکم بن نافع الحمصی: انھوں نے شعیب بن ابی حمزہ
وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن عوف طائی وغیرہ نے۔ ثقہ صدوق اور نبیل تھے۔
تراسی سال کی عمر میں ۲۲۱ھ یا ۲۲۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۲: ۴۴۱
۴۴۳) (۱۲۵۱) شعیب: ابو بشر شعیب بن ابی حمزہ الحمصی۔ انھوں نے زہری وغیرہ سے
روایت کی۔ اور ان سے ابو الیمان وغیرہ نے۔ ثقہ ثبت اور صالح الحدیث ہیں۔ ۱۶۲ھ یا
۱۶۳ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۴: ۳۵۱-۳۵۲) (۱۲۵۲) سالم:
سالم سے یہاں مراد ابو عمر سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ہیں۔ انھوں نے عبد اللہ
بن عمر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے زہری وغیرہ نے۔ زہد میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔

علم تقویٰ عبادت اور ورع میں اپنے زمانہ میں ممتاز تھے. جب فارس سے لونڈیاں آئیں۔
تو ان میں یزدجرد کی بیٹیاں بھی تھیں. حضرت عمر نے ان میں ایک اپنے بیٹے عبد اللہ
بن عمر کو دی. اس میں سے سالم پیدا ہوئے. ان کی وفات ۱۰۵ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوئی۔
(تہذیب التہذیب: ۳: ۴۳۶ ۴۳۸ و تاریخ الاسلام: ۴: ۱۱۵-۱۱۸)

(۱۲۵۳) یونس بن عبد الاعلیٰ: ابو موسیٰ یونس بن عبد الاعلیٰ المصری۔ انہوں نے ابن وہب
وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو عوانہ اسفرائنی وغیرہ نے۔ ثقہ اور حافظ حدیث
اور رکن اسلام تھے۔ ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۶۴ھ میں وفات پائی (تہذیب
التہذیب: ۱۱: ۴۴۰-۴۴۱ و شذرات الذہب: ۲: ۱۴۹ و تذکرۃ الحفاظ:
۲: ۹۸-۹۹) (۱۲۵۴) ابن وہب: ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم القرشی المصری
الفقیہ۔ انھوں نے مالک وغیرہ سے روایت کی. اور ان سے یونس بن عبد الاعلیٰ وغیرہ
نے. نہایت عابد اور زاہد تھے۔ ثقہ تھے۔ اور امام مالک کے خاص شاگرد تھے ۱۲۵ھ
میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب: ۱: ۳۴۷-۳۴۸ و
تہذیب التہذیب: ۶: ۷۱-۷۴) (۱۲۵۵) یونس بن یزید: ابو یزید یونس
بن یزید الایلی، انھوں نے زہری وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن وہب وغیرہ
نے۔ ثقہ اور صدوق تھے۔ صعید مصر میں ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ۱۱:
۴۵۰-۴۵۲) (۱۲۵۶) ابن شہاب: محمد بن مسلم بن شہاب الزہری م ۱۲۴ھ ان کا
حال پہلے گذر چکا ہے۔ (۱۲۵۷) ہرم بن حیان: حرم بن حیان العبدی الربعی البصری
انھوں نے حضرت عمر سے روایت کی ہے۔ اور ان سے حسن بصری وغیرہ نے۔ یہ
عبادت گذاروں کے سرداروں میں سے تھے۔ جس روز ان کی وفات ہوئی اس دن
سخت گرمی تھی، جب دفن کرنے لگے تو بادل چھا گئے۔ اور بارش ہوئی۔ اور اسی روز
گھاس بھی اگ آئی۔ (تاریخ الاسلام: ۳: ۲۱۱-۲۱۲ و صفۃ الصفوۃ: ۱۳۷-۱۳۹)
(۱۲۵۸) علاء بن الحضرمی: حضرمی کا اصلی نام عبد اللہ بن عباد ہے۔ مکہ کی بالائی جانب
جو بئر میمون نامی کنواں ہے وہ ان کے بھائی میمون بن حضرمی کی طرف منسوب ہے۔

یہ کنواں انھوں نے جاہلیت میں کھدوایا تھا۔ علماء و فضلاء صحابہ میں سے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ابو بکر پھر عمر کے عہد میں بحرین کے گورنر رہے۔ ذہبی نے ان کی اس کرامت کا ذکر مع دیگر کرامات کے کیا ہے۔ ۲۱ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام: ۲: ۳۸، ۱۴۹ و شذرات الذہب ۱: ۳۱) (۱۲۵۹) عتاب بن بشیر: ابن الاثیر نے اس نام کے کسی صحابی کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ عتاب بن شمیر کا ذکر کیا ہے۔ (۱۲۶۰) اُسید بن حُضیر: اُسید بن حضیر الانصاری الاوسی۔ بُعاث کی جنگ میں قبیلہ اوس کے رئیس تھے۔ عقبہ اُولیٰ کے بعد مُصعب بن عمیر کے ہاتھوں اسلام لائے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ یہ نہایت عمدہ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ ۲۰ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ: ۱: ۹۲-۹۳) (۱۲۶۱) ابو مسلم: ان کے حالات نہ مل سکے۔ (۱۲۶۲) عمرو بن مرزوق: ابو عثمان عمرو بن مرزوق الباہلی۔ انھوں نے شعبہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ ان کے حلقہ درس میں دس ہزار آدمی ہوتے تھے۔ ثقہ اور عابد تھے۔ ۲۲۴ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۸: ۹۹-۱۰۱) (۱۲۶۳) عبد العزیز بن ابی سلمۃ الماجشون: عبد العزیز بن یعقوب بن ابی سلمۃ الماجشون۔ انھوں نے ابن المنکدر سے روایت کی۔ اور ان سے یحییٰ بن معین وغیرہ نے (اللباب: ۳: ۷۷) (۱۲۶۴) وہب بن کیسان: ابو نعیم وہب بن کیسان القرشی۔ انھوں نے ابن عمر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبد العزیز بن الماجشون وغیرہ نے۔ مدنی اور ثقہ تابعی ہیں۔ ۱۲۷ھ میں وفات ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۶۶) (۱۲۶۵) ابو سلیمان خواص: یہ مغرب کے رہنے والے تھے۔ اور ابو الخیر تینانی کے معاصر تھے۔ دمشق میں وفات ہوئی (نفحات الانس: ۲۱۸) (۱۲۶۶) ابو الفتح یوسف بن عمر الزاہد القواس: یہ زاہد اور مجاب الدعوۃ تھے۔ اور ابدال میں سے تھے۔ ۳۸۵ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۳: ۱۱۹ و تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۲۵ و المنتظم: ۷: ۱۸۷) (۱۲۶۷) محمد بن عطیہ: ابو طالب محمد بن عطیہ العجمی ثم المکی مصنف قوت القلوب زاہد و عابد تھے۔ سالہا سال انھوں نے کھانا نہیں کھایا۔ گھاس کھایا کرتے۔ اور ابو الحسن بن سالم البصری شیخ السالمیہ کے

طریقہ پر چلے۔ ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۳: ۱۲۰)
(۱۲۶۸) اسحق بن احمد: یہ بصرہ کے رہنے والے بڑے دنیادار اور مالدار شخص تھے
انھوں نے سہل کے ہاتھوں توبہ کی۔ اور تمام مال و دولت اللہ کی راہ میں لٹا دیا تھا (کتاب
اللمع: ۳۱۹) (۱۲۶۹) محمد بن یوسف البناء: تصوف پر کئی عمدہ کتابوں کے مصنف
ہیں۔ مکمل نام ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن معدان البناء ہے تین سو اساتذہ سے حدیث
لکھی مگر بعد میں ارادت و خلوت غالب آگئی۔ معمار کا کام کرتے تھے۔ اور عبادت گذاری
میں مشغول رہتے۔ انھیں عروس الزہاد کہا جاتا ہے۔ ۴۱۸ھ میں وفات ہوئی۔ (اخبار
اصبہان: ۲: ۱۷۱-۱۷۳ و نفحات الانس: ۱۰۷-۱۰۸ و صفتہ الصفوۃ: ۴: ۶۵)
(۱۲۷۰) المرقی: الرقی پڑھیں (۱۲۷۱) رسالہ اور شرح میں اسی طرح دیا ہے۔
کتاب اللمع (صفحہ ۳۳) میں العصایدی دیا ہے (عصیدہ بنانے والا) (۱۲۷۲) رسالہ میں
اسی طرح دیا ہے۔ شرح میں المنبجی دیا ہے۔ اور کتاب اللمع میں المقنجی دیا ہے نکلسن اسے
قلمی نسخہ سے صحیح طور پر پڑھ نہیں سکا۔ (۱۲۷۳) ابوالحسن غلام شعوانہ: شعوانہ ایلہ
کی بہت عبادت گذار اور زاہدہ عورت تھیں۔ ہر وقت روتی رہتیں۔ اُن کا خاوند بھی
ان کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتا۔ (صفتہ الصفوۃ: ۴: ۳۶-۳۹) (۱۲۷۴) محمد
بن مبارک الصوری: ابو عبداللہ محمد بن المبارک الصوری، یہ شام کے عابدوں اور زاہدوں
میں سے تھے۔ انھوں نے عبداللہ بن مبارک سے روایت کی۔ اور اُن سے محمد بن عوف
حمصی نے۔ ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ (اللباب: ۲: ۲۶۳ و
شذرات الذہب: ۲: ۳۵) (۱۲۷۵) ابوجعفر الخصاف: رسالہ اور شرح نیز صفتہ
الصفوۃ میں ابوجعفر خصاف ہی دیا ہے۔ مگر خطیب بغدادی نے اُن کا نام جعفر الحفاف
دیا ہے۔ یہ جلیل القدر مشائخ صوفیہ میں سے ہیں۔ سری سقطی کے ہمعصر تھے بڑے
سخی اور بلند حالت والے تھے (تاریخ بغداد: ۷: ۱۷۶) (۱۲۷۶) جابر رحبی: یہ بھی
صوفیائے کبار میں سے تھے۔ ابن الجوزی نے ان کی دو کرامات نقل کی ہیں۔ (صفتہ الصفوۃ
۴: ۲۱۵-۲۱۶)

(۱۲۷۷) ابو محمد جعفر الحذاء : جنید اور انکے طبقہ کے دیگر صوفیاء کی صحبت میں رہے شبلی ان کے مناقب بیان کیا کرتے۔ اور ان کی فضیلت کا اعتراف کیا کرتے تھے۔ بندار بن الحسین فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر بہتر حالت کا صوفی نہیں دیکھا ۔ ابتداء میں بڑی شان و شوکت سے رہا کرتے تھے۔ مگر بعد میں سب کچھ ترک کر دیا۔ ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ نفحات الانس : ۲۲۵ - ۲۲۶) (۱۲۷۸) ابو عمر الاصطخری : ابو عمر عبدالرحیم الاصطخری انھوں نے سہل بن عبداللہ تستری کی ملاقات کی تھی۔ اور رویم کی صحبت میں رہے تھے۔ شکاری کتے اور کبوتر بھی رکھا کرتے۔ اپنے والد سے بہت سی جائیداد اور روپیہ ورثہ میں ملا تھا۔ مگر تمام لوگوں میں بکھیر دیا (نفحات الانس : ۲۲۵ - ۲۲۶) (۱۲۷۸) آدم بن ابی ایاس : آدم بن ابی ایاس الخراسانی ثم البغدادی ۔ انھوں نے ابن ابی ذئب اور شعبہ سے روایت کی صالح، عبادت گزار۔ ثقہ اور مامون تھے۔ جب وفات کا وقت آیا تو سارا قرآن مجید ختم کر کے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ اور جان دے دی۔ ۲۲۰ھ میں وفات پائی (شذرات الذہب ۲ : ۴۷ و تاریخ بغداد : ۷ : ۲۷ تا ۳۰ و صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۲۸۰) (۱۲۸۰) ابراہیم آجری : ابراہیم آجری دو ہوئے ہیں ۔ ایک آجری صغیر اور دوسرا کبیر۔ کبیر صغیر کا استاد تھا۔ یہاں جو واقعہ دیا ہے وہ آجری صغیر کا واقعہ ہے۔ دونوں فاضل تھے۔ (تاریخ بغداد : ۶ : ۲۱۱ - ۲۱۲ و نفحات الانس : ۴۸)

(۱۲۸۱) ابو عاصم بصری : ابو عاصم العبادانی المرائی البصری ۔ ان کا نام عبداللہ بن عبید اللہ ہے۔ بعض ابن عبد اور بعض عبید اللہ بن عبداللہ بتاتے ہیں ۔ انھوں نے علی بن زید بن جدعان وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے علی بن المدینی وغیرہ نے۔ ثقہ صدوق اور صالح الحدیث تھے (تہذیب التہذیب : ۱۲ : ۱۴۲ - ۱۴۳)

(۱۲۸۲) واصل احدب : واصل بن حیان الاحدب الاسدی الکوفی ۔ بیاع السابری ۔ انھوں نے شریح القاضی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابو اسحاق شیبانی وغیرہ نے۔ صدوق ثقہ اور ثبت تھے۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۱۰۳ و شذرات الذہب ۱ : ۱۵۷ و تاریخ الاسلام : ۵ : ۱۳) (۱۲۸۳)

ایوب السختیانی : ابو بکر ایوب بن ابی تمیمہ کیسان البصری۔ صغار تابعین میں سے تھے چوٹی کے عالموں میں سے تھے۔ سختیان ایک قسم کی کھال کو کہتے ہیں۔ یہ کھال بیچا اور بنایا کرتے تھے۔ اس لئے سختیانی کہلائے۔ انھوں نے سعید بن جبیر وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے شعبہ وغیرہ نے۔ یہ اپنے زہد کو چھپا کر رکھا کرتے تھے۔ ثقہ تھے ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ یہاں جو کرامت دی گئی ہے۔ اس کا ذکر ذہبی نے بھی کیا ہے (تاریخ الاسلام : ۵ : ۲۲۸ - ۲۳۰۔ و اللباب : ۱ : ۵۳۶ و شذرات الذہب : ۱ : ۱۸۱ و صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۱۲ و تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۱۲۲ - ۱۲۴ و تہذیب التہذیب : ۱ : ۳۹۷ - ۳۹۹)

(۲۸۴) حماد بن زید : ابو اسمٰعیل حماد بن زید البصری الضریر، دین دار اور پرہیز گار اور ائمہ حدیث میں سے تھے۔ انھوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے ابن المبارک وغیرہ نے۔ بعض لوگ انھیں حماد بن سلمہ سے بھی افضل شمار کرتے ہیں۔ ۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۳ : ۹ - ۱۱ و شذرات الذہب : ۱ : ۲۹۲ و صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۲۷۶) (۲۸۵) ابو القاسم بن مروان نہاوندی : ابو القاسم بن مروان النہاوندی الصوفی۔ ابو سعید خراز کی صحبت میں رہے۔ اور مدت تک بغداد میں قیام کیا۔ (تاریخ بغداد : ۱۴ : ۴۰۰) (۲۸۶) شیبان الراعی : یہ صاحب کرامات اور امی تھے۔ حج کے موقع پر ان کی ملاقات ہارون الرشید سے ہوئی۔ تو انھوں نے اسے نصیحت کی جسے سن کر ہارون رونے لگ گیا۔ ہارون نے ۱۷۴ھ میں پہلا حج کیا اور پھر ۱۸۶ھ میں اس وقت اس کے دونوں بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ سفیان ثوری کے ساتھ جو حج شیبان راعی نے کیا وہ یقیناً ۱۶۱ھ سے پہلے کیا ہو گا۔ کیونکہ سفیان ثوری کی وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ لہٰذا شیبان راعی کی وفات ۱۸۶ھ کے بعد ہوئی ہو گی۔ (صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۳۳۹) (۲۸۷) علی بن ہارون : علی بن ہارون بن علی المنجم۔ یہ مورخ ادیب شاعر اور متکلم تھے۔ ان سے حسن بن حسین نوبختی وغیرہ نے روایت کی۔ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۲ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۱۲ : ۱۱۹ - ۱۲۰) خطیب نے اس زمانے کے ایک اور آدمی کا ذکر کیا ہے جس کا نام علی بن ہارون ابو الحسن الحربی السمسار ہے۔

انھوں نے ۳۶۵ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۲۰) محمد بن منصور السلوسی: ابو جعفر محمد بن منصور العابد المعروف بالطوسی۔ انھوں نے اسمٰعیل بن علیہ وغیرہ سے حدیث سنی، اور اُن سے احمد بن علی الابار وغیرہ نے۔ اٹھاسی سال کی عمر میں ۲۵۴ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۲۴۷- ۲۵۰ و نفحات الانس: ۶۵)

(۱۲۸۹) عتبۃ الغلام و زاہد مشہور ہیں۔ کتاب رسالہ فی الزہد ان کی تصنیف ہے۔ (الفہرست: ۲۶۲) ان کا پہلے ذکر آچکا ہے (۱۲۹۰) ابو علی رازی: جامی نے اُن کا صرف ایک قول نقل کیا ہے (نفحات الانس: ۱۹۷- ۱۹۸) (۱۲۹۱) عطار الارزق: عطاء الارزق النساج العابد۔ ان سے جعفر بن سلیمان اور مخلد بن الحسین نے روایت کی ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳: ق ۱: ۳۴۰) (۱۲۹۲) عثمان بن ابی العاتکہ: ابو حفص سلیمان بن ابی العاتکۃ الازدی۔ انھوں نے خالد بن اللجلاج وغیرہ سے روایت کی اور ان سے الولید بن مسلم وغیرہ نے۔ یہ قصہ خواں تھے اور صدوق تھے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ایک قول کے مطابق انھوں نے ۱۵۲ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۷: ۱۲۴- ۱۲۶) (۱۲۹۳) ابو مسلم عبد اللہ بن ثوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ جب اسود عنسی مدعیٔ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انھیں بھی بلا بھیجا۔ انھوں نے اس کی جھوٹی نبوت کا انکار کیا۔ تو اس نے بہت بڑی آگ جلا کر اس میں انھیں پھینکا۔ مگر آگ انھیں ضرر نہ پہنچا سکی۔ اس پر اسود عنسی نے اس خوف سے کہ کہیں اور لوگ بھی اس سے منحرف نہ ہو جائیں انھیں اس علاقہ سے نکال دیا۔ یہ مدینہ آئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ انھوں نے سواری کو بٹھا دیا۔ اور خود مسجد میں چلے گئے۔ حضرت عمر نے انھیں دیکھا تو پوچھا کن لوگوں میں سے ہو؟ جواب دیا یمن سے۔ پھر سوال کیا کہ جس شخص کو کذاب نے آگ سے جلانا چاہا تھا۔ اُس کا کیا حال ہے؟ جواب دیا وہ شخص عبد اللہ بن ثوب ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے اللہ کی قسم دے کر پوچھا کیا تو وہی شخص نہیں ہے؟ تو انھوں نے اقرار کیا۔ کہ ہاں میں وہی شخص ہوں حضرت عمر اس پر اُن سے

بغل گیر ہوئے اور روئے۔ پھر اس کو لے جاکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بٹھا دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رض نے کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے مرنے سے پہلے امت محمدیہ میں سے اس شخص کی زیارت کرادی جس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا گیا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔ یہ صاحب کرامات تھے۔ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں ان کی چند ایک کرامات کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ۶۳ھ میں وفات پائی (تاریخ الاسلام ۳: ۱۰۲ - ۱۰۶ و اللباب: ۱: ۴۹۵ و شذرات الذہب: ۱: ۷۰ و صفۃ الصفوۃ ۴: ۱۸۰ و تہذیب التہذیب: ۱۲: ۲۳۵ - ۲۳۶)

(۱۲۹۴) محمد بن احمد المروزی: محمد بن احمد المروزی کئی ایک لوگوں کا نام ہے خطیب بغدادی نے تین ایسے اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کا نام محمد بن احمد المروزی ہے (تاریخ بغداد ۱: ۲۹۳ و ۳۱۴ - ۳۱۸) ابن الجوزی (المنتظم: ۷: ۵۵) نے بھی اسی نام کے ایک شخص کا ذکر کیا ہے۔ جن کی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی یہاں مراد معلوم نہیں ہوتا۔ ابن العماد (شذرات الذہب: ۲: ۳۷۳) نے ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب المروزی کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ستانوے سال کی عمر میں ۳۴۶ھ میں وفات پائی۔ غالباً یہاں مراد ابوبکر محمد بن احمد المروزی سے ہے جنھوں نے جرجان میں روایت کی۔ یہ احمد بن سیار سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے ابواحمد عبداللہ بن عدی الحافظ (تاریخ جرجان: ۳۶۸) (۱۲۹۵) ابومعاویہ الاسود: ابومعاویہ الیمان الاسود جہاد میں اکثر شامل ہوا کرتے تھے اور صاحب کرامات تھے۔ ابن الجوزی (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۶) نے بھی اس کرامت کا ذکر کیا ہے (صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۵ - ۲۴۷) (۱۲۹۶) ابوحمزہ نصر بن الفرج: رسالہ اور شرح دونوں میں اسی طرح دیا ہے مگر درست جیسا کہ صفۃ الصفوۃ: ۴: ۲۴۶ میں ہے ابوحمزہ نُصَیر بن الفرج الاسلمی ہے۔ انھوں نے شعیب بن حرب، حسین الجعفی، ولید بن عتبہ الطحان اور محمد بن القاسم الازدی سے روایت کی ہے اور ان سے ابوحاتم رازی نے۔ ثقہ تھے (کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱: ۴۹۳) (۱۲۹۷) قاسم الجرعی: درست قاسم الجوعی ہے۔ یہ جوع (بھوک) کی

طرف نسبت ہے۔ اس نسبت سے مشہور ابو عبد الملک القاسم بن عثمان الجوعی الدمشقی
ہیں۔ اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ اکثر بھوکے رہا کرتے تھے۔ یہ صاحب کرامات ہوئے
ہیں۔ انھوں نے ابی الیمان الحکم بن نافع سے روایت کی اور ان سے محمد بن المعافی العابر نے
ابو سلیمان دارانی کی صحبت میں رہے۔ صدوق ہیں (شذرات الذہب: ۲: ۱۰۸ و اللباب
۱: ۲۵۳ و کتاب الجرح والتعدیل: ج ۳ ق ۲: ۱۱۴)

(۱۲۹۸) محمد بن علی بن الحسین المقرئ: محمد بن علی بن الحسن المقرئ ابو حرب: الحسین کی
جگہ الحسن پڑھیں۔ ابوبکر خطیب نے پہلے ان کی کنیت ابوبکر بیان کی ہے۔ مگر بعد کی سطور
میں انھیں ابو حرب لکھا ہے۔ انھوں نے محمود بن خداش سے روایت کی اور ان سے
احمد بن کامل قاضی نے سنہ ۳۰ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۳: ۶۸-۶۹) (۱۲۹۹)
علی بن مسلم: ابو الحسن علی بن مسلم بن سعید الطوسی۔ انھوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔
عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے روایت کی۔ اور ان سے محمد بن اسحٰق الصاغانی نے۔ سنہ ۱۶۰ھ
میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۵۳ھ میں ترانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد
۱۲: ۱۰۸-۱۰۹) (۱۳۰۰) سعید بن یحییٰ: ابو سفیان سعید بن یحییٰ الحمیری الجبلانی۔ یہ
واسط کے رہنے والے تھے۔ حصین بن عبد الرحمن سے حدیث سنی اور ان سے ابوبکر
بن ابی شیبہ وغیرہ نے۔ متوسط ہیں۔ قوی نہیں ہیں۔ سنہ ۱۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۰۲ھ میں
وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۹: ۷۵-۷۶) (۱۳۰۱) اس واقعہ کو کلاباذی نے بھی
نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۴: ۱۹۲) (۱۳۰۲) احمد بن منصور: احمد بن منصور
ابو بکر الرمادی۔ عبد الرزاق بن ہمام سے حدیث سنی۔ اور ان سے اسمٰعیل بن اسحٰق القاضی
وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ سنہ ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۲۶۵ھ وفات پائی (تاریخ بغداد
۵: ۱۵۱-۱۵۳) (۱۳۰۳) علی بن ابراہیم بن احمد: ابو الحسن علی بن ابراہیم بن احمد
العطار المعروف بہ المزکیان۔ انھوں نے محمد بن محمد الباغندی وغیرہ سے روایت
کی۔ اور ان سے محمد بن عبد العزیز البرذعی وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ سنہ ۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے
اور سنہ ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۳۴۱)

(۱۳۰۴) عثمان بن احمد: ابو عمرو عثمان بن احمد المعروف بہ ابن الخضیب البزاز۔ یہ بغداد کی مشرقی جانب رہتے تھے۔ ہیثم بن سہل التستری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو الفتح محمد بن الحسین الازدی وغیرہ نے ۳۲۳ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۱۱: ۲۹۵ - ۲۹۶) (۱۳۰۵) الحسین بن عمر: رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے۔ مگر درست الحسین بن عمرو بن محمد ہے۔ انھوں نے اپنے باپ عمرو بن محمد سے روایت کی۔ اور ان سے ابو حاتم رازی نے کوفہ میں ان کی روایت نرم ہوتی تھی۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ج ۱۔ ق ۲: ۶۱ - ۶۲) (۱۳۰۶) عمرو بن عتبہ: عمرو بن عتبہ بن فرقد السلمی الکوفی الزاہد۔ انھوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے روایت کی۔ مالکوں کی سواریاں چراتے تو بادل انھیں سایہ کیا کرتے تھے۔ ایک بار نماز پڑھ رہے تھے۔ تو ایک سانپ ان کی ٹانگ کو لپٹ گیا مگر انھوں نے نماز نہیں توڑی۔ اسی طرح پڑھتے رہے۔ انھیں ان کے باپ نے بہت سا روپیہ دیا جسے انھوں نے بانٹ دیا۔ یہ حضرت عثمان کے عہد میں اپنے باپ کی زندگی ہی میں ایک جنگ میں شہید ہوئے۔ (تاریخ اسلام: ۳: ۱۹۶ - ۱۹۷ و تہذیب التہذیب: ۸: ۷۵ - ۷۶) (۱۳۰۷) المغازلی: مغازل جمع ہے مغزل کی۔ مغازلی تکلے بنانے والا یا بیچنے والا ابو جعفر محمد بن منصور المغزوی المغازلی البغدادی۔ یہ ایک صالح انسان تھے۔ اور تکلے بیچا کرتے تھے۔ انھوں نے بشر بن الحارث سے روایت کی ہے۔ اور ان سے محمد بن مخلد عطار نے (تاریخ بغداد ۳: ۲۵۰۔ ۲۵۱ و اللباب: ۳: ۱۶۴) (۱۳۰۸) ابراہیم بن احمد الطبری: ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد الطبری امام مالک کے مذہب کے فقیہ تھے۔ معدل اور شیخ الشہود تھے۔ بڑے سخی تھے۔ الشریف الرضی نے ان ہی سے قرآن حفظ کیا تھا۔ ۳۹۳ھ میں نواسی سال کی عمر میں وفات پائی (المنتظم ۷: ۲۲۳ و تاریخ بغداد: ۶: ۱۹ - ۲۰ و شذرات الذہب: ۳: ۱۴۲) (۱۳۰۹) احمد بن یوسف: ابو بکر احمد بن یوسف العطار۔ دراصل نصیبین کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے محمد بن غالب التمتام وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے ابو الحسن دارقطنی وغیرہ نے۔ یہ معدلین میں سے تھے۔ اور ثقہ تھے اگرچہ علم سے بے بہرہ تھے۔ لیکن ان کی سماع صحیح تھی۔

۳۵۹ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۵: ۲۲۰-۲۲۱) (۱۳۱۰) احمد بن ابراہیم بن یحییٰ:
رسالہ میں یحییٰ ہی دیا ہے، مگر درست ابی یحییٰ ہے۔ ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن ابی یحییٰ
المکتب۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ نصر بن علی اور دیگر لوگوں سے روایت کی۔ کثیر
الحدیث ہیں۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ (اخبار اصفہان: ۱: ۱۱۴) (۱۳۱۱) اس کرامت
کا ذکر خطیب بغدادی نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ بغداد: ۵: ۱۳۴-۱۳۵ (۱۳۱۲)
ابوعبداللہ الدباس: احمد بن عبیداللہ بن محمد ابوعبداللہ الدباس ۳۱۰ھ تک زندہ تھے (تاریخ
بغداد: ۴: ۲۵۳) (۱۳۱۳) محمد بن فارس الفارسی: ابوالفرج محمد بن فارس بن محمد المعروف
بہ ابن الغوری۔ انھوں نے ابوالحسین احمد بن جعفر بن محمد المنادی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے
خطیب بغدادی وغیرہ نے۔ بغداد کی مشرقی جانب رہا کرتے تھے۔ صدوق صالح اور دیندار
تھے۔ ۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۹ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد: ۳: ۱۶۲-۱۶۳)
(۱۳۱۴) بھائی خضر: یہاں سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ خضر نبی ہے۔ ابن صلاح نے
اسی بات پر زور دیا ہے۔ اور نووی نے اُن کی تائید کی ہے۔ جمہور نے بھی اسی کو ترجیح دی
ہے۔ مگر بعض نے خضر کو ولی قرار دیا ہے۔ (شرح زکریا انصاری: ۴: ۱۸۴) قشیری نے
بھی خضر کو ولی کہا ہے۔ علامہ ابن حجر قسطلانی (فتح الباری: ۶: ۳۳۵-۳۳۸) نسلان
کے نام اور زمانہ کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں۔ پھر اُن کے نبی یا ولی ہونے کے متعلق علماء
کا اختلاف نقل کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اکثر اہلِ علم کا یہی خیال ہے کہ وہ نبی تھے۔ اور
ایک ضعیف حدیث میں خضر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا بھی ذکر کیا ہے۔
صوفیاء کے ہاں اولیاء اللہ کی خضر سے ملاقات کے بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں چنانچہ
اسی کتاب میں کئی ایک مقامات پر ان کی ملاقات کا ذکر آیا ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ
مجھے خضر کے زندہ ہونے کے متعلق صرف ایک اثر ملا ہے۔ جو سند حسن سے مروی اور
جس کی روایت یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں کی ہے۔ کہ ریاح بن عبیدہ الباہلی نے
ایک شخص کو عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ جاتے دیکھا۔ جب عمر واپس آئے تو پوچھا یہ
کون شخص تھا؟ حضرت عمر نے فرمایا: کیا تو نے اُسے دیکھ لیا ہے؟ میں نے عرض کیا

ہاں۔ فرمایا: تو مجھے نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے تمہیں بتا دیتا ہوں کہ یہ شخص خضر تھا۔ اس نے مجھے اس بات کی خوشخبری دی ہے کہ میں عنقریب خلیفہ بنوں گا۔ اس واقعہ کا ذکر دیگر محدثین نے بھی کیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام: ۴: ۱۶۲ و البدایہ والنہایہ: ۹: ۱۹۶-۱۹۷ و حلیۃ الاولیاء: ۵: ۲۵۴ و تہذیب التہذیب: ۷: ۴۷۷ خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی نے خضر کے نبی ہونے کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام وجہ النظر فی ترجیح نبوۃ الخضر رکھا ہے (کشف الظنون: ۲: ۱۲۴۴) کمال الدین محمد بن محمد المعروف بہ امام الکاملیۃ متوفی ۸۷۴ھ نے خضر اور اُن کے زندہ ہونے کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے (کشف الظنون: ۱: ۴۲۰) محمد بن محمد بن الخیضری متوفی ۸۹۴ھ نے الروض النضر فی احوال الخضر لکھی۔ (خفاجی: ۴: ۶۸ اور کشف الظنون: ۴: ۴۴۴) اس پر کسی یمنی کو غصہ آیا۔ تو اس نے اس کے رد میں الاعتراض فی دفع الاعتراض (کشف الظنون: ۱: ۴۴) لکھی۔ یہاں ابراہیم خواص اور خضر کی ملاقات کا جو واقعہ دیا ہے، اس کا ذکر امام شعرانی نے بھی کیا ہے۔ (لواقح الانوار: ۱: ۸۴) قشیری نے خضر کو ولی کہا ہے حضرت عبدالعزیز دباغ المغربی نے بھی خضر کو ولی ہی کہا ہے (خزینۃ معارف: ۷۵۶)

(۱۳۱۵) ابوالحسین جرجانی: ابوالحسین محمد بن محمد بن عبداللہ الجرجانی الصوفی الاشقر، انھوں نے جعفر بن محمد الخواص سے روایت کی ہے (تاریخ جرجان: ۴۱۱) لیکن حمزہ اصفہانی نے ان کا نام محمد بن محمد علیبد اللہ بن عمرو بن زید ابوالحسین الجرجانی دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ انھوں نے تمام عراق اور خراسان میں حدیث لکھی کئی بار اصفہان آئے۔ حافظ قرآن و حدیث تھے۔ اور جامع مسجد میں حدیث لکھایا کرتے تھے۔ ۳۵۵ھ میں وفات پائی (اخبار اصفہان: ۲: ۲۹۲) ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ باب القضاۃ پر وکیل مقرر تھے۔ اور انھوں نے ابوسعید نقاش سے نقل کیا ہے، کہ اُس نے قسم کھا کر کہا کہ ابوالحسین جرجانی احادیث وضع کیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۸۱) (۱۳۱۶) اس کرامت کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ ملاحظہ ہو کرامت نمبر ۱۳۱ (۱۳۱۷) عبداللہ الوزان: ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمد بن عبدالکریم الوزان۔ انھوں نے اپنے باپ احمد بن عبدالکریم سے روایت کی۔ وزان خاندان دراصل سادہ کا

رہنے والا تھا. اُن کا کوئی دادا وزن کیا کرتا تھا. اِس لئے یہ خاندان وزّان کہلایا (تاریخ
جرجان: ۴۲۴ ذ اللباب: ۳: ۲۷۱) (۱۳۱۸) یوسف بن احمد البغدادی: ابو یعقوب
یوسف بن احمد بن عبداللہ الصوفی البغدادی خطیب فرماتے ہیں. کہ ان کا خیال ہے کہ
انھوں نے بلاد خراسان میں رہائش اختیار کرلی تھی. اور ذوالنون مصری کی صحبت میں رہے
تھے. انھوں نے احمد بن ابی الحواری سے روایت کی ہے (تاریخ بغداد: ۱۴: ۳۰۹-
۳۱۰) (۱۳۱۹) محمد بن السماک: ابوالعباس محمد بن صبیح السماک المذکر، یہ ابن السماک کے
نام سے مشہور ہیں ۱۸۳ھ میں وفات پائی. ان کا پہلے ذکر ہوچکا ہے (تاریخ بغداد
۵: ۳۶۸ - ۳۷۳ ذ اللباب: ۱: ۵۵۹) (۱۳۲۰) ابراہیم بن ستنبہ الہروی: رسالہ
اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے مگر نفحات الانس میں ابراہیم ستنبہ ہروی دیا ہے
ان کی کنیت ابواسحٰق ہے. ابویزید کے ہمعصر تھے. اور ابراہیم ادہم کی صحبت میں رہے.
دراصل کرمان کے رہنے والے تھے. اور ہرات میں مقیم ہوگئے تھے. اسی لئے ہروی کہلائے.
ان کی قبر قزوین میں ہے. (نفحات الانس: ۴۵ - ۴۶ ذ لواقح الانوار: ۱: ۵۵-۵۶)
(۱۳۲۱) ایوب حمال: ابوسلیمان الحمال. بڑے زاہدوں میں سے تھے. اور صاحب
کرامات تھے. ان سے احمد بن محمد بن مسروق طوسی نے حکایت کی ہے. یہ بغداد کے
قدماء مشائخ میں سے تھے. بشر اور سری سقطی کے ہمعصر تھے. سہل بن عبداللہ ان کی صحبت
میں رہے (تاریخ بغداد: ۷: ۸-۹ ذ حلیۃ الاولیاء: ۱۰: ۳۱۴ مگر وہاں عنوان
ابوایوب الحمال کا قائم کیا ہے. درست ایوب الحمال ہے ذ صفۃ الصفوۃ: ۲: ۱۲۲)
(۱۳۲۲) نضر بن شمیل: ابوالحسن النضر بن شمیل بن خرشہ المازنی. مرو میں پیدا ہوئے. بصرہ
میں نشوونما پایا. اور عربی و نحو میں علامہ ہوگئے. انھوں نے ابن عون وغیرہ سے روایت
کی اور اُن سے اسحٰق بن راہویہ وغیرہ نے. ثقہ اور پرہیزگار تھے. ۲۰۴ھ میں مرو میں وفات
پائی (اللباب: ۳: ۸ ذ شذرات: ۲: ۷-۸) (۱۳۲۳) ابوالحسن علی بن محمد الصوفی:
ابوالحسن علی بن محمد بن بشار الزاہد متوفی ۳۱۳ھ. ان کا پہلے ذکر آچکا ہے. (تاریخ بغداد
۱۲: ۶۶ - ۶۷) (۱۳۲۴) ابو احمد بن عدی الحافظ: ابو احمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ

بن محمد الحافظ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے
(تاریخ جرجان: ۲۲۵-۲۲۷ و شذرات الذہب: ۳: ۵۱ و تذکرۃ الحفاظ: ۳: ۱۴۳۔
۱۴۵)(۱۳۲۵) عبدالوہاب: عبدالوہاب بن المنذر الصنبی الفقیہ۔ یہ صائم الدہر اور
قائم اللیل تھے۔ عمر بھر قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ عامر شونیزی کی مسجد میں وفات
پائی۔(اخبار اصبہان: ۲: ۱۳۳-۱۳۴) (۱۳۲۶) محمد بن سعید البصری: ابو سعید محمد بن سعید
البصری القرشی الاشرم المعروف بالکریزی۔ یہ بغداد میں رہے۔ اور وہاں حماد بن سلمہ وغیرہ
سے روایت کی۔ اور ان سے عبدالرحمن بن ازہر وغیرہ نے ۲۳۱ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد
۵: ۳۰۵-۳۰۶) (۱۳۲۷) محمد بن داؤد: محمد بن داؤد سے مراد محمد بن داؤد الدقی
الدینوری سے ہے۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (۱۳۲۸) الحسین بن عرفۃ بن یزید: الحسین
کی بجائے الحسن پڑھیں۔ ابو علی الحسن بن عرفۃ بن یزید العبدی البغدادی المؤدب۔ انھوں نے عمار
بن محمد وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ترمذی وغیرہ نے ثقہ اور صدوق تھے۔ ایک سو دس
سال کی عمر پا کر ۲۵۷ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب: ۲: ۲۹۳-۲۹۴)(۱۳۲۹)
عبداللہ بن ادریس الاودی: ابو محمد عبداللہ بن ادریس بن یزید الاَوْدی الکوفی۔ انھوں نے اپنے
باپ اور سلیمان الاعمش وغیرہ سے حدیث سنی۔ اور ان سے مالک بن انس وغیرہ نے۔ ہارون
رشید نے انھیں کوفہ کا قاضی بنانا چاہا تھا۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ ۱۱۵ھ میں پیدا
ہوئے۔ یہ زُہّاد اور عباد اللہ الصالحین میں سے تھے۔ ان کا بیٹا اُن سے بھی زیادہ،
عبادت گزار تھا۔ ۱۹۲ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۹: ۴۱۵-۴۲۱ و تہذیب التہذیب
۵: ۱۴۴-۱۴۶ و شذرات الذہب: ۱: ۳۳۰) (۱۳۳۰) ابی سبرۃ النخعی: ابو سبرۃ
النخعی الکوفی۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ بن عابس ہے۔ انھوں نے فروۃ بن مسیک وغیرہ
سے روایت کی ہے۔ اور ان سے الحسن بن الحکم النخعی وغیرہ نے (تاریخ الاسلام: ۴: ۲۲۰ و
تہذیب التہذیب: ۱۲: ۱۰۵) (۱۳۳۱) ابو بکر النابلسی: ابو بکر محمد بن احمد بن سہل النابلسی
یہ نابلس کے خطیب تھے۔ انھوں نے ابو جعفر محمد بن احمد الرملی وغیرہ سے روایت کی۔ اور
ان سے ہشام بن محمد المازی وغیرہ نے بنو عبید نے انھیں قید کر کے سُولی پر چڑھا دیا تھا۔

یہ ۳۶۳ھ کا واقعہ ہے (معجم البلدان : ۵ : ۲۴۸ - ۲۴۹ ؛ اللباب : ۳ : ۲۰۴) (۱۳۳۲) ابوبکر الہمذانی : ابوبکر محمد بن الحسین بن احمد الہمذانی العدل ۔ ثقہ تھے ۔ ۳۱۶ھ میں وفات پائی ۔ انھوں نے احمد بن عصام وغیرہ سے روایت کی ۔ اور ان سے سلیمان بن احمد وغیرہ نے (اخبار اصفہان : ۲ : ۲۶۴) (۱۳۳۳) باب الطاق ۔ اسے طاق اسماء بھی کہا جاتا تھا ۔ یہ بغداد کی مشرقی جانب ایک محلہ کا نام تھا ۔ رشید کے عہد میں یہاں شعراء کی مجلس منعقد ہوا کرتی تھی ۔ (معجم البلدان : ۴ : ۵) (۱۳۳۴) ثعلبیہ : کوفہ سے مکہ کو جاتے ہوئے ایک منزل کا نام ہے (معجم البلدان : ۲ : ۷۸)

(۱۳۳۵) الحسن بن احمد الفارسی : ابوعلی الحسن بن احمد بن محمد بن اللیث الکشی ثم الشیرازی ۔ انھوں نے اسمٰعیل صفار وغیرہ سے حدیث سنی ۔ انھوں نے طلب حدیث میں بہت سے سفر اختیار کئے ۔ حافظ حدیث اور قراءات کے عالم تھے ۔ ۴۰۵ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ : ۳ : ۲۲۶ - ۲۲۷) (۱۳۳۶) ابوبکر بن معمر : رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے ۔ ان کا کہیں پتہ نہ چل سکا ۔ غالباً یہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعمری المتوفی بغداد ۳۳۷ھ ہیں (تاریخ بغداد : ۵ : ۴۵۱) (۱۳۳۷) ابوذرعۃ الجنبی : رسالہ اور شرح انصاری دونوں میں اسی طرح دیا ہے ۔ میں اس نسبت کو نہیں سمجھ سکا ۔ کہ یہ جُنبی ہے یا خشنی اور پھر یہ کون شخص ہیں ۔ اس زمانہ میں تین ابوزرعۃ ہوئے ہیں : ابوزرعہ جرجانی ، ابوزرعہ رازی (م ۲۶۴ھ) اور ابوزرعۃ دمشقی (م ۲۸۱ھ ۔ ابوزرعۃ جرجانی (تاریخ جرجان : ۲۰۰ ؛ تذکرۃ الحفاظ : ۲ : ۱۲) ۔ ابوزرعہ رازی : م ۲۶۴ھ (تذکرۃ الحفاظ : ۲ : ۱۲۴ ؛ تاریخ بغداد : ۱۰ : ۳۲۶) اور ابوزرعہ دمشقی م ۲۸۱ھ (تذکرۃ الحفاظ : ۲ : ۱۸۰) (۱۳۳۸) ابومحمد الغطریفی : رسالہ اور شرح انصاری میں اسی طرح دیا ہے ۔ مگر درست ابواحمد محمد بن احمد بن الحسین بن القاسم بن الغطریف الرباطی الجرجانی ہے ۔ انھوں نے بخاری کے طرز پر ایک مسند لکھی ۔ ابوخلیفہ وغیرہ سے روایت کی ۔ ۳۷۷ھ میں وفات پائی (تاریخ جرجان : ۳۸۷ - ۳۹۰ ؛ اللباب : ۲ : ۱۷۵) (۱۳۳۹) خواب کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف : ۴ : ۱۴۵ - ۱۸۷ ؛ احیاء علوم الدین : ۴ : ۴۹۱ - ۴۹۴ ؛ حضرت عبدالعزیز دباغ نے خوب پر خوب عمدہ بحث کی ہے ۔

ملاحظہ ہو خزینۂ معارف : ۱۶۰ تا ۲۰۵) (۱۳۴۰) اسحٰق بن ابراہیم المنقری : اُن کے حالات معلوم نہ ہو سکے، غالباً یہ اسحٰق بن ابراہیم المقری ہیں۔ اب اس نام کے دو شخص ہیں۔ ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم بن زیاد المقری المناد المتوفی سنہ ۲۷۰ھ (تاریخ بغداد : ۶ : ۳۷۶) اور ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم المقری جد ابو العباس احمد بن ابراہیم وراق خلف کے بھائی ہیں۔ (تاریخ بغداد : ۶ : ۳۸۴) (۱۳۴۱) ابو النصر منصور بن ابی مزاحم بشیر الترکی البغدادی الکاتب۔ انھوں نے شعبہ کو دیکھا ہے۔ اور مالک وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے ابو زرعہ وغیرہ نے ثقہ اور صاحب سنت تھے۔ اسّی سال کی عمر میں سنہ ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد : ۱۳ : ۸۰-۸۲ (تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۳۱۱-۳۱۲) (۱۳۴۲) ابی صالح : ابو صالح ذکوان السمان اہل مدینہ کے کبار علماء میں سے تھے۔ سنہ ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ ان کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے (تاریخ الاسلام : ۴ : ۲۱۹-۲۲۰ (اللباب : ۱ : ۵۶۰) (۱۳۴۳) علی بن الحسین : ابو عبید علی بن الحسین بن حرب القاضی بن حربویہ الفقیہ الشافعی۔ انھوں نے سری سقطی وغیرہ سے سے روایت کی۔ اور اُن سے نسائی اور طحاوی وغیرہ نے۔ ثقہ اور امین تھے۔ سنہ ۲۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۳۱۹ھ یا سنہ ۳۱۱ھ یا سنہ ۳۰۳ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۷ : ۳۰۳-۳۰۴) (۱۳۴۴) عبید اللہ بن الولید : ابو محمد عبد اللہ بن الولید المکی انھوں نے ثوری وغیرہ سے روایت کی۔ اُن سے احمد بن حنبل وغیرہ نے۔ یہ اگرچہ صاحب حدیث نہ تھے مگر انکی حدیث صحیح ہے۔ بعض اوقات ناموں میں غلطی کھا جاتے تھے صدوق ثقہ اور مامون تھے۔ (تہذیب التہذیب : ۶ : ۷۰) (۱۳۴۵) ابو قتادہ : ابو قتادہ الانصاری الحارث بن ربعی۔ صحابی ہیں۔ بدر کی جنگ میں ان کی شرکت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ البتہ اُحد اور بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ اُن کی تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض سنہ ۵۴ھ اور بعض سنہ ۳۸ھ بتاتے ہیں۔ (اسد الغابہ ۵ : ۲۷۴-۲۷۵ و ۱ : ۳۲۷ و ۵ : ۲۵) (۱۳۴۶) ابو احمد حمزہ بن العباس البزار : ابو احمد حمزۃ محمد بن العباس الدہقان العقبی انھوں العطاردی وغیرہ سے روایت کی ہے اور اُن سے عبد الملک بن بشران نے ثقہ تھے۔ سنہ ۳۴۷ھ میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب : ۲ : ۳۷۵ و اللباب : ۲ : ۱۴۳)

(۱۳۴۷) عبد اللہ بن موسیٰ: ابو محمد عبد اللہ بن موسیٰ بن شیبۃ، انھوں نے ابراہیم بن حرمۃ وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے سعید بن ایوب بخاری وغیرہ نے۔ صدوق تھے (تہذیب التہذیب: ۶، ۴۵) (۱۳۴۸) اسرائیل: ابو یوسف اسرائیل بن یونس بن ابی اسحٰق السبیعی الہمدانی الکوفی، انھوں نے اپنے دادے ابو اسحٰق وغیرہ سے روایت کی۔ اور اُن سے ان کے بیٹے مہدی وغیرہ نے۔ ثقہ اور صدوق تھے، سنہ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۶۰ھ یا سنہ ۱۶۱ھ یا سنہ ۱۶۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱: ۲۶۱-۲۶۳ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱: ۳۳۰-۳۳۱) (۱۳۴۹) ابو اسحٰق عمرو بن عبد اللہ بن علی السبیعی سنہ ۲۹ھ میں حضرت عثمان کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، علی اور ابن عباس وغیرہ کی زیارت کی ان سے اعمش وغیرہ نے روایت کی ہے سنہ ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ (اللباب: ۱: ۵۳۱ و تہذیب التہذیب: ۸: ۶۳-۶۷) (۱۳۵۰) ابو الاحوص: عوف بن مالک بن نضلہ الجشمی الکوفی۔ انھوں نے ابن مسعود وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے ابو اسحٰق سبیعی وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ان کو خارجیوں نے قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ الاسلام: ۳: ۱۳۳ واللباب: ۱: ۲۲۷) (۱۳۵۱) ابو عبید: ابو عبیدہ پڑھیں، ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود الہذلی۔ عبد الرحمٰن کے بھائی تھے۔ ان کا شمار علماء کوفہ میں ہوتا ہے انھوں نے اپنے باپ سے مرسل طور پر روایت کی۔ اور ان سے ابراہیم نخعی اور ابو اسحٰق السبیعی وغیرہ نے۔ سنہ ۸۱ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الاسلام: ۳: ۳۲۰) (۱۳۵۲) ابی عبد اللہ: عبد اللہ (بغیر ابی کے) پڑھیں۔ (۱۳۵۳) بیداری میں نہیں ہوتا بلکہ بیداری کی حالت میں بھی خواص اولیاء کو دیدارِ مصطفوی ہو سکتا ہے۔ دیکھیں حیاتِ جاودان: ۱۹۳-۱۹۷) (۱۳۵۴) حسن بن عاصم الشیبانی: الحسن بن عاصم المقری الرازی۔ انھوں نے یزید بن ہارون سے روایت کی۔ اور ان سے عمرو بن سہل بن حرخاب الرازی نے۔ شیخ تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۲: ۳۲) (۱۳۵۵) حبیب عجمی: ابو محمد حبیب بن عیسیٰ العجمی۔ دراصل فارس کے رہنے والے تھے۔ مگر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے حسن بصری سے روایت کی۔ اور ان سے حماد بن سلمہ وغیرہ نے۔ یہ عابد، زاہد اور مجاب الدعوۃ تھے۔

واللباب : ۲ : ۲۴۴ (۱۳۵۶) جاحظ : ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ۔ کیونکہ اس کی آنکھیں اُبھری ہوئی تھیں اس لئے جاحظ نام پڑا۔ یہ معتزلہ تھا۔ جاحظیہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس نے کئی ایک کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً کتاب الحیوان اور کتاب البیان والتبیین وغیرہ۔ ۲۵۵ھ میں وفات پائی (لٹریری ہسٹری آف دی عربز : ۳۴۶-۳۴۷ و اللباب : ۱: ۲۰۲ و تاریخ بغداد : ۱۲: ۲۲۰-۲۲۲)

(۱۳۵۷) اس خواب کا ذکر کلاباذی نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح تعرف : ۴: ۱۸۶ (۱۳۵۸) ابن عون سے مراد ابو محمد عبد اللہ بن عون الہلالی البغدادی ہیں۔ انھوں نے ابو اسحٰق الفزاری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مسلم وغیرہ نے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ابدال میں سے تھے ۲۳۲ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۵: ۳۴۹-۳۵۰ و شذرات الذہب : ۲: ۷۵ و تاریخ بغداد : ۱۰: ۳۴-۳۶ و لواقح الانوار : ۱: ۵۵ شعرانی کو غلطی لگی ہے۔ انھوں نے انھیں ابو عون عبد اللہ بن عون بن ارطبان سمجھ کر ان کی تاریخ وفات ۱۵۱ھ لکھی ہے، حالانکہ وہ اور ہیں: یہاں جن کا ذکر ہے وہ بغدادی اور جن کی تاریخ وفات شعرانی نے دی ہے۔ وہ بصری ہیں: ابو عون کے لئے ملاحظہ ہو التاریخ الکبیر : ج ۳ ق ۱: ۱۶۳) (۱۳۵۹) کرز بن وبرۃ : کرز بن وبرۃ الحارثی۔ یہ اولیاء اللہ میں سے تھے۔ انھوں نے انس بن مالک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابو طیبہ عیسیٰ بن سلیمان الدارمی وغیرہ نے۔ یہ دن اور رات میں تین بار قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ اپنی عبادت اور زہد کی وجہ سے مشہور تھے۔ یزید بن مہلب کے ساتھ جہاد کے لئے گئے ۹۸ھ میں جہاد کرتے ہوئے جرجان آئے تھے۔ (تاریخ جرجان : ۲۹۵-۳۱۶ و تاریخ اسلام : ۵: ۲۹۲-۲۹۳) (۱۳۶۰) ابو سعید صفار مؤدب : ابو سعید احمد بن سعید بن عروہ الصفار ۳۹۵ھ میں وفات پائی (اخبار اصفہان : ۱: ۱۲) (۱۳۶۱) محمد طوسی : قدمائ میں محمد بن منصور طوسی مشہور صوفی گذرے ہیں، جن کی وفات اٹھاسی سال کی عمر میں ۲۵۴ھ میں ہوئی (تاریخ بغداد : ۳: ۲۴۷-۲۵۰) مگر وہ یہاں مراد نہیں

ہو سکتے۔ یہاں مراد اس محمد طوسی سے ہے۔ جو معشوق طوسی کے نام سے مشہور تھے۔ یہ عقلاء مجانین میں سے تھے، اور شیخ ابو سعید ابو الخیر کے معاصر تھے۔ بزرگ اور صاحب حال تھے۔ (نفحات الانس : ۲۸۳ - ۲۸۴)

(۱۳۶۲) علاء بن زیاد : ابو نصر العلاء بن زیادہ بن مطر العدوی البصری۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل طور پر روایت کی ہے۔ اور ان سے قتادہ وغیرہ نے۔ تابعی ہیں۔ روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حبیب بھی پڑھنا چاہتے۔ رونے کی وجہ سے ہچکی بندھ جاتی۔ ثقہ تھے حجاج کے عہد میں ۹۴ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۸ : ۱۸۱ - ۱۸۲ و صفة الصفوة : ۳ : ۱۷۶ - ۱۷۷) (۱۳۶۳) ان کا مقصد یہ تھا کہ تو شیطان کا بھیجا ہوا ہے اور تو مجھے بہکانے کی غرض سے آیا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر ابن الجوزی نے زیادہ تفصیل سے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حوالۂ مذکور (۱۳۶۴) عطاء سلمی۔ ابن الجوزی نے ان کا نام عطاء السلمی دیا ہے۔ یہ دوزخ کے خوف سے اکثر روتے رہتے، حماد بن زید کے ہمعصر تھے۔ ابن الجوزی (صفة الصفوة : ۳ : ۲۴۴ - ۲۴۹) نے ذکر کیا ہے کہ یہ خواب صالح بن بشیر مری (متوفی ۱۷۲ھ) نے دیکھا تھا۔ صالح مری خود بڑے عبادت گذار تھے۔ اور اکثر روتے رہتے تھے (تہذیب التہذیب : ۴ : ۳۸۲ - ۳۸۳) (۱۳۶۵) آپ کو ہمیشہ اس بات کی فکر رہتی کہ ان سے عبادت میں کوتاہی ہوئی ہے۔

(۱۳۶۶) اوزاعی : ابو عمرو عبد الرحمٰن بن عمر الاوزاعی۔ آخر عمر میں جہاد کی غرض سے بیروت چلے گئے۔ اور اسی حالت میں وفات پائی۔ انھوں نے اسحٰق بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے مالک وغیرہ نے۔ ثقہ، امام، صدوق اور مامون تھے ۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۶ : ۲۳۸ - ۲۴۲ و اللباب : ۱ : ۴۷ و شذرات الذہب : ۱ : ۲۴۱ - ۲۴۲) (۱۳۶۷) زبیدہ : ہارون رشید کی بیوی اور اس کے چچا جعفر بن منصور کی بیٹی تھی۔ ہارون کے ساتھ

اس کی شادی ۱۵۶ھ میں ہوئی۔ اس کے بطن سے الامین پیدا ہوا۔ یہ نہایت ہی خوبصورت
عورت تھی اور بہت سخی تھی۔ ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔ اس کی ایک سو لونڈیاں تھیں۔
اور سب کی سب حافظ قرآن تھیں۔ ان کی تلاوت سے روزانہ محل میں بھنبھناہٹ کی
آواز آتی رہتی تھی۔ یہاں جو خواب بیان کیا گیا ہے اسی کا ذکر ابن کثیر نے بھی کیا ہے۔
(البدایہ والنہایہ: ۱۰: ۲۲۲-۲۷۱) (۱۳۶۸) یزید رقاشی: یزید بن ابان الرقاشی۔
ابو عمرو البصری القاص الزاہد۔ انھوں نے اپنے باپ اور انس بن مالک سے روایت کی
ہے۔ ان سے ان کے بیٹے عبد الغفور وغیرہ نے۔ صدوق اور صالح و زاہد تھے مگر حدیث
کی روایت کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس لئے حدیث کی صحیح روایت نہ کر سکتے تھے یہی
وجہ ہے کہ ان کو ضعیف شمار کیا گیا ہے اور ان سے روایت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
کیونکہ لوگ ان کے زہد و عبادت کی وجہ سے حدیث کو صحیح مان لیتے تھے۔ ۱۱۰ھ
اور ۱۲۰ھ کے درمیان وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱: ۳۰۹-۳۱۱ و صفۃ الصفوۃ
۳: ۲۱۰) (۱۳۶۹) علی بن موفق: علی بن موفق العابد: انھوں نے منصور بن عمار
وغیرہ سے روایت کی۔ ثقہ تھے۔ انھوں نے ساٹھ حج پا پیادہ کئے۔ جن میں سے تیس آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تھے اور آنحضرت کی طرف سے بارہ ہزار قرآن مجید
ختم کئے۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد: ۱۲: ۱۱۰-۱۱۲) (۱۳۷۰) ابو الفضل
اصبہانی: ابو الفضل العباس بن ابراہیم بن العباس الصوفی۔ انھوں نے ۳۰۷ھ میں وفات
پائی۔ ان سے ابو نعیم اصبہانی نے روایت کی۔ (اخبار اصبہان: ۲: ۳۴۱) (۱۳۷۱)
سماک بن حرب: ابو المغیرۃ سماک بن حرب بن اوس الذہلی البکری۔ انھوں نے
شعبہ کو دیکھا ہے۔ اور نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے۔ اور ان سے داؤد بن ابی ہند
وغیرہ نے۔ یہ بہت فصیح و بلیغ۔ عالم بالشعر اور ایام تھے۔ صدوق اور ثقہ تھے۔ ۱۲۳ھ
میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب: ۴: ۲۳۲-۲۳۴ و تاریخ بغداد: ۹: ۲۱۴-
۲۱۶ و شذرات الذہب: ۱: ۱۶۱) (۱۳۷۲) مریدوں کو وصیت یا آداب مرید
کے لئے ملاحظہ ہو شرح تعرف: ۴: ۲۵-۲۹ و حیاۃ القلوب: ۲: ۲۸۸-۲۹۷۔

؛ عوارف المعارف: ۴: ۷۸ - ۱۱۶ ؛ کتاب اللمع: ۲۰۵ - ۲۰۷ اور امام ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد القرشی البکری الصدیقی المتوفی ۱۲۶۰ھ کا رائیہ قصیدہ جو معہ ترجمہ کے خزینہ معارف (صفحہ ۴۶۴ - ۴۹۶) میں دیا ہے۔

(۱۳۷۳) یہاں پر امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ایک واقعہ پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ربیع (متوفی ۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ مجھے امام شافعی رحمہ اللہ نے مصر سے ایک رقعہ دے کر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس بھیجا۔ جب میں آپ کے پاس پہنچا تو آپ صبح کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ میں نے وہ رقعہ انھیں دے دیا۔ انھوں نے فرمایا۔ کیا تو نے اسے پڑھا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے اس رقعہ کو لے کر پڑھا۔ پڑھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس رقعہ میں کیا لکھا ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اس رقعہ میں امام شافعی فرماتے ہیں۔ کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حکم دیا کہ احمد بن حنبل کی طرف چٹھی لکھیں اور میرا سلام دیں اور کہہ دیں کہ آپ کی خلق قرآن کے بارے میں آزمائش ہوگی۔ لہٰذا ان لوگوں کی بات نہ ماننا۔ اور ڈٹے رہنا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آپ کا جھنڈا بلند کرے گا۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے کہا پھر تو مجھے اس بشارت کی شرینی ملنی چاہیئے۔ اس پر امام احمد نے اپنے بدن کی قمیص اتار کر مجھے دی۔ جب میں امام شافعی کے پاس واپس پہنچا۔ تو میں نے سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس قمیص سے تجھے محروم نہیں کرنا چاہتا۔ مگر تم اس قمیص کو پانی میں بھگو کر وہ پانی مجھے دو تاکہ میں اس پانی کو پی کر برکت حاصل کر سکوں۔ (البدایہ والنہایہ: ۶: ۳۳۱ ؛ نتائج الافکار القدسیہ: ۱: ۹۲ ؛ فیض الباری: ۴: ۱۲۷)

(۱۳۷۴) ابو عمران الفقیہ ؛ ابو عمران موسیٰ بن حزام الفقیہ۔ انھوں نے بلخ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے حسین بن علی الجعفی وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ ثقہ ہیں۔ ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شروع میں یہ مرجیہ میں سے تھے۔ امام احمد بن حنبل کی صحبت سے سنت کی طرف آئے۔ اور اسی پر ۲۵۱ھ

میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۴۴۰ - ۴۴۱) (۱۳۷۵) ابو العباس بن سریج : یہ شافعی تھے اور صاحبِ تصانیف ہیں۔ انھوں نے ۳۰۶ھ میں وفات پائی۔ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (شذرات الذہب : ۲ : ۲۴۷ - ۲۴۸)

(۱۳۷۶) یہاں شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر چیز میں مشاہدۂ حق کرتے ہیں، چنانچہ یہاں وہ کسی بچے کی خوبصورتی کو دیکھ کر حق کا مشاہدہ کرنے کا دعویٰ کریں ؂

فہرست اعلام

ح

خ

ز

س

ش

ص

غ

ف

ق

(ن)

ھ

و

ی